تالیف:
حضرت مولانا احمد حسن محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
تفسیر
احسن التفاسیر
اردو
www.KitaboSunnat.com
ہدیہ منجانب
بلال گروپ آف انڈسٹریز
لاہور کراچی

وقف
سورة فاتحة الكتاب سبعة ايات مكية
بسم الله الرحمن الرحيم
الحمد لله رب العلمين الرحمن الرحيم
ملك يوم الدين اياك نعبد
في كتاب مكنون
وقف

إنه لقرآن كريم

وإياك نستعين اهدنا الصراط

المستقيم صراط الذين أنعمت عليهم

غير المغضوب عليهم ولا الضالين

لا يمسه إلا المطهرون

بسم اللہ الرحمن الرحیم
اس تفسیر کو پڑھنے اور اس سے فائدہ
اٹھانے والے حضرات سے درخواست ہے کہ وہ
بلال گروپ آف انڈسٹریز
کے مالکان، انکے آباؤ اجداد، آل اولاد اور اہل وعیال کو
اپنی دعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھیں، خصوصاً یہ دعا کہ اللہ تعالیٰ
انکی تمام لغزشیں معاف فرمائے اور حسنات قبول فرمائے،
اور خاتمہ بالخیر فرمائے: آمین ثم آمین
فون: 5716134-36
A-88 مین گلبرگ —— لاہور
وقف

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا

قرآن مجید مترجم

ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلویؒ المتوفی سنہ ۱۲۳۰ھ

مع تفسیر

احسن التفاسیر

اردو

جس میں احادیث حسنہ صحیحہ اور اقوال صحابہؓ و دیگر سلف سے قرآن حکیم کی تفسیر کی گئی ہے اور صحت روایت کا حد درجہ خیال رکھتے ہوئے معتبر و مسلّمہ تفاسیر مثلاً تفسیر ابن جریر، ابن کثیر، معالم، خازن، درمنثور اور فتح البیان کے اہم مطالب کا بہترین انتخاب ہے۔ نیز آیات کریمہ کے شان نزول صحیح بالتزام صحت سند لائے گئے ہیں۔

از تالیفات عالیہ

عمدۃ المفسرین، سند المحدثین، علامۂ زمن حضرت مولانا سید احمد حسن المتوفی سنہ ۱۳۳۸ھ تغمدہ اللہ برحمتہ
مصنف تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ وغیرہ۔

تزیین وتخریج احادیث
حافظ عبدالرحمٰن گوہڑوی

جلد دوم

(جو منزل دوم پر مشتمل ہے)

المکتبۃ السلفیۃ شیش محل روڈ لاہور ۲

سلسلہ مطبوعات نمبر ۹

باہتمام ——— احمد شاکر

ناشر ——— المکتبۃ السلفیۃ، لاہور ۲

مطبع ——— طفیل آرٹ پرنٹرز لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مطالب تفسیر احسن التفاسیر جلد دوم

سورۃ الانعام

فوٹو آفسٹ:۔ اورینٹ پروسیس لاہور

تفسیر

احسن التفاسیر

منزل دوم

المائدۃ ــــــــــ التوبۃ

اٰیاتھا ١٢٠ ـــــ (۵) سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃِ مَدَنِیَّۃٌ (١١٢) ـــــ رکوعاتھا ١٦

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۃ اُحِلَّتْ لَکُمْ بَھِیْمَۃُ الْاَنْعَامِ اِلَّا

اے ایمان والو پورا کرو اقرار حلال ہوئے تم کو چوپائے سوائے اسکے

مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ط اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ

جو تم کو سناویں گے مگر حلال نہ جانو شکار کو اپنے احرام میں اللہ حکم کرتا ہے

مَا یُرِیْدُ ①

جو چاہے ٭

١۔ مسند امام احمد اور طبرانی میں اسماء بنت یزیدؓ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے سفر میں سورہ مائدہ کی یہ آیتیں نازل ہوئیں[1]۔ اس شان نزول کی روایت کی سند میں اسماء بنت یزیدؓ کا پروردہ شہر بن حوشب ایک راوی ہے جس کو بعضے علماء نے ضعیف اور کثیر الارسال لکھا ہے لیکن تقریب میں اس کو صدوق لکھا ہے[2] شہر بن حوشب کی یہ روایت اسماء بنت یزید سے ہے جو شہر بن حوشب کی پرورش کرنے والی ہیں اس لئے اس سند میں ارسال کا وہم بھی باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ تابعی بغیر ذکر صحابی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت کرے تو اس کو ارسال اور اس کی حدیث کو مرسل کہتے ہیں اس سند میں وہ بات نہیں ہے۔ عقد عہد کو کہتے ہیں۔ اس میں علماء مفسرین کا اختلاف ہے کہ ان آیتوں میں عقود کے معنی کون سے عہود کے ہیں۔ تفسیر ابن جریر میں علی بن ابی طلحہؓ کے واسطے سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے اس میں حرام و حلال چیزوں کے جو احکام عہد کے طور پر قرآن شریف میں ہیں انہی احکام کو عقود کی تفسیر قرار دیا گیا ہے[3]۔ یہ اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی جو روایت علی بن ابی طلحہ کے واسطے سے تفسیر میں ہو وہ نہایت صحیح شمار کی جاتی ہے۔ اس لئے یہی تفسیر رفع اختلاف کے لئے کافی ہے آگے اللہ تعالیٰ نے حرام و حلال کا ذکر جو فرمایا ہے اس سے بھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے۔ بَھِیْمَۃُ الْاَنْعَامِ کے معنی چوپائے مویشی کے ہیں۔ ان معنی میں بستی کے جانور اونٹ گائے بکری بھیڑ اور جنگل شکار کر کے کھانے کے قابل جانور مثلاً نیل گائے۔ ہرن یہ سب داخل ہیں۔ انعام کے لفظ میں چوپائے درندے داخل نہیں ہیں۔ کیونکہ عرب کے محاورے میں درندوں کے نام جدا جدا ہیں اسی حکم شرعی کے جتلانے کے لئے اللہ کے رسول نے فرمایا ہے کہ سب درندے چوپائے حرام ہیں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت جابرؓ سے جو روایتیں ہیں ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درندے جانوروں کے

[1] تفسیر ابن کثیر ج ٢ ص ٢ [2] ص ٢٢٧ تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب التہذیب ج ۴ ص ٣٧١۔ اس راوی کا ذکر تفسیر ہذا من التفا کی جلد اول کے ص ٨۴ پر بھی گذر چکا ہے [3] تفسیر ابن جریر ج ٦ ص ٣٢ و تفسیر ابن کثیر ج ٢ ص ٣ ٭

منزل ۲

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ

اے ایمان والو حلال نہ سمجھو اللہ کے نام کی چیزیں اور نہ ادب والا مہینہ اور نہ نیاز کے جانور

وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ اٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ

جو بٹے کو جاویں اور گلے میں لٹکن والیاں اور نہ آنے والوں کو ادب والے گھر کی طرف کہ ڈھونڈتے ہیں فضل اپنے رب کا

وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ

اور خوشی اور جب تم احرام سے نکلو تو شکار کرو

حرام ہونے کا ارشاد فرمایا ہے۔ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ کا مطلب یہ ہے کہ آگے آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ میں جن جانوروں کا ذکر فرمایا ہے وہ حرام ہیں غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ کا مطلب یہ ہے کہ حاجیوں کو احرام کی حالت میں خشکی کے جانوروں کا شکار حرام ہے ہاں دریائی جانوروں کا شکار حالتِ احرام میں روا ہے چنانچہ اس کا ذکر آگے آتا ہے اب آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم اور ارادۂ ازلی کے موافق جن جانوروں کے حلال یا حرام ہونے کا حکم فرما دیا ہے اُس کی مصلحت کو وہی خوب جانتا ہے۔ اللہ کی مصلحت کے برخلاف اہل مکہ نے بعض جانوروں کو بحیرہ سائبہ وغیرہ کے نام سے جو حرام ٹھہرا رکھا ہے یہ ملتِ ابراہیمی میں نہیں ہے۔ بلکہ یہ زمانہ کفر کی رسم ہے ہر ایماندار شخص کو اس سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ بحیرہ سائبہ جانوروں کا ذکر اس سورہ میں آگے آوے گا۔

۲۔ ابن جریر میں عکرمہ اور سُدی سے روایت ہے کہ ایک شخص شریح بن ہند مدینہ میں آن کر مسلمان ہو گیا تھا اور اپنے وطن میں جا کر پھر مرتد ہو گیا اور اس قصہ کے ایک سال کے بعد اُس شخص نے حج کا قصد کیا۔ صحابہؓ نے آنحضرت سے درخواست کی کہ اگر آپ اجازت دیں تو شریح بن ہند کے ساتھ جو نیاز کعبہ کے جانور اور تجارت کا مال ہے اس کو ہم لوٹ لیویں۔ آپ نے فرمایا یہ کیونکر ہو سکتا ہے وہ تو نیاز کے جانور لے کر حج کے ارادہ سے جا رہا ہے۔ اتنے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ مشرکین اپنے آپ کو ملت ابراہیمی کا پابند جان کر حالت شرک میں بھی حج کیا کرتے تھے اور سورۂ براءۃ کے نازل ہونے سے پہلے بموجب حکم اس آیت کے مسلمانوں کو منع تھا کہ مشرکوں کو حج سے روکیں۔[۳] سورۂ براءۃ میں جب یہ حکم اترا کہ مشرک لوگ ناپاک اور نجس ہیں آیندہ سال سے وہ مسجد حرام کے پاس نہ آیا کریں جب سے سورۂ مائدہ کی اس آیت کا حکم منسوخ ہے۔ ابو جعفر ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے منسوخ ہونے پر اجماع نقل کیا ہے لیکن ایک جماعت مفسرین کی اس آیت کے منسوخ ہونے کے قائل نہیں ہیں۔[۴] اور شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ نے الفوز الکبیر میں اس آیت کے منسوخ ہونے کو تسلیم نہیں کیا۔[۵] زیادہ تفصیل اس کی سورۂ براءۃ میں آوے گی۔ حاصل یہ ہے کہ جو علماء سورۂ مائدہ

۱؎ صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۴۷ باب تحریم اکل ذی ناب من السباع الخ ۲؎ تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۳۸ و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵ و تفسیر خازن ج ۱ ص ۴۱۵

۳؎ تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۶۳ ۴؎ تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۴۰۔۴۱ و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵ ۵؎ الفوز الکبیر ص ۰ طبع المکتبۃ السلفیہ لاہور۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ

اور باعث نہ ہو تم کو ایک قوم کی دشمنی کہ تم کو روکتی تھی ادب والی مسجد سے اس پر کہ

تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ

زیادتی کرو اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر اور مدد نہ کرو گناہ پر

کی کسی آیت کے منسوخ ہونے کے قائل نہیں ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ سورۂ براءۃ کے نازل ہونے سے پہلے مشرک مسلمان سب حج کو جاتے تھے اور اس وقت تک یہ عام حکم تھا کہ کسی حج کے جانے والے کو خواہ مشرک ہو یا مسلمان حج کے جانے سے روکا نہ جائے سورۂ براءۃ کے اس حکم سے کہ آیندہ سال سے مشرک لوگ مسجد حرام کے پاس نہ آیا کریں سورۂ براءۃ کے پہلے کا جو وہ عام حکم تھا اس میں ایک تخصیص ہوگئی اس کو ناسخ و منسوخ نہیں کہا جا سکتا۔ شعائر شعیرہ کی جمع ہے جس کے معنی نشانی کے ہیں۔ احرام باندھنا۔ قربانی کے جانوروں کا ساتھ لینا۔ احرام کے مہینوں میں حج کے ارادہ سے سفر کرنا پہچان کے لئے قربانی کے جانوروں کے گلے میں پٹہ کا ڈال دینا یہ سب باتیں حج کے ارادہ میں اللہ کی تعظیم کی نشانیاں ہیں۔ اس لئے ان کو شعائر اللہ فرمایا سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے کہ احرام کے مہینے شروع شوال سے لے کر ذی الحجہ کی دسویں تک ہیں اور یہ بھی گزر چکا[1] ہے کہ رجب۔ ذیقعد۔ ذی الحجہ۔ محرم۔ ان مہینوں میں رفع شر کے طور پر لڑنا جائز ہے۔ لڑائی کی ابتدا اپنی طرف سے مسلمانوں کو جائز نہیں ہے۔ ھدی قربانی کے وہ جانور جن کو حاجی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں قلائد وہ پٹے جو ان جانوروں کے گلے میں پہچان کے لئے ڈالتے ہیں آمین البیت الحرام کے معنی حاجی لوگ۔ حاصل معنی آیت کے یہ ہیں کہ ان تعظیم کے مہینوں میں لوٹ مار کرنا اور اللہ کی تعظیم کی نشانیوں کی توہین کرنا مسلمانوں کو جائز نہیں ہے کیونکہ حاجی لوگ اگرچہ حج کے سفر میں تجارت کا مال بھی ساتھ رکھیں تو رکھیں لیکن اصل قصد ان کا حج سے اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کا ہوتا ہے حالت احرام میں خشکی کے جانوروں کا شکار جو منع فرمایا تھا اب آگے فرمایا کہ احرام کے کھل جانے کے بعد وہ ممانعت باقی نہیں رہتی اگر بغیر احرام والا کوئی شخص شکار کے جانور کا گوشت احرام والے شخص کو دیوے تو احرام والے شخص کو اس کا گوشت کھانا جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ وہ شکار احرام والے شخص کی خاطر سے نہ کیا گیا ہو معتبر سند سے مسند امام احمد اور ابن ماجہ میں ابوقتادہ کی جو حدیث ہے اس میں یہ سب ذکر تفصیل سے ہے[2]۔ اگر احرام والا شخص غیر احرام والے شکاری شخص کی کچھ مدد کرے تو اس شکار کے جانور کا گوشت بھی احرام والے شخص پر حرام ہو جاتا ہے چنانچہ اس کا ذکر صحیح مسلم[3] کی ابوقتادہ کی حدیث میں ہے۔ یہ حدیثیں آیت کے آخری ٹکڑے کی گویا تفسیر ہیں۔ یہ اوپر گزر چکا ہے کہ حج کے ذیل میں کچھ تجارت کی جاوے تو اس سے حج میں کچھ فتور نہیں پڑتا۔

تفسیر ابن ابی حاتم میں زید بن اسلمؓ سے روایت ہے کہ قصہ حدیبیہ کے بعد کچھ مشرکین مدینہ کی راہ سے عمرہ کی نیت سے

[1] دیکھئے ص ۱۵۵–۱۵۶ جلد اول طبع المکتبۃ السلفیہ لاہور [2] ابن ماجہ ص ۲۳۰ باب الرخصۃ فی ذلک اذا لم یصد لہ ÷ ÷

[3] صحیح مسلم ص ۳۸۰–۳۸۱ ج ۱ باب تحریم الصید الماکول البری الخ ÷

وَالْعُدْوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ② حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ

اور زیادتی پر اور ڈرتے رہو اللہ سے اللہ کا عذاب سخت ہے حرام ہوا تم پر

الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ

مُردہ اور لہو اور گوشت سور کا اور جس چیز پر نام پکارا اللہ کے سوا اور جو مرگیا گھُٹ کر

مکہ جاتے تھے صحابہ کرام نے آنحضرت سے اجازت چاہی کہ جس طرح مشرکوں نے ہم کو حدیبیہ کے قصہ کے وقت مکہ میں جانے اور عمرہ کرنے سے روکا تھا ہم بھی ان کو روکیں اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[1] حاصل معنی آیت کے یہ ہیں کہ جن لوگوں نے دشمنی کر کے تم کو کعبہ میں جانے سے روکا تھا صلح حدیبیہ کے بعد ان لوگوں سے دشمنی کا بدلہ لینا صلح کی شرط کے خلاف ہے۔ ایسی ناجائز اور زیادتی کی باتوں پر مسلمانوں کو ایکا نہ کرنا چاہیئے، بلکہ مسلمانوں کا ایکا اور آپس کی امداد ہمیشہ نیک باتوں پر ہووے اور ناجائز امداد سے خدا کا خوف دل میں رہے کیونکہ خدا کا عذاب بڑی سخت چیز ہے۔ صحیح مسلم میں نواس بن سمعانؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برّ کے معنی حسن اخلاق کے فرمائے ہیں اور فرمایا ہے کہ اثم وہ کام ہے جس کے کرنے سے آدمی کو ایک خلجان پیدا ہو اور وہ اس کام کو لوگوں سے چھپاوے[2]۔ یہ حدیث گویا آیت کی تفسیر ہے:

۳- یہ اوپر گزر چکا ہے کہ یہ آیت اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ کی تفسیر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اُحِلَّتْ لَکُمْ بَهِیْمَةُ الْاَنْعَامِ میں عام طور پر چوپایوں کے حلال ہونے کا جو حکم دیا گیا ہے اس میں سے وہ چوپائے حرام ہیں جن کا ذکر اس آیت میں ہے مُردار وہ جانور جو بغیر ذبح اور شکار کے اپنی موت سے مر جاوے۔ سورۂ بقرہ میں مسند امام احمد ابن ماجہ اور مستدرک حاکم وغیرہ کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ حدیث گزر چکی[3] ہے کہ مُردار جانوروں میں سے دو مردار جانور مچھلی اور ٹڈی حلال ہیں۔ اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن زید بن اسلم کو بعضے علماء نے اگرچہ ضعیف کہا ہے لیکن امام احمد نے عبداللہ بن زید کو ثقہ لوگوں میں شمار کیا[4] ہے۔ اس حدیث کی سند کا صحیح ہونا تسلیم کر کے ابوزرعہ وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے اس کا جواب اور علماء نے یہ دیا ہے کہ اس حدیث میں اُحِلَّ لَنَا کا لفظ ہے اور اصولِ حدیث میں یہ طے ہو چکا ہے کہ صحابی کے جس قول میں اس طرح کے لفظ ہوں وہ قول حدیث نبوی کے حکم میں ہوا کرتا[5] ہے سورۂ بقرہ میں یہ گزر چکا ہے کہ ذبح کے وقت جانور کی رگوں میں سے نکل کر جو خون بہا کرتا ہے وہ خون حرام ہے گوشت میں لگا ہوا خون حرام نہیں ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث جو اوپر گزری اس میں یہ بھی ہے کہ خون میں سے دو خون کلیجی اور تلی حلال ہیں۔ اوپر سے جانوروں کے گوشت کا ذکر تھا اس لئے لحم الخنزیر فرمایا اور سورۂ انعام میں لحم الخنزیر فرما کر اس کے بعد فانہ رجس بھی فرمایا تاکہ معلوم ہو جاوے کہ گوشت

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۶ [2] صحیح مسلم ص ۳۱۴ ج ۲ باب تفسیر البر والاثم [3] دیکھئے ج ۱ ص ۲۱۴ [4] منتقی الاخبار ص ۳۱۶ باب ما جاء فی السمک والجراد الخ

[5] اس مسئلہ کی تفصیل کیلئے دیکھئے تلخیص الحبیر ص ۹ باب النجاسات ونیل الاوطار ج ۸ ص ۲۶:

وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ

یا چوٹ سے یا گر کر یا سینگ مارے سے یا جس کو کھایا پھاڑنے والے نے مگر جو تم نے ذبح کیا

پر منحصر نہیں سور کے سارے اجزا ناپاک ہیں۔ بعضے مفسروں نے سورۂ انعام کی آیت کی تفسیر میں یہ بحث جو کی ہے کہ لحم خنزیر کی ترکیب اضافی ہے اور اس طرح کی ترکیب اضافی کے بعد جو ضمیر آتی ہے وہ مضاف کی طرف پھرا کرتی ہے مضاف الیہ کی طرف نہیں پھرا کرتی اس لئے فانہ میں جو ضمیر ہے وہ لحم کی طرف پھرے گی اور معنی یہ ہوں گے کہ سور کا گوشت ناپاک ہے اس معنی کی بنا پر سور کے سارے اجزا کا ناپاک ہونا آیت سے نہ نکلے گا۔ اس کا جواب اور علماء نے یہ دیا ہے کہ آیت كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا (۶۲/۲) اور آیت وَاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (۱۶/۱۴) کی بھی یہی ترکیب ہے اور ان میں یحمل کی ضمیر اور ایاہ کی ضمیر مضاف الیہ کی طرف پھرتی ہے اس لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس طرح کی ترکیب میں ہمیشہ ضمیر کا مضاف کی طرف پھرنا لازمی ہو۔ صحیح مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں بریدہ اسلمی رض کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چوسر کھیلنے والا شخص جب تک چوسر کھیلتا ہے تو اس کے ہاتھ گویا سور کے خون میں ڈوبے رہتے ہیں[1]۔ جن علماء نے سور کے سارے اجزا کو ناپاک ٹھہرایا ہے اس حدیث سے اُن کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں اللہ کے رسول نے ناپاکی کو سور کے گوشت میں منحصر نہیں فرمایا۔ اگرچہ اب عیسائی لوگ سور کو حرام نہیں سمجھتے لیکن تورات کے حصہ استثناء کے باب ۱۴ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل عیسائی مذہب میں سور قطعی حرام ہے۔ دباغت سے امام ابوحنیفہ رح اور امام شافعی رح کے نزدیک سور کی کھال پاک نہیں ہوتی امام مالک رح اور امام احمد رح سے اس باب میں مختلف روایتیں ہیں۔ دباغت اس طریقہ کو کہتے ہیں جس سے کھال کو پاک وصاف کر کے استعمال کے قابل کیا جاتا ہے اور امام ابویوسف رح کو اس باب میں امام ابوحنیفہ رح سے اختلاف ہے۔ صحیح مسلم، ترمذی، ابن ماجہ اور مسند امام احمد میں حضرت عبداللہ بن عباس رض سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر ایک کھال دباغت سے پاک ہو سکتی ہے[2]۔ اس حدیث سے امام ابویوسف رح کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے۔ زیادہ تفصیل اس مسئلہ کی بڑی کتابوں میں ہے[3]۔ جمہور مفسرین نے آیت وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ کے یہ معنی کئے ہیں کہ یہ وہ جانور ہے جس کے ذبح کے وقت سوا اللہ کے اور کسی کا نام لے کر اس کو ذبح کیا جائے جس طرح مشرکین مکہ جانوروں کے ذبح کرنے سے پہلے اپنے بتوں کے نام ذکر کرتے تھے اور ذبح کے وقت اُن بتوں کا نام لے کر اُن جانوروں کو ذبح کرتے تھے۔ جمہور مفسرین کے معنی کے علاوہ تفسیر عزیزی میں آیت کے یہ معنی بیان کئے گئے ہیں کہ سوا اللہ کے کسی اور شخص کی تعظیم کی غرض سے اگر کوئی جانور اس شخص کے نام کا ٹھہرایا جائے اور ذبح کے وقت عادت کے طور پر بسم اللہ اللہ اکبر زبان سے کہہ کر اس جانور کو

---

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴۰ باب تحریم اللعب بالنرد وتفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۷۔ [2] صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۵۸ باب طہارۃ جلود المیتۃ بالدباغ وجامع ترمذی ج ۱ ص ۲۰۶ باب ماجاء فی جلود المیتۃ اذا دبغت وابن ماجہ ص ۲۶۶ باب لبس جلود المیتۃ اذا دبغت۔

[3] نیل الاوطار ج ۱ ص ۷۴ — ۵۔

وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ۭ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۭ

اور جو ذبح ہوا کسی تھان پر اور یہ کہ نہ بانٹا کرو پانسے ڈال کر یہ گناہ کا کام ہے

ذبح کیا جاوے تو ایسے جانور کا گوشت بھی حرام ہے۔ آپ نے اس قول کے صحیح ہونے کی وجہ شاہ صاحب نے یہ بیان کی ہے کہ مثلاً جو لوگ سید احمد کبیر کی گائے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرتے ہیں جب اُن سے یہ کہا گیا کہ اس گائے کے معاوضہ کا گوشت بازار سے لے کر ایک دو دفعہ تم اپنا کام چلاؤ تاکہ معلوم ہو کہ ذبح کے وقت تمہارا بسم اللہ اللہ اکبر کا زبان سے کہنا دلی ارادہ سے ہے تو اُن لوگوں نے اس بات کو منظور نہیں کیا جس سے معلوم ہوا کہ ذبح کے وقت ان لوگوں کا بسم اللہ اللہ اکبر کہنا برائے نام ہے ان کی نیت میں اس شخص کی تعظیم ذبح کے وقت بھی بسی ہوئی ہوتی ہے جس کے نام کا انہوں نے وہ جانور ذبح سے پہلے ٹھیرایا تھا اس لئے اس ذبح کو ذبح شرعی نہیں کہہ سکتے[1]۔ یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کی صحیح بخاری و مسلم کی حدیث انما الاعمال بالنیات اور صحیح مسلم کی ابو ہریرہؓ کی حدیث اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى اَجْسَامِكُمْ وَلَا اِلٰى صُوَرِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ[2] اور اس قسم کی اور حدیثوں کے موافق شریعت کے سارے کاموں کا دار و مدار آدمی کی نیت اور دلی ارادہ پر ہے اس واسطے نیت اور دلی ارادہ کی بنا پر جو فیصلہ شاہ صاحب نے کیا ہے وہ بالکل اصول شرع کے موافق ہے۔ گلا گھٹ کر جو جانور مر جاوے اس کو منخنقہ کہتے ہیں۔ لکڑی وغیرہ کے مارنے سے جو جانور مر جاوے وہ موقوذہ ہے۔ اونچی جگہ سے گر کر جو جانور مر جائے وہ متردیہ ہے۔ دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے جو جانور مر جاوے وہ نطیحہ ہے۔ کسی درندہ نے ایک جانور پر حملہ کیا اور کسی شخص نے اس جانور کو زندہ پا کر اُسے ذبح کر لیا تو وہ حلال ہے، نہیں تو حرام، یہ تفسیر بعضے مفسرین کے قول کی بنا پر ہے لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول یہ ہے کہ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ مَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ سے وَمَا اَكَلَ السَّبُعُ تک سب جانوروں سے متعلق ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ ان سب جانوروں میں سے جس جانور کو کوئی شخص زندہ پا کر ذبح کر لیوے تو وہ حلال ہے۔ زکوٰۃ کے معنی ذبح کرنے کے ہیں ذبح کرنے کی چیز ایسی ہونی چاہئے جس سے گردن کی رگیں کٹ کر خون بہ جائے دانت اور ناخنوں سے ذبح منع ہے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم کی رافع بن خدیجؓ کی حدیث میں اس کا ذکر تفصیل سے ہے[3]۔ سلف کے نزدیک جو جانور دُم ہلائے یا آنکھیں کھول کر دیکھنے لگے یا کھڑا ہو جائے وہ زندہ شمار کیا جائے گا مشرکین مکہ نے تین سو ساٹھ تھان بتوں کے نام کے کعبہ کے اطراف میں بنا رکھے تھے جن میں تیر رکھے تھے ان تھانوں کی پوجا بھی کی جاتی تھی اور اُن تھانوں پر بتوں کے نام کے جانور بھی ذبح کئے جاتے تھے ان ہی جانوروں کو مَا ذُبِحَ فرمایا اور اُن تھانوں کو نصب فرمایا ہبل بت کے نام کا ایک بڑا تھان تھا وہاں پر تین تیر رکھے ہوئے تھے ایک پر اجازت لکھی ہوئی تھی۔ دوسرے پر مخالفت اور تیسرا خالی تھا مشرکین مکہ کو جب کسی کام کے کرنے نہ کرنے میں پس و پیش ہوتا تھا تو اس تھان

[1] تفسیر عزیزی ج ۱ ص ۱۰۱۔ [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱۷ باب تحریم ظلم المسلم الخ۔ [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۲۸ باب ماند من البہائم الخ وصحیح مسلم ج ۲ ص ۱۵۶ باب جواز الذبح بکل ما انھر الدم الخ۔

اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ط

آج | ناامید | ہوئے | کافر | تمہارے دین سے | سو ان سے مت ڈرو | بلکہ اللہ سے ڈرو

کے کاہن کے پاس جاتے تھے وہ کاہن اُن تیروں کو جوے کے پانسوں کی طرح اس طرح کام میں لاتا کہ ان کو ایک تھیلی میں ڈال کر بغیر دیکھے ایک تیر نکالتا اگر اجازت کا پانسا نکل آتا تو وہ کام کر لیا جاتا اور ممانعت کے پانسے پر اسی کام کا ارادہ فسخ کر دیا جاتا تھا۔ اگر خالی تیر والا پانسہ نکلتا تو پھر گھڑی گھڑی وہ پانسے یہاں تک کام میں لاتے جاتے کہ اجازت یا ممانعت کا پانسہ نکل آتا۔ ان تیروں کے پانسوں کا نام ازلام ہے۔ اور استقسام کے معنی ان پانسوں کے ذریعے سے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم دریافت کرنے کے ہیں۔ مشرکین مکہ کا یہ غلط اعتقاد تھا کہ ان پانسوں کے ذریعے سے غیب کی خبر کا دریافت کرنا ملتِ ابراہیمی کا ایک مسئلہ ہے چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ فتح کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے اندر ابراہیم علیہ السّلام اور اسمٰعیل علیہ السّلام کی تصویریں دیکھیں جن کے ہاتھوں میں بھی یہی پانسے تھے ان کو دیکھ کر آپ نے فرمایا اللہ ان مشرکوں کو ہلاک کرے جنہوں نے یہ تصویریں بنائی ہیں ابراہیم علیہ السّلام اور اسمٰعیل علیہ السّلام نے تو کبھی پانسے ہاتھ میں نہیں لئے[1] یہ پانسوں کا عمل ہبل بُت کے تھان پر کیا جاتا تھا اس لئے تھانوں کے ذکر میں اس کا ذکر بھی فرمایا۔ اس طریقہ سے ایک تو غیب کی خبر دریافت کی جاتی تھی جو سوا اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں۔ دوسرے غلطی سے اس کو ملت ابراہیمی کا ایک حکم شمار کیا جاتا تھا اس واسطے اس طریقہ کی ممانعت فرمائی۔ قرآن شریف کے نازل ہونے سے پہلے شیاطین آسمان کی بہت سی خبریں سُن آتے تھے اور عرب کے کچھ لوگوں سے اس واسطے کہہ دیتے تھے کہ یہ لوگ ان شیاطینوں کی نذر نیاز کرتے رہتے تھے۔ ان ہی لوگوں کو کاہن کہتے ہیں یہ کاہن لوگ فال کے طور پر اُن باتوں کو عام لوگوں کی ضرورت کے وقت بہت سی باتیں اپنی طرف سے ملا کر عام لوگوں سے کہہ دیتے تھے اور عام لوگوں سے کچھ لے لیا کرتے تھے اسی پر ان کاہنوں کی گزران تھی[2] صحیح بخاری و مسلم اور فقط صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کی حدیثیں ہیں اُن میں اِن شیاطینوں اور کاہنوں کا ذکر تفصیل سے ہے[3] ذٰلِکُمْ فِسْقٌ کا یہ مطلب ہے کہ جن باتوں کا اوپر ذکر گزرا کہ وہ باتیں حرام ہیں ان کو حلال جاننا نافرمانی اور گمراہی ہے کیونکہ ملت ابراہیمی میں ان باتوں کے کرنے کا کہیں حکم نہیں ہے۔ فتح مکہ سے پہلے مشرکین مکہ کو یہ امید تھی کہ شاید دین اسلام ضعیف ہو کر قریش میں کے جو لوگ مسلمان ہو گئے ہیں وہ پھر بُت پرست بن جاویں فتح مکہ کے بعد مشرکوں کی وہ امید منقطع ہو گئی اسی کا ذکر آگے فرما کر فرمایا کہ مشرکوں کا خوف تو اب اٹھ گیا مگر ہر ایمان دار کو اللہ کا خوف دل میں رکھنا

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۱۴ باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ یوم الفتح و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۱ [2] تفسیر ابن جریر ج ص [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۱۲۸ باب قراءۃ الفاجر والمنافق الخ بروایت حضرت عائشہؓ و ج ۲ ص ۷۰۸ تفسیر سورۃ سبا بروایت ابوہریرہؓ۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ

آج میں پورا دے چکا تم کو دین تمہارا اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے

چاہئے تاکہ اللہ سے نڈر ہو جانے کے سبب سے حالت اسلام میں کچھ ایسے کام مسلمانوں سے نہ ہو جائیں جس سے اللہ کی مدد کم ہو کر اسلام میں ضعف آجائے۔ صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جزیرہ عرب میں شیطان کے بہکانے سے بُت پرستی جو پھیلی ہوئی تھی وہ تو ایسی گئی کہ شیطان اُس سے ناامید ہو گیا لیکن آپس کی لڑائیوں کے لئے شیطان کے بہکاوے کا اثر اسلام میں باقی ہے[1]۔ یہ حدیث آیت کے آخری ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے کیونکہ آیت کے آخری ٹکڑے اور حدیث میں اُن آپس کی لڑائیوں سے پیشین گوئی کے طور پر ڈرایا گیا ہے جو اللہ سے نڈر ہو جانے اور شیطان کے بہکانے میں پھنس جانے سے باہم مسلمانوں میں لڑائیاں ہوئیں جن سے آخر کو اسلام میں ضعف آگیا۔

بخاری اور کتب حدیث میں روایت ہے کہ بعضے یہودی لوگوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ قرآن میں ایک آیت ایسی اُتری ہے کہ اگر ہم لوگوں پر وہ آیت اترتی تو ہم اس کے اُترنے کے دن کو عید ٹھہراتے حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھ کو معلوم ہے کہ کہاں اور کس دن یہ آیت اتری ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اُس دن دو عیدیں جمع تھیں کیونکہ حجۃ الوداع کے عرفہ اور جمعہ کے دن یہ آیت اتری ہے[2]۔ ابن جریر نے سدی سے روایت کی ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد پھر کوئی حکم حلال یا حرام کی بابت نہیں نازل ہوا اور اس آیت کے نزول کے دو مہینے اکیس روز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی[3]۔ ابن جریر میں یہ بھی روایت ہے کہ جس روز یہ آیت اتری ہے خدا کا شکر ہے کہ اس کے اترنے کے دن دو عیدیں جمع تھیں کیونکہ حجۃ الوداع کے عرفہ کے دن یہ آیت اتری ہے[4]۔ ابن جریر میں یہ بھی روایت ہے کہ جس روز یہ آیت اتری اس روز حضرت عمرؓ بہت روئے آنحضرت نے حضرت عمرؓ سے رونے کا سبب پوچھا انہوں نے جواب دیا کہ آج تک دن بدن دین کے بڑھنے کی توقع تھی اس آیت سے معلوم ہوا کہ آج دین کا مرتبہ کمال کو پہنچ گیا اور ہر کمال کو زوال کا خوف ہے اس لئے میں روتا ہوں۔ آنحضرت نے فرمایا سچ ہے[5]۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے صاحب شریعت نبی حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کی شریعتوں کو ایک خوشنما مکان سے تشبیہ دے کر یہ فرمایا کہ اس مکان میں ایک آخری اینٹ کی کسر تھی وہ آخری اینٹ میں ہوں کہ میری شریعت کے بعد وہ مکان پورا ہو گیا کیونکہ میں خاتم النبیین ہوں[6]۔ یہ حدیث گویا اس آیت کی تفسیر ہے کس لئے کہ آیت اور حدیث کے ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ پچھلی شریعتوں کی تکمیل شریعت محمدی سے ہوئی اور شریعت محمدی کی تکمیل قرآن شریف کے

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۶ باب تحریش الشیطان الخ و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۲۔ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۶۳ کتاب التفسیر و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۳۔ [3] تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۵۱۔ [4] تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۵۲۔ [5] ایضاً۔ [6] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰۱ باب خاتم النبیین و صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴۸ باب ذکر کونہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین۔

الْإِسْلَامَ دِينًا ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ ۙ

دین مسلمانی پھر جو کوئی ناچار ہو گیا بھوک میں کچھ گناہ پر نہیں ڈھلتا

فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣﴾

تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

نزول کی تاریخ سے شروع ہو کر سارے قرآن کے نزول کے ختم پر وہ تکمیل پوری ہو گئی۔ ترمذی اور مستدرک حاکم میں حضرت عائشہؓ اور عبداللہ بن عمرؓ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ سورۂ مائدہ حرام و حلال کے باب میں آخری سورہ ہے اس کے بعد حرام و حلال کا کوئی حکم نہیں اترا[1]۔ ان روایتوں کی بنا پر تفسیر سدی[2] وغیرہ میں ہے کہ اس مطلب کے ادا کرنے کے لئے اس سورہ میں اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ فرمایا لیکن امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت جو صحیح بخاری میں ہے وہ اس کی مخالف ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ سورۂ بقر کی آیت يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا سورۂ مائدہ کے بعد نازل ہوئی ہے[3] اس روایت کی بنا پر قتادہ اور سعید بن جبیر کے قول کے موافق حافظ ابن جریر کے نزدیک صحیح مطلب آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ کا یہ نہیں ہے کہ حرام و حلال کے احکام پورے ہو کر اس آیت کے نزول کے دن اسلام کامل ہو گیا بلکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اِنَّا فَتَحْنَا میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے خواب کو سچا کر کے مسلمانوں سے یہ وعدہ جو فرمایا تھا کہ اسلام کے غالب اور کامل ہونے کا وہ زمانہ آنے والا ہے جس میں مسلمان بے خوف و خطر کعبہ کا حج کریں گے اور حدیبیہ کی مزاحمت کی طرح کوئی مخالف اسلام کچھ مزاحمت نہ کر سکے گا حجۃ الوداع کے وقت اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہو گیا اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اپنے وعدے کے پورے ہو جانے کی نعمت مسلمانوں کو یاد دلائی حضرت عمرؓ کے رونے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس رونے کی حالت کو تصدیق کرنے کی جو روایت اوپر گزری اس سے سعید بن جبیر اور قتادہ کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے کیونکہ کمال و زوال اسلام کی قوت و ضعف کی حالت سے بھی ہے کس لئے کہ اسلام کے بعد کوئی شریعت قیامت تک نہیں ہے جو اسلام کے احکام کو منسوخ کر کے ان پر کچھ زوال کا اثر ڈالے اسلام میں پچھلے سب انبیاء اور پچھلی سب شریعتوں کے حق ہونے کی صداقت ہے اور قیامت تک یہی دین قائم رہے گا پچھلی شریعتوں میں جس طرح کچھ رد و بدل ہوا وہ اس میں کچھ نہ ہوگا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور اسلام آخری شریعت ہے اس لئے فرمایا کہ اس آخری زمانہ میں اللہ کو دین اسلام پسند ہے۔ آگے فرمایا کہ اوپر جن چیزوں کے حرام ہونے کا ذکر گزرا وہ چیزیں ایسے شخص کو حلال ہیں جو بھوک سے لاچار ہو جائے اور سوا ان حرام چیزوں کے اور کوئی حلال چیز اس شخص کو کھانے کو نہ ملے زیادہ تفصیل اس مسئلہ کی سورۂ بقر میں گزر چکی ہے یہ جو مشہور ہے کہ تین دن کے فاقہ کے بعد حرام چیز حلال ہوتی ہے

[1] مستدرک حاکم ج ۲ ص ۳۱۱ کتاب التفسیر [2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۲ [3] الاتقان ج ۱ ص ۲۶ و تفسیر مظہری ج ۳ ص ۱۹۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ

تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ان کو کیا حلال ہے تو کہہ تم کو حلال ہیں ستھری چیزیں اور جو سدھاؤ

مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ

شکاری جانور دوڑانے کو کہ ان کو سکھاتے ہو کچھ ایک جو اللہ نے تم کو سکھایا ہے سو کھاؤ اس میں سے

اس کا کچھ پتہ شرع کے احکام سے نہیں لگتا۔ بلکہ شرع میں لاچار اور بےبس آدمی کے لئے یہ حکم ہے۔ اور معتبر سند سے مسند امام احمد میں ابو واقد لیثی سے جو روایت ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو لاچار اور بےبس ٹھہرادیا ہے جس کو صبح اور شام کا کھانا میسر نہ آوے[۱] ترمذی میں بریدہؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل جنت کی ایک سو بیس[۲] صفیں ہوں گی جس میں اسّی صفیں امت محمدیہ کی ہوں گی[۳] اسلام کے اللہ تعالیٰ کے پسند ہونے کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے کیونکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بہ نسبت اور شریعتوں کے دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کو دوچند پھیلایا ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ مخمصہ کے معنی بھوک کے ہیں متجانف کے معنی کسی جانب کو مائل ہونے والا شخص ؛

۴۔ مستدرک حاکم ابن ابی حاتم اور ابن جریر میں ابو رافع کی شان نزول کی روایت ہے جس کو حاکم نے صحیح کہا ہے۔ اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت کے پاس آن کر دروازہ پر رک گئے گھر کے اندر نہیں آئے آنحضرت نے ان سے اس کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ جس گھر میں کتا ہو اس گھر میں فرشتے نہیں آتے پھر تلاش سے معلوم ہوا کہ گھر میں ایک کتہ کا پلا تھا آنحضرت نے اس کو نکلوادیا اور کتوں کے مارنے کا حکم دیا۔ اسی ذیل میں بعضے صحابیوں نے کتے کے شکار کا حکم آنحضرت سے پوچھا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[۴]۔ کتوں کے مارنے کا حکم سن کر صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ اس لئے پوچھا کہ اگر شکاری کتے کے پالنے کی بھی ممانعت ہو تو شکاری کتے جو ان کے پاس ہوں ان کو نکال دیں۔ صحیح بخاری مسلم وغیرہ میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شکار کے واسطے یا کھیتی یا مویشی کی حفاظت کے لئے کتے کا پالنا روا ہے نہیں تو نہیں[۵]۔ یہ حدیث اس آیت کی گویا تفسیر ہے کیونکہ آیت میں فقط شکاری کتے کے پالنے کی اجازت ہے اور حدیث میں یہ بھی تفسیر ہے کہ سوا شکار کی ضرورت کے دو ضرورتیں اور بھی ایسی ہیں جن میں کتے کا پالنا روا ہے۔ کتے کے شکار کے حلال ہونے میں یہ شرطیں ہیں۔ شکاری کتا سدھا ہوا ہو اس کا سدھا ہوا ہونا یوں معلوم ہوگا کہ کم سے کم دو دفعہ یا تین دفعہ اس کو آزمالیا جائے کہ جس وقت اس کو شکار پر چھوڑا جاتا ہے تو وہ جاتا ہے اور جب روکا جاتا ہے تو رک جاتا ہے۔ مالک کی بلا اجازت شکار کا گوشت کھا جانے کی جرأت نہیں کرتا۔ کتے کو شکار پر چھوڑتے

۱؎ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴ بحوالہ مسند احمد و تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۸۶۔ ۲؎ جامع ترمذی ج ۲ ص ۷۷ باب ماجاء فی کم صف اہل الجنۃ۔ ۳؎ تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۵۷ و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۶ و مستدرک حاکم ج ۲ ص ۳۱۱ کتاب التفسیر۔ ۴؎ صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۱۲ باب اقتناء الکلب للحرث و ج ۱ ص ۴۶۸ باب اذا وقع الذباب۔

اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ

کو رکھ چھوڑیں تمہارے واسطے کو اللہ کا نام لو اس پر اور ڈرتے رہو اللہ سے اللہ شتاب لینے والا ہے

الْحِسَابِ ④

حساب کا ۴

وقت بسم اللہ کہہ کر اُسے چھوڑنا چاہیئے اگر جان بوجھ کر بسم اللہ کا کہنا ترک ہو گیا اور کتے کا پکڑا ہوا شکار کا جانور ذبح کرنے سے پہلے مر گیا تو ایسے جانور کا گوشت کھانا اکثر علماء کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ کتے کا پکڑا ہوا جانور اگر جیتا ہاتھ آجاوے تو اس کو ذبح کرنا ضرور ہے۔ اگر ذبح کرنے سے پہلے وہ جانور مر گیا اور کتے نے اس میں سے کچھ گوشت کھا لیا تو گویا یہ کتا سدھا ہوا نہ رہا اس لئے اس کے شکار کا گوشت ناجائز ہے۔ ہاں اگر کتے نے اس میں سے کچھ نہیں کھایا تو یہ شکار جائز ہے کیونکہ سدھے ہوئے کتے کا جانور کو پکڑنا شرع میں قائم مقام ذبح کے ہے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم کی عدی بن حاتمؓ کی حدیث میں اس کا ذکر ہے[1]۔ اگر سدھے ہوئے کتے کے شکار میں دوسرا اجنبی کتا شریک ہو جائے اور شکار کا جانور ذبح کرنے سے پہلے مر جائے تو یہ گوشت مُردار ہے خواہ کتا اس میں سے کچھ کھائے یا نہ کھائے۔ اور درندوں میں سے چیتے کے شکار کا اور پرندوں میں سے باز وغیرہ شکاری جانوروں کے شکار کا بھی یہی حکم ہے جو کتے کے شکار کا ہے عدی بن حاتمؓ کی جس حدیث کا حوالہ اوپر گزرا اس کی روایت میں انہوں نے کتے کے شکار کے مسئلہ میں تیر کے شکار کا یہ مسئلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ تیر کے شکار کا جانور اگر ذبح کرنے سے پہلے مر جائے تو اس کا کیا حکم ہے آپ نے جو جواب دیا اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر تیر سے جانور کے جسم میں زخم لگا اور خون نکلا تو یہ جانور حلال ہے نہیں تو نہیں۔ اس لئے بعضے علماء نے یہ بات نکالی ہے کہ بندوق کے شکار کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ بندوق کا زخم تیر کے زخم سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ تیر کو کمان سے گولی چھرے کو بندوق سے جب چلایا جائے تو بسم اللہ کہہ کر چلایا جاوے[2] چنانچہ صحیح بخاری و مسلم کی ابو ثعلبہؓ کی حدیث میں اس کا ذکر ہے[3]۔ طیبات کے معنی ذبح کئے ہوئے حلال جانور۔ جوارح کے معنی شکاری جانور مکلبین کے معنی سدھے ہوئے جانور مما علمکم اللہ سے وہ عقل مقصود ہے جو اللہ تعالیٰ نے شکاری جانوروں کے سدھانے کے لئے انسان کو دی ہے واذکروا اسم اللہ علیہ کے معنی اوپر گزر چکے کہ شکاری جانور کے شکار پر چھوڑنے کے وقت بسم اللہ کہہ کر اُسے چھوڑنا چاہیئے۔ آخر آیت میں حساب کے وقت اپنے سامنے کھڑے ہونے سے اللہ تعالیٰ نے مسلمان شکاریوں کو ڈرایا تاکہ شکار میں جو شرطیں ٹھیرائی گئی ہیں شکاری لوگ ان شرطوں کی پابندی کریں۔ اور اس پابندی میں بے احتیاطی کرنے سے اس دن کا حساب یاد رکھ کر ڈریں۔

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۲۴ باب الصید اذا غاب عنہ یومین او ثلاثۃ۔ و صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۴۵ باب الصید بالکلاب المعلمۃ والرمی۔ [2] تفسیر فتح البیان ج ۳ ص ۱۱ طبع مصر [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۲۵ باب ما جاء فی التصید و صحیح مسلم ص ۱۴۶ باب الصید والکلاب الخ

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَ
آج حلال ہوئیں تم کو سب چیزیں ستھری اور کتاب والوں کا کھانا تم کو حلال ہے اور

طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ
تمہارا کھانا ان کو حلال ہے اور قید والی عورتیں مسلمان اور قید والی عورتیں

مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ
پہلی کتاب والوں کی جب ان کو مہر ادا کئے

مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْۤ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ
قید میں لانے کو نہ مستی نکالنے کو اور نہ چھپی آشنائی کرنے کو اور جو کوئی منکر ہوا

۵- آج کے دن سے مقصود وہی دن ہے جس روز یہ آیت اتری طیبات کے معنی اوپر گزر چکے ہیں کتاب[1] والوں کے کھانے کا مطلب اکثر سلف کے نزدیک اُن کے ذبح کئے ہوئے جانوروں کا ہے۔ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت عائشہؓ اور ابوہریرہؓ کی جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ فتح خیبر کے وقت ایک یہودیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کے بھنے ہوئے گوشت کی ایک ران بھیجی جس میں زہر ملا ہوا تھا آپ نے بھی اس گوشت میں سے کچھ کھایا اور بشر بن براؓ صحابی نے بھی کچھ کھایا جس کے سبب بشر بن براؓ پر تو اُس زہر کا اس قدر اثر ہوا کہ اسی شکایت میں ان کا انتقال ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اس زہر کا کسی قدر اثر ہوا[1]۔ یہ حدیث فعلی اور تقریری دونوں طرح پر گویا اس آیت کی تفسیر ہے۔ کیونکہ آپ نے کچھ گوشت اُس ران میں سے کھا کر یہ جتلایا کہ اہل کتاب کے ذبح کئے ہوئے جانور حلال ہیں۔ اسی کو حدیث فعلی کہتے ہیں اور بشر بن براء نے آپ کے روبرو وہ گوشت کھایا اور آپ نے ان کو منع نہیں کیا اس کو حدیث تقریری کہتے ہیں عرب کے کچھ لوگ بنی تغلب وغیرہ جب تک عیسائی نہیں ہوئے تھے تو عیسائیوں میں جانور خالص اللہ کے نام پر ذبح ہوا کرتے تھے عرب کے ان قبیلوں کے عیسائی ہو جانے کے بعد عیسائی مذہب میں سے یہ بات جاتی رہی اس واسطے اب اگر معلوم ہو جائے کہ عرب کے رواج کے مطابق اس جانور کی گردن مروڑ کر اُسے مارا گیا ہے تو اس طرح کے جانوروں کے حرام ہونے کا حکم آیت وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ میں اوپر گزر چکا ہے اکثر سلف کے نزدیک محصنٰت کے معنی یہاں آزاد عورتوں کے ہیں اس لیے ان کے نزدیک اہل کتاب کی لونڈیوں سے نکاح جائز نہیں[2] ہے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح ہو جانے کے بعد اگر میاں بی بی کا کھانا الگ الگ پکتا تو بڑی دقت کی بات تھی اس لئے دیر فرما دیا کہ اہل اسلام اپنے گھر کا پکا ہوا کھانا اہل کتاب کو کھلا سکتے ہیں اب آگے فرمایا کہ عورتوں سے کھلم کھلا بدکاری کا یار پردہ آشنائی کا چند روز تعلق نہ رکھا جائے بلکہ نکاح شرعی کے بعد ہمیشہ ان کو اپنے پاس رکھا جاوے۔

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹۹ باب اذا غدر المشرکون بالمسلمین و سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۰۰ باب فیمن سقی رجلا سما او اطعمہ الخ و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۹ ۔

[2] تفسیر خازن ج ۱ ص ۴۵۸ ۔ اس مسئلہ کی مختصر بحث تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۰ میں بھی ہے ۔

بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۵﴾ ع ۱ ۵
ایمان سے اس کی محنت ضائع ہوئی اور آخرت میں وہ ہارنے والوں میں ہے۔
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ
اے ایمان والو جب تم اٹھو نماز کو تو دھولو اپنے منہ

آخر آیت میں فرمایا کہ دنیاوی طور پر اہل اسلام اور اہل کتاب میں کھانے پینے اور بیاہ نکاح کا تعلق پیدا ہو گیا تو اس سے کیا ہوتا ہے اصل میں تو اہل کتاب اپنے عقبیٰ کو سنبھالیں کہ ضد کے سبب سے منسوخ شریعتوں پر جو عمل کر رہے ہیں اس کو چھوڑ کر اسلام کے تابع ہو جائیں ورنہ منسوخ شریعتوں کے موافق جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں وہ اللہ کے نزدیک سب اکارت ہے اور اس کا کچھ اجر عقبیٰ میں ان کو ملنے والا نہیں کیونکہ غلام کو اجر اس کام کا ملتا ہے جو کام آقا کی مرضی کے موافق ہو خلاف مرضی کام پر اجر کا ملنا تو در کنار اُلٹا مواخذہ اُن کے گلے پڑے گا کس لئے کہ اس آخری زمانہ کا حکم ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ جب انہوں نے سن لیا تو پھر اس کی مخالفت سے ان کو عقبیٰ میں بڑا نقصان اٹھانا پڑے گا۔ صحیح مسلم کی ابوہریرہؓ کی حدیث[1] گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص اہل کتاب میں سے میرا حال سن کر میری نبوت کو نہ مانے گا وہ دوزخ کے عذاب سے نجات نہیں پا سکتا یہ حدیث آیت کے آخری ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انسان کی راحت کی چیزیں اس لئے پیدا کی ہیں کہ انسان اُن سے راحت اُٹھا کر اس راحت کے شکریہ میں اللہ کی کچھ عبادت کرے اسی واسطے اُوپر کی آیتوں میں انسان کی راحت کی حلال چیزوں کا ذکر فرما کر ان آیتوں میں ہر روز کی پانچ وقت کی عبادت نماز کا ذکر فرمایا اور نماز کے لئے طہارت ضروری ہے۔ اِس واسطے نماز کے ذکر کے ساتھ وضو غسل اور تیمم کے حکم کی تفصیل فرمائی۔ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہونے کا ارادہ جب کوئی مسلمان شخص کرے اور وہ بے وضو ہو تو اس پر وضو فرض ہے اور باوضو ہو کر پھر دوسرا وضو کرے تو مستحب ہے۔ صحیح بخاری ومسلم میں ابوہریرہؓ کی حدیث[2] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے وضو آدمی کی نماز اس وقت تک قبول نہیں ہوتی کہ وہ شخص وضو نہ کر لیوے۔ صحیح مسلم میں حضرت بریدہؓ کی حدیث[3] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ فتح مکہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وضو سے چند نمازیں پڑھیں اس بات کو دیکھ کر حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ حضرت ایک وضو سے چند نمازوں کا پڑھنا آپ کی عادت کے برخلاف ایک امر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو جواب دیا کہ میں نے یہ کام جان بوجھ کر کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل مطلب یہ ہے کہ باوضو آدمی کا ہر نماز کے وقت تازہ وضو کرنا ثواب کی بات ہے۔ ورنہ

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۶ باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵ باب لا تقبل صلوۃ بغیر طہور و صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۹ باب وجوب الطہارۃ للصلوۃ [3] صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۳۵ باب جواز الصلوات کلہا بوضوء واحد و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۱۔

وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ

اور ہاتھ کہنیوں تک اور مل لو اپنے سرکو اور پاؤں ٹخنے تک

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ

اور اگر تم کو جنابت ہو تو خوب طرح پاک ہو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں یا ایک شخص

ایک وضو سے چند نمازیں بھی جائز ہیں چنانچہ اسی بات کے جتلانے کے لئے میں نے ایک وضو سے چند نمازیں پڑھی ہیں یہ حدیثیں آیت کی گویا تفسیر ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بے وضو آدمی پر ہر نماز کے وقت وضو فرض ہے اور باوضو آدمی مستحب کے طور پر ہر نماز کے وقت تازہ وضو کر سکتا ہے۔ وضو میں غرارہ کرنا اور ناک میں پانی دینا امام احمدؒ کے نزدیک فرض ہے لیکن اور علماء اس کو سُنّت کہتے ہیں[1]۔ اسی طرح ڈاڑھی کے بالوں کی جڑوں تک پانی کا پہنچانا بعضے علماء کے نزدیک فرض ہے مگر اور اکثر علماء اس کو بھی سنت کہتے ہیں[2]۔ حاصل یہ ہے کہ آیت میں وضو کے جن چار فرضوں کا ذکر ہے اُن میں تو اختلاف کرنے کا کسی کو کچھ موقع نہیں رہے۔ باقی کے فرائض وہ احادیث سے ثابت کئے گئے ہیں جن کی وجہ ثبوت اور وجہ اختلاف کی تفصیل بڑی کتابوں میں ہے۔ ہاتھوں کے دھوتے وقت کہنیوں کا بھی دھونا اس پر سوا امام زفرؒ کے اور سب علماء کا اتفاق ہے۔ اس باب میں حضرت جابرؓ کی حدیث جس کو دار قطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھوں کے دھوتے وقت کہنیوں کو بھی دھویا[3]۔ اس حدیث کو نووی، منذری، ابن صلاح وغیرہ نے ضعیف کہا ہے لیکن صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے مونڈھے تک اپنے ہاتھ دھوئے اور پھر یہ کہا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا[4]۔ اس حدیث سے جمہور علماء کے اس قول کی پوری تائید ہوتی ہے کہ ہاتھوں کے دھوتے وقت کہنیوں کا دھونا بلکہ اجر کے لحاظ سے اس سے بھی کچھ بڑھانا چاہیے چنانچہ ابوہریرہؓ کی اسی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مونڈھوں تک ہاتھ دھوکر یہ فرمایا کہ قیامت کے دن وضو کے اعضا میں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ایک چمک پیدا ہو جائے گی اس لئے جس سے ہو سکے وہ اپنی اس چمک کو بڑھائے[5]۔ بعضے علماء نے ابوہریرہؓ کے اس فعل پر یہ اعتراض جو کیا ہے کہ ابوہریرہؓ کا یہ فعل عمرو بن شعیب کی اُس حدیث کے مخالف ہے جو مسند امام احمدؒ نسائی ابو داؤد وغیرہ میں ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص وضو کی حد سے بڑھا اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا[6]۔ اس کا جواب اور علماء نے یہ دیا ہے کہ عمرو بن شعیب کی اس حدیث میں وضو کے اعضا کو تین دفعہ دھونے کی حد کا ذکر ہے اس لئے اس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۷۲-۱۷۳ [2] دیکھئے نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۸۴-۱۸۶ [3] سنن بیہقی ج ۱ ص ۵۶ باب ادخال المرفقین فی الوضوء و بلوغ المرام ج ۱ ص ۱۰ طبع فاروقی دہلی [4] تلخیص ص ۲۱ بحوالہ صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۲۶ باب استحباب اطالۃ الغرۃ الخ [5] یہ اثر موقوفاً محفوظ ہے (تلخیص ص ۲۱-۳۲) واللہ اعلم۔ [6] سنن نسائی ج ۱ ص ۲۰ الاعتداء فی الوضوء و سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۸ باب الوضوء ثلثا ثلثا ۔

أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا

تم میں آیا ہے جائے ضرور سے یا لگے ہو عورتوں سے پھر نہ پاؤ پانی تو قصد کرو زمین پاک کا

فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ ۚ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم

اور مل لو اپنے منہ اور ہاتھ اس سے اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کچھ

جو شخص اس تین دفعہ کی حد سے بڑھا اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا کہ وہ اسراف میں پکڑا جائے گا غرض ابوہریرہؓ کی حدیث میں اور عمرو بن شعیب کی حدیث میں کچھ مخالفت نہیں ہے۔ ابوہریرہؓ کی حدیث پر ایک یہ اعتراض بھی ہے کہ ابوہریرہؓ اپنے اس فعل میں تن تنہا ہیں کسی اور صحابی سے یہ فعل پایا نہیں جاتا۔ یہ اعتراض بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ کی صحیح روایتوں میں یہ فعل حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بھی موجود ہے[1]۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے تین دفعہ مسح کرنے کی جو روایتیں ہیں وہ تو ضعیف ہیں[2] ہاں صحیح حدیثوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سارے سر کا اور بعضے سر کا ایک دفعہ مسح کرنا ثابت ہے[3] اس واسطے علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے امام مالکؒ اور ایک روایت میں امام احمدؒ کے نزدیک سارے سر کا مسح فرض ہے لیکن صحیح مسلم ابوداؤد اور ترمذی میں مغیرہؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعضے سر کا مسح کرنے کا ذکر ہے[4]۔ اللہ کے رسول کی شان سے فرض کا ترک کرنا بہت بعید ہے اس واسطے سارے سر کے مسح کی فرضیت میں علماء کو کلام ہے۔ امام ابوحنیفہؒ ربع سر کے اور امام شافعیؒ بلاقید بعضے سر کے مسح کے قائل ہیں۔ دلیلیں ہر ایک مذہب کی بڑی کتابوں میں ہیں[5]۔ علیحدگی گردن کے مسح کے باب میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ پیروں کے باب میں اللہ کے رسول نے یہ مطلب سمجھایا ہے کہ تمام عمر اپنے پیر دھوئے۔ پیروں کا مسح ایک دفعہ بھی اللہ کے رسول سے ثابت نہیں۔ پھر یہی عمل آپ کے صحابہ کا رہا۔ امامیہ مذہب میں پیروں کے مسح کا جو رواج ہے وہ کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا۔ صحیح مسلم وغیرہ میں کئی صحابہ سے روایتیں ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ صحابہ کی ایڑیاں وضو کے وقت سوکھی دیکھ کر یہ فرمایا کہ ایسی ایڑیوں کو دوزخ کی آگ کی خرابی بھگتنی پڑے گی[6]۔ ان حدیثوں سے معلوم ہو سکتا ہے کہ پورے طور پر پیروں کے دھونے کی کس قدر تاکید ہے کہ تھوڑی سی جگہ کے سوکھے رہ جانے پر بھی دوزخ کی آگ کا سامنا ہے پھر ایسی حالت میں پیروں پر مسح کیونکر جائز ہو سکتا ہے کیونکہ مسح میں تو بہت سی جگہ پیروں میں سوکھی رہ جاتی ہے صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن زیدؓ کی اور صحیح مسلم میں حضرت عثمانؓ کی جو روایتیں ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کے

[1] مصنف ابن ابی شیبہ جز اول ص ۹ ۳ فی الرجل یتبلغ بالوضوء ابطہ طبع ملتان [2] سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۴ — ۱۵ باب صفۃ وضوء النبی صلی اللہ علیہ وسلم [3] جامع ترمذی ج ۱ ص ۷ باب ماجاء فی مسح الراس الخ [4] صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۳۴ باب المسح علی الخفین وجامع ترمذی ج ۱ ص ۱۵ باب المسح علی الجوربین والعمامۃ [5] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۴ وتفسیر معالم ج ۳ ص ۹ ۸ [6] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۸ باب غسل الاعقاب وصحیح مسلم ج ۱ ص ۱۲۴ — ۱۲۵ باب وجوب غسل الرجلین بکمالھا وجامع ترمذی ص ۸ باب ماجاء ویل للاعقاب من النار۔

مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ

تنگی رکھے لیکن چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور اپنا احسان پورا کیا چاہتا ہے تم پر کہ شاید تم

تَشْكُرُوْنَ ⑥

احسان مانو

اعضاء کو کبھی ایک ایک دفعہ دھویا ہے اور کبھی دو دو دفعہ اور کبھی تین تین دفعہ[1] ہاں تین دفعہ سے زیادہ دھونا منع ہے جس کا ذکر عمرو بن شعیب کی حدیث کے حوالہ سے اوپر گزر چکا۔ اکثر علماء کا قول ہے کہ ایک دفعہ دھونا فرض ہے تین دفعہ تک سنت ہے عربی زبان میں غسل کے معنی بدن کے بھیگ جانے اور تر ہو جانے کے ہیں چنانچہ عرب لوگ غسل المطر جب بولتے ہیں کہ کوئی شخص مینہ کے پانی میں ایسا بھیگ جاوے کہ اس کا سارا بدن تر ہو جائے۔ سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ نے حتی تغتسلوا اور یہاں فاطھروا فرمایا۔ طہارت کے لفظ سے ستھرائی کی تاکید نکلتی ہے اس سبب سے بعضے علماء اس بات کے قائل ہیں کہ ناپاکی کے غسل میں بدن پر پانی ڈالتے وقت بدن کو ہاتھ سے ملنا بھی چاہئے صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہؓ اور میمونہؓ کی جو روایتیں ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسل کی کیفیت کا بیان ہے ان روایتوں کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ناپاکی کے بعد غسل کا ارادہ فرماتے تھے تو پہلے کبھی دو دو دفعہ اور کبھی تین دفعہ دونوں ہاتھ دھوتے پھر داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈال کر بائیں ہاتھ سے شرمگاہ کو دھوتے اور پھر مٹی سے مل کر یہ الٹا ہاتھ دھوتے اور پھر وضو کرتے اس کے بعد سر کے بال بھگو کر انگلیوں سے بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچاتے اور تین دفعہ سر پر تین لپوں سے پانی ڈال کر باقی کے جسم پر ایک دفعہ پانی ڈال لیتے اور پھر دونوں پاؤں دھوتے تھے[2]۔ ان حدیثوں میں ہاتھ سے بدن کے ملنے کا ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح ان حدیثوں میں غرارہ اور ناک میں پانی دینے کا ذکر بھی نہیں ہے۔ اس واسطے اکثر علماء غسل میں اس کی فرضیت کے بھی قائل نہیں ہے ہاں امام ابو حنیفہؒ اور سفیان ثوری غسل میں ان دونوں باتوں کے فرض ہونے کے قائل ہیں۔ دلیلیں ہر ایک مذہب کی بڑی کتابوں میں ہیں[3]۔ جاگتے میں مباشرت کرنے سے سوتے میں صحبت سے عورت کے حیض یا نفاس سے پاک ہو جانے سے جو غسل کا حکم ہے اسی غسل کو ناپاکی کے بعد کا غسل کہتے ہیں اس غسل کے فرض ہونے میں کچھ اختلاف نہیں ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ام سلمہؓ سے اور معتبر سند سے مسند امام احمد اور نسائی میں خولہ بنت حکیمؓ سے اور معتبر سند سے مسند امام احمد و ترمذی۔ اور ابوداؤد میں حضرت عائشہؓ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ سوتے میں مباشرت کا خواب دیکھنے کے بعد منی کا کچھ اثر کپڑے پر پایا جاوے تو غسل فرض ہوتا ہے

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۷ — ۲۸ کتاب الوضوء و صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۹ — ۱۲۰ باب صفۃ الوضوء۔ [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۹ کتاب الغسل و صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۴۷ باب صفۃ غسل الجنابۃ۔

[3] دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۳ اور نیل الاوطار (متعلقہ ابواب) وغیرہ۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ

اور یاد رکھو احسان اللہ کا اپنے اوپر اور عہد اس کا جو تم سے ٹھیر گیا ہے جب تم نے کہا

سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۷

کہ ہم نے سنا اور مانا اور ڈرتے رہو اللہ سے اللہ جانتا ہے جیوں کی بات

ورنہ فقط خواب و خیال کا کچھ اعتبار نہیں[1]۔ یہ حدیثیں خواب میں مباشرت کے دیکھنے کی گویا تفسیر ہیں۔ اس ناپاکی کے غسل کے علاوہ جمعہ کا۔ عیدین کا۔ جدید اسلام کا پچھنے لگوانے کا بھی غسل ہے ان سب غسلوں کے فرض ہونے نہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے تفصیل اس اختلاف کی بڑی کتابوں میں ہے[2]۔ سورۃ النساء میں تیمم کے حکم کا ذکر غسل کے ذیل میں اور یہاں وضو کے ذیل میں فرمایا تاکہ معلوم ہو جاوے کہ عذر کی حالت میں تیمم غسل، اور وضو دونوں کا قائم مقام ہو سکتا ہے۔ تیمم کی شان نزول اور تفسیر سورۃ النساء میں گزر چکی ہے[3]۔ آب آگے فرمایا اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ تم کو پچھلی امتوں کی طرح مشقت میں ڈالے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم میں پچھلی امتوں کی برابر مشقت اٹھانے کی طاقت نہیں ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے تمہاری آسانی کے واسطے بجائے غسل اور وضو کے تیمم کا حکم نازل فرمایا تاکہ تم ہر حال میں پاک وصاف رہ کر اللہ تعالیٰ کی اس آسانی کی نعمت کے شکریہ میں اس کی عبادت سے غافل نہ رہو۔ صحیح مسلم میں حذیفہ ؓ سے روایت ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ امت محمدیہ پر تیمم کے حکم کو نازل ہونا اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے کیونکہ پچھلی امتوں میں یہ تیمم کا حکم نہیں تھا[4]۔ آیت میں تیمم کے حکم کو شکر کے قابل ایک نعمت جو فرمایا یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے تورات کے حصہ احبار لاویں کے باب پندرہ کے موافق اہل کتاب پر ناپاکی کے بعد کا غسل فرض ہے مگر ان لوگوں نے اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ مسند امام احمد وغیرہ میں ابی بن کعب ؓ کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ عورت سے صحبت کرنے کے بعد اگر منی نہ نکلے تو غسل فرض نہیں ہوتا۔ لیکن مابعد میں آپ نے یہ حکم دیا کہ منی نکلے یا نہ نکلے فقط صحبت سے ہی غسل فرض ہو جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ابتداء اسلام میں جو حکم تھا وہ مابعد کی حدیثوں سے منسوخ ہے۔ ابی بن کعب ؓ کی اس حدیث کو ابن خزیمہ اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے[5]۔

۷۔۔۔ ۱۔ اوپر تیمم کے حکم کو قابل شکر ایک نعمت فرما کر ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عام نعمتوں اور احسانوں کو یاد دلایا ہے اور ان نعمتوں اور احسانوں کے شکریہ کا طریقہ بھی جتلایا ہے کہ ان نعمتوں اور احسانوں کے یاد کرنے کے وقت اس عہد کو یاد کیا کرو جو اللہ کے رسول کی معرفت تم نے اللہ تعالیٰ سے ٹھیرا کر اس عہد کو پورا کرنے کا

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۲ باب اذا احتلمت المرأۃ و صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۴۵ – ۱۴۶ باب وجوب الغسل علی المرأۃ بخروج المنی منہا و جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۷ باب ما جاء فی المرأۃ تری فی المنام الخ و سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۳۱ باب فی الرجل یجد البلۃ فی منامہ و سنن نسائی ج ۱ ص ۲۶ باب غسل المرأۃ تری الخ۔ [2] دیکھئے نیل الاوطار جلد اول متعلقہ احادیث پر مباحث۔ [3] دیکھئے ج ۱ ص ۲۲۴۔ [4] صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۹ کتاب المساجد۔ [5] فتح الباری ج ۱ ص ۱۹۹ باب غسل ما یصیب من فرج المرأۃ۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُونُوا۟ قَوَّٰمِينَ لِلَّهِ شُهَدَآءَ بِٱلْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ

اے ایمان والو کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی اور ایک قوم کی

شَنَـَٔانُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُوا۟ ۚ ٱعْدِلُوا۟ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَٱتَّقُوا۟

دشمنی کے باعث عدل نہ چھوڑو عدل کرو یہی بات لگتی ہے تقوی کو اور ڈرتے رہو

ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾ وَعَدَ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟

اللہ سے اللہ کو خبر ہے جو کرتے ہو وعدہ دیا ہے اللہ نے ایمان والوں کو جو نیک عمل

ٱلصَّٰلِحَٰتِ ۙ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٩﴾ وَٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ وَكَذَّبُوا۟

کرتے ہیں کہ ان کو بخشنا ہے اور بڑا ثواب ہے اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلائیں

بِـَٔايَٰتِنَآ أُو۟لَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلْجَحِيمِ ﴿١٠﴾

ہماری آیتیں وہ ہیں دوزخ والے

پھر اقرار بھی کیا ہے یہ عہد وہی بیعت اسلام کا معاہدہ ہے جو ہر مرد و عورت سے اسلام کے قبول کرنے کے وقت اللہ کے حکم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ٹھیرایا کرتے تھے۔ شریعت میں جن باتوں کا حکم ہے رنج و خوشی ہر حال میں اُن کے موافق عمل کرنے کا اور جن باتوں کی مناہی ہے اُن سے بچنے کا یہ معاہدہ بیعت اسلام کے وقت ٹھیرایا جاتا تھا۔ صحیح بخاری و مسلم میں عبادہ بن صامتؓ کی ایک بڑی حدیث[1] ہے جس میں اس معاہدہ کا تفصیل سے ذکر ہے۔ اگرچہ بعضے مفسروں نے اس معاہدہ کی اور تفسیر بھی کی ہے لیکن جو تفسیر اوپر بیان کی گئی وہ امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق[2] ہے۔ اور حافظ ابوجعفر ابن جریر نے اسی تفسیر کو اور تفسیروں پر ترجیح دی[3] ہے۔ اس معاہدہ کے یاد دلانے کے بعد فرمایا کہ اُس معاہدہ پر قائم رہنے اور عہد شکنی کی نوبت نہ آنے دینے میں ہر ایمان دار کو چاہیئے کہ اللہ سے ڈرتا رہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو لوگوں کے دل تک کے بھید معلوم ہیں اس لئے معاہدہ پر قائم رہنے والوں کا اور عہد شکنی کی نوبت کو روا نہ رکھنے والوں کا کوئی حال اُس غیب دان سے چھپ نہیں سکتا۔ اسی معاہدہ کی تاکید میں فرمایا کہ شریعت میں اللہ اور اللہ کی مخلوق کے جو حقوق ٹھیر چکے ہیں انصاف سے ادا کرنے میں ہر ایمان دار کو ثابت قدم اور وقت پر تیار اور کھڑا ہونا چاہیئے کہ یہی معاہدہ کے پورا کرنے کی باتیں ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ فتح مکہ سے پہلے اگرچہ کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ وہ تمام ایمان داروں کے دشمن تھے لیکن فتح مکہ کے بعد جب وہ بھی اسلام میں داخل ہو گئے تو اَب اُس پہلی دشمنی کا کچھ خیال دل میں نہ رکھنا چاہیئے بلکہ اَب ان سے بھی ان کے موافق یا مخالف گواہی اور اُن کے ہر ایک معاملہ میں وہی انصاف کا طریقہ برتنا چاہیئے جو ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے برتا کرتا ہے۔ کیونکہ یہی انصاف کا طریقہ متقی بننے کا ایک

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۶۹ باب کیف یبایع الامام الناس و صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۵ باب وجوب طاعۃ الامر فی غیر معصیۃ الخ
[2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۰ [3] تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۹۰

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا

اے ایمان والو یاد رکھو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب قصد کیا ایک گروہ نے کہ تم پر

إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

ہاتھ چلائیں پھر روک دئے تم سے ان کے ہاتھ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور اللہ پر چاہئے بھروسہ

الْمُؤْمِنُونَ ﴿١١﴾

ایمان والوں کو

قریب تر راستہ ہے اس لئے اس طریقہ کے برخلاف کوئی راستہ اختیار کرنے سے خدا کا خوف کرنا چاہئے کہ وہ ہر شخص کے نیک و بدسب کاموں سے واقف ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ کی ایک بہت بڑی حدیث ہے[1] جس میں حجۃ الوداع کے وقت مقام عرفات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ کے ذکر میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا اہل مکہ کے اسلام کے بعد اسلام کے پہلے کے سب جھگڑے میں نے اپنے قدموں کے نیچے مل ڈالے جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے بعد اسلام سے پہلے کا کوئی جھگڑا کسی مسلمان کو نہ نکالنا چاہئے بلکہ اسلام کے بعد سب مسلمان ایک دل ہو کر میل جول سے رہیں۔ اب آگے نیکی کی جزا اور بدی کی سزا کا ذکر فرمایا تاکہ اس عہد پر قائم رہنے کی رغبت اور عہد شکنی کا خوف ہر ایماندار شخص کے دل میں پیدا ہو جائے۔

۱۱۔ اگرچہ مفسرین نے چند قصے اس آیت کی شان نزول میں بیان کئے ہیں لیکن غورث بن حارث کا قصہ جس کو عبدالرزاق نے حضرت جابرؓ کی روایت سے اپنی تفسیر میں اس آیت کا شان نزول قرار دیا ہے اس کی سند معتبر ہے اور نسبت اور قصوں کے اس قصہ کی اصل صحیح روایت سے ثابت ہے[2]۔ حاصل اس قصہ کا یہ ہے کہ بخاری نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ جنگ ذات الرقاع کے جاتے وقت ایک جنگل میں پیڑوں کے سایہ میں ہم سب لوگ ٹھیر گئے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں میں بھی ذرا سو گیا اور لوگوں کی بھی ذرا آنکھ جھپک گئی۔ تو آنحضرت کی تلوار جو ایک پیڑ میں آپ نے لٹکا دی تھی غورث بن حارث نے چپکے سے آن کر اتنے میں اتار لی اور تلوار کو میان سے کھینچ کر آنحضرت کی طرف اس کو تولا اور وار کرنا چاہا اور آنحضرت سے کہا اب تم کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے آپ نے فرمایا اللہ مجھ کو بچا سکتا ہے[3]۔ روایت ابن اسحاق میں ہے کہ اتنے میں حضرت جبرئیل نے آن کر غورث بن حارث کے سینہ پر ایک تھپکی ماری جس سے تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا پڑی تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جھٹ وہ تلوار اٹھالی اور غورث بن حارث سے پوچھا کہ اب تجھ کو کون بچا سکتا ہے اس نے کہا کوئی نہیں آپ نے فرمایا خیر جا اپنا راستہ پکڑ۔ واقدی نے اس قصہ کے بعد ذکر کیا ہے کہ اس حال کو دیکھ کر غورث بن حارث مسلمان ہو گیا اور اس کے سبب سے بہت سے لوگوں کو ہدایت ہوئی[4]۔ اس قصہ میں اللہ تعالیٰ نے

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۹۷ باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم [2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۳۱ و تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۲۶۵ [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۹۲ باب غزوۃ ذات الرقاع و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۱ [4] فتح الباری ج ۴ ص ۷۶ باب غزوۃ الرقاع۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ؕ

اور لے چکا ہے اللہ عہد بنی اسرائیل کا اور اٹھائے ہم نے ان میں بارہ سردار

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ

اور کہا اللہ نے میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم کھڑی رکھو گے نماز اور دیتے رہو گے زکوٰۃ اور یقین لاؤ گے

بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ

میرے رسولوں پر اور ان کی مدد کرو گے اور قرض دو گے اللہ کو اچھی طرح کا قرض تو میں اتاروں گا تم سے

اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ احسان فرمایا کہ اُن کو ایک مخالف شخص کے حملہ سے بچایا۔ پھر اس خاص احسان میں امت کے لوگوں کو شریک کر کے یہ آیت اس تنبیہ کے لئے نازل فرمائی کہ امت کی ہدایت کے لئے رسول کا آنا اللہ کا ایک بڑا احسان ہے اور اُس احسان کی حفاظت یہ اللہ کا امت پر گویا دوسرا احسان ہے اس قصہ میں ضرر کے گمان کے وقت اللہ کے رسول نے اللہ پر بھروسہ کیا اور اس کا انجام اچھا ہوا اس لئے آخر آیت میں عام مسلمانوں کو یہ ہدایت فرمائی کہ اگر وہ بھی ایسے موقعے پر اللہ پر بھروسہ کریں گے تو اُن کے بھروسہ کا بھی انجام اچھا ہوگا۔ اس تفسیر میں ایک جگہ گزر چکا ہے کہ اللہ پر بھروسہ کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دنیا عالم اسباب میں آدمی اسباب کو چھوڑ بیٹھے بلکہ اللہ پر بھروسہ کرنے کا یہ مطلب ہے کہ آدمی اسباب کو کام میں لاوے اور اُن اسباب میں تاثیر کے پیدا ہونے کا بھروسہ اللہ پر رکھے۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ پر بھروسہ رکھنے والے مسلمان کو بغیر حساب و کتاب کے جنت میں جانے کی خوش خبری دی ہے[۱]۔ یہ حدیث اللہ پر بھروسہ رکھنے والے کی فضیلت کی گویا تفسیر ہے۔

۱۲-۱۴۔ اوپر کی آیتوں میں اہل اسلام کی عہد اور اُس عہد پر قائم رہنے کی تاکید کا ذکر تھا ان آیتوں میں اہل کتاب کی عہد شکنی اور اس کے وبال کا ذکر ہے تاکہ مسلمان اس بات سے آگاہ ہو جاویں کہ عہد شکنی بڑے وبال کی بات ہے۔ اِن آیتوں میں یہود کی دو بدعہدیوں کا ذکر ہے۔ اول بدعہدی کے قصے کا حاصل یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے مصر کے قیام کے زمانے سے بنی اسرائیل نے ملک شام کی سکونت چھوڑ کر مصر کی سکونت اختیار کر لی تھی۔ حضرت موسیٰؑ کی نبوت کے زمانے میں فرعون کے ہلاک ہو جانے کے بعد حضرت موسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر ملک شام کو جائیں اور قوم عاد کے باقی رہے ہوئے لوگوں کی اولاد میں کے کچھ لوگ موقع پا کر ملک شام کی بستیوں پر جو قابض ہو گئے ہیں اُن سے لڑ کر وہ بستیاں خالی کراویں اور وہیں سکونت اختیار کریں۔ قوم عاد کے باقی رہے ہوئے لوگوں میں ایک شخص عملیق بن آذر تھا یہ ملک شام کی بستیوں کے قابض لوگ اسی شخص کی اولاد میں تھے۔ اس لئے اس قوم کو

[۱] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۵۸ باب ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ و صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۷ باب الدلیل علی دخول طوائف من المسلمین الجنۃ بغیر حساب ولا عذاب۔

سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ

برائیاں تمہاری اور داخل کروں گا تم کو باغوں میں بہتی نیچے ان کے نہریں پھر جو کوئی منکر ہوا

بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ

تم میں اس کے بعد وہ بے شک بھولا سیدھی راہ سو ان کے عہد توڑنے پر

لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ

ہم نے ان کو لعنت کی اور کر دیئے ان کے دل سیاہ بدلتے ہیں کلام کو اپنے ٹھکانے سے

عمالقہ کہتے تھے۔ یہ عمالقہ قوم کے لوگ بڑے شہ زور اور قدآور تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب ملک شام کے قریب پہنچے تو انہوں نے بنی اسرائیل کے بارہ اسباط میں سے بارہ شخص قوم کے سرگروہ اور چودھریوں کے طور پر چھانٹے اور ان کو قوم عمالقہ کی حالت دریافت کرنے کو بھیجا اور ان سے یہ عہد ٹھیرایا کہ قوم عمالقہ کی حالت دیکھ کر واپس آنے کے بعد بنی اسرائیل سے قوم عمالقہ کی شہ زوری کی کوئی ایسی بات بیان نہ کریں جس سے بنی اسرائیل ڈر جائیں۔ اب قوم عمالقہ کی حالت دیکھ کر واپس آنے کے بعد ان بارہ شخصوں میں سے دس آدمیوں نے بد عہدی کی اور اپنے رشتہ داروں سے قوم عمالقہ کی شہ زوری کی وہ حالت بیان کی جس کو سن کر بنی اسرائیل نے اس لڑائی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دینے سے انکار کیا جس کا ذکر آگے آتا ہے انہی بارہ چودھریوں کا ذکر ان آیتوں میں ہے کہ ان کی بدعہدی کے سبب سے۔ بنی اسرائیل نے اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام سے ہر حال میں ساتھ دینے کا عہد جو ٹھیرا رکھا تھا وہ انہوں نے توڑ ڈالا۔ دوسرا عہد تورات کے احکام کی پابندی کا تھا جس کا ذکر تفصیل سے ان آیتوں میں ہے۔ اس دوسرے عہد میں نماز زکوٰۃ اگرچہ ایسی چیزیں ہیں جن پر یہود قائم تھے۔ لیکن ان کو بدعہدی میں اللہ تعالیٰ نے اس لئے شمار کیا کہ یہ نماز زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کے عہد کے موافق نہ تھی۔ یہ وہی عہد ہے جس کا ذکر سورۂ آل عمران میں تفصیل سے گزر چکا ہے اور ان آیتوں میں مختصر طور پر وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ سے اسی عہد کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔ غرض اس عہد کے موافق یہود عیسیٰ علیہ السلام اور نبی آخر الزمان کی فرماں برداری اور پیروی کے پابند کئے گئے تھے۔ یہود نے اس پابندی کو چھوڑ دیا جس سے وہ تورات کے بھی پابند نہیں رہے۔ کیونکہ تورات کی جن آیتوں میں عیسیٰ علیہ السلام اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف تھے ان میں کی کچھ آیتوں کے لفظ تو انہوں نے بدل ڈالے اور کچھ لفظوں کے معنی اپنی طرف سے غلط گھڑ لئے چنانچہ اس مطلب کو اللہ تعالیٰ نے ان لفظوں میں ادا فرمایا ہے۔ یحرفون الکلم عن مواضعہ ونسوا حظا مما ذکروا بہ۔ قرضاً حسنا کا مطلب تعلق نفلی صدقہ خیرات سے ہے فبما نقضھم میں ما زائدہ ہے اصل فبنقضھم ہے۔ ہمیشہ یہود کی دغا بازیاں یہی ہیں کہ جیسے اللہ کے رسول پر انہوں نے جادو کرایا۔ آپ کے کھانے میں زہر ملایا۔ مدینہ کے گرد و نواح میں جو یہود رہتے تھے ان سے صلح کا عہد تھا اس لئے ان کی دغا بازیوں پر درگزر کا حکم فرمایا۔ اللہ کی لعنت کا مطلب اللہ کی رحمت سے دور ہو جانا ہے

وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا

اور بھول گئے ایک فائدہ لینا اس نصیحت سے جو ان کو کی گئی تھی اور ہمیشہ تو خبر پاتا ہے ان کی ایک دغا کی مگر

قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَمِنَ

تھوڑے لوگ ان میں سو معاف کر اور درگزر کر ان سے اللہ چاہتا ہے نیکی والوں کو اور وہ

الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ

جو کہتے ہیں اپنے آپ کو نصاریٰ ان سے بھی لیا تھا ہم نے عہد ان کا پھر بھول گئے ایک فائدہ لینا اس نصیحت سے جو انکو کی تھی

فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ

پھر ہم نے لگادی ان کی آپس میں دشمنی اور کینہ قیامت کے دن تک اور آخر جتاوے گا انکو

اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾

اللہ جو کچھ کرتے تھے ۔

جس کا اثر یہ ہُوا کہ اُن کے دل ایسے سخت ہو گئے کہ کسی نصیحت سے وہ ذرا بھی نرم نہ ہوئے۔ جس کا حاصل مطلب یہ ہُوا کہ کسی طرح کی نصیحت کا اُن کے دل پر کچھ اثر نہ ہُوا بیت المقدس کے قریب ایک گاؤں ہے جس کا نام ناصرہ ہے ابتدا میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا ظہور وہیں ہُوا۔ اسی مناسبت سے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے پیرو اپنے آپ کو نصرانی کہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان عبرانی تھی اس لئے انجیل بھی اسی زبان میں اتری وہ عبرانی زبان کی اصل انجیل تو دنیا سے ناپید ہے۔ ہاں یونانی۔ سُریانی۔ عربی۔ فارسی۔ ترکی۔ انگریزی۔ اردو وغیرہ میں اس کے ترجمے ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ وہ ترجمے خود اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا ترجمہ ہے جو لوگوں نے اپنی رائے کے موافق کیا ہے۔ اس لئے اُن ترجموں میں بڑا اختلاف ہے اور بعضے ترجموں میں کلامِ الٰہی کی تفسیر کے طور پر ایسے لفظ بھی بڑھائے گئے ہیں کہ اصلی انجیل کے موجود نہ ہونے کے سبب سے اُن کا کلامِ الٰہی یا اس کے ترجمہ سے جُدا کرنا مشکل ہے۔ غرض ان ترجموں کے اختلاف کے سبب سے اِن ترجموں میں خاص کلامِ الٰہی کی سی نصیحت کا اثر باقی نہیں اور اس اثر کے اُٹھ جانے کے سبب سے اصل انجیل میں نبی آخرالزماں کو اللہ کا رسول جاننے اور اُن کی فرمانبرداری کرنے کے الفاظ جو تھے اُن کے معنوں میں طرح طرح کی تاویلات پیدا ہو گئیں۔ اصل انجیل کے عمل کے وقت جس طرح یک دلی سے یہ لوگ رہا کرتے تھے وہ بات جاتی رہی اور ایک شریعت عیسوی کے کئی ٹکڑے ہو کر ایک نبی کی امت ایک کتاب کے ماننے والوں کے چند فرقے ہو گئے۔ جس میں ایک دوسرے کا بالکل مخالف ہے۔ مثلاً فرقہ پروٹسٹنٹ کے لوگ الیا پاروں کے بنائے ہوئے قواعد کو نہیں مانتے اور رومن کیتھلک فرقے کے لوگ الیا پادری کے قواعد کے آگے انجیل کو کچھ نہیں گنتے۔ پروٹسٹنٹ فرقہ اگرچہ انجیلی فرقہ کہلاتا ہے۔ لیکن اس فرقہ میں چند اندرونی گروہ ہیں اور ہر ایک گروہ کی انجیل دوسرے گروہ کی انجیل سے نہیں ملتی اسی مطلب کو اِن آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرما کر فرمایا ہے

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ

اے کتاب والو آیا ہے تم پاس رسول ہمارا کھولتا ہے تم پر بہت چیزیں جو تم چھپاتے تھے

مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ

کتاب کی اور درگزر کرتا ہے بہت چیزوں سے تم پاس آئی ہے اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب

مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ

بیان کرتی جس سے اللہ راہ پر لاتا ہے جو کوئی تابع ہوا اس کی رضامندی کا بچاؤ کی راہ پر اور ان کو نکالتا ہے

مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾

اندھیروں سے روشنی میں اپنے حکم سے اور ان کو چلاتا ہے سیدھی راہ

کر قیامت کے دن یہ سب اپنی کرتوتوں کا خمیازہ بھگت لیویں گے۔

۱۵-۱۶۔ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں عکرمہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت نے رجم کی آیت تورات میں سے جب یہود کو بتلائی جس کو وہ چھپاتے تھے اُس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[1] صحیح بخاری و مسلم اور مسند امام احمد میں عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ سے اِس قصہ کے باب میں جو روایتیں ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ یہود بیاہے ہوئے ایک عورت اور مرد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے جس مرد و عورت نے بدکاری کی تھی آپ نے ان یہودیوں سے پوچھا کہ توریت میں ایسے مرد و عورت کے لئے کیا حکم ہے اُن یہودیوں نے جواب دیا کہ تورات کے حکم کے موافق ہم تو ایسے مرد و عورت کا کالا منہ کر کے اُنہیں بستی میں پھراتے ہیں آپ نے فرمایا یہ سزا تورات کے حکم کے موافق نہیں ہے تم جھوٹے ہو۔ لاؤ تورات اُس میں تو ایسے لوگوں کے سنگسار کرنے کا حکم ہے۔ آخر تورات لائی گئی اور ایک شخص ابن صوریا تورات پڑھنے کیلئے آیا ابن صوریا نے پہلے تو رجم کی آیت کو اپنے ہاتھ کے نیچے ڈھانک لیا پھر جب اس کا ہاتھ اُٹھایا گیا تو وہ رجم کی آیت نکلی اور اس مرد و عورت کو سنگسار کیا گیا[2] رجم کے معنی سنگسار کرنے کے ہیں۔ اس قصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بڑا معجزہ ہے کہ آپ نے تورات کے بغیر پڑھے تورات کا وہ صحیح مسئلہ بتلا دیا جس کو یہود نے بدل ڈالا تھا وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم لوگ خود بدکار مرد اور عورت کو اللہ کے رسول کے رُوبرو لائے تو اللہ کے رسول نے جو حق بات تھی وہ بتلا دی ورنہ تم رشوت لے کر روز اپنی قوم کے جاہل لوگوں کو غلط مسئلے بتلاتے ہو تو اللہ کے رسول اس کا حال سُن کر بلا ضرورت تم سے اس میں کچھ بحث نہیں کرتے اب آگے فرمایا کہ اسلام کی روشنی دے کر اور قرآن کو راہبر ٹھیرا کر نبی آخر الزماں کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے بھیجا ہے کہ ملت ابراہیمی میں مشرکین مکہ نے اور شریعت موسوی اور عیسوی میں اہل کتاب نے ایام جاہلیت کا جو اندھیر پھیلا رکھا ہے اسلام کی روشنی کی مدد سے لوگ اُس اندھیرے سے نکل کر نجات کے کوچے کے سیدھے راستہ پر آجائیں کیونکہ دنیا کے ہر ایک دور کے لئے اللہ تعالیٰ نے نجات کا ایک طریقہ ٹھیرایا ہے اِس آخری دور کے لئے

[1] تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۱۰۳ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۷ باب الرجم بالبلاط و صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۹ باب حد الزنا۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قُلْ فَمَن يَمْلِكُ

بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ وہی مسیح ہے مریم کا بیٹا تو کہہ پھر کس کا کچھ چلتا ہے

مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَن يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَن فِي

اللہ سے اگر وہ چاہے کہ کھپاوے مسیح مریم کے بیٹے کو اور اس کی ماں کو اور جتنے لوگ

الْأَرْضِ جَمِيعًا ۗ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ يَخْلُقُ

ہیں زمین میں سارے اور اللہ ہی کو ہے سلطنت آسمان اور زمین کی اور جو دونوں کے بیچ ہے بناتا ہے

مَا يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٧﴾

جو چاہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ٭

سوا اُس طریقہ کے جو بیان کیا گیا اور کوئی طریقہ دنیا میں نہیں ہے۔ اگرچہ اہل کتاب کی کتابوں میں بھی اس طریقہ کا ذکر ہے لیکن ان لوگوں نے اپنی کتابوں کی اس قسم کی آیتوں کے لفظ اور معنوں کو بدل ڈالا ہے۔ اس واسطے قرآن کے ذریعے سے انہیں ان کے کرتوت جتلائے گئے ہیں۔ اگر یہ لوگ قرآن کی نصیحت مان لیویں گے تو اس میں ان ہی کا بھلا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کی ابوہریرہؓ کی حدیث گزر چکی ہے۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں لوگوں کو دوزخ کی آگ سے بچانے کی کوشش کرتا ہوں لیکن لوگ اس میں گرنے کی ایسی کوشش کرتے ہیں جس طرح کیڑے پتنگے روشنی پر گرتے ہیں[ل]۔ یہ حدیث آیت کے آخری ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے ٭

۱۷۔ اوپر گزر چکا ہے کہ نصاریٰ کے چند فرقے ہیں ان میں سے فرقہ یعقوبیہ وغیرہ کا یہ اعتقاد ہے کہ گیہوں کے کھانے سے آدم علیہ السلام نے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اس کے اثر سے اولادِ آدم میں بھی نافرمانی اور گنہ گاری کی جرأت پیدا ہو گئی جس سے اولادِ آدم ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہنے کی سزا وار ہو گئی اس لئے عیسیٰ علیہ السلام کی شباہت میں اللہ تعالیٰ آسمان سے زمین پر آیا اور یہود کے ہاتھوں سے سُولی پر چڑھا تاکہ بنی آدم کے گناہوں کا کفارہ اس قتل کی سزا سے ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان لوگوں کے اس اعتقاد کو یوں غلط ٹھیرایا کہ یہود کی کیا حقیقت ہے جو وہ اللہ کے ساتھ ایسی گستاخی کر سکیں وہ تو صاحبِ قدرت ہے۔ کہ یہود اور تمام دنیا کی مخلوقات کو ایک دم میں چاہے تو ہلاک کر دیوے اور کسی کو اتنی تاب نہ ہو کہ اس کے ارادہ کو روک سکے۔ رہی یہ بات کہ بنی آدم کے گناہ معاف ہو جانے کے ارادہ سے خود اللہ تعالیٰ نے یہ کفارہ کی صورت نکالی۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے آیت میں یہ دیا کہ اللہ کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے اس کو اس خلاف عقل کفارہ کی صورت نکالنے کی کیا ضرورت تھی وہ جس طرح چاہتا اپنے گنہ گار بندوں کے گناہ معاف کر دیتا اس سے کون پوچھ سکتا تھا کہ بغیر سزا اور بغیر کفارہ کے یہ گناہ کیوں معاف کر دیئے گئے

[ل] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۶۰ باب الانتہاء عن المعاصی و صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴۸ باب شفقتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی امتہ الخ و مشکوٰۃ ص ۲۸ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ٭

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ

اور کہتے ہیں یہود اور نصاریٰ ہم بیٹے ہیں اللہ کے اور اس کے پیارے تو کہہ پھر کیوں عذاب کرتا ہے تم کو

بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ

تمہارے گناہوں پر کوئی نہیں تم بھی ایک انسان ہو اس کی پیدائش بخشے جس کو چاہے اور عذاب کرے جس کو

يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

چاہے اور اللہ کو ہے سلطنت آسمان و زمین کی اور جو دونوں کے بیچ ہے اور اسی کی طرف رجوع ہے۔

کیا یہ گناہ نعوذ باللہ من ذلک کسی دوسرے خدا کے تھے جو ان لوگوں کے اعتقاد کے موافق بغیر کفارہ کے وہ دوسرا خدا اُن گناہوں کو معاف نہ کرتا اور اس انجیل کے نازل کرنے والے خدا کو اپنے خون کا کفارہ دے کر اُس دوسرے خدا کو راضی اور گناہوں کی معافی پر آمادہ کرنا پڑتا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے دنیا میں پیدا ہو جانے سے جو یہ لوگ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں یہ بھی شیطان کا بہکاوا ہے ورنہ جس صاحب قدرت نے آدمؑ کو بغیر ماں باپ کے اور حوّا کو بغیر ماں کے پیدا کر دیا اُس کی قدرت سے یہ کیا بعید ہے کہ اس نے عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کر دیا جس کو اللہ کی اس قدرت کا انکار ہے اللہ قسم کھا کر یہ خبر دیتا ہے کہ ایسا شخص بلاشک کافر ہے۔ فرقہ پروٹسٹنٹ نے اس کفارہ کے مسئلہ کی زیادہ بحث اپنے ترجموں میں نہیں کی کیونکہ وہ فرقہ انجیلی ہے اور انجیل میں اس مسئلہ کا صاف طور پر کہیں ذکر نہیں ہے بلکہ متی کی انجیل کے تیسرے اور چوتھے باب میں جو قصہ ہے جس میں شیطان نے عیسیٰ علیہ السلام کو بہکا کر اپنے آپ کو عیسیٰ علیہ السلام سے سجدہ کرانا چاہا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس ملعون کو جواب دیا ہے کہ قابل عبادت وہی ایک معبود ہے جس کی سب عبادت کرتے ہیں اُس کے سوا نہ کسی کو سجدہ ہے نہ کسی کی عبادت ہے۔ اس قصہ سے اور اس قصہ کے علاوہ انجیل مرقس اور انجیل متی میں اسی قسم کی اور جو عبارتیں ہیں اُن سے یہ مسئلہ بالکل غلط قرار پاتا ہے ۔

۱۸۔ ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابن اسحاق نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ ایک وقت اہل کتاب کے کچھ علماء آنحضرت کے پاس آئے آپ نے اُن کو طرح طرح کی نصیحت کی اور عذاب آخرت سے ڈرایا انہوں نے جواب دیا کہ عام لوگوں کی طرح ہم کو عذاب آخرت سے کیا ڈراتے ہو عام لوگوں اور ہم میں بڑا فرق ہے ہم عام مخلوقات کی طرح نہیں ہیں بلکہ ہم خدا کے بیٹے اور پیارے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[1]۔ اور اُن کے جواب کو یوں جھٹلایا کہ دنیا میں تو تم کو عام مخلوقات کی طرح تمہارے گناہوں کی سزا مل رہی ہے۔ بہت لوگ تم میں سے سؤر اور بندر ہو گئے۔ تمام قوم کی بادشاہت نیست و نابود ہو گئی دن بدن ذلت و خواری بڑھتی جاتی ہے پھر تم کو آخرت کا حال کیونکر معلوم ہو گیا کہ تمہیں آخرت میں عام خلائق کی طرح عذاب نہ ہوگا یہود حضرت عزیرؑ کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹے کہتے ہیں اور بیٹے کے اولاد در اولاد بھی بیٹے کی برابر ہوتی ہے

[1] در منثور ج ۲ ص ۲۶۹ و تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۱۰۵ و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۵۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ

اے کتاب والو آیا ہے تم پاس رسول ہمارا توڑا پڑے پیچھے رسولوں کا

اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ

کبھی تم کہو کہ ہمارے پاس نہ آیا کوئی خوشی یا ڈر سنانے والا سو آچکا تمہارے پاس خوشی اور ڈر سنانے والا

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۱۹)

اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس لئے حضرت عزیرؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی اولاد در اولاد ہونے کی مناسبت سے یہ لوگ اپنے آپ کو خدا کا بیٹا پیارا اور عام مخلوق سے بالاتر گنتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ قیامت کے دن کی بخشش اور پرسش اللہ کی مرضی پر منحصر ہے جسے وہ چاہے گا بخشے گا اور جس سے اسے مواخذہ منظور ہوگا اس سے مواخذہ کرے گا۔ کسی کا بیٹا پوتا ہونا اس دن بغیر مرضی اس مالک الملک کے کچھ کام نہ آوے گا مطلب یہ ہے کہ ایسے پوتوں کی اس دن بڑی خرابی ہے جو اپنے بڑوں کو خدا کا بیٹا اور شریک ٹھیراویں کیونکہ وہ وحدہٗ لاشریک شرک سے بیزار ہے زمین و آسمان کی بادشاہت میں نہ اس کا شریک ہے نہ ولی عہد بلکہ ادنیٰ رعایا کی طرح اس دن سب کو اس کے روبرو کھڑا ہونا پڑے گا۔

۱۹- ابن جریرؒ اور ابن اسحٰقؒ نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو اسلام لانے کی رغبت دلائی اور یہود نے اس سے انکار کیا تو ان کا یہ انکار دیکھ کر معاذ بن جبلؓ، سعد بن عبادہؓ، اور عقبہ بن وہبؓ نے یہود سے کہا کہ خدا سے ڈرو بلاشک تم جانتے ہو کہ یہ نبی برحق ہیں اور ان کے نبی ہونے سے پہلے خود تم لوگ ان کے نبی ہونے کی خبر ہم کو دیا کرتے تھے اور ان کے اوصاف بیان کرتے تھے۔ یہ سن کر رافع بن حرملہ نے کہا کہ ہم نے تم سے کبھی اس طرح کا تذکرہ نہیں کیا۔ بلکہ ہمارا کہنا تو یہ ہے کہ موسیٰؑ کے بعد کوئی نبی اللہ نے نہیں بھیجا۔ تورات کے بعد کوئی کتاب اللہ نے نہیں اتاری اس پر اللہ تعالیٰ نے رافع وغیرہ کے قول کی تکذیب میں یہ آیت نازل فرمائی۔ ایک نبی سے دوسرے نبی تک کا جو زمانہ ہوتا ہے اس کو زمانۂ فترۃ کہتے ہیں جس کے معنی فتور کے ہیں حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت کے مابین چھ سو برس کا جو زمانہ ہوتا ہے اس زمانے کا اس آیت میں ذکر ہے۔ بعضے مفسروں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت کے بیچ میں خالد بن سنان ایک نبی کا اور بعضوں نے چار نبیوں کا جو ذکر کیا ہے وہ اس روایت کے مخالف ہے جو صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے آئی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا میرے اور عیسیٰ بن مریم کے مابین کوئی اور نبی نہیں ہے۔[۲] مشرکین مکہ نے ملت ابراہیمی میں اور اہل کتاب نے تورات اور انجیل میں طرح طرح فتور ڈال رکھے تھے۔ نبوت کا زمانہ دور ہو گیا تھا اس لئے بغیر جدید نبی اور جدید شریعت کے ان فتوروں کی اصلاح ممکن نہ تھی۔ اسی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور ان پر وقت بوقت کے اصلاح حال کی آیات قرآنی نازل فرمائیں تاکہ لوگوں کو اس عذر کا

[۱] در منثور ج ۲ ص ۲۶۹ و تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۱۰۷۔ [۲] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹۰ کتاب الانبیاء و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۵۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو اے قوم یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب پیدا کئے

فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا وَآتَاكُمْ مَا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿٢٠﴾

تم میں نبی اور کردیا تم کو بادشاہ اور دیا تم کو جو نہیں دیا کسی کو جہان میں

يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا

اے قوم داخل ہو زمین پاک میں جو لکھ دی ہے اللہ نے تم کو اور نہ الٹے جاؤ

عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ ﴿٢١﴾ قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ

اپنی پیٹھ پھیر کر پھر جا پڑو گے نقصان میں بولے اے موسیٰ وہاں ایک لوگ ہیں زبردست

وَإِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا حَتَّىٰ يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا دَاخِلُونَ ﴿٢٢﴾

اور ہم ہرگز نہ جاویں گے جب تک وہ نکل چکیں وہاں سے پھر اگر وہ نکلیں وہاں سے تو ہم داخل ہوں ۔

موقع باقی نہ رہے کہ پہلی نبوت کا زمانہ دور ہو گیا تھا دین الٰہی میں طرح طرح کے فتور پڑ گئے تھے اس سبب سے ہم لوگ راہ راست کو نہ حاصل کر سکے۔ صحیح بخاری میں عطا بن یسار کی حدیث ہے جس میں تورات کے اوصاف میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صفت کا کا ذکر ہے کہ آخری زمانہ میں جو کچھ کجی دین الٰہی میں آجائے گی اس کی اصلاح کریں گے[1]۔ یہ حدیث گویا اس آیت کی تفسیر ہے۔ بشیر کے معنی فرماں برداروں کو عقبیٰ کی بہتری کی خوش خبری سنانے والا۔ نذیر کے معنی نافرمان لوگوں کو عقبیٰ کے عذاب سے ڈرانے والا واللہ علی کل شئ قدیر اس کا مطلب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی نبی کا پیدا کرنا یا تورات کے بعد کسی کتاب کا نازل کرنا اللہ کی قدرت سے کچھ باہر نہیں جو یہ لوگ اس کا انکار کرتے ہیں بلکہ خود تورات میں تو عیسیٰ علیہ السلام، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، انجیل قرآن سب کی پیشین گوئی موجود ہے مگر ان لوگوں نے اپنی غرض ذاتی اور دشمنی سے تورات کی ان آیتوں کو بدل ڈالا ہے۔ جس کا خمیازہ قیامت کے دن ان کو بھگتنا پڑے گا۔

۲۰ــــ۲۶۔ اوپر گزر چکا ہے کہ مصر سے شام کے ملک کا سفر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسی غرض سے کیا تھا کہ قوم عمالقہ کو ملک شام کی بستیوں سے لڑ کر نکال دیا جائے اور بنی اسرائیل کو ان بستیوں میں آباد کر دیا جاوے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے یہی ملک انبیاء کے رہنے کی جگہ ہے۔ ان آیتوں میں اسی لڑائی کا ذکر ہے اسی لڑائی کے قصہ کے ذکر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گویا یہ تسلی فرمائی گئی ہے کہ اے رسول اللہ کے نافع بن حرملہ وغیرہ نے تمہاری دل شکنی کی باتیں جو کی ہیں یہ بات کچھ نئی نہیں ہے ان لوگوں کے بڑے اللہ کے رسول موسیٰ علیہ السلام سے بڑی بڑی دل شکنی کی باتیں کر چکے ہیں۔ حضرت اسحاق کی اولاد میں ایک مدت تک نبوت اور بادشاہت رہی ہے۔ لڑائی کی رغبت دلانے کے لئے لڑائی کی خواہش سے حضرت

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۸۵ باب کراھیۃ السخب فی السوق ج ۲ ص ۷۱۷ باب قولہ انا ارسلنک شاھدا ومبشرا ونذیرا۔

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ

کہا دو مردوں نے ڈر والوں میں سے خدا کی نوازش تھی اُن پر گھس جاؤ ان پر حملہ کر کر

الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ

دروازے میں پھر جب تم اس میں پیٹھو گے تو تم غالب ہو اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ

یقین رکھتے ہو بولے اے موسیٰ ہم ہرگز نہ جاویں گے ساری عمر جب تک وہ رہیں گے اس میں سو تو جا

اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا

اور تیرا رب دونوں لڑو ہم یہاں ہی بیٹھے ہیں بولا اے رب ہمارے اختیار میں نہیں مگر

نَفْسِىْ وَاَخِىْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ

میری جان اور میرا بھائی سو فرق کر دیو ہم میں اور بے حکم لوگوں میں کہا تو وہ حرام ہوئی

موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ذکر میں بادشاہت کا بھی ذکر کیا تھا کہ بنی اسرائیل سمجھ جائیں کہ یہی لڑائی بنی اسرائیل کی آئندہ کی بادشاہت کی گویا بنیاد ہے۔ اللہ سچا ہے اور اللہ کے رسول سچے ہیں۔ اس لڑائی کے بعد ملک شام میں بنی اسرائیل کی بادشاہت کی جو بنیاد قائم ہوئی اس کی نظیر کے لئے ایک حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت اور اُس بادشاہت کی یادگار کے لئے ایک بیت المقدس کی عمارت کافی ہے۔ "دو دیا تم کو جو نہیں دیا کسی کو جہان میں"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً فرعون جیسے دشمن کا ہلاک ہونا اور دریا میں راستہ کا پیدا ہو جانا غرض اپنے زمانے میں بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کی وہ وہ نعمتیں پائیں کہ اس زمانہ کی کسی دوسری قوم کو وہ نعمتیں نصیب نہیں ہوئی۔ جن دو شخصوں کا ذکر اس قصہ میں ہے ایک تو اُن میں یوشع بن نونؑ حضرت موسیٰؑ کے بھانجے تھے اور دوسرے کالب بن یوحنا حضرت موسیٰؑ کے داماد تھے۔ بارہ چودھری جو عمالقہ کی حالت دریافت کرنے کو بھیجے گئے تھے اُن میں سے یہی دو شخص ایسے تھے جو خدا سے ڈر کر عہد پر قائم رہے عہد پر قائم رہنے کی توفیق جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان دونوں شخصوں کو عطا ہوئی اسی کو اللہ کی نعمت فرمایا ان دونوں شخصوں نے بنی اسرائیل کو یہ مشورہ دیا تھا کہ قوم عمالقہ کی بستی کا دروازہ گھیر لیا جاوے جس سے باہر کی رسد بند ہو کر وہ لوگ ہراساں ہو جاویں گے اور پھر اپنے وعدہ کے موافق اللہ تعالیٰ ہم کو فتح دیویگا لیکن بنی اسرائیل نے اِن کا مشورہ نہ مانا اور ان دونوں شخصوں کو پتھروں سے مارنے لگے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی یہ سرکشی دیکھی تو اللہ تعالیٰ کے آخری حکم کے نازل ہونے کی التجا کی۔ آخری حکم یہ ہوا کہ چالیس برس تک بنی اسرائیل اس شام کے جنگل میں قید رہے نہ پلٹ کر مصر جا سکتے تھے۔ نہ ملک شام کی کسی بستی میں قدم رکھ سکتے تھے۔ جتنے لوگوں نے یہ سرکشی کی باتیں کی تھیں وہ اسی قید میں مر گئے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق حضرت ہارونؑ اور حضرت موسیٰؑ کی وفات بھی اسی چالیس برس کے اندر ہو گئی۔ حضرت موسیٰؑ

عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ

ان پر چالیس برس پھر مارے پھریں گے ملک میں سو تو افسوس نہ کر بے حکم

الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا

لوگوں پر اور سنا ان کو تحقیق احوال آدم کے دو بیٹوں کا جب نیاز کی دونوں نے کچھ نیاز

فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ قَالَ

پھر قبول ہوئی ایک سے اور نہ قبول ہوئی دوسرے سے کہا میں تجھ کو مار ڈالوں گا وہ بولا

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٢٧﴾ لَىِٕنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ

کہ اللہ قبول کرتا ہے ادب والوں سے اگر تو ہاتھ چلاوے گا مجھ پر مارنے کو میں نہ

اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٨﴾ اِنِّىْٓ

ہاتھ چلاؤں گا تجھ پر مارنے کو میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو صاحب ہے سب جہان کا میں

ع ٧/٨ ربع

النصف

کے بعد یوشع بن نونؑ موجودہ بنی اسرائیل کے نبی ہوئے اور اُن ہی کے عہد میں شام کا ملک بنی اسرائیل کے ہاتھ آیا۔ چالیس برس کی قید کا حکم سُن کر حضرت موسیٰؑ کو بنی اسرائیل کی حالت پر کچھ افسوس ہوا تھا اُس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے رسول اللہ کے ایسی سرکش قوم کی حالت پر کچھ افسوس نہ کرنا چاہئے ان کی سزا ایسی تھی جو انہوں نے بھگتی۔ ملک شام حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے زمانہ سے انبیاء کے رہنے کی جگہ ہے اور اسی سرزمین میں طور پہاڑ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا جلوہ ہوا ہے۔ اسی سبب سے اس کو زمین پاک فرمایا۔ یہاں اکثر مفسروں نے عوج بن عنق کا ایک قصہ نقل کیا ہے کہ عمالقہ میں وہ بڑا اشہ زور بلند قد تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اس کو قتل کیا لیکن اس قصہ کی روایت اطمینان کے قابل نہیں ہے[1]۔

۲۷ — ۳۱۔ اوپر ذکر تھا کہ نافع بن حرملہ وغیرہ یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے انکار کیا اسی ذیل میں اللہ تعالیٰ نے یہ قابیل اور ہابیل کا قصہ فرما کر یہود کی تنبیہ فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تورات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف جو تھے اُن اوصاف سے یہ یہود لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا پہچانتے تھے جس طرح ہر شخص اپنی اولاد کو پہچانتا ہے۔ لیکن فقط اس حسد کے سبب سے یہ لوگ آپ کی نبوت کے منکر ہو گئے کہ بنی اسمٰعیل میں یہ نبی کیوں پیدا ہوئے بنی اسرائیل میں کیوں نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں سب سے پہلے حسد کرنے والے شخص قابیل کا انجام ان لوگوں کو یاد دلا کر یہ سمجھایا کہ حسد کا آخری انجام بُرا ہے۔ قابیل نے اپنے حقیقی بھائی ہابیل کے حال پر حسد کیا اور پھر آخر کو پچھتایا تم لوگ بھی اللہ کے رسول اپنے چچا زاد بھائی کی حالت پر یونہی حسد کرتے رہو گے تو آخر کو دین و دنیا میں بہت یوں ہی پچھتاؤ گے اللہ سچا ہے اللہ کا کلام سچا ہے۔ دنیا کا پچھتاوا تو ہو چکا کہ مدینہ کے گرد و نواح میں بنی قینقاع۔ بنی نضیر۔ بنی قریظہ یہ تینوں قبیلے یہود کے رہتے تھے۔ جن میں بنی قینقاع۔ بنی نضیر

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۸ — تفسیر فتح البیان ج ۳ ص ۴۱ +

أُرِيدُ أَن تَبُوأَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ
چاہتا ہوں کہ تو حاصل کرے میرا گناہ اور اپنا گناہ پھر ہو دوزخ والوں میں اور یہی سزا ہے

الظَّالِمِينَ (۲۹) فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ
بے انصافوں کی پھر اس کو راضی کیا اس کے نفس نے خون پر اپنے بھائی کے پھر اس کو مار ڈالا تو ہو گیا

الْخَاسِرِينَ (۳۰) فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي
زیاں والوں میں پھر بھیجا اللہ نے ایک کوا کریدتا زمین کو کہ اس کو دکھادے کس طرح چھپاتا ہے

سَوْءَةَ أَخِيهِ ۚ قَالَ يَا وَيْلَتَىٰ أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَٰذَا الْغُرَابِ
عیب اپنے بھائی کا بولا اے خرابی مجھ سے اتنا نہ ہو سکا کہ ہوں برابر اس کوے کے

فَأُوَارِيَ سَوْءَةَ أَخِي ۖ فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ (۳۱)
کر میں چھپاؤں عیب اپنے بھائی کا پھر لگا پچھتانے

کا اخراج ہوا اور بنی قریظہ قتل کئے گئے۔ دین کا پچھپا وا بھی وقت مقرر پر سب کی آنکھوں کے سامنے آجاوے گا معتبر سند سے تفسیر ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی جو روایتیں ہیں ان کے موافق ہابیل کے قصہ کا حاصل یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کے زمانے میں بھائی بہن کا نکاح اس ضرورت سے جائز تھا کہ اس وقت سوائے بہن کے اور کوئی غیر لڑکی دنیا میں پیدا نہیں ہوئی تھی۔ ایسے نکاح میں اس قدر احتیاط کا کرنا ضرور تھا کہ ایک حمل کے بھائی بہن کا نکاح نہیں ہوتا تھا۔ قابیل نے اپنے ساتھ کی پیدا ہوئی بہن سے نکاح کرنا چاہا۔ حضرت آدمؑ نے اس بات سے انکار کیا۔ جب قابیل نے اصرار کیا تو حضرت آدمؑ نے یہ فیصلہ کیا کہ قابیل اور ہابیل دونوں بھائی مل کر اللہ کی نیاز کریں جس کی نیاز قبول ہو جائے گی اسی کا نکاح اس لڑکی سے کر دیا جائیگا پہلے زمانہ میں نیاز قبول ہو جانے کی یہ نشانی تھی کہ آسمان سے ایک آگ آن کر نیاز کی چیز کو جلا دیا کرتی تھی۔ اس نشانی کے موافق ہابیل کی نیاز قبول ہو گئی اور اسی سبب سے قابیل کو اپنے بھائی ہابیل کی حالت پر ایک رشک اور حسد پیدا ہو گیا جس سے اس نے موقعہ پاکر اپنے بھائی ہابیل کو مار ڈالا[۱]۔ یہ پہلا خون تھا جو دنیا میں واقع ہوا۔ صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قابیل نے پہلے پہل خون ناحق کا طریقہ نکالا اس لئے دنیا میں جو خون ناحق اب ہوتا ہے تو ایک خون ناحق کا وبال قابیل کے نامۂ اعمال میں بھی لکھا جاتا ہے[۲]۔ اس وقت تک مردے کے دفن کرنیکا طریقہ دنیا میں جاری نہیں تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایک کوے کی معرفت یہ طریقہ قابیل کو سکھایا تاکہ آئندہ بنی آدم میں یہ طریقہ رواج پکڑ جائے۔ قابیل کوے سے یہ طریقہ سیکھ کر اپنی نادانی پر بہت پچھتایا کہ ایک جانور کے برابر بھی مجھ کو عقل نہیں۔ اسی نادانی کے سبب سے

[۱] تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۱۸۷ و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۱ — ۴۲ [۲] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۶۹ باب خلق آدم وذریتہ و ص ۱۰۱۲ ج ۲ کتاب الدیات و صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۰ باب بیان اثم من سن القتل۔ و تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۱۲۵۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ

اسی سبب سے لکھا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جو کوئی مار ڈالے ایک جان بسوا

نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَ مَنْ اَحْیَاهَا

بدلے جان کے یا فساد کرنے پر ملک میں تو گویا مار ڈالا سب لوگوں کو اور جس نے جلایا ایک جان کو

فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ٘ ثُمَّ

تو گویا جلایا سب لوگوں کو اور لا چکے ہیں ان پاس رسول ہمارے صاف حکم پھر

اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾

بہت لوگ اُن میں اس پر بھی ملک میں دست اندازی کرتے ہیں

میں نے اپنے بھائی کو ناحق مار ڈالا۔ ہابیل اللہ کے نبی کے حکم پر تھا اس لئے اس نے اپنے آپ کو مقتول میں شمار کیا۔ "تو حاصل کرے میرا گناہ اور اپنا گناہ"۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے ذاتی گناہوں کے علاوہ میرے خون ناحق کا وبال بھی تیرے ذمہ رہے ؛

۳۲۔ یہ آیت گویا ہابیل اور قابیل کے قصہ کا نتیجہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب ایک بھائی نے ایک ذرا سے حسد پر اپنے بھائی کو بے دھڑک مار ڈالا اور اس کے خون ناحق کا کچھ بھی خیال نہ کیا بلکہ آئندہ خون ناحق کا اوروں کیلئے دنیا میں ایک راستہ ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس گناہِ عظیم کے روکنے کا یہ انتظام فرمایا کہ تورات میں بنی اسرائیل کو خون ناحق سے روکنے کیلئے یہ تاکید فرمادی کہ جو شخص ایک خون ناحق کرے گا تو اس کو خونِ ناحق کا پھیلانے والا شمار کیا جائے گا اور یہ رسم پھیل کر دنیا میں جس قدر خون ناحق ہوں گے ہر ایک خون کے وقت قابیل کی طرح اس رسم کے پھیلانے والے شخص کے نامۂ اعمال میں بھی ایک خون کا وبال لکھا جائے گا۔ اور جو شخص مظلوموں کی مدد کرے گا خونِ ناحق کو روکے گا وہ شخص اس رسم بد کا روکنے والا اور ایک جہان بھر کی زیست اور امن کے اجر کا باعث ٹھیرے گا۔ آگے فرمایا کہ باوجود اس سخت حکم کے بنی اسرائیل کی جرأت قابیل سے بھی بڑھ گئی کہ انہوں نے عام لوگوں کے خون ناحق کے علاوہ انبیاء کے خون ناحق کی جرأت بھی کی جس کا خمیازہ ایک دن وہ بھگتیں گے۔ بنی اسرائیل نے انبیاء اور علماء کو جو شہید کیا اُس کا ذکر سورۂ آلِ عمران میں گزر چکا ہے۔ صحیح مسلم میں جریر بن عبداللہ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی نیک کام کا رواج پھیلا دے گا اُس کو اُس کا بھی اجر ملے گا۔ اور قیامت تک جو شخص اُس نیک کام پر عمل کرے گا اس نیک کام پر عمل کرنے والے شخص کی برابر اُس[1] نیک کام کے رواج پھیلانے کا بھی اجر ملے گا۔ پھر فرمایا یہی حال بد کام کے رواج پھیلانے والے کا ہے ۔ یہ حدیث اس آیت کی گویا تفسیر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اگرچہ یہود کی شان میں ہے لیکن اس کے حکم میں امت محمدیہ بھی شریک ہے ؛

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۱ باب من سن سنۃ حسنۃ او سیئۃ الخ و ج ۲ ص ۴۰۰ باب ما جاء فی المحاربۃ ؛

إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ

یہی سزا ہے اُن کی جو لڑائی کرتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور دوڑتے ہیں ملک میں

فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَٰفٍ

فساد کرنے کو کہ اُن کو قتل کیجئے یا سولی چڑھایئے یا کاٹیے ان کے ہاتھ اور پاؤں مقابل کا

۳۳---۳۴۔عبدالرزاق نے حضرت ابوہریرہؓ اور ابن جریر نے حضرت انسؓ کی روایت کے حوالے سے لکھا ہے کہ بحرین کے رہنے والے قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگ جو مرتد ہو کر صدقہ کے اونٹ چوری سے ہانک کر لیگئے تھے اور چرواہے کو بھی قتل کر گئے تھے جن کو آنحضرتؐ نے پھر پکڑوایا اور مرواڈالا ان کی شان میں یہ آیت اتری ہے اور جمہور مفسرینؒ کا قول ہے کہ راہ زنی کرنے والا خواہ مرتد ہو یا مسلمان سب کی سزا کے بیان میں یہ آیت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے اور جس طرح عبدالرزاق اور ابن جریر نے اپنی تفسیروں میں قبیلہ عرینہ کے قصے کو اس آیت کا شان نزول قرار دیا ہے۔ اسی طرح ابوداؤد نے بھی اس قصہ کو شان نزول اس آیت کا قرار دیا ہے[1]۔ اور یہ قصہ بدوں ذکر شان نزول آیت کے صحیحین میں بھی آیا ہے اور حاصل قصہ کا یہ ہے کہ آنحضرت کا ایک غلام تھا اُس کا نام یسار تھا وہ نماز دل لگا کر پڑھا کرتا تھا اس لئے آپ نے اس کو آزاد کر دیا تھا اور صدقہ کے نو دس اونٹ و دودھ کی اونٹنیاں خود آنحضرت کی مدینہ کے جنگل میں چرا کرتی تھیں اُن کو یہ یسار چرایا کرتا تھا۔ یہ عرینہ قبیلہ کے لوگ کچھ دنوں تو مسلمان ہو کر خاص مدینہ میں رہے پھر اُن کے پیٹ بڑھ گئے اور رنگ زرد ہو گئے تو انہوں نے مدینہ کی آب و ہوا کی آنحضرتؐ سے شکایت کی اس لئے آپ نے اِن لوگوں کو یسار کے ساتھ جنگل جانے کا حکم دیا تھا۔ ایک روز انہوں نے موقعہ پا کر کانٹے چبھو کر یسار کی آنکھیں پہلے پھوڑ ڈالیں پھر یسار کو قتل کر کے وہ اونٹ اور اونٹنیاں لے کر اپنے وطن بحرین کی طرف مرتد ہو کر بھاگ گئے۔ جب مدینہ میں یہ خبر پہنچی تو آنحضرتؐ نے جریر بن عبداللہؓ کو سردار قرار دے کر کچھ مسلمانوں کو قبیلۂ عرینہ کے لوگوں کی تلاش میں روانہ کیا اور یہ لوگ آخر کو پکڑے آئے اور آپ نے اُن کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروائیں اور اُن کو قتل کر ڈالا[2]۔ اب اس قصہ سے چند فائدے حاصل ہوئے ایک تو یہ کہ بعضے مفسروں نے یہ جو لکھا ہے کہ اس حدیث میں آنکھوں کی سلائی پھیرنے کا جو مذکور ہے وہ اس آیت سے منسوخ ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ مسلم، نسائی اور ترمذی کی حضرت انسؓ کی حدیث میں جب یہ صراحت آچکی ہے کہ اُن لوگوں نے یسار کی آنکھیں پھوڑ ڈالی تھیں[3] تو اس حدیث میں اُن لوگوں کی آنکھوں کا پھوڑنا العین بالعین کے موافق بطور قصاص کے تھا جو منسوخ نہیں ہے۔ اسی طرح بعضے مفسروں نے یہ جو لکھا ہے کہ یہ آیت آنکھوں کی سلائی پھیرنے پر بطور عتاب کے نازل ہوئی ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ قصاص میں عتاب کی کوئی وجہ نہیں ہے اور یہ بات صحیح روایتوں میں ہے

---

[1] درمنثور ج ۲ ص ۲۷۸۔ تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۱۳۳، ۱۳۳ و ۱۳۴ و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۸ --- ۵۰ و سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۰۰ باب ماجاء فی المحاربۃ

[2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۲۳ باب اذا حرق المشرک المسلم ھل یحرق و ج ۲ ص ۱۰۰۵ باب لم یسق المرتدون المحاربون حتی ماتوا۔ [3] صحیح مسلم ج ۲ ص ۵۸ باب حکم المحاربین والمرتدین و جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۱ باب ماجاء فی بول مایؤکل لحمہ و سنن نسائی ج ۲ ص ۱۵۸ باب تاویل قول اللہ عزوجل انما جزاء الذین یحاربون اللہ و رسولہ الخ

اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ

یا دور کر دیے اس ملک سے یہ ان کی رسوائی ہے دنیا میں اور ان کو آخرت میں بڑی

عَظِيْمٌ ﴿۳۳﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ

مار ہے مگر جنہوں نے توبہ کی تمہارے ہاتھ پڑنے سے پہلے تو جان لو کہ

اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۴﴾

اللہ بخشنے والا مہربان ہے

کہ جریر بن عبداللہؓ کا اسلام لانا سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد ہے[1]۔ اس وجہ سے بعضے مفسروں کا یہ قول بھی صحیح نہیں ہے کہ وہ حدیث کا قصہ آیت کے نزول سے بہت پہلے ہے[2] یُحَارِبُوْنَ محاربہ سے ہے محاربہ کے معنی مخالفت کے ہیں۔ قتادہ کے قول کے موافق اس آیت میں محاربہ کے معنی راہ زنی کے ہیں یہ قتادہ طبقہ تابعین میں ثقہ اور قدیم مفسروں میں ہیں۔ ناقابلِ اعتراض سند سے مسند امام احمد تفسیر ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ راہ زن اگر فقط راستہ لوٹے تو اس کا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پیر کاٹا جاوے اگر کسی کو قتل کر کے مال لوٹے تو ایسے راہ زن کو پہلے قتل کیا جاوے پھر لوگوں کی عبرت کے لئے اس کو سولی پر چڑھایا جاوے۔ اگر فقط قتل کرے اور مال نہ لوٹے تو اس کی سزا فقط قتل ہے۔ اگر فقط راہ زنی کے ارادہ سے کہیں بیٹھا ہو نہ کسی کا مال ابھی اس نے لیا ہو نہ کسی کو جان سے مارا ہو تو ایسے راہ زن کا اس سرزمین سے اخراج کر دینا کافی ہے[3]۔ آگے فرمایا راہ زنوں کو سزا تو دنیوی ہے اگر پکڑے جانے سے پہلے بغیر توبہ کے وہ مر گئے یا پکڑے گئے اور دنیوی سزا کے بعد بھی مرتد رہے تو عقبیٰ میں ان کو سخت عذاب بھگتنا پڑے گا۔ صحیح بخاری اور مسلم میں عبادہ بن صامتؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مسلمان شخص کے حق میں دنیوی سزا کفارہ ہے[4]۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیوی سزا کے بعد آخرت کے عذاب کا جو حکم اس آیت میں ہے وہ مرتد کے لئے ہے اب پکڑے جانے سے پہلے جس راہ زن نے توبہ کر لی اگر ایسا راہ زن مرتد تھا تو اسلام کے بعد اس کو سزا نہ دی جاوے گی اور اگر ایسا راہزن مسلمان تھا تو اس کو چوری کی سزا دینے کے اکثر سلف قائل نہیں ہیں آیت میں بھی پکڑے جانے سے پہلے جو توبہ کر لیوے اس کو عام طور پر بیان فرمایا ہے۔ مرتد اور مسلمان دونوں میں کچھ فرق نہیں رکھا[5]۔ توبہ کے بیان میں یہ اوپر گزر چکا ہے کہ حق العباد کے گناہ میں فقط توبہ کافی نہیں ہے بلکہ صاحب حق کی معافی یا تلافی سے توبہ کامل کر لیوے تاکہ قیامت کے دن اُسے اس حق کے معاوضہ میں اپنی نیکیاں صاحب حق کو نہ دینی پڑیں۔ صحیح مسلم کی ابوہریرہؓ کی حدیث اُوپر گزر چکی ہے کہ قیامت کے دن بعضے لوگوں کے اعمال ناموں

[1] جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۴ باب المسح علی الخفین [2] پوری بحث کے لئے دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۰ [3] درمنثور ج ۲ ص ۲۷۸ و تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۲۱۳ [4] صحیح بخاری ج ۱ ص ۷ کتاب الایمان و صحیح مسلم ج ۲ ص ۷۳ باب الحدود کفارات لاہلہا و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۱ [5] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۲ تفسیر خازن (ج ۲ ص ۴۸۰ — ۴۸۱) وغیرہ میں ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ

اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور ڈھونڈو اس تک وسیلہ اور لڑائی کرو اس

سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٣٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ

کی راہ میں شاید تمہارا بھلا ہو جو کافر ہیں اگر ان کے پاس ہو جتنا کچھ زمین میں ہے

جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ

سارا اور اس کے ساتھ اتنا اور کہ چھڑوائی میں دیں اپنی قیامت کے عذاب سے وہ ان سے قبول

مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٣٦﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا

نہ ہو اور ان کو دکھ کی مار ہے چاہیں گے کہ نکل جاویں آگ سے اور

هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٣٧﴾

وہ نکلنے والے نہیں اور ان کو عذاب دائم ہے

میں سب طرح کے نیک عمل ہوں گے۔ لیکن اُن کے ذمہ لوگوں کے حقوق ہوں گے جن حقوق کے معاوضہ میں وہ سب نیک عمل صاحب حق لوگوں کو مل جاویں گے اور یہ نیک عمل والے لوگ خالی ہاتھ رہ کر جہنم میں چلے جاویں گے۔[1] یہ حدیث آیت کے آخری ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان راہزن صاحب حق شخص کا کچھ معاوضہ دنیا میں نہ کرے گا تو قیامت کے دن وہ معاوضہ اس طرح ہوگا جس کا ذکر اس حدیث میں ہے ۞

۳۵ــــ۳۷۔ اوپر ان لوگوں کا ذکر تھا جو دنیا کے تھوڑے سے مال و متاع کے لالچ میں پھنس کر مُرتد ہو گئے تھے اور راہزنی کرنے لگے تھے۔ اسی ذیل میں مسلمانوں کو ان آیتوں میں اس طرح کے خیالات سے روکا اور فرمایا کہ ہر ایمان دار کو اس طرح کی باتوں سے ہمیشہ پرہیز لازم ہے اور یہ بھی لازم ہے کہ ہر ایمان دار شخص ہاتھ سے پیر سے جان سے مال سے زبان سے غرض جس طرح ہو سکے خالص راہ خدا کے نیک کاموں میں لگا رہے تاکہ وہ نیک کام اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے حاصل کرنے کا ذریعہ[2] قرار پاسکیں پھر فرمایا کہ یہ باتیں جو بتائی گئیں ہیں یہی باتیں ایسی ہیں جن سے عقبیٰ میں انسان کی بہتری اور کامیابی کی صورت نکل سکتی ہے فِیْ سَبِیْلِہٖ کا یہ مطلب ہے کہ جو نیک کام خالص راہ خدا کی نیت سے نہ کیا جاوے گا بلکہ اس میں ریاکاری یا دنیا کے کسی اور مقصد کا دخل ہوگا ایسا کام نہ بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہو سکتا ہے نہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے حاصل کرنے کا ذریعہ قرار پاسکتا ہے ابوداؤد اور نسائی میں ابی امامہ کی صحیح حدیث ہے جو اوپر گزر چکی ہے[3]۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کام خالص راہِ خدا کی نیت سے نہ کیا جائے گا وہ رائگاں ہے بارگاہِ الٰہی میں اس طرح کا نیک کام ہرگز قبول نہیں ہو سکتا[4]۔ یہ حدیث فِیْ سَبِیْلِہٖ کی گویا تفسیر ہے جن لوگوں کا اوپر ذکر تھا آگے اُس ذکر کو پُورا کیا کہ وہ لوگ بڑے نادان ہیں جو دنیا کے تھوڑے سے مال و متاع کے

[1] صحیح مسلم ص ۳۲۰ ج ۲ باب تحریم الظلم [2] یعنی وسیلہ کا معنی ہے، ذریعہ تقرب الٰہی (تفسیر ابن کثیر وغیرہ) [3] یعنی جلد اول کے ص ۳۰۰ پر [4] سنن نسائی ج ۲ ص ۵۱ من غزا یلتمس الاجر والذکر والترغیب والترہیب ج ۱ ص ۱۲

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ

اور جو کوئی چور ہو مرد یا عورت تو کاٹ ڈالو ان کے ہاتھ سزا ان کی کمائی کی تنبیہ اللہ کی طرف سے

وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۳۸﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ

اور اللہ زورآور ہے حکمت والا پھر جس نے توبہ کی اپنی تقصیر کے پیچھے اور سنوارا پکڑی تو اللہ

يَتُوبُ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۳۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ

اس کو معاف کرتا ہے بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے تو نے معلوم نہیں کیا کہ اللہ کو ہے سلطنت

لئے ایسے کام کرتے ہیں جس سے وہ عقبیٰ کو ہاتھ سے دے کر وہاں کا ہمیشہ کا عذاب اپنے سر پر لیتے ہیں کیونکہ دنیا کے تھوڑے مال و متاع کی تو کیا حقیقت ہے جو وہ عذاب کا معاوضہ قرار پا سکے وہ عذاب تو ایسا بھاری اور لازمی ہے کہ تمام دنیا کے مال و متاع کو ایک جگہ کیا جا کر اُسی قدر مال و متاع اُس میں اور ملایا جاوے تو یہ سب کچھ اُس عذاب کا معاوضہ نہ ہو سکے گا قد افلح المؤمنون میں آوے گا کہ جب اس طرح کے دوزخی لوگ دوزخ سے نکالے جانے کی التجا اللہ تعالیٰ کی جناب میں پیش کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو اس طرح دھتکار دے گا جس طرح کوئی کتّے کو دھتکار دیتا ہے اور سورۂ زخرف میں آوے گا کہ عذاب کی سختی سے تنگ آن کر جب اس طرح کے دوزخی موت کی التجا اللہ تعالیٰ کی جناب میں پیش کریں تو یہ جواب ملے گا کہ دوزخ میں موت نہیں ہے تم کو ہمیشہ اسی حال میں یہاں رہنا پڑے گا۔ یہ آیتیں آیت یریدون ان یخرجوا من النار وما هو بخارجین منها ولهم عذاب مقیم کی گویا تفسیر ہیں ﴿

۳۸ ــــ ۴۰۔ راہ زنوں کے ذکر کے بعد یہ چوروں کا ذکر فرمایا چور کا ہاتھ کاٹنا اور خون بہا کا ادا کرنا شریعت محمدیؐ سے پہلے بھی قریش میں جاری تھا۔ اللہ تعالیٰ نے شریعت محمدی میں اسی رواج کو قائم فرما دیا ہے۔ جس عورت مخزومیہ کے ہاتھ کاٹنے کے وقت یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں اس عورت کا قصہ صحیحین اور مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ میں جو کچھ مذکور ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ فتح مکہ کے وقت ایک عورت نے چوری کی تھی قریش کو اس عورت کا ہاتھ کٹنا شاق تھا اس لئے قریش نے اُسامہ بن زیدؓ سے آنحضرت کی خدمت میں سفارش کرائی آپ کو یہ سفارش سُن کر بڑا غصہ آیا اور آپ نے فرمایا کیا تعزیرات الٰہی میں بھی بندوں کی سفارش کا کچھ دخل ہو سکتا ہے۔ بالفرض محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی کچھ چرائے تو اس کا بھی ہاتھ کاٹا جاوے گا[۱]۔ غرض آپ نے اُس عورت کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اور جب اُس عورت کا ہاتھ کٹ چکا تو اس عورت نے حضرت سے پوچھا کہ حضرت میری توبہ بھی قبول ہو گئی آپ نے فرمایا اب تو ایسی ہو گئی جیسے آج تیری ماں نے تجھ کو جنا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ کس قدر مال کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ سفیان ثوریؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک

[۱] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۳ باب کراهية الشفاعة فی الحد اذا رفع الی السلطان و صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۴ باب قطع السارق الشریف وغیرہ الخ و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۷

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی

آسمان و زمین کی عذاب کرے جس کو چاہے اور بخشے جس کو چاہے اور اللہ سب

كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۰﴾ یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ

چیز پر قادر ہے اے رسول تو غم نہ کھا اُن پر جو دوڑ کر گرتے ہیں

فِی الْكُفْرِ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَمِنَ

منکر ہونے وہ جو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اپنے منہ سے اور ان کے دل مسلمان نہیں اور وہ جو

الَّذِیْنَ هَادُوْا ۛۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ ۙ لَمْ یَاْتُوْكَ ؕ

یہودی ہیں جاسوسی کرتے ہیں جھوٹ بولنے کو اور جاسوس ہیں دوسری جماعت کے جو تجھ تک نہیں آئے

تین درہم اور امام شافعیؒ کے نزدیک چہارم حصہ دینار کا اور امام احمدؒ کے نزدیک چہارم حصہ دینار کا یا تین درہم یہ مقدار ہر ایک کے نزدیک مقرر ہے اور دلیل ہر ایک مذہب کی فقہ کی کتابوں میں ہے[1]۔ ایک شخص ابوالعلاء شاعر نے بغداد کے فقہا پر ایک اعتراض جو اس چوری کی مقدار کا کیا ہے وہ مشہور ہے وہ اعتراض یہ ہے کہ ایک شخص کسی شخص کا ہاتھ کاٹ ڈالے تو شرع میں اس کا خونبہا پانسو دینار ہیں اور ایک شخص کسی شخص کی کچھ چیز چرائے تو تین درہم پر وہی پانسو اشرفی کی قیمت کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ شریعت کے احکام بُرے کاموں سے روکنے کے لئے ہیں۔ اس واسطے چور کو یوں روکا گیا ہے کہ تین درہم تک ہاتھ کٹ جانے کا خوف رہے اور خون خرابی والوں کو خانہ جنگی سے یوں روکا گیا ہے کہ اگر کسی کا ہاتھ بھی تم کاٹو گے تو پانسو اشرفیاں جرمانہ بھرنا پڑے گا بعضے علماء نے یہ بھی جواب دیا ہے کہ چور کے ہاتھ کی قیمت تین درہم خدا نے رکھی ہے اور سچے ہاتھ کی قیمت پانسو اشرفی[2]۔ اکثر علماء کے نزدیک توبہ کرنے سے ہاتھ کاٹنے کی سزا ساقط نہیں ہوتی ہاتھ کاٹنے کے بعد اگر چوری کا مال چور کے پاس نکل آئے تو مالک کو اس کے دلانے میں سب کا اتفاق ہے اور اگر وہ مال ضائع ہو گیا تو تاوان کے دلانے میں اختلاف ہے جس کی تفصیل بڑی کتابوں میں ہے[3]۔ آخر کو فرمایا آسمان و زمین کی بادشاہت اللہ تعالیٰ کی ہے اس کے حکم میں کوئی دخل نہیں دے سکتا جس کی توبہ خالص ہو اس کو وہ بخش دے تو اُسے اختیار ہے اور جس کی توبہ خالص نہیں اور وہ اُسے نہ بخشے تو بھی اُسے اختیار ہے۔ غرض کوئی بات اس کی قدرت اور اس کے اختیار سے باہر نہیں اور وہ عالم الغیب ہے توبہ کا خالص ہونا اور نہ ہونا اسی کو خوب معلوم ہے۔

۴۱۔ صحیح مسلم کی براء بن عازبؓ کی روایت کے موافق صحیح شان نزول ان آیتوں کی وہی سنگساری کا قصہ ہے جس کا ذکر عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث کے حوالے سے آگے آتا ہے[4]۔ غرض دنیا کے چوروں کے ذکر کے بعد ان آیتوں میں دین کے چوروں کا ذکر فرمایا۔ ان چوروں میں ایک گروہ تو منافقوں کا تھا جو ظاہر میں مسلمان تھے۔ اور

[1] نیز دیکھئے نیل الاوطار ج ۷ ص ۲۹۸ و ۳۰۰ و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۵۔ تفسیر خازن ج ۲ ص ۴۸۳ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۶ [3] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۶۔ تفسیر خازن ج ۲ ص ۴۸۴ [4] صحیح مسلم ج ۲ ص ۷۰ باب حد الزنا۔

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ

بے اسلوب کرتے ہیں بات اس کا ٹھکانا چھوڑ کر کہتے ہیں اگر تم کو یہ ملے تو لو

وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ

اور اگر یہ نہ ملے تو بچتے رہو اور جس کو اللہ نے بچلانا چاہا سو تو اس کا کچھ نہیں کر

اللّٰهِ شَيْـــًٔـا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا

سکتا اللہ کے یہاں وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے نہ چاہا کہ دل پاک کرے ان کو دنیا میں

ان کے دل میں منافق پنے کا چور لگا ہوا تھا۔ دوسرا گروہ یہود کا تھا کہ انہوں نے تورات کے بہت سے احکام اپنی طرف سے بنائے تھے اور اصل احکام کو اس طرح چھپا رکھا تھا جس طرح چور کسی چوری کی چیز کو چھپاتا ہے اپنے بنائے ہوئے احکام کو رواج دینے کے لئے یہود کے علماء یہ بھی شرارت کیا کرتے تھے کہ اپنے جاہل لوگوں کے بعضے مقدمات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فیصلہ کو بھیج دیا کرتے تھے اور ان جاہلوں سے یہ بھی کہہ دیا کرتے تھے کہ یہ شخص جو اپنے آپ کو نبی آخر الزمان کہتے ہیں ان کو تورات کے احکام معلوم نہیں ہیں اس واسطے اس قسم کے مقدمات کا جس طرح سے ہمیشہ ہم لوگ فیصلہ کیا کرتے تھے اسی طرح کا فیصلہ یہ نبی آخر الزمان کو دیویں تو اس فیصلہ کو مان لینا نہیں تو ہرگز نہ ماننا۔ یہود کی اور منافقوں کی دوستی تھی اس لئے منافق لوگ جاسوسی کے طور پر مسلمانوں کی مجلس میں آن کر بیٹھا کرتے تھے اور یہ خبر لیا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مقدمات میں کیا فیصلہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں منافق اور یہود دونوں کے فریب سے اپنے رسول کو آگاہ کر دیا اور فرمایا کہ منافق لوگ تو یہ فریب کی باتیں اس لئے کرتے ہیں کہ ان کا ایمان فقط زبانی ہے اور ان کے دل میں طرح طرح کے فریب بھرے ہوتے ہیں۔ یہود کے علماء نے رشوت کے لالچ سے غلط مسئلے تراش لئے ہیں۔ اس لئے وہ ان مسئلوں کا رواج قائم رکھنے کو طرح طرح کے فریب کرتے ہیں مثلاً ان لوگوں نے بیاہے ہوئے مرد عورت کے سنگسار کرنے کی جگہ کوڑے مار دینے اور کالا منہ کر کے بستی میں پھرا دینے کی سزا تراش رکھی تھی اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی خیبر کے ایک مرد اور عورت کے مقدمہ میں بھی فیصلہ چاہتے تھے اور سنگساری کے حکم کو تورات میں نہیں بتلاتے تھے۔ آخر جب تورات لائی گئی تو وہ حکم نکلا جس کا قصہ صحیح بخاری و مسلم کی عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں ہے[۱]۔ یہ بھی فرمایا کہ ان لوگوں کے کفر و نفاق کی پیش قدمی اور ان کے فریبوں پر اے رسول اللہ کے تم کو کچھ غمگین نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ گناہ کرتے کرتے ان لوگوں کے دل سیاہ زنگ آلودہ ہو گئے ہیں جن میں نصیحت کے اثر کی کچھ گنجائش نہیں رہی اس واسطے زبردستی ان کے دلوں کی سیاہی کو دھونا اور ان کو راہ راست پر لانا اللہ تعالیٰ کے انتظامی ارادے کے بالکل برخلاف ہے کیونکہ دنیا کسی کو مجبور کرنے کے لئے نہیں پیدا کی گئی۔

[۱] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۷ باب الرجم بالبلاط و صحیح مسلم جلد ۲ ص ۶۹ باب حد الزنا و تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۵۸۔

خِزْيٌ ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ (۴۱) سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ

ذلت ہے اور ان کو آخرت میں بڑی مار ہے بڑے جاسوس جھوٹ کہنے کو

أَكَّالُونَ لِلسُّحْتِ ۚ

اور بڑے حرام کھانے والے

بلکہ دنیا تو نیک و بد کی آزمایش کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ ابو ہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ جب گناہ پر گناہ کرنے سے آدمی کے دل پر زنگ لگ کر اس کا دل مر جاتا ہے[1] کسی نیک کام کا ارادہ اس کے دل میں باقی نہیں رہتا۔ تبارک الذی میں آوے گا کہ دنیا کو اللہ تعالیٰ نے نیک و بد کے امتحان کے لئے پیدا کیا ہے ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث اور تبارک الذی کی آیت لیبلوکم ایکم احسن عملا گویا ان آیتوں کی تفسیر ہے۔ آخر کو فرمایا کہ اگر یہ لوگ اپنی عادتوں سے باز نہ آئے تو دنیا میں ان کی طرح طرح کی ذلت ہوگی اور عقبیٰ میں ان کو سخت عذاب بھگتنا پڑے گا۔ اللہ سچا ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اس تفسیر میں کئی جگہ منافقوں اور یہود کے دنیوی ذلت کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ عقبیٰ کا عذاب بھی وقت مقررہ پر سب کی آنکھوں کے سامنے آجائے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے قول کے موافق سحت کے معنی رشوت کے ہیں[2] سورۂ نساء میں يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ (۴:۴۶) اور یہاں يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ فرمایا ان دونوں آیتوں کو ملانے سے مطلب یہ ہوا کہ ان لوگوں نے کہیں تو تورات کے لفظوں کے معنی غلط تراشے ہیں اور کہیں تورات کے لفظوں کو بدل ڈالا ہے۔ اگرچہ بعضے عیسائی علماء نے تورات کے لفظوں کے بدلے جانے کا انکار کیا ہے لیکن عیسائی علماء اور اہل اسلام کے اکثر مباحثوں میں تورات کی عبارتوں کی مثالیں پیش ہو کر یہ بات اچھی طرح ثابت ہو گئی ہے کہ یہود نے تورات میں لفظی اور معنوی دونوں طرح کا تبدل و تغیر کیا ہے۔ سورۂ احزاب کی تفسیر میں آوے گا کہ اس سورت میں سنگسار کرنے کی آیت تھی جس کی تلاوت منسوخ ہو گئی مگر حکم باقی ہے۔ اس حکم کے باقی رہنے کی تائید میں صحیح بخاری و مسلم وغیرہ کی حضرت عمرؓ کی وہ حدیث ہے جس میں حضرت عمرؓ نے فرمایا سنگسار کرنے کی آیت قرآن میں تھی جس کو ہم لوگوں نے پڑھا اور یاد کیا ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کے رسول کے بعد ہم لوگوں نے اس آیت کے موافق عمل کیا ہے لیکن اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی ہے اس لئے مجھ کو خوف ہے کہ کچھ زمانے کے بعد لوگ اس حکم الٰہی کا انکار کر کے گمراہ ہو جائیں گے۔[3] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اندیشہ بہت صحیح تھا۔ کیونکہ خارجی لوگ اور فرقہ معتزلہ کے بعضے آدمی اس حکم الٰہی کے منکر ہو گئے۔[4] صحیح ابن حبان میں ابی بن کعبؓ کی روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموھما سورۂ احزاب میں تھی۔[5]

[1] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۶۹ کتاب التفسیر [2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۶۱ [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۹ باب رجم الحبلی من الزنا اذا احصنت وصحیح مسلم ج ۲ ص ۶۵ باب حد الزنا [4] فتح الباری ص ۹۴۳ باب رجم المحصن و ج ۶ ص ۴۳۶ باب رجم الحبلی من الزنا الخ [5] فتح الباری ج ۶ ص ۴۴۲ باب الاعتراف من الزنا۔ الاتقان ج ۲ ص ۲۵۔

فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ۖ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ

سو اگر آویں تجھ پاس تو حکم کردے ان میں یا تغافل کر ان سے اور اگر تو تغافل کرے گا تو

يَضُرُّوكَ شَيْئًا ۖ وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ

تیرا کچھ نہ بگاڑیں گے اور اگر حکم کرے تو حکم کر ان میں انصاف کا اللہ چاہتا ہے

الْمُقْسِطِينَ ﴿۴۲﴾ وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَاةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ

انصاف والوں کو اور کس طرح تجھ کو منصف کریں گے اور ان کے پاس توریت ہے جس میں حکم اللہ کا

۴۲-۴۴ اس آیت کے حکم منسوخ ہونے اور نہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ اس آیت کے حکم کے موافق پہلے اہل کتاب جب آنحضرتؐ کے پاس کوئی جھگڑا فیصلہ کرنے کو لاتے تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا تھا کہ خواہ آپ فیصلہ کریں یا پہلوتہی کر جاویں لیکن جس وقت آگے کی آیت وَاَنِ احْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ (۴۹) نازل ہوئی تو وہ پہلوتہی کی صورت منسوخ ہو گئی۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ ناسخ اور منسوخ میں ایک حکم کا دوسرے حکم کے مخالف ہونا ایک ضروری شرط ہے ان دونوں میں یہ شرط موجود نہیں ہے۔ کس لئے کہ پہلی آیت میں فیصلہ کرنے اور پہلوتہی کرنے کی دونوں صورتیں بیان فرما کر دوسری آیت میں فیصلہ کرنے کی صورت کی صراحت فرمائی ہے کہ جب فیصلہ کرنے کا موقع ہو تو ان کی خواہشوں کا کچھ خیال نہ کیا جائے بلکہ جس طرح قرآن شریف میں حکم اتارا ہے بیدھڑک اس کے موافق فیصلہ کیا جائے۔ اس صورت میں پچھلی آیت اگلی آیت کی تفسیر ہے ناسخ نہیں ہے۔ امام احمدؒ نے اس پچھلی تقریر کی بہت تائید کی ہے[1]۔ اور امام شافعیؒ بھی اس آیت کے منسوخ ہونے کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ شاہ ولی اللہ علیہ الرحمتہ نے بھی الفوز الکبیر میں امام احمدؒ کی تائید کو اختیار کیا ہے اور اس آیت کو منسوخ نہیں تسلیم کیا[2]۔ حاصل یہ ہے کہ یہود جو مقدمات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فیصلہ کو بھیجتے تھے اس سے یہود کی یہ غرض نہیں تھی کہ شرع محمدی حق ہے بلکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ تورات کے مسائل کی ناواقفی کے سبب سے اگر آپ ہمارے دستور کو سن کر اس کے موافق کوئی فیصلہ کر دیویں گے تو ہمارے ایجادی مسئلوں کا زیادہ رواج ہو جاوے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس شرارت کے روکنے کے لئے فرمایا کہ جب یہ لوگ اس طرح کے فریب سے مقدمات کا فیصلہ کرانا چاہتے ہیں تو اے رسول اللہ کے یہ بات اللہ تعالیٰ نے تمہاری مرضی پر منحصر رکھی ہے کہ خواہ ان کے مقدمات کا فیصلہ قرآن کے موافق کیا کرو یا خواہ نہ کیا کرو۔ اور تم ان کے مقدمات کا فیصلہ نہ کرو گے تو وہ تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے اللہ تعالیٰ ہر طرح ان کی مخالفت سے بچانے والا ہے۔

ابن جریرؒ ابن ابی حاتمؒ ابن اسحاقؒ نے عبداللہ بن عباسؓ سے یہ قصہ ان آیتوں کی شان نزول کے طور پر روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن صوریا اور شاس بن قیس اور چند یہود کے علماء نے ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

[1] فتح البیان ج ۳ ص ۴۲ طبع بولاق مصر [2] تفسیر خازن ج ۲ ص ۴۸ نیز دیکھئے کتاب الناسخ والمنسوخ لابی جعفر النحاس ۲ ص ۱۲۹

[2] الفوز الکبیر ص ۱۸ طبع المکتبۃ السلفیہ لاہور۔

ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ وَمَآ أُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿۴۳﴾ إِنَّآ أَنزَلْنَا

پھر اس پیچھے پھرے جاتے ہیں اور وہ ماننے والے نہیں ہم نے اتاری

التَّوْرٰىةَ فِيهَا هُدًى وَّنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ

توریت اس میں ہدایت اور روشنی اس پر حکم کرتے ہیں پیغمبر جو حکم بردار تھے

هَادُوا وَالرَّبّٰنِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِن كِتٰبِ اللَّهِ وَكَانُوا

یہود کو اور درویش اور عالم اس واسطے کہ نگہبان ٹھہرائے تھے اللہ کی کتاب پر اور اس کی

عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيٰتِي ثَمَنًا

خبرداری پر تھے سو تم نہ ڈرو لوگوں سے اور مجھ سے ڈرو اور مت خرید کرو میری آیتوں پر مول

قَلِيلًا ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ ﴿۴۴﴾

تھوڑا اور جو کوئی حکم نہ کرے اللہ کے اتارے پر سو وہی لوگ منکر ہیں

یہ فریب کیا کہ ظاہر میں آپ سے آن کر کہا کہ ہم سے اور ہماری قوم کے لوگوں سے مخالفت ہو گئی ہے ہم چند مقدمہ آپ کے پاس لائے ہیں ان مقدموں کو اگر آپ ہماری خواہش کے موافق فیصلہ کر دیویں گے تو ہم اسلام لے آویں گے اور ہم لوگ عالم کہلاتے ہیں اس لئے ہمارا اسلام دیکھ کر عام لوگ بھی مسلمان ہو جاویں گے اور باطن میں اُن کے جی میں یہ فریب تھا کہ اگر آپ دھوکا کھا کر خلافِ حکمِ الٰہی فیصلہ کر دیں تو آپ کی نبوت میں طرح طرح شبہ ڈالیں مگر آپ نے اس طرح کے فیصلہ سے انکار کیا اتنے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے اور زیادہ ہوشیار کرنے کو یہ آیات نازل فرمائیں[1] اور فرمایا کہ اے رسول اللہ کے تم اگر اُن کے مقدمات کا انصاف سے فیصلہ کرو تو اللہ تعالیٰ اہل انصاف کو پسند کرتا ہے لیکن اگر ان لوگوں کو انصاف منظور ہوتا تو یہ لوگ تورات کے اُن اصلی احکام سے نہ پھرتے جن پر تمام انبیاء بنی اسرائیل کا عمل تھا اور وہ ہمیشہ احکام تورات کے حکم برداری میں خود بھی لگے رہتے تھے اور اپنی قوم کے عابدوں اور عالموں کو بھی اسی طرح اس کی تاکید شدید رکھتے تھے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو احکامِ تورات کی نگہبانی اور خبر گیری کی تاکید فرمائی تھی۔ اب حال کے یہود کو اُن کے بڑوں کا حال یاد دلا کر فرمایا کہ تم لوگوں کو اپنے زوردار لوگوں کے ڈر سے یا مالدار لوگوں سے رشوت لینے کے لالچ سے احکامِ تورات بدلنے میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنا چاہئے ورنہ تمہارا احکامِ الٰہی کے منکر لوگوں میں قرار پا دے گا۔ صحیح مسلم کی براء بن عازبؓ کی جس حدیث[2] کا حوالہ اوپر کی آیتوں کے شانِ نزول میں گزرا اُس میں یہود نے جان بوجھ کر سنگساری کے حکم کا تورات میں ہونے سے انکار کیا تھا۔ اور جان بوجھ کر حکمِ الٰہی کا جو شخص انکار کرے وہ کافر ہے اس لئے یہود کو ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کافر فرمایا اور آگے کی آیتوں میں حسب موقع فاسق اور ظالم فرمایا جن موقعوں کی تفسیر ہر ایک آیت

[1] تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۱۷۷ لیکن یہ روایت امام ابن جریر اس صورت کی آیت نمبر ۴۹ کے زیر تحت لائے ہیں۔ تفسیر معالم ج ۳ ص ۱۷۳ میں بھی یہ واقعہ آیت نمبر ۴۹ ہی کے تحت آیا ہے۔ اسی طرح درمنثور ج ۲ ص ۲۹۰ میں ہے واللہ اعلم [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۷۰ باب حد الزنا۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ

اور لکھ دیا ہم نے اس کتاب میں کہ جی کے بدلے جی اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے

بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ

بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بدلہ برابر پھر جس نے

تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ

بخش دیا تو اس سے وہ پاک ہوا اور جو کوئی حکم نہ کرے اللہ کے اتارے پر سو وہی

هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۴۵﴾

لوگ ہیں بے انصاف ۔

کے متعلق آگے آتی ہے۔ اگرچہ یہ آیتیں خاص یہود کی شان میں نازل ہوئی ہیں لیکن اس امت میں سے بھی اگر کوئی شخص جان بوجھ کر کسی آیتِ قرآنی کا منکر ہوگا تو وہ اس حکم میں داخل ہے اور جو شخص قرآن کی آیت کے حق ہونے کا اقرار کر کے اس کے موافق عمل نہ کریگا تو گنہگار ہوگا۔ یہی تفسیر ان آیتوں کی امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس ؓ اور ان کے شاگرد عکرمہ کے قول کے موافق ہے یہ قول حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کا علی بن ابی طلحہ کی روایت سے ہے[۱] جو تفسیر کے باب میں نہایت صحیح ہے۔ کفر کے معنی گناہ کے ایسے موقع پر آتے ہیں جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح بخاری کی ابوسعید خدری ؓ کی حدیث میں شوہروں کی ناشکرگزار عورتوں کو کافر فرمایا ہے[۲]۔ تورات میں نور کے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح روشنی سے آدمی کو راستہ نظر آجاتا ہے اسی طرح سے دین کے راستہ کی تورات گویا ایک مشعل ہے ۔

۴۵۔ اوپر یہود کی اس کارستانی کا بیان تھا کہ انہوں نے تورات میں سنگساری کی آیت کا انکار کیا ان آیتوں میں ان کی دوسری کارستانی کا ذکر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تورات کے حکم کے موافق ان پر قصاص فرض ہے لیکن ان کے بعضے قبیلوں نے اس پر عمل چھوڑ دیا تھا اور اپنی طرف سے حکم الٰہی کے مخالف ایک دستور قرار دے رکھا ہے۔ سورۂ بقرہ میں اس دستور کا ذکر گزر چکا ہے کہ مدینہ منورہ کے گرد و نواح میں یہود کے دو قبیلے تھے بنی قریظہ اور بنی نضیر ان میں سے بنی نضیر کا کوئی شخص بنی قریظہ میں کے کسی آدمی کے ہاتھ سے مارا جاوے تو اس کا قصاص لیا جاتا تھا اور اگر بنی قریظہ میں کا کوئی آدمی بنی نضیر کے کسی آدمی کے ہاتھ سے مارا جاوے تو قصاص نہیں لیا جاتا تھا[۳]۔ اوپر حکم الٰہی کا انکار تھا اس لئے وہاں کافرون فرمایا تھا یہاں مظلوم کے انصاف میں خلل تھا اس واسطے ظالمون فرمایا جس کے معنی نامنصف شخص کے ہیں۔ اوپر کی آیتوں میں اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ جتلا دیا ہے کہ اے رسول اللہ کے یہ یہود لوگ تمہارے پاس کچھ مقدمات اپنی قوم کے لوگوں کے فیصلہ کرنے کو جو بھیجتے ہیں وہ کچھ نیک نیتی اور انصاف پسندی سے نہیں بھیجتے کیونکہ

[۱] تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۲۶۱ [۲] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۹۷ باب الزکوٰۃ علی الاقارب الخ [۳] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۶۰۔

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

اور پیچھا ڈالی بھیجا ہم نے ان ہی کے قدموں پر عیسیٰ مریم کے بیٹے کو سچ بتایا توریت کو جو آگے

مِنَ التَّوْرَاةِ ۖ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا

سے اور اس کو دی ہم نے انجیل جس میں ہدایت اور روشنی اور سچا کرتی

انصاف پسندی اگر ان کو منظور ہوتی تو پھر یہ لوگ تورات کے احکام چھوڑ کر ایجادی باتیں کیوں نکالتے بلکہ یہ لوگ تو اس غرض سے وہ مقدمات تمہارے پاس بھیجتے ہیں کہ تورات کے احکام کی ناواقفی کے سبب سے تم کوئی فیصلہ ان کی ایجادی باتوں کے موافق کر دو تو ان کی وہ ایجادی باتیں زیادہ رواج پکڑ جائیں۔ اکثر علماء اصول و فقہ کا یہ مذہب ہے کہ جس طرح یہ قصاص کا مسئلہ تورات کے حوالے سے قرآن میں آیا اسی طرح پہلی کسی شریعت کا جو مسئلہ قرآن میں آوے اور اس کی منسوخی کا ذکر شرع محمدی میں نہ ہو تو پہلی شریعت کا ایسا مسئلہ شرع محمدی کا مسئلہ ٹھیرے گا۔ سورۃ الانعام کی آیت اُولٰٓئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ (۶ : ۹۰) سے اس مذہب کی پوری تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے سورۃ الانعام کی اس آیت کی تفسیر بھی وہی قرار دی ہے جو ان علمائے اصول اور فقہ کا مذہب ہے چنانچہ زیادہ تفصیل اس کی سورۃ الانعام میں آتی ہے فَمَن تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ کی تفسیر میں سلف کے دو قول ہیں ایک تو یہ کہ مقتول شخص کے وارث قصاص معاف کر دیویں گے تو اس کے اجر میں مقتول کے گناہ معاف ہو جاویں گے دوسرا قول یہ ہے کہ قصاص کی معافی قاتل کی دنیوی سزا کا کفارہ ہے اور عقبیٰ کا مؤاخذہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے چاہے وہ معاف فرماوے چاہے مؤاخذہ کرے لیکن مسند امام احمدؒ، صحیح مسلم اور ترمذی میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظلم و زیادتی کی معافی پر اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے شخص کو بڑا درجہ دیوے گا۔[2] اس حدیث سے پہلے قول کی بڑی تائید ہوتی ہے کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ جس کا درجہ بڑھے گا اس کے گناہ ضرور معاف ہو جاویں گے۔ شریعت موسوی میں قتل عمد کی صورت میں خوں بہا نہیں ہے فقط قصاص ہے اس لئے ان آیتوں میں خوں بہا کا ذکر نہیں فرمایا۔

۴۶ — ۴۷۔ اوپر ذکر تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں بہت سے انبیاء ایسے بھیجے جو ہمیشہ احکام تورات کی حکم برداری میں خود بھی لگے رہتے تھے اور بنی اسرائیل کے عابدوں اور عالموں کو بھی اسی طرح احکام تورات کی پابندی اور پابندی کی نگہبانی رکھنے کی تاکید کیا کرتے تھے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء کو تورات کے احکام کی نگہبانی کا حکم دیا تھا ان آیتوں میں فرمایا کہ ان انبیاء بنی اسرائیل کے قدم بقدم سب انبیاء بنی اسرائیل تھے اور آخر پر اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو تورات کے احکام کی تصدیق و نگہبانی کے لئے بھیجا اور علاوہ

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۶۲ — تفسیر خازن ج ۲ ص ۴۷۹ [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۲۱ باب استحباب العفو والتواضع وجامع ترمذی ج ۲ ص ۲۴ باب ماجاء فی التواضع۔

بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَلْيَحْكُمْ
اپنی اگلی توریت کو اور راہ بتاتی اور نصیحت ڈر والوں کو اور چاہئے کہ حکم کریں
اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
انجیل والے اس پر جو اللہ نے اتارا اس میں اور جو کوئی حکم نہ کرے اللہ کے اتارے پر
فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٤٧﴾
سو وہی لوگ ہیں بے حکم

توارات کے ان پر انجیل بھی نازل فرمائی جس میں ہر طرح کی ہدایت تھی اور گناہوں کی کثرت سے بنی اسرائیل کے دل پر ایک طرح کی سیاہی جو آگئی تھی اس سیاہی کے اندھیرے کو دور کرنے کے لئے انجیل گویا ایک روشن مشعل تھی اور تورات کے سچے احکام کی تصدیق اور طرح طرح کی نصیحت بھی اس میں موجود تھی لیکن اس نصیحت کا اثر ان ہی کے دل پر ہوگا جن کو ایک دن اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑے ہونے کا کھٹکا لگا ہوا ہے جو لوگ اس سے بے بہرہ ہیں ان کے دل پر اس نصیحت انجیل کا کچھ اثر ہونے والا نہیں۔ آخر میں فرمایا نصاریٰ کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے انجیل میں جو باتیں اتاری ہیں وہ اس کے پابند ہوں ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کے نافرماں بردار کہلاویں گے۔ اصل انجیل پر عمل چھوٹ جانے کا سبب جو اس وقت کی تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ۴۲ھ میں ایک شخص پولس نام کا یہودی فریب کے طور پر نصرانی ہو گیا جس نے اصل انجیل کے بہت سے احکاموں کو بدل کر اس اصلی انجیلی احکام کی جگہ اپنی ایجادی باتوں کا رواج نصرانیوں میں پھیلا دیا جس سے اکثر نصرانی پولس کے ساتھ ہو گئے۔ چنانچہ اس پر اس وقت کے سچے نصرانی اور پولس کی سخت خونریز لڑائی بھی ہوئی۔ پولس کے ساتھی زیادہ تھے اس لئے پولس غالب رہا اور پولس کی ایجادی باتوں کا رواج قائم رہا جس کے سبب سے سچے دین میں طرح طرح کے اختلافات پڑ گئے ۳۰۰ھ کے قریب تک یہی اختلافی حالت مسیحی دین کی رہی اس کے بعد قسطنطین قیصر روم نے اس اختلاف کے رفع کرنے کی غرض سے انجیل کے اصل احکام میں بہت بڑا ردو بدل کیا۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں فرمایا کہ نصاریٰ کو اصل انجیل پر عمل کرنا چاہئے ورنہ لوگوں کی ایجادی باتوں پر عمل کریں گے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نافرماں بردار کہلاویں گے۔ انجیل میں تورات کے احکام کی تصدیق کے موجود ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جس قدر تورات کے احکام انجیل کے احکام سے منسوخ نہیں ہوئے وہ واجب العمل ہیں۔ اگرچہ یہود و نصاریٰ کلام الٰہی میں ناسخ و منسوخ کے قائل نہیں ہیں اس وجہ سے قرآن شریف پر ان کا یہ اعتراض ہے کہ قرآن شریف کی بعض آیتیں دوسری بعض آیتوں سے منسوخ ہوئی ہیں اس لئے قرآن کو کلام الٰہی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ کلام الٰہی میں ناسخ و منسوخ نہیں ہے۔ علماء اسلام نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ ناسخ و منسوخ کو قرآن کے ساتھ خصوصیت نہیں ہے بلکہ تورات و انجیل میں بھی ناسخ و منسوخ موجود ہے چنانچہ تورات کے حصہ استثناء کے چوبیسویں باب میں بغیر کسی قید کے عورت کو طلاق دینا جائز ہے اور انجیل متی کے ۱۹ باب میں یہ

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ

اور تجھ پر اتاری ہم نے کتاب تحقیق سچا کرتی سب اگلی کتابوں کو

حکم ہے کہ سوائے عورت کی بدکاری کے قصور کے اور کسی قصور پر عورت کو طلاق نہیں دی جا سکتی۔ اب اگر اس مثال کو یاد دلا کر یہ کہا جائے کہ منسوخ ہو جانے کے سبب سے تورات اور ناسخ قرار پانے کے سبب سے انجیل دونوں اللہ کا کلام نہیں ہیں تو اس کو کوئی اہل کتاب تسلیم نہیں کرے گا پھر ناسخ و منسوخ کے سبب سے قرآن شریف کے اللہ کا کلام ہونے میں کیونکر شبہ پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ایک شریعت سے دوسری شریعت کے منسوخ ہونے کا اقرار کرنے سے یہود کو شریعت عیسوی اور شریعت محمدی کا اور نصاریٰ کو فقط شریعت محمدی کا تسلیم کرنا لازم ہو جاتا تھا اس لئے ان لوگوں نے ناسخ و منسوخ کا انکار کیا۔ لیکن شریعت کا تسلیم کرنا فقط ناسخ و منسوخ کی بحث پر منحصر نہیں ہے۔ کیونکہ تورات کے حصہ استثناء کے ۳۳ باب میں تین نبیوں کا ذکر یوں آیا ہے کہ پہلے نبی کا ظہور کوہ طور سے ہوگا اور دوسرے کا شام کے پہاڑ ساعیر سے اور تیسرے کا مکہ کے پہاڑوں سے پہلے نبی اور دوسرے نبی کے باب میں تو اہل کتاب اور اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ تیسرے نبی کے باب میں اگرچہ اہل کتاب نے طرح طرح کے اختلافات کئے ہیں لیکن اہل کتاب اور اہل اسلام سے جو اکثر مباحثات ہوئے ہیں ان میں اہل اسلام نے ان سب اختلافات کو رفع کر دیا ہے غرض آج تک کسی اہل کتاب نے تورات انجیل یا تاریخ کی معتبر کتابوں میں سے اس بات کو ثابت نہیں کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سوائے نبی آخر الزمان کے مکہ کے پہاڑوں میں سے کسی اور ایسے دوسرے نبی کا ظہور ہوا ہو کہ موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اس نبی پر کتاب آسمانی نازل ہوئی یا اس کی امت کی وہ کثرت ہوئی ہو جس کی خوش خبری اللہ تعالیٰ کے فرشتے نے حضرت ہاجرہؓ حضرت اسمٰعیلؑ کی ماں کو دی تھی۔ اس خوشخبری کا ذکر تورات کے حصہ تکوین کے باب ۱۶ اور ۱۷ میں تفصیل سے ہے۔ انجیل یوحنا کے چودھویں باب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بعد جس نبی کے آنے کی خوش خبری دی ہے اس کی تفسیر بھی سوائے نبی آخر الزمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے نبی سے نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ اس کی تفسیر کسی دوسرے سے کی جاوے گی تو تورات کے حصہ استثناء کے باب ۳۳ کی جو آیت اوپر گزری اس میں اور انجیل یوحنا کی اس آیت میں مخالفت پیدا ہو جاوے گی جو علماء نصاریٰ کے اعتقاد کے بالکل مخالف ہے کس لئے کہ ناسخ منسوخ سے بچنے کے لئے ان کا اعتقاد تو یہ ہے کہ انجیل کی کوئی آیت توریت کی کسی آیت کے مخالف نہیں ہے۔ ابوہریرہؓ کی حدیث صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ایک جگہ اس تفسیر میں گزر چکی ہے۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اور عیسیٰ علیہ السلام کے مابین کوئی نبی نہیں ہے[۱]۔ یہ حدیث تورات کے حصہ استثناء کے باب ۳۳ اور یوحنا کی انجیل کے باب ۱۴ کی آیتوں کے ہم مضمون اور ان سے پوری مطابقت رکھتی ہے۔

۴۸۔۴۹۔ اوپر تورات کے حوالے سے جس سلسلہ سے تین نبیوں کا ذکر گزرا اسی ترتیب سے قرآن شریف میں ان تینوں

[۱] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۸۹ کتاب الانبیاء و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۵۔

وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ عَمَّا

اور سب پر شامل سو تو حکم کر ان میں جو اتارا اللہ نے اور ان کی خوشی پر مت چل چھوڑ کر

جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۚ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ

حق راہ جو تیرے پاس آئی ہر ایک کو تم میں دیا ہم نے ایک دستور اور راہ اور اگر اللہ چاہتا

لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوا

تو تم کو ایک دین پر کرتا لیکن تم کو آزمایا چاہتا ہے اپنے حکم دئے میں سو تم بڑھ کر لو

الْخَيْرٰتِ ۚ إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ

خوبیاں اللہ کے پاس تم سب کو پہنچنا ہے پھر جتا دے گا جس بات میں تم کو

نبیوں کی کتابوں کا یہ ذکر ہے چنانچہ انا انزلنا التوراۃ سے توراۃ کا اور اتیناہ الانجیل سے انجیل کا ذکر تو اوپر گزر چکا اب ان آیتوں میں قرآن شریف کا ذکر ہے بالحق کا مطلب یہ ہے کہ بغیر کسی شک و شبہ کے یہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ مشرکین مکہ اور اہل کتاب کسی کو اس کے اللہ کا کلام ہونے میں شک کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں کی تورات اور انجیل سب پچھلی کتابوں کی صداقت اس قرآن میں موجود ہے۔ جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس طرح پچھلے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے وہ کتابیں نازل فرمائی تھیں اسی طرح اب یہ قرآن نازل فرمایا ہے اور یہ بھی ان لوگوں میں کا ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ قرآن کو جھٹلانا عین ان کتابوں کو جھٹلانا ہے جن کتابوں کو یہ لوگ اللہ کا کلام اور آسمانی کتابیں جانتے ہیں۔ کس لئے کہ قرآن کی آیتیں سنکر یہ بات ان کو اچھی طرح معلوم ہو چکی ہے کہ قرآن میں پچھلے سب انبیاء اور ان کی کتابوں کی صداقت موجود ہے اس واسطے جس نے قرآن کو جھٹلایا اس نے اس صداقت کو بٹہ لگایا۔ اسی طرح ان کی کتابوں میں قرآن کا ذکر موجود ہے جس کے سبب سے ان کا قرآن کو جھٹلانا اپنی کتابوں کا جھٹلانا ٹھیرے گا۔ قرآن شریف سب آسمانی کتابوں کے بعد نازل ہوا ہے اس لئے اس کو مھیمنا علیہ فرمایا ہے جس کا مطلب امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق یہ ہے کہ قرآن میں پچھلی کتابوں کے جو مضمون ہیں ان مضمونوں کو قرآن نہایت امانت داری سے ادا کرتا ہے[1] جس سے اس خیانت کا پتہ لگ جاتا ہے جو پچھلی کتابوں میں کی گئی ہے مثلاً یہود نے بیاہے ہوتے مرد اور عورت کی سزا میں جو خیانت کی تھی وہ آخر کو کھل گئی جس کا قصہ اوپر گزر چکا ہے قرآن کو کتاب آسمانی ثابت کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ مدینہ کے گرد و نواح کے یہود کوئی مقدمہ فیصلہ کے لئے لاویں تو اے رسول اللہ کے اس مقدمہ کا فیصلہ قرآن کے موافق کرنا چاہئے اور اس کے مخالف یہ لوگ تورات کے کسی حکم کا حوالہ دیویں تو اس کا کچھ اعتبار نہ کرنا چاہئے کیونکہ ان لوگوں نے بہت سی باتیں اپنی طرف سے گھڑی ہیں جن کو وہ دھوکے سے تورات کا حکم بتلاتے ہیں۔ چنانچہ سنگساری کی جگہ کالا منہ کر کے بستی میں پھرانے کی ان کی گھڑت

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۶۵

تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ

اختلاف تھا اور یہ فرمایا کہ حکم کر ان میں جو اللہ نے اتارا اور مت چل ان کی خوشی پر

وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا

اور بچتا رہ ان سے کہ تجھ کو بہکا نہ دیں کسی حکم سے جو اللہ نے اتارا تجھ پر پھر اگر نہ مانیں

فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ

تو جان لے کہ اللہ نے یہی چاہا ہے کہ پہنچاوے ان کو کچھ سزا گناہوں کی اور لوگوں میں بہت

النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

ہیں بے حکم

تمہیں معلوم ہو چکی ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر اللہ چاہتا تو مختلف شریعتوں کی جگہ ایک ہی شریعت قرار دے دیتا کہ پھر آپس میں کوئی اختلاف باقی نہ رہتا لیکن ہر زمانہ کی ضرورت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے مختلف شریعتیں ٹھیرائی ہیں مثلاً آدم علیہ السلام کے زمانے میں نسل انسان کی کم تھی اس لئے بھائی بہین کا نکاح اس وقت کی شریعت میں جائز تھا پھر نسل انسان کے بڑھ جانے سے اس شریعت کی ضرورت باقی نہیں رہی اس واسطے یہ شریعت منسوخ ہو گئی۔ مابعد کی شریعت سے ماقبل کی شریعت کے منسوخ ٹھیرنے میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ اس میں فرماں بردار اور نافرماں بردار لوگوں کا حال اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کیونکہ جو لوگ حکم الٰہی کے پورے پابند ہیں وہ شریعت وقتیہ کے تابع ہو جاتے ہیں کچھ حیل وحجت نہیں کرتے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دو شریعتوں کی پابندی کی وجہ سے ایسے لوگ دوہرے اجر کے مستحق ٹھیرتے ہیں چنانچہ ایک جگہ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث اس باب میں گزر چکی ہے فاستبقوا الخیرات سے عام مسلمانوں کو عام طور پر نیک کاموں کی اور اہل کتاب کو خاص طور پر اس دوہرے اجر کی ترغیب دلائی گئی ہے خیرات کے معنی یہاں شریعت وقتیہ کے ہیں جو لوگ اس کے برخلاف ہیں اور شریعت وقتیہ میں طرح طرح کے اختلافات نکال کر منسوخ شریعت پر اڑے ہوئے ہیں ان کے وہ نیک عمل تو بیکار ہیں جو انہوں نے منسوخ شریعت کے موافق کئے ہیں کیونکہ منسوخ شریعت کے عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول نہیں ہیں اور شریعت وقتیہ سے ان لوگوں نے مخالفت جو ضد کے طور پر کی تھی اس کی سزا ان کو قیامت کے دن بھگتنی پڑے گی۔ شریعت وقتیہ پر عمل کرنے کی ترغیب کے بعد فرمایا اے رسول اللہ کے اب آئندہ یہ لوگ جو مقدمہ تمہارے پاس فیصلہ کو لاویں تو اس کا فیصلہ قرآن کے موافق کر دینا چاہیے۔ یہود کی خواہشوں سے بچنے کی تاکید دو دفعہ اس لئے فرمائی کہ یہود لوگ دو مقدموں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی ایجادی باتوں پر عمل کرانے کی خواہش کر رہے تھے ایک مقدمہ تو سنگساری کا تھا جس کا ذکر اوپر گزرا۔ اور دوسرا مقدمہ بنی نضیر اور بنی قریظہ کے

؎۱ صحیح بخاری ج ۱ ص ۔ ۹۰ ۴ کتاب الانبیاء و صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۶ باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا الخ۔

ع ٧ ١١

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿٥٠﴾

اب کیا حکم چاہتے ہیں کفر کے وقت کا اور اللہ سے بہتر کون ہے حکم کرنے والا یقین رکھتے لوگوں کو

کے خون بہا کا تھا جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ آگے فرمایا ان لوگوں کے دل میں نافرمانی بسی ہوئی ہے اس نافرمانی کے سبب سے مدینہ کے گرد و نواح میں ان پر کوئی آفت آجاوے گی۔ اللہ سچا ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ مدینہ کے گرد و نواح میں بنی قینقاع۔ بنی نضیر۔ بنی قریظہ۔ یہ تین قبیلے رہتے تھے۔ اِن میں سے بنی قینقاع بنی نضیر پر تو جلا وطنی کی آفت آئی اور بنی قریظہ پر قتل کی ؎

٥٠۔ ابوداؤد اور نسائی اور ابن حبان اور حاکم نے عبید بن موسیٰ سے اور ابن جریر نے حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ سے اس حکم جاہلیت کے چاہنے کا قصہ اور اِن آیات کی شان نزول جو بیان کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مدینہ کے گرد و نواح میں یہود کے دو قبیلے رہتے تھے ایک کا نام بنی نضیر تھا اور دوسرے کا نام بنی قریظہ بنی نضیر بہ نسبت بنی قریظہ کے زیادہ عزت دار اور شریف کہلاتے تھے اور ان دونوں قبیلوں نے آپس میں یہ قرارداد ٹھیرا رکھی تھی کہ بنی قریظہ میں کسی شخص کے ہاتھ سے کوئی آدمی بنی نضیر کا مارا جاوے تو بوجہ اپنی خاندانی شرافت کے دوگنا خون بہا لیتے تھے اور اگر ان میں سے کسی شخص کے ہاتھ سے بنی قریظہ کا کوئی آدمی مارا جاتا تو اکہرا خون بہا دیتے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو دونوں قبیلے کے لوگ ایک مقتول کا قصہ آنحضرت کے پاس لائے اس پر اللہ تعالیٰ نے وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ سے یہاں تک کی آیات نازل فرمائیں؎ اور آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ دونوں قبیلے کے انسان قصاص اور خون بہا میں برابر ہیں۔ اور بنی نضیر کے لوگوں سے کہا کہ تمہارے دوگنے خون بہا کی قرارداد تورات کے مخالف ایک زمانہ جاہلیت کی قرارداد ہے یہ سن کر بنی نضیر کے قبیلہ کے لوگ بہت خفا ہوتے اور کہنے لگے آپ ہمارے دشمن ہیں اور ہمارے خاندان کو بنی قریظہ کے خاندان کے برابر کر کے ہمارے خاندان کی ہتک چاہتے ہیں۔ اس پر اللہ نے یہ ٹکڑا آیت کا نازل؎ فرما کر بنی نضیر کو دھمکایا کہ خود تو انہوں نے تورات کے احکام کو بدل ڈالا ہے۔ اب کیا ہمارے رسول سے بھی جاہلیت کے زمانے کا فیصلہ چاہتے ہیں۔ جاہلیت کے زمانے کے فیصلوں کی بنا کسی شرع کے حکم پر نہیں ہوا کرتی تھی اس لئے فرمایا کہ یہ جاہلیت کے زمانے کے فیصلے شرع الٰہی کے فیصلوں سے کسی ایمان دار شخص کے حق میں کسی طرح بہتر نہیں ہو سکتے۔ جاہلیت کا زمانہ اس زمانہ کو کہتے ہیں جس زمانہ میں کوئی نبی روئے زمین پر نہ ہو۔ سیاست ملکی کے لیے چنگیز خاں نے احکام شرعی اور عقلی کو ملا کر ایک قانون کی کتاب جو بنائی تھی اس کو علمائے مفسرین نے احکام زمانہ جاہلیت کے مثل لکھا ہے اور خلاف شرع قانون کی

؎ تفسیر ابن کثیر ج ٢ ص ٦١ و ٦٧ و سنن ابی داؤد ج ٢ ص ٥٠٥ باب الحکم بین اہل الذمہ سنن نسائی ج ٢ ص ٢٣٤؎

؎ سنن نسائی جلد دوم ص ٢٣٤ باب تاویل قول اللہ عزوجل وان حکمت فاحکم بینہم بالقسط ؎

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ

اے ایمان والو مت پکڑو یہود اور نصاریٰ کو رفیق وہ آپس میں رفیق ہیں

بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (۵۱)

ایک دوسرے کے اور جو کوئی تم میں ان سے رفاقت کرے وہ انہیں میں ہے اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى

اب تو دیکھے گا جن کے دل میں آزار ہے دوڑ کر ملتے ہیں ان میں کہتے ہیں ہم کو ڈر ہے

اَنْ تُصِيْبَنَا دَاۗىِٕرَةٌ ۭ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ

کہ نہ آجاوے ہم پر گردش سو شاید اللہ جلد بھیجے فیصلہ یا کچھ حکم اپنے پاس سے

کتابوں کو اسی حکم میں داخل کیا ہے اور احکام شریعت کو چھوڑ کر اس طرح کے احکام قانونی پر فیصلے کرنے سے بڑی سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔

۵۱ ۔۔ ۵۳۔ مفسرین متقدمین اور متقدمین کی بنا پر مفسرین متاخرین نے اس آیت کے شان نزول میں بڑا اختلاف کیا ہے[۱] بعضے کہتے ہیں کہ جنگ احد میں جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو بعضے مسلمانوں نے اپنے دوست چند یہودیوں کا اور بعضوں نے اپنے چند دوست نصرانیوں کا ذکر کیا اور عین میدان جنگ میں یہ کہا کہ اس لڑائی کے ڈھنگ سے مسلمانوں کی حالت تو اب اچھی نظر نہیں آتی ہم لوگ اپنے دوست یہود و نصاریٰ سے مدینہ واپس جا کر پناہ چاہیں گے تاکہ ہم پر ابوسفیان اور مشرکین مکہ دست درازی نہ کر سکیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرما کر اس قسم کے مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی ہے کہ اس طرح کی بے دلی نہ کرو۔ قریب میں اللہ تعالیٰ فتح دیوے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا کہ یہود کے قبضہ میں جتنی بستیاں مدینہ کے گرد و نواح میں تھیں وہ اور شام کے ملک میں نصاریٰ کی بستیاں اور قریش کے قبضہ میں سے مکہ یہ سب کچھ فتح ہو گیا۔ اور بعض عبداللہ بن ابی کے قصہ کو آیت کے شان نزول کا ایک قصہ قرار دیتے ہیں۔ جس قصہ کا حاصل یہ ہے کہ عبادہ بن صامتؓ اور عبداللہ بن ابی دونوں کی یہود کے ایک قبیلہ بنی قینقاع سے دوستی تھی عبادہ بن صامتؓ نے تو آئندہ اس دوستی سے اپنی بیزاری ظاہر کی اور عبداللہ بن ابی نے عبادہ بن صامتؓ سے جھگڑا کیا اور آئندہ یہود سے دوستی قائم رکھنے کی باتیں کیں اور بعضے ابی لبابہ کے قصہ کو شان نزول قرار دیتے ہیں۔ اس قصہ کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی لبابہ کو بنی قریظہ کی فہمائش کو بھیجا تو بنی قریظہ نے ابولبابہ سے پوچھا کہ لڑائی موقوف کر کے ہم مسلمانوں کی امان میں اپنی گڈھی چھوڑ کر اتر آویں گے تو آخر ہمارا انجام کیا ہوگا ابولبابہ نے تلوار کی دھار کی طرح اپنے ہاتھ کو اپنے گلے پر پھیر کر دوستانہ بنی قریظہ کو اشارہ سے گویا یہ بتلایا تھا کہ آخر کو تم سب قتل کر دیئے جاؤ گے۔ رفع اس اختلاف کا یہ ہے کہ آیت میں یہود و نصاریٰ منافقین اہل اسلام

[۱] تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۱۷۷۔۔ ۱۷۹ و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۶۸ ۔ ۶۹ و تفسیر معالم ج ۲ ص ۱۷۵۔

فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسَرُّوا فِي أَنفُسِهِمْ نَادِمِينَ ﴿٥٢﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا

تو فجر کو رہ گئے اپنے جی کی چھپی بات پر پچھتانے اور کہتے ہیں مسلمان کہ

أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۙ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۚ حَبِطَتْ

یہ وہی لوگ ہیں کہ قسمیں کھاتے تھے اللہ کی تاکید سے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ خراب گئے

أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ ﴿٥٣﴾

الثلثة

ان کے عمل پھر رہ گئے نقصان میں ؎

چاروں فرقوں کا ذکر ہے اس واسطے سیاق آیت کے موافق ان سب قصوں کو ملا کر ایک ہیئت مجموعی کو شان نزول قرار دیا جاوے تاکہ ایک فرقہ کے قصہ کو شان نزول قرار دینے سے دوسرے فرقہ کا ذکر آیت میں رائگاں نہ جاوے اور قرآن شریف میں اس طرح کی بہت آیتیں ہیں جن کی شان نزول چند قصوں کی بنا پر ہے۔ غرض اس صورت میں پھر کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا۔ سورہ حشر میں آوے گا کہ مدینہ کے گردو نواح کے یہود سے مدینہ کے منافقوں نے یہ کہلا بھیجا تھا کہ اگر مسلمان تم سے لڑیں گے تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور اگر تم جلاوطن ہوتے تو ہم بھی تمہارے ساتھ جلاوطن ہو جائیں گے۔ اب یہ تو منافقوں کی جبلی عادت ہے کہ ان کی ہر بات فقط زبانی ہوتی ہے اُن کے دل میں اُس بات کا خیال تک بھی نہیں ہوتا اس لئے وقت پڑے پر یہ لوگ صاف الگ ہو گئے۔ نہ انہوں نے کچھ مدد کر کے بنی قریظہ کو قتل سے بچایا نہ بنی قینقاع اور بنی نضیر کے ساتھ یہ جلاوطن ہوئے۔ غرض اس قسم کے قصوں کے سبب سے ان آیتوں کے شروع میں تو اللہ تعالیٰ نے عام مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا ہے کہ وہ اہل کتاب سے منافقوں کی سی دوستی پیدا کریں اور اسلام کے بدخواہ بنیں اور یہ بھی فرمایا کہ ان لوگوں نے تو اپنی جانوں پر یہ ظلم کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خلاف مرضی کاموں پر کمر باندھ لی ہے ایسے لوگوں سے دوستی پیدا کر کے جو کوئی اپنے دوستوں کی عادتیں سیکھے گا وہ بھی ان کی دوستی میں ڈوب کر انہیں جیسا بدانجام ہو جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے ظالم بدانجام لوگوں کو مجبور کر کے راہ راست پر لانا اس لئے نہیں چاہتا کہ یہ انتظام الٰہی کے بالکل برخلاف ہے۔ وہ انتظام یہی ہے کہ دنیا نیک و بد کے امتحان اور جانچ کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ مجبوری کے بعد یہ امتحان کی صورت باقی نہیں رہ سکتی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو منافقوں کی خام خیالی جتلائی کہ یہ انکا خیال خام تھا جو یہ مسلمانوں پر گردش کے آنے اور اُس گردش کے وقت اپنے لئے یہود کی پناہ میں آجانے کے منصوبے باندھا کرتے تھے۔ چنانچہ یہود کے قتل جلاوطنی اور مسلمانوں کا غلبہ دیکھ کر یہ لوگ اپنی خام خیالی پر اپنے دل میں خود بھی پچھتاتے اور مسلمانوں کو ان کے حال پر بڑا تعجب ہوا کہ ظاہر میں تو یہ لوگ قسمیں کھا کر اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اور باطن میں مخالف اسلام لوگوں سے ان کو یہاں تک ربط تھا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی مدد کو اور ان کی جلاوطنی کے وقت اپنی جلاوطنی کو یہ لوگ تیار تھے جس کا نتیجہ ان کے حق میں یہ سراپا نقصان کا ہوا کہ دنیا میں اپنے کئے پر ان کو بڑا پچھتاوا ہوا اور عقبیٰ میں ان کی دودلی کے سبب سے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ

اے ایمان والو جو کوئی تم میں پھرے گا اپنے دین سے تو اللہ آگے لاوے گا ایک لوگ

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ

کہ ان کو چاہتا ہے اور وہ اس کو چاہتے ہیں نرم دل ہیں مسلمانوں پر زبردست ہیں کافروں پر

ان کے سب نیک عمل رائگاں ہو گئے۔ صحیح مسلم کے حوالے سے ابوہریرہؓ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ انسان کی ظاہری حالت کو نہیں دیکھتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی نظر تو ہمیشہ انسان کے دل کی طرف لگی رہتی ہے[1]۔ مطلب یہ ہے کہ منافقوں کے نیک عمل دل کے رادہ سے نہیں ہوتے اس لئے ایسے اوپری دل کے عمل اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں مقبول نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نظر انسان کے دل کی حالت پر ہمیشہ لگی رہتی ہے ؛

۵۴۔ حضرت حسن بصری کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں لوگوں کے مرتد ہو جانے سے پہلے یہ بات تھی کہ آنحضرتؐ کے زمانے میں اور خلفائے کے زمانہ میں کچھ لوگ اسلام لانے کے بعد اسلام سے پھر جاویں گے اس لئے اللہ تعالیٰ نے علم غیب کے طور پر اس آیت میں ان لوگوں کی خبر پہلے سے پہلے دی ہے۔ چنانچہ مابعد میں اس علم غیب کا ظہور ہوا کہ گیارہ فرقے عرب کے مرتد ہوئے تین فرقے خود آنحضرتؐ کے اخیر زمانہ میں اس طرح مرتد ہوئے کہ اسود عنسی کے ساتھ بنی مدلج فرقہ مرتد ہوا اور یمن کے تمام شہروں پر اس اسود عنسی کا تسلط ہو گیا اور آنحضرتؐ کے عاملوں کو اس نے یمن کے شہروں سے اٹھا دیا۔ آخر آنحضرتؐ نے معاذ بن جبلؓ کو اس کی سرکوبی کے لئے مقرر کیا اور یمن کے مسلمانوں نے حضرت معاذ بن جبلؓ کی مدد کی آخر کار فیروز دیلمیؓ کے ہاتھ سے اسود عنسی مارا گیا۔ اور آنحضرتؐ کی وفات سے ایک روز پہلے اسود کے مارے جانے کی خبر مدینہ میں آئی۔ یہ اسود ایک کاہن تھا دوسرا فرقہ بنی حنیفہ مسیلمہ کذاب کے ساتھ مرتد ہوا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد تک مسیلمہ کا زور رہا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خالد بن ولیدؓ کو مسیلمہ کی سرکوبی کے لئے مقرر کیا اور وحشیؓ قاتل حضرت امیر حمزہؓ کے ہاتھ سے مسیلمہ مارا گیا۔ چنانچہ وحشیؓ کا یہ مقولہ مشہور ہے کہ قَتَلْتُ خَيْرَ النَّاسِ وَشَرَّ النَّاسِ جس کا مطلب یہ ہے کہ حالت کفر میں جس طرح امیر حمزہؓ جیسے اچھے آدمی جنگ اُحد میں میرے ہاتھ سے شہید ہوئے اسی طرح حالت اسلام میں بدترین خلائق مسیلمہ کو میں نے قتل کیا۔ تیسرا فرقہ بنی اسد مرتد ہوا اور خالد بن ولید کے ہاتھ سے شکست پاکر پھر اسلام لایا اس فرقہ کا سرغنہ ایک شخص طلیحہ بن خویلد تھا یہ طلیحہ آخر کو پھر مسلمان ہو کر آخر تک مسلمان رہے[2] ان فرقوں کے علاوہ اور سات فرقے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں زکوٰۃ کے منکر اور مرتد ہوئے اور فرقہ غسان حضرت عمرؓ کے عہد میں مرتد ہوا جن کی لڑائی کی کیفیت سیر اور تاریخ کی کتابوں میں ہے[3]

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱۷ باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ الخ۔ [2] تفسیر معالم ج ۲ ص ۱۸۰۔

[3] نیز دیکھئے تفسیر خازن ج ۲ ص ۴۹۴۔

يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۚ ذٰلِكَ

لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور ڈرتے نہیں کسی کے الزام سے یہ

حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں زیادہ لوگ مرتد ہوئے اس لئے حضرت عائشہ فرمایا کرتی تھیں کہ میرے باپ کی خلافت میں وہ مصیبتیں پیش آئیں کہ پہاڑ بھی اُن مصیبتوں کو نہیں جھیل سکتا۔ حق تو یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اِن سات فرقوں سے لڑنے میں بڑی جواں مردی کی۔ جب صحابہ عموماً اور حضرت عمرؓ خصوصاً اِن لوگوں سے لڑنے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مخالف ہوئے تو آپ اکیلے تن تنہا ہتھیار لگا کر میدانِ جنگ کو روانہ ہوئے آخر آپ کو اکیلا جاتے ہوئے دیکھ کر سب لوگ ساتھ ہوئے۔ اس پر آشوب زمانہ میں اہل یمن اور جن لوگوں نے دین کی حمایت کی ہے انہیں لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنا پیارا فرمایا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ ان پیاروں کے سردار حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں اور اب بھی کسی فتنہ وفساد کے وقت اسی طرح جو شخص دین کی حمایت کرے گا وہ بھی اللہ کا پیارا ضرور ہے۔ مُرتد اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے دین سے پھر جاوے اس زمانہ کے لوگ جو دین سے پھر گئے تھے اُن میں بعضے تو بُت پرست بن گئے تھے جیسے بنی اسد طلیحہ بن خویلد کے ساتھی اور بعضے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے منکر ہو کر اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب کو نبی جاننے لگے تھے۔ بعضے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد زکوٰۃ کو امام کے پاس بھیجنے کے قائل نہیں تھے اور یہ کہتے تھے کہ آیت خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (۹: ۱۰۳) کے موافق زکوٰۃ کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے تک تھا[1] کیونکہ زکوٰۃ لینے کے بعد زکوٰۃ دینے والے کے لئے دعا کرنا اور اس دعا کا مفید ہونا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ مخصوص تھا۔ یہ آیت سورۂ توبہ کی ہے۔ سورۂ توبہ کی تفسیر میں آوے گا کہ جو لوگ تبوک کی لڑائی میں نہیں گئے تھے ان پر اللہ تعالیٰ کی خفگی ہوئی اور خفگی کے بعد جب اُن کی توبہ قبول ہوئی تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جس مال کی الفت اور حفاظت نے ہم کو تبوک کے سفر سے روکا اس مال کو ہم اللہ کی راہ میں خیرات کرنا چاہتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی[2]۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن لوگوں کو سب مال کے تیسرے حصہ کی خیرات کا حکم دیا اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت فرضی زکوٰۃ کے باب میں نہیں ہے کیونکہ زکوٰۃ میں ثلث مال نہیں لیا جا سکتا اور جب یہ آیت فرضی زکوٰۃ کے باب میں نہیں تو مانعین زکوٰۃ نے اس آیت سے مطلب جو نکالا تھا کہ زکوٰۃ کا دینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ تک تھا وہ مطلب بھی صحیح نہ رہا غرض اس قسم کے وجوہات سے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے فیما بین ان مانعین زکوٰۃ سے لڑنے اور نہ لڑنے میں بڑی بحث رہی جس کی تفصیل سوا

[1] نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۳۸۔

[2] یعنی سورہ التوبہ کی مذکورہ بالا آیت دیکھئے۔ تفسیر ابن جریر ج ۱۱ ص ۱۴۰

فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ‌ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۵۴﴾

فضل ہے اللہ کا دے گا جس کو چاہے اور اللہ کشایش والا ہے خبردار

ابن ماجہ کے صحاح کی سب کتابوں میں ابوہریرۃؓ کی روایت سے ہے[1]۔ آنحضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے پر سب صحابہ کا اتفاق ہوا۔ اور ان لوگوں سے لڑائی ہوئی اور لڑائی کے بعد یہ لوگ زکوٰۃ کے قائل ہوئے اگرچہ اسود عنسی کے قتل کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے ایک دن پہلے وحی کے ذریعے معلوم ہوگئی تھی۔ لیکن اس کے ساتھیوں کی پوری سرکوبی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی اور اس کے بعد سوائے فرقہ غسان کے واقعہ کے اور سب لڑائیاں بھی ان ہی کی خلافت میں ہوئیں اس لئے یہ سب لڑائیاں ان کی خلافت کی کہلاتی ہیں۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خواب دیکھا کہ کسی نے سونے کے دو کڑے آپ کے دونوں ہاتھوں میں پہنا دیئے ہیں۔ ان کڑوں کو ہاتھوں میں دیکھ کر آپ کا دل بہت گھبرایا اس لئے کسی نے آپ سے خواب میں یہ بھی کہا کہ ان کڑوں کو پھونک مار کر اڑا دو آپ نے یہی کیا۔ اس خواب کی تعبیر آپ نے یہ قرار دی کہ اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب یہ دونوں آخر کو مارے جاویں گے۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں ابوہریرہؓ کی روایت سے ہے اور ابوہریرہؓ کے واسطے سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خواب کے بعد اپنی قوم کے ایلچیوں کے ساتھ مسیلمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی آیا اور آپ سے کہنے لگا کہ مجھ کو نبوت میں بھی شریک کر لیا جائے۔ اتفاق سے اس وقت آپ کے ہاتھ میں ایک کھجور کی شاخ تھی اس واسطے آپ نے فرمایا کہ تو یہ کھجور کی شاخ بھی مانگے گا تو میں تجھ کو نہ دوں گا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ تو اپنی حد سے قدم باہر نہ رکھ ورنہ ہلاک ہو جائے گا[2]۔ اسود اور مسیلمہ مرتد پنے کی حالت میں قتل ہونے والے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کا حال اپنے رسول کو خواب میں دکھا دیا تاکہ معلوم ہو جاوے کہ طلیحہ بن خویلد کا حال ان دونوں کی طرح نہیں ہے۔ طلیحہ بن خویلد بن نوفل نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے زمانے میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرار بن الازور اسدی کو طلیحہ اور ان کے ساتھیوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا تھا لیکن اس سرکوبی کے خاتمہ سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اس لئے یہ سرکوبی ادھوری رہ گئی آخر پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت میں خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ پر یہ سرکوبی پوری ہوئی شکست کے بعد طلیحہ بن خویلد نے پھر اسلام قبول کیا اور ۱۵؁ھ میں قادسیہ کے وقت اہل اسلام کو بڑی مدد دی۔ یہ قادسیہ کی لڑائی حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں ہوئی ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کی سہل بن سعدؓ کی حدیث ایک جگہ

[1] صحیح بخاری ج اص ۱۸۸ باب وجوب الزکوٰۃ و صحیح مسلم ج اص ۳۷ باب الامر بقتال الناس الخ [2] یہ دونوں روایتیں صحیح بخاری ج اص ۵۱۱ باب علامات النبوۃ فی الاسلام میں درج ہیں۔

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَوٰةَ

تمہارا رفیق وہی اللہ ہے اور اس کا رسول اور ایمان والے جو قائم ہیں نماز پر

وَيُؤْتُونَ الزَّكَوٰةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ﴿۵۵﴾ وَمَن يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ

اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ نوسے ہوئے ہیں اور جو کوئی رفاقت پکڑے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور

آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ﴿۵۶﴾

ایمان والوں کی تو اللہ کی جماعت وہی ہوگی غالب ہے

گذر چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جان پہچان کے بعضے شخصوں کو حوض کوثر پر سے نکال دیا جاوے گا اسلام سے پھر جانے کے ہنگامے جو اوپر گذرے یہ لوگ ان ہی ہنگاموں کے ایسے ہوں گے جو اسلام سے پھر کر اسی حالت میں مارے گئے منافقوں کا حال اوپر گزرا کہ ظاہر میں اسلام کا ساتھ دیتے تھے اور باطن میں مخالف اسلام لوگوں کے اولاہنے اور الزام سے ڈر کر ادھر بھی ملے رہتے تھے خالص ایمان داروں کا یہ ذکر فرمایا کہ یہ لوگ راہ خدا میں جس کام کی کوشش کرتے ہیں وہ سچے دل سے کرتے ہیں کسی کے اولاہنے سے ڈر کر اوپرے دل سے نہیں کرتے۔ پھر فرمایا کہ یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ کا فضل اگرچہ بہت بڑا ہے لیکن اس کو ہر ایک کے دل کا حال معلوم ہے دل کے نیک ارادہ کی حالت جانچ کر جس پر وہ چاہتا ہے اپنا فضل کرتا ہے ؀

۵۵ـــ۵۶۔ اگرچہ طبرانی عبدالرزاق ابن جریر ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے اس آیت کی شان نزول اس قصہ کو قرار دیا ہے جس میں حضرت علیؓ کا رکوع کی حالت میں ایک فقیر کو انگوٹھی خیرات کرنے کا ذکر ہے مگر اس قصہ کی سند ذرا تردد طلب ہے، اس لئے اولی یہ ہے کہ اوپر کی حدیث کے موافق آیت کی اس ٹکڑے کی شان نزول بھی حضرت عبادہ بن صامتؓ کا قصہ قرار دیا جاوے اور حضرت علیؓ کو بھی آیت کا مصداق ٹھیرایا جاوے عبادہ بن صامتؓ کا یہ وہی قصہ ہے جس کو حافظ ابوجعفر ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں اور محمد بن اسحاق نے اپنی مغازی میں معتبر سند سے خود عبادہ بن صامتؓ کی روایت سے بیان کیا ہے حاصل اس قصہ کا اوپر بیان ہوچکا ہے کہ عبادہ بن صامتؓ اور عبداللہ بن ابی دونوں کی یہود کے ایک قبیلے بنی قینقاع سے دوستی تھی عبادہ بن صامتؓ نے تو آیندہ اسی دوستی سے اپنی بیزاری ظاہر کی اور عبداللہ بن ابی نے آئندہ یہود سے دوستی قائم رکھنے کی ترغیب کی باتیں کیں۔ حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ عبادہ بن صامتؓ کی طرح جو شخص مخالف اسلام لوگوں کی دوستی سے بیزار ہے اللہ اور اللہ کے رسول نماز اور زکوٰۃ پر قائم رہنے والے پکے مسلمان سب ایسے شخص کے دوست اور رفیق ہیں اور ایسے لوگ

ـــــــــــــــــــ

لے صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷۴ کتاب الحوض و صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴۹ باب اثبات حوض نبینا صلی اللہ علیہ وسلم وصفاتہ

لے تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۷۱۔ مگر حضرت علیؓ کو مصداق بنانے والی یہ روایت کسی کام کی نہیں بالکل ناقابل اعتبار ہے سند کے اعتبار سے بھی، اور معنی و مطلب کے اعتبار سے بھی۔ (منہاج السنہ ج ۴ ص ۳ ـــ ۵)

لے تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۱۸۶۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا

اے ایمان والو رفیق نہ پکڑو ایسوں کو جو ٹھیراتے ہیں تمہارا دین ہنسی اور کھیل

مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

وہ جو کتاب دیئے گئے تم سے پہلے اور وہ جو کافر ہیں اور ڈرو اللہ سے

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾

اگر یقین رکھتے ہو

اللہ کا گروہ کہلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے گروہ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ یہ گروہ مخالفوں پر غالب رہے گا۔ اللہ سچا ہے اللہ کا وعدہ بھی سچا ہے مدینہ کے گرد و نواح میں جو یہود رہتے تھے ان پر اور جو لوگ اسلام سے پھر گئے تھے ان پر اللہ تعالیٰ کے گروہ کا جو غلبہ ہوا اس کا حال اوپر گزر چکا۔ تاریخ کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک مسلمانوں میں اس قدر اسلام کی پابندی باقی رہی جس سے ان میں اللہ کا گروہ بننے کی صلاحیت رہی اس وقت تک اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے غلبہ کا جو وعدہ کیا تھا اس کا ظہور ہوتا رہا جب اس طرح کے لوگ بھی دنیا سے اٹھتے گئے تو اس وعدہ کا ظہور بھی دنیا سے اٹھتا گیا مثلاً عمرؓ کی خلافت میں جو حال لوگوں کا تھا وہ حال عثمانؓ کی خلافت میں نہ رہا اسی طرح مثلاً ہشام بن عبدالملک کی سلطنت کا جو حال تھا وہ ولید بن یزید بن عبدالملک کی سلطنت کا نہ رہا اور پھر اس کے بعد اور ابتری پیدا ہوگئی۔ رکوع کے معنی یہاں خدا کا خوف دل میں رکھ کر نیک کام کرنے کے ہیں کیونکہ رکوع کے معنی اگر یہاں نمازمیں کے رکوع ہوتے تو زکوٰۃ کا رکوع کی حالت میں ادا کرنا افضل ہوتا حالانکہ اس کا ثبوت شریعت میں کہیں پایا نہیں جاتا ترجمہ میں وھو راکعون کا ترجمہ "اور وہ نوے ہوئے ہیں" جو کیا ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ باوجود نیک کام کرنے کے وہ لوگ جھکے رہتے ہیں اپنی عبادت کی کچھ فوقیت ان کے دل میں نہیں خدا کا خوف دل میں رکھ کر جو کام کیا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بہت پسند ہے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو سعید خدریؓ کی حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ ایک شخص نے اللہ تعالیٰ کے سامنے جانے کے خوف سے اپنی لاش کے جلا دینے اور اس خاک کو ہوا میں اڑا دینے کی وصیت کی تھی لیکن یہ وصیت اس کی محض خدا کے خوف کے سبب سے تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی مغفرت فرمادی[1]۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کا آیت میں ذکر ہے وہ ہر ایک کام اللہ کو حاضر ناظر جان کر کرتے ہیں اس واسطے ان کی یہ عادت اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھی اور قابل تعریف ہے اور اس کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے ؛

۵۷۔ تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابوالشیخ ابن حبان میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ بعضے یہودی ظاہر میں تو مسلمان ہوگئے تھے مگر باطن میں اسلام کو اچھا نہیں جانتے تھے اور بعضے مسلمان ان یہودیوں کو سچا مسلمان سمجھتے تھے اُن سے کمال دوستی رکھتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[2] اور جتلادیا کہ یہ لوگ دین

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹۵ کتاب الانبیاء و صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۵۷ باب سعۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ وانہا تغلب غضبہ [2] تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۱۸۷ ؛

وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۚ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ

اور جس وقت پکارتے ہو نماز کو اس کو ٹھیراتے ہیں ہنسی اور کھیل یہ اس واسطے کہ وہ

قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ ۝

لوگ بے عقل ہیں ؁

اسلام کو ٹھٹھا ٹھیرانے والے لوگ ہیں ان سے دوستی اچھی نہیں ہے صحیح مسلم کے حوالے سے ابوسعید خدریؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان دار آدمی کے ایمان کی نشانی یہ ہے کہ وہ جہاں کہیں کوئی خلاف شریعت بات دیکھے تو ہاتھ سے زبان سے اس کی اصلاح کی کوشش کرے اگر یہ نہ ہو سکے تو ضعیف درجہ ایمان کا یہ ہے کہ ایسی خلاف شرع مجلس کو دل سے بُرا جان کر خود اُس میں نہ بیٹھے۔ یہ حدیث آیت کی تفسیر ہے کیونکہ آیت و حدیث کو ملا کر یہ مطلب ہوا کہ جو شخص خلاف شرع لوگوں سے دوستی رکھے گا تو اس دوستی کی رعایت سے تو اُس کے دل میں رفتہ رفتہ وہ ضعیف درجہ ایمان کا بھی آخر کو باقی نہ رہے گا جس کا ذکر حدیث میں ہے اور انجام اس کا یہ ہوگا کہ ان خلاف شرع لوگوں کی دوستی کے وبال میں یہ شخص بھی پکڑا جاوے گا۔ چنانچہ ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بڑی حدیث ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص کسی مجلس میں کوئی بات خلاف شریعت دیکھ کر چشم پوشی کرے گا تو خلاف شرع لوگوں کے وبال میں ایسا شخص بھی پکڑا جائے گا۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[2]۔

۵۸۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے سدی سے روایت کی ہے کہ جب اذان مدینہ میں ہوتی تھی تو ایک نصرانی جو مدینہ میں رہتا تھا اشہد ان محمدا رسول اللہ سن کر یہ کہا کرتا تھا خدا اس جھوٹے مؤذن کو چولھے میں ڈالے ایک دن اس نصرانی کے گھر میں آگ لگی اور وہ اور اُس کے بال بچے اور سب گھر اور باہر جل کر راکھ ہو گیا[3]۔ اوپر تورات اور انجیل کی آیتوں کے حوالے سے یہ گزر چکا ہے کہ مکہ کے پہاڑوں میں سے جن نبی کا ظہور ہونے والا تھا وہ یہی نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ تورات اور انجیل کی ان آیتوں کا اور کوئی مطلب سوا اس مطلب کے صحیح نہیں قرار پا سکتا کہ اُن آیتوں سے مقصود بعد عیسیٰ علیہ السلام کے نبی آخر الزمان کا پیدا ہونا ہے۔ باوجود اس کے جان بوجھ کر جو اس نصرانی نے اللہ کے رسول کی شان میں بے ادبی کے لفظ منہ سے نکالے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی خفگی ہوئی۔ تورات اور انجیل کی اس صداقت کی بنا پر نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ اہل کتاب میں سے جو شخص میرا حال سن کر میری نبوت کو نہ مانے گا تو اس کی نجات مشکل ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم[4] کے حوالے سے ابوہریرہؓ کی یہ حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے۔ تورات اور انجیل کی آیتیں جو اوپر گزری یں یہ حدیث گویا ان کی تفسیر ہے اب اصل اور

---

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۱ باب کون النہی عن المنکر الخ [2] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۳۱ کتاب التفسیر و ابن ماجہ ص ۲۹۸ باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر [3] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۷۲ [4] صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۶ باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا الخ ؛

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ

تو کہہ اے کتاب والو کیا بیر ہے تم کو ہم سے مگر یہی کہ ہم یقین لائے اللہ پر اور جو ہم کو اترا

اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾

اور جو اترا پہلے اور یہی کہ تم میں اکثر بے حکم ہیں

تفسیر کو ماننا یا نہ ماننا اہل کتاب کا کام ہے اسی واسطے آخر کو فرمایا کہ جو کوئی ایسی ظاہر باتوں کو نہیں مانتا اس کی عقل ٹھیک نہیں ہے ۔

۵۹ معتبر سند سے تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابوالشیخ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک روز چند یہود نے آنحضرتؐ سے پوچھا کہ آپ کون کون سے نبی کو برحق جانتے ہو آپ نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور سب انبیاء کا نام لیا۔ یہود حضرت عیسیٰؑ کا نام سن کر بہت چڑے اُس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[1] اور فرمایا اے رسول اللہ کے تم ان یہود سے کہہ دو کہ تم میں اکثر لوگ گناہوں کی سرکشی میں حد سے بڑھے ہوئے ہیں جس کے سبب سے تم لوگ عیسیٰ علیہ السلام کو نبی قرار دینے سے ہمارے دشمن بن گئے ورنہ جس تورات کو تم مانتے ہو اس میں عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی پوری شہادت تھی جس کو تم نے بدل ڈالا ہے اور ایک سچی بات پر اُلٹے ہم سے جھگڑتے اور ہمارے دین کو عیب لگاتے ہو تم لوگوں میں ذرا بھی راستی اور انصاف ہو تو تم اقرار کر سکتے ہو کہ تمہارا جھگڑنا تورات کے برخلاف اور ہمارا دین بالکل اصل تورات کے موافق ہے۔ اس وقت تو یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کرتے ہیں لیکن سورۃ النساء میں گزر چکا ہے کہ قیامت کے قریب جب عیسیٰ علیہ السلام زمین پر آویں گے تو اس وقت ان کی نبوت کا اقرار کریں گے اسی طرح اب جو کوئی یہودی قریب المرگ ہوتا ہے اور عقبیٰ کی باتیں اس کی آنکھوں کے سامنے آنے لگتی ہیں تو اس کو یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بے شک اللہ کے رسول تھے مگر اس وقت کا یہ معلوم ہونا کچھ فائدہ مند نہیں کیونکہ یہ اوپر گزر چکا ہے کہ اس وقت کی توبہ اس وقت کا اسلام غرض اس وقت کی کوئی نیک بات انسان کو کچھ فائدہ نہیں پہنچاتی صحیح بخاری اور مسلم کی ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے[2] جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب انبیاء کو علاتی بھائی اور ان کی شریعتوں کو علاتی بھائیوں کی ماں فرمایا ہے[3]۔ علاتی اُن بھائیوں کو کہتے ہیں جن کا باپ ایک ہو اور مائیں الگ الگ ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ توحید اور عبادت الٰہی کی نصیحت و تاکید کرنے میں سب انبیاء ایک ہیں ہاں ضرورت وقت کے لحاظ سے ہر شریعت میں حلال و حرام کے احکام جدا ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک نبی کی نبوت کے انکار سے تمام انبیاء کی نبوت کا انکار لازم آجاتا ہے کیونکہ اصلی دین کی رو سے جب سب انبیاء ایک ہیں تو ان میں سے ایک کو جھٹلانا گویا سب انبیاء کے اصلی دین کو جھٹلانا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ مثلاً فقط موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے اقرار سے یہود اور عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے اقرار سے نصرانی جو اپنی نجات کے خیال میں

[1] درمنثور ج ۲ ص ۲۹۴ — ۲۹۵ [2] یعنی جلد اول ص ۱۲۳ [3] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹۰ کتاب الانبیاء و صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۶۵ باب فضائل عیسیٰ علیہ السلام ۔

قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ

تو کہہ میں تم کو بتاؤں ان میں کس کی بُری جزا ہے اللہ کے یہاں وہی جس کو اللہ نے لعنت کی

وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ

اور اس پر غضب ہُوا اور ان میں بعضے بندر کئے اور سؤر کئے اور پوجنے لگے شیطان کو

أُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّأَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾ وَإِذَا جَآءُوْكُمْ

وہی بدتر ہیں درجے میں اور بہت بہکے سیدھی راہ سے اور جب تم پاس آویں

قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ

کہیں ہم یقین لائے اور منکر ہی آئے تھے اور اسی طرح نکلے اور اللہ خوب جانتا ہے

ہیں وہ ان کا خیال بالکل غلط ہے اسی واسطے نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو یہودی یا نصرانی میرا حال سن کر میری نبوت کا اقرار نہ کرے گا اس کی نجات ممکن نہیں ہے چنانچہ صحیح مسلم کے حوالہ سے[1] ابوہریرہؓ کی یہ روایت گزر چکی ہے۔

۶۰ — ۶۲۔ یہود نے نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ جو کہا تھا کہ اگر عیسیٰ بن مریم کو بھی نبی مانتے ہیں تو آپ کے دین سے بڑھ کر اور کوئی بُرا دین دنیا میں نہیں اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اے رسول اللہ کے تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ اللہ کے حکم سے میں تم لوگوں کو جتلائے دیتا ہوں کہ سزا کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بگڑا ہوا اور بُرا دین وہی ہے جس کی سزا میں تم لوگوں پر اللہ کی پھٹکار ہے اور تم اس کے غصہ اور خفگی میں ایسے گرفتار ہو کہ کچھ لوگ تم میں کے آدمی سے بندر اور سؤر ہو گئے اور کچھ اہل کتاب ہو کر بت پرست کہلائے۔ باوجود مناہی کے یہود میں کے جن لوگوں نے ہفتہ کے دن مچھلیوں کا شکار کھیلا تھا وہ بندر اور سؤر ہو گئے تھے زیادہ تفصیل اس قصہ کی سورہ اعراف میں آوے گی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق ان لوگوں میں کے جوان تو بندر ہو گئے تھے اور بڈھے سؤر ہو گئے تھے۔ یہود بت پرست ایک تو بچھڑے کے پوجنے سے کہلائے جس کا قصہ سورہ اعراف میں آوے گا اور دوسرے کعب بن اشرف یہودی نے قریش کے بتوں کی جو تعظیم کی تھی جس کا قصہ سورۃ النساء میں آیت اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ (۴: ۵۱) کی تفسیر میں گذر چکا ہے۔ اب آگے فرمایا کہ دنیا میں ایسے لوگ راہ راست سے دور پڑے ہوئے ہیں اس لئے عقبیٰ میں ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ ان میں کے منافقین کا یہ ذکر یوں فرمایا کہ یہ لوگ اپنے دل کی باتوں کو چھپا کر یہ جانتے ہیں کہ ان کے دل کا حال کسی کو معلوم نہیں لیکن اللہ تعالیٰ غیب دان ہے اس کو ان کے دل کا حال خوب معلوم ہے کہ یہ لوگ مسلمانوں کی مجلسوں میں دشمن اسلام بن کر گھستے ہیں اسی طرح ان مجلسوں سے نکل جاتے ہیں تو مسلمانوں کو بہکانے کے لئے کچھ زبانی باتیں جو اسلام کی صداقت کے باب میں بناتے

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۶ باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا الخ

بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ﴿٦١﴾ وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ

جو چھپا رہے تھے اور تو دیکھے بہت ان میں دوڑتے ہیں گناہ پر

وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦٢﴾

اور زیادتی پر اور حرام کھانے پر کیا بُرے کام ہیں جو کر رہے ہیں

لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَن قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ

کیوں نہیں منع کرتے ان کے درویش اور ملّا گناہ کی بات کہنے سے اور حرام

السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿٦٣﴾

کھانے سے کیا بُرے عمل ہیں جو کر رہے ہیں ؎

ہیں ان اوپری باتوں کا کچھ اعتبار نہیں پھر اپنے رسول کو مخاطب ٹھہرا کر فرمایا کہ ان میں کے اکثر لوگوں کا یہ حال دیکھنے کے قابل ہے کہ گناہوں پر پیش قدمی کرنے میں انہیں یہاں تک جرأت ہے کہ بیباک ہو کر کتاب آسمانی کے لفظ اور معنی بدلتے ہیں سرکشی ان میں اس قدر ہے کہ تورات کے محافظ انبیاء کو شہید کر ڈالا غلط مسئلے بتا کر رشوت کا لینا یہ تو ان کا ہر وقت کا مشغلہ ہے آخر کو فرمایا ان لوگوں کے یہ سب کام اُن کے حق میں جس قدر برے ہیں عقبیٰ میں ان کا حال ان کو خود معلوم ہو جائے گا معتبر سند کی شداد بن اوسؓ کی حدیث ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالہ سے اوپر گزر چکی[1] ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص عمر بھر دنیا میں بُرے کام کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے عقبیٰ میں راحت کی توقع رکھتا ہے وہ بڑا کم عقل[2] ہے یہود کا حال بالکل حدیث کے اس ٹکڑے کے موافق ہے کس لئے کہ عمر بھر کے کام تو ان کے وہ ہیں جن کا ذکر اوپر گذرا اور عقبیٰ کی راحت کی توقع ان کو یہاں تک ہے کہ اپنے سوا کسی کو جنت میں جانے کے قابل نہیں کہتے چنانچہ سورہ بقرہ میں اس کا ذکر گذر چکا ہے ؎

۶۳۔ عام یہود اور نصاریٰ جب نافرمانی کی باتیں کرتے تو ان کے عالم اور واعظ اور اچھے لوگ ان کی نافرمانیوں کو دیکھ کر دبی زبان سے معمولی طور پر کبھی کچھ نصیحت کر دیتے تھے اور کبھی ٹال جاتے تھے ان کی تنبیہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی حکم اس آیت کا ہر امت کو شامل ہے اسی واسطے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور اکثر سلف فرمایا کرتے تھے کہ قرآن شریف میں اس آیت سے بڑھ کر کوئی آیت خوف ناک عالموں اور صلحاء کے لئے نہیں[3] ہے کیونکہ سوا ذاتی عمل کے ان سے یہ بھی پرسش ہو گی کہ انہوں نے باوجود قدرت کے بدوں کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کیوں نہیں کی ترمذی ابوداؤد اور ابن ماجہ اور مسند امام احمد میں معتبر سند سے جو روایتیں اس باب میں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ جو کوئی اچھا آدمی کسی بُرے آدمی کو کوئی بُرا کام کرتے ہوئے دیکھ کر باوجود قدرت کے منع نہ کرے گا تو اس کو بھی دین یا دنیا میں اس منع نہ کرنے کا وبال ضرور بھگتنا پڑے گا[4] ؎

[1] ج ۱ ص ۹ [2] جامع ترمذی ج ۲ ص ۶۹ [3] تفسیر ابن کثیر ص ۷۴ ج ۲ [4] جامع ترمذی ج ۲ ص ۳۹ باب ماجاء فی نزول العذاب اذا لم یغیر المنکر و ابن ماجہ ص ۲۹۸ باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۷۴۔۵۰۷ ؎

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا

اور یہود کہتے ہیں اللہ کا ہاتھ بندھ گیا انہیں کے ہاتھ باندھے جاویں اور لعنت ہے ان کو اس کہنے پر

بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ

بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں خرچ کرتا ہے جس طرح چاہے اور اس کلام سے جو تجھ کو

مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۚ وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ

اترا تیرے رب کی طرف سے ان کو بڑھے گی اور شرارت اور انکار اور ہم نے ڈال رکھی ہے ان میں دشمنی

وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا

اور بیر قیامت کے دن تک جب ایک آگ سلگاتے ہیں لڑائی کے واسطے

۶۴ — ۶۶ ۔ طبرانی اور ابوالشیخ نے جو شان نزول اس آیت کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے بیان کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ شماس قبیلہ قینقاع یہود کے سرگروہ نے اور ایک یہودی جس کا نام شاس بن قیس ہے ان دونوں نے مل کر یہ کہا کہ یہود کی طرف سے اللہ نے سخاوت اور کشایش رزق کا ہاتھ روک لیا ہے اس لئے نعوذ باللہ من ذلک اللہ بخیل ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[1] حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ کی کریمی کی صفت ہمیشہ ایک سا ن ہے لیکن جب کبھی یہود نے سرکشی کی ہے اسی وقت بخت نصر بابلی سے پھر طیطوس رومی سے پھر مجوس سے پھر اب مسلمانوں سے ان کی سرکوبی کرائی گئی ہے جس سرکوبی کے سبب سے ان کی بادشاہت اجڑ کر ذلت اور تنگ دستی ان کے سر پر ان ہی کے ہاتھوں سے سوار ہے ۔ اگرچہ قرآن میں جوں جوں ان کے بُرے کاموں کی مذمت میں روزانہ آیتیں بڑھتی جاتی ہیں اسی قدر ان کی شرارت بڑھتی جاتی ہے اور ان کی یہ شرارتیں کچھ نئی نہیں ہیں عیسیٰ بن مریمؑ اللہ کے رسول کے ساتھ بھی انہوں نے طرح طرح کی شرارتیں کیں جن کے سبب سے اُن میں اور نصرانیوں میں ہمیشہ کی دشمنی پڑ گئی اِن کی شرارتوں کی سزا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے یہ قرار پائی ہے کہ کسی لڑائی کا یہ کچھ سامان کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو بگاڑ دیتا ہے جس سے اللہ کی زمین میں ان کا کوئی فساد چلنے نہیں پاتا یہ اس لئے ہے کہ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا ۔ یہ سب کچھ تو ہے لیکن اب بھی اگر یہ احکام الٰہی کے تابع ہو جائیں گے تو ان کی کشائش ہو جائے گی ۔ اللہ کے دونوں ہاتھوں کا ذکر اس آیت میں آیا ہے اس واسطے یہ آیت منجملہ آیات متشابہات کے[2] ہے اور آیات متشابہات میں متقدمین اور متأخرین کا مذہب اوپر گزر چکا یہاں اسی قدر ذکر کافی ہے کہ متأخرین نے ہاتھوں کی تاویل قدرت سے کی ہے اور اس تاویل میں متقدمین کی جانب سے بعضے مفسرین نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے سارے جہان کو پیدا کیا ہے اور حضرت آدمؑ کی پیدائش کی نسبت یہ فرمایا ہے خلقت بیدای پھر یہاں ہاتھ کے معنی قدرت کے کئے جاویں تو حضرت آدمؑ کی پیدائش کی کوئی خصوصیت باقی نہیں رہتی اس اعتراض کا کوئی شافی جواب متأخرین کا اب تک نظر سے نہیں گزرا ۔ حاصل یہ ہے کہ جب ایک آیت میں بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کو

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵ ، [2] یعنی کیفیت کے لحاظ سے متشابہات سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں کی نوعیت کو سمجھنا انسان کے فہم سے بالا ہے ۔ خالص عربی زبان اور تفسیر سلف کی رو سے "ید" کے معنی واضح طور پر ہاتھ کے ہیں ۔ (ع ۔ ر)

اللّٰهُ ۙ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَ

اسے اس کو بجھا تا ہے اور وہ دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے اور اللہ نہیں چاہتا فساد والوں کو اور

لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ لَاَدْخَلْنٰهُمْ

اگر کتاب والے ایمان لاتے اور ڈرتے تو ہم اتار دیتے ان کی برائیاں اور ان کو داخل کرتے

جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۶۵﴾ وَ لَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ

نعمت کے باغوں میں اور اگر وہ قائم رکھیں توریت اور انجیل کو اور جو اترا

اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ

ان کو ان کے رب کی طرف سے تو کھاویں اپنے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے کچھ لوگ

اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾ ع

ان میں سیدھے ہیں اور بہت ان کے برے کام کر رہے ہیں ؛

بغیر کسی تاویل کے مانا گیا ہے تو پھر دوسری آیت میں تاویل کی کیا ضرورت ہے علاوہ اس کے دین ان روایتوں کا نام ہے جو پہلے لوگوں سے پچھلوں کو پہنچی ہیں اس لئے آیات اور احادیث متشابہات میں بھی سلف کی پیروی گویا داخل دین ہے تفسیر ابن جریر میں عکرمہ کے قول کے موافق اس یہودی کا نام فنحاص ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی شان میں یہ بے ادبی کے لفظ منہ سے نکالے تھے تفسیر ابوالشیخ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں بھی اس یہودی کا یہی نام ہے لیکن طبرانی کی سند زیادہ معتبر ہے غرض یہود میں کے بعضے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی شان میں یہ بے ادبی کے لفظ منہ سے نکالے اور باقی کے لوگ ان کے شریک حال رہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے عام طور پر یہود کو بے ادب ٹھیرا کر وہ خفگی کے لفظ فرمائے جو پہلی آیت میں ہیں اور مابعد کی آیتوں میں فرمایا کہ اگر یہ اہل کتاب پورے ایماندار بن کر اللہ تعالیٰ کی خفگی کی باتوں سے بچیں گے تو ان کے پچھلے گناہ معاف فرما کر اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں داخل کریگا۔ پھر یہ فرمایا کہ پورے ایمان کی نشانی یہ ہے کہ تورات اور انجیل میں نبی آخر الزماں کی نبوت اور قرآن کے کتاب آسمانی ہونے کی صداقت ہے، اس کو یہ لوگ دل سے مان لیویں جب یہ لوگ ایسا کرینگے تو آسمان سے مینہ برس کر ان کے باغ ان کی کھیتیاں جو قحط کے سبب سے خراب ہو گئی ہیں وہ سرسبز ہو جاویں گی لاکلوا من فوقھم و من تحت ارجلھم کا یہی مطلب ہے، کہ آسمان سے ایسا مینہ برسے گا کہ باغ اور کھیتی کی سب زمین سرسبز ہو جائیگی پھر فرمایا کچھ لوگ تو ان میں عبداللہ بن سلام وغیرہ ایسے سیدھے ہیں کہ وہ یہ نصیحتیں سن کر راہ راست پر آگئے ہیں لیکن ان میں کے اکثر تو ابھی کج روی پر اڑے ہوئے ہیں یہ صحیح مسلم میں ابوذرؓ کی روایت سے حدیث قدسی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمام دنیا کے جن و انسان اپنی مرادیں اللہ تعالیٰ سے مانگیں اور اللہ تعالیٰ ان سب کی مرادیں پوری کرے جب بھی اس کے خزانے ویسے ہی بھرپور رہیں[1]۔ یہود نے بے ادبی سے بخیلی کا لفظ جو اللہ تعالیٰ کی شان میں یوں کہا تھا کہ اللہ کا ہاتھ بندھ گیا اس کا جواب ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے جو دیا اسکی یہ حدیث گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بخیلی تو وہ کرے جس کو اپنے خزانے کے کم ہو جانیکا اندیشہ ہو اللہ تعالیٰ کے خزانے کبھی کم نہیں ہو سکتے

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱۹ ؛

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ ؕ وَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا

اے رسول پہنچا جو تجھ کو اترا تیرے رب کی طرف سے اور اگر یہ نہ کیا تو تو نے

بَلَّغۡتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِی

کچھ نہ پہنچایا اس کا پیغام اور اللہ تجھ کو بچائے گا لوگوں سے اللہ راہ نہیں دیتا

الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِیۡنَ ﴿۶۷﴾

منکر قوم کو ؎

یہود کی کج روی کا ذکر سورۂ بقرہ میں آیت یَعۡرِفُوۡنَهٗ كَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَهُمۡ (۲: ۱۴۷) کی تفسیر میں گزر چکا ہے عرب کے محاورے میں ہاتھ کا بندھنا بخل کے معنے میں اور ہاتھ کا کھلنا سخاوت کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ اندھیرے میں لشکر کے لوگ آگ جلایا کرتے تھے تاکہ اندھیرے میں دشمن حملہ نہ کر بیٹھے پھر رفتہ رفتہ لڑائی کے لئے آگ سلگانے کا محاورہ لشکر کے ہر ایک انتظام پر بولا جانے لگا اسی محاورے کے موافق كُلَّمَاۤ اَوۡقَدُوۡا نَارًا لِّلۡحَرۡبِ اَطۡفَاَهَا اللّٰهُ فرمایا۔ یہود کا اللہ کے ملک میں فساد یہی تھا کہ انہوں نے اپنی قوم کے انبیاء اور علماء کو شہید کر ڈالا۔ تورات کے احکام بدل ڈالے۔ رشوتیں لے کر غلط فیصلے کئے اور نبی آخر الزمان سے طرح طرح کی مخالفتیں کیں ؎

۶۷۔ ترمذی حاکم مسند امام احمد اور طبرانی وغیرہ میں جو اس آیت کی شان نزول لکھی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ پہلے تبلیغ حکم کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے اوپر کا ٹکڑا آیت کا نازل فرمایا آنحضرت کو یہ تامل ہوا کہ لوگ آپ کو جھٹلا دیں گے اس پر اللہ تعالیٰ نے دوسرا ٹکڑا نازل فرمایا جب آپ نے بیدھڑک اللہ کا پیغام پہنچانا شروع کر دیا جس پیغام میں اکثر باتیں اہل کتاب و منافقین اور کفار کی مرضی کے مخالف بلکہ ان کی مذمت کی ہوتی تھیں تو اس خوف سے کہ موقع پا کر یہ مخالف لوگ آپ پر حملہ نہ کر بیٹھیں کچھ صحابہ کو آپ اپنی حفاظت کیلئے رات کو تعینات فرمایا کرتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے تیسرا ٹکڑا آیت کا نازل فرمایا[1] جس رات کو یہ تیسرا ٹکڑا آیت کا نازل ہوا اسی وقت سے آپ نے حجرہ کی کھڑکی سے منہ نکال کر حفاظت والے صحابہ سے فرمایا کہ تم لوگ اپنے اپنے گھر چلے جاؤ۔ اب حفاظت کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت خود اپنے ذمہ لے لی ہے یا ایھا النبی تو قرآن شریف میں کئی جگہ ہے مگر یا ایھا الرسول اسی سورت میں دو جگہ ہے اور کہیں قرآن شریف بھر میں نہیں ہے۔ بعض مفسرین نے اس آیت کی شان نزول میں یہ جو لکھا ہے کہ ابو طالب کچھ لوگ مقرر کر کے آنحضرت کی حفاظت کر دیا کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی ہے یہ صحیح نہیں کیونکہ اس مضمون کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی طبرانی میں جو ہے اس کی سند میں ایک راوی نضر بن عبدالرحمٰن ضعیف ہے علاوہ اس کے یہ آیت مدنی ہے[2] اور ابو طالب کا قصہ مکہ کا ہے[3] بخاری اور مسلم میں روایت ہے کہ حضرت عائشہ فرمایا کرتی تھیں جو شخص یہ خیال کرے کہ آنحضرت نے کبھی کسی مصلحت سے کوئی اللہ کا حکم لوگوں پر ظاہر نہیں کیا اس کے خیال کو اس آیت کے مضمون سے جھٹلانا چاہئے۔ اس حکم الٰہی

ل ے جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۳۰ کتاب التفسیر و مستدرک حاکم ج ۲ ص ۳۱۳ کتاب التفسیر و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۷۰ ولباب النقول ص ۹۱-۹۲

۲ے تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۷۸-۷۹ ۳ے صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۶۳ کتاب التفسیر ؎

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ

تو کہہ اے کتاب والو تم کچھ راہ پر نہیں جب تک نہ قائم کرو توریت اور انجیل

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ

اور جو تم کو اترا تمہارے رب سے اور ان میں بہتوں کو بڑھے گی اس کلام سے جو تجھ کو اترا

رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

تیرے رب سے شرارت اور انکار سو تو افسوس نہ کر اس قوم منکر پر البتہ جو مسلمان ہیں

وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

اور جو یہود ہیں اور جو صابئین اور نصاریٰ جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور پچھلے دن پر

وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٩﴾

اور عمل کرے نیک نہ ان پر ڈر ہے اور نہ وہ غم کھاویں ؛

کی تعمیل میں اللہ کے رسول آخر عمر تک ہمہ تن مصروف رہے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں ابی بکرہؓ کی حدیث[1] ہے جس میں آپ نے آخری عمر میں حجۃ الوداع کے وقت سب لوگوں سے یہ پوچھا ہے کہ میں نے تم کو وقت بوقت اللہ کے احکام پہنچا دئے جب اُن لوگوں نے اس کا اقرار کیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کو ان کے اس اقرار کا گواہ قرار دیا۔ اس باب میں اور بھی بہت سی صحیح حدیثیں ہیں۔ آخر کو فرمایا کہ اے رسول اللہ کے تمہارے احکام قرآنی پہنچا دینے کے بعد جو لوگ ان احکام کو دل سے نہ سنیں اور راہِ راست پر نہ آویں تو اس سے کچھ دل تنگ اور آزردہ خاطر نہ ہونا چاہئے کیونکہ دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ کے علم میں جو لوگ بد قرار پا چکے ہیں وہ خود تو کسی نصیحت سے بھی راہِ راست پر آنے والے نہیں اور مجبور کر کے اُن کو راہِ راست پر لانا انتظامِ الٰہی کے برخلاف ہے کس لئے کہ انتظامِ الٰہی کے موافق دنیا نیک و بد کے امتحان کے لئے پیدا کی گئی ہے کسی کے مجبور کرنے کے لئے نہیں پیدا کی گئی ؛

۶۸۔۶۹ معتبر سند سے[2] ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رافع بن حرملہ اور مالک بن صیف اور چند یہود ایک روز آنحضرت کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ کیا اپنے آپ کو ملت ابراہیمی پر بتلاتے ہیں اور ہماری کتاب کو حق نہیں جانتے آپ نے فرمایا یہ سچ ہے کہ تمہاری کتاب برحق ہے لیکن تم نے بہت سے احکام الٰہی کو بدل ڈالا ہے انہوں نے جواب دیا جس طریقہ پر ہم ہیں وہ حق ہے ہم اس کے سوا ہرگز کوئی طریقہ اور اختیار نہ کریں گے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حاصل معنی آیت کے یہ ہیں کہ یہود اور نصاریٰ اور دھریہ لوگ جب تک مناسب وقت شریعت کو نہ مانیں گے تو بغیر شریعت کے نہ دھریہ نجات پا سکتے ہیں نہ شریعت منسوخہ پر اڑے رہنے سے اہل کتاب کی نجات ہو سکتی ہے اور تورات اور انجیل میں تو نبی آخر الزمان پر ایمان لانے کی سخت تاکید ہے پھر اس مسئلہ کو بدل کر اور چھپا کر اہل کتاب کا یہ کہنا کہ ہم تورات اور انجیل پر قائم ہیں بالکل غلط ہے جب تک تورات اور انجیل

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۳۵ باب الخطبۃ ایام منیٰ۔ [2] لباب النقول ص ۹۳۔ در منثور ج ۲ ص ۲۹۹۔

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۭ كُلَّمَا جَآءَهُمْ

ہم نے لیا تھا قول بنی اسرائیل سے اور بھیجے ان کی طرف رسول جب آیا اُن پاس

رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۝۷۰ وَ

رسول جو خوش نہ آیا ان کے جی کو کتنوں کو جھٹلایا اور کتنوں کا خون کرنے لگے اور

حَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ

خیال کیا کہ کچھ خرابی نہ ہوگی سو اندھے ہوگئے اور بہرے پھر اللہ متوجہ ہوا ان پر پھر

عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝۷۱

اندھے ہوئے اور بہرے ہوئے ان میں بہت اور اللہ دیکھتا ہے جو جو کرتے ہیں ؁

پر یہ لوگ پورا ایمان نہ لاویں گے جس ایمان میں نبی آخرالزمان کے برحق ہونے کا اعتقاد بھی داخل ہے تو ان کا ایمان لاشیٔ محض ہے اب آگے فرمایا کہ اہل کتاب کا تورات اور انجیل پر قائم ہو کر شریعت و تقیہ کا پابند ہونا تو درکنار شریعت و تقیہ میں جوں جوں اُن کی بداعملی کی مذمت بڑھتی جاتی ہے اسی قدر اُن کی سرکشی بڑھتی جاتی ہے اور یہ اس بات کی نشانی ہے کہ یہ لوگ علم الٰہی میں شریعت و تقیہ کے منکر قرار پاچکے ہیں اس لئے اے رسول اللہ کے ایسے لوگوں کی حالت پر تمہیں کچھ افسوس نہ کرنا چاہیے پھر یہ بھی فرمایا کہ اہل کتاب اپنی کتابوں کے پورے پابند ہو کر اگر شریعت و تقیہ کو مانیں گے اور شریعت و تقیہ کے موافق نیک کام کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو عقبیٰ کی سب سختیوں سے بیخوف و خطر کر دے گا۔ اہل کتاب تو اپنے آپ کو ظاہر میں شریعت موسوی اور شریعت عیسوی کا پابند بھی کہتے ہیں لیکن دھریہ فرقہ ہے جو کسی شریعت کا ظاہر میں بھی پابند نہیں ہے۔ اس لئے صابئین نہیں فرمایا بلکہ صابئون فرما کر اس فرقہ کا ذکر سلسلۂ کلام سے الگ یوں فرمایا کہ اگر اس فرقے کے لوگ بھی اپنے دھریہ پنے سے توبہ کر کے شریعت و تقیہ کو مانیں گے اور شریعت و تقیہ کے موافق نیک کام کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی عقبیٰ کی سب سختیوں سے بے خوف و خطر کر دیوے گا ؁

۷۰۔ ۷۱۔ اوپر ذکر تھا کہ یہود اگر پورے طور پر تورات کے پابند نہ ہوں گے تو اُن کو راہ راست پر شمار نہ کیا جاویگا ان آیتوں میں اُن کے تورات پر قائم نہ رہنے کی تفصیل ذکر فرمائی ہے جس عہد کا ذکر ان آیتوں میں ہے یہ وہی عہد ہے جس کا ذکر سورۂ بقرہ کی آیت وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ (۲: ۸۳) کی تفسیر میں گزر چکا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بہت نبی اللہ تعالیٰ نے تورات کے اس عہد کے قائم رکھنے کیلئے بھیجے لیکن یہود نے تورات کے اکثر احکام کو چھوڑ کر بجائے ان احکام کے اپنی خواہش کے موافق کچھ ایجادی باتیں تراش رکھی تھیں جس نبی نے ان کو ان باتوں سے روکا اُس سے انہوں نے مخالفت پیدا کر کے بعضے نبیوں کو تو قتل کر ڈالا مثلاً حضرت زکریا اور یحییٰ ان نبیوں میں سے ہیں جن کو یہود نے قتل کیا اور بعضے نبیوں کو انہوں نے جھٹلایا جیسے مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم۔ اپنی ایجادی باتوں کو یہود حکم الٰہی جانتے ہیں اس لئے ان کا یہ خیال ہے کہ ان باتوں کی پاسداری میں موسیٰ علیہ السلام کے بعد کے کسی نبی کو مار ڈالنا یا جھٹلانا کوئی خرابی یا گناہ کی بات نہیں ہے ایک وقت میں تو دل کے اندھے اور کانوں کے بہرے بن کر شعیا نبی کو قتل کیا پھر کچھ درست ہو گئے پھر اپنے پہلے ڈھنگ پر آکر حضرت

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ

بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ اللہ وہی مسیح ہے مریم کا بیٹا اور مسیح نے کہا

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ

کہ اے بنی اسرائیل بندگی کرو اللہ کی جو رب ہے میرا اور تمہارا مقرر جس نے شریک کیا اللہ کا

فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ

سو حرام کی اللہ نے اس پر جنت اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کوئی نہیں گنہ گاروں کی

یحییٰ ابن زکریاؑ کو قتل کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قتل کے فکر میں رہے آخر کو فرمایا کہ ان کی یہ سب گناہ کی باتیں اللہ کی نگاہ میں ہیں وقت مقرر پر ان کا کیا ان کے آگے آنے والا ہے۔ اللہ سچا ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ یہود کو دنیوی سزا تو جالوت اور بخت نصر وغیرہ کے ہاتھ سے مل چکی۔ عقبیٰ کی سزا ابھی سب کی آنکھوں کے سامنے آنے والی ہے۔ ترمذی نسائی وغیرہ کی ابوہریرہؓ کی صحیح حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ کثرت گناہ سے آدمی کے دل پر زنگ لگ جاتا ہے[۵] جس کے سبب سے نہ وہ کوئی نصیحت کی بات کانوں سے دل لگا کر سنتا ہے نہ کسی نیک بات کا اس کے دل پر کچھ اثر ہوتا ہے دل کے اندھے اور کانوں کے بہرے لوگوں کی حالت کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے ؛

۷۲ - ۷۵۔ اوپر کی آیتوں میں یہود و نصاریٰ دونوں کو ملا کر یہ نصیحت فرمائی تھی کہ جب تک یہ لوگ تورات و انجیل پر پورے قائم نہ ہوں گے تو گویا یہ کسی دین پر بھی قائم نہیں اس کے بعد یہود نے تورات کی پابندی میں جو خرابیاں ڈال رکھی تھیں ان کا ذکر فرمایا اب ان آیتوں میں انجیل کے احکام کی پابندی میں جو خرابیاں تھیں ان کا ذکر ہے لیکن ان آیتوں کی تفسیر ذرا قصہ طلب ہے۔ اسلامی اور عیسائی تاریخ کی کتابوں میں یہ قصہ جو لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جب عیسائیوں کی تعداد بڑھنے لگی تو یہود کو اس پر حسد ہوا اور اس حسد کے سبب سے یہود کا ایک بادشاہ جس کا نام بولس تھا اس وقت کے عیسائیوں کے مقابلہ میں کھڑا ہو گیا یہاں تک لڑائی ہوئی کہ عیسائیوں کو ملک شام چھوڑنا پڑا۔ اس کے بعد یہ بولس یہودی فریب سے نصرانی ہو گیا اس وقت کے عیسائی بولس کے فریب میں آ گئے اور بولس کو مثل حواریوں کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نائب سمجھنے لگے اس کی عبادت کے لئے ایک عبادت خانہ بنوایا۔ بولس اس عبادت خانہ کا دروازہ بند کر کے اس میں رہتا تھا اور دوسرے تیسرے دن اس عبادت خانہ کا دروازہ کھول کر باہر نکلتا اور تورات اور انجیل کے برخلاف اس طرح کی خوش بیانی سے کچھ باتیں بیان کرتا کہ اس وقت کے عیسائی ان باتوں کو آسمانی الہام خیال کرتے کیونکہ اس نے اپنی خوش بیانی سے اس وقت کے عیسائیوں کے دل میں یہ بات اچھی طرح جمادی تھی کہ وہ تیسرے آسمان تک پہنچتا ہے۔ ایک دن بولس اپنے عبادت خانہ کا دروازہ کھول کر باہر نکلا اور اس وقت کے عیسائیوں سے اس نے کہا کیا تم نے کسی انسان کو دیکھا ہے کہ وہ مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر سکے یا مردے کو زندہ کر سکے انہوں نے جواب دیا کہ نہیں اس پر بولس نے ان سے کہا کہ اسی واسطے میرا آج کا الہام یہ ہے کہ نعوذ باللہ من ذلک عیسیٰ بن مریمؑ خود خدا تھے جو دنیا میں آئے اور ان میں یہ سب قدرتیں تھیں۔ اس وقت کے عیسائیوں میں کا

---

[۵] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۶۸ کتاب التفسیر

وقف لازم

أَنصَارٍ ﴿٧٢﴾ لَّقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ

مدد کرنے والا بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ ہے تین میں کا ایک اور بندگی کسیکو نہیں

إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ وَإِن لَّمْ يَنتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

مگر ایک معبود کو اور اگر نہ چھوڑیں گے جو بات کہتے ہیں البتہ جو ان میں منکر ہیں

مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٣﴾ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ ۚ وَاللَّهُ

پاویں گے دُکھ کی مار کیوں نہیں توبہ کرتے اللہ پاس اور گناہ بخشواتے اور اللہ ہے

ایک گروہ تو پولس کے اس الہام کا قائل ہوگیا اور انہوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا کہنا شروع کیا۔ کچھ لوگوں نے اس الہام کے یہ معنی سمجھے کہ بغیر باپ کے پیدا ہونے سے حضرت عیسیٰؑ خدا کے بیٹے تھے اور باپ بیٹا اور روح القدس یہ تینوں مل کر خدا ہیں اس فرقہ کے لوگ روح القدس کے معنی حیات ابدی کے کرتے ہیں اور کبھی اَور کچھ معنی کرتے ہیں۔ بعضے لوگوں نے اس الہام کا یہ مطلب سمجھا کہ اللہ تعالیٰ۔ حضرت عیسیٰؑ۔ حضرت مریمؑ یہ تینوں مل کر خدا ہیں یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ۔ اور حضرت مریمؑ کی تصویریں اپنے عبادت خانوں میں رکھتے ہیں اور ان تصویروں کو سجدہ کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے حضرت مریمؑ کے نام کی ایک نماز بھی ٹھیرا رکھی ہے۔ جس کو یہ لوگ پڑھا کرتے ہیں یہ آخر کے دونوں فرقے تثلیثی فرقے کہلاتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ تین خدا کے ماننے والے یہ فرقے ہیں۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مختصر طور پر ان تینوں فرقوں کا ذکر فرما کر ان کو کئی طرح قائل کیا ہے ؛

(۱) جبکہ تورات کے حوالہ سے ان لوگوں کا اعتقاد یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے جو توحید اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے پائی تھی وہی توحید موروثی طور پر عیسیٰؑ بن مریم تک آئی۔ اس اعتقاد کی بنا پر یہ لوگ اپنے آپ کو ملت ابراہیمی کا پابند بتلاتے ہیں تو پھر عیسیٰؑ بن مریم کو اللہ ٹھیرانے کی صورت میں وہ ابراہیمی توحید کیونکر ان لوگوں میں باقی رہ سکتی ہے وما من الہ الا الہ واحد سے اسی مطلب کو ادا فرمایا گیا ہے۔

(۲) جب اللہ کے رسول عیسیٰؑ بن مریم نے اللہ کے وحدہٗ لاشریک ہونے اور اپنے رسول ہونے کی ان لوگوں کو صاف ہدایت کی تو پھر ان لوگوں نے اپنے رسول کی ہدایت کے برخلاف یہ شرک کی باتیں کہاں سے نکالی ہیں کیا ان کو عیسیٰؑ بن مریمؑ کی یہ نصیحت یاد نہیں کہ مشرک کا ٹھکانا دوزخ اور جنت اس پر حرام ہے وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ سے یہی مطلب ادا فرمایا گیا ہے۔ اللہ سچا ہے اللہ کا کلام سچا ہے انجیل کے ترجموں میں اگرچہ سینکڑوں تبدل و تغیر ہو گئے۔ لیکن انجیل یوحنا کے سترھویں باب میں اس آیت قرآن کی پوری صداقت اب بھی موجود ہے۔ اسی طرح انجیل متی کا تیسرا اور چوتھا باب بھی دیکھنے کے قابل ہے جس میں مسیح علیہ السلام نے شیطان سے فرمایا ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کسی کو سجدہ کرنا یا کسی کی عبادت جائز نہیں ہے۔

(۳) عیسیٰؑ بن مریم اور ان کی ماں مریم کھانا کھایا کرتے تھے۔ جس کی زندگی کا مدار کھانا کھانے پر ہو۔ جس کی ذات میں یہ تغیر ہو کہ ہر روز کی غذا کے سبب سے اس کا خون گوشت سب کچھ بڑھتا ہے تو یہ سب نشانیاں مخلوقات کی شان کی ہیں وہ پاک ذات ان سب

غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۷۴﴾ مَا الۡمَسِیۡحُ ابۡنُ مَرۡیَمَ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ

بخشنے والا مہربان اور کچھ نہیں مسیح مریم کا بیٹا مگر رسول ہے گذر چکے اس سے

قَبۡلِہِ الرُّسُلُ ؕ وَ اُمُّہٗ صِدِّیۡقَۃٌ ؕ کَانَا یَاۡکُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنۡظُرۡ کَیۡفَ

پہلے بہت رسول اور اسکی ماں ولی ہے دونوں کھاتے تھے کھانا دیکھ ہم کیسی

باتوں سے پاک ہے چنانچہ سورۂ انعام میں آ دیگا وَھُوَ یُطۡعِمُ وَلَا یُطۡعَمُ (۶: ۱۴) جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سب کو کھلاتا ہے اور خود کھانے سے پاک ہے۔ پھر ایسی موٹی باتوں کو بھول کر کس عقل سے یہ لوگ عیسیٰؑ بن مریم اور ان کی ماں کو اللہ کا شریک ٹھیراتے ہیں۔ کَانَا یَاۡکُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنۡظُرۡ کَیۡفَ نُبَیِّنُ لَھُمُ الۡاٰیٰتِ ثُمَّ انۡظُرۡ اَنّٰی یُؤۡفَکُوۡنَ سے یہی مطلب بیان کیا گیا ہے۔ حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ جن لوگوں نے عیسیٰؑ بن مریم کو اللہ کہا یا ان کو اور ان کی ماں کو اللہ کا شریک ٹھیرایا وہ لوگ عیسیٰؑ بن مریم کے طریق کے بالکل مخالف اور منکر ہیں کیونکہ عیسیٰؑ بن مریمؑ نے ان لوگوں کو توحید سکھائی یہ شرک کی باتیں ہرگز نہیں سکھائیں۔ باوجود اس کے پھر جو کوئی ان شرک کی باتوں میں گرفتار رہے گا اس پر جنت حرام اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے کس لئے کہ اس نے ایسی باتوں میں گرفتار رہ کر اپنے نفس پر یہ ظلم کیا کہ سوائے اللہ تعالےٰ کے پیر دُں کو اللہ کا شریک اور اپنا معبود ٹھیرایا اس لئے ایسے ظالم لوگ اپنے شرک کی باتوں سے جب تک باز آن کر اللہ کی جناب میں توبہ و استغفار نہ کریں گے تو قیامت کے دن وہ سخت عذاب میں پکڑے جاویں گے اور اللہ کے عذاب سے چھڑانے میں ان کا کوئی حامی و مددگار نہ ہوگا۔ اور ان لوگوں کا یہ خیال کہ عیسیٰؑ بن مریمؑ مثلاً مردہ کو زندہ کرتے تھے اس واسطے خدا تھے بالکل یہ خیال غلط ہے۔ عیسیٰ بن مریمؑ کی مانند اور رسول بھی صاحب معجزہ ہوئے ہیں۔ جن کو یہ لوگ خدا نہیں کہتے۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے معجزے سے لکڑی کا سانپ بن جانا مردہ کو زندہ کرنے سے کچھ کم نہیں ہے۔ ان لوگوں کو اتنی بات سمجھ لینی چاہیئے کہ جب عیسیٰؑ بن مریم اور اُن کی ماں غذا کے حاجت مند تھے تو ایسا حاجت مند شخص خدا کیونکر ہو سکتا ہے۔

کفر و شرک یہ ہے کہ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ کو یوں سمجھے کہ اللہ تعالیٰ تین معبودوں میں کا ایک ہے اگر دو بندوں میں اللہ تعالیٰ کو تیسرا حاضر و ناظر سمجھا جاوے تو یہ عین الایمان ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی روایت ہے[1] جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق سے فرمایا کہ ہم ایسے دو ہیں جن کا تیسرا اللہ ہے۔ پھر اسی کی مدد پر بھروسا کرنا چاہیئے یہ اس وقت کی حدیث ہے کہ ہجرت کے ارادہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق مکہ سے نکل کر جبل ثور کے غار میں ٹھیرے ہوئے تھے اور مکہ کے مشرک لوگ اس پہاڑ کے اردگرد آپ کی تلاش میں اس طرح پھر رہے تھے کہ اس غار میں سے مشرکوں کے پاؤں نظر آتے تھے۔ صدیق کے معنی سورۃ النساء میں گذر چکے ہیں کہ صدیق کے دل میں وحی کے احکام کی صداقت زیادہ ہوتی ہے۔ حضرت مریمؑ کے دل میں تورات اور انجیل کے احکام کی صداقت بہت تھی اس واسطے آپ کا لقب صدیقہ ہے۔ اس سے علماء نے یہ بات نکالی ہے کہ حضرت مریمؑ نبی نہیں تھیں کیونکہ صدیق کا مرتبہ نبی کے بعد ہے سورۃ الانبیاء کی آیت وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡھِمۡ (۲۱: ۷) سے اس قول کی پوری تائید ہوتی ہے کیونکہ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۱۶ ابواب المناقب و صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷۳ کتاب فضائل الصحابۃ رضی اللہ عنہم۔

نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ

بتاتے ہیں ان کو نشانیاں۔ پھر دیکھ کہاں اُلٹے جاتے ہیں تو کہہ تم ایسی چیز پوجتے ہو

دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۭ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾

اللہ کو چھوڑ کر جو مالک نہیں تمہارے بُرے کی اور نہ بھلے کی اور اللہ وہی ہے سُنتا جانتا۔

کو نبی سب مرد ہی ہوتے ہیں تثلیث کے مسئلہ کے باب میں ایک یہ بات بھی ذکر کرنے کے قابل ہے کہ اس مسئلہ کے انجیل میں نہ ہونے کے سبب سے نصاریٰ میں کے پروٹسٹنٹ فرقہ کے لوگ اپنی کتابوں میں اس کا ذکر نہیں کرتے۔ یہ فرقہ انجیلی کہلاتا ہے ان لوگوں کا اعتقاد یہ ہے کہ علماء سلف کا جو قول آسمانی کتاب کے مخالف ہو وہ داخل دین نہیں ہے اس لئے ان لوگوں نے اس مسئلہ کو انجیل کے مابعد کا مسئلہ قرار دے کر اس کا ذکر اپنی کتابوں میں چھوڑ دیا ہے۔ تثلیثی فرقہ کا یہ اعتقاد ہے کہ ہر شخص کی نجات تثلیث کے مسئلہ پر منحصر ہے۔ جب اس فرقہ کے مخالف لوگوں نے اس فرقہ پر یہ اعتراض کیا کہ اگر یہ مسئلہ ایسا ضروری تھا جس پر مسیحی لوگوں کی نجات منحصر تھی اور مسیح علیہ السلام لوگوں کو نجات کا طریقہ بتلانے کے لئے دنیا میں آئے تھے تو خود مسیح علیہ السلام نے یہ مسئلہ لوگوں کو صاف طور پر کیوں نہیں بتلایا تثلیثی فرقہ کے لوگوں نے اس اعتراض کا جواب دو طرح سے دیا ہے ایک تو یہ کہ تثلیث کا مسئلہ ایسا دقیق تھا کہ مسیح علیہ السلام کے آسمان پر چلے جانے سے پہلے صحیح طور پر یہ مسئلہ کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتا تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہود کے خوف سے مسیح علیہ السلام نے یہ مسئلہ حواریوں کے روبرو بیان نہیں کیا۔ فرقہ تثلیثی کے مخالف لوگوں نے پہلے جواب کو تو اس طرح غلط قرار دیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر چلے جانے کے بعد کوئی دقیق مسئلہ طے نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خود یوحنا حواری نے جبکہ اپنے رسالہ کے چوتھے باب میں اپنے زمانہ کا حال یہ لکھا ہے کہ اس زمانے میں بہت سے جھوٹے نائب مسیح علیہ السلام کے پیدا ہو گئے ہیں اور آدم کلارک نے اپنی شرح میں یوحنا کے اس قول کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے بعد بہت سے لوگ الہام کا دعویٰ کرنے والے پیدا ہو گئے تھے جنکے الہام جھوٹے تھے اور خاص کر ان میں فریبی یہودی اکثر تھے۔ اب یہ تو ظاہر ہے کہ پولس یہودی کا زمانہ بھی وہی ہے اور اس وقت کے تاریخ والوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ شخص عیسائی دین میں رخنہ ڈالنے کی نیت سے بطور فریب کے عیسائی ہوا تھا۔ اور یہ تو اوپر بیان ہو چکا ہے کہ پولس کا الہام تورات، انجیل مسیح علیہ السلام کی نصیحت سب کے برخلاف ہے۔ تو پھر ایسے الہام کو آسمانی الہام کیونکر کہا جا سکتا ہے، اور اس طرح کے مشکوک الہام کی بنا پر تثلیث کے مسئلہ کے باب میں آسمانی کتاب کس طرح بدل سکتی ہے۔ دوسرے جواب کو یوں غلط ٹھیرایا گیا ہے کہ انجیل کی اکثر آیتوں کے موافق مسیح علیہ السلام نے چھوٹے چھوٹے مسئلے بنی اسرائیل کو بلا خوف و خطر بڑی سختی سے سمجھائے ہیں اس حالت میں مسیح علیہ السلام پر یہ تہمت ہے کہ انہوں نے اتنا بڑا ضروری مسئلہ لوگوں کے خوف سے بغیر بیان کے چھوڑ دیا۔

۷۶ – ۷۷۔ اوپر ذکر تھا کہ نصاریٰ میں کے بعضے لوگ مسیح بن مریم کو خدا کہتے ہیں اور بعضے خدا کا شریک ٹھیراتے ہیں اُن ہی لوگوں کے سمجھانے کیلئے ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو مخاطب ٹھیرا کر فرماتا ہے کہ اے رسول اللہ کے تم ان

قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ

تو کہہ اے اہل کتاب مت مبالغہ کرو اپنے دین کی بات میں ناحق کا اور مت چلو خیال پر

قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿۷۷﴾

ایک لوگوں کے جو بہک گئے ہیں آگے اور بہکا گئے بہتوں کو اور بھولے سیدھی راہ سے

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُودَ وَعِيسَى ابْنِ

لعنت کھائی منکروں نے بنی اسرائیل میں سے داؤد کی زبان پر اور عیسیٰ بیٹے

لوگوں سے کہہ دو کہ سوا اللہ تعالیٰ کے جن کو تم اپنا معبود ٹھیراتے ہو نہ ان کو تمہارے برے بھلے کا کچھ اختیار ہے نہ تمہارے حاضر و غائب سب کی التجا سن لینے کی ان میں کچھ قدرت ہے نہ ہر ایک کی دلی التجا کا انہیں کچھ حال معلوم ہو سکتا ہے۔ یہ اللہ ہی کی ذات ہے کہ وہ ہر ایک کی التجا سنتا ہے ہر ایک کے دلی مقصد کو خوب جانتا ہے۔ ایک وقت وہ تھا کہ بنی اسرائیل بڑی ذلت و خواری سے فرعون کے بس میں تھے جب اللہ تعالیٰ نے ان کی بہبودی کا ارادہ کیا تو فرعون کے پھندے سے ان کو نکال کر نبوت بادشاہت سب کچھ ان کو دے دیا۔ پھر جب انہوں نے اللہ کی ان نعمتوں کی ناشکری کی تو اس قادر مطلق نے اسی ذلت و خواری کا دن انہیں پھر دکھا دیا۔ آدمی کے غور کرنے کیلئے ایسی بے گنتی مثالیں اس کی قدرت کی دنیا میں اب بھی موجود ہیں۔ ان لوگوں کا تو یہ حال کہ یہ مسیح بن مریم کو خدا یا خدا کا شریک کہیں اور خود مسیح بن مریم کا یہ حال کہ انہوں نے اے میرے معبود اے میرے معبود کہہ کہہ کر اپنے آخری وقت پر اپنی طرح طرح کی التجا اللہ تعالیٰ کی جناب میں پیش کی جس کا ذکر انجیل متی کے ستائیسویں باب میں ہے۔ مسیح بن مریم تو اپنے بندے ہونے اور اللہ تعالیٰ کے معبود حقیقی ہونے کی اس آخری اقرار پر دنیا سے اٹھ گئے۔ لیکن اس پر بھی یہود نے ان کے گھٹانے میں یہاں تک مبالغہ کیا کہ ان کو اللہ کا رسول بھی نہیں کہتے۔ نصاریٰ نے ان کے بڑھانے میں یہاں تک مبالغہ کیا کہ ان کو خدا یا خدا کا شریک ٹھیرایا۔ یہ سب باتیں ان کے بڑوں کی تراشی ہوئی ہیں جو خود بھی بے راہ ہوئے اور لوگوں کو بھی بے راہ کیا حال کے لوگ بھی اگر ان بے راہ بڑوں کی پیروی میں عمر بھر لگے رہیں گے اور پھر عقبیٰ میں اپنی بہبودی کی توقع اللہ تعالیٰ سے رکھیں گے تو یہ بڑی نادانی کی بات ہے۔ ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالے سے شداد بن اوسؓ کی معتبر سند کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے[1] جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص عمر بھر اپنی خواہش نفسانی کا پیرو رہا اور پھر اللہ تعالیٰ کی ذات سے اس نے عقبیٰ کی بہبودی کی توقع رکھی وہ شخص بڑا نادان ہے[2]۔ یہ حدیث گویا ان آیتوں کی تفسیر ہے۔

۷۸۔۔۔۸۱۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اس بات کے جتلانے کو نازل فرمائی ہے کہ بنی اسرائیل خاص کر کچھ اب قرآن شریف کے نازل ہونے کے زمانے میں ایسی نافرمانی نہیں کرتے جس کے سبب سے قرآن شریف میں اکثر آیتیں ان پر لعنت کی اتری ہیں بلکہ ہمیشہ سے ان کا یہی حال ہے کہ سابق کے انبیاء کے زمانہ میں سابق کی آسمانی کتابوں میں بھی ان کی نافرمانی کے سبب سے ان پر لعنت اتر چکی ہے مسند امام احمد ترمذی، ابوداؤد ابن ماجہ میں عبداللہ بن مسعودؓ سے

[1] جلد اول ص ۹۶ اور جلد دوم ص ۵۱ ۔ [2] جامع ترمذی ج ۲ ص ۶۹

مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٧٨﴾ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ

مریم کی یہ اس سے کہ گنہگار تھے اور حد پر نہ رہتے تھے آپس میں منع نہ کرتے

عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٩﴾ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ

بُرے کام سے جو کر رہے تھے کیا بُرا کام ہے جو کرتے تھے تو دیکھے ان میں بہت

يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ

لوگ رفیق کافروں کے بُری تیاری بھیجی ہے اپنے واسطے کہ اللہ کا غضب

اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿٨٠﴾ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

ہو اُن پر اور ہمیشہ وہ عذاب میں ہیں اور اگر یقین رکھتے اللہ پر

وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ

اور نبی پر اور جو اس پر اترا تو اس کو رفیق نہ ٹھیراتے پر ان میں بہت لوگ

فٰسِقُوْنَ ﴿٨١﴾

بے حکم ہیں ۰

روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں جب طرح طرح کے گناہ پھیلے تو اُن کے علماء نے پہلے تو کچھ منع کیا پھر عالم لوگ بھی جاہلوں سے مل جل گئے اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰؑ کی زبانی زبور اور انجیل میں اُن سب پر لعنت اتاری[1] تفسیر ابن جریر میں علی بن ابی طلحہ کی سند سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی اسی طرح روایت ہے[2] یہ اوپر گزر چکا ہے کہ یہ سند عبداللہ بن عباسؓ کی صحیح ہوا کرتی ہے۔ آنحضرتؐ نے قسم کھا کر امام احمدؒ ترمذی اور ابن ماجہ کی حذیفہؓ کی روایت میں یہ فرمایا ہے کہ اس امت کے عالم لوگ بھی جب اچھی بات کی نصیحت اور بُری بات کی ممانعت چھوڑ دیویں گے اور پھر دعا کریں گے تو کسی کی دعا قبول نہ ہوگی۔ ترمذی نے اس حدیث کی سند کو معتبر کہا ہے[3]۔ ابن ماجہ میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت سے کسی نے پوچھا کہ حضرت لوگوں میں وعظ و نصیحت کا رواج کب اُٹھ جائے گا آپ نے فرمایا پہلی امتوں کی طرح جب تم میں چھوٹی عمر کے لوگ صاحب حکومت اور بڑی عمر کے لوگ بدکار اور عالم لوگ خدا کے نافرماں بردار ہوں گے تو آپس میں وعظ و نصیحت کا رواج اُٹھ جائے گا[4]۔ انس بن مالکؓ کی یہ حدیث اگرچہ فقط ابن ماجہ میں ہے لیکن ابن ماجہ کی سند میں کوئی راوی ضعیف نہیں ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت گزر چکی ہے کہ خلاف شریعت بات کی اصلاح ہاتھ سے زبان سے دل میں اس خلاف شریعت بات کو بُرا جاننے سے جس طرح ممکن ہو کی جاوے۔ غرض اس باب میں بہت سی حدیثیں ہیں جس کے

[1] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۳۰ کتاب التفسیر۔ سنن ابن ماجہ ص ۲۹۸ باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۸۲ — ۸۳ [2] درمنثور ج ۲ ص ۳۰۱ [3] جامع ترمذی ج ۲ ص ۳۹ باب ماجاء فی الامر بالمعروف والنہی عن المنکر۔ [4] تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۸۴۔ سنن ابن ماجہ ص ۲۹۹ باب قولہ تعالیٰ یا یھا الذین اٰمنوا علیکم انفسکم۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ

تو پاوے گا سب لوگوں سے زیادہ دشمنی میں مسلمانوں سے یہود کو اور

اَشْرَكُوْا

شریک والوں کو

سبب سے ایک کو دوسرے سے تقویت حاصل ہوجاتی ہے حاصل معنی ان آیتوں کے یہ ہیں کہ یہود حد سے بڑھ کر طرح طرح کے گناہ کرتے تھے اور ان گناہوں پر آپس میں ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے بلکہ سب ایک دل ہوگئے تھے یہ اعمال تو ان کے بُرے تھے علاوہ اس کے یہ بھی تھا کہ اہل کتاب ہوکر اہل اسلام کی مخالفت میں مکہ کے مشرک لوگوں سے انہوں نے دوستی پیدا کی تھی جس کے سبب سے اللہ تعالیٰ کے ہمیشہ کے غصہ اور عذاب کے یہ لوگ مستحق ٹھیر گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت سے دُور اور لائق پھٹکار قرار دیا۔ یہی معنی اللہ کی لعنت کے ہیں۔ پھر یہ فرمایا کہ اگر ان لوگوں کے دل میں بھی کتاب آسمانی کا ایسا ہی یقین ہوتا جس طرح سے یہ لوگ کتاب آسمانی کی پابندی زبانی ظاہر کرتے ہیں تو یہ بت پرستوں سے دوستی پیدا کر کے بت پرستی کی تعریف نہ کرتے۔ حیی بن اخطب اور کعب بن اشرف یہودیوں کے سرداروں کا مکہ جا کر بت پرستوں سے میل جول پیدا کرنا اور ان کے بت پرستی کے طریقہ کو مسلمانوں کے طریقہ سے اچھا بتانا یہ قصہ سورۃ النساء میں گزر چکا ہے۔ آخر کو فرمایا کہ ان میں کے اکثر لوگ نافرمان ہوگئے ہیں اس لئے ان کو ایسی باتوں کی کچھ پرواہ نہیں رہی۔ ترمذی، نسائی وغیرہ کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی صحیح حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ بغیر توبہ کے گناہ کرتے کرتے آدمی کے دل پر زنگ لگ جاتا ہے جس کے سبب سے کوئی نیک بات اس کے دل پر اثر نہیں کرتی۔ قتل انبیاء اور اس کے سوا اور بڑے بڑے گناہ کرتے کرتے یہود کے دلوں کا یہی حال ہوگیا تھا اسی واسطے گناہوں کی جرأت اور نیک کاموں کی طرف سے بے پروائی اُن میں بڑھ گئی تھی اس امت میں بھی کسی شخص میں اگر یہ عادت پیدا ہوجاوے تو اس کو چاہیئے کہ خالص دل سے توبہ و استغفار کر کے اپنے دل کو اس زنگ سے پاک و صاف کرے۔ مسند امام احمد وغیرہ کے حوالہ سے معتبر سند کی ابوامامہؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کا دل نیک کام کر کے خوش ہوا اور بُرا کام کر کے غمگین ہوا تو وہ شخص ایسا ہے کہ اُس کے دل میں نور ایمانی کی جھلک ہے[2]۔ دل کی حالت آزمانے کے لئے یہ حدیث بڑی کسوٹی ہے ؀

۸۲۔ سورۂ بقر کی آیت وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ (۹۶:۲) کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ جس طرح مشرک لوگوں کا دارومدار فقط دنیا کی زندگی پر ہے۔ عقبیٰ کے یہ لوگ بالکل منکر ہیں اسی طرح یہود ہیں کہ انبیاء کے قتل اور علاوہ اس کے اور بڑے بڑے گناہوں کے کرنے سے مشرکوں کی طرح یہ بھی سخت دل ہوکر عقبیٰ کو بالکل بھول گئے ہیں اور فقط دنیا کی زیست پر ہی ان کا بھی دارومدار ہے۔ اسلام میں اس عادت کے لوگوں کی بڑی مذمت آئی ہے۔

[1] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۶۸ کتاب التفسیر [2] ترغیب و ترہیب ج ۲ ص ۱۱ باب الترغیب فی الورع و ترک الشبہات وما یحوک فی الصدر۔

وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ

اور تو پائے گا سب سے نزدیک محبت میں مسلمانوں کے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں

ذَٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿۸۲﴾

یہ اس واسطے کہ ان میں عالم ہیں اور درویش ہیں اور یہ کہ وہ تکبر نہیں کرتے ۔

اس لئے ایک دل ہو کر یہ دونوں فریق اسلام کے سخت دشمن ہیں بخلاف نصاریٰ کے کہ ان میں بعضے عبادت پسند اور تارک الدنیا ہیں یہود جیسی دنیا پرستی ان کے جی میں نہیں ہے اس لئے اسلام کی دنیا پرستی کی مذمت کو انہوں نے عداوت کا سبب نہیں ٹھیرایا۔ اسی واسطے ہرقل اور مقوقس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوں کی عزت کی۔ اور کسریٰ نے آپ کا خط پھاڑ ڈالا حاصل معنی آیت کے یہ ہیں کہ یہود اور مشرکوں کی عادت ملتی جلتی ہے اس لئے یہود اسلام کی عداوت میں مشرکوں کے قدم بقدم ہیں نصاریٰ ایسے نہیں ہیں چنانچہ ان کا ذکر آتا ہے ۔

اگرچہ نسائی اور ابن ابی حاتم اور طبرانی نے شان نزول اس آیت کی یہ بیان کی ہے کہ مدینہ منورہ کی ہجرت سے پہلے عورتوں بچوں کے علاوہ اسی آدمی کے قریب حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے اور قریش نے نجاشی بادشاہ حبشہ سے ان لوگوں کے مکہ میں واپس کر دینے کی خواہش حبشہ جا کر کی تھی اور نجاشی نے ان لوگوں کا اصلی حال دریافت کرنے کی غرض سے ان لوگوں کو اپنے روبرو بلایا تھا اور آنحضرت کے ذکر کے ذیل میں نجاشی نے حضرت جعفرؓ سے کہا تھا کہ تمہارے نبی پر جو کلام اترتا ہے اس میں سے کچھ مجھ کو سناؤ اور حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم پڑھی تھی جس کو سن کر نجاشی اور پادری لوگ روئے تھے اس پر یہ آیتیں اور آگے کی آیتیں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہیں[1] اور شاہ صاحب نے بھی اسی شان نزول کو موضح القرآن میں اختیار کیا ہے لیکن حافظ ابن کثیرؒ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ نجاشی کا قصہ اس وقت کا ہے کہ آنحضرت اس وقت مدینہ میں تشریف رکھتے تھے اور وہیں قرآن شریف نازل ہوتا تھا اس صورت میں ان مدنی آیات کا نزول اس وقت کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے اس لئے شان نزول ان آیات کی وہی ہے جس کو ابن ابی حاتم نے دوسری روایت میں بیان کیا ہے کہ نجاشی نے تیس پادری آنحضرت کے پاس مدینہ میں بھیجے تھے۔ آنحضرت نے ان کو سورۂ یٰسٓ پڑھ کر سنائی اور وہ سن کر روئے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں[2] حافظ ابن کثیر کے اس اعتراض کا جواب یوں ہو سکتا ہے کہ اگرچہ نجاشی کے سورۂ مریم سنکر رونے کا قصہ ہجرت مدینہ سے پہلے کا ہے لیکن ہجرت کے بعد نجاشی کے بھیجے ہوئے وہ پادری جب مدینے میں آئے جو نجاشی کے مصاحب تھے اور سورۂ مریم کے سن لینے کے وقت وہ نجاشی کے پاس تھے اور نجاشی کے ساتھ وہ بھی روئے تھے اب جو سورۂ یٰسٓ سن کر

[1] درمنثور ج ۲ ص ۳۰۳ - ۳۰۲۔

[2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۸۵۔ درمنثور ج ۲ ص ۳۰۳۔

پھر روئے تو اللہ تعالیٰ نے دونوں قصوں کو شان نزول قرار دے کر یہ آیات نازل فرمائی ہیں حاصل یہ ہے کہ اگرچہ یہ آیتیں نصاریٰ کے ایک خاص گروہ کی شان میں نازل ہوئی ہیں لیکن ان آیتوں کے لفظ عام ہیں اس لئے اب بھی نصاریٰ میں جو لوگ اس خاص گروہ کی عادت کے ہیں وہ ان آیتوں کے حکم میں داخل ہیں۔ سورۃ بقر کی آیت لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (۲: ۹٦) کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ سوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اور نبیوں کی امتیں قیامت کے دن اپنے نبیوں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھٹلاویں گے اور یہ کہیں گے کہ یا اللہ ہم کو کسی نبی نے تیرا حکم نہیں پہنچایا اور انبیاء اپنی رسالت کا ادا کر دینا ظاہر کریں گے۔ قرآن شریف میں پچھلے سب انبیاء اور پچھلی سب امتوں کا حال ہے اس لئے امت محمدیہ کے لوگ ان انبیاء کی تائید میں کہویں گے کہ یا اللہ قرآن شریف میں پہلے نبیوں کی رسالت کے ادا ہو جانے کا ذکر ہے اس واسطے ہم تیرے کلام کے سچے ہونے کی شہادت ادا کرتے ہیں۔

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَى أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ

اور جب سنیں جو اترا رسول پر تو دیکھے ان کی آنکھیں ابلتی ہیں آنسوؤں سے

مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿۸۳﴾

اس پر جو پہچانے بات حق کہتے ہیں اے رب ہم نے یقین کیا تو لکھ ہم کو ماننے والوں کے ساتھ

وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَنْ يُدْخِلَنَا

اور ہم کو کیا ہوا کہ یقین نہ لاویں اللہ پر اور جو پہنچا ہم پاس حق اور ہم کو توقع ہے کہ داخل کرے ہم کو

رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ﴿۸۴﴾ فَأَثَابَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا جَنَّاتٍ تَجْرِي

ہمارا رب ساتھ نیک بختوں کے پھر ان کو بدلہ دیا ان کے رب نے اس کہنے پر باغ نیچے ان کے

مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ﴿۸۵﴾ وَالَّذِينَ

بہتی نہریں رہا کریں ان میں اور یہ ہے بدلہ نیکی والوں کا اور جو

كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۸۶﴾

منکر ہوئے اور جھٹلانے لگے ہماری آیتیں وہ ہیں دوزخ کے لوگ ؏

۸۳ — ۸۶ ۔ یہ آیتیں بھی ولتجدن اقربھم کی شان نزول میں داخل ہیں فاکتبنا مع الشاھدین کا یہی مطلب ہے کہ نصاریٰ کے اس گروہ نے جس کا ذکر ان آیتوں میں ہے اسی شہادت میں شریک ہونے کی دعا اللہ تعالیٰ کی جناب میں کی ہے جس شہادت کا ذکر سورہ بقر میں ہے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ جب یہ پادری لوگ مدینہ سے حبشہ کو واپس گئے تو قوم کے بعضے لوگوں نے ان پر یہ اعتراض کیا کہ تم نے اسلام کی صداقت کیوں کی ان پادریوں نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا کہ حق بات کے معلوم ہو جانے کے بعد ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم اس کو نہ مانیں اور اس حق بات کے مان لینے سے ہم کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ وہ ہم کو نیک لوگوں میں داخل کریگا حق بات سے مطلب نبی آخر الزمان کے پیدا ہونے کی پیشین گوئی ہے جس کا ذکر تورات اور انجیل کے حوالہ سے اوپر گذر چکا ہے ان پادریوں نے تورات انجیل اور قرآن کی صداقت سچے دل سے کی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا کہ ان لوگوں کی اس نیکی کا اور ان کی طرح اور جو کوئی نیکی کرے اس سب کا انجام یہ ہے کہ ایسے لوگ دنیا سے اٹھ جانے کے بعد ہمیشہ جنت میں راحت اور آرام سے رہیں گے اور جو لوگ اس صداقت سے بے بہرہ ہیں ان کا ٹھکانا دوزخ ہے جحیم کے معنی دھکتی آگ کے ہیں بیہقی وغیرہ کے حوالہ سے انس بن مالکؓ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے جس میں دوزخ کی آگ کے تین ہزار برس تک دھکائے جانے کا ذکر ہے[1] اس واسطے دوزخ کی آگ کو دہکتی آگ فرمایا۔ صحیح بخاری و مسلم کی ابوہریرہؓ کی حدیث بھی گذر چکی ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ دوزخ کی آگ کی تیزی دنیا کی آگ کی تیزی سے انہتر حصے زیادہ ہے[2] غرض اس بات میں ایک حدیث کو دوسری حدیث سے تقویت حاصل ہو کر یہ سب حدیثیں جحیم کی گویا تفسیر ہیں ۔

[1] الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۱۶ [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۶۲ باب صفۃ النار وانہا مخلوقۃ و صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۱ باب جہنم اعاذنا اللہ منہا۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ

اے ایمان والو مت حرام ٹھیراؤ ستھری چیزیں جو اللہ نے تم کو حلال کیں اور حد سے نہ بڑھو۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا

اللہ نہیں چاہتا زیادتی والوں کو اور کھاؤ اللہ کے دیئے سے جو حلال ہو ستھرا

وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پر یقین رکھتے ہو

۸۷-۸۸- ترمذی ابن ابی حاتم ابن جریر ابن عساکر وغیرہ نے اس آیت کی شان نزول جو بیان کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک صحابی نے آنحضرت سے بیان کیا کہ گوشت کے کھانے سے مجھ کو عورتوں کی صحبت کی خواہش زیادہ پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سبب سے میں نے گوشت کے کھانے کی قسم کھالی ہے۔ بعضے صحابہ نے اچھی چیز کا کھانا اچھے کپڑے کا پہننا مباشرت کا کرنا ترک کر دیا تھا۔ اور ایک صحابی تھے جن کے گھر میں ایک مہمان آئے ہوئے تھے ان صحابی کو آنحضرت کے پاس سے گھر جانے میں دیر ہو گئی۔ اُن کی بی بی نے اُن کے انتظار میں مہمان کو کھانا نہیں دیا۔ جب یہ گھر گئے ان کو مہمان کے بھوکا رکھنے سے اپنی بی بی پر غصہ آگیا۔ اس لئے انہوں نے اس روز کھانا کھانے کی قسم کھالی ان کی قسم کے سبب سے بی بی اور مہمان نے بھی قسم کھالی۔ غرض اس طرح کے چند قصوں کے جمع ہو جانے سے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[1] اور مسلمانوں کو ہدایت کی کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو غصہ میں آن کر یا غیر کا حق تلف کر کے اپنے اوپر حرام نہیں کرنا چاہئے ہاں کسی چیز کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھ کر سہولت عبادت یا کسی اور غرض سے چند روز کسی چیز کو چھوڑ دیا جائے تو وہ اور بات ہے۔ اسی طرح کے قصے صحابہ کے سن کر آپ نے فرمایا ہے کہ لوگوں کا کیا حال ہے کہ حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں۔ میں تو نبی ہو کر روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور مباشرت بھی کرتا ہوں۔ جو کوئی میری سنت کے خلاف کرے گا۔ میں اُس سے بیزار ہوں۔ یہ حدیث صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے ہے[2]۔ حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شرع میں حلال حرام چیزوں کی جو حد ٹھیرا دی ہے ہر ایماندار شخص کو اس حد کی پابندی ضرور ہے۔ کیونکہ اُس حد سے باہر قدم رکھنے میں احکام الٰہی کی ایک طرح کی نافرمانی اور شیطان کے بہکاوے کی ایک طرح کی پاسداری ہے۔ جس سے ہر ایماندار کو بچنا اور پرہیز کرنا چاہئے۔ صحیح مسلم کی عیاض بن حمار کی حدیث سورہ بقر میں گذر چکی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ جو چیزیں میں نے اپنے بندوں پر حلال کی تھیں شیطان کے بہکانے سے وہ انہوں نے اپنے اوپر حرام کر لی ہیں[3]۔ یہ حدیث ان آیتوں کی گویا تفسیر ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے طور پر شرعی حلال کو حرام یا حرام کو حلال ٹھہرانا شیطانی بہکاوے کے اثر سے ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے ؏

---

[1] تفسیر ابن جریر ج ۷ ص ۷ و جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۳۰ کتاب التفسیر و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۸۷ و لباب النقول ص ۹۴-۹۵ [2] مشکوٰۃ ص ۲۷ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ [3] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۵ باب الصفات التی یعرف بہا فی الدنیا اہل الجنۃ و اہل النار۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ

نہیں پکڑتا تم کو اللہ تمہاری بے فائدہ قسموں پر لیکن پکڑتا ہے جو تم نے قسم گرہ

الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ

باندھی سو اس کا اُتارا کھلانا دس محتاجوں کا بیچ کا کھانا جو دیتے ہو

اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ

اپنے گھر والوں کو یا اُن کو کپڑا دینا یا ایک گردن آزاد کرنی پھر جس کو پیدا نہ ہو تو روزہ تین

اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ

دن کا یہ اُتارا ہے تمہاری قسموں کا جب قسم کھا بیٹھو اور تھامتے رہو اپنی قسمیں یوں

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾

بتاتا ہے تم کو اللہ اپنے حکم شاید تم احسان مانو ؎

۸۹۔ امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق اس آیت کی شان نزول تفسیر ابن جریر اور خازن وغیرہ میں جو بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ترک دنیا کے طور پر جب بعضے صحابہ نے قسم کھا کر بعضی چیزیں اپنے اوپر حرام کر لیں اور اوپر کی آیت یاایھا الذین اٰمنوا لاتحرموا طیبات ما احل اللہ لکم میں اس کی ممانعت نازل ہوئی تو اُن صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حضرت ہم لوگوں نے حلال چیزوں سے باز رہنے کی جو قسم کھائی تھی اس قسم کا اب کیا حکم ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[1] سورہ بقر میں گذر چکا ہے کہ تکیہ کلام کے طور پر واللہ باللہ یا ایسے اور لفظ آدمی کے منہ سے جو نکل جاتے ہیں یا ایک بات کو کوئی شخص سچ گمان کر کے اس پر قسم کھا بیٹھے اور حقیقت میں وہ بات اس طرح سے نہ ہو یہ صورتیں قسم میں داخل نہیں ہیں نہ اُن کا کچھ کفارہ ہے۔ انہی صورتوں کو یمین لغو کہتے ہیں۔ کفارہ کے قابل وہی قسم ہے جو دلی ارادہ سے ہو۔ اس دلی ارادہ کی قسم پر قائم نہ رہنے کی حالت میں اس کے کفارہ کی یہی چار صورتیں ہیں جن کا ذکر اس آیت میں ہے کہ یا دس مسکینوں کو کھانا کھلا دیا جاوے یا کپڑا پہنا دیا جاوے یا ایک بردہ آزاد کر دیا جاوے۔ ان تینوں باتوں میں سے کسی بات کا بھی مقدور نہ ہو تو تین روزے رکھے جاویں ان روزوں کے پے در پے ہونے اور یا نہ ہونے میں۔ کھانے کی جگہ کچا اناج دیا جاوے تو اس کے مقدار میں۔ کپڑوں کی گنتی میں۔ بردہ کے مسلمان ہونے یا نہ ہونے میں سلف کا اختلاف ہے جس کی تفصیل بڑی کتابوں میں ہے[2] بیچ کی راس کے کھانے کا یہ مطلب ہے کہ نہ بہت اعلیٰ درجہ کا ہو نہ بالکل ادنیٰ درجہ کا بلکہ متوسط درجہ کا ہو۔ قسموں کے تھامنے کا یہ مطلب ہے کہ بلا ضرورت قسم کے کھانے میں جلدی نہ کی جاوے۔ احکام الٰہی کے احسان ماننے اور شکر گزاری کرنے کا یہ مطلب ہے کہ ان احکام کے موافق عمل کیا جاوے سورہ بقر میں صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰؓ اشعری کی حدیث گذر چکی ہے جس میں آنحضرت

[1] تفسیر ابن جریر ج ۷ ص ۹۔ تفسیر خازن ج ا ص ۱۱ ۵ [2] تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۹۰ ۔ ۹۱

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ

اے ایمان والو یہ جو ہے شراب اور جوا اور بت اور پانسے گندے

مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ

کام ہیں شیطان کے سو ان سے بچتے رہو شاید تمہارا بھلا ہو شیطان یہی چاہتا ہے

اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ

کہ ڈالے تم میں دشمنی اور بیر شراب سے اور جوئے سے اور روکے تم کو

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ نے چاہا تو میری ہر ایک قسم ایسی ہوگی کہ قسم کھانے کے بعد کوئی بات اگر اس سے بہتر میں دیکھ پاؤں گا جس پر میں نے قسم کھائی ہے تو فوراً قسم کا کفارہ دے کر میں اس بہتر کام کو کروں گا[1] قسم کی حالت پر قائم رہنے یا نہ رہنے کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے جو اللہ کے رسول نے اپنی امت کو سکھائی ہے۔

۹۰۔۹۲ معتبر سند سے طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ شراب کے نشہ میں بعضے صحابہ کی آپس میں تکرار ہو کر مار پیٹ کی نوبت آجاتی جس کے سبب سے ان لوگوں کے آپس کے سلوک میں روز بروز خلل پڑتا جاتا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں[2] شراب کی چار حالتیں جو اسلام میں رہی ہیں ان کا ذکر تو سورہ بقرہ کی آیۃ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ (۲: ۲۱۹) کی تفسیر میں گذر چکا ہے[3] ان چاروں حالتوں میں ایک حالت سورۃ النساء کی آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى (۴: ۴۳) کے نازل ہونے کے بعد کی تھی جس میں نماز کا وقت ٹال کر لوگ شراب پیا کرتے تھے اس حالت کے زمانہ میں یہ آپس کی تکرار اور مار پیٹ ہوا کرتی تھی اس پر یہ شراب کے ہر وقت کے قطعی حرام ہونے کا حکم نازل ہوا۔ شراب پینے سے آپس کی دشمنی اس سبب سے پیدا ہو جاتی ہے کہ شراب پی کر آدمی کے ہوش و حواس ٹھکانے نہیں رہتے ہر ایک سے لڑنے جھگڑنے لگتا ہے۔ جوا اس سبب سے باعث عداوت ہے کہ جو شخص جوئے میں اپنا مال ہار جاتا ہے وہ بھی بدحواس ہو کر ہر ایک سے لڑنے لگتا ہے۔ شراب میں ایک یہ بھی خرابی ہے کہ اس کا نشہ آدمی کو ذکر الٰہی اور نماز سے روک دیتا ہے۔ اس سورہ میں یہ اوپر گزر چکا ہے کہ انصاب بتوں کے تھان تھے اور ازلام جوا کھیلنے کے پانسے ان بتوں کے تھانوں پر بتوں کے نام کے جانور ایام جاہلیت میں ذبح کئے جاتے تھے شراب خواری اور قمار بازی بھی یہیں ہوتی تھی جوئے کے پانسے بھی یہیں رکھے رہتے تھے اس لئے ان سب کا ذکر ایک ساتھ ایک جگہ فرمایا۔ ہر طرح کے برے کام کو رجس کہتے ہیں۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے جابرؓ کی حدیث اوپر گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان خود تو اپنا تخت سمندر کے پانی پر بچھا کر اس تخت پر بیٹھ جاتا ہے اور شیاطین کو لوگوں کے بہکانے کے لئے ہر روز بھیج دیتا ہے[4]۔ ان آیتوں میں برے کاموں کو آپس میں

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۸۸ باب الیمین فی مالا یملک و فی المعصیۃ والیمین فی الغضب [2] تفسیر ابن جریر ج ۷ ص ۳۲۔۳۴۔ در منثور ج ۲ ص ۳۱۵ [3] ج ۱ ص ۱۷۱۔

[4] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۶ باب تحریش الشیطان وبعثہ سرایاہ لفتنۃ الناس الخ

عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ‌ۚ فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّنۡتَهُوۡنَ ﴿۹۱﴾ وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ

اللہ کی یاد سے اور نماز سے پھر اب تم باز آؤ گے اور حکم مانو اللہ کا

وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاحۡذَرُوۡا‌ ۚ فَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوۡلِنَا

اور حکم مانو رسول کا اور بچتے رہو پھر اگر تم پھرو گے تو جان لو ہمارے رسول کا ذمہ یہی ہے

الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۹۲﴾

پہونچا دینا کھول کر ۔

دشمنی کے ڈالنے کو۔ ذکرِ الٰہی اور نماز سے روکنے کو شیطان کے ارادے کا اثر جو فرمایا ہے یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ شیاطین شراب کے نشہ اور جوئے کی دھن میں لوگوں کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈال دیتے ہیں کہ لوگوں کو ان بُرے کاموں کی برائی نہیں سوجھتی اس واسطے ان کاموں سے باز رہنے کی ہدایت فرما کر ہر ایمان دار کی عقبیٰ کی بہبودی کو اس ہدایت کے موافق عمل کرنے پر منحصر رکھا ہے اور اس کو اللہ اور رسول کی فرمانبرداری ٹھیرایا ہے اور فرمایا ہے کہ اللہ کے رسول کا کام یہی ہے کہ وہ تم لوگوں کو اللہ کا حکم پہنچا دیویں اب جو کوئی اس کو نہ مانے گا وہ عقبیٰ میں اس نافرمانی کا خمیازہ بھگتے گا۔ صحیح مسلم[1] میں ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سوائے نماز کے اوقات کے اور وقتوں میں جب شراب کا پینا جائز رکھا گیا تھا تو شراب کے نشہ میں طرح طرح کے جھگڑے قصے جو ہوا کرتے تھے اس کا حال سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص کے پاس کچھ شراب ہو اس کو وہ یا تو بیچ ڈالے یا اور کسی کام میں لے آوے ورنہ شراب کے باب میں کوئی قطعی حکم نازل ہونے والا ہے۔ اس کے تھوڑے دنوں کے بعد یہ آیت اِنَّمَا الۡخَمۡرُ الخ نازل ہوئی اس کے نازل ہونے کے بعد آپ نے فرمایا اس حکم سے اللہ تعالیٰ نے شراب حرام فرما دی اب جس مسلمان شخص کے پاس کچھ شراب ہو تو وہ اس کو نہ بیچ سکتا ہے نہ پی سکتا ہے۔ آپ کے اس حکم کے بعد لوگوں نے جو شراب تھی اس کو مدینہ کی گلیوں میں بہا دیا اور اس کے بیچنے کو سب نے حرام قرار دیا[1]۔ اس مضمون کی اور بھی حدیثیں ہیں۔ آیت اور ان حدیثوں کو ملانے سے یہ مطلب ٹھیرتا ہے کہ اس آیت میں شراب سے بچنے کا جو ارشاد ہے وہ شراب کے حرام ہونے کا ایک قطعی حکم ہے جس کے بعد اسلام میں شراب پھینک دینے کے قابل ایک چیز قرار پائی۔ یہ جو ایک اختلاف مشہور ہے کہ آیت میں خمر کا لفظ ہے اور انگور کے سوا کسی دوسری چیز سے جو شراب بنائی جاتی ہے اس کو خمر نہیں کہتے اس صورت میں آیت کا حکم انگور کی شراب پر منحصر ہونا چاہیے یہ اختلاف خمر کے لغوی معنی کی بنا پر ہے ورنہ شرع میں یہ صراحت موجود ہے کہ کھجور گیہوں جَو وغیرہ سے جو شراب بنائی جائے اس کو بھی خمر کہتے ہیں چنانچہ مسند امام احمد ترمذی ابو داؤد وغیرہ میں نعمان بن بشیرؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ خمر کے یہی معنی فرمائے ہیں[2] پھر جس طرح الفاظ صوم صلوٰۃ حج زکوٰۃ میں شرعی معنی کا اعتبار ہے اسی طرح لفظ خمر کے بھی شرعی معنی احکام شرع میں معتبر ہوں گے۔ نعمان بن بشیرؓ کی حدیث کی سند میں

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۲ باب تحریم بیع الخمر۔ [2] جامع ترمذی ج ۲ ص ۹ باب ما جاء فی الحبوب التی یتخذ منہا الخمر و سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۱۶۷ باب الخمر مما ہی۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا
جو لوگ ایمان لائے اور کام نیک کئے ان پر گناہ نہیں جو کچھ پہلے کھا چکے جب
اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا
آگے ڈرے اور ایمان لائے اور عمل نیک کئے پھر ڈرے اور یقین کیا پھر ڈرے اور نیکی کی
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٩٣﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ
اور اللہ چاہتا ہے نیکی کرنے والوں کو اے ایمان والو البتہ تم کو آزماویگا اللہ کچھ
مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ
ایک شکار کے حکم سے جس پر پہنچیں ہاتھ تمہارے اور نیزے تاکہ معلوم کرے اللہ کون اس سے ڈرتا ہے۔

ایک بلوی ابراہیم بن المہاجر ہے جس کو بعضے علماء نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن امام احمد نے ابراہیم بن المہاجر کو ناقابل اعتراض ٹھیرایا ہے[1] اس صورت میں یہ حدیث معتبر اور آیت کے لفظ خمر کی تفسیر قرار پاسکتی ہے۔ صحیح مسلم ترمذی ابوداؤد وغیرہ میں انس بن مالکؓ کی حدیث ہے[2] جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب سے سرکہ بنانے کو منع فرمایا ہے۔ اکثر علماء امت کا یہ مذہب بھی اس حدیث کے موافق ہے لیکن بعضے علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے جس کی تفصیل بڑی کتابوں میں ہے[3]۔

۹۳۔ نسائی اور مسند امام احمد بن حنبل میں اس آیت کی شان نزول جو بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ چند صحابہ احد کی لڑائی کے وقت شراب کے نشہ کی حالت میں شہید ہو چکے تھے اس لئے شراب کے حرام ہو جانے کے وقت صحابہ کو ان شہیدوں کے حال پر بڑا افسوس ہوا کہ بری چیز ان کے پیٹ میں تھی جس وقت وہ شہید ہوئے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حاصل آیت کا یہ ہے کہ اس وقت جتنے کاموں کا اللہ کا حکم تھا جب انہوں نے وہ کام کئے تو جس چیز کے حرام ہونیکے وقت وہ موجود ہی نہیں تو اس چیز کے حرام ہونیکے پہلے کے استعمال سے ان پر کچھ گناہ نہیں۔

۹۴-۹۵۔ مقاتل بن حیان نے کہا ہے کہ عمرہ حدیبیہ کے سال احرام کی حالت میں صحابہ کرامؓ جا رہے تھے اس وقت یہ آیت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے مقاتل بن حیان اور مقاتل بن سلیمان دو مقاتل ہیں جن علماء نے مقاتل بن حیان کو ضعیف کہا ہے انہوں نے مقاتل بن سلیمان کے شبہ میں کہا ہے ورنہ یحییٰ بن معین ابوداؤد اور بہت سے علماء نے مقاتل بن حیان کی توثیق کی ہے یہ مقاتل بن حیان صحیح مسلم کے راویوں میں ہیں۔ سفر حدیبیہ کے وقت شان نزول اس آیت کی خازن وغیرہ میں لکھی ہے[4]۔ حاصل اس شان نزول کی روایت کا یہ ہے کہ اس عمرہ کے سفر میں خلاف عادت امتحان کے طور پر ان صاحب احرام صحابہ کو بہت سے جنگلی جانور نظر آئے تاکہ معلوم ہو جاوے کہ ان جانوروں کے نظر آنے کے وقت آنکھوں سے بن دیکھے عذاب الٰہی سے ڈر کر کون شکار کے مناہی کے حکم کی پابندی کرتا ہے اور کون اس کی

[1] تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۶۷ [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۶۳ باب تحریم تخلیل الخمر و سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۵۱۷ باب ماجاء فی الخمر تخلل [3] دیکھئے نیل الاوطار ج ۹ ص ۴۷۔
[4] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۹۷۔ تفسیر خازن ج ۱ ص ۵۱۵۔

بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾ يٰٓاَيُّهَا

بن دیکھے پھر جس نے زیادتی کی اس کے بعد تو اس کو دکھ کی مار ہے اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ

ایمان والو نہ مارو شکار جس وقت تم احرام میں ہو اور جو کوئی تم میں اس کو

مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ

مارے جان کر تو بدلہ ہے اس مارے کے برابر مواشی میں ٹھہرادیں دو معتبر تمہارے کر

پابندی نہیں کرتا" کچھ ایک شکار" اس کا مطلب یہ ہے کہ فقط جنگلی جانوروں کا شکار دریائی جانوروں کا سا نہیں چھوٹے جانور ہاتھ سے پکڑے جا سکتے ہیں اس لئے نیزے کے ساتھ ہاتھ کا بھی ذکر فرمایا اگرچہ احرام کی حالت میں ہر ایک طرح کے ہتھیار سے شکار منع ہے لیکن عرب کے لوگ نیزے سے اکثر شکار کھیلا کرتے تھے اس واسطے خاص طور پر نیزے کا ذکر فرمایا اللہ تعالیٰ کے علم یا اللہ تعالیٰ کی جانچ پڑتال کا ذکر جہاں کہیں قرآن شریف میں آتا ہے اس کے یہ معنے ہیں کہ اپنے علم ازلی میں اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کو جس طرح جانا اور جانچا ہے سزا و جزا کے لئے دنیا میں اس کا ظہور بھی اسی طرح ہو جاوے ورنہ ازل سے ابد تک اللہ تعالیٰ کے علم اور جانچ سے کوئی چیز باہر کسی وقت نہیں ہے۔ آگے فرمایا اس شکار کی ممانعت کے حکم کے بعد جو کوئی اس کی پابندی نہ کریگا اس کو عقبیٰ میں سخت عذاب بھگتنا پڑیگا صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ابو قتادہؓ کی حدیث ہے[۵] اس کا حاصل یہ ہے کہ ابو قتادہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے سفر سے پہلے کسی جگہ کچھ کام کو بھیجا تھا جہاں سے وہ بغیر احرام باندھنے کے آئے اور حدیبیہ کے لشکر میں آکر ملے اتنے میں ان کو ایک گورخر جنگل میں نظر آیا جس کو دیکھ کر جلدی سے اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے اور اپنا نیزہ اور کوڑا لینا بھول گئے اس کے انہوں نے چند دفعہ اپنے جان پہچان صحابہ سے نیزہ اور کوڑا پکڑا دینے کو کہا لیکن احرام کے لحاظ سے ان صحابہ نے ابو قتادہؓ کی مدد سے صاف انکار کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں جو جانچ تھی اس میں صحابہ کرام اس قدر ثابت قدم رہے کہ خود شکار کھیلنا تو در کنار دوسرے شکاری کی مدد کی بھی انہوں نے جرأت نہ کی شروع سورہ کی آیت غیر محلی الصید وانتم حرم کے موافق اگرچہ آئندہ کی آیت کے نازل ہونے سے پہلے احرام کی حالت میں شکار منع تھا لیکن وہاں شروع سورہ کی آیت میں یہ تفصیل نہ تھی کہ اگر حالت احرام میں کوئی شخص شکار کھیل بیٹھے تو اس کا کیا حکم ہے اس واسطے آئندہ کی آیت میں تاکید کے طور پر شکار کی منا ہی کو دوبارہ ذکر فرما کر حالت احرام میں جو شخص شکار کھیل بیٹھے اس کا حکم بیان فرمایا اس حکم کا حاصل یہ ہے کہ احرام کی حالت میں اول تو شکار کی منا ہی ہے اس پر بھی احرام کی حالت کو یاد رکھ کر کوئی شخص شکار کھیل بیٹھے تو اس کی سزا یہ ہے کہ جس قسم کے جنگلی جانور کا شکار کیا ہے اسی قسم کے شہری چوپایوں میں سے ایک جانور خرید کر حرم میں اس کی قربانی کرے مشابہت کے لحاظ سے جنگلی اور شہری جانوروں کی قسم دو منصف ترجیح ٹھہرا دینگے یہ اس وقت کا حکم تھا اب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ نے پنچ بن کر جو قسم واری ٹھہرا دی ہے تو اس کے موافق عمل ہوگا۔ مثلاً ہرن کی مشابہت بکری سے ٹھہر چکی ہے

[۵] صحیح بخاری ص ۲۴۶ ج ۱ باب لا یعین المحرم الحلال فی قتل الصید و صحیح مسلم ص ۳۸۰ ج ۱ باب تحریم الصید للماکول البری الخ

هَدۡيًاۢ بٰلِغَ الۡكَعۡبَةِ اَوۡ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيۡنَ اَوۡ عَدۡلُ ذٰلِكَ صِيَامًا

نیاز پہنچا دے کعبہ تک یا گناہ کا اوتارا ہے کئی محتاجوں کو کھانا یا اسکی کے برابر روزے

لِّيَذُوۡقَ وَبَالَ اَمۡرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنۡ عَادَ فَيَنۡتَقِمُ اللّٰهُ

کہ چکھے سزا اپنے کام کی اللہ نے معاف کیا جو ہو چکا اور جو کوئی پھر کریگا اس سے بیر لیگا

مِنۡهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ ذُو انۡتِقَامٍ ﴿۹۵﴾

اور اللہ زبردست ہے بیر لینے والا

تو اب اس میں جدید پنچ ٹھہرانے کی ضرورت نہیں ہاں جہاں ایسا نہ ہو وہاں جدید دو پنچ قرار دینے چاہئیں یہ قسم ادی جب ٹھہر جاوے تو اکثر سلف کا یہی قول ہے کہ شکاری کو اختیار ہے کہ خواہ اُن داموں کا کوئی قربانی کا جانور خرید کر کے حرم میں اسکی قربانی کرے یا ان داموں میں جسقدر محتاج پیٹ بھر کر کھانا کھا سکتے ہوں اُن کو کھانا کھلا دیوے یا ہر مسکین کے کھانے کے معاوضے میں ایک روزہ قرار دیکر مسکینوں کی تعداد کے موافق روزے رکھ لیوے یہ جنگلی اور شہری جانوروں کی مشابہت اکثر سلف کے نزدیک پیدائشی صورت و سیرت میں دیکھی جاوے گی جس طرح مثلاً ہرن پیدائشی صورت و سیرت میں بکری سے مشابہ ہے جہاں یہ بات ممکن نہ ہو تو پھر قیمت کے اندازے سے کام لیا جاویگا۔ اس مسئلہ میں سلف کا جو کچھ اختلاف ہے اُس کی تفصیل بڑی کتابوں میں ہے[1]۔ آگے فرمایا احرام کی حالت میں شکار کھیلنے والے شخص کی یہ سزا اس لئے قرار دی گئی ہے کہ وہ اپنے کئے کا خمیازہ بھگت لیوے اور پھر ایسا کام نہ کرے ہاں اس مناہی کے حکم سے پہلے جو کچھ ہو چکا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل معافی ہے لیکن حکم مناہی کے بعد جو کوئی مناہی کا کام کریگا اور اس دنیوی سزا کا کچھ اثر اُس پر نہ ہوگا اور ڈھیٹھ بن کر دنیوی سزا کے بعد بھی ایسا کریگا اور مر کے اُس سے توبہ نہ کریگا تو دنیوی سزا کے علاوہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے اور بھی بدلہ لیویگا اور اللہ تعالیٰ بدلہ لینے میں ایسا زبردست ہے کہ اُس کے بدلہ لینے کو کوئی روک نہیں سکتا ترجمہ میں انتقام کا ترجمہ بیر جو کیا ہے اُسکا مطلب بدلہ لینے کا ہے معتبر سند کی سہل بن سعدؓ کی حدیث مسند امام احمد کے حوالہ سے ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک چھوٹا گناہ مثل ایک سوکھی لکڑی کے ہے اور بہت سے چھوٹے چھوٹے گناہ مثل لکڑیوں کے ڈھیر کے ہیں اور لکڑیوں کے ڈھیر میں آگ لگ جانیکا خوف ہے[2] اس مضمون کی نسائی میں عبد اللہ بن مسعودؓ کی اور ابن ماجہ میں حضرت عائشہؓ کی بھی روایتیں ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی روایت کو ابن حبان نے صحیح کہا ہے[3] یہ حدیثیں آیت ومن عاد فینتقم اللہ منہ کی گویا تفسیر ہیں۔ آیت اور ان حدیثوں کو ملانے سے یہ مطلب پیدا ہوا کہ بے پروائی سے جو شخص گھڑی گھڑی حالت احرام میں شکار کھیلتا رہے گا اس کو عقبیٰ کے عذاب سے ڈرنا چاہئے۔ ابو قتادہؓ کی حدیث جو اوپر گذری مسلم کی روایت میں یہ لفظ اُس میں زیادہ ہیں کہ جب صحابہؓ نے اُس ابو قتادہؓ کے بھیجے ہوئے گوشت کے کھانے کی اجازت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چاہی تو آپ نے اجازت دینے

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۹۸۔۱۰۰ [2] الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۲۲۔۱۲۳۔
[3] الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۲۲۔۱۲۳۔ الترہیب من ارتکاب الصغائر والمحقرات من الذنوب الخ

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۖ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ

حلال ہوا تم کو دریا کا شکار اور اس کا کھانا فائدے کو تمہارے اور مسافروں کے اور حرام ہوا تم پر

صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٩٦﴾ جَعَلَ

شکار جنگل کا جب تک رہو تم احرام میں اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پاس جمع ہو گے اللہ نے کیا

اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ

کعبہ جو گھر ہے بزرگی کا ٹھہراؤ لوگوں کے واسطے اور مہینہ بزرگی کا اور قربانی لے جانی

سے پہلے احرام والے صحابہؓ سے یہ بات دریافت کی کہ تم لوگوں نے شکار کے وقت شکار کے بتلانے کی یا اور کسی طرح کی مدد تو ابو قتادہؓ کو نہیں دی جب اُن لوگوں نے جواب دیا کہ نہیں ہم نے کسی طرح کی کوئی مدد ابو قتادہؓ کو نہیں دی۔ اس جواب کے بعد آپ نے اُن احرام والے صحابہ کو شکار کے گوشت کے کھانے کی اجازت دی اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح احرام کی حالت میں شکار کا کھیلنا منع ہے اسی طرح شکاری کی ہر طرح کی مدد بھی منع ہے۔ احرام والے شخص کی خاطر سے غیر احرام والا کوئی شخص شکار مارے تو وہ گوشت بھی احرام والے شخص کو منع ہے چنانچہ معتبر سند سے مسند امام احمد اور ابن ماجہ میں ابو قتادہؓ کی جو روایتیں ہیں اُن میں اُس کا ذکر ہے[1]۔

۹۶ - ۹۹۔ اوپر ذکر تھا کہ احرام کی حالت میں جنگلی جانوروں کا شکار منع ہے اِن آیتوں میں فرمایا کہ دریائی جانوروں کا شکار حالت احرام میں بھی جائز ہے۔ دریا کے لفظ کے معنوں میں یہاں ندیاں نالے تالاب سب داخل ہیں کیونکہ ان سب جگہ کا مچھلی کا شکار احرام کی حالت میں جائز ہے۔ دریائی جانوروں میں سے کون کون سے جانور حلال ہیں یہ بڑا اختلافی مسئلہ ہے جس کی تفصیل تفسیر کی کتابوں میں ہے[2]۔ جو مچھلی کی طرح کے شکار میں مری ہوئی ہاتھ آوے اُس کے حلال ہونے میں علماء کا اختلاف نہیں ہے ہاں جو مچھلی خود مر کر پانی کے اوپر آجاتی ہے اُس کے حلال ہونے میں اختلاف ہے جس کی تفصیل ہر ایک مذہب کی فقہ کی کتابوں میں ہے[3]۔ مسند امام احمد سنن اربعہ موطا وغیرہ میں ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دریا کا پانی پاک ہے[4] اور پانی میں کا مردار جانور مثلاً مچھلی حلال ہے۔ بخاری ترمذی ابن خزیمہ وغیرہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[5]۔ اس حدیث سے ان علماء کے قول کی بڑی تائید ہوتی ہے جو از خود مری ہوئی مچھلی کو حلال کہتے ہیں طعام کی تفسیر اکثر علماء نے اسی از خود مری ہوئی مچھلی کو قرار دیا ہے اور بعضے علماء نے طعام کی تفسیر اُس مچھلی کو قرار دیا ہے جو نمک لگا کر سکھائی جاتی ہے۔ احرام میں جنگلی جانوروں کے شکار کی ممانعت تاکید کے طور پر اس سورہ میں تین جگہ آئی ہے۔ پہلی آیت غیر محلی الصید وانتم حرم میں پھر آیت یایھا الذین امنوا لا تقتلوا الصید وانتم حرم میں اور پھر ان آیتوں میں اور پھر فرمایا کہ اے مسلمانوں اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی سے ڈرو کیونکہ حشر کے دن ہر نیک و بد کی جواب دہی کے لئے تمہیں

[1] سنن ابن ماجہ ص ۲۳۰ باب الرخصۃ فی ذلک اذا لم یصد لہ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۰۲ - ۱۰۳ نیز دیکھئے التعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی ج ۲ ص ۱۹۳ و نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۸ [3] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۰۲-۱۰۳ و نیل الاوطار ج ۹ ص ۲۷ [4] جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۱ باب فی ماء البحر انہ طہور و سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۱ باب الوضوء بماء البحر [5] جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۱ و بلوغ المرام ج ۱ ص ۳ و تلخیص الحبیر ص ۲ -

وَالْقَلَآئِدَ ۚ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

اور گلے میں لٹکن والیاں یہ اس واسطے کہ تم سمجھو کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں

وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٩٧﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَ

اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے جان رکھو کہ اللہ کی مار سخت ہے اور

اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٨﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا

اللہ بخشنے والا مہربان ہے رسول پر ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا اور اللہ کو معلوم ہے

تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿٩٩﴾

جو ظاہر میں کرو گے اور جو چھپا کر۔

اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑا ہونا پڑیگا مسند بزار اور طبرانی کے حوالہ سے معاذ بن جبلؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار باتوں کی جواب دہی کیلئے ہر شخص کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے روبرو دیر تک کھڑا رہنا پڑیگا ایک تو تمام عمر کن کاموں میں صرف کی ہا دوسرے یہ کہ جوانی میں کیا کیا تیسرے یہ کہ روپیہ پیسہ کیونکر کمایا اور کہاں خرچ کیا چوتھے یہ کہ دین کی جو باتیں سیکھیں اُن پر کیا عمل کیا[1]۔ یہ حدیث آیت کے ٹکڑے واتقوا اللہ الذی الیہ تحشرون کی گویا تفسیر ہے احرام حج یا عمرہ کی نیت سے کعبہ میں جانے کے لئے باندھا جاتا ہے۔ اس لئے احرام کے اور احرام کے شکار کے ساتھ کعبہ کا ذکر بھی فرمایا۔ کعبہ کو بندگی کا گھر اس لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو طرح طرح کی بزرگی دی ہے مثلاً ایسی ایک کتنی بڑی بزرگی ہے کہ وہاں کے جانوروں تک کو امن و امان میں رکھا گیا ہے اور کعبہ کی حدود میں شکار کی ممانعت فرمائی گئی ہے کعبہ سے مطلب تمام حرم ہے چنانچہ صحیح حدیثوں میں اس کی صراحت آئی ہے۔ کعبہ کو لوگوں کے قیام کی جگہ اس لئے فرمایا کہ وہاں کے قیام میں دین دنیا کا لوگوں کا فائدہ ہے۔ دین کا فائدہ حج و عمرہ ہے جس سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں دنیا کا فائدہ یہ ہے کہ موسم حج میں طرح طرح کی تجارت میں لوگوں کو نفع ہوتا ہے اسلام سے پہلے عرب میں لوٹ مار بہت رہتی تھی مگر رجب ذی قعدہ ذی الحجہ محرم یہ چار مہینے اُس زمانہ میں بھی امن کے تھے اسی طرح جس قافلہ کے ساتھ قربانی کے جانور ہوں وہ قافلہ بھی امن سے رہتا تھا اسی واسطے امن کے ذکر میں امن کے مہینوں اور قربانی کے جانوروں کا ذکر بھی فرمایا۔ قلائد قربانی کے وہ جانور جن کے گلے میں نشان کیلئے پٹہ ڈالا جاوے۔ اب آگے فرمایا یہ سب انتظام دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس لئے فرمائے تاکہ تم لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ زمین و آسمان میں کوئی چیز اللہ کے علم سے باہر نہیں ہے اسی واسطے ہر چیز کے موجود ہونے سے پہلے اُس نے اپنے علم کے موافق ہر چیز کا مناسب انتظام ٹھہرایا ہے۔ پھر فرمایا ظاہر پوشیدہ نیک بد لوگوں کے سب عمل اللہ کو معلوم ہیں اور نیک بد کی جزا و سزا کا حال اللہ کے رسول نے لوگوں کو اچھی طرح سمجھا دیا ہے اب ہر ایماندار شخص کو یہ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ نافرمانی کے جرم میں جس کسی کی پکڑ ہو گئی تو اللہ تعالیٰ کا عذاب بھی بہت سخت ہے اور جس کسی پر فرمانبرداری کے سبب سے اُس کی رحمت ہو گئی تو اُس کی رحمت بھی بڑی وسیع ہے

[1] الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۹۷

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ

تو کہہ برابر نہیں گندا اور پاک اگرچہ تجھ کو خوش لگے گندے کی بہتایت

فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع

سو ڈرو اللہ سے اے عقل مندو شاید تمہارا بھلا ہو۔

صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ کی پکڑ اور اس کے غضب کا حال کسی فرمانبردار شخص کو اچھی طرح معلوم ہو جاوے تو اس کو جنت کی آرزو ایک دشوار چیز نظر آنے لگے اور اگر کسی نافرمان شخص کو اللہ کی رحمت کا حال اچھی طرح معلوم ہو جاوے تو اس کو اپنی نجات آسان نظر آنے لگے اللہ تعالیٰ کے غصہ اور عذاب کے سخت ہونے اور اس کی رحمت کے وسیع ہونے کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ کی دوسری حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہ بات لکھ رکھی ہے کہ اس کی رحمت اس کے غصہ پر غالب رہے گی مطلب یہ ہے کہ گنہ گار ایماندار وں کو بہ نسبت اس کے غصہ کے اس کی رحمت میں سے زیادہ حصہ ملنے والا ہے۔ یہ حدیث گنہ گار ایمانداروں کے حق میں ایک بڑی خوشخبری کی چیز ہے۔

۱۰۰۔ تفسیر مقاتل بن سلیمان وغیرہ میں اس آیت کی شان نزول کی جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ قبیلہ ربیعہ میں کا ایک شخص شریح بن ہند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ میں آیا اور آپ کی نصیحت سن کر کہنے لگا کہ آپ کی نصیحت تو اچھی ہے لیکن میری قوم میں کچھ سردار لوگ ہیں جن کے مشورہ کے بغیر میں کوئی کام نہیں کرتا میں اپنے وطن پہنچ کر ان سے مشورہ لوں گا اور ان کو بھی اسلام پر آمادہ کروں گا اور شاید تھوڑے دنوں کے بعد ہم سب آن کر داخل اسلام ہو جاویں گے۔ حدیث کی روایت میں اگرچہ ان مقاتل بن سلیمان کو بعضے علماء نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن ایک جگہ اس تفسیر میں یہ گذر چکا ہے کہ ان مقاتل کی تفسیر کو امام شافعیؒ نے معتبر ٹھہرایا ہے۔ یہ شریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہو کر جب اپنے وطن کو جانے لگا تو مدینہ کے جنگل میں سے مسلمانوں کے کچھ اونٹ ہانک کر اپنے ساتھ لے گیا اونٹوں کے لیجانے کی خبر سن کر اگرچہ چند صحابہؓ نے اس کا پیچھا کیا لیکن یہ ہاتھ نہ لگا۔ اس قصہ کے ایک سال کے بعد اس نے حج کے ارادہ سے سفر کیا اس کے ساتھ تجارت کا بہت سا مال تھا اور قربانی کے جانور بھی تھے۔ یہ ایک جگہ گذر چکا ہے کہ اسلام سے پہلے حج کے مشرک لوگ بھی پابند تھے شریح کے اس سفر کا حال سن کر مسلمانوں نے شریح پر حملہ کرنے اور اس کا مال لوٹ لینے کی درخواست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی آپ نے یہ جواب دیا کہ جبکہ شریح کا قصد حج کا ہے اور قربانی کے جانور بھی اس کے ساتھ ہیں تو اس پر حملہ کرنا جائز نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے اس جواب کی تائید میں یہ آیت نازل فرمائی۔ حاصل معنی آیت کے یہ ہیں کہ بے طریقہ مال کے ناجائز طور پر کمانا کا ہے اور ناجائز بہت سا مال جائز طور کے تھوڑے سے مال کی بھی برابری نہیں کر سکتا صحیح بخاری مسلم نسائی ترمذی وغیرہ میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ ناجائز طریقہ سے کمائے ہوئے مال میں سے جو شخص کچھ صدقہ خیرات

۱؎ صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۵۶ باب سعۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ وانہا تغلب غضبہ ۲؎ صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۱۰۱ باب قول اللہ ویحذرکم اللہ نفسہ الخ و صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۵۶ باب سعۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ الخ ۳؎ تفسیر خازن ج ۱ ص ۵۰۰ و ۵۲۰۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَسْـَٔلُواْ عَنْ أَشْيَآءَ إِن تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَإِن تَسْـَٔلُواْ

اے ایمان والو مت پوچھو بہت چیزیں اگر تم پر کھولے تو تم کو بُری لگیں اور اگر پوچھو گے

عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ ٱلْقُرْءَانُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا ٱللَّهُ عَنْهَا ۗ وَٱللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٠١﴾

جس وقت قرآن اترتا ہے تو کھولی جاویں گی اللہ نے ان سے درگذر کی ہے اور اللہ بخشتا ہے تحمل والا

قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِّن قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُواْ بِهَا كَٰفِرِينَ ﴿١٠٢﴾

ویسی باتیں پوچھ چکے ہیں ایک لوگ تم سے پہلے پھر سویرے اُن سے منکر ہوئے ؞

کریگا وہ صدقہ بارگاہ الٰہی میں بالکل نامقبول ہے[1]۔ صحیح مسلم ترمذی میں ابوہریرہؓ کی دوسری حدیث ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ جو کوئی ناجائز طور پر کسی کا کچھ مال دنیا میں لے لیویگا تو عقبیٰ میں اس کی اسی قدر نیکیوں سے اُس مال کا معاوضہ مالک کو دلوایا جاویگا[2]۔ یہ حدیثیں گویا اس آیت کی تفسیر ہیں کیونکہ ان حدیثوں سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ بہت سا ناجائز طریقہ کا کمایا ہوا مال جائز طور کے کمائے ہوئے تھوڑے سے مال کی برابری اس سبب سے نہیں کر سکتا کہ دنیا میں یہ ناجائز مال کسی نیک کام میں کارآمد نہیں ہو سکتا اور عقبیٰ میں اسی مال کی بدولت بہت سی نیکیاں برباد ہو جاویں گی اس واسطے آگے فرمایا کہ ہر ایماندار شخص کو ناجائز کمائی سے بچنا اور خدا سے ڈرنا چاہیئے کہ ایماندار شخص کی نجات کی صورت یہی ہے ؞

۱۰۱-۱۰۲- اگرچہ بخاری ترمذی اور مستدرک حاکم اور مسند امام احمد بن حنبل اور مسند سعید بن منصور اور تفسیر ابن جریر میں جُدا جُدا شان نزول اس آیت کی بیان کی ہے[3] لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس اختلاف کا یہ فیصلہ کیا ہے کہ سب قصوں کی حالت مجموعی پر یہ آیت نازل ہوئی ہے[4] حاصل ان قصوں کا یہ ہے کہ جب حج کی آیت اتری تو بعض صحابہ نے آپ سے پوچھا کہ کیا ہر سال کیلئے حج فرض ہوا ہے آپ نے فرمایا نہیں اور یہ بھی فرمایا کہ اگر میں تمہارے اس سوال کے جواب میں ہاں کہہ دیتا تو حج ہر سال کیلئے فرض ہو جاتا اور ہرگز تم میں طاقت نہ تھی کہ ہر سال کے حج کو تم ادا کر سکتے اور باوجود فرض ہو جانے کے تم ہر سال حج ادا نہ کرتے تو تم تارک فرض ہو جاتے اور آپکو صحابہ کے اس تکلیف شرعی بڑھانیوالے سوال پر غصہ آیا اس لئے آپنے منبر پر چڑھ کر اس طرح کا نصیحت آمیز خطبہ پڑھا کہ لوگوں کو روتے روتے ہچکی لگ گئی اور آپنے منبر پر یہ بھی فرمایا کہ یہ جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم لوگ وہ جانتے ہوتے تو ہنستے کم اور روتے بہت اور یہ بھی فرمایا کہ جو کچھ تم کو پوچھنا ہے پوچھو میں اُس کا جواب دونگا مگر بعضے صحابہ آپ کی غصہ کی حالت کو سمجھ نہ سکے اور فضول باتیں پوچھنے لگے ایک نے پوچھا میں مر کر کہاں جاؤنگا آپنے فرمایا دوزخ میں دوسرے نے کہا میری ماں پر لوگ تہمت دھرتے ہیں آخر میرا باپ کون ہے آپنے فرمایا حذیفہ حضرت عمرؓ آپ کے غصہ کی حالت جھٹ پہچان گئے اور حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر کہا کہ ہم کو اللہ اور اللہ کا کلام اور اللہ کا رسول کافی ہے جس سے حضرت عمرؓ کا مطلب تھا کہ ہم کو فضول باتیں پوچھنے کی ضرورت نہیں حضرت عمرؓ کے اس کلام سے آنحضرت کا غصہ کم ہوا اور اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۹ باب الصدقۃ من کسب طیب و صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۲۶ باب بیان اسم الصدقۃ یقع علی کل نوع من المعروف و جامع ترمذی ج ۱ ص ۸۴ باب ما جاء فی فضل الصدقۃ۔ [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۲۰ باب تحریم الظلم و جامع ترمذی ج ۲ ص ۶۴ باب ما جاء فی شان الحساب والقصاص۔ [3] حافظ ابن کثیر نے ان تمام روایات کو تفسیر ابن کثیر کے ج ۲ ص ۱۰۴-۱۰۶ میں جمع کر دیا ہے [4] فتح الباری ج ۴ ص ۱۷۲۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ

نہیں ٹھہرایا اللہ نے بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حامی اور لیکن

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٣﴾

کافر باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ اور ان میں بہتوں کو عقل نہیں۔

آئندہ کے لئے لوگوں کو اس طرح کے فضول سوالوں سے روک دیا اور خود آنحضرت نے آئندہ اس طرح کے فضول سوالوں سے لوگوں کو پہلی امت کی ہلاکت کا حال جتلا کر روک دیا چنانچہ بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ پہلی امتیں اپنے انبیاء سے فضول سوال کرنے سے غارت ہو گئیں[1] مثلاً یہود نے کھلم کھلا اللہ تعالےٰ کو دیکھنے کا سوال کیا اور بجلی گر کر ہلاک ہو گئے اس لئے تم پوچھا پاچھی چھوڑ دو اور جس کام کو میں کرنے کو کہوں وہ تابمقدور کر لیا کرو اور جس سے منع کروں اس سے باز رہو ابوداؤد اور دارقطنی میں جابرؓ کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سفر کی حالت میں ایک زخمی صحابی کو نہانے کی حاجت ہوئی انہوں نے اپنے ساتھ والے صحابہ سے تیمم کا مشورہ لیا ساتھ والوں نے تیمم کا مشورہ نہیں دیا آخر وہ زخمی صحابی نہائے اور پانی سے زخم کو یہاں تک ضرر پہنچا کہ اس صدمہ سے اُن زخمی صحابی کا انتقال ہو گیا۔ ان لوگوں کے مدینہ پہنچنے کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قصہ سنا تو آپ اُن لوگوں پر بہت خفا ہوئے اور فرمایا انجانی کا علاج یہ ہے کہ آدمی بات پوچھ لیوے تم اگر پوچھتے تو یہی جواب ملتا کہ اُس زخمی شخص کو تیمم کرنا پھر غسل کرنا اور زخم پر پٹی باندھ کر اس پر مسح کر لینا کافی تھا[2] یہ حدیث چند سند سے آئی ہے جس کے سبب سے ایک سند کو دوسری سے تقویت حاصل ہو کر روایت معتبر ہو جاتی ہے یہ حدیث گویا آیت کی تفسیر ہے آیت اور حدیث کو ملا کر یہ مطلب ہوا کہ جس طرح بلاضرورت پوچھ گچھ منع ہے اسی طرح ضرورت کے وقت خاموشی بھی منع ہے۔

١٠٣۔١٠٤۔ مسند سعید بن منصور اور تفسیر ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ اوپر کی آیت میں یہ ذکر جو گذرا کہ لوگ طرح طرح کے سوال آنحضرت سے کرتے تھے اُن سوالوں میں ایک سوال بعضے لوگوں نے ان جانوروں کی بابت بھی کیا تھا جن جانوروں کا اس آیت میں ذکر ہے اُس سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[3] حاصل آیت کا یہ ہے کہ ملت ابراہیمی میں اللہ تعالےٰ نے ان جانوروں کو حرام نہیں فرمایا قریش میں جو یہ رسم ہے کہ بکری یا اونٹنی پانچ جھول جب جن چکے تو اس کے کان چیر کر اس کو اور بتوں کے نام کے سانڈ جانوروں کو اور جس اونٹ کے نطفہ سے دس بچے پیدا ہو چکے ہوں اُس کو ان لوگوں نے حرام ٹھہرا رکھا ہے اور اس حرام ٹھہرانے کو اللہ کا حکم اور ملت ابراہیمی کا ایک مسئلہ جو یہ لوگ گنتے ہیں یہ محض غلط اور اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے بلکہ عمرو بن عامر خزاعی کی ٹھہرائی ہوئی یہ ایک رسم ہے صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا ان جانوروں کے حرام کرنے کی رسم قریش میں عمرو بن عامر نے جاری کی اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اب میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا کہ اس کی انتڑیاں دوزخ کی آگ میں نکلی ہوئی پڑی تھیں

[1] صحیح بخاری ج ٢ ص ١٠٨٢ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعثت بجوامع الکلم [2] سنن ابی داؤد ج ١ ص ٤٩ باب المجدور یتیمم [3] تفسیر ابن جریر ج ٧ ص ٥١۔ در منثور ج ٢ ص ٣٣٦۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا

اور جب کہتے ان کو آؤ اس طرف جو اللہ نے نازل کیا اور رسول کی طرف کہیں ہم کو کفایت ہے جس پر

وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـــًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ (۱۰۴)

پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو بھلا اگر ان کے باپ دادے علم نہ رکھتے ہوں کچھ اور نہ راہ جانتے

اور دوزخ میں جل رہا تھا مسند امام احمد اور طبرانی اور مغازی ابن اسحٰق اور تاریخ محمد بن حبیب میں مرفوع اور موقوف روایتوں کا حاصل یہ ہے کہ ملت ابراہیمی کو چھوڑ کر قریش میں بت پرستی کی رسم اسی عمرو بن عامر نے ڈالی ہے اور حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے زمانہ میں جو بت زمین میں دب گئے تھے شیطان کے بہکانے سے اس نے وہ بت جدہ سے کھود کے لاکر مسجد حرام میں کعبہ کے گرد کھڑے کئے تھے اول اول اسی شخص نے دین ابراہیمی کو بدلا قوم جرہم کے بعد خزاعہ قوم کے حوالہ میں جب بیت اللہ آیا تو اس وقت یہ شخص قوم خزاعہ کا سردار تھا۔ بحیرہ وہ اونٹنی جو پانچ جھول جنے ایسی اونٹنی کے کان چیر کر اس کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ سائبہ وہ اونٹنی جو بیمار کے صحت پانے کی یا کسی اور کام کی نذر میں بتوں کے نام پر چھوڑی جاتی تھی۔ وصیلہ وہ بکری جو سات جھول جن چکی ہو ایسی بکری بھی بتوں کے نام پر چھوڑی جاتی تھی حام وہ اونٹ جس کے نطفہ سے دس بچے پیدا ہوئے ہوں۔ ان جانوروں کے ذکر کے بعد فرمایا ان میں کے اکثر لوگوں کی یہ نادانی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے جانوروں کو پتھر کی مورتوں کے نام پر چھوڑ کر ان جانوروں کے گوشت کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیتے ہیں اور اپنی عقل سے اس کو اللہ کا حکم اور ملت ابراہیمی کا ایک مسئلہ جانتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس طرح کے شرک کا کوئی حکم کسی شریعت میں نازل نہیں فرمایا اس لئے ایسی شرک کی باتوں کو اللہ کا حکم ٹھہرانا اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے ان میں کے اکثر ان نادان پچھلے لوگوں کو فرمایا جو ناسمجھی سے اپنے بڑوں کی بے سند باتوں پر چلتے تھے آگے سورہ انعام میں آئے گا اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ (۶-۱۵۷) جس کا مطلب یہ ہے کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے اور قرآن کے نازل ہونے سے پہلے اہل مکہ یہ آرزو کیا کرتے تھے کہ اہل کتاب کی طرح ہم میں سے بھی کوئی نبی ہو اور ان کی معرفت ہم پر کتاب آسمانی نازل ہو تو ہم اہل کتاب سے بڑھ کر راہ راست پر آویں، عرب کے لوگ بہ نسبت اور قوموں کے اپنے آپ کو زیادہ عقل مند گنتے تھے اس لئے ان کا یہ گمان تھا کہ اگر ان میں کوئی نبی ہو اور کتاب آسمانی نازل ہو تو ان میں اور قوموں سے بڑھ کر ہدایت پھیلے آگے کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا کہ جب ان کی یہ آرزو پوری ہوئی کہ ان میں نبی بھی آئے اور کتاب آسمانی بھی اتری تو ان کی عقل کا یہ حال ہے کہ اپنے بڑوں کی لکیر کے فقیر ہیں۔ نبی کی نصیحت قرآن کی ہدایت کا کچھ اثر ان کے دل پر نہیں ہوتا۔ دنیا کی ہزاروں ایسی مثالیں ان کی آنکھوں کے سامنے ہیں کہ معاملات دنیا میں کسی نقصان کا سامنا بڑوں کی چال پر ہوتا ہو تو کوئی چھوٹا ایسے موقعہ پر بڑے کی چال پر نہیں چلتا پھر دین میں کیا ان لوگوں کو اتنی سمجھ نہیں کہ اگر ان کے بڑے صاحب عقل اور دین کا راستہ جاننے والے ہوتے تو ایسی بے سند باتوں کو ملت ابراہیمی کیوں ٹھہراتے۔ صحیح بخاری و مسلم کی ابو موسیٰ اشعری کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں

۱؎ صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹۹ باب قصہ خزاعہ ۲؎ فتح الباری ج ۳ ص ۹۰ باب قصہ خزاعہ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ ۖ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ

اے ایمان والو تم پر لازم ہے فکر اپنی جان کا تمہارا کچھ نہیں بگاڑتا جو کوئی بہکا جب تم ہوئے راہ پر

إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٠٥﴾

اللہ پاس پھر جانا ہے تم سب کو پھر وہ جتا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نصیحت کی مثال بارش کی اور لوگوں کی مثال اچھی اور بُری زمین کی فرمائی ہے[1] یہ حدیث آیت کی گویا تفسیر ہے آیت اور حدیث کو ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ اگرچہ جس طرح مینہ اچھی اور بُری سب زمین پر یکساں برستا ہے اسی طرح اللہ کے رسول کی معرفت قرآن کی نصیحت نیک و بد سب لوگ سنتے ہیں مگر جس طرح مینہ کے اثر سے بُری زمین بے ثمر رہتی ہے اسی طرح علم الٰہی میں جو لوگ بد قرار پا چکے ہیں وہ قرآن کی نصیحت سے یوں ہی بے ثمرہ رہتے ہیں جس طرح قریش کے بے بہرہ رہنے کا ذکر اس آیت میں ہے کہ وہ نہ اچھی بُری بات کو پہچانتے ہیں نہ اچھے بُرے باپ دادا کو۔ بلکہ بالکل اندھوں کی طرح اپنے بڑوں کی لکیر کے فقیر ہیں۔

۱۰۵۔ اوپر ذکر تھا کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جو باوجود وعظ و نصیحت کے بھی راہ راست پر نہیں آتے اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ جو لوگ اپنی ذات سے حلال حرام کے پابند ہیں اور اپنے بس کے موافق دوسروں کو وعظ و نصیحت بھی کرتے رہتے ہیں تو ایسے لوگوں کو بدلوگوں کی بدی سے کچھ ضرر نہیں پہنچ سکتا ہاں جو علماء اور نیک لوگ بدکار لوگوں سے میل جول پیدا کر کے وعظ و نصیحت بالکل چھوڑ بیٹھیں گے اُن سے اس بات کی پرسش ہوگی کہ انہوں نے وعظ و نصیحت کے احکام کی تعمیل میں بے پروائی کیوں کی معتبر سند سے مسند امام احمد ترمذی و ابن ماجہ میں حذیفہ بن الیمانؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا ہے کہ جس بستی کے تمام علماء وعظ نصیحت کو بالکل چھوڑ دیں گے تو اُن بستی کے سب لوگوں پر کوئی آفت دینی یا دنیوی ضرور آوے گی[2] صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ خلاف شریعت بات کی اصلاح ایمان کی نشانی ہے مسند امام احمد و سنن اربعہ صحیح ابن حبان وغیرہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قصہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر سب لوگوں کو یہ بات سمجھائی ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں وعظ و نصیحت کا حکم بھی شامل ہے یہ معنی آیت کے ہرگز نہیں ہیں کہ ایک بستی کے تمام علماء اپنی ذات سے حلال و حرام کے پابند رہیں اور وعظ و نصیحت کی بالکل پرواہ نہ کریں ترمذی نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اس قصہ کی روایت کو صحیح کہا ہے[3] حاصل کلام یہ ہے کہ ان صحیح حدیثوں کی بنا پر صحیح تفسیر آیت کی یہی ہے کہ آیت کے ٹکڑے اذا اھتدیتم کے معنے میں وعظ نصیحت بھی شریک ہے اور مطلب آیت کا وہی ہے جو حضرت ابوبکرؓ نے منبر پر چڑھ کر لوگوں کو سمجھایا ہے اور سب صحابہ نے اس مطلب کو تسلیم کیا ہے سلف میں سے جن علماء کا قول اس مطلب صدیقی کے برخلاف ہے ظاہراً انکا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ وعظ و نصیحت فرض کفایہ ہے بستی کے ہر ایک عالم پر اس کی

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸ باب فضل من علم وعلم [2] مشکوٰۃ شریف ص ۴۳۶ باب الامر بالمعروف ۱۲

[3] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۳۱ کتاب التفسیر و سنن ابن ماجہ ص ۲۹۸ باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر ۱۲

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ

اے ایمان والو گواہ تمہارے اندر جب پہنچے تم میں کسی کو موت جب لگے

الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ

وصیت کرنے دو شخص معتبر چاہئیں تم میں سے یا دو اور ہوں تمہارے سوا اگر تم نے

ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ

سفر کیا ہو ملک میں پھر پہنچے تم پر مصیبت موت کی دونوں کو کھڑا کرو

بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ

بعد نماز کے پھر وہ قسم کھاویں اللہ کی اگر تم کو شبہ پڑے کہ ہم نہیں بیچتے قسم مال پر اگرچہ کسی

ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى

کو ہم سے قرابت ہو اور ہم نہیں چھپاتے اللہ کی گواہی نہیں تو ہم گنہگار ہیں پھر اگر خبر ہو جائے کہ

پابندی ضرور نہیں ہے بلکہ بستی کے بعضے عالموں کے اس پر عمل کرنے سے باقی عالم بری الذمہ ہو جاویں گے یہ منشا تو مطلب صدیقی کے برخلاف نہیں ہے لیکن اس کے علاوہ آیت کی تفسیر کسی اور ڈھنگ سے کیجاوے گی تو وہ تفسیر ان آیتوں اور حدیثوں کے برخلاف ٹھہرے گی جن میں وعظ نصیحت کی تاکید ہے انہی وجوہات سے حافظ ابو جعفر ابن جریر نے اور تفسیروں پر اس تفسیر کو ترجیح دی ہے جو مطلب صدیقی کے موافق ہے[1] آخر آیت میں وعظ نصیحت کرنے والوں اور وعظ نصیحت کے نہ ماننے والوں سب کو یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ تم سب کو ایک دن اپنے عملوں کی جواب دہی اور جزا و سزا کے لئے اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑا ہونا پڑیگا اس کا خیال ہر ایک کو رکھنا چاہئے تاکہ عین وقت پر پچھتانا نہ پڑے۔

۱۰۶-۱۰۸- ترمذی، ابوداؤد، تفسیر ابن جریر وغیرہ میں امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ دو شخص نصرانی اور ایک شخص مسلمان ملک شام کی طرف تجارت کی غرض سے سفر کو گئے اور وہ مسلمان شخص بیمار ہو کر جب قریب المرگ ہو گیا تو اس نے اپنے مال کی ایک فہرست لکھ کر مال کی گٹھڑی میں رکھ دی اور وہ گٹھڑی ان دونوں نصرانیوں کو دے کر یہ وصیت کی کہ تم یہ گٹھڑی میرے وارثوں کو دے دینا اس مال میں ایک چاندی کا کٹورا سونے کے ملمع کا بھی تھا وہ کٹورا ان نصرانیوں نے اس مال میں سے نکال کر باقی کا مال اس مسلمان کے وارثوں کو دے دیا اس کٹورے کے نکالتے وقت ان نصرانیوں کی نظر اس فہرست پر نہیں پڑی اس مسلمان شخص کے وارثوں نے جب مال کی گٹھڑی اچھی طرح کھولی تو وہ فہرست ان کی نظر پڑی اور فہرست کے موافق وہ کٹورا مال میں نظر نہ آیا مسلمان شخص کے وارثوں نے اس کٹورے کا دعوے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نصرانیوں کو قسم دی۔ انہوں نے قسم کھائی کہ جو مال اس مسلمان شخص نے مرتے وقت ہم کو دیا تھا ہم نے وہ سب مال اس کے وارثوں کے حوالہ کر دیا پھر وہ کٹورا ایک سنار کے پاس سے نکلا اور اس مسلمان شخص کے وارثوں نے قسم کھائی کہ

[1] تفسیر ابن جریر ج ۷ ص ۶۰۔

أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّا إِثْمًا فَآخَرَانِ يَقُومَانِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ

وہ دونوں حق دبا گئے گناہ سے تو دو اور کھڑے ہوں ان کی جگہ کہ جن کا حق دبا ہے

عَلَيْهِمُ الْأَوْلَيَانِ فَيُقْسِمَانِ بِاللَّهِ لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا

ان میں جو بہت نزدیک ہیں پھر قسم کھادیں اللہ کی کہ ہماری گواہی تحقیق ہے اس کی گواہی سے اور ہم

اعْتَدَيْنَا إِنَّا إِذًا لَمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۰۷﴾ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ

نے زیادہ نہیں کیا اور کیا تو ہم بے انصاف ہیں اس میں لگتا ہے کہ شہادت ادا کریں

عَلَىٰ وَجْهِهَا أَوْ يَخَافُوا أَنْ تُرَدَّ أَيْمَانٌ بَعْدَ أَيْمَانِهِمْ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاسْمَعُوا

راہ پر یا ڈریں کہ الٹی پڑے گی قسم ہماری ان کی قسم کے بعد اور ڈرتے رہو اللہ سے اور سن رکھو

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿۱۰۸﴾

اور اللہ راہ نہیں دیتا بے حکم لوگوں کو۔

وہ کٹورا ان کے مورث کا تھا جس سے اس کٹورے کی قیمت ان نصرانیوں سے مسلمان شخص کے وارثوں کو دلائی گئی اس قصہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اگرچہ ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے[1] لیکن ابن جریر کی سند معتبر ہے[2] علاوہ اس کے یہ روایت علی بن مدینی کے قول کے حوالہ سے صحیح بخاری میں بھی ہے[3]۔ علی بن مدینی نے یہ جو کہا ہے کہ اس روایت کی سند میں ایک راوی ابن ابی القاسم نامعلوم الحال ہے۔ یہ ابن ابی القاسم محمد بن ابی القاسم ہے جس کو یحییٰ بن معین اور ابوحاتم نے ثقہ کہا ہے[4] جس سے ابن ابی القاسم کے نامعلوم ہونیکا شبہ رفع ہو گیا۔ حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ کوئی مسلمان قریب المرگ حالت سفر میں جب اپنے وارثوں سے دور ہو اور اس کے پاس کچھ مال بھی ہو تو اس کو چاہئے کہ اس مال کو وارثوں تک پہنچانے کے لئے دو مسلمانوں کو وصی اور وصیت کا گواہ کر دیوے۔ اگر یہ سفر ایسی سرزمین کا ہو جہاں مسلمان وصی نہ ملیں تو وصی کے لئے پھر اسلام کی شرط باقی نہ رہوے گی اس کے بعد وصی لوگوں کے بیان پر وارثوں کو کچھ اعتراض نہ ہوگا تو ان دونوں شخصوں کے بیان پر فیصلہ ہو جاویگا کیونکہ دونوں شخص وصی بھی ہیں اور وصیت کے گواہ بھی ہیں اور اگر میت کے وارثوں کو وصیت کے گواہوں کے حق میں کچھ بدظنی پیدا ہو جاوے تو ان وصیت کے گواہوں کو یہ حلف دیا جاویگا کہ وصیت کے باب میں ان کا بیان صحیح ہے اس حلف کے بعد بھی میت کے وارث اگر اپنی حق تلفی بیان کریں گے تو ان وارثوں سے گواہانِ وصیت کے خلاف بیانی کے ثبوت میں کچھ شہادت ہوگی تو وہ لیجاوے گی ورنہ گواہان وصیت کے خلاف بیانی پر میت کے وارثوں سے حلف لیا جا کر اسی پر فیصلہ اخیر صادر ہو جاوے گا۔ جو علماء مدعی اور گواہوں سے قسم لینے کے مخالف ہیں انہوں نے وصی لوگوں سے قسم لینے میں طرح طرح کے شبہات کئے ہیں لیکن حقیقت میں یہ فریقین کا حلف اسی طرح کا ہے جس طرح لعان کے مسئلہ میں فریقین کو حلف دیا جاتا ہے۔ لعان کے

[1] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۳۲ کتاب التفسیر [2] تفسیر ابن جریر ج ۷ ص ۷۰ [3] صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۰۹ آخر کتاب الوصایا و فتح الباری ج ۳ ص ۱۴۴ [4] تہذیب ج ۹ ص ۴۰۸ و مقدمہ فتح الباری ج ۲ ص ۱۶۳۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ

جس دن اللہ جمع کرے گا رسول پھر کہے گا تم کو کیا جواب دیا بولیں گے ہم کو خبر نہیں تو

اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝۱۰۹

ہی چھپی بات جانتا ہے۔

مسئلہ کی تفصیل سورۃ النور میں آوے گی جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی میاں اپنی بی بی پر بدکاری کی تہمت لگادے اور گواہ نہ ہوں تو مرد پر ثبوت دعوی کی غرض سے اور عورت پر برات کی غرض سے قسم آتی ہے من بعد الصلوٰۃ کی تفسیر جن علماء نے عصر کی نماز کے بعد کی لکھی ہے وہ صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ صحیح بخاری وغیرہ میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد کی جھوٹی قسم کو خوفناک اور اللہ تعالٰی کی نظر رحمت سے دور ہوجانیکا سبب فرمایا ہے[1] آگے فرمایا یہ وارثوں کی قسم کا حکم اس لئے ہے کہ وصیت کے گواہوں کو یہ خوف رہے کہ وارثوں کی قسم کے آگے اُن کی قسم جھوٹی ٹھہر کر اُن کی رسوائی نہ ہو اور یہ بھی فرمایا کہ عام مسلمانوں کو جھوٹی قسم سے اور شریعت میں اور منا ہی کی جو باتیں ہیں اُن سے بچنا اور اللہ تعالٰی کے عذاب سے ڈرنا اور احکام الٰہی کو فرمانبرداری کی نیت سے سُننا چاہئے اس نصیحت کے بعد بھی جو کوئی نافرمانی کریگا تو اللہ تعالٰی ایسے نافرمان لوگوں کو زبردستی راہ راست پر لانا نہیں چاہتا کس لئے کہ دنیا انتظام الٰہی کے موافق امتحان کی جگہ ہے زبردستی کی جگہ نہیں ہے۔ معتبر سند سے ابوداؤد میں ابوموسیٰ اشعریؓ کا ایک قصہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کوفہ کا رہنے والا ایک مسلمان شخص حالت سفر میں جب مرنے لگا تو اس نے اہل کتاب میں سے دو شخصوں کو اپنی وصیت کا گواہ قرار دیا۔ ابوموسیٰ اشعریؓ کوفہ کے حاکم تھے اس لئے یہ مقدمہ اُن کے رُوبرو پیش ہُوا اور انہوں نے اس آیت کے موافق گواہوں سے قسم لے کر مقدمہ کا فیصلہ کر دیا[2]۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعضے مفسروں نے اس آیت کو منسوخ العمل جو قرار دیا ہے یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ آیت اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منسوخ ہوجاتی تو پھر صحابہ کے زمانہ تک اسکا عمل کیونکر باقی رہتا۔ اور ابوموسیٰ اشعریؓ کے فیصلہ کو سب صحابہ کیونکر تسلیم کرتے۔

۱۰۹۔ اوپر ذکر تھا کہ طرح طرح کی نصیحت کے بعد بھی جو لوگ اللہ کے رسولوں کی فرمانبرداری نہ کریں گے اور اُن کی نصیحت کے موافق احکام الٰہی کو نہ مانیں گے تو دنیا میں اللہ تعالٰی ایسے لوگوں کو زبردستی راہ راست پر لانا نہیں چاہتا۔ اس آیت میں ایسے لوگوں کا عقبیٰ کا حال یوں ذکر فرمایا کہ ان کی نافرمانی کے سبب سے اللہ کے رسول ان کی فرمانبرداری کی شہادت ادا نہ کرینگے بلکہ اللہ عالم الغیب کے علم پر ایسے لوگوں کی حالت کو اسلئے سونپ دیویں گے کہ ان نافرمانوں میں زبانی فرمانبردار دلی نافرمان بھی ہوں گے جن کو منافق کہتے ہیں جن کے دل کا حال بجز اللہ تعالٰی کے کسی کو معلوم نہیں۔ اور بعضے ایسے بھی ہوں گے جو رسول کی وفات کے بعد دین سے پھر گئے غرض امت کے سب لوگوں کا تفصیلی حال اللہ ہی کو معلوم ہے اس واسطے اللہ کے رسول امت کی فرمانبرداری کی حالت کو اللہ کے علم پر سونپ دیویں گے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انس بن مالکؓ

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶۷ باب الیمین بعد العصر۔

[2] سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۵۰۷ باب شہادۃ اہل الذمۃ فی الوصیۃ فی السفر۔

إِذْ قَالَ اللَّهُ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ إِذْ

ب کہے گا اللہ اے عیسٰے مریم کے بیٹے یاد کرو میرا احسان اپنے اوپر اور اپنی ماں پر جب

أَيَّدْتُكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَإِذْ عَلَّمْتُكَ

مدد کی میں نے تجھ کو روح پاک سے تو کلام کرتا لوگوں سے گود میں اور بڑی عمر میں اور جب سکھائی میں نے

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيلَ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ

تجھ کو کتاب اور پکی باتیں اور توارت اور انجیل اور جب تو بناتا مٹی سے جانور کی

كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنْفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ

مورت میرے حکم سے پھر دم مارتا پھونکتا اس میں تو ہو جاتا جانور میرے حکم سے اور چنگا کرتا ماں کے پیٹ کے اندھے

اور سہل بن سعدؓ وغیرہ کی حدیثیں گذر چکی ہیں کہ بعضے لوگوں کو حوض کوثر پر سے ہٹا دیا جاویگا یہ حالت دیکھ کر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں سے کہیں گے کہ یہ لوگ تو فرمانبرداروں میں سے ہیں تو فرشتے جواب دیں گے کہ آپ کی وفات کے بعد یہ لوگ فرمانبرداری پر قائم نہیں رہے یہ حدیثیں اور اس قسم کی اور حدیثیں آیت کی تفسیر ہیں جن سے ساری امت کی حالت کو اللہ کے علم پر سونپے جانے کا حال اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔

۱۱۰-۱۱۱- اوپر ذکر تھا کہ ہر امت کے نافرمان لوگوں کو قائل کرنے کیلئے قیامت کے دن اللہ تعالی سب رسولوں سے پوچھے گا کہ تم نے جو اپنی اپنی امتوں کو اللہ کی وحدانیت اور اس کے خالص عبادت کرنے کے احکام پہنچائے تو انہوں نے اُن احکام پر کیا عمل کیا۔ ان آیتوں میں یہود و نصاری کے قائل کرنے کیلئے خاص طور پر عیسٰے علیہ السلام اور مریم علیہا السلام کا ذکر فرمایا پیدا ہوتے ہی حضرت مریمؑ کی گود میں عیسٰی علیہ السلام نے جو لوگوں سے باتیں کیں اُس کا ذکر سورہ مریم میں آوے گا جسکا حاصل یہ ہے کہ بغیر باپ کے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش کا حال دیکھ کر جب لوگوں نے حضرت مریم کو طرح طرح سے اولاہنا دینا شروع کیا تو حضرت مریم علیہ السلام نے اس اولاہنے کا جواب دینے کا اشارہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طرف کیا اس پر وہ اولاہنا دینے والے لوگ بڑے تعجب سے کہنے لگے کہ گھڑی دو گھڑی کے پیدا ہوئے بچے سے ہم کیا بات چیت کریں گے لیکن حضرت عیسٰی علیہ السلام نے معجزہ کے طور پر فوراً اُن لوگوں کو سمجھا دیا کہ میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں اور اس کا رسول ہونے کے سبب سے جس طرح اُس نے اپنی قدرت سے مجھ کو یہ معجزہ دیا ہے کہ خلاف عادت پیدا ہوئے ہی میں تم سے باتیں کر رہا ہوں اسی طرح یہ بھی اُس کی قدرت کا ایک نمونہ اور میرے نبی ہونے کا ایک معجزہ ہے کہ اُس نے مجھ کو بغیر باپ کے پیدا کر دیا اس قصہ کو یاد دلا کر نصاری کو یوں قائل کرنا منظور ہے کہ عیسٰی علیہ السلام کے منہ سے جو بات پہلے پہل نکلی وہ یہ تھی کہ میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں اور ان کی امت کا یہ حال ہے کہ کچھ لوگ اُن کو اللہ کہتے ہیں اور کچھ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں روح القدس جبرئیل علیہ السلام کا نام ہے جبرئیل علیہ السلام حضرت عیسٰی علیہ السلام کی حفاظت اور ہر طرح کی مدد کے لئے ہر وقت اُن کے ساتھ رہتے تھے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس چھوٹی سی عمر میں جنت کے

ل صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷۴ کتاب الحوض و صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۵۲ باب اثبات حوض نبینا صلی اللہ علیہ وسلم وصفاتہ

وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِیْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِیْۤ

اور کوڑھی کو میرے حکم سے اور جب نکال کھڑے کرتا مُردے میرے حکم سے اور جب روکا میں نے

اِسْرَآءِیْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ

بنی اسرائیل کو تجھ سے جب تو لایا ان پاس نشانیاں تو کہنے لگے جو کافر تھے ان میں سے

اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۱۰﴾ وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَى الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا

اور کچھ نہیں یہ جادو ہے صریح اور جب میں نے دل میں ڈالا حواریوں کے کہ یقین لاؤ

بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ

مجھ پر اور میرے رسول پر بولے ہم یقین لائے اور تو گواہ رہ کہ ہم حکم بردار ہیں جب کہا حواریوں نے

یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ

اے عیسٰے مریم کے بیٹے تیرے رب سے ہو سکے کہ اتارے ہم پر خوان بھرا آسمان سے

میووں کے آنیکا اور اُن کو اُس زمانہ کی عورتوں میں افضل ٹھہرانے کا ذکر سورہ آل عمران میں گذر چکا ہے اسی طرح کے اللہ تعالیٰ کے بہت سے احسان حضرت مریمؑ پر ہیں اُنہی احسانات کا ذکر مبہم طور پر ان آیتوں میں ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ اس برگزیدہ بی بی کو یہود جو الزام لگاتے ہیں وہ بالکل غلط ہے انجیل کے ذکر اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کے معجزات کے ذکر سے یہود کو یوں قائل کرنا منظور ہے کہ جس طرح تورات موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی جس میں عیسٰی علیہ السلام کی نبوت اور انجیل کا ذکر ہے اُسی طرح اور اُسی کے موافق انجیل عیسٰی علیہ السلام پر نازل ہوئی اور جس طرح موسٰے علیہ السلام کے معجزات کا ظہور ہوا اُسی طرح عیسٰے علیہ السلام سے ہوا باوجود اس کے یہود کی یہ بڑی قابل سزا نافرمانی ہے کہ انہوں نے عیسٰی علیہ السلام کی نبوت کو اور انجیل کو نہ مانا اور عیسٰی علیہ السلام کے معجزات کو جادو بتلایا حضرت عیسٰی علیہ السلام کے معجزات کی تفسیر اور حواریوں کے حال کی تفسیر سورہ آل عمران میں گذر چکی ہے اور یہود نے عیسٰی علیہ السلام کے قتل کا جو ارادہ کیا اور اُن کے اس ارادہ کو اللہ تعالیٰ نے روکا اُس کا ذکر سورہ النساء میں گذر چکا ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے انس بن مالکؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن بہ نسبت اور انبیاء کے میرے پیرو لوگوں کی تعداد زیادہ ہو گی[1] یہ حدیث ان آیتوں کی اور اوپر کی آیت کی گویا تفسیر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر امت کے فرمانبردار اور نافرمان لوگوں کی جانچ جو قیامت کے دن ہو گی اُس جانچ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے فرمانبردار لوگوں کی تعداد اور امتوں کے فرمانبردار لوگوں سے بڑھی ہوئی نکلے گی ؛

۱۱۲-۱۱۵- اوپر اُن احسانات کا ذکر تھا جو احسانات عیسٰی علیہ السلام اور ان کی ماں مریم علیہا السلام پر اللہ تعالیٰ نے فرمائے انہی احسانات میں سے ایک احسان کا ذکر ان آیتوں میں ہے جو احسان اللہ تعالیٰ نے عیسٰی علیہ السلام پر فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ عیسٰی علیہ السلام کے حواریوں نے عیسٰی علیہ السلام سے یہ خواہش کی کہ وہ کھانے کا بھرا ہوا ایک خوان آسمان سے اترنے

[1] صحیح مسلم ج ا ص ۱۱۲ باب اثبات الشفاعۃ واخراج الموحدین من النار۔

قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۱۱۲) قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا

بولا ڈرو اللہ سے اگر تم کو یقین ہے بولے ہم چاہتے ہیں کہ کھاویں اس میں سے اور

وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ (۱۱۳)

چین پاویں ہمارے دل اور ہم جانیں کہ تو نے ہم کو سچ بتایا اور رہوں ہم اس پر گواہ

الربع

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ

بولا عیسٰی مریم کا بیٹا اے اللہ ہمارے اتار ہم پر خوان بھرا آسمان سے

تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ

کہ وہ دن عید رہے ہمارے پہلوں اور پچھلوں کو اور نشانی تیری طرف سے اور روزی دے ہم کو اور تو بہتر

الرّٰزِقِيْنَ (۱۱۴) قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ

رزق دینے والا ہے کہا اللہ نے میں اتاروں گا وہ خوان تم پر پھر جو کوئی تم میں ناشکری کرے اس سے پیچھے تو

کی دعا اللہ تعالیٰ کی جناب میں کریں۔ قرآن شریف میں جس قدر مطلب ہے وہ یہی ہے کہ عیسٰی علیہ السلام نے اس خوان کے آسمان سے اترنے کی دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اس شرط سے اس خوان کے اتارنے کا وعدہ فرمایا کہ خوان کے اترنے کے بعد اگر اللہ تعالیٰ کے اس احسان کی شکر گذاری پورے طور پر ان لوگوں سے ادا نہ ہو سکی تو ان لوگوں پر سخت عذاب آجاوے گا۔ تابعیوں میں سے مجاہد اور حسن بصری کا قول تو یہ ہے کہ اس شرط کو سخت جان کر پھر ان لوگوں نے خوان کے اترنے کی خواہش چھوڑ دی اس لئے وہ خوان نہیں اترا۔ باقی کے سب سلف کا یہ قول ہے کہ وہ خوان اترا[1] اس میں طرح طرح کے کھانے تھے اور یہ حکم تھا کہ ان کھانوں میں سے کوئی کھانا دوسرے دن کے لئے اٹھا کر نہ رکھا جاوے جن لوگوں نے اس حکم کی پابندی نہیں کی ان پر یہ عذاب آیا کہ ان کی اصلی صورت بدل کر سور اور بندر کی سی صورت ہو گئی اور پھر تین دن کے بعد وہ سب ہلاک ہو گئے۔ صحابہ کے قول تو اس خوان کے اترنے کے باب میں بہت ہیں لیکن ترمذی میں عمار بن یاسرؓ کی ایک حدیث بھی اسی مضمون کی ہے جس کو عمار بن یاسرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کی روایت کے بعد کہا ہے کہ سوائے ایک[2] راوی حسن بن قزعہ کے اور کسی راوی نے اس حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچایا[2]۔ تقریب میں حسن بن قزعہ کو صدوق[3] لکھا ہے اس لئے حسن بن قزعہ کی روایت کو بالکل نامعتبر نہیں کہا جا سکتا۔ اس تفسیر کے مقدمہ میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ تفسیر کے باب میں صحابی کا قول بھی حدیث نبوی کے برابر ہے اس قرارداد کی بنا پر صحابہ کی ایک جماعت کے قول سے عمار بن یاسرؓ کی حدیث کو اور بھی تقویت ہو جاتی ہے۔ اصلی انجیل کا تو پتہ نہیں اور انجیل کے ترجموں میں اس قصہ کا کہیں ذکر نہیں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجاہد اور حسن بصری کے قول کی طرح نصرانی سلف کا خیال بھی یہی تھا کہ وہ خوان نہیں اترا اسی واسطے ترجموں

---

[1] حافظ ابن کثیرؒ نے تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۱۶ – ۱۱۹ میں تمام اقوال جمع کر دئے ہیں۔

[2] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۳۲ کتاب التفسیر [3] تقریب ص ۱۰۶۔

فَاِنِّیْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۱۵﴾ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ

میں اس کو وہ عذاب کروں گا جو نہ کروں گا کسی کو جہان میں اور جب کہے گا اللہ

یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ

اے عیسے مریم کے بیٹے تو نے کہا لوگوں کو کہ ٹھہراؤ مجھ کو اور میری ماں کو دو معبود

دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ

سوائے اللہ کے کہا تو پاک ہے مجھ کو نہیں بن آتا کہ کہوں جو مجھ کو نہیں پہنچتا

اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ

اگر میں نے یہ کہا ہوگا تو تجھ کو معلوم ہوگا تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو

ع ٥ — وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

میں انہوں نے اس کا ذکر چھوڑ دیا۔ یہ تو اوپر گذر چکا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواری پکے ایماندار تھے اس لئے اُن کی یہ خوان کی اترنے کی خواہش اس سبب سے نہیں تھی کہ ان کو اللہ کی قدرت میں یا عیسے علیہ السلام کی نبوت میں کچھ شک و شبہ تھا بلکہ حواریوں کی یہ خواہش اُس قسم کی تھی جس طرح مردہ کے اپنی آنکھوں کے سامنے زندہ ہونے کی خواہش حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کی تھی جس کا قصہ سورہ بقرہ میں گذر چکا ہے لیکن ظاہری اسباب کو چھوڑ کر خلاف عادت اللہ کی قدرت کو آزمانا بندہ کو نہیں پہنچتا اسی لئے عیسے علیہ السلام نے حواریوں کو ہدایت کی کہ اس خواہش سے پرہیز کرنا اور خدا کا خوف کرنا ایماندار آدمی کا شیوہ ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے قصہ میں صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث گذر چکی ہے[1] جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حالت شک کا انکار فرمایا ہے[2] وہی حدیث حواریوں کی حالت کی گویا تفسیر ہے کیونکہ ان آیتوں میں اللہ تعالےٰ نے حواریوں کی خواہش کی کچھ مذمت نہیں فرمائی اب یہ ظاہر ہے کہ اُن کی خواہش قدرت الٰہی میں شک کے پیدا ہونے سے ہوتی تو بڑی مذمت کے قابل ایک حالت تھی ؛

۱۱۶ – ۱۲۰۔ یہاں سے آخر سورہ تک اللہ تعالےٰ نے نصاریٰ کے الزام دینے اور قائل کرنے کو یہ آیتیں نازل فرمائی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ جب تک حضرت عیسے علیہ السلام دنیا میں رہے نصاریٰ کو توحید سکھاتے رہے اور نگرانی کرتے رہے کہ سوا توحید کے اور کوئی بدعت اور نئی بات اُن کی امت میں پیدا نہ ہو اُن کے آسمان پر چلے جانے کے بعد تثلیث اور شرک کی باتیں جو نصاریٰ نے اپنے دین میں پھیلائیں اور اُن باتوں کو اللہ کا حکم اور حضرت عیسے علیہ السلام کی تعلیم خیال کرتے ہیں اور باوجودیکہ اللہ تعالےٰ نے نبی آخر الزمان کو دنیا میں اس قسم کی خرابیاں رفع کرنے کی غرض سے بھیجا اور نبی آخر الزمان نے نصاریٰ کے علماء اور بڑے بڑے پادریوں سے بحث کی اور اُن کو قائل کیا اور باوجودیکہ حضرت عیسے علیہ السلام کی وصیت تھی کہ انکی امت کے سب لوگ نبی آخر الزمان کی پوری اطاعت کریں لیکن نصاریٰ نے نہ ان کفر کی باتوں کو چھوڑا جو حضرت عیسے کے بعد انہوں نے دین عیسوی میں ایجاد کر لی تھیں اور نہ نبی آخر الزمان کی اطاعت قبول کی اس لئے نصاریٰ کی اس غلطی کو

[1] جلد اول ص ۲۰۳۔ [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۷۷ کتاب الانبیاء و صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۶۵ باب من فضائل ابراہیم الخ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۱۵

نَفْسِكَ ۚ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿١١٦﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ

تیرے جی میں ہے برحق تو ہے جانتا چھپی بات میں نے نہیں کہا ان کو مگر جو تو نے حکم کیا

أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۖ

کہ بندگی کرو اللہ کی جو رب ہے میرا اور تمہارا اور میں ان سے خبردار تھا جب تک ان میں رہا

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

پھر جب تو نے مجھے پھیر لیا تو تو ہی تھا خبر رکھتا اُن کی اور تو ہر چیز سے

شَهِيدٌ ﴿١١٧﴾ إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ

خبردار ہے اگر تو ان کو عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف کرے تو تو ہی ہے

تمام خلقت الٰہی پر ظاہر ہو جانے کی غرض سے تمام خلقت کے مجمع میں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حضرت عیسٰیؑ سے پوچھے گا کہ اے عیسٰیؑ کیا تم نے اپنی امت کے لوگوں کو اس تثلیث کی تعلیم دی تھی حضرت عیسٰیؑ صاف جواب دینگے کہ میں نے تو اُن کو توحید کی تعلیم دی تھی اور جب تک میں دنیا میں رہا اُن کو توحید کی تاکید کرتا رہا میرے پیچھے انہوں نے یہ تثلیث ایجاد کر لی ہے اور بلاشک یہ فعل انکا لائق عذاب ہے اب یا اللہ تو مالک ہے کہ ان پر عذاب کرے یا اپنی رحمت سے ان کی مغفرت کر دے اگرچہ اسمٰعیل سدی کبیر نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰیؑ کو زمین پر سے آسمان پر اٹھالیا اور حضرت عیسٰیؑ کے بعد ان کی امت میں یہ تثلیث کا مسئلہ پھیلا اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ سوال حضرت عیسٰیؑ سے کیا تھا قیامت کے دن کا یہ سوال نہیں ہے لیکن قتادہؓ نے اس کو رد کیا ہے اور کہا ہے کہ ان آیات میں آگے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "آج کے دن سچوں کو اُن کا سچ نفع دیگا" یہ قیامت کے دن کا حال ہے[1] قتادہ اہل مدینہ سے ہیں اور سعید بن جبیر کے واسطے سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں اور سدی نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے تفسیر میں روایت کی ہے اور سلف اہل تفسیر کے نزدیک یہ بات قرار پا چکی ہے کہ صحابہ میں سے عبداللہ بن عباسؓ کا قول تفسیر کے باب میں بہ نسبت دوسروں کے زیادہ مقبول ہے اس واسطے قتادہؓ کے قول کو زیادہ ترجیح ہے مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ ایک رات آنحضرتؐ صبح تک اس آیت کو نماز میں پڑھتے رہے اِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ابوذرؓ کہتے ہیں صبح کو میں نے آنحضرتؐ سے ایک ہی آیت کے نماز میں پڑھنے کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا اس آیت کو گھڑی گھڑی پڑھ کر میں نے اللہ سے شفاعت کی التجا کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے میری التجا قبول کر لی ہے انشاء اللہ میری امت میں سے جو شخص بغیر شرک کی حالت کے مریگا اُس کو میری شفاعت نصیب ہوگی[2] دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری التجا قبول کرنے میں مجھ کو وہ بشارت دی ہے کہ اگر لوگوں کو وہ بشارت معلوم ہو جاوے تو لوگ نماز روزہ چھوڑ کر اُسی بشارت کو اپنے حق میں اپنی

[1] اس بحث کے لئے دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۲۰

[2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۲۱۔

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۭ لَهُمْ

زبردست حکمت والا فرمایا اللہ نے یہ وہ دن ہے کہ کام آوے گا سچوں کو ان کا سچ ان کو

جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ

ہیں باغ جن کے نیچے بہتی نہریں رہا کریں ان میں ہمیشہ اور اللہ راضی ہوا

عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے یہی ہے بڑی مراد ملنی اللہ کو ہے سلطنت آسمان

وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾

اور زمین کی اور جو ان کے بیچ ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے

ع ۱۵/۶

نجات کے لئے کافی سمجھیں صحیح مسلم[۲] میں اسی مضمون کی ایک روایت عبداللہ بن عمروؓ کی ہے جس سے ان روایتوں کو پوری تقویت ہوجاتی ہے بعضے نصرانی علماء نے ان آیتوں کے متعلق یہ اعتراض کیا ہے کہ نصرانی لوگ مریم علیہا السلام کے خدا ہونے کے قائل نہیں ہیں پھر معلوم نہیں کہ ان آیتوں میں نصرانیوں کا یہ اعتقاد کیوں بیان کیا گیا ہے علماء اسلام نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ یہ اعتراض دو حال سے خالی نہیں یا تو اعتراض کرنے والے نصرانی علماء نے اپنے مذہب کو چھپایا ہے یا اُن کو اپنے مذہب کی کتابوں سے ناواقفی ہے کیونکہ ۱۸۱۸ء تک عیسائی مذہب کی جو کتابیں چھاپی گئی ہیں اُن میں حضرت مریم علیہا السلام کی تصویر کو سجدہ کرنیکا ذکر موجود ہے اسی طرح مذہب عیسائی میں ایک نماز جواب تک جاری ہے جس کا نام صلوٰۃ المریم ہے اس کے لفظ یہ ہیں کہ اے آسمان کی بادشاہ سب فرشتے تجھ کو سجدہ کرتے اور تیرے نام کی تسبیح پڑھتے ہیں اس لئے ہم تجھ کو سجدہ کر کے اپنی نجات چاہتے ہیں اب ان قرآن پر اعتراض کرنے والے عیسائیوں سے یہ بات دریافت طلب ہے کہ ان سب باتوں کے بعد حضرت مریمؑ کو خدا ٹھہرانے میں کسی اور بات کی کسر رہ گئی ہو تو وہ بیان کی جاوے انجیل متی کے تیسرے اور چوتھے باب کے حوالہ سے یہ تو ایک جگہ اس تفسیر میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب شیطان نے عیسٰی علیہ السلام کو بہکایا اور اپنے آپ کو سجدہ کرانا چاہا تو عیسٰے علیہ السلام نے اُس ملعون کو یہی جواب دیا کہ سجدہ اور عبادت سوا اللہ تعالےٰ کی ذات کے اور کسی کے لئے جائز نہیں ہے اب سمجھ میں نہیں آتا کہ عیسٰے علیہ السلام کی اس ہدایت کے برخلاف مریم علیہا السلام کی تصویر کو سجدہ بھی کیا جاتا ہے اور پھر حضرت مریم علیہا السلام کو خدا ٹھہرانے کا اعتقاد سن کر قرآن پر اعتراض بھی کیا جاتا ہے آخر یہ ماجرا ہی کیا ہے کسی عیسائی کو یہ ماجرا تفصیل سے بیان کرنا چاہئے جیسے عیسٰی علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے سوال کا یہ سچا جواب دیا جس کا ذکر ان آیتوں میں ہے تو اللہ تعالےٰ نے ان کے اس سچے جواب کو پسند فرما کر یہ فرمایا کہ آج قیامت کا دن وہ دن ہے کہ دنیا میں جو لوگ احکام الٰہی کے سچے پابند رہے ان کی راست بازی کی جزا آج کے روز جنت اور اللہ کی رضامندی ہے جس کے سبب سے وہ لوگ ہمیشہ جنت میں خوشحالی سے رہیں گے پھر فرمایا آسمان و زمین کی بادشاہت اللہ کی ہے اور کوئی چیز آسمان و زمین میں اس کی قدرت اور اس کے اختیار سے باہر نہیں اور یہ ایسی باتیں ہیں جو نہ عیسٰے بن مریم میں پائی جاتی ہیں نہ اُن کی ماں مریم میں پھر باوجود

[۱] تفسیر ابن کثیر ص ۱۲۱ ج ۲ [۲] صحیح مسلم ص ۱۱۳ ج ۱ باب دعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم لامتہ وبکاءہ شفقتہ علیہم

اٰیاتہا ۱۶۵ ــــــ (۶) سُوْرَۃُ الْاَنْعَامِ مَکِّیَّۃٌ (۵۵) ــــــ رکوعاتہا ۲۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ

سب تعریف اللہ کو جس نے بنائے آسمان اور زمین اور ٹھہرائیں اندھیریاں اور

اس کے جن لوگوں نے ان دونوں کو اللہ کا شریک ٹھہرایا اور وہ بڑی غلطی پر ہیں سورۃ ابراہیم میں آوے گا کہ قیامت کے دن شیطان بھی لوگوں سے سچ بولے گا اور یوں کہوے گا کہ میں نے تم لوگوں کو جن بہکاوے کی باتوں میں ڈال رکھا تھا وہ سب جھوٹ تھیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی معرفت تم سے جنت اور دوزخ کا وعدہ کیا تھا وہ ایسا سچ کہ آج تمہاری آنکھوں کے سامنے آگیا مگر اس ملعون کا یہ سچ بولنا اس کے کام نہ آویگا کیونکہ قیامت کا دن دنیا کے نیک و بدعمل کی جزا و سزا کا ہے نیک و بدعمل کرنے کا وہ دن نہیں ہے اسواسطے هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ کی یہ تفسیر صحیح ہے کہ دنیا میں جو لوگ احکام الٰہی کے سچے پابند رہیں گے ان کی یہ راست بازی قیامت کے دن ان کے کام آوے گی۔ یہ مطلب آیت کا نہیں ہے کہ دنیا کے جھوٹوں کو قیامت کے دن کی راست بازی فائدہ مند ہوگی۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوسعید خدریؓ کی حدیث اوپر گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بردبار کون ہوگا کہ لوگ اس کی نافرمانی کرتے ہیں اور وہ ان کی صحت اور ان کے رزق کا انتظام فرماتا ہے صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن امت محمدی میں سے بعضے نافرمان لوگوں کو بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دینے کو فرشتے لیجاویں گے اس وقت میں ان لوگوں کے حق میں یہی کہوں گا جو عیسیٰ علیہ السلام اپنی امت کے حق میں کہویں گے کہ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ[1] یہ حدیثیں ان آیتوں کی گویا تفسیر ہیں۔ کیونکہ ان آیتوں اور حدیثوں کے ملانے سے نافرمان لوگوں کا دین و دنیا دونوں جگہ کا حال کھل جاتا ہے :

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق یہ سورہ مکی ہے۔ مستدرک حاکم میں جابرؓ سے روایت ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ جب یہ سورہ اتری تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سبحان اللہ کہا اور یہ فرمایا کہ آسمان سے زمین تک ستر ہزار فرشتے اس سورہ کے نازل ہونے کے وقت اس کے ساتھ تھے حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔[2] اس سورہ میں توحید نبوت اور حشر کے ضروری احکام ہیں اس لئے ان احکام کی عظمت اور شیطان کی مداخلت ان احکام میں نہ ہونے کے لئے یہ ستر ہزار فرشتوں کی جماعت اس سورہ کے ساتھ آئی۔ جو سورتیں اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف کے لفظوں سے شروع کی ہیں جیسے یہ سورہ یا جیسے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ان

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۶۵ کتاب التفسیر [2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۲۲ [3] مستدرک حاکم ج ۲ ص ۳۱۵ کتاب التفسیر۔

علیہ صحیح بخاری ص ۱۰۹ و ۷ ۱۱۹ ج ۲

النُّوۡرَ ؕ ثُمَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ یَعۡدِلُوۡنَ ①

اجالا پھر یہ منکر اپنے رب کے ساتھ کس کو برابر کرتے ہیں۔

سے یہ مطلب ہے کہ لوگ ان لفظوں سے اللہ کی تعریف کیا کریں۔ اگرچہ اس کی مخلوقات بے گنتی ہے لیکن اس سورہ میں انسان کی ہدایت کے بہت سے احکام ہیں اور آسمان و زمین کے عجائبات پر غور کرنے سے انسان کے دل میں اللہ کی قدرت کی بڑی عظمت پیدا ہو سکتی ہے جس کے سبب سے پھر اللہ کے احکام کے موافق ہدایت پانے کا موقع بھی اس کو مل سکتا ہے اس واسطے یہاں اور مخلوقات میں سے فقط آسمان و زمین کا ذکر فرمایا سورہ بنی اسرائیل میں معراج کی حدیثیں آویں گی جن میں سات آسمانوں اور اُن کے عجائبات کا ذکر ہے اسی طرح سورۃ النساء میں حدیثیں آویں گی جن میں ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک پانسو برس کی راہ کے فاصلہ کا اور اسی قدر ہر ایک آسمان کی موٹائی کا ذکر ہے اور یہ بھی ذکر ہے کہ آسمانوں کی طرح زمین بھی سات ہیں اور ایک زمین سے دوسری زمین تک پانسو برس کی راہ کا فاصلہ ہے۔ خیر یہ باتیں تو علم دین کے جاننے پر منحصر ہیں لیکن آسمان و زمین کی اتنی حالت تو سب کے آنکھوں کے سامنے ہے کہ وقت مقررہ پر ایک سال بھی آسمان سے مینہ نہ برسے یا مینہ تو برسے مگر اللہ کے حکم سے زمین کی پیداوار پر کچھ آفت آجاوے تو انسان کی ساری آسائش خاک میں مل جاوے۔ یہ بھی آسمان کی حالت کا ایک نتیجہ ہے کہ آسمان کی گردش سے رات کا اندھیرا دن کا اجالا پیدا ہوتا ہے جس سے انسان کی راحت صحت طرح طرح کے کاروبار سب کچھ قائم ہے اہل مکہ نے سوا ہدایت کے اندھیرے کے کفر و شرک و جہالت کا اندھیرا بھی پھیلا رکھا تھا اس واسطے اندھیرے کے لفظ کو جمع کر کے فرمایا مطلب یہ ہے کہ رات کے اندھیرے کے ساتھ جس طرح اللہ تعالیٰ نے دن کا اجالا پیدا کیا ہے اسی طرح کفر و شرک کے مٹانے کے لئے نور ایمانی پیدا کیا ہے جس کی قسمت میں ہے وہ اس کفر و شرک کے اندھیرے سے نکل کر ایمان کی روشنی پا سکتا ہے آخر کو فرمایا کہ جب یہ سارا کارخانہ اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے جس میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے تو پھر یہ منکر شریعت لوگ دوسروں کو اللہ کا ہمسر ٹھہرا کر اللہ کی تعظیم و عبادت میں جو اُن دوسروں کو شریک کرتے ہیں یہ اُن لوگوں کی بڑی نادانی ہے۔ صحیح بخاری اور مسلم کے حوالہ سے ابو سعید خدریؓ کی حدیث گذر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ لوگ اپنی نادانی سے اللہ کی تعظیم اور عبادت میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی بردباری سے ان لوگوں کی زیست اور صحت کے کارخانے حسب دستور قائم رکھے ہیں[۱] ان لوگوں کی نادانی کی سزا کے طور پر ان کارخانوں میں کچھ رد و بدل نہیں فرمایا یہ حدیث آیت کی گویا تفسیر ہے آیت اور حدیث کو ملا کر یہ مطلب ہوا کہ انسان کو اور اس کی راحت کے ہر طرح کے سامان کو تو بغیر کسی کی شراکت کے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا لیکن بعضے نادان لوگ بلا استحقاق دوسروں کو اس کی تعظیم اور عبادت میں شریک کرتے ہیں اور اس پر بھی وہ اپنی بردباری سے اُن لوگوں کے راحت کے سامان میں کچھ خلل نہیں ڈالتا ۞

[۱] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۹۱ باب الصبر والاذی و ج ۲ ص ۱۰۹۷ باب قول الله تعالیٰ انا الرزاق ذو القوۃ المتین و صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۴ باب فی الکفار بیکن الخ

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى
وہی ہے جس نے بنایا تم کو مٹی سے پھر ٹھہرایا ایک وعدہ اور ایک وعدہ ٹھہر رہا ہے

عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝۲ وَ هُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ فِی الْاَرْضِ ؕ
اس کے پاس پھر تم شک لاتے ہو اور وہی اللہ ہے آسمان اور زمین میں

۲-۳- ابوداؤد اور ترمذی میں ابوموسے اشعریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو ایک مٹھی خاک سے جو تمام زمین سے لی گئی ہے بنایا ہے اس واسطے ان کی نسل میں طرح طرح کے لوگ ہیں ہر جگہ کی مٹی کے اثر سے کوئی گورا ہے کوئی بالکل کالا ہے کوئی سانولا کوئی بدمزاج اور سخت خو کوئی نیک مزاج نرم خو ترمذی[1] اور ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[2]. کافر اور دہریہ مزاج کے لوگ مرنے کے بعد پھر پیدا ہونے کی خبر قرآن مجید میں سن کر بڑے تعجب سے کہتے تھے کہ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ (٣٦-٧٨) جس کا مطلب یہ ہے کہ ہڈیوں کی مٹی ہو جانے کے بعد پھر دوبارہ پیدائش کیونکر ہوگی ان کے قائل کرنے کو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان کو جتلایا کہ آخر وہ ہڈیاں گل سڑ کر ایسی مٹی تو ہوں گی جس طرح کہ مٹی آگے تھی جس مٹی سے ایک پتلا ایسا بنایا گیا جس میں کروڑ ہا پتلوں کے بن جانے کی صلاحیت رکھ دی گئی جس صلاحیت کے اثر سے آج تک اس پتلے کی نسل چلی آتی ہے جس میں یہ منکر حشر بھی داخل ہیں پھر جس قادر نے کروڑ ہا پتلے کا ایک پتلا یک جائی طور پر ایک مٹھی خاک سے بنا دیا اور اس پتلے سے کروڑ ہا روحوں کا تعلق کر دیا اس قادر کی قدرت سے یہ کیا دور ہے کہ اسی خاک سے الگ الگ پتلا بنا دیوے اور ہر ایک پتلے کے ساتھ تعلق روح کا پیدا کر دیوے بلکہ پتلے میں پتلا جو بن چکا ہے اور ایک جسم میں کروڑ ہا جسم اور ایک روح کے تعلق میں کروڑ ہا روحوں کا تعلق ہے جس کے سبب سے دادا سے لے کر پوتا پڑپوتا سب پیدا ہو جاتے ہیں اور پھر پڑپوتے کو دیکھو تو دادا بن جاتا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ جو کچھ ہو چکا ہے اور سب کی آنکھوں کے سامنے ہے وہ ایسا مشکل تھا جہاں عقل کے پر جلتے ہیں اور باوجود اس بلند پروازی کے وہاں پر پہنچ جانور کی طرح اڑنے سے عقل بے بس ہے اس کے بعد دوبارہ جو کچھ ہونا ہے وہ تو نہایت سہل ہے جو صانع ایک مشکل صنعت کو کر چکی اس کو آسان صنعت کیا مشکل ہے مثلاً ایک گھڑی ساز ایسی گھڑی بنا چکا ہے جس گھڑی میں تاریخ کی سوئی دن کی سوئی وقت کی سوئی گھنٹہ کی آواز بیداری سب کچھ ہے پھر یہ کون عقل کا پورا انکار کر سکتا ہے کہ اس گھڑی ساز کو الگ الگ پرزے بنانے مشکل ہیں اسی حکمت سے اللہ تعالیٰ نے پہلی پیدائش کو مشکل اور دوسری پیدائش کو آسان رکھا ہے کہ مشکل کام کے طے ہو جانے کے بعد آسان کام کے ہو جانے کی طرف لوگوں کا قیاس دوڑ سکے اور قیاس دوڑانے کی ہدایت اپنے کلام پاک میں لوگوں کو یوں فرمائی ہے وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ (الواقعہ) یعنی پہلی پیدائش کو تم جان چکے ہو پھر کیوں نہیں پہلی پیدائش کے قیاس پر تم دوسری پیدائش کو دھیان کرتے. ایک عالم پابند شریعت اور ایک دہریہ منکر حشر کا ایک دفعہ مناظرہ ہوا

[1] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۴۰ کتاب التفسیر و سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۸۴ باب فی القدر [2] فیض القدیر شرح جامع صغیر ج ۳ ص ۲۳۲

يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ ﴿۳﴾

جانتا ہے تمہارا چھپا اور کھلا اور جانتا ہے جو کماتے ہو۔

دہریہ نے بڑی بحث کے بعد دوبارہ پتلے کا بن جانا تو مان لیا مگر دوبارہ روح اور جسم کے تعلق میں تردد رہا۔ عالم پابند شریعت نے اس تردد کا جواب دیا کہ روح کی مثال پردار جانور کی ہے اور جسم کی مثال پنجرہ کی ہے کیونکہ جس طرح جانور کے اڑ جانے کے بعد پنجرہ خالی رہ جاتا ہے اسی طرح روح کے نکل جانے کے بعد بدن خالی رہ جاتا ہے اور پہلے تعلق میں طائر روح اس جسم کے پنجرے سے اجنبی مثل طائر وحشی کو عمر طبعی کی مدت تک بدن کے پنجرے میں بند کر دیا جس کے سبب سے عمر طبعی تک بدن کے پنجرہ میں رہ کر وہ جانور ایک پلے ہوئے طوطے یا کبوتر وغیرہ کے موافق ہو گیا تو یہ تو رات دن آنکھوں دیکھنے کی بات ہے کہ پلے ہوئے جانور کبھی پنجرہ سے نکل جاتے ہیں تو اپنے پنجرہ میں خود چلے جایا کرتے ہیں اس میں تردد کیا ہے اس جواب سے وہ دہریہ شخص بہت قائل ہوا اس آیت میں اجل کا ذکر اللہ تعالیٰ نے دو دفعہ جو فرمایا ہے اس کے دو معنے ہیں جو شاہ عبد القادر صاحب نے اپنے فائدے میں ذکر کئے ہیں کہ ایک اجل ہر ایک شخص کے پیدا ہونے کی تاریخ سے مرنے کی تاریخ تک کی ہے اور دوسری اجل تمام دنیا کی ہے جو دنیا کی پیدائش کی تاریخ سے پہلے صور تک ہے دوسری اجل کے ساتھ عندہ جو فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے ختم ہونے و قیامت کے آنے کا وقت سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں ہاں ہر ایک شخص کی اجل کا وقت ملک الموت کو جتلا دیا جاتا ہے یہ معنے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور ان کے شاگرد مجاہد اور سعید بن جبیر نے سلف میں سے اختیار کئے ہیں دوسرے معنے ترجمان قرآن حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے اپنے دوسرے قول میں جو اختیار کئے ہیں وہ یہ ہیں کہ ہر ایک انسان کے لئے دو مدتیں اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہیں جن کا نام اجل ہے وہ دونوں اجلیں لوح محفوظ میں لکھی ہیں ایک مدت تو روز پیدائش سے موت کے وقت تک کا زمانہ ہے دوسری مدت وقت موت سے پھر جینے اور حساب و کتاب کے لئے اللہ کے روبرو کھڑے ہونے تک کا زمانہ ہے[1] ابن ماجہ میں ثوبانؓ سے جو روایت ہے کہ نیکی سے آدمی کی عمر بڑھ جاتی ہے[2] اس کے معنی یہی ہیں کہ نیکی کرنے کے سبب سے کچھ مدت پچھلے زمانہ سے اگلے زمانہ میں اللہ تعالیٰ بڑھا دیتا ہے اور جو آدمی نیکی نہیں کرتا اس کی عمر کے گھٹنے کا یہی مطلب ہے کہ اس کی اصلی عمر پوری ہوتے ہی وہ مر جاتا ہے عالم برزخ کے زمانہ میں سے کچھ دن اس کی عمر میں نہیں بڑھتے اور لوح محفوظ میں یہ تفصیل بھی لکھی ہوئی ہے کہ زید کی اصلی عمر اتنی ہے لیکن فلاں نیکی کی جزا میں اس قدر مدت عالم برزخ کے زمانہ میں سے اس کی اصلی عمر میں بڑھا دینے سے وہ اس مدت تک زندہ رہ کر مرے گا۔ اور خالد نے نیکی نہیں کی اس لئے اس کی عمر میں عالم برزخ کے زمانہ میں سے کچھ مدت نہیں بڑھی حاصل کلام یہ ہے کہ جس طرح پہلی اجل کا حال سب کی آنکھوں کے سامنے ہے کہ جب اس کا وقت آجاتا ہے تو پھر ٹل نہیں سکتا اسی طرح جب وہ دوسرے وعدہ کے ظہور کا وقت آجاوے گا تو آج اس میں شک و شبہ کر کے اس سے غافل رہنے والے اس وقت اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیویں گے اور پھر

۱؎ تفسیر الدر المنثور ج ۳ ص ۴ میں سب اقوال درج ہیں ۲؎ سنن ابن ماجہ ص ۳۰۰ باب العقوبات۔

وَمَا تَأْتِيهِم مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿٤﴾

اور نہیں پہنچتی ان کو کوئی نشانی ان کے رب کی نشانیوں میں مگر کرتے ہیں اس سے تغافل

فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنبَاءُ مَا كَانُوا

سو جھٹلا چکے حق بات کو جب ان تک پہنچے اب آگے آوے گی ان پر حقیقت اس بات کی

بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٥﴾ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّن قَرْنٍ مَّكَّنَّاهُمْ

جس پر ہنستے تھے کیا دیکھتے نہیں کتنی ہلاک کیں ہم نے پہلے ان سے سنگتیں ان کو جمایا تھا ہم نے

سب شک و شبہ نکا جاتا ہے گا اس واسطے ہر عقل مند کو یہ سوچ لینا چاہئے کہ دنیا کا یہ اتنا بڑا انتظام بغیر کسی نتیجہ کے کھیل تماشے کے طور پر نہیں ہے بلکہ اس کا نتیجہ وہی ہے جو ان لوگوں کو گھڑی گھڑی سمجھایا جاتا ہے کہ اس جہان کے بعد دوسرا سزا و جزا کا جہان ضرور قائم ہونے والا ہے اور وہ اللہ جس کی بادشاہت و حکومت آسمان و زمین پر ہے اپنی آسمانی بادشاہت میں سزا و جزا کا فیصلہ ضرور کرنے والا ہے جس کے فیصلہ کے وقت کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی کیونکہ اس کو انسان کے دل کی نیت کا حال اور انسان کے ہاتھ پیروں کے کاموں کا حال ذرہ ذرہ سب معلوم ہے دنیا میں جب تک انسان جیتا ہے اس کو اختیار ہے کہ اس فیصلہ کے لئے اچھی بری جیسی روداد چاہے جمع کر لے دو روزنامچہ نویس ہر وقت اس کے ساتھ ہیں جو تاریخ پیشی کے لئے ہر طرح کی روداد لکھتے رہتے ہیں پیشی بھی وہ پیشی ہے جس میں انسان کے ہاتھ پاؤں بھی گواہی دینے کو تیار ہو جاویں گے چنانچہ صحیح مسلم کے حوالہ سے ابو ہریرہؓ کی حدیث[1] اس گواہی کے باب میں ایک جگہ گذر چکی ہے اس لئے ہر صاحب عقل کا کام ہے کہ جہاں تک ہو سکے اس تاریخ پیشی کے لئے اچھی روداد جمع کرے ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالہ سے شداد بن اوسؓ کی حدیث گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عقل مند وہ شخص ہے جو اپنے نفس پر قادر ہو کر موت کے آنے سے پہلے موت کے بعد کے لئے کچھ نیک عمل کر لیوے اور نادان وہ ہے جو عمر بھر نیک کاموں سے غافل اور برے کاموں میں مصروف رہے اور پھر عقبےٰ میں راحت کی توقع رکھے ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے[2] قیامت کے دن نیک و بد کی جزا و سزا کا جو فیصلہ آخر ہو گا اس کے لئے روداد جمع کرنے کی گویا یہ حدیث تفسیر ہے۔

۴۔۶۔ اوپر ذکر تھا کہ عقل مند وہی شخص ہے جو قیامت کے دن کے فیصلہ اخیر کیلئے کچھ اچھی روداد جمع کر لیوے اب ان آیتوں میں اہل مکہ کی اس نادانی اور کم عقلی کا ذکر ہے جس پر وہ لوگ اڑے ہوئے تھے۔ حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ قیامت کے دن کے فیصلہ اخیر کے لئے اچھی روداد کا جمع کرنا تو درکنار اپنی ازلی کم بختی کے سبب سے یہ لوگ تو اس پر اڑے ہوئے ہیں کہ اس فیصلہ اخیر کی یاد دہانی کے باب میں جو آیات قرآنی نازل ہوتی ہیں ان ہی کو یہ لوگ جھٹلا کر ہنسی ٹھٹھے میں اڑاتے ہیں لیکن اس میں کسی کا کچھ نہیں بگڑتا وقت مقررہ پر یہی لوگ اپنے کئے کا برا نتیجہ دیکھ لیویں گے کہ شام اور یمن کے سفر میں جس طرح پچھلی قوموں کی اجڑی ہوئی بستیاں ان کو نظر آتی ہیں وہی حال ان کا ہو گا

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۰۹ کتاب الزہد [2] جامع ترمذی ج ۲ ص ۶۹ ابواب صفۃ القیامۃ و سنن ابن ماجہ ص ۳۲۴ باب ذکر الموت والاستعداد لہ۔

فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا وَّ

ملک میں جتنا تم کو نہیں جمایا اور چھوڑ دیا ہم نے اُن پر آسمان برستا اور

جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا

بنا دیں نہریں بہتی ان کے نیچے پھر ہلاک کیا ان کو ان کے گناہوں پر اور کھڑی کی

مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ

ان کے پیچھے اور سنگت اور اگر اتاریں ہم ان پر لکھا ہوا کاغذ میں

فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

پھر ٹٹول لیں اس کو اپنے ہاتھ سے البتہ کہیں گے منکر یہ کچھ نہیں مگر جادو ہے صریح

کیا تو دنیا میں کوئی عذاب ان پر آجائے گا اور اگر مصلحت الٰہی کے موافق دنیوی عذاب سے یہ لوگ بچ بھی گئے تو عقبیٰ کی خرابی سے نہیں بچ سکتے یہ اُن کو معلوم ہے کہ پچھلی قومیں طاقت، ثروت، درازی عمر سب باتوں میں اُن سے بڑھ کر تھیں۔ پھر ان باتوں میں سے اُن کی کوئی بات جب عذاب الٰہی سے اُن کو نہ بچا سکی تو ان کے پاس عذاب الٰہی سے بچنے کا ایسا کونسا سامان ہے جس کے بھروسہ پر یہ لوگ آیات قرآنی کے جھٹلانے میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں۔ اللہ سچا ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ قریش میں جو لوگ آیات قرآنی کے زیادہ منکر تھے بدر کی لڑائی میں ان پر دنیاوی آفات بھی آئی اور دنیا سے اٹھتے ہی عذاب آخرت میں جا پھنسے۔ صحیح مسلم میں حضرت عمرؓ کی روایت ہے[1] جس کا حاصل یہ ہے کہ بدر کی لڑائی کے شروع ہونے سے ایک رات پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش میں کے ان سب سرکش لوگوں کے نام بتلائے تھے جو بدر کی لڑائی میں قتل ہونے والے تھے اور قتل ہونے کے بعد جہاں اُن لوگوں کی لاشیں پڑی تھیں وہ مقامات بھی آپ نے پہلے سے صحابہ کو دکھلائے تھے[2] صحیح بخاری و مسلم میں انسؓ ابو طلحہؓ وغیرہ کی روایتیں ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے اُن سرکش لوگوں کی لاشوں پر کھڑے ہو کر یہ فرمایا کہ اے لوگو تم نے اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا پایا یہ حدیثیں ان آیتوں کی گویا تفسیر ہیں جن سے آیات قرآنی کے جھٹلانے والے قریش کی دین و دنیا کی بدانجامی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے؛

۷۔۱۱۔ مقاتل بن سلیمان اور کلبی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ نضر بن حارث اور عبداللہ بن امیہ مشرکین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روز کہا کہ ہم اُس صورت میں ایمان لا سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے لکھا ہوا ایک کاغذ اس مضمون کا ہمارے پاس آئے کہ بلاشک آپ رسول برحق ہیں اور چار فرشتے اُس کاغذ کے ساتھ آئیں کہ اس کاغذ کی تصدیق کریں کہ یہ اللہ کی طرف کا نوشتہ ہے اور اس کا مضمون برحق ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[3]۔ حاصل معنی آیت کے یہ ہیں کہ جسم نوری ہونے کے سبب سے اصل فرشتوں کو تو کوئی انسان دیکھ نہیں سکتا

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۷ باب عرض مقعد المیت من الجنۃ والنار علیہ الخ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۶ باب قتل ابی جہل و صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۷ باب عرض مقعد المیت الخ [3] تفسیر معالم ج ۳ ص ۲۹۱

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ
اور کہتے ہیں کیوں نہ اترا اس پر کوئی فرشتہ اور اگر ہم فرشتہ اتاریں تو فیصل ہو چکے کام پھر

لَا يُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ
ان کو فرصت نہ ملے اور اگر ہم رسول کرتے کوئی فرشتہ تو وہ بھی صورت میں ایک مرد کرتے اور ان پر شبہ ڈالتے

مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ
وہی شبہ جو لاتے ہیں اور ہنسی کرتے رہے رسولوں سے تیرے پہلے پھر الٹ پڑے ان سے

سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ
ہنسی والوں پر جس بات پر ہنسا کرتے تھے تو کہہ پھرو ملک میں

ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ
تو دیکھو آخر کیسا ہوا جھٹلانے والوں کا پوچھ کہ کس کا ہے جو کچھ ہے آسمان

ع ۷

حضرت داؤدؑ حضرت ابراہیمؑ کے پاس جو فرشتے آئے آخر وہ انسان کی صورت میں آئے اس لئے اگر اُن کے کہنے کے موافق اُن کی آنکھوں کے سامنے کوئی فرشتہ بھیجا جاوے تو وہ ضرور بصورت بشر ہوگا پھر جس طرح اب نبی برحق کی نبوت پر انسان ہونے کے سبب سے یہ لوگ طرح طرح کے اعتراض اور مسخرا پن کی باتیں کر رہے ہیں وہی حال باقی رہے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پھر یہ لوگ ہلاک ہو جاویں گے کیونکہ یہ عادت الٰہی ہے کہ کسی امت کی فرمائش کے موافق نبی کو معجزہ دیا جاوے اور وہ معجزہ دیکھ کر بھی وہ امت نبی کو نہ مانے تو پھر وہ امت ہلاک ہو جاتی ہے جس طرح ثمود کی اونٹنی کا حال یہ لوگ سُن چکے ہیں اب آخر آیت میں حضرت کی تسکین فرمائی کہ اگر یہ لوگ ایمان نہ لاویں گے اور اسی طرح مسخرا پن کی باتیں کرتے رہیں گے تو انبیا سے ٹھٹھا کرنے والوں کا حال جو آگے ہوا ہے وہی ان کا ہوگا اور قریش کو ہدایت فرمائی کہ ملک شام اور ملک یمن کے سفر میں پچھلی قوموں کی اجڑی ہوئی بستیاں دیکھ کر ذرا عبرت پکڑیں روایت حدیث میں اگرچہ مقاتل بن سلیمان اور کلبی دونوں کو ضعیف ٹھہرایا گیا ہے مگر تفسیر میں ان دونوں کو مسلم اور معتبر قرار دیا ہے چنانچہ ابن عدی نے کلبی کی نسبت کہا ہے کہ سفیان بن عیینہ اور شعبہ اور بہت سے لوگوں نے کلبی سے تفسیر کے باب میں روایت کی ہے اور اس روایت کو معتبر قرار دیا ہے[1] اور مقاتل بن سلیمان کی نسبت امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ فن تفسیر میں مفسر لوگ مقاتل کے بچوں کے برابر ہیں[2] بدر کی لڑائی کی حدیثیں جو اوپر کی آیتوں کی تفسیر میں گذریں وہی حدیثیں ان آیتوں کی بھی تفسیر ہیں ؛

۱۲-۱۸- اوپر ذکر تھا کہ آسمان زمین انسان اور اس کی ضرورت کی چیزیں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے اس طرح پیدا کیا ہے کہ اس میں کوئی اس کا شریک نہیں لیکن یہ مشرک لوگ زبردستی سوا اللہ تعالیٰ کے بلا استحقاق اوروں کو اللہ کا ہمسر ٹھہرا کر اس کی تعظیم اور عبادت میں ان کو شریک کرتے ہیں۔ ان آیتوں میں ارشاد ہے کہ اے رسول اللہ کے

[1] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۱۸۰ [2] تہذیب ج ۱۰ ص ۲۷۹

وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ

و زمین میں کہہ اللہ کا ہے اس نے لکھی ہے اپنے ذمے مہربانی البتہ جمع کریگا دن

الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾

قیامت تک اس میں شک نہیں جنہوں نے ہاری اپنی جان وہی نہیں مانتے

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ

اور اسی کا ہے جو کچھ بستا ہے رات میں اور دن میں اور وہی سب سنتا جانتا تو کہہ کیا کوئی

اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ

اور پکڑوں اپنا مددگار اللہ کے سوا جو بنانے والا ہے آسمان اور زمین کا اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اسکو کوئی نہیں کھلاتا

قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾

کہہ مجھ کو حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے حکم مانوں اور تو نہ ہو شریک پکڑنے والا

تم ان لوگوں سے ذرا دریافت تو کرو کہ آخر ان کے نزدیک آسمان و زمین میں کس کی بادشاہت ہے۔ مکہ کے قحط کے وقت یہ تو ان لوگوں کو اچھی طرح سے تجربہ ہو چکا ہے کہ انہوں نے اپنے بتوں سے سات دن مینہ برسنے کی التجا کی اور ایک بوند نہ پڑی آخر اے رسول اللہ کے جب تمہاری دعا سے اللہ نے اپنا رحم کیا تو مینہ برسا اس واسطے یہ تو ان کا منہ نہیں کہ یہ لوگ سوا اللہ تعالیٰ کے آسمان اور زمین میں کسی اور کی بادشاہت بتلادیں اس لئے اے رسول اللہ کے ان لوگوں کو قائل کرنے کے طور پر تم ہی ان سے کہدو کہ آسمان و زمین کی بادشاہت اللہ کی ہے جس میں تم لوگوں کے بتوں کی کچھ شراکت نہیں اس واسطے وہ بت ضرورت کے وقت تمہارے کام نہیں آتے۔ رہی یہ بات کہ جب آسمان و زمین کی بادشاہت اللہ کی ہے تو پھر اس بادشاہت میں اوروں کو شریک ٹھہرانے کے سبب سے ان لوگوں پر کوئی ناگہانی آفت جلدی سے کیوں نہیں آتی اسکا سبب یہی ہے کہ اللہ کی رحمت اس کے غصہ پر غالب ہے اس واسطے وہ فوراً کسی کو نہیں پکڑتا لیکن جس طرح اسکی شان رحمت کی ہے اسی طرح اس کی شان میں انصاف بھی ہے جس کے سبب سے اس نے یہ انتظام فرمادیا ہے کہ قیامت تک سب جاندار بے جان ہو کر زمین کے اوپر سے زمین کے اندر جمع ہو جاویں گے اور پھر وقت مقررہ پر ان کو دوبارہ زندہ کیا جاویگا اور نیک و بد کی جزا و سزا ہوگی۔ اگرچہ یہ انتظام شک و شبہ سے اس قدر دور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کی قسم کھا کر یہ انتظام ان لوگوں کو جتلایا ہے لیکن علم ازلی الٰہی کے موافق جو لوگ عقبیٰ میں نقصان اٹھانے والے ہیں وہ اس انتظام کو نہیں مانتے اور اس انتظام کی خبر کو جھٹلاتے ہیں مگر ان لوگوں کے جھٹلانے سے انتظام الٰہی کچھ پلٹنے والا نہیں دنیا میں سب رات دن کے رہنے سہنے والے اس کے انتظام کے تابع ہیں اور وہ سب کے منہ سے نکلی ہوئی بات کو اور سب کے ہاتھ پیروں کے کام کو سنتا جانتا ہے ہر ایک کے قول و فعل کے موافق ایک دن جزا و سزا کا موقعہ پیش آنے والا ہے۔ مشرکین مکہ جس طرح خود اپنے بڑوں کے راستہ پر چل کر بت پرستی

قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ یُّصْرَفْ

تو کہہ میں ڈرتا ہوں اگر حکم نہ مانوں اپنے پروردگار کا ایک بڑے دن کے عذاب سے جس پر سے وہ ٹلا

عَنْهُ یَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۶﴾ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ

اس دن اس پر رحم کیا اور یہی ہے بڑی مراد ملنی اور اگر پہنچاوے تجھ کو

اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ فَهُوَ عَلٰی

اللہ کچھ سختی پھر اس کو کوئی نہ اٹھانے سوا اس کے اور اگر تجھ کو پہنچاوے بھلائی تو وہ

كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۸﴾

ہر چیز پر قادر ہے اور اسی کا زور پہنچتا ہے اپنے بندوں پر اور وہی ہے حکمت والا خبردار

میں پھنسے ہوئے تھے اسی راستہ پر چلنے کی فرمائش اللہ کے رسول سے بھی وہ لوگ کبھی کبھی کیا کرتے تھے ان کی اس فرمائش کا جواب اپنے رسول کی زبانی اللہ تعالے نے جو ان آگے کی آیتوں میں دیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین سب کچھ پیدا کیا سب اس کے رزق کے محتاج ہیں اور وہ کسی بات میں کسی کا محتاج نہیں اُس نے اپنے رسول کو حکم دیا ہے کہ امت کے سب لوگوں کے پہلے وہ احکام الٰہی کا پابند ہو کر امت کے لوگوں کو بھی اُس کے موافق ہر وقت نصیحت کریں۔ شرک کی باتوں سے خود بھی بچیں اور امت کے لوگوں کو بھی بچاویں۔ اُس نے اپنے رسول کے دل میں یہ خوف پیدا کر دیا ہے کہ اللہ تعالے کے نافرمان لوگوں کو بڑا عذاب بھگتنا پڑے گا۔ اس لئے اللہ کی فرمانبرداری کے سبب سے جو اُس عذاب سے بچ گیا اُس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔ اللہ تعالے اگر کسی شخص کو بیماری تنگ دستی وغیرہ کی تکلیف میں کبھی پھنسا دیوے تو سوا اس کے اور کوئی اس تکلیف کو رفع نہیں کر سکتا اور اگر وہ کسی کو کچھ راحت پہنچا دے تو اُس کی راحت کو کوئی تکلیف سے بدل نہیں سکتا کیونکہ ہر چیز اُس کی قدرت اور اُس کے اختیار میں ہے کسی دوسرے کا اس میں دخل نہیں ہے ساری مخلوق اس کے بس میں ہے اپنی حکمت اور اپنی خبرداری کے موافق جس طرح وہ چاہتا ہے اپنی مخلوق پر حکومت کرتا ہے بھلا تم ہی لوگ سوچو کہ باوجود ان سب باتوں کے کوئی شخص سوا اللہ کے کسی دوسرے کو اپنا حامی و مددگار ٹھہرا کر کیا پھل پا سکتا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت اللہ تعالے نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا تو ارحم الرحمین نے یہ بات پہلے ہی لکھ لی ہے کہ مخلوقات کی سزا کے باب میں اللہ تعالے کی رحمت اُس کے غصہ پر غالب رہے گی[1] صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مخلوقات کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے اللہ تعالے نے اپنے علم ازلی کے موافق مخلوقات کی سب حالت لکھ لی ہے[2]۔ صحیح بخاری میں عمران بن حصینؓ

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۵۳ کتاب بدء الخلق و صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۵۶ باب سعۃ رحمۃ اللہ تعالے وانہا تغلب غضبہ۔

[2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۵ باب حجاج آدم وموسے علیہما السلام۔

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِیْدٌ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ
تو کہہ کس چیز کی بڑی گواہی تو کہہ اللہ گواہ ہے میرے اور تمہارے بیچ

وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ
اور اترا ہے مجھ کو یہ قرآن کہ تم کو خبردار کر دوں اور جس کو یہ پہنچے کیا تم

لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ
گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ معبود اور بھی ہیں تو کہہ میں نہ گواہی دوں گا تو کہہ وہی ہے

اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ
معبود ایک اور میں قبول نہیں رکھتا جو تم شریک کرتے ہو جن کو ہم نے دی ہے کتاب

وقف لازم

کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ کے علم ازلی کے موافق جو شخص جنت میں جانے کے قابل پیدا ہوا ہے وہ دنیا میں نیک کام کرتا ہے اور جو شخص دوزخ میں جانے کے قابل پیدا ہوا ہے وہ ویسا ہی عمل کرتا ہے[1] یہ حدیثیں ان آیتوں کی گویا تفسیر ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرک لوگوں پر کوئی فوری آفت اس لئے نہیں آتی کہ اللہ تعالےٰ نے مخلوقات کے پیدا کرنے سے پہلے یہ بات لکھ لی ہے کہ مخلوقات کے پیدا ہونے کے بعد اُن کے معاملات میں اللہ کی رحمت اللہ کے غصہ پر غالب رہے گی۔ یہ نافرمان لوگ باوجود فہمائش کے اپنی نافرمانی سے اس لئے باز نہیں آتے کہ علم الٰہی میں جو لوگ دوزخ کے قابل قرار پاچکے وہ اپنی نافرمانی سے ہرگز کبھی باز نہ آویں گے کیونکہ وہ نافرمانی بھی اُن کو عین فرمانبرداری نظر آتی ہے اسی واسطے اُن کی جرأت یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول سے بھی اسی ڈھنگ پر آجانے کی فرمائش کی جس کا جواب دے کر اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں کو قائل کیا۔

۱۹۔۲۱۔ معتبر سند سے ابن جریر ابن اسحٰق اور کلبی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی ہے اسکا حاصل یہ ہے کہ چند مشرکین جمع ہو کر آنحضرت کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ کونسی گواہی پر ہم آپ کو اللہ کا رسول جانیں ہم نے یہود نصاریٰ سے پوچھا تو وہ کہتے ہیں کہ اُنکی کتابوں میں بھی آپ کی نبوت کی کوئی تصدیق نہیں ہے اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[2]۔ حاصل معنی آیت کے یہ ہیں کہ ان منکرین نبوت سے پوچھا جاوے کہ کونسی گواہی تم کو تصدیق نبوت کی درکار ہے اگر وہ کچھ جواب دیویں تو خیر ورنہ اللہ سے بڑھ کر کوئی گواہی نہیں ہے اللہ اپنے نبی کی نبوت کا گواہ ہے اور اللہ کی گواہی کی نشانی یہ ہے کہ اُس نے اپنے نبی پر اپنا کلام اتارا ہے اور اس بات کا ثبوت کہ یہ کلام اللہ کا ہے یہ ہے کہ باوجود دعوی فصاحت اور بلاغت کے تم لوگوں سے ایسا کلام نہیں بن سکتا اور یہ کلام اللہ نے اس واسطے اپنے نبی پر اتارا ہے کہ اُس زمانہ کے حاضرین اور قیامت تک جو لوگ پیدا ہوں یہ کلام اُن کو پہنچ جاوے اور وہ اس سے نصیحت پکڑیں تفسیر ابن ابی حاتم میں محمد بن کعب سے روایت ہے کہ قیامت تک جس کسی کو قرآن شریف کا کوئی حکم پہنچا

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷۶ باب جف القلم علی علم اللہ الخ۔ [2] تفسیر معالم ج ۲ ص ۲۹۶ و تفسیر خازن ج ۲ ص ۸۔

يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ

اس کو پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جنہوں نے ہاری اپنی جان وہی

لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ

نہیں مانتے اور اس سے ظالم کون جو جھوٹ باندھے اللہ پر یا جھٹلاوے

بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾

اس کی آیتیں مقرر بھلائی نہیں پاتے گنہگار ؀

وہ ایسا ہے کہ اس شخص نے گویا آنحضرت سے بالمشافہ وہ حکم حاصل کیا[1] اور تفسیر عبدالرزاق میں قتادہؓ سے روایت ہے کہ قرآن شریف کا جو حکم جس کو پہنچا وہ گویا اللہ تعالیٰ سے اس کو پہنچا[2]۔ اس واسطے آپ نے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی بخاری کی روایت میں تاکید فرمائی ہے کہ اگر قرآن کی ایک آیت بھی کسی کو پہنچی تو وہ دوسروں کو پہنچا دیوے[3]۔ اب آگے فرمایا اے رسول اللہ کے تم ان مشرکوں سے پوچھو کہ تم لوگ اللہ کے رسول کی نبوت پر تو گواہی چاہتے ہو لیکن تم نے جو بتوں کو اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے تمہارے پاس اس کی کیا گواہی ہے وہ پیش کرو اس پر یہ لوگ گواہی کے پیش کرنے سے عاجز ہو جاویں گے تو تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں تمہارے ان شرک کی باتوں کی غلط ہونے کی گواہی دیتا ہوں اور یہ کہتا ہوں کہ ملت ابراہیمی کے موافق اللہ وحدہ لاشریک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور تم لوگ ملت ابراہیمی کے برخلاف ان شرک کی باتوں پر اڑے ہوئے ہو تو میں تمہاری ان شرک کی باتوں سے بیزار ہوں۔ آدمی کی گواہی میں بھول چوک جھوٹ ممکن ہے اللہ تعالیٰ کی گواہی میں ان باتوں میں سے کسی بات کا شبہ نہیں ہو سکتا اس لئے اللہ کی گواہی بڑی گواہی ہے۔ پھر فرمایا اہل کتاب کی کتابوں میں تو نبی آخر الزمان کی ایسی نشانیاں ہیں جن کے سبب سے وہ لوگ نبی آخر الزمان کو ایسا پہچانتے ہیں جس طرح ہر ایک شخص اپنی اولاد کو پہچانتا ہے لیکن علم الٰہی کے موافق ان لوگوں کی قسمت میں عقبیٰ کا ٹوٹا لکھا ہوا ہے اس واسطے ان لوگوں نے اپنی کتابوں کو بدل ڈالا اور خود بھی نبی آخر الزمان کی نبوت کے منکر ہو گئے اور انجان سمجھ کر تم لوگوں کو بھی یہ دھوکا دیا کہ ان کی کتابوں میں ان نبی آخر الزمان کی نبوت کا کہیں پتہ نہیں ہے آخر کو فرمایا مشرکوں کا یہ شرک اور اہل کتاب کا یہ نبی آخر الزمان کی نبوت کا انکار اللہ پر ایک جھوٹ اللہ ٹھہرانا ہے جو لوگ یہ کام کر رہے ہیں وہ اپنی جان پر ایسا ظلم کرتے ہیں جس کے سبب سے وہ دین و دنیا میں کبھی فلاح کو نہ پہنچیں گے۔ صحیح بخاری کے حوالہ سے عمران بن حصینؓ کی حدیث[4] اوپر گذر چکی ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ علم ازلی کے موافق جو شخص دوزخ میں جانے کے قابل پیدا ہوا ہے باوجود ہر طرح کی فہمائش کے وہ اپنی نافرمانی سے کبھی باز نہ آویگا یہ حدیث گویا ان آیتوں کی تفسیر ہے جس سے ان لوگوں کے راہ راست پر نہ آنے کا سبب معلوم ہوتا ہے جن کا ذکر ان آیتوں میں ہے اسی واسطے فرمایا کہ ایسے لوگ کبھی فلاح کو نہیں پہنچ سکتے ؀

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۲۶ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۲۶ [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۴۹۱ باب ما ذکر عن بنی اسرائیل۔
[4] دیکھئے ص ۱۲۲۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ

اور جس دن ہم جمع کریں گے ان سب کو پھر کہیں گے شریک والوں کو کہاں ہیں شریک تمہارے

الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ

جن کا تم دعوے کرتے تھے پھر نہ رہے گی ان کی شرارت مگر یہی کہیں گے قسم اللہ

رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿۲۳﴾ انْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ

اپنے رب کی ہم شریک نہ کرتے تھے دیکھ تو کیسا جھوٹ بولے اپنے اوپر اور کھوئے گئے

عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۲۴﴾

ان سے جو باتیں بناتے تھے ۔

۲۲-۲۴- اوپر جن لوگوں کے حق میں یہ فرمایا کہ یہ لوگ کبھی فلاح کو نہ پہنچیں گے ان ہی لوگوں کی تنبیہ کے لئے اللہ تعالے نے یہ آیت اس غرض سے نازل فرمائی ہے کہ دنیا میں ان لوگوں نے بتوں کو خدا کا شریک جو ٹھہرا رکھا ہے اس آیت کا مضمون سمجھ کر اس سے یہ لوگ باز آویں حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالے سب خلائق کو اپنے سامنے سوال جواب اور حساب کتاب کے لئے کھڑا کریگا تو مشرکوں سے پوچھے گا کہ وہ تمہارے شریک کہاں ہیں جن کو تم نے اپنے گمان میں اللہ کا شریک اور اپنا معبود ٹھہرا رکھا تھا اُن کو بلاؤ تاکہ جس طرح موحدوں کی توحید اور نماز روزہ نے انکا چھٹکارہ کرایا ہے وہ تمہارے معبود بھی تمہارے چھٹکارے کی کوئی صورت نکالیں، اس سوال کے وقت جب مشرکین دیکھیں گے کہ اہل توحید کا چھٹکارہ معمولی حساب کتاب کے بعد جھٹ پٹ ہوتا چلا جاتا ہے تو یہ جھوٹا بہانہ قسمیں کھا کر کریں گے کہ ہمارے گمان میں نہ اللہ کا کوئی شریک تھا نہ ہم مشرک تھے بلکہ ہم بھی دنیا میں اہل توحید میں سے تھے جن کا چھٹکارہ ہو رہا ہے اُس وقت اللہ تعالے اُن کے منہ پر مہر لگا دیگا اور اُن کے ہاتھ پیروں کو بولنے کا حکم دیگا اُن کے ہاتھ پیر سارا اصلی حال ظاہر کردیں گے[1] صحیح مسلم کے حوالہ سے ابو ہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں ہاتھ پیروں کی گواہی کا ذکر ہے[1] یہ آیت بھی اُن آیتوں میں کی ایک آیت ہے جن آیتوں کا مطلب دوسری اور آیتوں کے مخالف ٹھہرا کر لوگوں نے احسن المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے سوالات کئے ہیں اور آپ نے جوابات دئے جو سوال جواب اتقان[2] اور اور تفسیروں میں بالتفصیل مذکور ہیں۔ چنانچہ اس آیت کا مضمون آیت وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا کے مخالف ٹھہرا کر ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ سوال کیا ہے کہ ایک آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین اپنے شرک کو اللہ تعالیٰ سے چھپا کر اپنے آپ کو اہل توحید بتلاویں گے اور دوسری آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ سے کوئی بات نہ چھپاویں گے اس آیت کا اختلاف کا رفع کیونکر ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جواب دیا ہے کہ ایک حالت مشرکوں کے منہ پر مہر لگنے سے پہلے کی ہے اس وقت اُن کو جھوٹے بہانہ کا موقعہ حاصل ہوگا اور دوسری حالت منہ پر مہر لگ جانے اور ہاتھ پیروں کے بولنے کی ہے اس وقت وہ کوئی بات نہ چھپا سکیں گے[3] فتنہ کے معنے

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۰۹ باب فصل فی بیان ان الاعضاء منطقۃ الخ [2] الاتقان ج ۲ ص ۲۷-۲۹ [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۱۲ کتاب التفسیر ۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَ

اور بعضے ان میں کان رکھتے ہیں تیری طرف اور ہم نے اُن کے دلوں پر غلاف رکھے ہیں کہ اس کو نہ سمجھیں اور

فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءُوْكَ

اُن کے کانوں میں بوجھ اور اگر دیکھیں ساری نشانیاں یقین نہ لاویں ان پر جب تک نہ آویں تیرے پاس

يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٥﴾

جھگڑنے کو تجھ سے کہتے ہیں وہ منکر یہ کچھ نہیں مگر نقلیں ہیں اگلوں کی ؛

جانچ اور آزمائش کے ہیں حاصل مطلب یہ ہے کہ جب ان مشرک لوگوں کی جانچ اُس سوال سے ہوگی جس کا ذکر آیت میں ہے تو وہ لوگ سوا اس کے اور کچھ جواب نہ دیویں گے کہ وہ لوگ دنیا میں مشرک نہیں تھے جب یہ لوگ قسمیں کھا کر اللہ تعالیٰ کے روبرو شرک کا انکار کریں گے اس وقت کا ان لوگوں کا حال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یوں جتلایا ہے کہ اے رسول اللہ کے ذرا ان لوگوں کا حال تو دیکھو کہ اب یہ لوگ شرک کی باتوں پر کیسے اڑے ہوئے ہیں اور قیامت کے دن سب شرک کی باتیں بھول کر شرک سے کس طرح صاف انکار کریں گے اور اس جھوٹے انکار پر کیسی جھوٹی قسمیں کھاویں گے یہ تو ان لوگوں کے عقبیٰ میں فلاح کو نہ پہنچنے کا حال ہوا دنیا کا یہی حال مکہ کے قحط کے وقت کا اوپر گذر چکا ہے کہ رفع قحط اور مینہ کے برسنے کی التجا ان دنوں ان لوگوں نے تو اللہ سے کی اور کچھ نہ ہوا آخر اللہ کے رسول سے دعا کی خواہش کی گئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی دعا پر جب رحم فرمایا تو مینہ برسا صحیح بخاری کے حوالہ سے عمران بن حصینؓ کی حدیث جو اوپر ابھی گذری[1] وہی حدیث ان آیتوں کی بھی گویا تفسیر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود دنیا کے تجربہ اور عقبیٰ کے حال کی تنبیہ کے جو یہ لوگ اپنی شرک کی باتوں پر اڑے ہوئے ہیں اس کا سبب وہی ان کی ازلی کم بختی ہے۔

۲۵۔ کلبی نے اور ابن جریر نے مجاہد کے قول کے موافق اپنی تفسیر میں جو شان نزول اس آیت کی بیان کی اس کا حاصل یہ ہے کہ ابوسفیان ابوجہل ولید بن مغیرہ نضر بن حارث عتبہ بن شیبہ ایک دن ان سب نے اکٹھے ہو کر چند آیتیں قرآن مجید کی سنیں ان میں نضر بن حارث پچھلے زمانہ کے قصے بہت جانتا تھا اس لئے ان سب نے نضر بن حارث سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم نے سنا محمدؐ نے کیا پڑھا نضر بن حارث نے کہا جس طرح میں تم کو پچھلی کہانیاں سناتا رہتا ہوں اسی طرح یہ بھی ایک کہانی ہے ابوسفیان نے کہا بعض باتیں تو اس کلام کی حق معلوم ہوتی ہیں ابوجہل نے کہا ایسی باتوں کے ماننے سے ہم کو موت بہتر ہے اس سب قصہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[2] حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ اپنے علم ازلی کے موافق اللہ تعالیٰ کو جس کی ہدایت منظور ہوتی ہے وہ خود اس شخص کا دل حق بات کے ماننے کی طرف مائل کر دیتا ہے اور علم ازلی الٰہی میں جو آدمی گمراہ ٹھہر چکا ہے اُس کے دل پر حق بات کی طرف سے پردہ پڑ جاتا ہے چنانچہ اُن لوگوں میں سے ابوجہل کے دل پر پردہ پڑ جانے کے سبب سے جو بات اُس نے اپنے منہ سے نکالی تھی کہ ایسی حق باتوں سے موت بہتر ہے شقاوت ازلی نے اُس کے حق میں وہی کیا کہ حالت کفر میں بدر کی لڑائی کے دن مارا گیا اور ابوسفیان نے سعادت ازلی کے سبب سے

[1] یعنی سابقہ صفحہ پر [2] تفسیر معالم ج ۳ ص ۲۹۹ ؛

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ ۚ وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ (۲۶)

اور وہ اس سے منع کرتے ہیں اور اس سے بھاگتے ہیں اور ہلاک کرتے ہیں مگر آپ کو اور نہیں سمجھتے

جو بات منہ سے نکالی تھی آخر کو انہیں اسلام نصیب ہوا حاصل کلام یہ ہے کہ ابوجہل اور نضر بن حارث جیسے لوگوں کی شان میں فرمایا کہ ایسے لوگوں کو ہزار ہا معجزے دکھلائے جائیں گے سارے قرآن کی آیتیں ان کو سنائی جاویں گی جب بھی یہ سخت دل اور بہرے بنے رہیں گے نہ کسی معجزہ کے دیکھنے سے ان کے دل پر کا غفلت کا پردہ اٹھے گا نہ کسی آیت قرآنی کو کان کھول کر سنیں گے بلکہ بجائے راہ راست پر آنیکے ایسے لوگ جب بات کریں گے تو ایسی جاہلوں کی سی بات جس طرح نضر بن حارث نے یہ ایک بے ٹھکانے بات کہہ دی کہ سارے قرآن میں اگلے لوگوں کی نقلیں اور کہانیاں ہیں اور ابوجہل نے یہ بات کہہ دی کہ ایسی باتوں کے مان لینے سے ہم کو موت بہتر ہے۔ صحیح بخاری کے حوالہ سے عمران بن حصینؓ کی حدیث جو اوپر گذری[1] وہی حدیث اس آیت کی گویا تفسیر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اسی ازلی کم بختی کے سبب سے ایسی باتیں کرتے تھے۔

۲۶۔ طبرانی اور مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ابوطالب یوں تو ہر وقت حضرت کی حمایت کرتے رہتے تھے کہ قریش میں سے کوئی شخص آنحضرت کو ایذا نہ دیوے مگر آنحضرت جب ابوطالب کو کوئی بات ہدایت کی کہتے تو اس سے ابوطالب دور بھاگتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[2] طبرانی کی سند میں اگرچہ ایک راوی قیس بن ربیع کو بعضے علماء نے ضعیف کہا ہے لیکن شعبہ نے اس کو ثقہ کہا ہے[3] اس لئے یہ شان نزول کی روایت معتبر ہے بخاری میں ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک روز آنحضرت کے روبرو ابوطالب کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا شاید ابوطالب کو میری شفاعت کچھ نفع تخفیف عذاب پہنچا دے[4]۔ اسی طرح بخاری میں عروہؓ سے مرسل طور پر روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عباسؓ نے ابولہب کو خواب میں دیکھا کہ بری حالت میں ہے جب حضرت عباسؓ نے ابولہب سے حال پوچھا تو ابولہب نے کہا جب سے میں مرا ہوں ہمیشہ بری حالت میں رہتا ہوں لیکن پیر کے دن محمد کی پیدائش کی خبر سن کر جو میں نے اس خوشی میں اپنی لونڈی ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا اس لئے اس روز مجھ کو ذرا اس تکلیف سے کچھ راحت ہو جاتی ہے[5]۔ علمائے اسلام کو اس شفاعت کی نسبت جس کا ذکر آپ نے ابوطالب کے حق میں فرمایا ہے اور تخفیف عذاب ابولہب کی نسبت بڑی بحث ہے حاصل اس بحث کا یہ ہے کہ آیت قرآنی فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ (۷۴/۴۸) اور لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ (۲/۱۶۲) سے کافروں کے حق میں نہ شفاعت ہو سکتی ہے نہ ان کا عذاب کچھ کم ہو سکتا ہے پھر یہ شفاعت اور تخفیف عذاب کس معنی کی ہے حاصل جواب یہ ہے کہ اللہ کا وعدہ ہے کہ مشرک کی بخشش نہیں ہے اس کے سب عمل بیکار ہیں اس لئے نہ یہ شفاعت دخول جنت کی ہے نہ یہ تخفیف عذاب کسی عمل کی وجہ سے ہے بلکہ اپنی نبی کی عزت بڑھانے کی غرض سے یہ تخفیف عذاب کی شفاعت ابوطالب کے حق میں اور ایک روز کی تخفیف عذاب ابولہب کے لئے خود اللہ کی طرف سے محض اللہ کے فضل سے ہے اور یہ اللہ کا فضل کسی آیت قرآن کے مخالف نہیں ہے اور یہ خاص فضل اللہ کا ایسا ہی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ

[1] یعنی سابقہ صفحات پر [2] مستدرک حاکم ج ۲ ص ۳۱۵ کتاب التفسیر و لباب النقول ص ۹۸ [3] تہذیب ج ۸ ص ۳۹۲ [4] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷۱ باب صفۃ الجنۃ والنار [5] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶۴ باب و امہاتکم اللتی ارضعنکم نیز دیکھئے فتح الباری ج ۵ ص ۷۴۱

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا يَا لَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِآيَاتِ

اور کبھی تو دیکھے جس وقت ان کو ٹھہرایا ہے آگ پر تو کہتے ہیں اے کاش کہ ہم کو پھر بھیجیں اور ہم نہ جھٹلاویں اپنے

رَبِّنَا وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٧﴾ بَلْ بَدَا لَهُم مَّا كَانُوا يُخْفُونَ مِن

رب کی آیتیں اور رہیں ایمان والوں میں کوئی نہیں بلکہ کھل گیا جو چھپاتے تھے

قَبْلُ ۖ وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٢٨﴾ وَقَالُوا إِنْ

پہلے اور اگر پھر بھیجے تو پھر کریں وہی جو منع ہوا تھا ان کو اور وہ جھوٹ بولتے ہیں اور کہتے ہیں

بغیر کسی عمل نیک کے بہت سی مخلوق کو محض اپنے فضل سے جنت میں داخل کر دے گا چنانچہ اس کی تصریح ابو سعید خدریؓ کی متفق علیہ روایت میں[1] ہے آخر کو فرمایا کہ ایسی باتوں سے کسی کا کچھ نہیں بگڑتا بلکہ ایسی باتوں کا خمیازہ خود ان ہی لوگوں کو قیامت کے دن بھگتنا پڑے گا لیکن یہ ان کی نادانی ہے کہ یہ لوگ عقبےٰ کے اپنے بھلے برے کو نہیں سمجھتے اور اتنا نہیں جانتے کہ دنیا میں یہ لوگ جو کام کرتے ہیں اس کا کچھ نہ کچھ نتیجہ اپنے دل میں سوچ لیتے ہیں اسی سے ان لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے پیدا کرنے کا اتنا بڑا کام بغیر نتیجہ کے نہیں کیا ہے بلکہ اس کا نتیجہ وہی ہے جو گھڑی گھڑی ان لوگوں کو سمجھایا جاتا ہے کہ اس جہان کے بعد دوسرا جہان اور قائم ہوگا جس میں دنیا کی نیکی بدی کی جزا سزا کا فیصلہ ہوگا پھر باوجود گھڑی گھڑی سمجھانے کے ایسے ظاہری نتیجہ کو جھٹلانا اور اس سے غافل رہنا بڑی نادانی ہے۔ معتبر سند کی شداد بن اوسؓ کی حدیث ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالہ سے گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عقلمند وہ شخص ہے جو موت سے پہلے عقبےٰ کا کچھ سامان کر لیوے اور نادان وہ ہے جو عمر بھر عقبےٰ سے غافل رہے اور پھر عقبےٰ میں راحت کی توقع رکھے[2] قریش کی نادانی کا ذکر جو آیت میں ہے اس کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے۔

۲۷-۳۰- اوپر سے جن منکر حشر مشرک لوگوں کا ذکر چلا آتا ہے ان آیتوں میں بھی انہیں لوگوں کا قیامت کے دن کا ایک حال اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کو جتلایا ہے کہ اے رسول اللہ کے اب تو دنیا میں یہ لوگ سرکشی سے جنت دوزخ اور عقبےٰ کی باتوں کو جھٹلا رہے ہیں لیکن جب دوزخ میں ڈالنے کے لئے اللہ کے فرشتے ان کو گھیر کر دوزخ کے کنارہ پر لے جاویں گے اور دوزخ کی آگ ان کو نظر آوے گی اس وقت کا ان کا حال دیکھنے کے قابل ہے کہ یہ اپنے کئے پر کس قدر پچھتاوینگے اور پھر دوبارہ دنیا میں آنے اور ایماندار بن کر دنیا سے اٹھنے کی کیسے آرزو کرینگے پھر فرمایا کہ یہ آرزو ان کی کچھ دل سے نہ ہوگی بلکہ دوزخ کی آگ سے بدحواس ہو کر ایسی باتیں اسی طرح ان کے منہ سے نکلیں گی جس طرح دریا کے سفر میں ڈوبنے کے خوف سے یہ لوگ دنیا میں ایماندار بن جاتے تھے اور خشکی میں اتر کر پھر وہی مشرک کے مشرک ہو جاتے تھے۔ یہ ذکر سورہ عنکبوت میں تفصیل سے آوے گا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کو ان کے جھوٹ کی عادت خوب معلوم ہے کہ یہ لوگ اپنی عادت کے موافق دنیا میں دوبارہ جانے اور ایماندار بننے کی جھوٹی آرزو کر رہے ہیں اگر دنیا میں ان کو دوبارہ بھیجا جاوے تو ان کا یہ جھوٹ فوراً کھل جاویگا جس طرح یہاں ایک

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۱۰۷ باب قول اللہ وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ و صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰۳ باب رؤیۃ المومنین فی الآخرۃ ربہم الخ [2] جامع ترمذی ج ۲ ص ۶۹ ابواب صفۃ القیامۃ و سنن ابن ماجہ ص ۳۲۴ باب ذکر الموت والاستعداد لہ۔

هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ تَرٰىٓ اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى

زندگی نہیں مگر یہی دنیا کی اور ہم کو پھر نہیں اٹھنا اور کبھی تو دیکھے کہ جس وقت ان کو کھڑا کیا

رَبِّهِمْ ۭ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا

ان کے رب کے سامنے فرمایا اب یہ سچ نہیں بولے کیوں نہیں قسم ہمارے رب کی فرمایا تو چکھو

الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع

عذاب بدلہ اپنے کفر کا

یہ جھوٹ کھل گیا کہ دوزخ کے کنارہ پر آنے سے پہلے تو یہ لوگ قسمیں کھا کر اپنے شرک کا انکار کر رہے تھے جب دوزخ کی آگ ان کو نظر آئی اور اُس میں جھونکے جانے کا ان کو یقین ہو گیا تو اپنی سب وہ جھوٹی قسمیں بھول کر بدحواسی میں یہ اقرار کرنے لگے کہ پہلی دفعہ تو دنیا میں ہم نے سب کچھ کیا لیکن دوبارہ دنیا میں اگر ہم کو بھیجا جاویگا تو ہم ایسا نہ کریں گے بلکہ پورے ایمان دار بن کر دنیا سے اٹھیں گے آخر یہی لوگ تھے جو دنیا میں کھلے خزانہ یہ کہا کرتے تھے کہ حشر قیامت سب جھوٹ ہے انسان کی فقط یہی دنیا کی زندگی ہے جب وہ مر کر خاک ہو گیا تو پھر دوبارہ کیا جینا ہے۔ اب آگے ان لوگوں کی ایک اور حالت کا ذکر فرمایا کہ جب یہ لوگ اللہ تعالےٰ کے روبرو حاضر کئے جاویں گے تو اللہ تعالےٰ ان سے پوچھیگا کہ عقبیٰ کی جن باتوں کو دنیا میں تم لوگ جھٹلاتے تھے آج وہ سب باتیں تمہاری آنکھوں کے سامنے آگئیں اس کے جواب میں قسمیں کھا کر یہ لوگ کہیں گے کہ ہاں اے ہمارے رب وہ سب باتیں حق ہیں اور ہم نے اُن سب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا لیکن بے وقت انکا یہ اقرار کچھ کام نہ آویگا اور حکم ہوگا کہ جن دوزخ کے عذاب کو تم جھٹلاتے تھے اُس جھٹلانے کی اب یہی سزا ہے کہ جاؤ اسی عذاب کا مزہ چکھو۔ اسی سورہ کے آخر میں اور سورہ المؤمن کے آخر میں جو آیتیں آویں گی اُن سے شرع کا یہ قاعدہ قرار پایا ہے کہ انسان کا ایمان اور اُس کی توبہ اُسی وقت کا سب کچھ مقبول ہے جب تک موت یا عذاب الٰہی کی کچھ نشانیاں انسان کی آنکھوں کے سامنے نہ آجاویں کیونکہ خالص فرمانبرداری اُسی وقت تک ہے جب تک کوئی بے بسی انسان کو نہیں ہے جب موت یا عذاب الٰہی کی نشانیاں آنکھوں کے سامنے آگئیں تو پھر ایک حالت بے بسی کی ہو گئی جس میں نہ خالص فرمانبرداری کا موقعہ باقی رہتا ہے نہ اُس بے موقعہ وقت کی کوئی بات مقبول ہونے کے قابل رہتی ہے جس طرح مثلاً سورہ یونس میں آوے گا کہ ڈوبتے وقت فرعون ایمان لایا اور وہ مقبول نہ ہوا اس قاعدہ شرعی کے موافق منکر حشر مشرک لوگوں کی وہ بے وقت کی ندامت کام نہ آئی جس کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔ صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ کی روایت ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص نے پہلے سے ایمان اسلام کی باتوں کی پرواہ نہ کی سورج کے مغرب سے نکلنے کے بعد ایسے شخص کا ایمان و اسلام مقبول نہ ہوگا[1]۔ ترمذی و ابن ماجہ میں عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ موت کے قریب جب آدمی کا سانس اکھڑ کر خرا ٹا لگ جاتا ہے تو اسوقت اسکی توبہ قبول نہیں ہوتی ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے[2] یہ حدیثیں ان آیتوں کی گویا تفسیر ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خالص فرمانبرداری کا وقت ہاتھ سے نکل جانے کے بعد پھر عقبےٰ کی بہبودی کا کوئی کام آدمی سے بن نہیں آتا۔

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۴۳ باب التوبۃ [2] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۹۲۔ ابواب الدعوات و سنن ابن ماجہ ص ۳۲۴ باب ذکر التوبۃ

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً

خراب ہوئے جنہوں نے جھوٹ جانا ملنا اللہ کا جب تک کہ آ پہنچے ان پر قیامت بے خبر

قَالُوا يَا حَسْرَتَنَا عَلَىٰ مَا فَرَّطْنَا فِيهَا وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ

کہنے لگے اے افسوس کہ ہم نے قصور کیا اس میں اور وہ اٹھاتے ہیں اپنے بوجھ اپنی پیٹھ پر

أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ ﴿٣١﴾ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ ۖ وَلَلدَّارُ الْآخِرَةُ

سنتا ہے بُرا بوجھ ہے جو اٹھاتے ہیں اور کچھ نہیں دنیا کا جینا مگر کھیل اور جی بہلانا اور پچھلا گھر

خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٣٢﴾

سو بہتر ہے ڈر والوں کو کیا تم کو سمجھ نہیں ÷

۳۱-۳۲- جن منکر حشر لوگوں کا ذکر اوپر سے چلا آتا ہے یہ آیتیں بھی اُن ہی کی شان میں ہیں حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ جن لوگوں نے جزاو سزا کے لئے اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑے ہونے کو جھٹلایا جس کے سبب سے عقبیٰ کی بہبودی کے کچھ کام اُن سے نہ ہو سکے ایسے لوگ بڑے ٹوٹے میں ہیں ابھی تو اس ٹوٹے کا حال ان لوگوں کو نہیں معلوم ہوتا لیکن جب ناگہانی طور پر قیامت کی گھڑی ان لوگوں کے سر پر آن کھڑی ہو گی اور عقبےٰ کے احوال اُن کی آنکھوں کے سامنے آجاویں گے کہ عقبےٰ کی بہبودی کے کام کرنے والے لوگ طرح طرح کے عیش و آرام میں ہوں گے اور یہ لوگ طرح طرح کے عذاب میں پھنس جاویں گے تو اُس وقت یہ لوگ اپنے تصور پر نادم ہو کر بہت حسرت و افسوس کرینگے لیکن بے وقت کی ندامت اُن کے کچھ کام نہ آوے گی قتادہ کے قول کے موافق ایسے لوگوں کی پیٹھ پر بوجھ ہونیکا یہ مطلب ہے کہ جب ایسے بد لوگ قبروں سے اُٹھیں گے تو اُن کے بد عمل ایک بدصورت آدمی کی شکل بن جاویں گے اور وہ بد شکل آدمی ان بد لوگوں کی چڈھی پر چڑھ کر ان کو میدان محشر تک گھیر کر لے جاویں گے[1] معتبر سند سے مسند امام احمد اور ابوداؤد میں براء بن عازب رضی کی بڑی حدیث ہے جس میں یہ ہے کہ بد لوگوں کا عمل ایک بد شکل آدمی کی صورت بن کر وہ بد شکل آدمی ایسے لوگوں کی قبر میں آتا ہے اور صاحب قبر کو لعنت ملامت کرتا ہے[2]۔ اِس حدیث سے قتادہ کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ یہ لوگ اِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا جو کہا کرتے تھے اُسکا جواب فرمایا کہ جس طرح بچے ایک کھلونے سے گھڑی دو گھڑی کھیلتے ہیں اور پھر اسے توڑ کر پھینک دیتے ہیں دنیا کی زندگی کا حال تو بالکل ویسا ہی ہے کہ صبح کچھ ہے تو شام کچھ اللہ سے ڈر کر عقبیٰ کی بہبودی کے کام کرنے والوں کی ہمیشہ کے عیش و عشرت کی جو زندگی عقبےٰ میں ہو گی اس کے آگے عقلمند کے نزدیک دنیا کے ناپائیدار عیش اور دنیا کی چند روزہ زندگی کی کیا حقیقت ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انس بن مالک رضی کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جتنی جگہ میں گھوڑے کا سوار اپنا کوڑا رکھ دیتا ہے جنت کی اتنی جگہ تمام دنیا سے بہتر ہے[3]۔ ان آیتوں میں دنیا کی زندگی اور دنیا کے عیش کو عقبےٰ کی زندگی اور عیش کے آگے بے حقیقت جو فرمایا یہ حدیث گویا اُس کی تفسیر ہے ÷

[1] تفسیر خازن ج ۲ ص ۱۳ [2] الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۸۹ [3] صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۹۲ باب الغدوۃ والروحۃ فی سبیل اللہ الخ

قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ

ہم جانتے ہیں کہ تجھ کو غم دلاتی ہیں ان کی باتیں سو وہ تجھ کو نہیں جھٹلاتے لیکن

الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ

بے انصاف اللہ کے حکموں سے منکر ہوئے جاتے ہیں اور جھٹلایا ہے بہت رسولوں کو تجھ سے پہلے

فَصَبَرُوا عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا حَتَّىٰ أَتَاهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ

پھر صبر کرتے رہے جھٹلانے پر اور ایذا پر جب تک پہنچی ان کو مدد ہماری اور کوئی بدلنے والا نہیں

اللَّهِ ۚ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِنْ نَبَإِ الْمُرْسَلِينَ ﴿٣٤﴾

اللہ کی باتیں اور تجھ کو پہنچ چکا ہے کچھ احوال رسولوں کا

۳۳-۳۴- ترمذی اور حاکم نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے اور ترمذی نے اس روایت کو صحیح بتلایا ہے اور حاکم نے اس کو شرط شیخین پر صحیح کہا ہے کہ ابوجہل نے آنحضرت سے کہا کہ معاملات دنیا میں ہم تم کو سچا اور امانت دار جانتے ہیں لیکن جس کلام کو تم اپنے اوپر خدا کی طرف سے اترنا بتلاتے ہو اس کی تصدیق ہم نہیں کر سکتے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[1] اور آنحضرت جو مشرکین کے جھٹلانے پر رنجیدہ ہوتے تھے اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو یوں تسکین دی کہ تمہاری ذات خاص سے ان مشرکین کو کچھ بحث نہیں ہے بلکہ وہ ذات سے تم کو اچھا گنتے ہیں وہ تو اس سبب سے تم کو جھٹلاتے ہیں کہ تم ان کو خدا کے احکام سنا کر ان کا قدیم کا رواج بت پرستی ان سے چھڑانا چاہتے ہو سو اس طرح کا جھٹلانا کچھ رنج کرنے کے اور غم کھانے کے لائق نہیں ہے اب آگے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی یہ تسلی فرمائی کہ اے رسول اللہ کے قرآن میں تم کو پچھلے انبیاء اور ان کی امتوں کے حالات جو سنائے گئے ان سے تم کو یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ ان لوگوں کا تمہیں جھٹلانا کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ پچھلی امتیں بھی اسی طرح رسولوں کو جھٹلاتی اور طرح طرح کی ایذا دیتی رہی ہیں جس پر انہوں نے صبر کیا اور اس صبر کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق اپنے رسولوں کی مدد کی جس سے وہ سرکش قومیں غارت ہو گئیں اور آخر کو غلبہ اللہ کے رسولوں کو ہی ہوا تم بھی ذرا صبر کرو یہی انجام تمہارا ہونے والا ہے۔ اللہ سچا ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے ہجرت کے بعد رفتہ رفتہ اس وعدہ کا جو کچھ ظہور ہوا اس کے ثبوت کے لئے فقط ایک مکہ کی نظیر کافی ہے کہ ان آیتوں کے نازل ہونے کے وقت مکہ کا کیا حال تھا اور اب کیا ہے۔ صحیح بخاری میں خباب بن الارتؓ کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے ایک دن صحابہ نے مشرکین مکہ کے ظلم و زیادتی کی شکایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش کی جس پر آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے ایماندار لوگ اس سے زیادہ ظلم و زیادتی اٹھا چکے ہیں ان میں سے بعضوں کو جیتا زمین میں گاڑ دیا گیا ہے اور بعضوں کو آرے سے چیر گیا ہے اور پھر بھی وہ لوگ اپنے دین پر قائم رہے جلدی نہ کرو رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو پورا کریگا اور اس ظلم اور زیادتی کا نام بھی باقی نہ رہے گا[2] یہ حدیث ان آیتوں کی

[1] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۳۲ کتاب التفسیر و مستدرک حاکم ج ۲ ص ۳۱۵ کتاب التفسیر

[2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۴۳ باب ذکر ما لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ من المشرکین بمکۃ۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي

اور اگر تجھ پر بھاری ہے ان کا تغافل کرنا تو اگر تجھ سے ہو سکے تو ڈھونڈھ نکالے کوئی سرنگ

الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاۗءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ

زمین میں یا کوئی سیڑھی آسمان میں پھر ان کو لادے ایک نشانی اور اگر اللہ چاہتا جمع کر لاتا

گویا تفسیر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی تسلی کی آیتوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی کامل تسلی ہجرت سے پہلے ہی ہو گئی تھی کہ جس سے آپ صحابہ کی بھی تسلی فرمایا کرتے تھے ؛

۳۵-۳۶- ابوصالح کی روایت سے ابن جوزی نے اپنی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی ہے اسکا حاصل یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے دل میں اس بات کی بڑی آرزو تھی کہ آپ کی ہجرت سے پہلے مکہ میں تشریف رکھنے کے زمانہ میں ہی سب قریش ایمان لے آویں اس آرزو کے سبب سے جو معجزے قریش چاہتے تھے آپکا دل چاہتا تھا کہ فوراً اُس معجزہ کا ظہور خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو جاوے لیکن علم الٰہی میں ہر کام کا وقت مقرر ہے وقت سے پہلے کوئی کام نہیں ہوتا ازلی قرار داد یوں تھی کہ فتح مکہ کے بعد مکہ میں اسلام عام طور پر پھیلے اور اس بائیس برس کے عرصہ میں جو زمانہ آپ کی نبوت اور فتح مکہ کا ہے قریش میں سے جتنے آدمی علم ازلی میں شقی ٹھیر چکے ہیں وہ مکہ میں عام اسلام پھیلنے سے پہلے بدر کی لڑائی میں کفر کی حالت میں مارے جاویں اس لئے بعض معجزوں کا ظہور اُس وقت خلاف مصلحت الٰہی تھا چنانچہ حارث بن عامر اور چند قریش نے ایک روز اکٹھے ہو کر آپ سے چند معجزوں کا ظہور چاہا اور آپ کے دل میں شوق پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوراً ان معجزوں کا ظہور ہو جاوے تو شاید یہ لوگ اسلام لے آویں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[۱] حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ وقت سے پہلے اگر تم سے ہو سکے تو تم اُن کے ایمان لانے کے لئے زمین آسمان کو ایک کر دو اور زمین کے اندر کی اور آسمان کے اوپر کی سب نشانیاں معجزہ کے طور پر لے آؤ تو ہو گا وہی کہ ازل میں جن لوگوں کا حق بات کی طرف کان لگانا اور اسلام لانا ٹھہر چکا ہے وہی اسلام لاویں گے اور جن کا حالت کفر میں ناٹھہر چکا ہے وہ اُسی حال میں مر کر قیامت کے دن وہ اسی حالت میں اللہ کے روبرو آویں گے ہاں اگر اللہ چاہے تو ان سب کو ابھی ہدایت ہو سکتی ہے مگر قرار داد ازلی کے موافق نہ اللہ چاہے گا نہ ایسا ہو گا صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ دنیا کے پیدا ہونے کے پچاس ہزار برس پہلے جو کچھ دنیا میں ہونے والا ہے اس سب کا اندازہ کر کے اللہ تعالیٰ نے وہ سب کچھ لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے[۲] دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے سب چیزوں کا اندازہ جو اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اُس کو علم الٰہی کا نتیجہ کہتے ہیں اور یہ علم الٰہی کے موافق دنیا کا حال لوح محفوظ میں جو لکھا گیا ہے اُس کو قضا و قدر کہتے ہیں اسی قضا و قدر کے موافق دنیا بھر کے قیامت تک کے کام چلتے ہیں اور قیامت کے قائم ہونے پر اسی کے موافق جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں جائیں گے اس کے مخالف اب کچھ نہیں ہو سکتا اسی واسطے صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں حضرت نے فرمایا ہے کہ جو لکھا جانا تھا وہ لکھا جا کر اب تو قلم خشک

[۱] تفسیر خازن ج ۲ ص ۱۴ [۲] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۵ باب حجاج آدم و موسے علیہما السلام ۔

عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ

سب کو راہ پر سو مت ہو نادانوں میں مانتے وہ ہیں جو

يَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾

سنتے ہیں اور مُردوں کو اٹھاوے گا اللہ پھر اس کی طرف جاویں گے

الضعف وقف غفران وقف منزل عند البعض علی یسمعون

بھی ہو چکا اس قضا و قدر کے مسئلہ میں صحابہ کو شبہ بھی پڑا ہے چنانچہ موطا، ترمذی اور ابو داؤد میں حضرت عمرؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت نے جب یوم میثاق کا ذکر فرما کر یہ فرمایا کہ اسی روز اہل جنت اور اہل دوزخ کی ارواح میں قضا و قدر کے موافق چھٹ چکی ہیں تو بعض صحابہ نے کہا کہ حضرت پھر ہم عمل کس لئے کریں قضا و قدر میں ہمارا جنت میں جانا لکھا ہوگا تو بغیر عمل کے ہم جنت میں جا سکتے ہیں آپ نے فرمایا جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اہل جنت پیدا کیا ہے ان سے خود اللہ تعالیٰ اسی طرح کے کام کرا لیتا ہے[1] اتنی بات اور جان لینے کے قابل ہے کہ دنیا کے پیدا کرنے سے پہلے جو اللہ تعالیٰ نے مثلاً ابوجہل کے کفر اور ابو سفیان کے اسلام کا اندازہ کیا ہے اس وقت ان دونوں روحوں کو کچھ مجبور کر کے اندازہ نہیں کیا بلکہ یہ اندازہ ہے کہ دنیا جب پیدا کی جاوے گی اجسام جیں گے اور روحوں کا تعلق اجسام سے ہوگا اور اُن کو ہر طرح کے نیک و بد عمل کرنے کا اختیار دیا جاویگا تو ابوجہل سے کفر کے کام ہوں گے اور ابو سفیان سے کچھ دنوں کفر کے اور کچھ دنوں اسلام کے کام ہوں گے اسی کے موافق لوح محفوظ میں لکھا گیا ہے غرض لکھنے سے پہلے کچھ مجبوری نہ تھی اور اب لکھنے کے مخالف کچھ ہو نہیں سکتا اور تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے چند روایتیں ہیں اور ان میں بعض ضعیف بھی ہیں اس لئے ابن جوزی سے یہ شان نزول کی روایت جو لی گئی ہے اُس میں ابو صالح کا پتہ دے دیا ہے تاکہ ضعیف روایت کا شبہ نہ پڑے کیونکہ ابو صالح کے سلسلہ میں جب تک محمد بن مروان سدی صغیر شریک نہ ہو ابو صالح کی روایت مقبول ہے اور اس میں محمد بن مروان شریک نہیں ہے۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ارادہ علم کا تابع ہے کیونکہ ہر کام کے کرنے نہ کرنے کا خیال پہلے دل میں پیدا ہوتا ہے پھر اُس کام کے کرنے نہ کرنے کا ارادہ کیا جاتا ہے اسلئے علم ازلی الٰہی میں جو لوگ دوزخ کے قابل قرار پا چکے ہیں اُن کو مجبور کر کے راہ راست پر لانے کا اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہیں ہے کس لئے کہ یہ بات اللہ کے علم ازلی کے برخلاف ہے اس واسطے اے رسول اللہ کے بعضے اہل مکہ تمہاری نصیحت کو نہ مانیں تو نہ اُس کا کچھ رنج کرنا چاہئے نہ سارے اہل مکہ کو اُن کی خواہش کے موافق معجزات دکھا کر راہ راست پر لانے کی کوشش کی جاوے کہ یہ امر علم اور ارادۂ الٰہی کے برخلاف ہے غرض اس طرح کی کوشش نادانوں کا کام ہے اس سے اے رسول اللہ کے تم کو بچنا چاہئے بعضے علماء نے اللہ تعالیٰ کے ارادہ کی دو قسمیں ٹھہرائی ہیں ایک ارادہ شرعی ہے دوسرا ارادہ تقدیری۔ ارادہ شرعی فقط خلقت کی فرمانبرداری اور نافرمانی سے متعلق ہے اور ارادہ تقدیری خلقت کی ہر حالت سے متعلق ہے۔ اس قول کے موافق معنے آیت کے یہ ہیں کہ علم ازلی الٰہی کے موافق جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ارادہ تقدیری میں نیک نہیں قرار پائے وہ ارادہ شرعی کی فرمانبرداری کے راستہ سے ہمیشہ دور بھاگتے رہیں گے اُن کے حق میں راہ راست پر لانے کی کوشش

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷۶ باب جف القلم علی علم اللہ [2] سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۶۴۳ باب فی القدر و مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ

اور کہتے ہیں اس پر کیوں نہیں اتری نشانی اس کے رب سے تو کہہ اللہ کو قدرت ہے کہ اتارے

اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ

کچھ نشانی اور لیکن ان بہتوں کو سمجھ نہیں اور کوئی ہلتا نہیں زمین میں نہ جانور ہے

يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَىْءٍ ثُمَّ

کہ اڑتا ہے دو پر سے مگر ایک ایک امت ہے تمہاری طرح چھوڑی نہیں ہم نے لکھنے میں کوئی چیز پھر

اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِى الظُّلُمٰتِ ؕ

اپنے رب کی طرف اکٹھے ہوں گے اور وہ جو جھٹلاتے ہیں ہماری آیتیں بہرے اور گونگے ہیں اندھیروں میں

بے سود ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نصیحت کی مثال مینہ کی اور اچھے برے لوگوں کی مثال اچھی بری زمین کی فرمائی ہے[1]۔ یہ حدیث گویا اس آیت کی تفسیر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح بری زمین میں مینہ رائگاں ہے اسی طرح ازلی بد لوگوں کے حق میں نصیحت رائگاں ہے۔

۳۷-۳۹۔ اوپر ذکر تھا کہ اہل مکہ میں سے جو لوگ علم ازلی میں گمراہ ٹھہر چکے ہیں اُن کے حق میں کوئی معجزہ مفید نہیں ان آیتوں میں فرمایا کہ ان میں کے بعضے جلد باز سرکش لوگ گھڑی گھڑی معجزہ کا تقاضا جو کرتے ہیں اُن کو جواب دیا جاوے کہ اللہ کی قدرت سے تو کوئی معجزہ بعید نہیں ہے لیکن عادت الٰہی یوں جاری ہے کہ کسی قوم کی خواہش کے موافق اللہ کے رسول سے کوئی معجزہ ظاہر ہو اور پھر وہ قوم راہ راست پر نہ آوے تو قوم ثمود کی طرح وہ قوم غارت ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ اس عادت الٰہی سے واقف نہیں اسلئے یہ گھڑی گھڑی معجزہ کا تقاضا کرتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اگر یہ لوگ قدرت الٰہی کا نمونہ دیکھنے کے لئے معجزہ چاہتے ہیں تو آسمان کی مخلوقات تو اُن کی نگاہ سے دور ہے لیکن زمین پر چلنے پھرنے والی مخلوقات اور ہوا پر اڑنے والے پر دار جانور ان کو اللہ کی قدرت کا نمونہ ٹھہرانے کے لئے کافی ہیں جن میں ہر ایک کی حالت کو اللہ تعالےٰ نے لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے جانوروں پر شرع کی تو کچھ تکلیف نہیں ہے اس لئے عذاب و ثواب کے واسطے تو اُن کو دوبارہ زندہ نہیں کیا جاوے گا ہاں کسی زور آور جانور نے کسی کمزور جانور پر کچھ زیادتی کی ہوگی تو اس کے انصاف کے لئے اُن کو بھی دوبارہ زندہ کیا جاویگا اس میں منکر حشر انسان کو یہ تنبیہ ہے کہ انصاف کے لئے جب جانوروں تک کو دوبارہ زندہ کیا جاوے گا تو باوجود حرام حلال کی تکلیف شرعی کے حشر کا جو لوگ انکار کرتے ہیں وہ بڑے نادان ہیں اسی واسطے فرمایا کہ ایسے لوگ حق بات کے سننے سے گویا بہرے اور کلمہ توحید زبان پر لانے سے گونگے اور کفر کے طرح طرح کے اندھیرے میں نور ایمانی سے دور پڑے ہوئے ہیں جس کا سبب یہ ہے کہ علم ازلی کے موافق ہر ایک کا راہ راست پر آنا اور نہ آنا اللہ کے ہاتھ ہے صحیح مسلم میں ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے کہ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی سینگ والی بکری بغیر سینگ والی بکری کے سینگ مار دیوے گی تو اُس کا بدلہ بھی قیامت کے دن لیا جاوے گا[2]۔ یہ حدیث انصاف کے لئے جانوروں کے دوبارہ

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸ باب فضل من علم و علم۔ [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۲۰ باب تحریم الظلم۔

مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾ قُلْ

جس کو چاہے اللہ گمراہ کرے اور جس کو چاہے ڈال دے راہ سیدھی پر تو کہہ

اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ

دیکھو تو اگر آئے تم پر عذاب اللہ کا یا آوے تم پر قیامت کیا اللہ کے سوا کسی کو پکارو گے

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ

بتاؤ اگر تم سچے ہو بلکہ اسی کو پکارتے ہو پھر کھول دیتا ہے جس پر پکارتے تھے

اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ

اگر چاہتا ہے اور بھول جاتے ہو جن کو شریک کرتے تھے اور ہم نے رسول بھیجے تھے بہت امتوں پر تجھ سے پہلے

فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ

پھر ان کو پکڑا سختی میں اور تکلیف میں شاید وہ گڑگڑاویں پھر کیوں نہ جب آیا ان پر

زندہ ہونے کی گویا تفسیر ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول جو مشہور ہے کہ جانوروں کا مر کر اللہ تعالیٰ کے پاس اکٹھے ہو جانا ہی اُنکا حشر ہے[۱]۔ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ جن جانوروں کے ذمہ کچھ مؤاخذہ نہیں ہے وہ دوبارہ زندہ نہ ہوں گے ورنہ جن جانوروں کے ذمہ کچھ مؤاخذہ ہے انکا دوبارہ زندہ ہونا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ صحیح بخاری ومسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث اوپر گذر چکی[۲] جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نصیحت کی مثال مینہ کی اور اچھے بُرے لوگوں کی مثال اچھی بُری زمین کی فرمائی وہ حدیث بھی گویا ان آیتوں کی تفسیر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بُری زمین کو جس طرح مینہ برسنے سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا اسی طرح ازلی بد لوگوں کو بڑے سے بڑا معجزہ دیکھنے سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا چنانچہ اہل مکہ نے شق القمر جیسا معجزہ دیکھا اور اس کو جادو بتلایا۔

۴۰-۴۹۔ اوپر ذکر تھا کہ مکہ کے بت پرست لوگ مصیبت کے وقت بتوں کو چھوڑ کر خالص دل سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رفع مصیبت کی التجا پیش کیا کرتے تھے ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان مشرک بت پرستوں کو یوں سمجھایا ہے کہ وہ کبھی کبھی کی اوپری مصیبتیں تو درکنار جس وحدہٗ لاشریک نے تم لوگوں کو کان سننے کے لئے آنکھیں دیکھنے کے لئے دل بھلی بُری بات سمجھنے کے لئے یہ سب اپنی نعمتیں عنایت فرمائی ہیں اگر وہ وحدہٗ لاشریک تم لوگوں کو پھر اندھا کر دیوے یا بہلا دل اُلٹ کر تمہیں دیوانہ بنا دیوے تو کیا تمہارے بتوں میں اتنی قدرت ہے کہ وہ تم کو پھر اصلی حالت پر کر دیویں مکہ کے قحط کی اوپری مصیبت میں تو تم اپنے بتوں کو خوب آزما چکے کہ اُن سے کچھ بھی نہ ہو سکا اب تم میں آخر کچھ لوگ بہرے اندھے دیوانے موجود ہیں اُن کو اچھا کر دینے میں اپنے بتوں سے مدد لی جاوے نتیجہ آخر وہی ہو گا جو مکہ کے قحط کے وقت میں ہوا۔ باوجود اس پوری فہمائش کے جو تم حق سے بہرے جاتے ہو تو یہ تمہارا قابل سزا ایک جرم ہے وقت مقررہ آنے پر رات کو غفلت کی حالت میں یا دن کو کھلم کھلا اس جرم کی سزا میں اگر تم پر کوئی عذاب الٰہی آگیا تو اُس سے

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۳۱ [۲] یعنی سابقہ صفحہ (۱۳۵) پر بحوالہ صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸ باب فضل من علم وعلم۔

بَأْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا

عذاب ہمارا گڑگڑاتے ہوئے ولیکن سخت ہوگئے دل اُن کے اور ان کو بھلی دکھائی شیطان نے جو

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ

کام کر رہے تھے پھر جب بھول گئے جو نصیحت کی تھی ان کو کھول دئے ہم نے ان پر دروازے ہر

شَيْءٍ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾

چیز کے یہاں تک کہ جب خوش ہوئے پائی ہوئی چیز سے پکڑا ہم نے ان کو بے خبر تب ہی وہ رہ گئے ناامید

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قُلْ

پھر کٹ گئی جڑ ان ظالموں کی اور سراہنے کلام اللہ کے جو رب ہے سارے جہان کا تو کہہ

اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ

دیکھو تو اگر چھین لے اللہ تمہارے کان اور آنکھیں اور مہر کر دے تمہارے دلوں پر کون وہ

اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

رب ہے اللہ کے سوا جو تم کو یہ لا دیوے دیکھ ہم کیسی پھیرتے ہیں باتیں پھر وہ کنارہ کرتے ہیں

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا

تو کہہ دیکھو تو اگر آوے تم پر عذاب اللہ کا بے خبر یا روبرو کوئی ہلاک ہوگا مگر وہی

الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ

لوگ جو گنہگار ہیں اور ہم جو رسول بھیجتے ہیں نہیں مگر خوشی اور ڈر سنانے کو

تمہارا بچنا مشکل ہے۔ رہی یہ بات کہ ایسا بڑا انشق القمر کا معجزہ دیکھنے اور اُس کو جادو بتلانے کے بعد تم لوگ ہر گھڑی اپنی خواہش کے موافق اللہ کے رسول سے معجزے جو چاہتے ہو تو اللہ تعالےٰ نے رسولوں کو اس لئے نہیں بھیجا کہ وہ ہر گھڑی منکر شریعت لوگوں کو طرح طرح کے معجزے دکھاویں اور وہ منکر شریعت لوگ ان معجزوں کو جادو بتلاویں بلکہ اللہ کے رسول تو اس لئے آئے ہیں کہ وہ فرمانبردار لوگوں کو عقبیٰ کی بہبودی کی خوشخبری سنا دیویں اور نافرمان لوگوں کو عقبیٰ کے عذاب سے ڈرا دیویں اب جو کوئی اللہ کے رسول کی نصیحت کو مان کر راہ راست پر آجاویگا اس کو عقبےٰ کے عذاب سے بے خوف رہنا چاہئے ہاں نافرمان لوگوں کو نافرمانی کی سزا میں عقبیٰ کا سخت عذاب بھگتنا پڑیگا جس خوشحالی اور اُس خوشحالی کے عیش و عشرت کے گھمنڈ میں تم لوگ عقبیٰ کے عذاب سے غافل ہو کر تنگدست مسلمانوں سے طرح طرح کا مسخراپن کرتے ہو جب عقبےٰ کے عذاب سے پالا پڑیگا تو اُس عذاب کے آگے یہ دنیا کا عیش تمہیں یاد بھی نہ رہے گا اسی طرح جن تنگدست مسلمانوں سے تم لوگ یہاں دنیا میں مسخراپن کرتے ہو جب عقبیٰ میں یہ لوگ اپنی تنگدستی کی تکلیف پر صبر کرنے کے اجر میں جنت کی بڑی بڑی نعمتیں پاویں گے تو اُن کو یہ دنیا کی تنگدستی قابل قدر چیز معلوم ہوگی۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے انس بن مالکؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بڑے بڑے نافرمان خوشحال لوگ

فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

پھر جو کوئی یقین لایا اور سنوار پکڑی تو نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غم کھاویں اور جنہوں نے جھٹلائیں

بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ

ہماری آیتیں ان کو لگے گا عذاب اس پر کہ بے حکمی کرتے تھے تو کہہ میں نہیں کہتا کہ مجھ

عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ

پاس ہیں خزانے اللہ کے اور نہ میں جانوں غیب کی بات اور نہ میں کہوں تم سے کہ میں فرشتہ ہوں

اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۭ اَفَلَا

میں اسی پر چلتا ہوں جو مجھ کو حکم آتا ہے تو کہہ کب برابر ہوسکے اندھا اور دیکھتا کیا تم

دوزخ کے عذاب کے آگے قسم کھا کر دنیا کے عیش و آرام کا انکار کریں گے اسیطرح تنگ دست فرمانبردار لوگ جنت کی نعمتوں کے آگے دنیا کی تنگدستی کو بالکل بھول جاویں گے۔ یہ حدیث دنیا کے نافرمان خوشحال اور فرمانبردار تنگ دست لوگوں کے عقبیٰ کے حال کی تفسیر ہے ۵۰-۵۱- اوپر ذکر تھا کہ مکہ کے مشرک لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گھڑی گھڑی طرح طرح کے معجزوں کی خواہش کرتے تھے کبھی تو وہ یہ کہتے تھے کہ اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو اللہ سے دعا کر کے معجزہ کے طور پر ہم لوگوں کو ایسا مالدار بنا دیجئے کہ پھر ہم کو کسی چیز کی کمی نہ رہے کبھی یہ کہتے تھے کہ معجزہ کے طور پر ہمیں معاملات دنیا کی سب نفع نقصان کی باتیں اس طرح سمجھا دیجئے کہ جس سے ہم آئندہ نفع کے حاصل کرنے اور نقصان سے بچنے کا انتظام کر لیویں۔ کبھی طعن کے طور پر یہ کہتے تھے کہ اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو عام آدمیوں کی طرح آپ کھانا کیوں کھاتے ہیں اور عورتوں سے واسطہ کیوں رکھتے ہیں۔ ان لوگوں کی ایسی باتوں پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور فرمایا کہ اے رسول اللہ کے تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ نہ تو اللہ کے غیب کے خزانے میرے اختیار میں ہیں کہ میں تم کو مالدار بنا دوں اور نہ مجھ کو سب غیب کی باتیں معلوم ہیں کہ میں سب معاملات دنیا کے نفع نقصان کی آئندہ کی باتیں تم کو سمجھا دوں نہ میں نے تم لوگوں سے یہ دعوے کیا ہے کہ میں انسان نہیں فرشتہ ہوں تاکہ میرے اس کھانا کھانے اور عورتوں سے واسطہ رکھنے کا تمہارا اعتراض مجھ پر قائم ہو سکے بات فقط اتنی ہے کہ تم لوگ دین کی باتوں سے ناواقف اور ان میں بالکل اندھے ہو کیونکہ اللہ کی مرضی کے کاموں کو کرنے اور اس کی مرضی کے مخالف کاموں سے بچنے کو دین کہتے ہیں۔ اور یہ باتیں محض عقل سے انسان نہیں جان سکتا کہ مثلاً احرام والے شخص کو جنگل کے جانوروں کا شکار حرام ہے اور دریائی جانوروں کا شکار حلال ہے اس لئے تمہارا یہ اندھاپن دفع کرنے کے لئے جو دین کے احکام آسمانی وحی کے ذریعہ سے میرے اوپر نازل ہوتے ہیں میں خود بھی ان کی پیروی کرتا ہوں اور تم لوگوں کو بھی ان ہی کی پیروی کی ہر وقت نصیحت کرتا ہوں جو کوئی اس نصیحت پر عمل کرے گا اس کو دین کی باتوں کی دیکھ بھال کی آنکھیں ہو جاویں گی جس سے اس کی عقبیٰ درست ہو جاوے گی اور جو کوئی اس نصیحت کو نہ مانے گا وہ ویسا ہی اندھے کا اندھا رہ کر اپنے اندھے پن کے سبب سے ضرور دوزخ کے گڑھے میں گریگا کس لئے کہ یہ سب کو سوچ فکر کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ

۵ نمبر دیکھئے مشکوٰۃ باب صفۃ النار و اہلہا فصل اول۔ منزل ۲

تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ

دھیان نہیں کرتے اور خبردار کر دے اس قرآن سے جن کو ڈر ہے کہ جمع ہوں گے اپنے رب کے پاس

لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَا تَطْرُدِ

ان کا کوئی نہیں اس کے سوا حمایتی نہ سفارش والا شاید وہ بچتے رہیں اور نہ ہانک

الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا

ان کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام چاہتے ہیں اس کا منہ تجھ

عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ

پر نہیں ان کے حساب میں سے کچھ اور نہ تیرے حساب میں سے ان پر کچھ

اندھے کو آنکھوں والے جیسے سوجھ نہیں ہوتی فقط اٹکل پر اندھوں کا کام چلتا ہے اور اٹکل دین کے کام میں کارآمد نہیں۔ اب آگے فرمایا کہ جن لوگوں کو ایک دن اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑے ہونے کا خوف ہے اے رسول اللہ کے تم ان لوگوں کو قرآن کی آیتوں کے موافق نصیحت کرتے رہو تاکہ وہ لوگ اس دن کے عذاب الٰہی سے ڈر کر نیک کاموں کے کرنے اور برے کاموں سے بچنے کی کوشش کرتے رہیں جس سے اللہ ان سے رضامند ہو جائے کیونکہ وہ دن ایسا ہے کہ بدوں رضامندی اللہ کے اس دن خلاف مرضی الٰہی نہ کوئی کسی کا حمایتی بن سکتا ہے نہ سفارشی۔ صحیح بخاری اور مسلم کے حوالہ سے ایک جگہ ابوسعید خدری کی حدیث گذر چکی ہے جس میں یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ بھی شفاعت کے سبب سے آخر کو جنت میں جاوے گا[۱]۔ اس حدیث کا مضمون اس آیت کے مضمون کے کچھ مخالف نہیں ہے اس لئے کہ آیت اور حدیث کے ملانے سے یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ ذرہ برابر توحید سے بھی اللہ تعالیٰ کی آخری رضامندی آدمی کو حاصل ہو جاتی ہے اس واسطے ایسے شخص کے حق میں جو شفاعت کی جاوے گی وہ مرضی الٰہی کے برخلاف نہ ہوگی برخلاف مشرک شخص کے کہ اس کے دل میں ذرہ برابر بھی خالص توحید نہیں ہے جس کے سبب سے ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ کی آخری رضامندی بھی حاصل نہیں ہوئی اور جب یہ حالت ہے تو بغیر مرضی الٰہی کے قیامت کے دن ایسے شخص کا نہ کوئی حمایتی بن سکتا ہے نہ سفارشی۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعری کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی نصیحت کی مثال مینہ کی اور امت کے لوگوں کی مثال اچھی بری زمین کی فرمائی ہے[۲]۔ یہ حدیث ان آیتوں کی گویا تفسیر ہے کیونکہ قرآن کی نصیحت تو سب کو یکساں کی جاتی ہے لیکن اس کا اثر لوگوں کے اچھے برے پنے کے سبب سے یکساں نہیں ہے۔

۵۲-۵۴۔ صحیح مسلم صحیح ابن حبان مسند امام احمد بن حنبل مستدرک حاکم میں چند صحابہ کی روایتوں سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور مطعم بن عدی اور حارث بن نوفل اور قریش کے

[۱] صحیح بخاری ج ۱ ص ۸ باب تفاضل اہل الایمان فی الاعمال و صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰۴ باب اثبات الشفاعۃ واخراج الموحدین من النار۔

[۲] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸ باب فضل من علم وعلم۔

فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٢﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ

کہ تو ان کو ہانک دے پھر ہو وے تو بے انصافوں میں اور اسی طرح ہم نے آزمایا ہے ایک کو ایک سے

لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۭ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿٥٣﴾

کہیں کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے فضل کیا ہم سب میں سے کیا اللہ کو معلوم نہیں حق ماننے والے

وَاِذَا جَاۗءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰي

اور جب آویں تیرے پاس ہماری آیتیں ماننے والے تو کہہ سلام ہے تم پر لکھی ہے تمہارے رب نے اپنے

شریف لوگوں نے آنحضرت سے درخواست کی کہ بلالؓ عمار بن یاسرؓ سالم ابی حذیفہؓ کا پروردہ یہ چھوٹے لوگ آپ کے پاس ہمارے آنیکے وقت آپ کی مجلس میں نہ ہوا کریں تو مناسب ہے کیونکہ ہم ایسے چھوٹے لوگوں کے ساتھ شریک مجلس ہونے کو اپنی کسر شان جانتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرافت اور امارت سے زیادہ خلوص نیت مقبول ہے اور یہ غریب لوگ خلوص نیت سے آنحضرت کے پاس ہر وقت حاضر رہتے تھے اس واسطے اللہ تعالیٰ نے اُن اشراف قریش کا کہنا ماننے سے اپنے رسول کو منع فرمایا اور یہ آیت نازل فرمائی[1]۔ بعضی روایتوں میں بجائے عتبہ وغیرہ کے اقرع و عیینہ کا نام جو ہے وہ شاید راوی کا سہو ہے کیونکہ یہ آیت ابتدائے اسلام کے زمانہ کی مکی ہے اور اقرع و عیینہ کا اسلام ہجرت کے بہت بعد ہے اسلئے کسی صحیح روایت میں انکا نام نہیں ہے[2]۔ یدعون ربھم بالغداۃ والعشی کی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے پنجگانہ فرض نماز کی فرمائی ہے حاصل مطلب یہ ہے کہ جب اوپر یہ حکم ہو چکا ہے کہ جو لوگ ایک دن اللہ کے روبرو کھڑے ہونے سے ڈرتے ہیں اُن کو قرآن کے موافق نصیحت کرنی چاہئے اور اسی حکم کی تعمیل میں پنجگانہ نماز اور قرآن کی نصیحت سننے کے لئے اے رسول اللہ کے یہ تنگدست مسلمان تمہاری مجلس میں آتے ہیں تو مالدار مشرکوں کے کہنے سے ان تنگدست مسلمانوں کو وعظ کی مجلس سے روکنا بڑی ناانصافی ہے مشرک لوگ یہ جو کہتے ہیں کہ یہ غریب مسلمان اپنی عزت بڑھانے کے لئے وعظ کی مجلس میں آتے ہیں عقبے کے ثواب کی غرض سے نہیں آتے تو اسکا محاسبہ اللہ کے ہاتھ ہے کہ وہ سب کی نیت کا حال اور دل کا بھید جانتا ہے ایسی غیب کی بات میں کسی کو دخل دینے کی کیا ضرورت ہے۔ رہی خوشحالی اور تنگدستی یہ تو اللہ کی ایک آزمائش ہے کہ تنگدست لوگوں کو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے وہ اس پر قناعت کر کے کہاں تک اللہ کا شکر کرتے ہیں اور مالدار لوگ کہاں تک اتراتے اور غریبوں کے ساتھ حقارت سے پیش آتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو شکر گذاروں اور ناشکر گذاروں کا دلی حال خوب معلوم ہے۔ مالدار مشرکوں نے غریب مسلمانوں کے حق میں طعن کے طور پر اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا جو کہا تھا اللہ تعالیٰ نے یہ اُسکا جواب دیا ہے اب آگے فرمایا اے رسول اللہ کے ان تنگدست ایمانداروں کے دل بہت چھوٹے ہیں کیونکہ اُن کی تنگدستی کے سبب سے لوگ اِن کی قدر و منزلت بہت کم کرتے ہیں تم انکا دل بڑھانے کیلئے ان سے سلام علیک کی ابتدا کیا کرو اور ان سے کہدو کہ تم لوگوں کو دنیا میں ہر طرح کی تکلیف ہے اس لئے عقبے میں ایسے لوگوں پر اللہ کی رحمت اور مہربانی ضرور ہوگی اور دنیا میں ایسے لوگوں سے باقتضائے بشریت کوئی گناہ ہو جاوے گا تو آیندہ توبہ کرنے اور نیک کاموں میں

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۸۱ باب فی فضل سعد بن ابی وقاص و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۳۴ و تفسیر در منثور ص ۱۲-۱۳ ج ۳ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۳۵۔

نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنكُمْ سُوءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِن بَعْدِهِ

اوپر مہر کرنی کہ جو کوئی کرے تم میں برائی نادانی سے پھر اس کے بعد توبہ کرے

وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥٤﴾ وَكَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَلِتَسْتَبِينَ

اور سنوار پکڑے تو یوں ہے کہ وہ ہے بخشنے والا مہربان اور اسی طرح ہم بیان کرتے ہیں آیتیں اور تو کھل جاوے

سَبِيلُ الْمُجْرِمِينَ ﴿٥٥﴾ قُلْ إِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن

راہ گنہ گاروں کی کہہ مجھ کو منع ہوا ہے کہ پوجوں جن کو پکارتے ہو

دُونِ اللَّهِ ۚ قُل لَّا أَتَّبِعُ أَهْوَاءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿٥٦﴾

اللہ کے سوا تو کہہ میں نہیں چلتا تمہاری خوشی پر اگر ایسا کروں تو میں بہک چکا اور نہ ہوا راہ پانے والا۔

مصروف ہوجانے سے اللہ غفور الرحیم ان کا وہ گناہ معاف فرما دیگا۔ صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تنگ دست مسلمان کے دنیا میں طرح طرح کی تکلیفیں اٹھانے کے سبب سے قیامت کے دن اللہ کا حکم ہوگا کہ ایسے لوگ کھاتے پیتے مسلمانوں سے چالیس برس پہلے جنت میں داخل کئے جاویں گے۔[1] صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت سے تنگ دست مسلمان دنیا میں ایسے ہیں کہ اگر وہ کسی بات پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ اُن کی قسم پوری کر دیتا ہے[2]۔ اس باب میں اور بھی صحیح حدیثیں ہیں ان آیتوں میں دین و دنیا میں اللہ تعالیٰ نے تنگ دست مسلمانوں پر نظر رحمت رکھنے کا جو وعدہ فرمایا ہے یہ حدیثیں گویا اُس کی تفسیر ہیں مسند امام احمد اور مستدرک حاکم کے حوالہ سے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے[3] جس کا حاصل یہ ہے کہ جب شیطان مردود ٹھہرایا جا کر آسمان پر سے اتارا جانے لگا تو اُس نے انسان کے ہر طرح سے بہکانے کی اللہ تعالیٰ کے روبرو قسم کھائی اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے جاہ و جلال کی قسم کھا کر اُس کو جواب دیا کہ گناہ کر کے جو شخص توبہ استغفار کریگا میں بھی اُس کے گناہ ضرور بخش دونگا۔ حاکم نے اِس حدیث کو صحیح کہا ہے[4]۔ گنگاروں کے گناہ بخشنے کا وعدہ جو اللہ تعالیٰ نے اِن آیتوں میں کیا ہے یہ حدیث اُس کی گویا تفسیر ہے ؛

۵۵-۵۸۔ شروع سورہ سے یہاں تک توحید کی خوبی اور شرک کی خرابی کا ذکر جو تفصیل سے گذرا اسی کو فرمایا کہ قرآن کی آیتوں میں ہر طرح کا مطلب کھول کر سمجھا دیا جاتا ہے تاکہ اس پر بھی ہٹ دھرمی سے جو کوئی قرآن کی آیتوں کو جھٹلاوے تو معلوم ہو جاوے کہ علم ازلی کے موافق وہ مجرموں کا راستہ چلا جس سے اُس نے اپنی عاقبت برباد کی۔ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ کی شان نزول میں آوے گا کہ مشرک لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمائش کیا کرتے تھے کہ ایک سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان ان مشرکوں کے بتوں کی پوجا کر لیا کریں اور ایک سال یہ مشرک لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر لیا کریں اسی پر گویا آپس کی صلح ٹھہر جاوے۔ اسی کو فرمایا اے رسول اللہ کے تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ تم لوگوں نے ملت ابراہیمی کو بگاڑ کر بت پرستی کو رواج دے دیا ہے میں اہل

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۱۰ فصل فی الصبر علی ما یجد و دخول الفقراء المہاجرین الجنۃ الخ [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۹۳ باب النہی عن تقنیط الانسان من رحمۃ اللہ [3] جلد اول ص ۴۰۶ [4] مستدرک حاکم ج ۴ ص ۲۶۱ و تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۷۷ و مشکوٰۃ ص ۲۰۴ باب الاستغفار والتوبۃ بحوالہ مسند امام احمد۔

قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ

تو کہہ مجھ کو شہادت پہنچی میرے رب کی اور تم نے اس کو جھٹلایا میرے پاس نہیں جس کی شتابی کرتے ہو

بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ

حکم کسی کا نہیں سوائے اللہ کے کھولتا ہے حق بات اور وہی بہتر ہے چکانے والا تو کہہ اگر

عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

میرے پاس ہو جس کی شتابی کرتے ہو تو فیصل ہو چکے کام میرے تمہارے بیچ اور اللہ کو خوب معلوم

بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ

ہیں بے انصاف اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی ان کو کوئی نہیں جانتا اس کے سوا اور وہ جانتا ہے جو جنگل

ملت ابراہیمی پر ہوں اس لئے مجھ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بت پرستی کی منا ہی ہے کیونکہ اگر میں ایسا کروں گا تو ملت ابراہیمی سے تمہاری طرح بہک جاؤں گا۔ اور میں ایسا کیسے کر سکتا ہوں میرے پاس تو قرآن میں اس بات کی شہادت موجود ہے کہ ملت ابراہیمی میں بت پرستی کا کہیں پتہ نہیں تم لوگ بے سند ملت ابراہیمی کو بگاڑ چکے اب قرآن کی آیتوں کو بھی جھٹلاتے ہو اور پھر تم کو عذاب الٰہی سے ڈرایا جاتا ہے تو ڈیٹھ بن کر اس عذاب کی جلدی کرتے ہو۔ وہ عذاب کچھ میرے اختیار میں نہیں ہے جو تم مجھ سے اس کی جلدی کرتے ہو وہ عذاب تو اللہ ہی کے حکم اور اختیار میں ہے اس نے منکر شریعت لوگوں کے حق میں عذاب کا وعدہ جو فرمایا ہے وہ برحق ہے وقت مقررہ آنے پر اس عذاب کا وہ خود فیصلہ فرما دیوے گا کیونکہ اس کو اس طرح کے ناانصاف لوگوں کا حال خوب معلوم ہے۔ اللہ سچا ہے اللہ کا کلام سچا ہے دنیا میں تو اس عذاب کا ظہور بدر کی لڑائی کے وقت ہو چکا کہ ان مشرکوں میں کے بڑے بڑے سرکش عذاب الٰہی کی جلدی کرنے والے ستر آدمی بڑی ذلت سے مارے گئے اور ستر قید ہوئے رہا عقبےٰ کا عذاب وہ بھی وقت مقررہ پر اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے موافق سب کی آنکھوں کے سامنے آجاوے گا۔ اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کی تفصیل آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ (۴۸ و ۱۱۶) کی تفسیر میں گذر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص شرک کی حالت میں بغیر توبہ کے مر گیا اس کی نجات کی کوئی صورت نہیں اس باب میں بہت سی صحیح حدیثیں ہیں جو مشرک لوگوں کے عذاب آخرت کی گویا تفسیر ہیں۔

۵۹۔ بخاری کی روایت میں خود آنحضرت نے ان غیب کی کنجیوں کی تفسیر ان پانچ چیزوں سے فرمائی ہے جن کا ذکر صراحت سے سورہ لقمان میں آویگا وہ پانچ چیزیں ہیں ایک قیامت کا وقت ہے کہ کب آوے گی دوسرے مینہ کا حال کہ کب برسیگا تیسرے یہ کہ حاملہ عورت کے پیٹ میں کیا ہے لڑکا ہے یا لڑکی چوتھے یہ کہ کل کیا ہو گا پانچویں یہ کہ کون شخص کس سرزمین میں مریگا۔ شارحین کتب حدیث نے اور مفسرین نے لکھا ہے کہ اور علم غیب کی باتیں اللہ تعالیٰ انبیاء کو بذریعہ وحی کے اور اولیاء کو بذریعہ الہام یا خواب کے ظاہر فرما دیتا ہے چنانچہ انبیاء نے عذاب قبر عذاب حشر کا احوال دوزخ و جنت کا حال جو علم غیب میں سے ہے صراحت سے بیان کیا ہے حضرت عیسیٰ لوگوں کی گھر کی رکھی ہوئی چیزیں بغیر دیکھے اور لوگوں کا کھایا پیا بتلا دیا کرتے تھے اور حضرت

لہ صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۴۰ کتاب الدیان و ج ۲ ص ۶۶۴ کتاب التفسیر۔

وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ

اور دریا میں ہے اور نہیں جھڑتا کوئی پات جو وہ نہیں جانتا اور نہ دبے دانے زمین کے اندھیروں میں

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾

اور نہ ہرا نہ سوکھا جو نہیں کھلی کتاب میں

یوسفؑ نے ایک قیدی کا رہا ہونا اور دوسرے کا سولی پر چڑھایا جانا بتلا دیا تھا اور بعض اولیاء بھی بعضی آئندہ کی باتوں کو کرامت کے طور پر بیان کر دیتے ہیں فرق اسی قدر ہے کہ نبی کو جو غیب کا حال معلوم ہوتا ہے وہ وحی سے معلوم ہوتا ہے جو یقینی علم ہے اور اولیاء کو جو کچھ غیب کا حال معلوم ہوتا ہے وہ الہام یا خواب کے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے جس میں مجتہد کے اجتہاد کی طرح غلطی کا احتمال ہے کس لئے کہ نبی کی وحی میں اس بات کی حفاظت کے لئے کہ اس میں شیطان کا کچھ تصرف نہ ہونے پائے خدا کی طرف سے فرشتے ہمیشہ خبرداری کیا کرتے ہیں جس کا ذکر سورہ جن میں آویگا اور کبھی موقعہ پا کر نبی کی وحی میں اگر شیطان کچھ تصرف کرتا ہے تو خدا کی طرف سے فوراً اس کی اصلاح ہو جاتی ہے چنانچہ اس کا ذکر سورہ حج اور سورہ نجم میں آویگا ولی کے الہام اور خواب میں یہ حفاظت اور اصلاح نہیں ہے غرض یہ پانچ باتیں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم خاص میں رکھی ہیں اسی واسطے یہ پانچ باتیں غیب کی کنجیاں کہلاتی ہیں چنانچہ اسی بخاری کی روایت میں ہے کہ حضرت جبرئیل نے اجنبی شخص کی صورت میں آنحضرتؐ کے پاس آن کر ایمان و اسلام کی چند باتیں پوچھیں آپ نے سب کے جواب دئے جب حضرت جبرئیل نے قیامت کا حال پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ پوچھنے والا اور بتلانے والا دونوں اس سے بے خبر ہیں[۱] حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم غیب کا ذکر اور دنیا کے ذرہ ذرہ کا حال لوح محفوظ میں لکھے ہونے کا ذکر فرما کر یہ آیت اس تنبیہ کے لئے نازل فرمائی ہے کہ وہ غیب دان بھی ہے اور اس کے دفتر میں ذرہ ذرہ کا حساب بھی ہے ایک دن اس حساب کی جانچ ہونے والی ہے ہر شخص کو چاہئے جو کچھ دنیا میں کرے ذرا حساب کا انجام یاد رکھ کر کرے حاصل مطلب یہ ہے کہ جنگل اور دریا میں جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم اور ارادہ کے موافق ہے اور بستی یا جنگل میں چھوٹے بڑے جو پیڑ ہیں ان کے ایک ایک پتے اور گٹھلی یا دانہ کا حال اور دنیا کی ہر ایک خشک و تر سب چیزوں کا حال یہ سب کچھ اس کے علم سے باہر نہیں ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم کے موافق لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ اس آیت سے ارسطو وغیرہ کا یہ قول غلط قرار پاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سوا اپنی ذات کے اور دوسری چیزوں کا علم نہیں ہے اسی طرح وہ قول بھی غلط قرار پاتا ہے جو ارسطو کے بعد شیخ ابو علی بن سینا نے قرار دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات اور کلیات کا علم ہے جزئیات کا علم نہیں ہے۔ یہ دونوں قول اس لئے غلط قرار پاتے ہیں کہ اس آیت کے موافق ایک ذرہ بھی اللہ کے علم سے باہر نہیں ہے۔ بعضے علماء کو یہ شبہ پیدا ہوا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو ذرہ ذرہ معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم میں بھول چوک بھی ممکن نہیں ہے تو پھر معلوم نہیں لوح محفوظ میں سب چیزوں کا حال لکھنے میں کیا حکمت ہے اس کا جواب اور علماء نے یہ دیا ہے کہ لوح محفوظ میں سب چیزوں کا حال لکھنے میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں مثلاً یہ ایک کتنی بڑی حکمت ہے کہ

[۱] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۲ کتاب الایمان

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّىٰكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ

اور وہی ہے کہ تم کو بھر لیتا ہے رات کو اور جانتا ہے جو کما چکے ہو دن کو پھر تم کو اٹھاتا ہے

فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا

اس میں کہ پورا ہو وعدہ جو ٹھہرا دیا پھر اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے پھر جتاوے گا تم کو جو

كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٦٠﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ

کرتے تھے اور اسی کا حکم غالب ہے اپنے بندوں پر اور بھیجتا ہے تم پر

ع ۵ ۱۴

جو فرشتے لوگوں کا نامۂ اعمال لکھنے پر تعینات ہیں جب یہ فرشتے اس نامۂ اعمال کو آسمان پر لیجاتے ہیں اور اس کا مقابلہ لوح محفوظ کے نوشتہ سے کرتے ہیں اور دونوں تحریروں میں مطابقت پاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے علم غیب کی تصدیق انہیں زیادہ ہو جاتی ہے علاوہ اس کے اس میں اور بھی حکمتیں ہیں جو بڑی کتابوں میں ہیں۔ کھلی کتاب جو لوح محفوظ کو فرمایا اسکا مطلب یہ ہے کہ علم الٰہی کے موافق اس میں ہر چیز کی کھلی کھلی تفصیل لکھی ہوئی ہے۔ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث صحیح مسلم کے حوالہ سے ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے اپنے علم ازلی کے موافق دنیا کا تمام حال اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے۔ یہ حدیث آیت کی گویا تفسیر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے علم ازلی سے باہر نہیں ہے کیونکہ لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اللہ کے علم کا نتیجہ ہے ؀

۶۰-۶۲- ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے پہلے ہر انسان کے سونے اور جاگنے کا ذکر فرمایا ہے اور پھر مرنے اور پھر مر کر جینے کا ذکر فرمایا ہے تاکہ روز کے سونے اور جاگنے سے ہر عقلمند آدمی مرنے اور مر کر جینے کا قیاس کرے کیونکہ غور کیا جاوے تو روز کا سونا چھوٹی موت اور سو کر پھر جاگنا روز کا ایک چھوٹا حشر ہے کس لئے کہ جس طرح موت کے بعد آدمی کے مثلاً کان آنکھیں بیکار ہو جاتے ہیں یہی حال آدمی کا سونے میں ہو جاتا ہے پھر جس طرح جاگنے کے بعد آدمی کے حواس قائم ہو جاتے ہیں وہی حالت اس کی حشر میں ہوگی تفسیر ابن مردویہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے[۱] کہ آنحضرت نے فرمایا ہر سوتے آدمی پر اللہ کی طرف سے ایک فرشتہ مقرر کیا جاتا ہے جو سانس کی آمد و رفت کی خبر رکھتا ہے اور اگر اسی نیند کی حالت میں قبض روح کا حکم اللہ کا ہو جاتا ہے تو وہ فرشتہ باہر کا آیا ہوا سانس پھر اندر نہیں جانے دیتا جس سے روح قبض ہو جاتی ہے[۲] مسلمان اور کافر کی روح قبض کی حالت کے بیان میں بہت سی حدیثیں[۳] ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ مسلمان کی قبض روح کے لئے رحمت کے فرشتے آتے ہیں اور مرنے والے شخص کو یہیں دنیا میں سے آثار رحمت الٰہی معلوم ہونے لگتے ہیں اس لئے وہ تمنا کرنے لگتا ہے کہ جلدی سے اس کی جان نکل جاوے تاکہ اللہ تعالیٰ اور ارواح مومنین سے ملاقات نصیب ہو اور ملک الموت اور ان کے ساتھ کے فرشتے اس روح کو خوشخبری دیتے ہیں کہ اے پاکیزہ روح جلدی نکل اللہ تجھ سے راضی ہے اس حالت میں روح اس طرح جسم سے

[۱] ص ۱۲۳ [۲] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۳۸ و تفسیر در منثور ج ۳ ص ۱۵ [۳] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۳۸ و مشکوٰۃ شریف باب مایقال عند من حضر الموت۔ فصل تیسری۔

حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا

نگہبان یہاں تک کہ جب پہنچے تم میں کسی کو موت اس کو بھر لیویں ہمارے بھیجے لوگ اور وہ

يُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾ ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ

قصور نہیں کرتے پھر پہنچائے جاویں گے اللہ کی طرف جو مالک ان کا ہے تحقیق سُن رکھو حکم اسی کا ہے اور وہ

اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۲﴾ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ

شتاب لیتا ہے حساب تو کہہ کون بچا لاتا ہے جنگل کے اندھیروں سے اور دریا کے جس کو پکارتے ہو

نکل جاتی ہے جس طرح گوندھے ہوئے آٹے میں سے بال یا بھری مشک میں سے پانی نکل جاتا ہے اور کافر اور منافق کی قبض روح کا معاملہ اس کے برعکس ہے اور دونوں طرح کی روحوں کی قبر و حشر کا حال ہر ایک کے نیچے آگے آویگا تفسیر ابن منذر اور تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ آدمی کے جسم میں ایک نفس ہے اور ایک روح سونے کی حالت میں نفس آدمی کے جسم سے نکل جاتا ہے اور روح قائم رہتی ہے[۱]۔ لیکن صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ کی سونے کے وقت دعا پڑھنے کی ایک بڑی حدیث ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ یا اللہ سونے کی حالت میں جان جو جسم سے الگ ہوئی ہے اگر اس کو تو روک رکھے تو اس پر تو رحم کر اور اگر وہ جان سونے کی حالت کے بعد پھر جسم میں آوے تو اس کو نیک کام کے ارادہ کی توفیق عنایت فرما[۲]۔ اسی طرح صحیح مسلم اور نسائی میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا سوتے وقت یوں کہنا چاہیے کہ یا اللہ تو نے ہی میری جان کو پیدا کیا ہے اور تو ہی اس کو کھینچتا ہے اور تیرے ہی حکم میں موت و حیات ہے سونے کے بعد اگر تو اس جان کو زندوں میں رکھے تو اس کو اپنی حفاظت میں رکھ اور اگر تو اس کو مردوں میں رکھے تو اس پر اپنی رحمت کر[۳]۔ ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ان حدیثوں کے موافق اکثر مفسرین نے اس قول کو قوی قرار دیا ہے کہ آدمی کے جسم میں فقط ایک روح ہے جو سونے کی حالت میں جسم سے الگ ہو جاتی ہے پھر اگر اس سونے کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے اس روح کو روک رکھا تو آدمی سوتے میں مر جاتا ہے اور اگر سونے کی حالت کے بعد اللہ کے حکم سے وہ روح پھر انسان کے جسم میں آگئی تو وہ زندہ جاگ اٹھتا ہے رہی یہ بات کہ سوتے آدمی اور مردہ میں تو فرق ہے سوتے آدمی کی نبض چلتی رہتی ہے سانس چلتا رہتا ہے کھانا ہضم ہوتا ہے سوتے وقت جان کنی کی تکلیف آدمی کو نہیں ہوتی پھر موت اور نیند کی ایک سی حالت کیونکر ہو سکتی ہے خازن وغیرہ میں حضرت علیؓ کا قول ہے جس میں حضرت علیؓ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ سونے کی حالت میں روح کا تعلق

---

[۱] فتح البیان ج ۴ ص ۱۷۰۔ [۲] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳۵ کتاب الدعوات و صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۹ اس دعا کے الفاظ یہ ہیں۔ بِاسْمِكَ رَبِّيْ وَضَعْتُ جَنْبِيْ وَبِكَ اَرْفَعُهٗ اِنْ اَمْسَكْتَ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لَهَا وَاِنْ اَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهٖ عِبَادَكَ الصّٰلِحِيْنَ باب الدعاء عند النوم و تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۰۔ [۳] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۸ باب الدعاء عند النوم و تحفۃ الذاکرین ص ۹۹۔ اس دعا کے الفاظ یہ ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ خَلَقْتَ نَفْسِيْ وَاَنْتَ تَتَوَفَّاهَا لَكَ مَمَاتُهَا وَمَحْيَاهَا اِنْ اَحْيَيْتَهَا فَاحْفَظْهَا وَاِنْ اَمَتَّهَا فَاغْفِرْ لَهَا اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْعَافِيَةَ۔

تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾

گڑگڑاتے اور چپکے اگر ہم کو بچا لیوے اس بلا سے تو البتہ ہم احسان مانیں

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ

تو کہہ اللہ تم کو بچاتا ہے ان سے اور گھبراہٹ سے پھر تم شریک ٹھہراتے ہو تو کہہ

هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ

اسی کو قدرت ہے کہ بھیجے تم پر عذاب اوپر سے یا تمہارے

جسم سے اس طرح باقی رہتا ہے جس طرح آفتاب آسمان پر ہے اور اس کی شعاع زمین پر پڑتی ہے اور موت کے وقت یہ تعلق اس طرح باقی نہیں رہتا جس طرح قیامت کے دن آفتاب کا نور آفتاب سے بالکل الگ کر دیا جاوے گا۔ اس سے زیادہ تفصیل اس مسئلہ کی سورہ زمر میں آوے گی حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منکر حشر مشرک لوگوں کو ان آیتوں میں یوں قائل کیا ہے کہ جس صاحب قدرت نے سونے اور جاگنے کی حالت کو سب کی آنکھوں کے سامنے مرنے اور حشر کے نمونے کے طور پر پیدا کیا ہے وہی ان حشر کے منکروں کو وقت مقررہ پر مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا اور فوری حساب کتاب کے بعد ان کے اعمال کی ان کو سزا دیوے گا اس لئے اس نے دو روزنامچہ نویس اعمال کی حفاظت کے لئے اپنے زبردست حکم سے ہر شخص کے پیچھے لگا رکھے ہیں اور جس طرح اب ان کی خلاف مرضی اللہ کے فرشتے موت کے وقت ان کی جان نکال لیتے ہیں اسی طرح ان کی خلاف مرضی دوبارہ ان کے جسم تیار ہو کر ان میں جان پڑ جاوے گی پھر فرمایا کہ جس طرح جنگل اور دریا کے سفر کی مصیبت کے وقت اب ان کے بت کچھ ان کی مدد نہیں کرتے اسی طرح عقبیٰ کی مصیبتوں کے وقت یہ بت ان کے کچھ کام نہ آویں گے پھر مصیبت کے وقت خالص اللہ سے مدد مانگنے اور راحت کے وقت ان بتوں کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کا شیوہ جو ان لوگوں نے اختیار کیا ہے ان کا یہ شیوہ عقبیٰ کی مصیبتوں کے وقت کچھ کام نہ آوے گا کیونکہ یہ اللہ کا وعدہ ہے کہ وہاں مشرک کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ اللہ کے حکم سے آدمی کی روح قبض کی جاتی ہے ملک الموت کو یہ کام اللہ تعالیٰ نے سونپا ہے ملک الموت کی مدد کے لئے اور فرشتے بھی مقرر ہیں ان ہی حالتوں کے سبب سے قرآن شریف کی آیتوں میں قبض روح کا ذکر کئی طرح سے آیا ہے لیکن درحقیقت ان آیتوں میں کچھ اختلاف نہیں ہے کیونکہ کسی آیت میں ایک حالت کا ذکر ہے اور کسی میں دوسری حالت کا۔

۶۵ معتبر سند سے مسند امام احمد نسائی تفسیر ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ میں ابی بن کعبؓ وغیرہ سے روایت ہے کہ اوپر کے عذاب سے مراد آسمان سے پتھر برسنا ہے جس طرح مثلاً اصحاب فیل پر برسے اور نیچے کے عذاب سے مراد زمین کا دھنسا ہے جس طرح مثلاً قارون دھنس گیا اور ابن مردویہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ میں نے اللہ سے دعا کی کہ میری امت سے یہ تینوں قسم کے عذاب جن کا ذکر اس آیت میں ہے اٹھ جاویں تو اللہ تعالیٰ نے پتھروں کے برسنے کا عذاب اور زمین میں دھنسنے کا عذاب تو اٹھا لیا مگر آپس کی پھوٹ اور

ل؎ تفسیر خازن ج ۲ ص ۲۰ و معالم ج ۷ ص ۲۴۲ ل؎ تفسیر الدر المنثور ج ۳ ص ۱۷ اور روایت کے لفظ یہ ہیں الخسف والرجم و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۴۲ و تفسیر ابن جریر ج ۷ ص ۱۳۵۔

اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ

پاؤں کے نیچے سے یا بھڑا دے تم کو کئی فرقے کر کر اور چکھا دے ایک کو برائی ایک کی دیکھ

كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾

کس پھیر سے ہم کہتے ہیں باتیں شاید وہ سمجھیں ؕ

آپس کی خانہ جنگی یہ عذاب باقی ہے اس حدیث سے بعضے بعضے علماء نے یہ مطلب نکالا ہے کہ اس امت میں پتھر برسنے کا عذاب اور زمین کے دھنسنے کا عذاب قیامت تک واقع نہ ہوگا۔ مگر علامہ حافظ ابن حجرؒ نے اس مطلب پر اعتراض کیا ہے اور اپنے اعتراض کی تائید میں مسند امام احمد کی وہ حدیثیں ذکر کی ہیں جن میں قیامت سے پہلے زمین کے دھنسنے کا ذکر ہے اور رفع اس اختلاف کا وہی ہے جس کی صراحت طبرانی کی حسن بصری کی مرسل روایت میں ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب یہ آیت اتری اور آنحضرت نے آیت میں کے تینوں عذابوں کے امت محمدیہ پر سے اٹھ جانے کی دعا کی تو حضرت جبرئیل آئے اور فرمایا کہ پہلی امتوں کی طرح عام طور سے اس امت کی ہلاکت پتھر برسنے اور زمین دھنسنے سے نہ ہوگی ان دونوں باتوں میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اب حاصل کلام یہ ٹھہرا کہ پچھلی امتوں کی طرح ساری امت ان دونوں عذابوں سے ہلاک نہ ہوگی علامت قیامت کے طور پر بعضی بستیوں میں پتھر برسیں یا زمین دھسے اور اس سے کچھ لوگ ہلاک ہوں تو وہ عام عذاب نہیں ہے اوپر کی آیتوں میں آخرت کے عذاب کا ذکر فرما کر اس آیت میں ارشاد ہے کہ آخرت کے عذاب کا جو قوع تو وقت مقررہ پر آویگا لیکن اللہ کی قدرت سے کچھ یہ بھی بعید نہیں کہ ایسے سرکش لوگوں پر دنیا میں بھی کوئی عذاب آجاوے۔ ملک شام اور یمن کے سفر میں ان لوگوں کو ایسے سرکش لوگوں کی اجڑی ہوئی بستیاں نظر آئی ہوں گی جو عذاب دنیوی سے ہلاک ہو چکی ہیں اس سے ان لوگوں کو عبرت پکڑنی چاہئے ورنہ وہی انجام ان کا ہوگا جو ان لوگوں کا ہوا۔ اس نصیحت کے بعد فرمایا کہ قرآن کی آیتوں میں طرح طرح کی تنبیہ ہیر پھیر کے اس لئے ان لوگوں کو کی جاتی ہے کہ یہ لوگ شرک سے باز آویں اور اپنے بھلے برے کو سمجھیں۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کولی بھر بھر کے لوگوں کو دوزخ کی آگ سے بچانے کی کوشش کرتا ہوں مگر لوگ اس طرح دوزخ کی آگ میں گرنے کا کام کرتے ہیں جس طرح کیڑے پتنگے روشنی پر گر کر مر جانے کی جرأت کرتے ہیں[2]۔ یہ حدیث آیت کی گویا تفسیر ہے کیونکہ آیت اور حدیث کو ملانے سے یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی آیتوں میں ہیر پھیر کر طرح طرح سے ان لوگوں کو سمجھایا تاکہ یہ لوگ دوزخ کی آگ سے بچنے کا راستہ چلیں اور اللہ کے رسول بھی اسی کوشش میں لگے رہے لیکن جو لوگ ان میں سے اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کے موافق دوزخ کا ایندھن ٹھہر چکے تھے ان کو کسی نصیحت سے کچھ فائدہ نہ ہوا اور آخر اسی حالت کفر و شرک میں بدر کی لڑائی کے وقت وہ لوگ دنیا سے اٹھ کر

[1] تفسیر الدر المنثور ج ۳ ص ۱۷ و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۴۴ [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۸۱ کتاب الانبیاء و صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴۸ باب شفقتہ صلے اللہ علیہ وسلم علی امتہ الخ

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ؕ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ

اور اس کو جھوٹ بتایا تیری قوم نے اور یہ تحقیق ہے تو کہہ کریں نہیں تم پر داروغہ ہر

نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۫ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ

خبر کا ایک وقت ٹھہر رہا ہے اور آگے جان لوگے اور جب تو دیکھے وہ لوگ بکتے ہیں

سیدھے جہنم کو چلے گئے بغیر ذکر صحابہ کے کوئی تابعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی حدیث کی روایت کرے تو اس حدیث کو مرسل کہتے ہیں۔ مرسل روایت کو کسی اور روایت سے تقویت ہو جائے تو یہ مرسل روایت بالاتفاق قابل اعتبار ہو جاتی ہے۔ حسن بصری کی جس مرسل روایت کا ذکر اوپر گذرا اس کو اور روایتوں سے تقویت حاصل ہو گئی ہے اس لئے یہ مرسل روایت قابل اعتبار ہے ۔

۶۶-۶۷- اوپر کی آیت میں ذکر تھا کہ قرآن کی آیتوں میں طرح طرح کی تنبیہ اس لئے ان لوگوں کو کی جاتی ہے کہ یہ لوگ شرک سے باز آویں اور اپنے بھلے برے کو سمجھیں اس آیت میں ارشاد ہے کہ ان لوگوں کے سر پر تو وہ ازلی کم بختی سوار ہے کہ جن آیتوں میں ان کے خلاف مرضی کوئی مضمون ہوتا ہے تو یہ لوگ فوراً ان آیتوں کے جھٹلانے پر مستعد ہو جاتے ہیں حالانکہ قرآن کی آیتوں میں وہ سیدھے سچے مضمون ہیں کہ کوئی صاحب عقل ان کو جھٹلا نہیں سکتا۔ مثلاً ان لوگوں کے شرک سے باز آنے کے لئے ان کو یوں سمجھایا گیا ہے کہ جب آسمان زمین انسان اور اسکی سب ضرورت کی چیزوں کو اللہ نے پیدا کیا تو پھر کسی دوسرے کو اللہ کی تعظیم اور عبادت میں شریک ٹھہرانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ یا مثلاً شرک کے وبال میں پچھلی قوموں پر جو عذاب آیا ہے شام اور یمن کے سفر میں ان لوگوں کو ان اجڑی ہوئی بستیوں کو دیکھ کر عبرت پکڑنے کی نہائش کی گئی ہے یہ باتیں ہر صاحب عقل کے ماننے کے قابل ہیں اس پر ازلی کم بختی کے سبب سے جب یہ لوگ کلام الٰہی کو جھٹلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر یہ قرآن اللہ کا کلام ہے تو اس کے جھٹلانے کی سزا میں ہم پر کوئی عذاب کیوں نہیں آتا تو ان کی اس بات کے جواب میں اے رسول اللہ کے تم ان لوگوں سے کہدو کہ میں اللہ کی طرف سے تمہاری سزا کے لئے داروغہ مقرر ہو کر نہیں آیا بلکہ میں وقت مقررہ کی سزا سے تمہیں ڈرانے آیا ہوں اگر اس ڈر کو تم لوگ نہ مانو گے تو بہت جلد وقت مقررہ آنے پر خود تمہیں اس سزا کا حال معلوم ہو جاوے گا اور یہ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہر کام کا وقت مقررہ ہے وقت مقررہ کے آنے پر پھر اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا اللہ سچا ہے اللہ کا کلام سچا ہے وقت مقررہ آتے ہی بدر کی لڑائی کے زمانہ میں یہ بڑے بڑے آیات قرآنی کے جھٹلانے والے بڑی ذلت سے مارے گئے اور مرتے ہی عذاب میں گرفتار ہو گئے اس لئے اس عذاب کے جھٹلانے کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی لاشوں پر کھڑے ہو کر یہ فرمایا کہ اب تو تم لوگوں نے اللہ کا وعدہ سچا پایا۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انس بن مالکؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں یہ بدر کا قصہ ہے۔ مشرکوں کی سزا کا وعدہ جو اس آیت میں ہے یہ حدیث اس وعدہ کے ظہور کی گویا تفسیر ہے ۔

۶۸-۶۹- بعضے مفسروں نے اس آیت کو سورہ نساء سے منسوخ کہا ہے کیونکہ سورہ نساء کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کا حوالہ دیا ہے اور فرمایا ہے وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ (۴-۱۴۰) اس سے معلوم ہوا کہ سورہ نساء کی آیت پیچھے نازل ہوئی ہے اور جب

ل صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۶ باب قتل ابی جہل و صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۷ باب عرض مقعد المیت من الجنۃ والنار الخ

فِیۡۤ اٰیٰتِنَا فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ حَتّٰی یَخُوۡضُوۡا فِیۡ حَدِیۡثٍ غَیۡرِهٖ ؕ وَ اِمَّا

ہماری آیتوں میں تو ان سے کنارہ کر جب تک کہ بکنے لگیں کسی اور بات میں اور

یُنۡسِیَنَّکَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۶۸﴾

کبھی بھلا دے تجھ کو شیطان تو نہ بیٹھ بعد نصیحت بے انصاف قوم کے ساتھ

وَ مَا عَلَی الَّذِیۡنَ یَتَّقُوۡنَ مِنۡ حِسَابِهِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ وَّ لٰکِنۡ ذِکۡرٰی لَعَلَّهُمۡ

اور پرہیزگاروں پر نہیں کچھ ان کا حساب لیکن نصیحت کرنی ہے شاید

یَتَّقُوۡنَ ﴿۶۹﴾

وہ ڈریں

آخر کی آیت میں یہ حکم ہے کہ قرآن سے ٹھٹھا کرنے والوں میں جو شخص بیٹھے گا وہ بھی ان میں سے ہوگا تو پھر یہ حکم کہ جو شخص نصیحت کی راہ سے ایسے لوگوں میں بیٹھے گا اُس پر کچھ گناہ نہیں ہے منسوخ ٹھہرا لیکن جمہور مفسرین کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں ہے نصیحت کی راہ سے ایسے لوگوں میں بیٹھا دونوں آیتوں سے جائز ہے ورنہ دین کا بڑا جز جو نصیحت ہے جس پر صحیح حدیثوں میں آنحضرت نے بیعت لی ہے متروک ہو جاویگا ہاں خالی میل جول کے طور پر بیٹھنا حرام ہے غرض علم مفسرین کے قول پر دونوں آیتوں سے یہ مطلب نکلا کہ آجکل بعضے لوگ جو آیت قرآنی اور احادیث نبوی کو پرواہ کی نظر سے نہیں دیکھتے ہیں ایسے لوگوں میں یا تو متقی شخص نہ بیٹھے یا بیٹھے تو اُن لوگوں کو نصیحت کرتا رہے اگر بیٹھے گا اور نصیحت نہ کریگا تو ایسا شخص سخت گنہ گار ہوگا۔ بعضے مسلمانوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تھی کہ یہ مشرک لوگ تو ہر وقت قرآن کی مذمت میں لگے رہتے ہیں اس صورت میں اگر ہم حرم میں مثلاً طواف کو جاویں اور وہاں مشرک لوگ بھی موجود ہوں اور ہم اُن کے منہ سے قرآن کی مذمت کی کوئی بات سُن لیویں تو اس گناہ سے ہم کیونکر بچ سکتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے وَمَا عَلَی الَّذِیۡنَ یَتَّقُوۡنَ مِنۡ حِسَابِهِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ سے آخر آیت کا ٹکڑا نازل فرما کر ان مسلمانوں کو جتلا دیا کہ جب میل جول کے طور پر تم ان لوگوں میں نہیں بیٹھتے تو اس طرح کی اتفاقی ملاقات میں اُن کی بداعمالی کا محاسبہ تم لوگوں سے نہ ہوگا۔ لیکن ایسی ملاقات کے وقت اُن لوگوں کو کچھ مناسب نصیحت کردی جاوے تاکہ ہر وقت کی نصیحت سے شاید وہ لوگ بھی راہ راست پر آجاویں۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے[1] ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ خلاف شریعت کوئی بات دیکھ کر ہاتھ سے زبان سے جس طرح ممکن ہو اس کی اصلاح ایماندار آدمی کے ایمان کی علامت ہے پھر اگر یہ طاقت کسی ایماندار شخص میں نہ ہو تو اُس خلاف شریعت بات کو دل سے بُرا جاننا یہ ایمان کا ضعیف درجہ ہے[2]۔ مسند امام احمد ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالہ سے حذیفہ بن الیمان رضؓ کی حدیث بھی ایک جگہ گذر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آپس کی نصیحت کا طریقہ جب لوگوں سے اٹھ جائے گا تو ایسی بستی کے سب لوگوں پر کوئی عذاب آجاویگا اور پھر کسی نیک آدمی کی دعا عذاب کے ٹلنے کے باب میں قبول نہ ہوگی ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ ان آیتوں میں آپس کی نصیحت کا جو ذکر ہے یہ حدیثیں گویا اُس کی تفسیر ہیں ؛

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۲ باب بیان کون النہی عن المنکر من الایمان الخ بروایت ابی سعید الخدری رضؓ [2] جامع ترمذی ج ۲ ص ۳۹ باب ما جاء فی الامر بالمعروف والنہی عن المنکر

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ

اور چھوڑ دے جنہوں نے ٹھہرایا اپنا دین کھیل اور تماشا اور بہکے دنیا کی زندگی پر اور

ذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ

اس سے نصیحت دی ان کو کہ گرفتار نہ ہو جاوے کوئی اپنے کئے میں کہ نہیں اس کو اللہ کے سوا حمایتی

وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ

اور نہ سفارش والا اور اگر بدلا دے سارے بدلے قبول نہ ہوں اس سے وہی ہیں جو

۷۰۔ اوپر ذکر تھا کہ اہل مکہ کو آیات قرآنی کے مضمون کے موافق جس قدر سمجھایا جاتا تھا وہ اسی قدر ان آیتوں کو مسخرا پن میں اڑاتے اور جھٹلاتے تھے اس آیت میں ارشاد ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی کھانے پینے شراب خوری گانا اور باجا سننے کو اپنا دین ٹھہرا رکھا ہے اور اصل دین کی باتوں کے اور ان باتوں کی سزا و جزا کے لئے دوبارہ زندگی کے یہ لوگ منکر ہیں۔ اب یہ تو ظاہر ہے کہ جس کے دل میں عقبےٰ کا یقین نہیں وہ عقبےٰ کی باتوں کو جلدی سے کیوں کر مان سکتا ہے اس لئے اے رسول اللہ کے ان منکر قیامت لوگوں کو چند روز ان کے حال پر چھوڑ دیا جاوے مگر اتنی بات ان کو سمجھا دی جاوے کہ جس طرح کے مسخرا پن اور کھیل تماشے کو ان لوگوں نے اپنا دین ٹھہرا رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے اس طرح کے کھیل تماشے کے طور پر دنیا کو نہیں پیدا کیا بلکہ دنیا کے پیدا کرنے کا نتیجہ وہی ہے جو گھڑی گھڑی ان لوگوں کو جتلایا جاتا ہے کہ دنیا کے ختم ہو جانے کے بعد دنیا کے نیک و بد کی جزا و سزا کے لئے دوسرا جہان ضرور قائم ہوگا تاکہ دنیا کا پیدا کرنا ٹھکانے سے لگے وہ دوسرا جہان ایسا ہوگا کہ جہاں ہر شخص اپنے عمل کے نتیجہ کا پابند کرایا جاوے گا۔ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والوں کا وہاں کوئی حامی و مددگار نہیں ہے تمام دنیا کا مال و متاع یہ لوگ سزا کے معاوضہ میں دینا چاہیں گے تو یہ معاوضہ ہرگز قبول نہ ہوگا۔ کھولتا ہوا پانی پینا۔ سینڈھ کھانا ہمیشہ آگ میں جلنا یہی ایسے لوگوں کی سزا ہے۔ مسند امام احمد ترمذی مستدرک حاکم میں ابو امامہؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ کا وہ پانی ایسا کھولتا ہوگا کہ جب[۱] وہ پانی دوزخیوں کو پلایا جاوے گا تو اس کی گرمی سے پیتے وقت ان کے منہ کی کھال جل کر گر پڑے گی اور پینے کے بعد ان کی انتڑیاں کٹ کر نکل پڑیں گی حاکم نے اس حدیث کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ ترمذی نسائی ابن ماجہ اور صحیح ابن حبان میں عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخیوں کے کھانے کا تھوڑا سا سینڈھ زمین پر آن پڑے تو اہل دنیا کی زندگی مشکل ہو جاوے ترمذی اور حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے نعمان بن بشیرؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ادنیٰ درجہ کا دوزخ کا عذاب یہ ہوگا کہ دوزخیوں کے پاؤں میں آگ کی جوتیاں پہنا دی جاویں گی جس کی گرمی سے ان کے سر کا بھیجا پگھل کر نکل پڑے گا[۲]۔ یہ تو دوزخ کا ادنیٰ درجہ کا عذاب ہوا رہا دوزخ کے اعلےٰ درجہ کے عذاب کا

[۱] جامع ترمذی ج ۲ ص ۸۰ باب ما جاء فی صفۃ شراب اہل النار و الترغیب و الترہیب ج ۲ ص ۴۰۲۔ [۲] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷۱ باب صفۃ الجنۃ والنار و صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۵ باب شفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لابی طالب الخ

اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا

گرفتار ہوئے اپنے کئے میں ان کو پینا ہے گرم پانی اور مار ہے دکھ والی بدلہ

يَكْفُرُوْنَ ۝۷۰ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ

کفر کرنے کا تو کہہ کیا ہم پکاریں اللہ کے سوا جو نہ بھلا کرے ہمارا نہ بُرا اور پھیرے

عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى

جاویں اُلٹے پاؤں جب اللہ ہم کو راہ دے چکا جیسے ایک شخص کو بھلا دیا جنات نے

الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۠ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ۗ قُلْ اِنَّ

جنگل میں بھٹکتا اس کے رفیق پکارتے ہیں راہ کی طرف کہ آ ہمارے پاس تو کہہ

ع ۱۰ / ۱۴

حال وہ دنیا کا کاروبار قائم رہنے کے لئے اللہ کے رسول نے زبانی بتلایا نہ اس کی روایت ہم لوگوں تک آئی چنانچہ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انس بن مالکؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ اگر دوزخ کے عذاب کی پوری تفصیل تم کو معلوم ہو جاوے تو سوا رات دن کے رونے کے اور تم سے کچھ بھی نہ ہو سکے گا[1] یہ حدیثیں دوزخ کے کھانے پینے اور اُس کے عذاب کی گویا مختصر تفسیر ہے ؛

۷۱-۷۳ - اسمٰعیل سدی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ بعض مشرکین جدید مسلمانوں سے مکہ میں موقعہ پا کر نصائح کے طور پر کہتے تھے کہ تم نے اپنا قدیمی دین کیوں چھوڑ دیا اب بھی اپنے قدیمی دین پر آجاؤ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی[2] حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ باوجود قرآن کی ہدایت کے مشرکوں کے بہکانے سے پچھلے پاؤں اسلام سے ہٹنا ایسا ہے جس طرح کوئی راہ گیر باوجود اُس کے ساتھیوں کے راستہ بتانے کے ٹیڑھے راستہ پر چلا جاوے اور منزل مقصود سے بہک جاوے اور بت پرستی اور دین اسلام دونوں کا خلاصہ بھی آیت میں اللہ تعالےٰ نے یوں فرما دیا کہ دین اسلام میں اُس خالق اور بادشاہ حقیقی کی اطاعت ہے جس نے زمین و آسمان پیدا کیا ہے اور دنیا کی عارضی مالکوں کے ہلاکت کے بعد پھر اُس کا ملک اُسی کے حوالہ میں رہے گا اور بت پرستی وہ طریقہ ہے جس میں خدا کی ناخوشنودی سے ضرر یقینی ہونا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پچھلی بہت سی قومیں اللہ تعالیٰ کی ناخوشنودی کے سبب سے طرح طرح کے عذابوں میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو گئیں اور پتھروں سے نفع کی توقع کسی عقلمند کا کام نہیں ہے اس لئے یہ توقع خلاف عقل ہے علاوہ اس کے جب زمین و آسمان اللہ تعالےٰ نے پیدا کیا ہے اور سب ملک اسی کا ہے تو پھر ان مشرکوں نے بتوں کو کون سے استحقاق سے اپنا معبود قرار دیا ہے یہ ان سے پوچھا جاوے بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ صور کے معنے یہاں "صورت" کے ہیں اور معنے آیت کے یوں بتلائے ہیں کہ جب صورتوں میں روح پھونکی جاوے گی مگر یہ معنے صحیح حدیثوں کے مخالف ہیں اصل معنے صور کے وہی نرسنگے کے ہیں جس کی صراحت صحیح احادیث میں آچکی ہے کہ حضرت اسرافیل اس کو منہ میں لئے کھڑے اور ہر وقت اس کے پھونکنے کے حکم کے منتظر ہیں چنانچہ ابوداؤد، ترمذی اور صحیح ابن حبان کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی صور کی حدیث ایک جگہ گذر

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۶۰ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو تعلمون ما اعلم الخ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۴۵ ؛

هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰىؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ۙ وَاَنْ اَقِيْمُوا

اللہ نے راہ بتائی سو وہی راہ ہے اور ہم کو حکم ہوا ہے کہ تابع رہیں جہان کے صاحب کے اور یہ کہ کھڑی رکھو

الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُؕ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ

نماز اور اس سے ڈرتے رہو اور وہی ہے جس پاس اکٹھے ہو گے اور وہی ہے جس نے ٹھیک بنائے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ۬ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّؕ

آسمان اور زمین اور جس دن کہے گا ہو تو بس ہو جاوے گا اسی کی بات سچ ہے

وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ

اور اسی کی سلطنت ہے جس دن پھونکا جاوے گا صور چھپا اور کھلا جاننے والا اور وہی تدبیر والا

چکی ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے[1] اور ابن حبان کی سند بھی صحیح ہے اس سے اوپر کی آیت وذرالذین اتخذوا دینھم لعبا ولھوا کو اگرچہ بعض علماء نے آیت جہاد سے منسوخ کہا ہے لیکن صحیح مذہب یہ ہے کہ اس طرح کی درگذر کی آیتوں کے لئے ایک مدت مقرر تھی جس مدت کا حکم اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا تھا فاعفوا واصفحوا حتی یاتی اللہ بامرہ وہ امر الٰہی یعنی جہاد کا حکم جب آیا تو سب درگذر کی آیتوں کی مدت پوری ہو گئی غرض یہ سب آیتیں منقضی المدت ہیں منسوخ نہیں ہیں اور منسوخ آیت اور منقضی المدت آیت میں بڑا فرق ہے منسوخ پر عمل بالکل منع ہو جاتا ہے اور منقضی المدت آیت پر عمل اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ سبب پایا جائے جس سبب کی ضرورت سے وہ مدت قرار دی گئی تھی حاصل یہ ہے کہ جس زمانہ میں وہ سبب پایا جاوے گا پھر سبب کے زمانہ تک درگذر کی آیتوں کے موافق عمل کرنا ضرور ہے مثلاً اب کسی شہر یا ملک میں مسلمانوں کی حالت اُسی طرح ضعیف ہو جائے جس طرح ہجرت سے پہلے اس وقت کے مسلمانوں کی حالت مکہ میں تھی تو زمانہ ضعف تک وہی درگذر کا عمل حال کے مسلمانوں کے لئے واجب اور ضروری ہے رمضان کے روزے حج، زکوٰۃ یہ سب چیزیں ہجرت کے بعد مدینہ میں فرض ہوئی ہیں اس لئے ان کی آیتوں میں فقط نماز کا ذکر فرمایا کیونکہ نماز مکہ میں معراج کی رات فرض ہوئی ہے۔ اب آگے فرمایا کہ اس صاحب قدرت کے فقط ایک کُنْ کے کلمہ کے فرمانے سے جس طرح یہ سب کچھ پیدا ہو گیا جو سب کی آنکھوں کے سامنے ہے اسی طرح وقت مقررہ پر اُس کے حکم سے فوراً قیامت قائم ہو جاوے گی اور نیک و بد سب اُس کے روبرو حاضر ہو جاویں گے۔ وہ ایسا صاحب تدبیر اور خبردار ہے کہ اُس کا کوئی کام بے فائدہ کھیل تماشے کے طور پر نہیں ہے اس لئے اس نے نیک و بد کے نتیجہ کیلئے دنیا کو پیدا کیا ہے اور اس نتیجہ کے دن کا نام قیامت ہے اور قیامت کے آنے کی خبر جو قرآن میں دی گئی ہے وہ ایسی برحق ہے کہ دنیا کے انتظام پر غور کرنے کے بعد کوئی عقلمند اس کا انکار نہیں کر سکتا کس لئے کہ جس کی عقل ٹھکانے ہے نہ وہ خود کوئی بے ٹھکانے کام کرتا ہے نہ وہ اللہ تعالیٰ کی شان میں ایسا کلمہ منہ سے نکال سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو بغیر کسی نتیجہ کے کھیل تماشے کے طور پر پیدا کیا ہے صحیح بخاری و مسلم میں ابن عمرؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کے فنا ہو جانے کے بعد

[1] جامع ترمذی ج ۲ ص ۶۵ باب ماجاء فی الصور یہ تمام بحث دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۴۵ ــ ۱۴۷

الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ

خبردار اور جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ آزر کو کہ تو کیا پکڑتا ہے مورتوں کو خدا میں دیکھتا ہوں تو کو

وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ

اور تیری قوم صریح بہکے ہوئے اور اسی طرح ہم دکھانے لگے ابراہیم کو سلطنت آسمان

وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ

اور زمین کی اور تاکہ اس کو یقین آوے پھر جب اندھیری آئی اس پر رات دیکھا ایک تارا

قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا

بولا یہ ہے رب میرا پھر جب وہ غائب ہوا بولا مجھ کو خوش نہیں آتے چھپنے والے پھر جب دیکھا چاند چمکتا

قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ

بولا یہ ہے رب میرا پھر جب وہ غائب ہوا بولا کہ اگر راہ نہ دکھاوے مجھ کو میرا رب بیشک میں رہوں بہکتے

اللہ تعالیٰ فرماویگا آج وہ لوگ کہاں گئے جن کو دنیا میں اپنی اپنی حکومت اور بادشاہت کا دعویٰ تھا پھر فرماویگا اصل بادشاہت اللہ کی ذات کیلئے ہی رہا ہے ولہ الملک یوم ینفخ فی الصور کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں تو عارضی طور پر لوگ اپنی بادشاہت اور حکومت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں مگر اُس دن سوا اللہ کی ذات کے اور کوئی نہ ہوگا عالم الغیب والشہادۃ۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ سزا و جزا کے وقت کوئی ظاہری یا باطنی عمل اُس سے چھپا نہ رہے گا

۷۴۔۷۹ مکہ کے مشرک لوگ اپنے آپ کو ملت ابراہیمی پر کہتے تھے اس واسطے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کا یہ قصہ ذکر فرما کر ان لوگوں کو یوں قائل کیا کہ ابراہیم علیہ السلام تو بت پرستی سے جس قدر بیزار تھے اُس کا حال ان لوگوں کو اس قصہ سے معلوم ہوگا پھر یہ لوگ بت پرستی میں گرفتار رہ کر اپنے آپ کو ملت ابراہیمی پر کیونکر بتلا سکتے ہیں۔ اس میں سلف کا اختلاف ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے پہلے چمکدار تارے مشتری یا زہرہ کو اور پھر چاند سورج کو دیکھ کر ھٰذا ربی جو کہا یہ قول انکا اس بچپنے کے زمانہ کا ہے جس وقت تک اُن کو توحید اور احکام شرع معلوم نہ تھے یا بڑی عمر میں اپنے باپ اور قوم کے لوگوں کو قائل کرنے کے لئے انہوں نے یہ بات کہی تھی۔ جو مفسر اس قول کو ابراہیم علیہ السلام کے بچپنے کے زمانہ کا قول قرار دیتے ہیں اُن کے نزدیک اس قول کا جو قصہ ہے اسکا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش کے سال اُس وقت کے نجومیوں نے نمرود بن کنعان ملک عراق کے بادشاہ سے یہ کہا تھا کہ اس سال ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جس کے سبب سے سلطنت نمرودی کو بڑا صدمہ پہنچے گا۔ یہ خبر سن کر اگرچہ نمرود نے اُس سال جو لڑکے پیدا ہوں اُن کے قتل کا بڑا انتظام کیا لیکن اللہ تعالیٰ کے انتظام کے آگے نہ انتظام نمرودی چل سکتا ہے نہ انتظام فرعونی آخر حضرت ابراہیم پیدا ہوئے ہاں انتظام نمرودی کے خوف سے اتنا ہوا کہ حضرت ابراہیم ایک تہ خانہ میں پیدا ہوئے اور چند سال کی عمر تک اُن کو اسی تہ خانہ میں رکھا گیا۔ اور جب حضرت ابراہیم کو اُس تہ خانہ سے باہر نکالا اور پہلے پہل

۱؎ صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۰-۳۷۱ باب صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار

الضَّآلِّيْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ

لوگوں میں ۔ پھر جب دیکھا سورج جھلکتا بولا یہ ہے رب میرا یہ سب سے بڑا پھر جب

اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ

غائب ہوا بولا اے قوم میں بیزار ہوں ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو میں نے اپنا منہ کیا اسی کی طرف جس نے

فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ

بنائے آسمان و زمین ایک طرف کا ہوکر اور میں نہیں شریک کرنے والا اور اس سے جھگڑے اس کی قوم

انہوں نے تاروں اور چاند سورج کو دیکھا تو اسی وقت کی ان کی یہ باتیں ہیں جن کا ذکر ان آیتوں میں ہے لیکن اکثر سلف کا قول یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑی عمر میں اپنے باپ اور تمام قوم کے الزام دینے کے لئے یہ باتیں منہ سے نکالی ہیں کیونکہ بچپنے میں بھی سوا اللہ تعالیٰ کے ھٰذَا رَبِّیْ کا لفظ دوسرے کی شان میں نبی کی زبان سے ہرگز نہیں نکل سکتا کنعانی قوم ستارہ پرست لوگ تھے ستاروں کی پرستش کی غرض سے ان لوگوں نے ستاروں کی مورتیں زمین پر بھی بنا رکھی تھیں جن کی پوجا یہ لوگ کیا کرتے تھے اسی واسطے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور قوم کے روبرو بت پرستی اور ستارہ پرستی دونوں باتوں کی مذمت بیان کی صحیح قول یہی ہے کہ آزر حضرت ابراہیم کے باپ کا نام ہے اور تارخ ان ہی آزر کا لقب ہے۔ ملکوت کے معنے ملک کے ہیں ملک کے آخر میں (ت) مبالغہ کے لئے بڑھائی گئی ہے ملکوت السموات سے مقصد سورج چاند اور تارے ہیں اور ملکوت الارض سے مقصد پہاڑ، پیڑ اور دریا حاصل مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ سمجھ دی کہ وہ ان چیزوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی قدرت کے یقین میں ترقی حاصل کریں۔ حنیف کے معنے ایک طرف کو مائل ہونا حاصل مطلب یہ ہے کہ قوم کی ستارہ پرستی اور بت پرستی کے شرک کو چھوڑ کر میں تو توحید اور اللہ کی عبادت کی طرف مائل ہوا کیوں کہ جس نے آسمان، زمین سب کچھ پیدا کیا تعظیم کے قابل وہی ہے اس کی تعظیم میں کسی کو شریک ٹھہرانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوسعید خدریؓ کی شفاعت کی بڑی حدیث کا ذکر ایک جگہ گذر چکا ہے جس میں یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی توحید ہوگی وہ آخر کو دوزخ سے نکل کر جنت میں جاویگا[1]۔ معتبر سند سے ابن ماجہ اور صحیح ابن خزیمہ میں ابوہریرہؓ سے حدیث قدسی کی روایت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا مشرک کا کوئی نیک عمل اللہ کی بارگاہ میں مقبول نہیں[2]۔ یہ حدیثیں ان آیتوں کی گویا تفسیر ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ توحید ذرہ برابر بھی قیامت کے دن فائدہ کی چیز ہے اور شرک ذرہ برابر بھی اس دن ضرر پہنچانے کی چیز ہے ؛

۸۰۔۸۱۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے روبرو ستارہ پرستی اور بت پرستی کی مذمت کی تو ان لوگوں کو یہ بات بُری لگی اور ان لوگوں نے اس بات پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جھگڑنا شروع کیا کیونکہ اُن ستارہ پرست

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۱۰۷ باب قول اللہ وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ ؛

[2] الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۱۹ باب الریاء الخ و مشکوٰۃ باب الریاء والسمعۃ فصل اول

قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ

بولا تم مجھ سے جھگڑتے ہو اللہ پر اور وہ مجھ کو سمجھا چکا اور میں ڈرتا نہیں ان سے جن کو شریک ٹھہراتے ہو اس کا مگر کہ

یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ (۸۰)

میرا رب کچھ چاہے سمائی ہے میرے رب کے علم میں سب چیز کو کیا تم دھیان نہیں کرتے ہو

وَكَیْفَ اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ

اور میں کیوں کر ڈروں تمہارے شریکوں سے اور تم نہیں ڈرتے کہ شریک ٹھہراتے ہو اللہ کے ساتھ جس پر نہیں اتاری

بت پرستوں کا یہ اعتقاد ہے کہ جس طرح انسان میں جسم اور روح دو چیزیں ہیں اسی طرح زحل مشتری مریخ عطارد زہرہ سورج چاند میں بھی روح اور جسم دو چیزیں ہیں تمام دنیا کا انتظام ان ہی روحوں کی تدبیر سے اللہ تعالے کے حکم کے موافق چلتا ہے لیکن ہم لوگوں کی رسائی ان روحوں تک نہیں ہے اس لئے ان ستاروں کی مورتیں بنا کر ان روحوں سے مدد لینے کے لئے ان مورتوں کی ہم تعظیم اور پوجا کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان لوگوں کے اس اعتقاد کو یوں غلط ٹھہرایا کہ جس نے آسمان اور زمین سب کچھ پیدا کیا ہے تمام دنیا کا انتظام بھی اسی کے اختیار میں ہے ستاروں کی روحوں کو آسمان پر اتنا اختیار نہیں کہ وہ ستاروں کو روز کے طلوع غروب کے تغیر سے بچا لیویں تو پھر ان روحوں سے تمام دنیا کا انتظام کیونکر متعلق ہو سکتا ہے اور وہ روحیں زمین پر ستارہ پرستوں کی کیا مدد کر سکتی ہیں اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان لوگوں نے یہ سمجھایا کہ باپ دادا کے دین کو چھوڑنا اچھا نہیں اور حضرت ابراہیم کو ان لوگوں نے اس فہمائش میں یوں ڈرایا کہ تم جو ہمارے ٹھاکروں کی مذمت کرتے ہو تو کیا عجب ہے کہ اس کے بدلہ میں ہمارا کوئی ٹھاکر تم کو کچھ صدمہ پہنچا دیوے۔ ان لوگوں کی ان باتوں کا جواب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دیا جس کا ذکر ان آیتوں میں ہے حاصل اس جواب کا یہ ہے کہ اے لوگو اللہ تعالے نے غیب سے مجھ کو جن باتوں کی ہدایت کی ہے ان کے چھوڑدینے میں تم لوگ مجھ سے جھگڑتے اور اپنے ٹھاکروں سے مجھ کو ڈراتے ہو تو میں تمہارے ٹھاکروں سے کچھ نہیں ڈرتا کیونکہ مجھے خوب معلوم ہے کہ جب تک میرا اللہ مجھ کو کوئی نقصان پہنچانا نہ چاہے اس وقت تک تمہارے ٹھاکر میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور اگر تم لوگ ذرا دھیان کرو تو تمہاری سمجھ میں یہ بات خود آسکتی ہے کہ جس اللہ نے اپنے علم اور ارادہ کے موافق یہ سارا جہان پیدا کیا اس کا علم کیسا وسیع ہے پھر اس اللہ نے اپنے علم غیب کے موافق جو باتیں میرے دل میں ڈالی ہیں وہ اچھی یا تمہاری بے ٹھکانے باتیں اچھی ہیں کہ سارے جہان کے پیدا کرنے والے کو چھوڑ کر پتھر کی مورتوں کو تم نے اپنا معبود بنایا ہے غرض میں تو ان پتھر کی مورتوں سے کیوں ڈرنے لگا اصل ڈر تو تم کو چاہئے کہ تم اللہ کی تعظیم میں دوسروں کو شریک کرتے ہو کیا تم کو معلوم نہیں کہ نوح علیہ السلام سے لے کر اب تک اللہ کی تعظیم کرنے والے لوگ عذاب آسمانی سے کس طرح امن وامان میں رہے اور اللہ کی تعظیم میں فرق ڈالنے والوں کی آخر کیا گت ہوئی اور وقت پڑے پر ان کے بتوں نے کچھ بھی ان کی مدد نہ کی۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسےٰ اشعری کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت آسمانی کی مثال مینہ کی اور اچھے برے

بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۭ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾

اس نے تم کو کچھ سند اب دونوں فریق میں کس کو چاہئے خاطر جمع اگر سمجھ رکھتے ہو

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾

جو لوگ ایمان لائے اور ملائی نہیں اپنے یقین میں کچھ تقصیر انہیں کو خاطر جمع اور وہی ہیں راہ پائے

لوگوں کی مثال اچھی بُری زمین کی فرمائی ہے۔ یہ حدیث ان آیتوں کی گویا تفسیر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کنعانی قوم کے لوگ بُری زمین کی طرح علم الٰہی میں ٹھہر چکے تھے اس لئے ان کے دل پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس نصیحت کا کچھ اثر نہیں ہوا بلکہ اُن کے حق میں یہ نصیحت ایسی ہی رائگاں گئی جس طرح بُری زمین میں مینہ کا پانی رائگاں جاتا ہے۔

۸۲۔ اس آیت میں ظلم کی تفسیر خود آنحضرت نے فرما دی ہے کہ ظلم سے مطلب یہاں شرک ہے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ نے ظلم کے معنے عام گناہ کے سمجھے اور صحابہ پر یہ آیت بہت شاق گذری اور انہوں نے آنحضرت سے عرض کیا کہ جب امن ان ایمانداروں کو قیامت کے روز ملے گا جنہوں نے اپنے ایمان میں گناہوں کی آمیزش نہ کی ہو تو ہم میں تو کوئی ایسا نہیں ہے جو گنہگار نہ ہو آپ نے فرمایا جو تم لوگوں نے گمان کیا ہے آیت کا وہ مطلب نہیں ہے بلکہ آیت میں ظلم سے مطلب شرک ہے کیا تم نے لقمان کا یہ قول نہیں سنا کہ دوسب سے بڑا ظلم شرک ہے۔ غرض خود صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے سے حاصل معنے آیت کے یہ ہوئے کہ سوائے شرک کے کسی طرح کے گناہ کر کے کوئی شخص اگر بلا توبہ مرجائے تو اُس کو قیامت میں یہ امن ملیگا کہ اس کی مغفرت کی توقع ہے یہ تفسیر تو متفق علیہ حدیث کی رو سے ہے اور بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب صحابہ پر یہ آیت شاق گذری تو خود اللہ تعالیٰ نے اس آیت کی تفسیر فرمائی اور آیت ان الشرك لظلم عظیم (۳۱-۱۳) نازل فرمائی[1] یہاں تک تو خدا تعالیٰ نے اور رسول خدا نے ایک تفسیر جو اس آیت کی فرمائی تھی اسکا ذکر ہو چکا لیکن قول نبوی کے موافق ایک دوسری تفسیر کا ذکر کرنا بھی برکت سے خالی نہیں اس لئے آنحضرت نے دوسری تفسیر جو اس آیت کی فرمائی ہے وہ بھی ذکر کی جاتی ہے معتبر سند سے تفسیر ابن ابی حاتم اور مسند امام احمد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی اونٹ پر چڑھا ہوا آرہا تھا اور ہم چند صحابہ آنحضرت کے ساتھ مدینہ کے باہر کہیں جا رہے تھے آپ نے فرمایا شاید یہ اونٹ سوار ہم لوگوں ہی کی تلاش میں آرہا ہے اتنے میں وہ اونٹ سوار پاس آیا اور اُس نے کہا کہ میں جنگل کے پتے کھاتا ہوا دور سے آیا ہوں اور اللہ کے رسول کو ڈھونڈھتا ہوں لوگوں نے آنحضرت کو بتلایا اور اُس نے آنحضرت سے کہا حضرت مجھ کو اسلام سکھاؤ آپ نے ارکان اسلام اُس کو سکھائے اتنے میں وہ سوار اونٹ سے اُلجھ کر گرا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی اور فوراً وہ مرگیا آپ نے فرمایا جس وقت اس سوار کی جان نکلی میں نے دیکھا کہ فرشتے اُس کے منہ میں جنت کا میوہ دے رہے تھے وہ سچ کہتا تھا کہ جنگل کے پتے کھا کر آرہا ہوں اور بھوکا ہوں یہ کہہ کر پھر آپ نے فرمایا ایسے لوگوں کی شان میں یہ آیت اُتری ہے[3] پہلی تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ جس کے ایمان میں شرک کی آمیزش نہ ہو تو وہ گنہگار بھی بخشا جاوے گا۔ دوسری

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰ باب فضل من علم وعلم [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۶۶ و ص ۷۰۶ کتاب التفسیر و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۵۲۔

[3] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۵۳۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ

اور یہ ہماری دلیل ہے کہ دی ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابل درجے بلند کرتے ہیں جس کو چاہیں

رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿٨٣﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا

تیرا رب تدبیر والا ہے خبردار اور اس کو بخشا ہم نے اسحاق اور یعقوب سب کو ہدایت دی اور نوح

هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ

کو ہدایت دی ہم نے ان سب سے پہلے اور اس کی اولاد میں داؤد اور سلیمان کو اور ایوب کو اور یوسف کو

تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ جس کے ایمان میں شرک کی آمیزش نہ ہو اُس کو نیک عمل کرنے کا موقع نہ ملا تو صرف ایمان بھی اُس کی بخشش کا موجب ہو سکتا ہے ابو سعید خدریؓ کی شفاعت کی بڑی حدیث صحیح بخاری[1] و مسلم کے حوالہ سے ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں یہ ہے کہ ملائکہ انبیاء اور نیک لوگوں کی شفاعت کے بعد خود اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ایسے لوگوں کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کرے گا جن کے دل میں کسی قدر توحید تو تھی لیکن انہوں نے عمر بھر کوئی نیک کام نہیں کیا تھا۔ اس حدیث سے عبداللہ بن عباسؓ کی اوپر کی حدیث کی پوری تائید ہوتی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جواب میں فای الفریقین احق بالامن ان کنتم تعلمون مبہم طور پر کہا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو کھول کر فرما دیا کہ دنیا میں سیدھے راستہ پر ہونا اور عقبیٰ میں امن امان سے رہنا انہی لوگوں کے حصہ میں ہے جو ایمان دار اور شرک سے بچے ہوئے ہیں۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے جابرؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص سوائے اللہ تعالیٰ کے دوسرے کو معبود جاننے کی حالت میں بغیر توبہ کے مر گیا وہ ہمیشہ کے لئے دوزخی ہے اور جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کے اعمال نامہ میں شرک نہیں ہے اگر ایسا شخص شرک کے سوا اور گناہوں کی سزا بھگتنے کے لئے دوزخ میں گیا بھی تو آخر کو ایسا شخص جنت میں جاوے گا[2]۔ یہ حدیث اور ابو سعید خدریؓ کی اوپر کی حدیث آیت کی گویا تفسیر ہیں جس سے اہل توحید کے آخری درجہ تک کے اس امن کا حال معلوم ہوا جو امن ان لوگوں کو عقبیٰ میں ملے گا۔

۸۳۔۔۸۹۔ اوپر کی آیتوں میں ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم کو جن دلیلوں سے قائل کیا انہی کو فرمایا کہ وہ دلیلیں الہام کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ابراہیم خلیل اللہ کے دل میں ڈالی تھیں پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح ابراہیم خلیل اللہ کا مرتبہ بڑھایا کہ انہوں نے نمرود جیسے بادشاہ اور اپنے باپ اور قوم سب کو قائل کیا اسی طرح اے رسول اللہ کے اللہ اپنی حکمت اور اپنے علم سے جس کا چاہے مرتبہ بڑھا دیوے اُس کی حکمت اور علم کے آگے کسی کی کوئی تدبیر نہیں چل سکتی اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی گویا یہ تسلی فرمائی گئی ہے کہ اگرچہ یہ اہل مکہ اسلام کے کمزور کرنے کی تدبیریں کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کے علم کے آگے اُن کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوگی اور آخر کار ہو گا وہی جو اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کے علم کے موافق ہونے والا ہے۔ اللہ سچا ہے اللہ کا کلام سچا ہے بدر کی لڑائی سے لے کر فتح مکہ تک اللہ تعالیٰ کو اپنی حکمت اور اپنے علم کے

۱؎ صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۱۰۷ باب قول اللہ وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ ۲؎ صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۶ باب الدلیل علی ان من مات لایشرک باللہ الخ

وَمُوسٰى وَهٰرُونَ ۚ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٤﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى

اور موسیٰ کو اور ہارون کو اور ہم یوں بدلہ دیتے ہیں نیک کام والوں کو اور زکریا اور یحییٰ

وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۚ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٥﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ

اور عیسےٰ اور الیاس کو سب ہیں نیک بختوں میں اور اسماعیل اور الیسع اور یونس

وَلُوْطًا ۚ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ

اور لوط کو اور سب کو ہم نے بزرگی دی سارے جہان والوں پر اور بعضوں کو ان کے باپ دادوں میں اور اولاد میں اور بھائیوں میں

موافق جو کچھ منظور تھا وہ سب ہوگیا اور کسی مخالف اسلام کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوئی۔ اب آگے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سمجھایا کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کی مخالفت پر صبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس صبر کے اجر میں اپنی حکمت کے موافق اُن کو ملک عراق سے نکال کر ملک شام میں پہنچایا اور وہاں اُن کو ایسی اولاد اور اولاد در اولاد عنایت فرمائی جن کی نسل میں قیامت تک نبوت قائم رہے گی تم بھی اگر اپنی قوم کی مخالفت پر کچھ دنوں صبر کرو گے تو اُس کا انجام اچھا ہوگا۔ اللہ سچا ہے اللہ کا کلام سچا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے جس طرح ابراہیم خلیل اللہ کو عراق سے شام پہنچا کر اُن کے صبر کا اجر دنیا میں دکھا دیا ہجرت کے بعد وہی انجام نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر کا ہوا۔ طوفان کے بعد جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سے دنیا کا سلسلہ قائم ہے اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے قیامت تک نبوت کا سلسلہ قائم ہے اسی واسطے قرآن شریف میں کئی جگہ حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی اولاد کا ذکر ساتھ ہی ساتھ آیا ہے۔ تفسیر ابن ابی حاتم میں عبد اللہ بن مسعودؓ کا اور تفسیر ضحاک میں عبد اللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ الیاسؑ اور ادریسؑ ایک ہی نبی کا نام ہے لیکن اور علماء نے اس قول پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیتوں میں الیاسؑ کو حضرت نوحؑ کی اولاد میں ذکر کیا ہے اور ادریسؑ تو حضرت نوحؑ کے دادوں میں ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام سے ہزار برس پہلے نبی ہوئے ہیں پھر دونوں نبی الیاسؑ اور ادریسؑ ایک کیوں کر ہو سکتے ہیں۔ الیسع انبیائے بنی اسرائیل میں سے ایک نبی کا نام ہے جو حضرت عیسےٰؑ اور حضرت یحییٰؑ سے پہلے ہوئے ہیں۔ بعضے علماء نے الیسع حضرت خضر کو قرار دیا ہے من آبائھم کی مثال جیسے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسحاقؑ اخوانھم کی مثال جیسے حضرت موسےٰ و ہارونؑ اب آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو نبوت کیلئے پسند کر کے ان کو نبی بنایا ہے لیکن شرک ایسی بُری چیز ہے کہ بالفرض اگر یہ لوگ بھی شرک کرتے تو اُن کی سب نیکیاں اکارت ہو جاتیں اور انکی نبوت کا کچھ پاس درگاہ الٰہی میں نہ ہوتا کیونکہ بارگاہ الٰہی میں خالص نیت کا نیک کام مقبول ہوتا ہے شرک کے میل جول کا کوئی کام اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں مکہ کے مشرکوں کو اس فرضی مثال سے یہ سمجھایا گیا ہے کہ جب شرک کی حالت میں انبیاء کی نیکیاں اکارت ہیں تو شرک پر اڑے رہنے کے بعد ان لوگوں سے اگر کچھ نیکی ہوئی تو اسکا کیا ٹھکانا ہے۔ پھر فرمایا کہ جن لوگوں کا ذکر نوح علیہ السلام سے لے کر آخر تک ہوا یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے شریعت اور نبوت عطا کی ہے جس کا ذکر قرآن میں ہے اگر یہ اہل مکہ ان باتوں کے منکر رہیں گے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کے موافق اور ایسے لوگ ٹھہرا رکھے ہیں جو ان باتوں کو اچھی طرح مان لیویں گے مکہ کے

وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ

اور ان کو ہم نے پسند کیا اور راہ سیدھی چلائی یہ اللہ کی ہدایت ہے اس پر راہ دے

بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾

جس کو چاہے اپنے بندوں میں اور اگر وہ لوگ شرک کرتے تو البتہ ضائع ہوتا جو کیا تھا

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ

وہ لوگ تھے جن کو دی ہم نے کتاب اور شریعت اور نبوت پھر اگر ان باتوں کو نہ مانیں یہ لوگ

فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

تو ہم نے ان پر مقرر کئے ہیں وہ شخص کہ وہ نہیں ان سے منکر ؏

مشرک لوگوں نے اسلام کی مخالفت پر اور قرآن کے کلام الٰہی نہ ہونے پر جب کمر باندھ لی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم موسم حج میں باہر کے لوگوں کو قرآن شریف کی آیتیں سنا کر ان کو اسلام کی امداد پر آمادہ کیا کرتے تھے ایک سال اہل مدینہ میں سے قبیلہ خزرج کے بارہ شخص حج کو آئے اور قرآن شریف کی آیتیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت منیٰ کی گھاٹی کے پاس سن کر انہوں نے اسلام کی اور اسلام کی امداد کی بیعت کی اسی کو عقبہ اولے کی بیعت کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ مقام منٰے کے پہاڑ کی گھاٹی کی یہ پہلی بیعت ہے منٰے میں عقبہ اس گھاٹی کا نام ہے جہاں شیطانوں کو کنکریاں مارتے ہیں اس سال کے بعد پھر اسی قبیلہ کے بہت سے لوگ حج کو آئے اور اسی گھاٹی میں پہلے بارہ شخصوں کی طرح انہوں نے بھی بیعت کی اس کو ثانی بیعت کہتے ہیں۔ اسی بیعت میں اسلام کے پھیلانے کی غرض سے بارہ چوہدری مدینہ اور گرد نواح مدینہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مقرر کئے اور اسی بیعت کے بعد اہل مدینہ کا نام انصار قرار پایا جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اسلام کے مددگار ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم کی عبادہ بن الصامت ؓ کی حدیث میں اور بعضے صحابہ کی اور حدیثوں میں اس بیعت کا تذکرہ تفصیل وار ہے[1] یہ حدیثیں ان آیتوں کی تفسیر ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا تھا کہ اگر یہ مکہ والے قرآن کو نہ مانیں گے تو اللہ تعالےٰ قرآن کے ماننے والے اور لوگ کھڑے کر دے گا وہ لوگ یہی انصار تھے جن کو اللہ تعالےٰ نے اہل مکہ کی عین مخالفت کے وقت اسلام کی امداد کے لئے کھڑا کر دیا جس سے اہل مکہ کی مخالفت کی جڑ اکھڑ گئی کیونکہ ان میں کے بڑے بڑے مخالف تو بدر کی لڑائی میں مارے گئے اور پھر آخر کو تمام مکہ اسلام کا تابع ہو گیا مسند امام احمد وغیرہ کے حوالہ سے ابوذر ؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے[2] جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں جن میں تین سو تیرہ اور بعضی روایتوں میں تین سو پندرہ رسول ہیں۔ ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[3] ان نبیوں میں سے قرآن شریف میں پچیس نبیوں کا ذکر آیا ہے اٹھارہ کا ان آیتوں میں ہے باقی کے سات کا ذکر اور آیتوں میں ہے جن کے نام یہ ہیں۔ آدمؑ۔ ادریسؑ۔ شعیبؑ۔ صالحؑ۔ ہودؑ۔ ذو الکفلؑ۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نبیوں کے نبی ہونے کا یقین شریعت میں تفصیلی طور پر ہے باقی کا بغیر نام کے مبہم طور پر ہے ؏

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۵۰ باب وفود الانصار الخ [2] یعنی تفسیر احسن التفاسیر کی جلد اول کے ص ۳۹۷ پر بحوالہ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۸۶ [3] فتح البیان۔

أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۗ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ

وہ لوگ تھے جن کو ہدایت دی اللہ نے سو تو چل ان کی راہ تو کہہ میں نہیں مانگتا اس پر تم سے

اَجْرًا ۗ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾ ع

کچھ مزدوری یہ تو محض نصیحت ہے جہان کے لوگوں کو

۹۰۔ اس آیت کے متعلق علماء اہل اصول کے دو مذہب ہیں ایک مذہب تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیائے سابق کی شریعت کے موافق عمل کرنے کا حکم ہے۔ جب تک کہ اس شریعت سابقہ کی منسوخی کا حکم شریعت محمدی میں آ جاوے اس مذہب کو ابن حاجب نے اختیار کیا ہے دوسرا مذہب یہ ہے کہ شریعت محمدی میں جب تک پچھلی کسی شریعت کے موافق حکم نہ آوے تو آنحضرت کو پچھلی شریعت کے موافق عمل کرنا ضرور نہیں ہے اور اس پچھلے مذہب کو علماء اصول نے زیادہ واضح ٹھہرایا ہے اور اسی مذہب کی تائید قرآن شریف سے نکلتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دین محمدی کی نسبت فرمایا ہے لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ یعنے "دین محمدی کو اللہ تعالیٰ نے سب دینوں پر غالب کیا ہے" پھر دین غالب کا نبی مغلوب دین کے مسئلہ پر اس وقت تک کیونکر عمل کر سکتا ہے جب تک وہ دین مغلوب کا مسئلہ دین غالب کا مسئلہ نہ ٹھہر جاوے صحیح بخاری و مسلم کی ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب نبی گویا ایک باپ کی اولاد علاتی بھائی ہیں[1] ان مائیں ان کی جدا جدا ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ مصلحت وقت کے موافق حلال و حرام کے احکام ہر ایک شریعت کے جدا جدا ہیں لیکن اصل دین جو توحید ہے اس میں سب ایک ہیں۔ یہ حدیث گویا آیت کی تفسیر ہے کیونکہ آیت اور حدیث کو ملا کر یہ مطلب ٹھہرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو توحید میں تو انبیائے سابق کی چال چلنے کا حکم ہے رہے حلال و حرام کے احکام ان میں جہاں تک شریعت محمدی اور پچھلی شریعتوں میں مطابقت پائی جاوے گی وہاں تک تو پچھلی شریعتوں کے احکام کو حال کی مصلحت کے موافق قرار دیا جا کر ان پر عمل کیا جانا عین شریعت محمدی کے کا عمل شمار کیا جاوے گا ورنہ اس حدیث کے موافق یہ کہا جاوے گا کہ وقتیہ مصلحت کے لحاظ سے پچھلی شریعت کا حکم جدا ہے اور شریعت محمدی کا حکم جدا اس تفسیر کے بعد اہل اصول میں جو اختلاف تھا وہ بھی رفع ہو جاتا ہے اور آیت کی تفسیر بھی صحیح حدیث کے موافق ہو جاتی ہے مثال اس تفسیر کی یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں سے جو لوگ مثلاً بچھڑا پوج کر مرتد ہو گئے تھے شریعت موسوی میں انکی توبہ قتل قرار پائی اب شریعت محمدی میں مرتد شخص کی توبہ بغیر قتل کے مقبول ہے اس لئے ہر وقت کی مصلحت کے موافق یہ دونوں شریعتوں کے حکم جدا جدا ہیں ایک شریعت میں دوسری شریعت کے موافق عمل نہیں ہے۔ اب آگے فرمایا اے رسول اللہ کے تم ان مکہ کے مشرکوں سے کہہ دو کہ تم لوگ قرآن کی نصیحت کے سننے سے جو بھاگتے ہو تو میں تم لوگوں سے کچھ اُجرت اس نصیحت پر نہیں مانگتا جس کے بوجھ سے تم گھبراتے ہو بلکہ بغیر معاوضہ اور اُجرت کے یہ قرآن تو جن و انس سب کے حق میں ایک عام نصیحت ہے جو کوئی اس کو سنے گا اس کے دل پر اس کا اثر ہو گا۔ اللہ سچا ہے اللہ کا کلام سچا ہے سنہ ۶ ہجری سے پہلے تک اہل مکہ قرآن کی نصیحت کے سننے سے گھبراتے رہے تو ان کے دل میں قرآن مجید کی

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۸۹ ۔ ۴۹۰ کتاب الانبیاء

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ

اور انہوں نے نہ جانچا اللہ کو پورا جانچنا جب کہنے لگے اللہ نے اتارا نہیں کسی انسان پر کچھ

قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ هُدًى لِّلنَّاسِ

پوچھ تو کس نے اتاری وہ کتاب جو موسٰے لایا روشنی اور ہدایت لوگوں کے واسطے

نصیحت کا اثر کچھ نہیں ہوا۔ ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ ہو کر خالد بن ولید اور عمرو بن العاص اور مکہ کے نامور اور رو دار لوگوں کی آمد و رفت مکہ سے مدینہ کو جب کھل گئی اور صلح کے سبب سے مشرکوں اور اہل اسلام کی بات چیت اچھی طرح ہونے لگی جس میں قرآن کی نصیحت سے بھی مشرکوں کے کان کچھ آشنا ہو گئے تو تھوڑے ہی عرصہ میں اہل مکہ کی ایک بڑی جماعت تابع اسلام ہو گئی۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو ہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہ نسبت اور انبیاء کے مجھ کو قرآن ایک ایسا بڑا معجزہ دیا گیا ہے جس کے سبب سے قیامت کے دن میری امت کی تعداد اور انبیاء کی امتوں سے زیادہ ہو گی۔[۵] قرآن کی نصیحت کے مفید ہونے اور قیامت تک اس نصیحت کے اثر کے باقی رہنے کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے۔ اس حدیث میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کا یہ ایک معجزہ بھی ہے جس کا یہ ظہور سب کی آنکھوں کے سامنے ہے کہ اس ضعف اسلام کے زمانہ میں بھی فقط قرآن کی نصیحت کے اثر سے ہر سال اہل اسلام کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے ؛

۹۱-۹۲۔ اس آیت کی شان نزول میں علمائے مفسرین کا بڑا اختلاف ہے بعضے مفسرین کا یہ قول ہے کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے حق میں اتری ہے کیونکہ وہ کسی بشر کی نبوت کے اور کسی بشر پر کلام الٰہی کے اترنے کے قائل نہیں تھے اور کہتے تھے کہ اللہ کو نبی بھیجنا ہوتا تو آسمان سے کوئی فرشتہ آکر ہم کو اس کے احکام پہنچا جاتا لیکن اس شان نزول پر امام فخر الدین رازی اور اور مفسرین نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر یہ آیت مشرکین مکہ کی شان میں نازل ہوتی تو ان کے مقابلہ میں حضرت موسٰے کی نبوت بطور الزام کے اس آیت میں کیوں ذکر کی جاتی کس لئے کہ مشرکین مکہ تو حضرت موسٰے کو اور کسی نبی کو نہیں مانتے اور بعضے مفسرین نے کہا ہے کہ یہود کے حق میں یہ آیت اتری ہے ان مفسرین پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ ساری سورہ انعام مکی ہے اور یہود کا جھگڑا مدینہ میں آنحضرت کے آنے کے بعد شروع ہوا ہے پھر مکی آیت یہود کے حق میں کیونکر نازل ہو سکتی ہے رفع اس اختلاف کا یہ ہے کہ یہود اور مشرکین مکہ کی حالت مل کر ایک مجموعی حالت پیدا ہوئی تھی جس پر یہ آیت اتری ہے مشرکین مکہ کی حالت تو یہ تھی کہ ہجرت سے پہلے انہوں نے یہود کو اہل کتاب جان کر ان سے آنحضرت کا حال پوچھا تھا انہوں نے دنیا کے لالچ سے یہ کہہ دیا کہ اس دین جدید سے تمہارا قدیم دین اچھا ہے اس سے مشرکین مکہ کا انکار زیادہ بڑھ گیا اور یہود کی حالت یہ تھی کہ مالک بن صیف یہودی نے آنحضرت سے بحث کرتے وقت ایک روز کل انبیاء کی نبوت کا انکار کر دیا تھا اس لئے اس حالت مجموعی پر اللہ تعالٰے نے یہ آیت نازل فرمائی آیت میں دونوں فرقوں کو قائل کیا گیا ہے مشرکین مکہ کو تو یوں قائل کیا گیا ہے کہ جن یہود کے بھروسہ پر تمہارا انکار نبوت کے

[۵] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۴، باب کیف نزل الوحی و صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۶ باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا الخ

تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ

جس کو تم نے ورق ورق کر دکھایا اور بہت چھپا رکھا اور تم کو اس میں سکھایا جو نہ جانتے تھے تم

وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ

اور نہ تمہارے باپ دادے کہہ اللہ نے اتاری پھر چھوڑ دے ان کو بک بک میں کھیلا کریں اور ایک یہ کتاب ہے

اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ

کہ ہم نے اتاری برکت کی سچ بتاتی ہے اپنے اگلے کو اور تاتو ڈرا دے اصل بستی کو اور

قبول کرنے میں بڑھا ہے وہ تو حضرت موسیٰ کو نبی کہتے ہیں اور حضرت موسےٰ بشر تھے پھر تم کہاں سے کہتے ہو کہ کوئی بشر نبی نہیں ہو سکتا اور مالک بن صیف یہودی نے باوجود یہودی ہونے کے غصہ میں سب انبیاء کا جو انکار کر دیا تھا حضرت موسےٰ کی نبوت سے اس کا قائل کرنا تو ایک ظاہر بات ہے ابن جریر ابن ابی حاتم معالم التنزیل ان تینوں تفسیروں کی روایات[1] کو جمع کیا جاوے تو اس حالت مجموعی کے شان نزول ہونے کی پوری تصدیق نکل آتی ہے اور یہ سب اختلاف شان نزول کا رفع ہو جاتا ہے۔ حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے علم ازلی کے موافق دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے یہ جان لیا ہے کہ دنیا کے پیدا ہونے کے بعد اس قدر مخلوق دوزخیوں کے سے کام کر کے دوزخ میں جاوے گی اور اس قدر مخلوق جنتیوں کے سے کام کر کے جنت میں جاوے گی لیکن اللہ تعالےٰ نے اپنے انصاف سے لوگوں کے دوزخ اور جنت میں جانیکا مدار اپنے اُس علم ازلی پر نہیں رکھا بلکہ ہر ایک کا عذر پورا ہو جانے کے لئے دنیا کے پیدا کرنے کے بعد لوگوں کی ہدایت کے واسطے انبیا بھیجے کتابیں نازل فرمائیں باوجود اس کے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے کسی بشر پر کوئی کتاب آسمانی نازل نہیں کی وہ بڑے ناشکر ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی کچھ قدر نہیں کی پھر فرمایا کہ ان یہود نے کتاب آسمانی کی ایک یہ بھی ناقدری کی کہ اصل پوری کتاب کو چھپا کر کچھ الگ ورقوں پر تورات کو جا بجا سے نقل کر لیا ہے اور اُن ورقوں میں جب چاہتے ہیں اپنی مرضی کے موافق تغیر تبدل کر لیتے ہیں پھر فرمایا کہ قرآن میں بعضی وہ باتیں ان کو بتلائی گئیں ہیں کہ اب تک اہل کتاب مشرکوں اور اُن کے بڑوں کو معلوم نہ تھیں مگر قرآن کو کتاب آسمانی نہ ماننے کے سبب سے یہ لوگ ان باتوں کے جاننے سے محروم رہے پھر فرمایا کہ جب ان لوگوں سے پوچھا جاوے گا کہ موسےٰ پر تورات کس نے نازل کی تو اُس کا جواب یہی ہوگا کہ اللہ نے نازل کی پھر باوجود اس کے جو یہ بکواس ہے کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی کتاب آسمانی نازل نہیں فرمائی تو ایسے ہٹ دھرمی کرنے والوں کو بچوں کی طرح کھیل میں لگے رہنے دو وقت مقررہ آنے پر ان سے بھگت لیا جاویگا اب آگے فرمایا کہ جس طرح اللہ تعالےٰ نے موسےٰ پر تورات نازل فرمائی اُسی طرح اے نبی آخر الزمان تم پر اللہ تعالےٰ نے قرآن نازل فرمایا ہے جس سے قیامت تک لوگ نفع اٹھاوینگے اور وہ قرآن ایسا ہے کہ توحید الٰہی نیکوں کی جزا بدوں کی سزا کے بیان کرنے میں پچھلی کتابوں کی صداقت کرتا ہے اے نبی آخر الزمان یہ قرآن اللہ تعالےٰ نے تم پر اس لئے نازل فرمایا ہے کہ تم مکہ اور نواح مکہ کے رہنے والے بے راہ

[1] تفصیلی روایات کے لئے دیکھئے تفسیر ابن جریر ج ۷ ص ۱۶۲ - ۱۶۳ و تفسیر معالم ج ۳ ص ۳۵۷ - ۳۵۸ -

حَوْلَهَا ۚ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ

اس پاس والوں کو اور جن کو یقین ہے آخرت کا اور وہ اس کو مانتے ہیں اور وہ ہیں اپنی نماز سے

يُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ

خبردار اور اس سے ظالم کون جو باندھے اللہ پر جھوٹ یا کہے مجھ کو وحی آئی

لوگوں کو عذاب الہی سے ڈرا کر نیک راستہ پر لاؤ۔ جو لوگ مرنے کے بعد پھر جینے اور سزا و جزا کے منکر ہیں انکا حال تو اوپر گذر چکا کہ وہ کسی بشر پر کتاب آسمانی کے نازل ہونے کو نہیں مانتے ہاں جو لوگ دنیا کے انتظام الہی پر غور کر کے یہ سمجھ گئے ہیں کہ دنیا کا اتنا بڑا انتظام بغیر کسی نتیجہ کے بے ٹھکانے نہیں ہے بلکہ اس انتظام کا نتیجہ وہی ہے جس کی خبر اللہ کے رسول نے دی ہے کہ دنیا کے تمام نیک و بد کا ایک دن بدلہ ملنے والا ہے وہ اس قرآن کی نصیحتوں کا یقین کریں گے اور نماز کا جو ان کو حکم ہوا ہے اس کے پورے پابند رہیں گے۔ مکہ کے قیام تک فقط نماز فرض تھی اس لئے اس مکی سورہ میں فقط نماز کا ذکر فرمایا سلف میں سے جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ اس مکی سورہ میں یہ آیت مدنی ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ شریعت میں نماز ایک بڑی چیز ہے اس لئے یہاں فقط نماز کا ذکر فرمایا صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی نصیحت کی مثال مینہ اور اچھے برے لوگوں کی مثال اچھی بری زمین کی فرمائی ہے[1] اسی طرح صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو ہریرہؓ کی حدیث گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے یہ قرآن ایک ایسا معجزہ مجھ کو دیا ہے جس کے سبب سے میری امت کی تعداد قیامت کے دن اور امتوں سے بڑھ جاوے[2] گی۔ یہ دونوں حدیثیں ان دونوں آیتوں کی تفسیر ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش میں جو لوگ بری زمین کی طرح ازلی بد تھے ان کے دل پر قرآن کی نصیحت کا کچھ اثر نہ ہوا بلکہ وہ یہی کہتے کہتے بدر کی لڑائی میں مارے گئے کہ یہ قرآن کلام الہی نہیں ہے کیونکہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی کتاب آسمانی نازل نہیں فرمائی ہاں جو لوگ اچھی زمین کی طرح ازلی نیک تھے ان کے دل پر قرآن کے نازل ہونے کے زمانہ میں بھی اثر ہوا اور قیامت تک اثر ہو کر اس قدر لوگ تابع اسلام ہوں گے کہ جس کے سبب سے قیامت کے دن نبی آخر الزمان صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کی تعداد اور امتوں سے بڑھ جاوے گی اسی واسطے ان آیتوں میں قرآن کو برکت کی کتاب فرمایا کیونکہ برکت کی چیز وہ ہے جو ہمیشہ بڑھتی رہے اور یہی بات قرآن کی نصیحت میں اس صحیح حدیث سے پائی جاتی ہے ؏

۹۳۔ اوپر کی آیت میں ان لوگوں کا ذکر تھا جو باوجود معجزوں کے دیکھنے اور کلام الہی کے اترنے کے آنحضرت کو نبی نہیں مانتے تھے ان کے قریب قریب وہ لوگ ہیں جو بغیر معجزہ اور بغیر شہادت کلام الہی کے اپنے آپ کو نبی مشہور کرتے تھے جیسے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی جن دونوں کے وحشی اور فیروز کے ہاتھ سے مارے جانے کا قصہ اوپر گذر چکا ہے ان دونوں کے قریب قریب عبداللہ بن سرح کا قصہ ہے اس قسم کے وہ لوگ بھی ہیں جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں کہ

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸ باب فضل من علم وعلم [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۴ باب کیف نزل الوحی و صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۶ باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا الخ

اِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ

اور اس کو وحی کچھ نہیں آئی اور جو کہے میں اتارتا ہوں برابر اس کے جو اللہ نے اتارا

اللہ کا بیٹا ہے یا اللہ نے سانڈھ یا کان پھٹے جانور حرام کئے ہیں اس طرح کے سب لوگوں کی شان میں یہ آیت اللہ تعالےٰ نے نازل فرمائی ہے تفسیر ابن جریر[1] اور تفسیر سدی میں جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اسکا حاصل اسی قدر ہے جو بیان کیا گیا لیکن اور علماء مفسرین نے لکھا ہے کہ جو شخص اب بھی عقلی بات کو دین کی بات مشہور کرے وہ اس حکم میں داخل ہے ترمذی ابوداؤد اور نسائی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بغیر علم نقلی کے محض عقل سے قرآن کی تفسیر کے باب میں جو شخص کچھ کہے گا تو اس کو اپنا ٹھکانا دوزخ میں ٹھہرا لینا چاہئے[2] اس حدیث کی سند میں ایک راوی سہل بن عبداللہ کو اگرچہ بعضے علماء نے ضعیف کہا ہے لیکن ابن معین نے اس کو معتبر قرار دیا ہے۔ اس باب میں اور بھی روایتیں ہیں جن کے سبب سے ایک روایت کو دوسری روایت سے تقویت ہو جاتی ہے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ شان نزول ناسخ منسوخ معنے آیت قرآنی یہ ایسی باتیں ہیں جن میں محض عقل سے مفسر کو کچھ نہیں کہنا چاہئے بلکہ اس میں تابعین تک کی روایت ضرور ہے۔ ہاں علم لغت اور صرف و نحو میں اس فن کی کتابوں کی مدد سے کوئی عقلی بات بھی ممکن ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میرے ذمہ کوئی جھوٹی بات لگاوے گا تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے[3] اس باب میں اور بھی صحیح حدیثیں ہیں یہ حدیثیں اس آیت کی تفسیر ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی جن باتوں میں عقل کو دخل نہیں ہے اُن کی تفسیر عقل سے کرنا یا جان بوجھ کر حدیث کی غلط سلط روایت کرنا اسی طرح کے وبال کی بات ہے جس طرح کی وبال کی باتوں کا آیت میں ذکر ہے۔ ان حدیثوں سے علمائے مفسرین کے اُس قول کی پوری تائید ہوتی ہے کہ عقلی بات کو دینی بات قرار دینے والا شخص اس آیت کے حکم میں داخل ہے۔ سورہ انفال میں آویگا کہ عبداللہ بن سرح کی طرح قریش میں اور لوگ بھی تھے جو کہتے تھے لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ جسکا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم بھی چاہیں تو قرآن جیسا کلام بنا سکتے ہیں لیکن ان لوگوں کا یہ دعویٰ جھوٹا تھا کیونکہ اُس وقت کے تاریخی قصوں سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود تقاضے کے قرآن کے مانند ایک چھوٹی سی سورت بنا کر بھی یہ لوگ پیش نہ کر سکے۔ سورۃ مدثر میں ولید بن مغیرہ کا قصہ آویگا جس کا حاصل یہ ہے کہ بڑا شاعر اور فصیح البیان جان کر ابوجہل وغیرہ نے اُس کو قرآن کے مقابلہ میں کچھ عبارت بنا کر پیش کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا وہ قرآن کی چند آیتیں سن کر حیران رہ گیا اور قرآن کے مقابلہ میں کچھ عبارت بنا کر نہ پیش کر سکا اور قرآن کو جادو بتلایا اس قسم کے اور بھی چند قصے ہیں حاصل یہ ہے کہ قرآن کے لفظ وہی ہیں جن کو رات دن اہل مکہ بولتے تھے اسی خیال سے وہ لوگ لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ کہہ دیتے تھے لیکن انہیں معمولی لفظوں میں طرز بیان قرآن شریف کا ایسا ہے جس کے مقابلہ سے وہ لوگ گھبرائے اور دین کی

---

[1] تفسیر ابن جریر ج ۷ ص ۱۲۶ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵ [3] صحیح بخاری باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و فتح الباری ج ۱ ص ۱۰۳

[4] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۲ باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ و صحیح مسلم ج ۱ ص ۷ باب وجوب الروایۃ ؁

وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰٓىٕكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ

اور کبھی تو دیکھے جس وقت ظالم ہیں موت کی بے ہوشی میں اور فرشتے ہاتھ کھول رہے ہیں

اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ

کہ نکالو اپنی جان آج تم کو بدلا ملے گی ذلت کی مار اس پر کہ کہتے تھے

لڑائی کے حکم سے پہلے اس طرز بیان کے اثر سے ان میں کے صدہا آدمی مسلمان ہوگئے کیونکہ طرز بیان کی خوبی کی باتیں اور غیب کی باتیں قرآن میں سینکڑوں ایسی ہیں جن کو سوا اللہ کے نہ کوئی جان سکتا تھا نہ کسی کے کلام میں وہ باتیں پائی جاسکتی تھیں اس لئے ان باتوں کا اثر بھی ان لوگوں کے دل پر زیادہ پڑتا تھا اور وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ ان سب باتوں کا مقابلہ ناممکن ہے اس واسطے بلاشک یہ قرآن کلام الٰہی ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں +

جن لوگوں کو اللہ تعالٰے نے اوپر کی آیت میں ظالم فرمایا وہ یا اُن کے سے عمل کرنے والے اور جو لوگ ہیں ان کے عذاب قبر اور عذاب حشر کا ذکر تو آگے آویگا اس آیت میں اُنکی موت کے وقت کی شدت اور سختی کا ذکر ہے حدیث کی کتابوں میں اس شدت اور سختی کی تفصیل بہت صراحت سے صحیح بخاری مسلم ترمذی نسائی وغیرہ میں حضرت عائشہؓ انسؓ ابوہریرہؓ وعبادہ بن صامتؓ براء بن عازبؓ کی روایتیں ہیں مختصر طور پر جن کا ذکر یہ ہے کہ علم الٰہی میں جو لوگ لائق عذاب کے ہیں ان کی قبض روح کے وقت بڑے ہیبت ناک صورت کے فرشتے آتے ہیں اور اس لائق عذاب شخص کی روح کو خبر سناتے ہیں کہ جسم سے الگ ہوتے ہی سخت عذاب قبر اس پر ہونے والا ہے اس عذاب کے خوف سے روح جسم میں جگہ جگہ چھپتی ہے اور فرشتے بڑی سختی سے اس روح کو نکالتے ہیں اور روح کے نکالتے وقت یہ کہتے جاتے ہیں کہ اے ناپاک روح اللہ کے عذاب میں پھنسنے کے لئے جلدی نکل اور اس شخص کے منہ اور پیٹھ پر طرح طرح کی مار مارتے ہیں جب اس خرابی سے روح نکلتی ہے تو ایک طرح کی بدبو روئے زمین پر پھیل جاتی ہے جس سے ان فرشتوں کو جو اپنے اپنے کام کے لئے روئے زمین پر ہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ کوئی ناپاک روح کسی جسم سے جدا ہوئی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بدبو کا ذکر فرماتے وقت اپنی ناک پر کپڑا ڈھاک لیا کرتے تھے کیونکہ برکت نبوت کے سبب سے بدبو کے ذکر کے وقت اصلی بدبو آپ کے دماغ میں اثر کرنے لگتی تھی اس روح کو فرشتے آسمان پر لے جانا چاہتے ہیں لیکن آسمان کے دروازے نہیں کھلتے اس بیان کے وقت آنحضرت یہ آیت پڑھا کرتے تھے لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ (۷-۴۰) جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اونٹ سوئی کے ناکے میں گھس جائے مگر یہ نافرمان لوگ نہ جنت میں جاسکتے ہیں نہ اُن کی روح کے لئے آسمان کے دروازے کھل سکتے ہیں اب اس ناپاک روح کیلئے جب آسمان کے دروازے نہیں کھلتے تو روح پھر جسم میں لائی جاتی ہے اور منکر نکیر کا سوال قبر ہو کر قیامت کے قائم ہونے تک طرح طرح کے قبر کے عذاب میں وہ روح گرفتار رہتی ہے جس کی تفصیل عذاب قبر کے ذکر میں آوے گی بعضے علماء کا یہ مذہب ہے کہ منکر نکیر صرف اہل قبلہ کی میت کے پاس آتے ہیں تاکہ خالص مسلمان اور منافق میں فرق پیدا ہو جاوے محض کافر کی میت

لہ مشکوٰۃ ص ۱۴۲-۱۴۳ باب ما یقال عند من حضرہ الموت وصحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۶ باب عرض مقعد المیت الخ

عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا

اللہ پر جھوٹ باتیں اور اس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے اور تم ہمارے پاس آئے

فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ

ایک ایک جیسے ہم نے بنائے تھے پہلی بار اور چھوڑ دیا جو ہم نے اسباب دیا تھا پیٹھ کے پیچھے

پر منکر نکیر نہیں آتے لیکن اور علماء نے اکثر آیات اور احادیث سے اس مذہب کو غلط ثابت کیا ہے مسند امام احمد اور ابوداؤد کی براء بن عازبؓ کی صحیح روایت میں کافروں اور منافقوں کی میت پر جبکہ منکر نکیر کے آنے اور سوال کرنے کا اور میت کے لاعلمی کے جواب کا صراحت سے ذکر آچکا ہے[1] تو یہی قول صحیح معلوم ہوتا ہے کہ اہل قبلہ غیر اہل قبلہ سب کی میت پر منکر نکیر آتے اور سوال کرتے ہیں۔ حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ اے رسول اللہ کے اب تو یہ لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں کوئی غیروں کو اللہ کا شریک ٹھہراتا ہے کوئی اپنے آپ کو نبی بتلاتا ہے لیکن عذاب قبر اور عذاب قیامت کے علاوہ ان لوگوں کا جان کنی کا وقت بھی دیکھنے کے قابل ہے کہ اللہ کے فرشتے بڑی دست درازی سے ان کی جان قبض کرتے ہیں اور یہ کہتے جاتے ہیں کہ اے نافرمان لوگو عذاب الٰہی میں گرفتار ہوجانے کے لئے جلد اپنی جانیں ہمارے حوالہ کرو کہ تم لوگ اللہ کی شان میں جھوٹی باتیں جو کہا کرتے تھے اور قرآن کی آیتوں کو بڑی نخوت سے پچھلے لوگوں کی کہانیاں جو بتلایا کرتے تھے آج اس کا خمیازہ بھگتنے کا دن ہے۔

۹۴۔ تفسیر ابن جریر میں عکرمہ سے روایت ہے کہ نضر بن حارث ایک شخص مشرک نے ایک روز کہا کہ مجھ کو کیا پرواہ ہے لات و منات خدا کے روبرو میری شفاعت کو کافی ہیں اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[2] حاصل معنی آیت کے یہ ہیں کہ بت پرستوں کے بت جن کو وہ اپنے حمایتی خیال کرتے ہیں اور مالداروں کا مال اولاد والوں کی اولاد جس کے پیچھے لوگ اپنی عمر صرف کرتے ہیں یہ سب یہیں دنیا میں چھوڑ جانے کی چیزیں ہیں اللہ کے پاس ہر انسان ویسا ہی اکیلا جانے والا ہے جس طرح اکیلا دنیا میں آیا تھا صحیح بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا قبر تک ہر انسان کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں اولاد مال اور عمل۔ اولاد اور مال تو اس کو قبر میں اکیلا چھوڑ کر پلٹ آنے والی چیزیں ہیں اکیلا عمل اس کے ساتھ رہنے کی چیز ہے[3] صحیح مسلم ترمذی اور نسائی میں عبداللہ بن شخیرؓ وغیرہ سے روایت ہے کہ ہر آدمی آٹھ پہر میرا مال میرا مال جھینکتا رہتا ہے اسکا مال کیا ہے کھایا سو گنوایا پہنا سو پھاڑا ہاں جو اللہ کے نام پر دیا سو رہا[4]۔ ترمذی اور مسند امام احمد اور دارمی میں حضرت انسؓ اور زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ دنیا میں جو شخص دین کے کاموں میں لگا رہتا ہے اس کا دل دنیا سے غنی رہتا ہے اور بغیر کوشش کے بقدر ضرورت دنیا بھی اس کے ہاتھ آتی ہے اور جو شخص بالکل دنیا کی طرف راغب ہوجاتا ہے وہ ہمیشہ پریشان حال رہتا ہے اور تقدیر سے

[1] مشکوٰۃ ص ۱۴۲۔۱۴۳ باب ما یقال عند من حضرہ الموت [2] تفسیر ابن جریر ج ۷، ص ۱۷۰ [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۶۴ باب سکرات الموت وصحیح مسلم ج ۲ ص ۴۰۷ کتاب الزہد [4] صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۰۷ کتاب الزہد وجامع ترمذی ج ۲ ص ۵۷ باب ماجاء فی الزہادۃ فی الدنیا والترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۳۷۔

وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۭ لَقَدْ

اور ہم دیکھتے نہیں تمہارے سفارش والے جن کو تم بتاتے تھے کہ انکا تم میں ساجھا ہے

تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾

ٹوٹ گئے تم آپس میں اور جاتے رہے جو دعوے کرتے تھے۔

ع ۱۱ / ۱۷

زیادہ کچھ اس کو نہیں ملتا اسی مضمون کی ابوہریرہ رضؓ کی حدیث ترمذی میں ہے جس کو ترمذی نے حسن کہا ہے[1] اور معقل بن یسار رضؓ کی حدیث مستدرک حاکم میں ہے جس کو حاکم نے صحیح کہا ہے[2] غرض اس باب میں جو روایتیں ہیں اُن میں ایک کو دوسری سے تقویت ہو جاتی ہے ان حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ دنیا سے کچھ ساتھ لے جانے کی چیز ہے تو نیک عمل ہے باقی دنیا میں پھنسنے اور دین دنیا کی پریشانی کے سو اسب چھوڑ جانے کی چیزیں ہیں جن کو چھوڑ جانے سے پہلے چھوڑ دینا موجب نجات ہے حاصل کلام یہ ہے کہ نضر بن حارث جیسے لوگوں کی زندگی کا دارومدار دو ہی چیزوں پر تھا ایک مال اور اولاد کی ترقی کی کوشش دوسرے بتوں کی پوجا کر کے اُن کو قیامت کے دن اپنا سفارشی قرار دینا۔ اِن کی اِس زندگی کو لا حاصل ٹھہرانے کے لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ مال اور اولاد تو قبر تک کے ساتھی ہیں اور جن لوگوں کے بہکانے سے انہوں نے بتوں کو اپنا سفارشی ٹھہرایا ہے قیامت کے دن وہ بہکانے والے اُن سے اس طرح کی بیزاری ظاہر کریں گے کہ ان بہکنے والوں کو یہ تمنا کرنی پڑے گی کہ دنیا میں انکا دوبارہ جانا ہوتا تو یہ بھی اُن سے ایسی بیزاری ظاہر کرتے۔ اِن بہکانے والوں اور بہکنے والوں کی بیزاری کا ذکر سورہ بقر میں گذر چکا ہے۔ علاوہ سورہ بقر کے یہ ذکر سورہ ابراہیم میں بھی آوے گا جس میں شیطان بھی بہکنے والے لوگوں سے اپنی بیزاری ظاہر کرے گا ناقابل اعتراض سند سے تفسیر کلبی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ شیث بن آدم کی اولاد حضرت آدم علیہ السلام کی قبر پر جا کر دعا اور قبر کی تعظیم کیا کرتے تھے یہ حال دیکھ کر شیطان کے بہکانے سے قابیل بن آدم کی اولاد میں سے ایک شخص نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا اگر تم کہو تو میں حضرت آدم کے نام کی ایک مورت بنا دیتا ہوں تم لوگ گھر بیٹھے اس مورت کی تعظیم کیا کرو۔ اولاد قابیل نے اس بات کو مان لیا اور یہ پہلی مورت تھی جو دنیا میں بنائی گئی اور رفتہ رفتہ اس مورت کی پوجا ہونے لگی ان بت پرستوں کا اعتقاد یہ ہے کہ جن لوگوں کی مورتوں کو یہ پوجتے ہیں وہ لوگ قیامت کے دن اللہ سے ان بت پرستوں کی سفارش کر کے ان کو عذاب الٰہی سے بچا دیں گے حضرت ادریس علیہ السلام اسی قوم کی ہدایت اور اسی کی بت پرستی مٹانے کے لئے نبی ہو کر آئے لیکن ان لوگوں نے حضرت ادریسؑ کو جھٹلایا اور بت پرستی سے باز نہ آئے پھر اس قوم میں کے پانچ نیک شخص مر گئے جن کے نام۔ ود۔ سواع۔ یغوث۔ یعوق۔ نسر تھے شیطان نے اس قوم کے دل میں یہ بات ڈالی کہ برکت کے لئے ان پانچوں شخصوں کی مورتیں بنالی جاویں اب رفتہ رفتہ اُس پہلی مورت کے علاوہ ان پانچوں مورتوں کی بھی پوجا ہونے لگی حضرت نوحؑ اسی بت پرستی کے مٹانے کے لئے نبی ہو کر آئے اور جب اُس وقت کے لوگوں نے حضرت نوحؑ کی نبوت کو نہ مانا تو طوفان آیا جس سے اس زمانے کے سب بت پرست ہلاک ہو گئے۔ طوفان میں یہ پانچوں بت بہ کر جدہ میں آ گئے اور مٹی کے نیچے دب گئے۔ ایک عرصہ کے بعد شیطان کے بہکانے

[1,2] الترغیب ج ۴ ص ۲۲۵ [3] فتح الباری ج ۴ ص ۳۷۷۔

إِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ

اللہ ہے کہ پھوڑ نکالتا ہے دانہ اور گٹھلی نکالتا ہے مردے سے زندہ اور نکالنے والا ہے زندہ سے

مِنَ الْحَيِّ ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَأَنّٰى تُؤْفَكُونَ ﴿۹۵﴾ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ

مُردہ یہ ہے اللہ پھر کہاں پھرے جاتے ہو پھوڑ نکالنے والا صبح کی روشنی اور رات بنائی

سے عمرو بن لحی مکہ کا ایک شخص ان بتوں کو مکہ میں لایا اور یہاں بھی بت پرستی پھیل گئی۔ سورہ مائدہ میں گذر چکا ہے کہ یہ عمرو بن لحی قبیلہ خزاعہ کا ایک سردار تھا اور یہ بھی گذر چکا ہے کہ دین ابراہیمی کو اسی شخص نے بگاڑا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دوزخ میں جلتے ہوئے دیکھا[۱] الغرض بت پرستی کے جاری کرنے میں شیطان اور انسان دونوں کی شراکت ہے اس لئے قیامت کے دن یہ دونوں بت پرست لوگوں سے اپنی بیزاری ظاہر کریں گے ان پانچ بتوں کے باب میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت[۲] صحیح بخاری میں ہے جس کا ذکر سورہ نوح میں آئے گا۔

۹۵—۹۷۔ اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے توحید اور نبوت کا ذکر فرمایا تھا اب اس ڈیڑھ رکوع میں ان عجائبات موجودات دنیا کا ذکر فرمایا ہے جن کے پیدا کرنے میں وہ وحدہ لاشریک منفرد ہے مقصد ان موجودات کے ذکر فرمانے سے یہ ہے کہ مشرکین مکہ میں دو سخت عیب جو تھے اس کی اصلاح ہو جائے بڑا عیب تو بت پرستی کا تھا اس کی اصلاح موجودات پر غور کرنے سے یوں ہو سکتی ہے کہ دیکھنے میں تو وہ موجودات روزمرہ کی چیزیں معلوم ہوتی ہیں لیکن ہر شے کے پیدا کرنے میں وہ قدرت اور حکمت ہے کہ جہاں بھر کے بادشاہاں اولوالعزم حکمائے اہل فطرت جمع ہو جاویں تو وہ قدرت اور حکمت نہیں حاصل ہو سکتی مثلاً علاوہ روایات شرعی کے عقل سے بھی یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ زمین پانی پر پھیلائی گئی ہے کیونکہ جہاں زمین کو کھودا جاتا ہے وہاں پانی نکلتا ہے اب ان بادشاہوں اولوالعزم سے جو ملک کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو قبضہ میں لانے کے لئے اپنی اور اپنی فوج کی ہزارہا آدمیوں کی جانیں کھوتے ہیں اگر یہ کہا جاوے کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے منفرد اپنی ذات سے پانی پر زمین بچھادی ہے۔ تم کئی بادشاہ مل کر اور اپنی اپنی فوج ساتھ لے کر سمندر پر زمین بچھادو کہ دنیا سے کئی حصہ زیادہ ملک کے بادشاہ بن جاؤ گے یا انار کی یا آم کی کچھ گٹھلیاں پرانی سوکھی ہوئی لے کر دنیا بھر کے حکیموں سے پوچھا جائے کہ ان سب گٹھلیوں کا ایک سا ان سوکھی لکڑی کا مزہ ہے پھر ذرا عقل تو لگاؤ کہ ایک گٹھلی سے میٹھا انار اور آم اور دوسری سے کھٹا کیونکر پیدا ہوتا ہے ان دونوں سوالوں کے جواب میں دونوں فریق سوا حیران رہنے کے کچھ جواب نہ دیں گے اس سے معلوم ہوا کہ تمام مخلوقات میں سے کوئی فرد بشر اس وحدہ لاشریک کی قدرت کا شریک نہیں پھر معبود بننے کا شریک کوئی کس استحقاق اور برتے پر بن سکتا ہے دوسرا عیب یہ تھا کہ وہ مر کر پھر جینے کے علم کو جب سنتے تھے تو کبھی کہتے تھے هٰذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ اور کبھی کہتے تھے مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ (۳۶-۷۸) موجودات پر غور کرنے سے اس عیب کی اصلاح یوں ہو سکتی ہے کہ جب مٹی جیسی ارقیق چیز سے ایسی سخت ہڈیاں بنیں اور باوجود سرد و تر مزاج مٹی کے کس طرح مختلف مزاج کے پتلے اور جسم رحم جیسے تنگ جائے میں اسی مٹی سے بن چکے ہیں اور اندھیرے میں گھبرانے والی شے روح کا تعلق

[۱] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹۹ باب قصہ خزاعہ [۲] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۳۲ کتاب التفسیر۔

سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۹۶﴾

آرام اور سورج اور چاند حساب یہ اندازہ رکھا ہے زور آور خبردار نے

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ

اور اسی نے بنا دیئے تم کو تارے کہ ان سے راہ پاؤ اندھیروں میں جنگل اور دریا کی

اس کے جسم کے ساتھ پیٹ کے اندر اندھیرے میں ہو چکا ہے تو زمین کی مٹی سے جس میں مردوں کی مٹی مل چکی ہے جسکو چاروں کیفیتوں گرم سرد تر اور خشک کا خمیر کہنا چاہئے دوبارہ جسموں کا بن جانا اور کھلے روشن میدان میں روح کا تعلق ان جسموں سے ہو جانا کیا ایسا مشکل ہے جس طرح پہلی دفعہ جسم کا بننا اور روح کا تعلق مشکل تھا نہیں نہیں ہرگز نہیں شیطان نے آسمان سے اتارے جانے کے وقت اللہ تعالیٰ سے یہ کہا تھا لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۴-۱۱۸﴾ اور حضرت نوح کی امت سے لے کر اب تک بت پرستی اور سب برے کام جو روئے زمین پر ہوتے ہیں شیطان اور اس کے شیاطینوں کے بہکانے سے ہوتے ہیں اور برے کاموں کے کرنے میں وہ شیطان کی اطاعت نکلتی ہے جو اچھے کاموں کے کرنے میں خدا کو زیبا تھی اسی واسطے ان آیات میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس خدا نے ان کو پیدا کیا ہے اس کی عبادت میں لوگوں نے شیطانوں کو شریک ٹھہرا رکھا ہے حاصل یہ ہے کہ زمین میں جیسے کی کوئی چیز دبائی جاتی ہے تو وہ خاک ہو جاتی ہے یہ اللہ کی قدرت ہے کہ بجائے خاک ہو جانے کے سوکھا دانہ اور خشک گٹھلی بوئی جا کر پھر ان میں سے سبز پیڑ نکلتا ہے اور اس پیڑ میں ایک دانہ سے بہت سے اناج کے دانے اور گٹھلی سے بہت سے میوے کے پھل پیدا ہو جاتے ہیں۔ بے جان انڈے سے جاندار مرغی کا بچہ پیدا ہوتا ہے اور جاندار مرغی کے پیٹ سے بے جان انڈا نکلتا ہے اللہ کی یہ قدرت دیکھ کر جو لوگ اللہ کی تعظیم میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں ان کو فرمایا کہ وہ سیدھے راستے سے پھرے ہوئے ہیں یہ ایک اور اس کی قدرت کا نمونہ ہے کہ وہ قادر مطلق رات کے اندھیرے کو پھاڑ کر اس میں سے صبح کے اجالے کو نکالتا ہے تاکہ صبح کے اجالے میں ہر ایک آدمی اپنا کام دھندا کرلے اور دن بھر کے کام دھندے سے انسان تھک جاتا ہے اس لئے اس خالق نے انسان کے آرام کے لئے رات کو پیدا کیا تاکہ رات کو انسان آرام پاکر دوسرے دن پھر کام دھندے کے قابل ہو جائے۔ سورج اور چاند کی منزلیں اور چال اس زبردست صاحب قدرت اور صاحب علم نے اس حساب سے رکھے ہیں جس سے دن مہینہ اور سال کا حساب معلوم ہوتا ہے جس پر دین کا نماز روزہ حج زکوٰۃ کا حساب اور دنیا کے بے گنتی معاملات کا حساب منحصر ہے جو لوگ دین کے کاموں کا وقت ٹھہرانے کا کام سورج اور چاند سے لیتے ہیں ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے اچھے بندے فرمایا[۱] آسمان پر تارے اسکی قدرت کی ایک بڑی نشانی ہے جس سے جنگل اور دریا کے مسافروں کو اندھیری راتوں میں سیدھا راستہ معلوم ہو جاتا ہے بخاری میں بغیر سند کے اور تفسیر عبد بن حمید میں مع معتبر سند کے قتادہ کا قول ہے کہ تارے آسمان کی زینت شیطانوں کی مار اور اندھیری رات میں مسافروں کو سیدھا راستہ معلوم ہو جانے کیلئے پیدا ہوئے ہیں جس کسی نے سوا اس کے تاروں سے اور کوئی کام لیا وہ غلطی پر ہے[۲] آخر کو فرمایا کہ یہ سب نشانیاں ان لوگوں کیلئے ہیں جن میں کچھ ہوشیاری اور جنکو کچھ سمجھ ہے جو لوگ رات دن غفلت کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں وہ ان نشانیوں سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے اسی واسطے ایسے لوگ

[۱] تفسیر فتح البیان ج ۱ ص ۸۵۵-۸۵۶ [۲] تفسیر الدر المنثور ج ۳ ص ۴۴ و صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۵۴ باب فی النجوم۔

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ

ہم نے کھول سنائے پتے ان لوگوں کو جو جانتے ہیں اور اسی نے تم کو نکالا ایک جان

وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾

سے پھر کہیں تم کو ٹھہراؤ ہے اور کہیں سپرد رہنا ہم نے کھول سنائی ہے اس قوم کو جو بوجھتے ہیں

ان نشانیوں کے پیدا کرنیوالے کی تعظیم کو چھوڑ کر اوروں کی تعظیم میں لگے ہوئے ہیں صحیح بخاری میں زید بن خالد جہنیؓ کی روایت سے حدیث قدسی ہے جس میں یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ مینہ کا برسنا اللہ کے فضل سے جانتے ہیں وہ ایماندار ہیں اور جو لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ تاروں کی تاثیر سے مینہ برسا کرتا ہے وہ کافر ہیں[۱]۔ حاصل معنی حدیث کے یہ ہیں کہ جو لوگ تاروں میں مستقل تاثیر مینہ برسانے کی جانتے ہیں وہ مشرک ہیں کیونکہ اللہ کی قدرت میں وہ تاروں کو شریک ٹھہراتے ہیں ہاں جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ تاروں کی تاثیر کا یہ ایک تجربہ ہوا ہے کہ تاروں کے خاص خاص طلوع و غروب کے وقت مینہ برستا ہے وہ لوگ مشرک تو نہیں مگر غلطی پر ضرور ہیں کیونکہ بارہا اُنکا تجربہ غلط ٹھہرتا ہے اس لئے سچے ایماندار وہی ہیں جو مینہ کا برسنا اللہ کے فضل سے جانتے ہیں اس باب میں اور بھی صحیح حدیثیں ہیں اُن صحیح حدیثوں کے موافق قتادہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جس نے سوا اُن تین باتوں کے تاروں سے اور کوئی کام لیا اور یہ اعتقاد رکھا کہ تاروں میں اس کام کی مستقل تاثیر ہے تو وہ مشرک ہے ورنہ غلطی پر ہے سورہ والصافات میں آویگا کہ جب شیاطین غیب کی باتیں سننے کو آسمان تک جا پہنچتے ہیں تو فرشتے تاروں کی روشنی میں سے شعلے لے کر اُن کو مارتے ہیں قتادہ کے قول میں شیاطینوں کی مار کا یہی مطلب ہے :

۹۸-۹۹ کھیتی باغ سورج چاند تارے اور انسان کی اُن ضرورت کی چیزوں کے پیدا کرنے کا ذکر تھا اور آگے بھی اس قسم کے چیزوں کا ذکر آوے گا۔ ان چیزوں کے ذکر کے بیچ میں یہ انسان کے پیدا کرنے کا ذکر اس لئے فرمایا کہ جو غافل لوگ اپنی ضرورت کی چیزوں کی حالت پر غور کر کے ان چیزوں کے پیدا کرنے والے کو نہ پہچان سکے وہ خود اپنی پیدائش کی حالت پر غور کر کے اپنے خالق کو پہچانیں اور شرک سے باز آویں نفس واحدہ سے مقصود حضرت آدم علیہ السلام ہیں کیونکہ بنی آدم کی پیدائش کا سلسلہ انہی سے شروع ہوا ہے حضرت حوا حضرت آدمؑ کی پسلی سے پیدا ہوئیں حضرت عیسےٰ علیہ السلام حضرت مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور حضرت مریم حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد الاولاد میں ہیں غرض بنی آدم میں سے کوئی شخص حضرت آدمؑ کے سلسلہ سے باہر نہیں ہے۔ ترمذی ابوداؤد اور صحیح ابن حبان میں ابو موسےٰؓ اشعری سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت آدمؑ کے پتلے کی مٹی تمام روئے زمین کی مٹی کو ملا کر لی ہے اس واسطے ان کی اولاد کے رنگ اور مزاج مختلف ہیں[۲]۔ ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے یہ حدیث آیت کے ٹکڑے وھو الذی انشأکم من نفس واحدۃ کی گویا تفسیر ہے جس سے بنی آدم کے رنگ روپ اور مزاجوں کے مختلف ہونیکا سبب سمجھ میں آتا ہے ترمذی میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حضرت

---

[۱] صحیح بخاری ج ص ۱۴۱ باب قول اللہ عزوجل و تجعلون رزقکم انکم تکذبون [۲] جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۰۰ کتاب التفسیر و سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۶۴۵ باب فی القدر و مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ

اور اسی نے اتارا آسمان سے پانی پھر نکالی ہم نے اس سے اُگنے والی ہر چیز

فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ

پھر اس میں سے نکالی سبزہ جس سے نکالتے رہیں دانے جڑے ہوئے اور کھجور کے

آدم کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے ان روحوں کو نکالا جو قیامت تک پیدا ہونے والی ہیں اور وہ روحیں حضرت آدم کو دکھا کر یہ فرمایا کہ یہ تمہاری وہ اولاد ہے جو سلسلہ بہ سلسلہ قیامت تک پیدا ہوگی ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[1] صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں چند صحابہ سے روایتیں ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ ماں کے رحم میں بچہ کا پتلا چار مہینے کے عرصہ میں بن کر تیار ہو جاتا ہے تو پھر اس پتلے میں اللہ کے حکم سے روح پھونکی جاتی ہے[2] یہ حدیثیں بھی آیت کے اس ٹکڑے کی گویا تفسیر ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ روحیں جسموں سے پہلے پیدا کی جا کر حضرت آدم کی پشت میں رکھی گئیں اور پھر وہ روحیں حضرت آدم کی پشت سے نکالی جا کر حضرت آدم کو دکھلائی گئیں اور تفسیر سدی کی روایت کے موافق پھر وہ روحیں حضرت آدم کی پشت میں سونپ دی گئیں اور یہی سونپنے کی حالت پشت بہ پشت جاری رکھی اس کے بعد چار مہینے کے عرصہ میں جب بچہ کا پتلا تیار ہو جاتا ہے تو انہی سونپی ہوئی روحوں میں سے ایک روح اس پتلے میں پھونک دی جاتی ہے۔ قد افلح المؤمنون میں آویگا کہ نافرمان لوگ عذاب قبر سے تنگ آ کر دنیا میں دوبارہ آنے اور نیک عمل کرنے کی خواہش کریں گے تو ان کی یہ خواہش بارگاہ الٰہی میں منظور نہ ہوگی بلکہ ان کو یہ جواب ملے گا کہ اب یہ خواہش بے فائدہ اور ناممکن ہے معتبر سند سے مسند امام احمد میں حضرت عائشہؓ اور براء بن عازبؓ سے جو روایتیں ہیں[3] ان کا حاصل یہ ہے کہ نافرمان لوگ جب مرتے ہیں تو فرشتے ان کا دوزخ کا ٹھکانا ان کو دکھا کر یہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن تم لوگوں کو اس ٹھکانے میں جانا پڑے گا اور پھر ایسے لوگوں پر طرح طرح کا عذاب قبر شروع ہو جاتا ہے جو قیامت تک باقی رہے گا۔ اس سے فرقہ آریہ کا آواگون کا مسئلہ غلط قرار پاتا ہے کیونکہ اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ بداعمال آدمیوں کی روحوں کو دنیا میں حیوانوں کی صورت دی جاتی ہے تاکہ اس تبدیل صورت سے وہ اپنے اعمال کی سزا بھگتیں اور اوپر آیت اور حدیثوں کا جو مطلب بیان کیا گیا اس کے موافق روحوں کا دوبارہ دنیا میں آنا ممکن نہیں علاوہ اس کے اس آواگون کے مسئلہ کو علماء اسلام نے عقلی طور پر یوں غلط ٹھہرایا ہے کہ بہ نسبت انسان کے حیوانات کی زندگی بڑی بے فکری سے بسر ہوتی ہے اس لئے گرفتار فکر جسم کی روح کو بے فکر جسم میں بدل دینا اور اس کو سزا قرار دینا عقل سلیم کے برخلاف ہے بلکہ آریہ لوگ اگر یوں کہتے کہ مثلاً سانڈ ھ مر کر انسانی جون میں پھر دوبارہ پیدا ہوتے ہیں تاکہ بے فکر زندگی کی سزا فکرمند زندگی میں بھگتی جاوے تو یہ صورت شاید کچھ سمجھ میں آجاتی لیکن پھر بھی آریہ لوگوں کا یہ کورا دعویٰ دلیل کا محتاج رہتا حاصل یہ ہے کہ اس آواگون کے مسئلہ کی بنیاد تو ایسی ضعیف ہے جس کا حال بیان کیا گیا باوجود اس کے فرقہ آریہ کا یہ اعتراض ہے کہ

[1] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۳۳ کتاب التفسیر [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۶۹ باب خلق آدم و ذریتہ و صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۲-۳۳۳ باب کیفیۃ خلق الآدمی فی بطن امہ الخ [3] مشکوٰۃ باب ما یقال عند من حضرہ الموت فصل تیسری۔

طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا

گابھے ہیں سے گچھے لٹکتے ہیں اور باغ انگور کے اور زیتون اور انار آپس میں ملتے

وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْا اِلٰى ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ

اور جدے دیکھو اس کا پھل جب پھل آتا ہے اور اس کا پکنا ان چیزوں میں سب پتے ہیں

اسلام میں یہ مسئلہ نہیں ہے اس لئے صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کے کوئی معنی صحیح نہیں قرار پا سکتے کیونکہ تغیر آواگون کے مسئلہ کے صحیح ہونے کے اللہ کی مہربانی اور غصے کا کوئی موقعہ باقی نہیں رہتا۔ اہل اسلام نے اس اعتراض کا جو جواب دیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ خود آواگون کے مسئلہ کی بنیاد صحیح نہیں ہے پہلے کسی مضبوط دلیل سے اس مسئلہ کی صحیح بنیاد قائم کی جائے پھر کچھ بات چیت کی جائے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق مُسْتَقَرٌّ سے مقصود عورت کا رحم ہے جہاں نطفہ قرار پا کر مدت مقررہ کے بعد بچہ پیدا ہوتا ہے اور مُسْتَوْدَعٌ سے مقصود مرد کی پشت ہے جہاں نطفہ فقط سپردگی کے طور پر رہتا ہے[1] کچھ تبدل تغیر نطفہ میں وہاں نہیں ہوتا اب آخر آیت میں فرمایا کہ یہ اللہ کی قدرت کی نشانیاں ان لوگوں کو مفید ہیں جو ان قدرت کی نشانیوں سے صاحب قدرت کے پہچاننے میں سمجھ دوڑاتے ہیں جو لوگ دہریہ فرقہ کی طرح ان قدرت کی نشانیوں کے دیکھنے کے بعد بھی صاحب قدرت کی ہستی کے منکر ہیں یا اس کی قدرت کے کارخانہ میں اوروں کو شریک کرتے ہیں ان کو ان نشانیوں سے کچھ فائدہ نہیں معتبر سند سے تفسیر ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جو روایتیں ہیں انکا حاصل یہ ہے کہ مینہ برسنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق ہوا آسمان پر کے دریاؤں میں سے پانی اٹھاتی ہے اور پھر وہ پانی بادلوں میں پہنچاتی ہے اسی پانی سے مینہ برستا ہے[2] یہ عبداللہ بن مسعودؓ کا قول گویا آیت کے ٹکڑے وَهُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً کی تفسیر ہے اس سے حکماء کا یہ قول غلط قرار پاتا ہے کہ دھوپ کی گرمی سے زمین پر کے دریاؤں کی بھاپ اوپر جاتی ہے اور ہوا کی سردی سے کثیف ہو کر جس میں زیادہ کثافت ہوتی ہے وہ جم کر اس کا ابر بن جاتا ہے اور جس میں کم کثافت ہوتی ہے وہ قطرہ قطرہ ہو کر زمین پر ٹپکتی ہے اسی کا نام مینہ ہے اب آگے فرمایا کہ اس مینہ کے پانی سے طرح طرح کا اناج اور میوہ انسان کی ضرورت کے لئے اور چارہ جانوروں کے لئے یہ سب کچھ پیدا ہوتا ہے۔ گیہوں اور جو کی بالیں مکئی اور جوار کے بھٹے بھی قدرت کا ایک نمونہ ہیں کہ ان میں اوپر تلے کس خوبصورتی اور حکمت سے دانے جڑے ہوئے ہوتے ہیں اسی طرح کھجور کے گچھے اس کا گابھا انگور کے خوشے زیتون انار یہ سب اس کی قدرت کے نمونے ہیں کہ لکڑی سے یہ پھل کیونکر پیدا ہوتے اور پکتے ہیں لیکن یہ قدرت کی نشانیاں انہیں لوگوں کے لئے ہیں جن کو اللہ کی قدرت کے کارخانوں کا یقین ہے۔ طبعیات والوں کی طرح جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ کچھ طبیعت کی خاصیت سے ہو جاتا ہے قدرت الٰہی کو اس میں کچھ دخل نہیں ان کو ان قدرت کی نشانیوں سے کچھ فائدہ نہیں مگر طبعیات والوں کی یہ غلطی ہے کہ جو وہ ایسی باتیں کرتے ہیں کیونکہ اللہ کے کارخانہ قدرت میں طبیعت کی خاصیت کے برخلاف بھی بہت سی چیزیں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۵۹ [2] تفسیر ابن جریر ج ۱۴ ص ۲۰ تفسیر آیت و ارسلنا الریاح لواقح۔

لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿٩٩﴾ وَجَعَلُوۡا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الۡجِنَّ وَخَلَقَهُمۡ وَخَرَقُوۡا لَهٗ بَنِيۡنَ

یقین لانے والوں کو ۔ اور جب ٹھیراتے ہیں شریک اللہ کے جن ۔ اور اس نے ان کو بنایا اور تراشتے ہیں اس کے واسطے بیٹے

وَّبَنٰتٍۢ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ‌ؕ سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوۡنَ ﴿١٠٠﴾

اور بیٹیاں بن سمجھے ۔ اور وہ اس لائق نہیں اور بہت دور ہے ان باتوں سے جو بتاتے ہیں

۱۲ ع ۲ ۱۸

طبیعتیں بھی کسی کی پیدا کی ہوئی ہیں جس کے حکم کے وہ تابع ہیں اور وہ جب اور جس موقعہ پر چاہتا ہے کسی طبیعت سے اس طبیعت کی خاصیت کے برخلاف کام لیتا ہے چنانچہ زمین کی طبعی خاصیت یہ ہے کہ جو چیز اس میں دبائی جائے وہ آخر کو خاک ہو جاتی ہے لیکن اناج کے بیج اور میوے کی گٹھلی میں اس قادر مطلق نے طبعی خاصیت کے برخلاف زمین سے جو کام لیا وہ سب کی آنکھوں کے سامنے ہے اسی طرح سورج کی طبعی خاصیت یہ ہے کہ وہ ہر چیز کو خشک کرتا ہے لیکن اس قادر مطلق نے مثلاً گیہوں اور جو میں تو سورج کی طبعی خاصیت کے موافق سورج سے کام لیا اور انگور آم میں طبعی خاصیت کے برخلاف سورج سے کام لیا گیا کہ بجائے انگور اور آم کے سوکھا دینے کے سورج کی حرارت نے ان چیزوں کو اور الٹا تر و تازہ کر دیا کچے انگور اور آم کی کچی کیری کی جو حالت تھی پکنے کے بعد جو انکی حالت ہے وہ سب کی آنکھوں کے سامنے ہے علاوہ اس کے طبیعت کوئی ذی شعور چیز نہیں ہے جو مثلاً گیہوں کی بالوں میں اسطرح خوبصورتی سے دانہ جوڑے ۔ پانی کی ایک طبعی خاصیت میں یہ شعور کہاں ہے کہ کسی آم کے دانہ کو میٹھا کر دے اور کسی کو کھٹا غرض طبعیات والے طرح طرح کی طبعی خاصیتیں دریافت کر کے اللہ کی قدرت کا انکار نہیں کر سکتے بلکہ ان کو اس کی قدرت کا زیادہ یقین کرنا چاہئے کہ جس نے طرح طرح کی طبعی خاصیتیں پیدا کیں اور جس طرح چاہا ان خاصیتوں سے کام لیا پابند طبعیات دہریہ لوگ یہ جو کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کو آنکھ سے نہیں دیکھا اس لئے بغیر دیکھے ہم اس کی ہستی کا اقرار نہیں کر سکتے اسکا جواب علمائے پابند شریعت نے یہ دیا ہے کہ ان لوگوں نے روح اور عقل کو بھی آنکھ سے نہیں دیکھا فقط آثار روحانی اور عقلی سے یہ لوگ روح اور عقل کی ہستی کے قائل ہیں۔

۱۰۰۔ دنیا میں بت پرستی جس طرح شیطان کے بہکانے سے پھیلی ہے اس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بت پرستی کا شرک شیطان نے ان بت پرست لوگوں کی نظروں میں اچھا کر کے دکھایا جس سے یہ لوگ شیطان کا کہنا مان کر بتوں کو اللہ کا شریک ٹھہرانے لگے جس کے سبب سے گویا در اصل انہوں نے اس بانی شرک شیطان کو اللہ کا شریک ٹھہرایا اس واسطے فرمایا کہ ان لوگوں نے جن یعنی شیطان کو اللہ کی عبادت میں شریک قرار دیا پھر فرمایا دوسرا شرک ان اہل مکہ کا یہ ہے کہ اللہ کے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بتلاتے ہیں اور اہل کتاب کا یہ شرک ہے کہ یہود نے عزیر کو اور نصاریٰ نے عیسےٰ کو اللہ کا بیٹا قرار دیا لیکن جب فرشتوں کو عزیر اور عیسےٰ سب کو اللہ تعالیٰ نے نیست سے ہست کیا تو اس طرح کی نیست سے ہست ہونے والی چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے قائم و دائم ذات کے ساتھ کیا مناسبت ہے کہ وہ اللہ کی اولاد قرار پاویں اس لئے جو لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں وہ ناسمجھی سے کرتے ہیں اللہ کی شان ایسی باتوں سے پاک اور بالاتر ہے ۔ صحیح بخاری کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث قدسی اوپر گذر چکی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا بنی آدم نے بڑی گستاخی کی جو اللہ کو صاحب اولاد قرار دیا[1] اسی طرح ابو موسےٰ اشعری رضی اللہ عنہ

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۴۴، کتاب التفسیر۔

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ

نئی طرح بنانے والا آسمان اور زمین کا کہاں سے ہو اس کے بیٹا نہیں اس کے کوئی عورت

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

اور اس نے بنائی ہر چیز اور وہ ہر چیز سے واقف ہے یہ اللہ ہے رب تمہارا اس کے سوا کسی کو

کی حدیث صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے اوپر گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ بڑا بردبار ہے کہ لوگ شرک کرتے ہیں اللہ کو صاحب اولاد ٹھہراتے ہیں اور وہ ان کو صحت و عافیت سے رکھتا ہے اُن کے رزق کا انتظام فرماتا ہے[۱]۔ یہ حدیثیں اس آیت کی گویا تفسیر ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے باتیں یہ لوگ اللہ کی شان میں کرتے ہیں وہ باتیں اگرچہ اللہ کی شان میں بڑی گستاخی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی بردباری سے اس گستاخی کی سزا میں جلدی نہیں فرمائی۔ سورہ مریم میں آویگا کہ جن و انسان کے اللہ تعالیٰ کی اور مخلوقات کو اس گستاخی کا اتنا بڑا قلق ہے کہ اس گستاخی کے صدمہ سے آسمان و زمین پھٹ جاویں پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاویں جس سے یہ سب گستاخی کہنے والے ننا ہو جاویں تو یہ سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی بردباری سے ان سب بلاؤں کو ٹال رکھا ہے۔

۱۰۱-۱۰۲- اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے ایک اور نمونہ کا یہ ذکر فرمایا کہ جس طرح دنیا میں لوگ کسی چیز کا نمونہ دیکھ کر اس کے موافق کوئی چیز بنا لیا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو اس طرح نہیں پیدا کیا بلکہ اُس قادر مطلق نے بغیر کسی نمونے اور مثال کے اپنی قدرت سے آسمان زمین کو نیست سے ہست کیا۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں یہ ہے کہ آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے جو کچھ قیامت تک پیدا ہونے والا تھا اس سب کا اندازہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھا ہے اور اس اندازہ کے لکھنے کے وقت اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا[۲] اس سے معلوم ہوا کہ پانی۔ عرش۔ لوح محفوظ۔ قلم۔ ان چیزوں کی پیدائش آسمان اور زمین کی پیدائش سے پہلے ہے مسند امام احمد اور ترمذی میں عبادہ بن صامتؓ کی حدیث ہے جس کو ترمذی نے صحیح کہا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم اور لوح محفوظ کو پیدا کیا ہے[۳]۔ اس حدیث کا مطلب علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ پانی اور عرش کے بعد اور سب چیزوں سے پہلے اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ اور قلم کو پیدا کیا ہے یہ مطلب بالکل صحیح اور عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی صحیح حدیث کے موافق ہے حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ سب کچھ سلسلہ بہ سلسلہ اسی قدیم ذات کا پیدا کیا ہوا ہے اس سلسلہ سے پہلے سوا اس کی ذات کے اور کچھ نہ تھا پھر ان نیست سے ہست ہونے والی چیزوں کو نہ اس کی ذات کے ساتھ کچھ مناسبت ہے نہ اس نامناسبتی کے سبب سے کسی کو اس کی بی بی یا اولاد کہا جا سکتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ جس نے سب کچھ پیدا کیا عبادت کے قابل وہی ایک معبود ہے جس کو ہر ایک کی فرمانبرداری اور نافرمانی کا ذرا ذرا حال معلوم ہے اور تمام عالم کی نگہبانی اسی کے ہاتھ میں ہے۔

[۱] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۹۷ باب قول اللہ انی انا الرزاق ذو القوة المتین و صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۴ باب فی الکفار [۲] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۵ باب حجاج آدم و موسیٰ صلی اللہ علیہما وسلم [۳] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۶۶ کتاب التفسیر تفسیر سورہ القلم۔

هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿١٠٢﴾ لَا تُدْرِكُهُ

بندگی نہیں بنانے والا ہر چیز کا سو تم اس کی بندگی کرو اور اسی پر ہر چیز کا حوالہ ہے اس کو نہیں پا سکتیں

الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿١٠٣﴾

آنکھیں اور وہ پا سکتا ہے آنکھوں کو اور وہ بھید جانتا ہے خبردار

نہ آسمان کی مجال ہے کہ اس کے حکم کے بغیر زمین پر گر پڑے اور اہل زمین کو ہلاک کر دیوے نہ سمندر کو یہ طاقت کہ اپنی حد سے بڑھ کر دنیا کو ڈبو دیوے۔ غور کرنے سے بے گنتی مثالیں دنیا میں اس طرح کی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم کے پیدا کرنے کے بعد عالم کی ہر ایک چیز کی نگہبانی اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے دنیا میں کسی کام کا انتظام کسی شخص کو سونپا جاوے تو اپنے سونے کے وقت وہ شخص اس انتظام کی نگہبانی سے بے خبر ہو جاتا ہے اس لئے ہر وقت کی نگہبانی کے ثبوت کی غرض سے صحیح مسلم کی ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سوتا نہیں ہے اور سونا اس کو سزاوار بھی نہیں ہے کیونکہ رات دن کے تمام عالم کے انتظام کی نگہبانی اس کے ہاتھ ہے رات کے لوگوں کے سب عمل دن سے پہلے اور دن کے رات سے پہلے اس کے روبرو پیش ہو کر ان کی سزا و جزا کی حد قائم ہو جاتی ہے[1] اسی طرح لوگوں کے رات دن کے رزق اور روزی وغیرہ کا انتظام اس کے روبرو پیش رہتا ہے اس قسم کی اور بھی صحیح حدیثیں ہیں جس میں انسان کی پیدائش موت و حیات کے طرح طرح کے انتظام کا ذکر ہے یہ حدیثیں آیت کے ٹکڑے وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ کی گویا تفسیر ہیں۔

۱۰۳۔ جن آیات متشابہات میں اہل سنت خارجی معتزلی اور مرجیہ فرقوں میں بڑی بحث ہے ان آیتوں میں کی یہ ایک آیت بھی ہے وہ فرقے اس بات کے قائل ہیں کہ آخرت میں بھی خدا کا دیدار کسی کو نہیں ہو سکتا لیکن اہل سنت نے آیتوں اور حدیثوں سے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ اہل جنت کو جنت میں ضرور خدا کا دیدار ہوگا ہاں دنیا کی آنکھوں سے کوئی خدا کو نہیں دیکھ سکتا آخرت کی بینائی آخرت کی قوت سب دنیا سے نرالی ہے اب رہی یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دنیا کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے یا نہیں اکثر سلف کا یہ قول ہے کہ آنحضرت نے اللہ تعالیٰ کو دنیا میں دو دفعہ فقط خواب میں دیکھا ہے زیادہ تفصیل اس کی سورہ نجم میں آوے گی جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن شریف میں تو یہ ذکر ہے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا لیکن معراج کی حدیثوں میں یہ ذکر ہے کہ معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو بھی دیکھا ہے یہ معراج کی حدیثیں سورہ بنی اسرائیل میں آویں گی اس آیت اور سورہ قیامہ کی آیت وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ میں کچھ اختلاف نہیں ہے کیونکہ سورہ قیامہ کی آیت میں لفظ یومئذ موجود ہے جس کے معنے قیامت کے دن کے ہیں اور اس آیت میں وہ لفظ نہیں ہے۔ اس لئے یہ آیت دنیا کے حال سے متعلق ہے اور سورہ قیامہ کی آیت آخرت کے حال سے متعلق ہے اور ان دونوں آیتوں کو ملا کر پڑھنے سے وہی معنے ہوئے جو اوپر بیان کئے گئے کہ دنیا کی آنکھوں سے کوئی اللہ تعالےٰ کو نہیں دیکھ سکتا ہاں

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۹۹ باب اثبات رؤیۃ المؤمنین فی الآخرۃ ربہم سبحانہ وتعالیٰ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۶۲۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ؕ

تم کو پہنچ چکیں سوجھ کی باتیں تمہارے رب سے پھر جس نے دیکھ لیا سو اپنے واسطے اور جو اندھا رہا سو اپنے بُرے کو

حساب و کتاب کے وقت نیک و بد سب کو اللہ تعالیٰ کے رُوبرو کھڑا ہونا پڑے گا پھر اہل جنت کو آخرت میں اللہ کا دیدار نصیب ہوگا صحیح مسلم میں ابوامامہؓ کی بڑی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موت سے پہلے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا[1]۔ اسی طرح صحیح بخاری و مسلم میں ابوسعید خدریؓ اور ابوہریرہؓ کی روایتیں ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخرت میں نیک لوگ اللہ تعالیٰ کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح اب دنیا میں سورج اور چاند کو دیکھتے ہیں[2]۔ یہ حدیثیں اس آیت اور سورہ قیامۃ کی آیت دونوں کی گویا تفسیر ہیں کیونکہ ان حدیثوں کو ملا کر پڑھنے سے وہی مطلب حاصل ہوتا ہے جو دونوں آیتوں کو ملا کر پڑھنے سے اوپر حاصل ہوا تھا۔ دیدار الٰہی کے منکر فرقوں نے ان آیتوں اور حدیثوں کے معنے میں سلف کے برخلاف طرح طرح کی جدید شاخیں نکالی ہیں اور اہل سنت نے طرح طرح سے ان شاخوں کو قطع کیا ہے جس کی تفصیل بڑی تفسیروں میں ہے۔ هُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب نیک و بد عملوں کی خبر ہے جس دن دیدار الٰہی اور اللہ تعالیٰ کے رُوبرو کھڑے ہونے کا موقعہ پیش آوے گا تو اللہ ہر ایک شخص کے ساتھ اُس شخص کی نیت اور عملوں کے موافق برتاؤ کرے گا صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعضے ایماندار گنہ گار قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ کے روبرو جاویں گے تو اللہ تعالیٰ اُن سے قریب ہو کر راز کے طور پر اُن کے گناہ انہیں یاد دلا دے گا جب وہ لوگ اپنے گناہوں کا اقرار کریں گے تو اللہ تعالیٰ فرماویگا جس طرح دنیا میں تمہارے یہ گناہ لوگوں پر ظاہر کر کے میں نے تمہیں رسوا نہیں کیا اسی طرح آج بھی میں تمہارے ان گناہوں کو معاف کرتا ہوں اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ منکرین قیامت اور منافقوں کے سارے گناہ تمام اہل محشر کو جتلائے جا کر ان کو رسوا کیا جاوے گا۔ کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی لعنت کے قابل ہیں[3] جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کی رحمت سے دُور اور دوزخ میں جانے کے قابل ہیں صحیح مسلم میں صہیبؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اہل جنت کو بلا حجاب اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا[4]۔ یہ حدیثیں آیت کی گویا تفسیر ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے ہر ایک حال کی خبر رکھنے اور اس کے نتیجہ کی یہ تفصیل معلوم ہو سکتی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور مؤاخذہ کا برتاؤ کیونکر ہوگا اور اہل جنت کو جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کس طرح ہوگا؟

۱۰۴-۱۰۷- آنکھوں میں ہر چیز کے دیکھنے کی جو قوت ہے اس کو بصارت کہتے ہیں اور دل میں ہر چیز کے سمجھنے کی جو قوت ہے اس کو بصیرت کہتے ہیں بصائر بصیرت کی جمع ہے۔ شروع سورہ سے توحید الٰہی اور قدرت الٰہی کی جو آیات قرآنی گذریں ان کو بصائر فرمایا مطلب یہ ہے کہ شروع سورہ سے یہاں تک جو آیتیں گذریں وہ سمجھ دار آدمی کے دل میں قدرت الٰہی کا اثر ڈالنے کے لئے اور اس اثر سے توحید الٰہی اس کے دل میں پیدا ہو جانے کے لئے کافی ہیں اب جو کوئی ان آیتوں

[1] فتح الباری ج ۱۳ص ۳۴۴ باب تفسیر سورۃ النجم [2] صحیح بخاری ج ۱ص ۱۱۱ باب فضل السجود و ج ۲ص ۹۵۹ کتاب التفسیر و صحیح مسلم ج ۱ص ۱۰۰-۱۰۱ باب اثبات رؤیۃ المؤمنین فی الآخرۃ ربہم سبحانہ و تعالیٰ [3] صحیح بخاری ج ۲ص ۶۷۸ کتاب التفسیر [4] صحیح مسلم ج ۱ص ۱۰۰ باب اثبات رؤیۃ المؤمنین الخ

وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ﴿١٠٤﴾ وَكَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ وَلِيَقُولُوا دَرَسْتَ

اور میں نہیں تم پر نگہبان اور یوں پھیر پھیر سمجھاتے ہیں آیتیں اور تا کہیں کہ تو پڑھا ہے

وَلِنُبَيِّنَهُ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿١٠٥﴾ اتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ

اور تا واضح کریں ہم اس کو واسطے سمجھ والوں کے تو چل اس پر جو حکم آوے تجھ کو تیرے رب سے

کو سن کران کی نصیحتوں کے موافق عمل کرے گا اس کی عقبیٰ درست ہو جاوے گی اور جو کوئی ان نصیحتوں کے بعد بھی کور باطن رہے گا اس کا خمیازہ اسی کو بھگتنا پڑے گا پھر فرمایا اے رسول اللہ کے تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں فقط اللہ کا حکم پہنچانے والا ہوں تمہاری بداعمالی کی گرفت میرے ہاتھ میں نہیں ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ جب چاہے گا تمہاری بداعمالی کا مؤاخذہ فرما دے گا۔ سورہ انفال میں آوے گا کہ مشرکین مکہ قرآن کی آیتوں کو جھٹلاتے اور یہ کہتے تھے کہ اگر یہ قرآن کلام الٰہی ہے تو اس کے جھٹلانے کے وبال میں ہم پر کوئی آسمانی عذاب کیوں نہیں آتا اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی معرفت قرآن میں جگہ جگہ یہ جتلا دیا ہے کہ عذاب کا بھیجنا اللہ کے اختیار میں ہے اللہ کے رسول کے اختیار میں نہیں ہے یہ لوگ ناحق عذاب کی جلدی کرتے ہیں وقت مقررہ پر عذاب کا آجانا بھی اللہ کی قدرت سے کچھ دور نہیں ہے۔ اللہ سچا ہے اللہ کا کلام سچا ہے بدر کی لڑائی کے وقت اس وعدہ کا ظہور ہوا کہ عذاب کی جلدی کرنے والے ابوجہل وغیرہ اس لڑائی میں بے گور و کفن بڑی ذلت سے مارے گئے اب آگے فرمایا کہ قرآن کی آیتوں میں ہر طرح کی نصیحت۔ مشرکین کے ہر ایک اعتراض کا جواب۔ سچی پیشین گوئی یہ سب کچھ تفصیل سے اس لئے بیان کیا جاتا ہے کہ جو لوگ علم ازلی میں نیک قرار پا چکے ہیں وہ جان لیویں کہ یہ باتیں ان پڑھ شخص سے بغیر غیب کی مدد کے ہرگز نہیں ہو سکتیں اور جو لوگ علم الٰہی میں بد ٹھہر چکے ہیں وہ قرآن کی آیتیں سن کر طرح طرح کی باتیں بناویں کبھی کہویں یہ قرآن پہلے لوگوں کی کہانی ہے کبھی کہویں محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود تو ان پڑھ ہیں اہل کتاب سے کچھ باتیں سیکھ کر وہ ہمارے روبرو بیان کرتے ہیں اور اس کو کلام الٰہی مشہور کرتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اے رسول اللہ کے ان لوگوں کی بے ٹھکانے باتوں کا کچھ خیال نہ کرنا چاہئے بلکہ تم کو یہی چاہئے کہ تم قرآن کی ہدایت کے موافق ان لوگوں کو توحید کے احکام سناتے جاؤ تاکہ توحید سے ان کے کان آشنا رہیں اس کے بعد علم الٰہی کے موافق ان میں کے جو لوگ شرک پر اڑے ہیں نہ اللہ تعالیٰ ان کو مجبور کر کے راہ راست پر لانا چاہتا ہے نہ اس نے تم کو اس بات پر مامور اور وکیل کیا ہے کہ ہر ایک مشرک کی حالت کی نگہبانی کر کے اس کو اسلام پر مجبور کیا جاوے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن شریف ایک ایسا بڑا معجزہ مجھ کو دیا گیا ہے جس کے سبب سے قیامت کے دن سب نبیوں کی امتوں سے میری امت کی تعداد زیادہ ہو گی[1] عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی صحیح مسلم کی حدیث بھی گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کے موافق وہ سب لوح محفوظ

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۴، باب کیف نزول الوحی و صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۶ باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم۔

لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٠٦﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ

کسی کی بندگی نہیں سوائے اس کے اور جانے دے شریک والوں کو اور اگر اللہ چاہتا تو

أَشْرَكُوا ۗ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۖ وَمَآ أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ﴿١٠٧﴾

شریک کرتے اور تجھ کو ہم نے نہیں کیا ان کا نگہبان اور تجھ پر نہیں ان کا حوالہ

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا

اور تم لوگ بُرا نہ کہو جن کو وہ پکارتے ہیں اللہ کے سوائے کہ وہ بُرا کہہ بیٹھیں اللہ کو بے ادبی سے

میں لکھ لیا تھا۔ صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ماں کے پیٹ میں جب بچہ کا پتلا بن کر تیار ہو جاتا ہے تو اس میں روح پھونکنے سے پہلے اللہ کے حکم کے موافق فرشتہ یہ لکھ لیتا ہے کہ بڑا ہو کر یہ بچہ نیک اٹھے گا یا بد[1] صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو سعید خدریؓ کی حدیث بھی گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی مثال مینہ کی اور اچھے بُرے لوگوں کی مثال اچھی بری زمین کی فرمائی ہے[2] یہ حدیثیں ان آیتوں کی گویا تفسیر ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف میں ایسی کامل نصیحت موجود ہے جس سے بہ نسبت اور امتوں کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی تعداد قیامت کے دن بڑھ جاوے گی لیکن علم الٰہی کے موافق پہلے لوح محفوظ میں اور پھر ماں کے پیٹ میں جو لوگ بد لکھے جا چکے ہیں ان کے دل میں قرآن کی نصیحت کا اسی طرح کچھ نیک اثر پیدا نہیں ہوگا جس طرح بُری زمین میں مینہ کا کچھ نیک اثر نہیں پیدا ہوتا اور مجبور کر کے ایسے بدلوگوں کو راہ راست پر لانا اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں ہے کیونکہ یہ مجبوری اُس انتظام الٰہی کے برخلاف ہے جس کی بنیاد پر دنیا پیدا کی گئی ہے کہ بغیر کسی مجبوری کے دنیا میں نیک و بد کو جانچا جاوے دنیا میں پیدا ہونے کے بعد اپنے قصد اور ارادہ سے ہر شخص عمر بھر جو کچھ کرے گا لوح محفوظ میں اور ماں کے پیٹ میں بچہ کے ہونے کے وقت میں اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کے موافق ہر شخص کی وہ حالت لکھی گئی ہے اُس حالت کے لکھے جانے سے جن لوگوں نے انسان کے مجبور ہونے کا مطلب نکالا ہے ان کی بڑی غلطی ہے ؛

۱۰۸۔ تفسیر عبدالرزاق تفسیر سدی تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن ابی حاتم میں جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اسلام کی قوت سے پہلے مسلمان جب مشرکوں کے بتوں کو بُرا کہتے تھے تو وہ خدا کو بُرا کہنے پر آمادہ اور مستعد ہو جاتے تھے اس پر خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر مسلمانوں کو بتوں کے بُرا کہنے سے منع فرمایا[3] جب مسلمانوں کا زور ہو گیا تو بتوں کو برا کہنا تو در کنار فتح مکہ کے وقت مسلمانوں نے ان بتوں کو توڑ ڈالا اس آیت کے حکم سے یہ مسئلہ نکلا کہ ضعف اسلام کے وقت کسی مباح کام سے کوئی بڑا فتنہ پیدا ہوتا ہو تو اس مباح کام کو نہیں کرنا چاہئے آیت جہاد سے اس آیت اور اس کی اوپر کی دو آیتوں کو بعض مفسروں نے جو منسوخ کہا ہے

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۵ باب حجاج آدم و موسیٰ علیہما السلام [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۶۹ باب خلق آدم و ذریتہ و صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۲-۳۳۳ باب کیفیۃ خلق الآدمی الخ [3] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸ باب فضل من علم و علّم [4] تفسیر ابن جریر ج ۷ ص ۳۰۹ و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۶۴۔

بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ

نہ سمجھ کر اسی طرح ہم نے پہلے دکھلائے ہیں ہر فرقے کو ان کے کام پھر ان کو اپنے رب تک پہنچنا ہے

اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے کہ جہاد کی آیت سے درگذر کی آیتیں منسوخ نہیں ہیں۔ یہ عبدالرزاق بن ہمام صنعانی ؒ بخاری کے استاد ہیں بخاری نے کہا ہے کہ ان کی کتابوں کی روایت صحیح ہے آخر عمر میں یہ نابینا ہو گئے تھے اس زمانہ کی ان کی زبانی روایت میں محدثین کو تردد ہے ان کی تفسیر ان کی نابینا ہونے سے پہلے کی ہے اس واسطے معتبر ہے انکا شمار متقدمین مفسروں میں ہے اور ان کی تفسیر اہل حدیث کے طور کی منقول تفسیر ہے ابن ماجہ اور حاکم سے تفسیر کے باب میں انکا طبقہ مقدم ہے اب آگے فرمایا کہ جو حال ان مکہ کے مشرکوں کا ہے کہ باوجود طرح طرح کی نصیحت کے یہ اپنا بھلا برا نہیں سمجھتے اور اپنے شرک کی برائی کو یہ لوگ یہاں تک اچھا جانتے ہیں کہ ان کے پتھر کے بتوں کو اگر کوئی برا کہوے تو اس کے مقابلہ میں یہ اپنے پیدا کرنے والے کی مذمت پر آمادہ ہو جاتے ہیں قوم نوح سے لے کر فرعون اور اس کی قوم تک یہی حال سب پچھلی امتوں کا تھا کہ وہ لوگ شرک کو اچھا اور شرک کے چھوڑ دینے کی نصیحت کو برا جانتے تھے آخر نتیجہ اسکا یہ ہوا کہ دنیا میں تو وہ لوگ طرح طرح کے عذاب سے ہلاک ہو گئے اور عقبےٰ میں ایسے لوگوں کو اللہ تعالےٰ کے روبرو کھڑے ہو کر اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی اور جوابدہی میں قائل ہو کر ان اعمال کی سزا بھگتنی پڑے گی معتبر سند سے ترمذی، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث گذر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ شیطان کے پھندے میں پھنس کر جب آدمی گناہ پر گناہ کرتا چلا جاتا ہے تو اس کے دل پر زنگ لگ جاتا ہے[1] جس سے اسکا دل مر جاتا ہے اور وہ مردہ دل نصیحت کے سمجھنے سے غافل ہو کر برے کاموں کو اچھا جاننے لگتا ہے اس سبب سے برے کاموں سے باز آنے کی اس کو توفیق نہیں ہوتی اور مجبور کر کے کسی کو راہ راست پر لانا انتظام الٰہی کے برخلاف ہے اس لئے اللہ تعالےٰ ایسے شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے اور اسکا عقبےٰ کا انجام وہی ہونے والا ہے جس کا ذکر آیت میں ہے حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث آیت کی تفسیر ہے جس سے برے کاموں کو اچھا جاننے کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے مسند امام احمد کے حوالہ سے معتبر سند کی ابوسعید خدریؓ کی حدیث گذر چکی[2] ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ شیطان اللہ کے روبرو اس بات پر قسم کھا چکا ہے کہ اس سے جہاں تک ہو سکے گا وہ بنی آدم کو بہکاوے گا صحیح مسلم کے حوالہ سے جابرؓ کی حدیث بھی گذر چکی ہے کہ شیطان نے اپنا تخت سمندر میں بچھا رکھا ہے جس پر خود تو وہ بیٹھ جاتا ہے اور وہ اپنے شیاطینوں کو طرح طرح سے بہکانے کی پٹی پڑھا کر لوگوں کے بہکانے کو بھیجتا ہے[3] شیطان کے بہکانے کا مطلب یہی ہے کہ وہ حق بات کے مقابلہ میں ناحق بات کو ایسے اچھے ڈھنگ سے لوگوں کو دکھاتا ہے جس سے بڑے بڑے عقلمند دھوکا کھا جاتے ہیں اور ان کے شرعی صحیح عقیدہ یا عمل میں فتور پڑ جاتا ہے۔ مثلاً فلسفی لوگ باوجودیکہ بڑے عقلمند کہلاتے ہیں لیکن اس ملعون نے ان کو عقلی دلیلوں کے پھندے میں پھنسا کر اس عقیدہ پر انہیں جما دیا کہ حشر میں جسم پھر دوبارہ پیدا نہ ہو گا بلکہ آدمی کے مرنے کے بعد فقط روح باقی رہے گی اور

[1] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۶۸ کتاب التفسیر۔ [2] ملاحظہ ہو ص ۱۴۱ [3] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۶ باب تحریش الشیطان وبعثہ سرایاہ الخ

فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٠٨﴾

تب وہ جتا دے گا جو کچھ کرتے تھے

اچھے لوگوں کی روح کو اچھی باتوں کے تصور سے ایک طرح کی خوشی ہوگی اور بُرے لوگوں کی روح کو بُری باتوں کے تصور سے ایک طرح کا رنج ہوگا اس کا نام جنت و دوزخ ہے اس کے سوا اور بھی اسی طرح کے غلط عقیدے ہیں جن پر یہ لوگ جمے ہوئے ہیں اور ان عقیدوں کو ایسا اچھا جانتے ہیں کہ اُن کے مقابلہ میں انبیاء کی آسمانی ہدایت کو اپنے حق میں ضروری نہیں خیال کرتے چنانچہ سقراط کو اس وقت کے بعض نیک لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جانے اور شریعت موسوی کی باتیں سیکھنے کی صلاح دی تو سقراط نے اس کا جواب یہ دیا کہ انبیاء عام لوگوں کی ہدایت کے لئے آتے ہیں ہم لوگوں کو انبیاء کی ہدایت کی ضرورت نہیں حالانکہ سقراط اور اُس کے ہم عقیدہ فلسفیوں کا یہ قول کہ اُن کو انبیاء کی ہدایت کی ضرورت نہیں بالکل ایک غلط اور شیطانی بہکاوے کا قول ہے کیونکہ عقبے کی غیب کی باتیں حواس اور عقل سے نہیں معلوم ہو سکتیں اس لئے ان کے سیکھنے میں انبیاء کی تعلیم کی ضرورت ہے ان لوگوں نے اس ضرورت کا انکار کیا اسی واسطے ایسی غیب کی باتوں میں ان کے اکثر قول غلط ہیں مثلاً شیخ بوعلی بن سینا سے پہلے کے فلسفیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ سوا اپنی ذات کے اللہ تعالیٰ کو کسی اور چیز کا علم نہیں ہے شیخ بوعلی بن سینا نے یہ قول تراشا کہ اللہ تعالیٰ کو سوا اپنی ذات کے کلیات کا علم ہے جزئی باتوں کا علم نہیں ہے پہلا قول تو اس لئے غلط ہے کہ مخلوقات میں ہر شخص اپنی ذات کو اور اپنے پیدا کرنے والے کو جانتا ہے تو گویا نعوذ باللہ مخلوقات کا علم اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے علم سے بڑھا ہوا ہے۔ اس بات کا منہ سے نکالنا دیوانہ پن نہیں تو اور کیا ہے۔ دوسرا قول اس سبب سے غلط ہے کہ جو بادشاہ اپنی بادشاہت کا حال نہ جانے اُس کی بادشاہت کیونکر چل سکتی ہے کیونکہ سلطنت کے جزئی امور میں کارپرداز جو چاہیں گے وہ اُس انجان بادشاہ سے کرا لیویں گے جس سے رفتہ رفتہ سلطنت کا انتظام خراب ہو جاوے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کا انتظام اس عیب سے بالکل پاک ہے اس واسطے انبیاء کی تعلیم یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمام عالم کے ذرہ ذرہ کا علم ہے اور اسی علم کے موافق قیامت کے دن جزا و سزا ہوگی انبیاء کی تعلیم کے موافق جب ذرہ ذرہ برابر عمل کی جزا و سزا ہوگی تو اس وقت شیخ کو اپنے قول کی غلطی معلوم ہو جاوے گی اور اپنے غلط قول کا اسے اُس وقت پچھتاوا ہوگا جس وقت کا پچھتاوا کچھ کام نہ آوے گا جس طرح اس عقیدہ کا فتور بیان کیا گیا ہے اسی طرح شیطان بدعت اور ریاکاری میں پھنسا کر لوگوں کے عملوں میں طرح طرح کے فتور ڈال دیتا ہے جس کی مثالیں شریعت کی کتابوں میں کثرت سے ہیں غرض اسی طرح کی باتوں کو کَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ۔ فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کے بہکاوے سے بعضے لوگوں کی نظروں میں بُرے کام یہاں تک اچھے لگنے لگتے ہیں کہ باوجود نصیحت کے وہ لوگ اُن بُرے کاموں سے باز نہیں آتے ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے کیونکہ یہ اوپر گذر چکا ہے کہ مجبور کر کے کسی کو راہ راست پر لانا انتظام الٰہی کے برخلاف ہے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا

اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی تاکید سے کہ اگر ان کو ایک نشانی پہنچے البتہ اس کو مانیں

قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا

تو کہہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور تم مسلمان کیا خبر رکھتے ہو کہ جب وہ آویں گے تو یہ نہ

يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ

مانیں گے اور ہم الٹ دیں گے ان کے دل اور آنکھیں جیسے منکر ہوتے ہیں اس سے

اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

پہلے بار اور چھوڑ رکھیں گے ان کو اپنے جوشش میں بہکتے۔

۱۳ ع ۱۹

۱۰۹-۱۱۰- تفسیر ابن جریر وغیرہ میں مجاہد اور بعضے اور سلف کے قول کے موافق ان آیتوں کی شان نزول جو بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ قریش طرح طرح کے معجزے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چاہتے تھے اور قسمیں کھا کر یہ کہتے تھے کہ ان معجزوں کے دیکھ لینے کے بعد وہ اسلام کے تابع ہو جاویں گے۔ مشرکوں کی قسما قسمیں دیکھ کر مسلمان لوگوں کو بھی یہ خواہش تھی کہ ان معجزوں کا ظہور ہو جاوے تو خوب ہے تا کہ ان معجزوں کے دیکھنے کے بعد اپنی قسما قسمی کے موافق شاید ان مشرکوں میں سے کچھ لوگ اسلام کے تابع ہو جاویں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں[۱]۔ حاصل معنے ان آیتوں کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی معرفت مشرکوں کی خواہش کا تو یہ جواب دیا کہ معجزہ اللہ کے اختیار میں ہے جب اس کی حکمت مقتضی ہوگی کسی معجزہ کا ظہور ہو جاوے گا کسی کی خواہش اور قسما قسمی پر معجزات کا ظہور منحصر نہیں ہے کیونکہ یہ عادت الٰہی ہے کہ جس قوم کی خواہش پر کسی معجزہ کا ظہور ہوا اور اس معجزے کے دیکھنے کے بعد بھی وہ قوم راہ راست پر نہ آوے تو اکثر ایسی قوم کسی عذاب میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کی خواہش کا یہ جواب دیا کہ جو لوگ اللہ کے علم میں دوزخی ٹھہر چکے ہیں ان کا حال تم کو معلوم نہیں اللہ تعالیٰ کو ان کا حال خوب معلوم ہے کہ اس خواہش اور قسما قسمی سے پہلے جس طرح معراج شق القمر وغیرہ معجزات کا ان کے دل پر کچھ اثر نہیں ہوا اسی طرح وہ اپنے کفر میں سرگرداں رہیں گے۔

---

[۱] تفسیر ابن جریر ج ۷، ص ۱۹۲۔

وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلَٰئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَىٰ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ

اور اگر ہم ان پر اتاریں فرشتے اور ان سے بولیں مردے اور جلادیں ہم ہر چیز

شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ (۱۱۱)

کو ان کے سامنے ہرگز ماننے والے نہیں مگر جو چاہے اللہ پر یہ اکثر نادان ہیں۔

۱۱۱۔ اوپر کی آیتوں کے سلسلہ میں فرمایا کہ اگر ان مشرکوں کے روبرو فرشتے مرے ہوئے مردے اور جہاں بھر کی ہر ایک چیز اللہ کے رسول اور اللہ کے کلام کی گواہی دیوے تو بھی جب تک اللہ نہ چاہے اس وقت تک یہ لوگ راہ راست پر نہ آویں گے لیکن اللہ یہ نہیں چاہتا کہ اپنے علم ازلی کے برخلاف کسی کو مجبور کر کے راہ راست پر لاوے اس لئے ایسے لوگوں کی قسما قسمی پر مسلمانوں کے معجزہ کی خواہش ایک انجان پنے کی خواہش ہے جو مسلمانوں کے حق میں مناسب نہیں ہے بلکہ ان کے حق میں یہ مناسب ہے کہ وہ ایسے انجان معاملہ کو اللہ کی مرضی پر چھوڑ دیں اس کے علم ازلی کے موافق جو مناسب ہوگا وہ وقت مقررہ پر خود ظہور میں آجاوے گا۔ اللہ سچا ہے اللہ کا کلام سچا ہے اس کے علم ازلی میں جو اہل مکہ دوزخی ٹھہر چکے تھے وہ فتح مکہ تک شرک کی حالت میں مر گئے اور جو لوگ راہ راست پر آنے والے تھے فقط فتح مکہ نے ان کو بڑے سے بڑے معجزہ کا اثر دکھایا جس سے وہ سب تابع اسلام ہو گئے ان آیتوں میں قرآن شریف کا ایک بڑا یہ معجزہ ہے کہ اہل مکہ کا جو حال اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں فرمایا تھا آخر کو کچھ عرصہ کے بعد ویسا ہی ظہور ہوا جن لوگوں کا راہ راست پر آنا اللہ تعالیٰ کے علم میں اور اس علم کے موافق اس کے ارادہ ازلی میں ٹھہر چکا تھا وہی لوگ اہل مکہ میں سے راہ راست پر آئے اور باقی کے لوگ اسی گمراہی کی حالت میں دنیا سے اٹھ گئے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث گذر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک سو بیس دن کے عرصہ میں جب بچہ کا پتلا ماں کے پیٹ میں تیار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کے موافق فرشتہ یہ لکھ لیتا ہے کہ بڑا ہو کر یہ بچہ نیک ہوگا یا بد اس کے بعد اس پتلے میں روح پھونکی جاتی ہے[1] اسی طرح صحیح بخاری و مسلم میں حضرت علیؓ کی حدیث ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں نیک ٹھہر چکے ہیں ان کے دل میں ہمیشہ نیک کاموں کا ارادہ اللہ کی طرف سے پیدا ہوتا رہتا ہے جس سے ہر ایک نیک کام کا کرنا ان کو آسان ہو جاتا ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علم میں بد ٹھہر چکے ہیں انکا دل نیک کام کی طرف مائل نہیں ہوتا اس واسطے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے دل میں نیک کاموں کا ارادہ پیدا نہیں ہوتا جس سے ایسے لوگ ہمیشہ بد کاموں میں لگے رہتے ہیں[2] یہ حدیثیں اس آیت اور اس سے اوپر کی آیتوں کی گویا تفسیر ہیں کیونکہ آیتوں اور حدیثوں کو ملا کر یہ مطلب ہوا کہ اہل مکہ میں سے جو لوگ عمر بھر کفر میں سرگرداں رہے اور پھر اسی حالت پر مر گئے نہ قرآن کی نصیحت نے ان کے دل میں کچھ اثر پیدا کیا نہ معراج اور شق القمر جیسے معجزات کو انہوں نے عبرت کی نگاہ سے دیکھا یہ وہی لوگ تھے جو اللہ تعالیٰ کے علم کے موافق ماں کے پیٹ میں بد لکھے گئے تھے جس کے سبب سے عمر بھر اسلام کی طرف انکا دل مائل نہیں ہوا اسی واسطے

[1] صحیح بخاری ص ۴۶۹ ج ۱ باب خلق آدم و ذریتہ و صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۲۔۳۳۳ باب کیفیتہ خلق الآدمی الخ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۳۸ کتاب التفسیر تفسیر سورۃ اللیل و صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۳۔۳۳۴ کتاب القدر۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ

اور اسی طرح رکھے ہیں ہم نے ہر نبی کے دشمن شیطان آدمی اور جن سکھاتے ہیں ایک

اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ

دوسرے کو ملمع باتیں فریب کی اور اگر تیرا رب چاہتا تو یہ کام نہ کرتے سو چھوڑ دے

ان آیتوں میں فرمایا کہ فرشتے مرے ہوئے مردے اور جہان بھر کی سب چیزیں ان کے روبرو اللہ کے رسول اور اللہ کے کلام کے سچے ہونے کی گواہی دیویں جب بھی اللہ تعالےٰ کے علم کے برخلاف ان لوگوں کی قسموں کا کچھ ظہور نہ ہوگا نُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ۔ اس کا مطلب یہی ہے جو حضرت علیؓ کی حدیث میں گذرا کہ یہ لوگ علم الٰہی میں بد ٹھہر چکے ہیں اس لئے جو معجزات یہ لوگ چاہتے ہیں وہ اوپر کے دل سے ہیں ان معجزات کے دیکھنے کے بعد بھی اُن کا دل حق بات کی طرف مائل ہوگا نہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی نیک ارادہ اُن کے جی میں پیدا ہوگا اس واسطے حق بات کی طرف سے انکا دل جیسا پھرا ہوا تھا ویسا ہی رہے گا اور اُن کی آنکھوں پر ان معجزات کے دیکھنے کے بعد بھی وہی پردہ پڑا رہے گا جو معراج اور شق القمر کے بعد تھا ۔

۱۱۲-۱۱۳- شروع سورہ سے یہاں تک مشرکین مکہ کی ایسی چند باتوں کا ذکر گذرا جو باتیں یہ لوگ عداوت دینی کے سبب سے کرتے تھے کبھی کہتے تھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نوشتہ خاص ہم لوگوں کے نام اسلام کی تصدیق کا آوے گا جب ہم دین اسلام کو سچا جانیں گے کبھی کہتے تھے آسمان پر سے ایک فرشتہ آن کر ہمارے روبرو اسلام کی تصدیق کیوں نہیں کرتا کبھی قرآن کو پچھلے لوگوں کی کہانیاں بتلاتے تھے کبھی کہتے تھے اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں تو اللہ سے دعا کر کے ہم کو اتنا خزانہ دلوا دیں کہ ہم مالامال ہو جاویں کبھی کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایسے غریب لوگ ہر وقت گھسے رہتے ہیں جن کے سبب سے ہم ان کی مجلس میں جانا اپنی کسر شان سمجھتے ہیں کبھی قرآن کی شان نزول میں اور اللہ تعالیٰ کی شان میں بے ادبی کے لفظ منہ سے نکالنے کو مستعد ہو جاتے تھے کبھی کہتے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم خود تو ان پڑھ ہیں اہل کتاب سے کچھ باتیں سیکھ آتے ہیں اور پھر انہیں کو کلام الٰہی مشہور کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی ایسی باتوں سے گھڑی گھڑی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا رنج ہوا کرتا تھا اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کا رنج دفع کرنے کے لئے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور فرمایا کہ اے رسول اللہ کے ان دشمن دین لوگوں کی یہ دشمنی کی باتیں تمہارے ساتھ کچھ انوکھی نہیں ہیں بلکہ پچھلے انبیاء سے بھی اس وقت کے مخالف لوگ ایسی ہی باتیں کرتے رہے ہیں شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ کی تفسیر میں سلف کا اختلاف ہے لیکن صحیح مسلم کے حوالہ سے جابرؓ کی حدیث اوپر گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان خود تو اپنا تخت سمندر میں بچھا کر بیٹھ جاتا ہے اور اپنے شیاطینوں کو لوگوں کے بہکانے کیلئے بھیج دیتا ہے[1] یہ حدیث تو شیاطین الجن کی تفسیر ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ جن تو خود شیطان ہے اور وہ شیاطین جن کو شیطان لوگوں کے بہکانے کے لئے بھیجتا ہے وہ شیاطین الجن ہیں

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۶ باب تحریش الشیطان وبعثہ سرایاہ الخ

وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ

وہ جانیں اور ان کا جھوٹ اور تا جھکیں اس طرف دل ان کے جو یقین نہیں رکھتے آخرت کا

وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور اس کو پسند کریں اور تا کئے جاویں جو غلط کام کر رہے ہیں

اب ان شیاطین کے بہکاوے میں جو لوگ آتے ہیں وہ دو طرح کے ہیں ایک تو اس بہکاوے میں آن کر خود بُرے کام کرنے لگتے ہیں دوسرے وہ کہ خود بھی بُرے کام کرتے ہیں اور شیاطینوں کی طرح دوسرے آدمیوں کو بھی بُرے کام کی رغبت دلاتے ہیں مثلاً جس طرح عمرو بن لحی قبیلہ خزاعہ کا سردار کہ شیاطینوں کے بہکانے سے خود بھی بت پرست ہوا اور جدے سے مکہ میں بت لا کر اہل مکہ کو بھی بت پرستی کی رغبت دلائی اور مکہ میں بت پرستی پھیلائی عمرو بن لحی کا یہ قصہ صحیح حوالہ سے اوپر گذر چکا ہے صحیح مسلم میں جریر بن عبداللہ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی ایسا بُرا طریقہ نکالے کہ جس سے لوگ بُرے کاموں میں لگ جاویں تو اس کو اس کے ذاتی بدعملوں کی سزا کے علاوہ لوگوں کے بہکانے کی سزا بھی ملے گی[1] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو انسان لوگوں کے بہکانے میں شیاطینوں کا سا کام کرے وہی شیاطین الانس ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے شیاطین الانس کی تفسیر کاہن لوگوں کو قرار دیا ہے[2] لیکن یہ تفسیر جریر بن عبداللہؓ کی حدیث کے مخالف نہیں ہے کیونکہ جریر بن عبداللہؓ کی حدیث کے حکم میں کاہن لوگ اور غیروں کے بہکانے والے سب لوگ داخل ہیں اور ان سب لوگوں کو شیاطین الجن کی سی سزا دی جاوے گی مسند امام احمد وغیرہ میں ابوذرؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے شیاطین الجن سے جدا اور شیاطین الانس سے جدا اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنے کا ارشاد فرمایا ہے[3]۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیاطین الجن کے علاوہ بنی آدم میں سے شیاطینوں کی طرح بہکانے والے آدمیوں کو آپ نے شیاطین الانس فرمایا ہے کیونکہ ابوذرؓ کی اس حدیث کی بعضی روایتوں میں یہ لفظ بھی ہیں کہ شیاطین الانس اصل شیاطینوں سے زیادہ بہکاتے ہیں مالک بن دینار نے اپنا یہ ایک تجربہ بیان کیا ہے کہ اصل شیاطین ذکر الٰہی کے وقت بھاگ جاتے ہیں لیکن شیاطین الانس کسی وقت بہکانے سے باز نہیں آتے[4] مالک بن دینار معتبر تابعی ہیں بخاری میں بغیر سند کے اور سوا مسلم کے صحاح میں مع سند کے ان مالک بن دینار سے روایتیں ہیں ابوذرؓ کی اس حدیث کی روایت کے چند طریق ہیں[5] جن میں بعضے معتبر ہیں اس لئے یہ حدیث معتبر ہے۔ یہ عمرو بن لحی بھی کاہن تھا۔ کاہن وہ لوگ تھے جو شیاطین کی نیاز نذر کرتے رہتے تھے جس کے سبب سے شیاطین ایسے لوگوں کا اپنا معتقد سمجھتے تھے اور چوری سے آسمان پر کی باتیں جو سن آیا کرتے تھے وہ ان لوگوں سے کہہ دیا کرتے تھے اور اپنی طرف سے ان میں اکثر جھوٹ بھی ملا دیا کرتے تھے اور یہ کاہن اپنے معتقدوں کو پیشین گوئی کے طور پر آئندہ کی کچھ جھوٹ سچ باتیں بتلا دیا کرتے تھے ان ہی باتوں کو آپس کی فریب اور ملمع کی باتیں فرمایا صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۱ باب من سن سنۃ حسنۃ او سیئۃ الخ [2] تفسیر فتح البیان ج ۳ ص ۲۰۹ [3] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۶۷ و تفسیر در منثور ج ۳ ص ۳۹-۴۰ [4] تفسیر معالم التنزیل ج ۳ ص ۳۰۰ [5] ان تمام روایات کیلئے دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۶۷ و تفسیر الدر المنثور ج ۳ ص ۳۹-۴۰-

أَفَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيٓ أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۗ وَ
کیا اب سوا اللہ کے کسی اور کو منصف کروں اور اسی نے اتاری تم کو کتاب واضح اور

الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ أَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا
جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ نازل ہوئی ہے تیرے رب کے پاس سے تحقیق سو تو مت

تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿١١٤﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۗ لَا
ہو شک لانے والا اور تیرے رب کی بات پوری سچ ہے انصاف کی کوئی

نے فرمایا کاہن کی ایک بات سچی ہوتی ہے تو سو جھوٹی ہوتی ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ سچی وہ بات ہوتی ہے جو شیاطین چوری سے آسمان پر سے سُن آتے ہیں[1] یہ حدیث فریب اور طمع کی باتوں کی تفسیر ہے آگے فرمایا کہ اگر اللہ چاہے تو ان بناوٹ کی باتوں سے لوگوں کا بہکانا بند ہو جاوے لیکن امتحان کے طور پر جس طرح شیطان کو دنیا میں چھوڑا گیا ہے اسی طرح یہ بھی ایک امتحان کا طریقہ ہے اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جاوے کیونکہ جو لوگ ایسی باتوں کے قائل ہیں وہی ایسی بناوٹ کی باتوں کی طرف اپنے دلوں کو مائل کرتے ہیں اور وہی ایسی باتوں کو پسند کرتے ہیں اور جو وحی کے احکام کے پابند ہیں وہ ایسی بناوٹ کی باتوں کی پروا نہیں کرتے۔ پھر فرمایا یہ وحی کے منکر جو کچھ کر رہے ہیں اُن کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جاوے وقت مقررہ پر ان کا کیا ان کے آگے آجاوے گا۔

۱۱۴-۱۱۵- مشرکین مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے تھے کہ اہل کتاب میں سے کوئی شخص منصف قرار دیا جاوے کہ وہ قرآن کو کلام الٰہی کہہ دیوے تو پھر ہم لوگ آپ کے نبی برحق اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے قائل ہو جاویں گے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں[2] اور فرمایا اے رسول اللہ کے ان مشرکوں سے کہہ دیا جاوے کہ میرے اور تمہارے مابین اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون اس بات کا منصف قرار پا سکتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور قرآن کلام الٰہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے منصف ہونے کی یہ نشانی ہے کہ قرآن میں جہاں اور باتوں کی تفصیل ہے وہاں یہ بات بھی میں تم کو سنا چکا ہوں کہ جو شخص اللہ پر کوئی جھوٹ بناوے تو اللہ تعالیٰ فوراً اس کو ہلاک کر دیتا ہے اور یہ بھی تم کو سنا چکا ہوں کہ اگر تم قرآن کو اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں مانتے بلکہ یہ کہتے ہو کہ میں نے اپنی طرف سے یہ کلام بنا لیا ہے تو تم بھی ایسا کچھ کلام بنا کر پیش کرو کیونکہ بشر ہونے میں تم اور میں دونوں برابر ہیں جب ان باتوں میں سے کسی بات کا ظہور نہیں ہوا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خود یہ منصفی ہو گئی کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور قرآن کلام الٰہی ہے رہی یہ بات کہ اہل کتاب میں سے کسی کو اس باب میں منصف قرار دیا جاوے اس کا جواب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام دونوں کی نبوت کی تصدیق تورات اور انجیل دونوں کتابوں کی تصدیق سب کچھ اس قرآن میں موجود ہے اس واسطے مجھ کو تو اس باب میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اہل کتاب کے دل اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ یہ قرآن کلام الٰہی ہے اب زبانی اس کے برخلاف جو کچھ وہ کہتے ہیں تو گویا اپنی کتاب اور اپنے نبی کے وہ لوگ منکر ہیں۔ قرآن کے کلام الٰہی

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۱۲۸ باب قراءۃ الفاجر والمنافق الخ [2] تفسیر خازن ج ۲ ص ۴۸۔

مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ

بدلنے والا نہیں اس کے کلام کو اور وہ ہے سننا جانتا اور اگر تو کہا مانے اکثر لوگوں کا جو دنیا میں ہیں

يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

تجھ کو بھلادیں اللہ کی راہ سے سب ہی چلتے ہیں خیال پر سب اٹکل دوڑاتے ہیں

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾

تیرا رب ہی خوب جانتا ہے جو بہکتا ہے اس کی راہ سے اور وہ خوب جانتا ہے جو اس کی راہ پر ہیں

ہونے کی یہ بھی ایک نشانی ہے کہ اس میں پچھلی اور آیندہ کی جو خبریں ہیں وہ سب سچی ہیں اس میں جتنے حکم ہیں وہ سب منصفانہ ہیں۔ تورات اور انجیل میں جس طرح ردوبدل ہو گیا اس میں وہ ردوبدل ممکن نہیں۔ پچھلی شریعتوں کے اکثر احکام اس سے منسوخ ہو گئے اس کے احکام قیامت تک باقی رہیں گے۔ آخر کو فرمایا اس کے برخلاف جو کوئی کچھ کہتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ سنتا ہے اور جو کوئی اس کے برخلاف دل میں کچھ عقیدہ رکھتا ہے وہ بھی اس کو خوب معلوم ہے قیامت کے دن ایسی زبانی باتوں اور دل کے بھیدوں کا پورا فیصلہ ہو جاویگا۔ سورہ آل عمران میں اس معاہدہ کا ذکر گذر چکا ہے جس کے موافق اہل مکہ کو ملت ابراہیمی کے سلسلہ سے اور اہل کتاب کو تورات اور انجیل کے سلسلہ سے نبی آخر الزمان اور قرآن کی پیروی ضرور تھی ان لوگوں نے دلی عقیدہ اور زبانی اقرار میں اسی معاہدہ کی پابندی نہیں کی اسی واسطے فرمایا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی دلی اور زبانی بدعہدی کو سنتا اور جانتا ہے۔ صحیح بخاری کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث گذر چکی ہے جس میں اس معاہدہ کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری پیروی سے انکار کیا اس نے گویا جنت میں جانے سے انکار کیا[1]۔ معاہدہ کی آیت اور یہ حدیث گویا ان آیتوں کی تفسیر ہیں۔

۱۱۶—۱۱۷۔ سورہ مائدہ میں گذر چکا ہے کہ قبیلہ خزاعہ کے ایک سردار عمرو بن لحی بن قمعہ نے مکہ میں بت پرستی اور بتوں کے نام پر جانور چھوڑ کر ان کو حرام ٹھہرانے کی رسم پھیلائی اس رسم میں یہ بھی ایک بات تھی کہ مردار جانور کو اہل مکہ حلال جانتے تھے غرض ان حرام حلال ٹھہرائے ہوئے جانوروں کے باب میں مشرکین مکہ اکثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے طرح طرح کا جھگڑا کیا کرتے تھے۔ خاص طور پر مردار جانور کا جھگڑا تو آگے کی آیتوں میں آتا ہے ان آیتوں میں مشرکین مکہ کے عام جھگڑوں کے متعلق یہ فرمایا ملت ابراہیمی شریعت موسوی شریعت عیسوی کو بگاڑ کر آج کل اس زمین پر یہی لوگ ہیں جن کی یہ اٹکل ان کا دین ایمان ہے کہ جو رسمیں ان کے لئے ان کے بڑے بوڑھے ٹھہرا گئے ہیں وہی ان کا اصل دین ہے۔ اس لئے ان لوگوں کے جھگڑوں میں سے کوئی بات نہ سنی جاوے کیونکہ ان جھگڑوں سے اصل مقصد ان لوگوں کا یہ ہے کہ دین الٰہی کی باتوں کو یہ لوگ مٹا دیویں اور اپنی قدیمی رسموں کو قائم رکھیں لیکن یہ ہرگز نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کا خود حامی اور مددگار ہے۔ ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ان کے بڑے بوڑھے جو رسمیں ٹھہرا گئے ہیں وہی اصل دین ہے یہ خیال ان کا بالکل غلط ہے اصل دین سے برگشتہ لوگوں کا اور اصل دین کے پابند لوگوں کا

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۸۱ باب الاقتداء بسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ

سو تم کھاؤ اس میں سے جس پر نام لیا اللہ کا اگر تم کو اس کے حکم پر یقین ہے اور کیا سبب کہ تم

أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا

نہ کھاؤ اس میں سے جس پر نام لیا اللہ کا اور وہ کھول چکا جو کچھ تم پر حرام کیا ہے مگر

حال اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے جس دن اللہ تعالیٰ کے علم کے موافق نیک و بد کا فیصلہ ہوگا اس دن ان لوگوں کو معلوم ہو جاوے گا کہ اصل دین کی باتیں وہی تھیں جس کے یہ لوگ منکر تھے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث اوپر گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں لوگوں کی کولی بھر کر انہیں آگ میں گرنے سے روکتا ہوں لیکن لوگ آگ میں گرنے کی ایسی جرأت کر رہے ہیں جس طرح کیڑے پتنگے روشنی پر گرتے ہیں[1]۔ یہ حدیث ان آیتوں کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ دین الٰہی کی باتوں کا پابند کر کے اللہ کے رسول لوگوں کو دوزخ کی آگ سے بچانا چاہتے ہیں لیکن لوگ اپنی قدیمی رسموں کے پابند ہو کر خود بھی دوزخ کی آگ میں گھسنے کی کوشش کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اپنی رسمیں سکھا کر دوزخ میں لے جانا چاہتے ہیں؛

۱۱۸-۱۲۱- یہاں سے آخر رکوع تک کی آیتوں کی جو کچھ شان نزول ترمذی ابوداؤد مستدرک حاکم طبرانی ابن ماجہ مسند بزار تفسیر ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عکرمہ کے قول کے موافق بیان کی گئی ہے اسکا حاصل یہ ہے کہ قریش اور فارس کے لوگوں میں دوستی تھی اس دوستی کے سبب سے فارس کے مجوس نے قریش سے یہ کہلا بھیجا کہ تم ان نبی پر یہ اعتراض کرو کہ اپنا ذبح کیا ہوا جانور کھانا اور خدا کا مارا ہوا جانور نہ کھانا یہ کونسا دین ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں[2]۔ قریش کا جواب جو ان آیتوں میں ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ذبح شدہ جانور پر اللہ کا نام لیا جاتا ہے اس واسطے وہ پاک اور حلال ہے بتوں کے نام پر جو جانور ذبح کیا جاوے یا جو جانور اپنی موت سے مر جاوے بہ سبب اس کے کہ اللہ کا نام اس پر نہیں لیا گیا وہ حرام اور نجس ہے ان آیتوں میں شیطان مجوس کو فرمایا اور شیطان کے دوست قریش کو فرمایا قریش کی جگہ بعض روایتوں میں یہود کا نام جو بعضے مفسروں نے ذکر کیا ہے وہ شاید کسی راوی کے سہو سے ہے کیونکہ اول تو یہود مردار جانور کے حلال ہونے کے قائل نہیں جو ان کو اس جھگڑے کی ضرورت ہو دوسرے یہ آیتیں مکی ہیں اور یہود سے اور آنحضرت سے جھگڑا آنحضرت کے مدینہ میں آنے کے بعد پیدا ہوا ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی بعض روایتوں میں اصل شیاطین کا ذکر جو کیا گیا ہے[3]۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اصل شیاطین نے مجوس کو بہکایا اور مجوس نے قریش کو بہکایا اس صورت میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ان کے شاگرد عکرمہ کے قول میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا بعضے مفسروں نے آیت ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ کو آیت وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم (۵-۵) سے منسوخ جو قرار دیا ہے اسکا فیصلہ حافظ ابوجعفر ابن جریر

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴۸ باب شفقتہ صلی اللہ علیہ وسلم علی امتہ الخ [2] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۳۳ کتاب التفسیر و مستدرک حاکم ج ۴ ص ۲۳۳ کتاب الذبائح و تفسیر ابن جریر ص ۱۲-۱۶ [3] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۶۷-

مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَاۗىِٕهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ رَبَّكَ

جس وقت ناچار ہو اس کی طرف اور بہت لوگ بہکاتے ہیں اپنے خیال پر بغیر تحقیق تیرا رب ہی

هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ

خوب جانتا ہے جو لوگ حد سے بڑھتے ہیں اور چھوڑ دو کھلا گناہ اور چھپا جو لوگ

يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ

گناہ کرتے ہیں سزا پاویں گے اپنے کئے کی اور اس میں سے نہ کھاؤ جس پر

نے اپنی تفسیر میں کر دیا ہے کہ کوئی آیت ان میں منسوخ نہیں ہے بلکہ پہلی آیت کے عام حکم میں سے مستثنٰے کے طور پر اللہ تعالےٰ نے اہل کتاب کے ذبح کئے ہوئے جانوروں کو مسلمانوں کے لئے حلال فرما دیا ہے[1] اہل کتاب کے ذبح کئے ہوئے جانوروں کا ذکر مفصل سورہ بقرہ اور سورہ مائدہ میں گذر چکا ہے۔ ان آیتوں میں یہ جو فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حرام چیزوں کو تفصیل وار پہلے بیان کر دیا ہے جمہور مفسرین کا یہ قول ہے کہ اس تفصیل سے وہ تفصیل مقصود ہے جو اللہ تعالےٰ نے سورہ مائدہ کی آیت حرمت علیکم المیتۃ (۵-۳) میں فرمائی ہے مگر امام فخر الدین رازی نے اس قول پر یہ اعتراض کیا ہے کہ سورہ مائدہ سب سورتوں سے آخر میں اتری ہے یہ تفصیل تو ایسی کسی آیت میں چاہیے جو سورہ انعام سے پہلے اتری ہو کیونکہ اللہ تعالےٰ نے یہ فرمایا ہے کہ وہ تفصیل پہلے گذر چکی ہے جواب اس اعتراض کا علمائے مفسرین نے یہ دیا ہے کہ جب ترتیب قرآن میں سورہ مائدہ سورہ انعام سے پہلے ہے تو سورہ انعام میں خدا تعالےٰ کا یہ حوالہ دینا کہ حرام چیزوں کی تفصیل سورہ مائدہ میں گذر چکی ہے وہ حوالہ ترتیب کے موافق ہے کیونکہ صحیح روایتوں سے ثابت ہوا ہے کہ یہ ترتیب وہی ترتیب ہے جو ترتیب صحابہ نے آنحضرت سے سنی ہے اور اسی ترتیب کے موافق آنحضرت ہر سال حضرت جبرئیل کو قرآن سنایا کرتے تھے اور حضرت جبرئیل لوح محفوظ کی ترتیب کے موافق آنحضرت سے قرآن سنا کرتے تھے غرض جب لوح محفوظ کی ترتیب میں سورہ مائدہ سورہ انعام سے مقدم ہے تو فقط نزول کے خیال سے کوئی اعتراض کا موقع نہیں ہے ہاں ناسخ منسوخ میں نزول کا مقدم موخر ہونا معتبر ہے ناسخ منسوخ کی یہاں بحث نہیں ہے اگرچہ ترمذی نے اس شان نزول کی روایت کو حسن غریب کہا ہے[2] لیکن اس روایت کی کئی سندیں ہیں جس کے سبب سے ایک سند کو دوسری سند سے تقویت ہو جاتی ہے حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ حرام حلال کی تفصیل جب سورۂ مائدہ میں معلوم ہو چکی ہے تو پھر ہر ایمان دار آدمی کو چاہیے کہ اس کی پابندی کرے اور مردار کھانے والے لوگ جو حد شرع کے خود بھی پابند نہیں ہیں اور دوسروں کو بھی بہکانا چاہتے ہیں ان کی پیروی سے بچے کیونکہ ایسے لوگوں کا حال اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے وقت مقررہ پر علم الٰہی کے موافق وہ لوگ اپنی اعمال کی سزا بھگتیں گے پھر فرمایا کچھ حرام حلال جانوروں پر ان لوگوں کا حد سے بڑھ جانا منحصر نہیں ہے بلکہ سوا شرک کے ان لوگوں میں کھلی اور چھپی اور باتیں بھی حد سے بڑھ جانے کی ہیں مثلاً کھلم کھلا طواف کے وقت ننگے ہو جانے کو اور چھپ کر بدکاری کرنے کو یہ لوگ کچھ گناہ نہیں سمجھتے اس لئے ہر ایمان دار کو چاہیئے کہ ان

[1] تفسیر ابن جریر ج ۸ ص ۱۷ [2] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۳۳ کتاب التفسیر۔

يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ

نام نہ لیا اللہ کا اور وہ گناہ ہے اور شیطان دل میں ڈالتے ہیں اپنے رفیقوں کے

لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ

کہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کا کہا مانا مشرک ہوئے بھلا ایک شخص کہ مردہ تھا پھر ہم نے اسکو زندہ کیا

مشرکوں کے کھلے اور چھپے اور گناہوں سے بھی پرہیز کرے تاکہ قیامت کے دن ان کی طرح ان گناہوں کی سزا مسلمان شخص کو نہ بھگتنی پڑے۔ پھر فرمایا جس جانور پر ذبح کے وقت اللہ کا نام نہ لیا جاوے ہر ایمان دار کو چاہئے کہ ایسے جانور کا گوشت نہ کھاوے کیونکہ ایسے جانور کا گوشت کھانا گناہ ہے۔ پھر فرمایا جو کوئی اللہ تعالےٰ کے اس حکم کو نہ مانے گا اور بہکانے والوں کے بہکا دے میں آن کر مردار جانور کا گوشت حلال کے طور پر کھانے میں ان مشرکوں کا شریک حال بن جاوے گا وہ بھی مشرکوں کا ساتھی کہلا دیگا کس لئے کہ وہ ایسا شخص ہے جس نے اللہ تعالےٰ کے حکم کو چھوڑ کر مشرکوں کا کہنا مانا۔ یہ ذکر مردار جانور کے حلال کے طور پر بغیر لاچاری کی حالت کے کھانے کا ہے لاچاری کی حالت کا حکم سورہ بقرہ اور سورہ مائدہ میں گذر چکا ہے اس لئے ان آیتوں میں لاچاری کی حالت کو الا ما اضطررتم الیہ فرما کر مستثنےٰ کر دیا امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ممالم یذکر اسم اللہ علیہ کی تفسیر مردار جانور کی فرمائی ہے[1]۔ آیت کی شان نزول کی روایت جو اوپر گذری اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مردار جانور کے جھگڑے پر یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں اس واسطے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ تفسیر شان نزول کے موافق اور نہایت صحیح ہے۔ بعضے مفسروں نے مسلمانوں کے ذبح کئے ہوئے ان جانوروں کو بھی آیت کی تفسیر ٹھہرایا ہے جن جانوروں کے ذبح کے وقت عمداً یا سہواً بسم اللہ اللہ اکبر نہ کہا ہو مگر حافظ ابو جعفر ابن جریر نے اس تفسیر کو صحیح نہیں قرار دیا[2]۔ مسلمان شخص کا ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کا کہنا فرض ہے یا سنت اس میں سلف کا اختلاف ہے جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے۔ صحیح بخاری نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے[3] جسکا حاصل یہ ہے کہ بعضے نومسلم لوگوں نے کچھ گوشت تحفہ کے طور کا صحابہ کے پاس بھیجا ان صحابہ نے حضرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ذکر کیا کہ ان نومسلم لوگوں کی حالت سے ہم کو شبہ پڑتا ہے کہ انہوں نے ذبح کیوقت اللہ کا نام لیا یا نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس گوشت کے کھاتے وقت تم بسم اللہ کہہ کر اس کو کھا لو[4]۔ اب یہیں تو سب علماء متفق ہیں کہ کھانے کے وقت بسم اللہ کا کہنا سنت ہے اس لئے ذبح کے وقت کی بسم اللہ بھی سنت ٹھہرے گی کیونکہ سنت فرض کے قائم مقام نہیں ہو سکتی اس حدیث اور اس کے متعلق اس تقریر کو پیش کر کے بعضے علماء نے ذبح کے وقت بسم اللہ کے سنت ہونے کے مذہب کو ترجیح دی ہے[4]۔

۱۲۲- اگرچہ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرت عمرؓ اور ابو جہل کی شان میں اور بعضوں نے کہا ہے کہ حضرت امیر حمزہؓ اور ابو جہل کی شان میں اتری ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ زمانہ شروع اسلام سے قیامت تک ہر مسلمان اور کافر کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے[5]۔ جس میں اللہ تعالےٰ نے مسلمان کی مثال ایک ایسے شخص زندہ کی دی ہے

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۶۹ [2] تفسیر ابن جریر ج ۸ ص ۱۶ عبارت یہ وما من قال عنی بذلک ما ذبحہ المسلم فنسی ذکر اسم اللہ فقول بعید من الصواب لشذوذہ [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۲۸ باب ذبیحۃ الاعراب ونحوہم و سنن ابن ماجہ ص ۲۳۲ باب التسمیۃ عند الذبح [4] پوری تفصیل کیلئے دیکھئے تفسیر ابن کثیر۔

وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ

اور دی اس کو روشنی کہ لئے پھرتا ہے لوگوں میں بھلا اس کے کہ جس کا حال یہ ہے اندھیروں میں پڑا وہاں سے

کہ زندہ ہونے کے سبب سے جس کے حواس قائم ہیں اور اندھیرے سے بچنے کے لئے اس کے پاس روشنی ایمان کی ہے ضرر کی چیز کو اجالے کے وقت آنکھوں سے اور اندھیرے کے وقت روشنی سے دیکھتا اور ضرر سے بچتا ہے اور کافر کی مثال ایسے شخص کی دی ہے کہ مردہ ہونے کے سبب سے نہ اس کی آنکھیں ہیں اور نہ اس کے پاس کسی طرح کی روشنی ہے اس لئے دنیا میں تو وہ اپنے آپ کو سمجھتا ہے کہ وہ اچھے کام کر رہا ہے لیکن آخرت کے ضرر سے بچاؤ کا اس کے پاس ذریعہ نہیں ہے حاصل یہ ہے کہ اس حالت میں تو مومن کافر سب یکساں ہیں کہ ان سب کو اللہ تعالیٰ نے نیست سے ہست کیا اب ان سب کے پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کے موافق اگرچہ جان لیا تھا کہ دنیا میں پیدا ہونے اور نیک و بد کا اختیار دیئے جانے کے بعد کس قدر لوگوں کا انجام نیک ہو گا اور کس قدر کا بد چنانچہ صحیح بخاری اور مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک و بد کے لحاظ سے ہر ایک شخص کا ٹھکانہ بھی جنت یا دوزخ میں لکھا جا چکا ہے[۱] اس کے بعد یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انصاف کی راہ سے جزا و سزا کا مدار اپنے اس علم ازلی پر نہیں رکھا بلکہ سب کو ایک حالت پر پیدا کیا چنانچہ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ہر بچہ کی فطرت اسلام پر پیدا ہونے کی ابو ہریرہؓ کی حدیث[۲] گذر چکی ہے اس فطرت اسلام پر پیدا کرنے سے پہلے عالم ارواح میں سب کی روحوں پر ہدایت کا نور چھڑکا لیکن جو لوگ پیدا ہونے کے بعد بد انجام رہنے والے تھے ان کی روحوں پر اس نور کا اثر عالم ارواح میں کچھ نہ ہوا چنانچہ مسند امام احمد ترمذی وغیرہ کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو عالم ارواح میں پیدا کیا تو سب مخلوقات جہالت اور خواہشات نفسانی کے اندھیرے میں تھی اللہ تعالیٰ نے ان سب پر ہدایت کا نور چھڑکا جن روحوں پر اس نور کا اثر ہوا وہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد نیک[۳] سے لگ گئے اور جن روحوں پر اس نور کا کچھ اثر نہ ہوا وہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد انبیاء کی نصیحت کے منکر اور گمراہی کے کاموں میں عمر بھر گرفتار اور انہی کاموں کو اچھا جانتے رہے ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے[۴] مسند امام احمد کی سند بھی معتبر ہے۔ صحیح بخاری مسلم ترمذی ابوداؤد نسائی صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم میں ابو ہریرہؓ کی روایتیں ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ طرح طرح کی خواہشات نفسانی سے گھرا ہوا ہے اور جنت طرح طرح کی تکلیفات شرعیہ سے گھری ہوئی ہے[۵] خواہشات نفسانی سے مقصود دنیا کی وہ راحت و آرام کی چیزیں ہیں جن کی شریعت میں مناہی ہے اور تکلیفات شرعیہ سے مقصود ان خواہشات سے بچ کر ان باتوں کو بجا لانا ہے جن کے بجا لانے کا شریعت میں حکم ہے مطلب یہ ہے

[۱] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۳۸ تفسیر سورۃ اللیل و صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۲ کتاب القدر [۲] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۵ باب ما قیل فی اولاد المشرکین و صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۶ باب معنیٰ کل مولود یولد علی الفطرۃ الخ [۳] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۷۴ [۴] جامع ترمذی ج ۲ ص ۹۳ باب افتراق ہذہ الامۃ و تنقیح الرواۃ ج ۱ ص ۲۶ [۵] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۸ کتاب الجنۃ و صفۃ نعیمہا واہلہا و جامع ترمذی ج ۲ ص ۸۰ باب ما جاء حفت الجنۃ بالمکارہ و سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۶۵۲ باب خلق الجنۃ والنار۔

بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا

نکل نہیں سکتا اسی طرح بھلا دکھایا ہے کافروں کو جو کام کر رہے ہیں اور یوں ہی رکھے ہیں ہم نے

کہ خواہش نفسانی کی پابندی گویا دوزخ میں جانے کا راستہ ہے اور تکلیفات شرعیہ کی پابندی جنت کا راستہ ہے۔ یہ سب حدیثیں آیت کی گویا تفسیر ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک و بد دو طرح کے لوگ دنیوی حالت کے موافق جو آیت میں ذکر کئے گئے ہیں اگرچہ یہ سب فطرت اسلام پر پیدا ہوئے لیکن عالم ارواح میں جن روحوں پر خواہش نفسانی کا اندھیرا چھایا رہا وہ روحیں جسموں میں آنے کے بعد بھی عمر بھر اس اندھیرے میں پھنسی رہیں اور دوزخ کا راستہ ان کے گلے کا ہار رہا اور اس عالم ارواح کے اندھیرے کے سبب سے ان کو اس راستہ کی برائی کچھ نظر نہ آئی اور جن روحوں کو علم ازلی کے موافق عالم ارواح میں نور ہدایت کا حصہ مل گیا تھا انہوں نے اپنی عمر کے آخری حصہ تک اس نور کے طفیل سے کبھی نہ کبھی جنت کا راستہ ڈھونڈ کر نکال لیا۔ صحیح بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی وغیرہ میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سوتے ہوئے آدمی کو صبح کی نماز کے اول وقت شیطان یوں بہکاتا ہے کہ ابھی رات بہت باقی ہے ذرا اور سو جا اس پر اگر آدمی نے شیطان کا کہا مان لیا تو اول وقت کی فضیلت ہاتھ سے جاتی رہی اور اگر اول وقت کی فضیلت کا شرعی حکم اس نے مان لیا تو اس فضیلت کا اجر ہاتھ آ گیا[1]۔ اس مثال میں رات نیند نماز کا اول اور آخر وقت یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں شیطان نے فقط اتنا ہی کیا کہ نماز کے آخری وقت کی برائی کو رات کے باقی ہونے کی زیب و زینت کا برقعہ اوڑھا کر اس سونے والے شخص کو یوں بہکا دیا کہ ابھی نماز کا آخری وقت دور ہے غرض ہر ایک چیز کی پیدائش کے لحاظ سے بعض آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے برے کاموں کی زیب و زینت کی نسبت اپنی ذات پاک کی طرف فرمائی ہے جیسے اس سورہ میں ہے کذلک زینا لکل امۃ عملھم (۶-۱۰۸) اور بعضی آیتوں میں اس زیب و زینت کے ظہور کا سبب شیطان کو ٹھہرا کر یہ نسبت شیطان کی طرف فرمائی ہے جیسے سورۃ النمل میں ہے وزین لھم الشیطان اعمالھم (۲۷-۲۴) لیکن جو تفصیل اوپر بیان کی گئی اس کے موافق ان آیتوں میں کچھ مخالفت نہیں ہے کذلک زین للکافرین ما کانوا یعملون۔ اس آیت میں اگرچہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان نہیں فرمایا کہ ان کافروں کے برے کاموں پر ملمع کر کے ان کو اچھا دکھانے والا کون ہے لیکن اوپر کی تفصیل کے موافق حاصل مطلب یہ ہے کہ تقدیر الٰہی کے طور پر جس طرح نیک لوگوں کو نیک کام اچھے معلوم ہوتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو کام میں لا کر شیطان نے ان کے برے کاموں پر اس طرح کا ملمع کر دیا ہے کہ جال میں پھنسنے والے جانوروں کی طرح ان کو جال میں کا دانہ تو نظر آتا ہے مگر جال نہیں نظر آتا۔

۱۲۳-۱۲۴- معتبر مفسرین سلف مثل مجاہد اور مقاتل نے ان آیتوں کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ولید بن مغیرہ اور ابوجہل نے مکہ کے ناکوں اور راستوں پر کئی آدمی اس غرض سے بٹھا رکھے تھے کہ وہ مکہ کے لوگوں سے اور موسم حج میں جو باہر کے لوگ مکہ کو آتے تھے ان سے آنحضرتؐ کی مذمت کریں اور کہیں کہ یہ شخص جادوگر ہے جھوٹا ہے نبی نہیں ہے اور اسی قدر شرارت پر

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۳ باب عقد الشیطان علی قافیۃ الراس الخ و صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۶۵ باب الحث علی صلوۃ اللیل الخ

فِی کُلِّ قَرْیَۃٍ اَکٰبِرَ مُجْرِمِیْهَا لِیَمْکُرُوْا فِیْهَا ؕ وَمَا یَمْکُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا
ہر بستی میں گنہگاروں کے سردار کہ حیلہ لایا کریں وہاں اور جو حیلہ کرتے ہیں سو اپنے اوپر اور نہیں

یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰیَۃٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَآ
بوجھتے اور جب پہنچی ان کو ایک آیت کہیں ہم ہرگز نہ مانیں گے جب تک ہم کو نہ ملے جیسا کچھ

اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ
پاتے ہیں اللہ کے رسول اللہ بہتر جانتا ہے جہاں بھیجے اپنے پیغام اب پہنچے گی

وقف منزل
وقف لازم

ولید بن مغیرہ نے کفایت نہیں کی بلکہ ایک روز آنحضرت سے آن کر بڑی بحث کی اور کہا کہ اگر نبوت سچی چیز ہوتی تو مجھ کو ہونی چاہئے تھی کہ محمدؐ سے عمر میں بڑا ہوں اور مالدار بھی ہوں اور عرب میں میرا کہنا سننا بھی زیادہ ہے اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیتیں نازل فرما کر دو مطلب بیان فرمائے ایک تو آنحضرت کی یہ تسلی اور تسکین فرمائی کہ ہر نبی کے ساتھ ہر بستی میں پہلے بھی اسی طرح شریر لوگ ہم نے پیدا کئے ہیں تاکہ ان کی شرارت پر کمزوری کے زمانہ تک نبی وقت کو صبر کرنے سے اجر ملے اور آخر کو وہ شریر سرکش غارت ہو جاویں اور انکا غارت ہو جانا اور لوگوں کو عبرت کا سبب ہو اور لوگ دین الٰہی کی طرف رجوع ہوں دوسرے ولید بن مغیرہ نے جو آنحضرت سے بحث کی تھی کہ بجائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت اس کو ہونی چاہئے تھی اس کا جواب یہ دیا کہ جو شخص اللہ کی پیغمبری ادا کرنے کے لائق ہے وہ اللہ کو ہی خوب معلوم ہے۔ معتبر سند سے مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالےٰ نے عالم مثال میں سب خلقت کے دلوں پر نظر فرمائی آنحضرت کے دل کو سزاوار اس خدمت کا پا کر اس خدمت سے سرفراز فرمایا اور جن دلوں کو صحابہ ہونے کا سزاوار پایا ان کو صحابہ بنایا عبداللہ بن مسعودؓ کی اس روایت کی سند کے ابوبکر بن عیاش اور عاصم بن بہدلہ دو راویوں میں اگرچہ بعضے علماء نے کلام کیا ہے لیکن امام احمد نے ان دونوں کو ثقہ کہا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے نبوت اور صحابیت کی قرارداد اللہ کے نزدیک ٹھہر چکی ہے اب ولید بن مغیرہ یا ابوجہل حسد کے طور پر کچھ جدید تمنا کریں تو کیا ہو سکتا ہے اور ان آیات مکیہ میں اخبار غیب کے طور پر جو کچھ فرمایا تھا تھوڑے عرصہ میں وہی ہوا کہ بدر کی لڑائی میں اکثر مکہ کے سرکش غارت ہو گئے اور ان کے غارت ہونے سے بڑی عبرت مکہ میں پھیلی اور فتح مکہ کے بعد کوئی مخالف دین الٰہی مکہ میں باقی نہ رہا علمائے مفسرین نے یہ بھی ان آیتوں کی تفسیر میں لکھا ہے کہ پہلے نبی صاحب شریعت نوحؑ سے لے کر آنحضرت تک انبیاء کے حال پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوت سے پہلے قوم میں جو شخص سربرآوردہ تھا اس کو نبوت اللہ تعالےٰ نے نہیں دی اور ہر نبی کی امت کے لوگ ابتدا میں بلا ثروت لوگ قرار پائے تاکہ یہ دھوکہ لوگوں کو نہ رہے کہ یہ دین الٰہی نہیں ہے بلکہ ثروت دنیاوی کے سبب سے یہ دین پھیل گیا ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی حدیث گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بڑے بڑے مالدار اور صاحب ثروت دوزخیوں کو جب دوزخ میں ڈالا جاوے گا تو دوزخ کے پہلے ہی جھونکے کے بعد

۱؎ تفسیر معالم التنزیل ج ۳ ص ۹۲ ۲؎ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۷۳ و مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۷۔ ۳؎ مجمع الزوائد ص ۱۷۸ ج ۱

أَجْرَمُوا صَغَارٌ عِندَ اللَّهِ وَعَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا كَانُوا يَمْكُرُونَ (۱۲۴)

گنہگاروں کو ذلت اللہ کے ہاں اور عذاب سخت بدلہ حیلہ بنانے کا

فَمَن يُرِدِ اللَّهُ أَن يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ ۖ وَمَن يُرِدْ

سو جس کو اللہ چاہے کہ راہ دے سو کھول دے اس کا سینہ حکم برداری کو اور جس کو چاہے

اللہ کے حکم سے اللہ کے فرشتے ان لوگوں سے پوچھیں گے کہ جس مالداری اور ثروت کے سبب سے تم لوگ دنیا میں عقبیٰ سے غافل رہے اور انبیاء کی نصیحت کو تم نے نہ مانا آج اس عذاب کے آگے تمہیں دنیا کی وہ مالداری اور ثروت کچھ یاد رہے وہ لوگ قسم کھا کر جواب دیویں گے کہ ہم کو دنیا کی وہ مالداری اور ثروت کچھ یاد نہیں[1]۔ یہ حدیث ان آیتوں کی گویا تفسیر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ولید بن مغیرہ ابوجہل وغیرہ اپنی دنیا کی جس مالداری اور ثروت کے غرور میں اللہ کے رسول سے طرح طرح کی مخالفت دنیا میں کرتے رہے اس مخالفت کی سزا میں قیامت کے دن ایسے لوگوں پر جو عذاب ہوگا اس عذاب کے آگے اپنی وہ مالداری اور ثروت ان لوگوں کو بالکل یاد بھی نہ رہے گی اور ان لوگوں کو بڑا پچھتاوا ہوگا کہ ایسی بھولی ہوئی چیز کے غرور میں اس طرح کا سخت عذاب ہم نے اپنے سر کیوں لیا اس لئے فرمایا وما یمکرون الا بانفسھم وما یشعرون جس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کو یہ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ یہ لوگ اللہ کے رسول کے ساتھ جو حیلہ بازیاں کرتے ہیں اس کا وبال ایک دن ان ہی کی جان پر پڑنے والا ہے غرض صغار عند اللہ کی بدر کی ان لوگوں کی حالت اور عذاب شدید بما کانوا یمکرون کی یہ حدیث ان لوگوں کی دنیوی اور آخری حال کی پوری تفسیر ہے ✦

۱۲۵۔ حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ مکہ کے سرکش لوگوں نے اسلام سے روکنے کی تدبیریں جو نکالیں ہیں وہ تقدیر اور ارادہ الٰہی کے مقابلہ میں کچھ کارگر نہ ہوں گی اسی طرح ان سرکشوں کے طرح طرح کے معجزے چاہنے سے مسلمانوں کے دل میں جو یہ تمنا پیدا ہوتی ہے کہ کاش خدا تعالیٰ کی طرف سے جلدی ان معجزوں کا ظہور ہو جاوے تاکہ یہ سرکش لوگ ایمان لے آویں ان کی یہ تمنا بھی کارآمد نہیں کس واسطے کہ یہ دونوں باتیں تدبیرات میں سے ہیں اور کوئی تدبیر تقدیر اور ارادہ ازلی کے مخالف کارگر نہیں ہو سکتی علم ازلی میں جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مشرف باسلام ہونے کے لائق جان کر اس کی تقدیر میں مسلمان ہونا لکھ دیا ہے اس دنیا عالم اسباب میں خود اس کے سبب یوں پیدا ہو جاتے ہیں کہ اللہ کا ارادہ ازلی اس کے اسلام لانے پر قائم ہو جاتا ہے جس کے سبب سے اس شخص کے دل میں ایک نور پیدا ہو جاتا ہے اور نیک باتوں کے اختیار کرنے پر اس کا دل کھول دیا جاتا ہے اسی طرح علم ازلی میں جو شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک نافرمان ٹھہر چکا ہے اس کے راہ راست پر لانے کے لئے ارادہ ازلی قائم نہیں ہوتا اس واسطے اس کے حق میں اس عالم اسباب میں ویسے ہی اسباب پیش آتے ہیں کہ نیک باتوں سے اس کا دل نفرت کرتا ہے اور نیک باتوں کا ماننا اس کو ایسا دشوار ہو جاتا ہے جس طرح ہر انسان کو آسمان پر چڑھنا مشکل ہے اس قسم کی آیتوں سے فرقہ جبریہ نے آدمی کو قضا و قدر کے موافق عمل کرنے پر مجبور خیال کر لیا ہے اور اصل میں انسان قضا و قدر کے سبب سے مجبور نہیں ہے بلکہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد جو کچھ قیامت

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۴ باب فی الکفار۔

اَنْ یُّضِلَّهٗ یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ ؕ

کہ راہ سے بھلادے اس کا سینہ کردے تنگ خفہ گویا زور سے چڑھتا ہے آسمان پر

تنگ ہوگا دنیا کے پیدا ہونے سے ہزارہا برس پہلے اللہ تعالے نے اپنے علم ازلی سے اس سب کو معلوم کر کے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے اسی کا نام قضا و قدر ہے ایک واقعہ کے ظاہر ہونے سے پہلے علم اور تجربہ سے اس واقعہ کا نتیجہ لکھ لینا اور بات ہے اور ایک واقعہ کے ظاہر ہونے سے پہلے کسی کو اس واقع کے کرنے پر مجبور کرنا اور بات ہے اگر یہ شبہ پڑے کہ جب اللہ تعالے کے علم ازلی میں دنیا کے پیدا ہونے کی حالت میں بعضے لوگ گمراہ معلوم ہوئے تھے تو یہ امر کیا اللہ کے اختیار میں نہ تھا کہ ان کو اللہ تعالے نیک خصلت کر کے پیدا کرتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صورت مجبوری کے ایمان لانے کی ہے جس طرح مغرب کی طرف سے سورج نکلنے کے بعد کوئی ایمان لاوے اسی سورت میں آگے آتا ہے کہ اس طرح کا ایمان اللہ کی درگاہ میں مقبول نہیں ہے اس واسطے اللہ تعالے نے اپنے علم ازلی میں جس کی جیسی صلاحیت دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے معلوم کی ویسا ہی اس کو پیدا کیا جن آیتوں میں آگے قضا و قدر اور لوح محفوظ کا ذکر آوے گا وہاں اس بات کی زیادہ صراحت آوے گی چند طریق سے تفسیر عبدالرزاق تفسیر ابن جریر وغیرہ میں روایتیں ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ کے کھول دئیے جانے کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک روشنی آدمی کے دل میں پیدا ہوتی ہے جس سے آدمی دنیا سے متنفر اور عقبیٰ کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور عقبیٰ کی طرف مائل ہو جانے سے شرع کی تکلیفات کی برداشت اس پر آسان ہو جاتی ہے[1]۔ عالم ارواح کے نور کی حدیث جو اوپر گذر چکی ہے اس سے بھی تفسیر عبدالرزاق وغیرہ کی روایتوں کی پوری تائید ہوتی ہے اور ماحصل معنے آیت کے یہ قرار پاتے ہیں کہ اس عالم ارواح کے نور کا ظہور آدمی کے دل میں ہو جاتا ہے جس سے عقبٰی کے کاموں کی گنجائش ایسے شخص کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے یہی مطلب سینہ کے کھولے جانے کا ہے اسی حدیث کے موافق جو روحیں جہالت اور خواہشات نفسانی کے اندھیرے میں رہیں ان کے دل میں عقبٰی کا یقین نہیں اس لئے ان کے دل میں عقبٰی کے کاموں کی گنجایش بھی نہیں۔ یہی مطلب سینہ کی تنگی کا ہے جن لوگوں کے دل میں عقبٰی کا یقین نہیں وہ ذکر الٰہی سے غافل اور دنیا کے کاموں میں ہر وقت مصروف رہتے ہیں اس واسطے ان پر شیطان کا تسلط بھی زیادہ رہتا ہے کیونکہ شیطان تو ذکر الٰہی سے بھاگتا ہے۔ امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہاں رجس کے معنے شیطان کے کئے ہیں[2]۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسےٰ اشعریؓ کی حدیث گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کی نصیحت کی مثال مینہ کی اور اچھے برے لوگوں کی مثال اچھی بری زمین کی فرمائی ہے[3] یہ حدیث گویا اس آیت کی تفسیر ہے کیونکہ آیت اور حدیث کے ملانے سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ جس شخص کے راہ راست پر لانے کیلئے ارادہ ازلی قائم ہو چکا ہے اس کے دل پر قرآن کی نصیحت کا ویسا ہی اثر ہوتا ہے جس طرح اچھی زمین میں مینہ کے پانی کا اثر ہوتا ہے

[1] تفسیر ابن جریر ج ۸ ص ۲۰-۲۱ و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۷۴ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۷۵۔

[3] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸ باب فضل من علم و علّم۔

كَذَٰلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٢٥﴾ وَهَٰذَا صِرَاطُ

اسی طرح ڈالے گا اللہ عذاب یقین نہ لانے والوں پر اور یہ ہے راہ

رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٢٦﴾ لَهُمْ دَارُ

تیرے رب کی سیدھی ہم نے کھول دئے نشان دھیان کرنے والوں کو اُن کو ہے

اور جس شخص کے راہ راست پر لانے کے لئے ارادہ ازلی قائم نہیں ہوا اس کے دل پر قرآن کی نصیحت کا اسی طرح کچھ اثر پیدا نہیں ہوتا جس طرح ناکارہ زمین میں مینہ کا پانی رائگاں جاتا ہے۔ بعضے مفسرین سلف نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالےٰ کا ارادہ دو قسم کا ہے ایک ارادہ تقدیری ہے جس کے موافق نیکی بدی نیک و بد سب کچھ دنیا میں پیدا ہوا ہے۔ اللہ تعالےٰ کے اس ارادہ سے کوئی چیز باہر نہیں ہو سکتی۔ مطلب اس ارادہ کا یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے علم ازلی کی رو سے ہر شخص کے دنیا میں پیدا ہونے کے بعد اس کو نیک و بد جیسا جان لیا تھا ویسا ہی پیدا کیا۔ دوسرا ارادہ شرعی ہے جس کے موافق ہر ایک شریعت میں ہر شخص کو نیکی کرنے کا اور بدی سے بچنے کا حکم ہے اب علم الٰہی میں یہ کھل چکا تھا کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد بعضے لوگ احکام شرعی کے پابند نہ ہوں گے بلکہ ارادہ تقدیری کے موافق وہ جیسے بد پیدا ہوئے ہیں عمر بھر ویسے ہی رہیں گے اور اسی حالت پر مر جاویں گے ایسے ہی لوگوں کی گمراہی کو اللہ تعالےٰ نے قرآن میں کی اکثر آیتوں میں اپنے ارادہ تقدیری کے نتیجہ کے طور پر ذکر فرمایا ہے لیکن اس میں کچھ کسی کو مجبور نہیں کیا کیونکہ اللہ تعالےٰ کا یہ ارادہ تقدیری ان لوگوں کے ان ارادوں کا نتیجہ ہے جن ارادوں پر یہ لوگ اپنے اختیار سے دنیا میں پیدا ہونے کے بعد قائم رہنے والے تھے اس لئے یہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ کسی واقعہ کے ظاہر ہونے کے پہلے تجربہ کی رو سے اس واقعہ کے انجام اور نتیجہ کو لکھ لینا اور بات ہے۔

۱۲۶-۱۲۷- حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے صراط مستقیم کی تفسیر اسلام کی فرمائی ہے اور عبداللہ بن مسعودؓ نے قرآن کی[1] حاصل مطلب دونوں تفسیروں کا ایک ہی ہوتا ہے مشرکین مکہ قرآن کو پچھلے لوگوں کی کہانیاں جو کہتے تھے اور بت پرستی کو اسلام سے بہتر جو بتلاتے تھے اُن کے جھٹلانے کو فرمایا ہے کہ اے رسول اللہ کے قرآن کی اس سورہ اور اور سورتوں کے ذریعہ سے جو احکام دین اسلام کے تم پر نازل کئے گئے یہ وہ دین ہے جس کو آخری زمانہ میں اللہ تعالےٰ نے اپنی رضامندی کا سیدھا راستہ ٹھہرایا ہے اور جن لوگوں کے دل پر اس قرآن کی نصیحت کا اثر پڑتا ہے ان کے لئے اس قرآن کی آیتوں میں حرام حلال عذاب ثواب سب باتوں کی تفصیل موجود ہے پھر فرمایا جو لوگ ان احکام قرآنی کے موافق عمل کریں گے اس عمل کے اجر میں انہیں جنت کے عطا کرنے کا اللہ کفیل اور ضامن ہے۔ قد فصلنا الآیات لقوم یذکرون۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی احکام کی اکثر تفصیل تو خود اللہ تعالےٰ نے قرآن کی آیتوں میں فرما دی ہے اور کچھ تفصیل اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ کر دی ہے مثلاً احکام نکاح میں اتنی تفصیل تو قرآن میں ہے کہ ساتھ کے ساتھ دو بہنوں سے نکاح حرام ہے باقی کی یہ تفصیل اللہ کے رسول نے اللہ کے

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۷

لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ وَيَوْمَ

سلامتی کا گھر اپنے رب کے ہاں اور وہ ان کا مددگار ہے بدلہ ان کے کئے کا اور جس دن

يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ

جمع کرے گا ان کو اے جماعت جنوں کی تم نے بہت کچھ لیا انسانوں سے اور بولے

حکم سے فرمادی ہے کہ جس طرح ساتھ کے ساتھ دو بہنوں سے نکاح حرام ہے اسی طرح ایک عورت اور اس کی پھوپی سے یا عورت اور اس کی خالہ سے ساتھ کے ساتھ نکاح حرام ہے صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس میں اس طرح کے نکاح کے حرام ہونیکا ذکر ہے[1] سورہ نحل میں آ دیگا وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (۱۶-۴۴) جسکا مطلب یہ ہے کہ اے رسول اللہ کے اکثر تفصیل احکام اسلام کی تو قرآن میں موجود ہے رہی باقی کی کچھ تفصیل اس کیلئے اللہ تعالےٰ نے تم کو یہ اجازت دی ہے کہ تم بقدر ضرورت اور تفصیل کر کے ان لوگوں کو قرآن کا مطلب سمجھا دو جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ پورے طور پر احکام اسلامی سمجھنے اور عمل کرنے کے لئے بغیر مدد حدیث نبوی کے ان کو فقط قرآن کافی ہے وہ لوگ گویا نصف وحی کے منکر ہیں کیونکہ معتبر سند سے مسند امام احمد ترمذی ابوداؤد وغیرہ میں مقدام بن معدیکربؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ نے مجھ کو قرآن دیا اور اس کے ساتھ اسی کی مثل حدیث دی ہے[2] مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے دو طرح کی وحی آئی ہے ایک قرآن کی وحی جس میں احکام اسلام بھی ہیں اور اس کی تلاوت اور نماز میں اُس کی قرأت کا بھی حکم ہے اسی قدر دوسری وحی حدیث کی ہے جس میں فقط احکام اسلامی قرآن کی تفصیل اور تفسیر کے طور پر ہیں اب حدیث سے بے پروائی جتلانے والے لوگ اس دونوں قسم کی وحی کے گویا منکر ہیں کیونکہ جب اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کو قرآن کی تفصیل اور تفسیر کی اجازت سورۃ النحل کی آیت میں عطا فرما کر سورہ حشر میں یہ بھی فرمادیا وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (۵۹-۷) تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ حدیث نبوی سے بے پروائی کرنے والے لوگ پورے قرآن کے بھی قائل نہیں ہیں اسیواسطے مقدام بن معدی کربؓ کی حدیث میں پیشین گوئی کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کی بڑی مذمت فرمائی ہے کہ یہ لوگ اپنے گھروں میں تکیہ لگا کر بیٹھنے والے لوگ ہیں کہیں پھر چل کر انہوں نے پورا علم دین حاصل نہیں کیا اس لئے یہ ایسے نادانی کی باتیں کہتے ہیں[3]؛

۱۲۸ جن شیاطینوں کے بہکانے سے بت پرست لوگ دنیا میں بت پرستی کرتے تھے اور جو شیاطین الجن شیاطین الانس کے دل میں طمع کی باتیں لوگوں کے بہکانے کے لئے ڈالتے تھے قیامت کے دن ان سب کو ساتھ کھڑا کیا جاکر جس طرح ذلیل کیا جاویگا مکہ کے بت پرستوں کی تنبیہ کے لئے اس آیت میں اس کا ذکر فرمایا ہے قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ اس کا مطلب یہ ہے کہ بنی آدم کے بہکانے والے شیاطینوں سے قائل کرنے کے طور پر اللہ تعالیٰ یہ پوچھیگا کہ تم نے بہت

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶۶ باب لا تنکح المرأۃ علے عمتہا [2] سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۶۳۲ باب فی لزوم السنۃ و مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ فصل دوسری [3] ایضا مشکوٰۃ۔

اُولِیٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا
ان کے دوستدار انسان اے رب ہمارے کام نکالا ہم میں ایک نے دوسرے سے اور پہنچے اپنے وعدے کو

الَّذِیْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۚ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۗ اِنَّ
جو تونے ہمارا ٹھہرایا تھا فرماویگا آگ ہے گھر تمہارا رہا کرو اس میں مگر جو چاہے اللہ بیشک

رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا
رب حکمت والا خبردار ہے اور اسی طرح ہم ساتھ ملادیں گے گنہگاروں کو ایک دوسرے کا بدلہ

سے بنی آدم کے بہکانے کا وبال اپنے سر لیا یا نہیں۔ شیاطین تو اسکا کچھ جواب نہ دے سکیں گے بہکنے والے بنی آدم فقط یہ کہویں گے کہ ہم اور شیاطین مل جل کر ایک دوسرے سے جیتے جی فائدہ اٹھاتے رہے۔ ہم شیاطین کو مانتے اور ان کی نذر دنیاز کرتے رہے اور یہ ہم کو طمع اور بناوٹ کی باتوں سے بہکاتے اور عقبٰے سے غافل بناتے رہے جس سے ہم ہمیشہ اہل اسلام کے ساتھ جھگڑے کرتے رہے اس کے جواب میں اللہ تعالےٰ فرماویگا اب تم دونوں کی سزا یہ ہے کہ تمہارا ٹھکانا ہمیشہ کے لئے جہنم ہے تفسیر سدی وغیرہ میں اجل کے معنے یہاں موت کے لئے ہیں[1] جس کا مطلب یہ ہے کہ جیتے جی ہمارا اور شیاطینوں کا وہ معاملہ رہا جو ہم نے بیان کیا۔ مسند امام احمد اور مستدرک حاکم کے حوالہ سے ابوسعید خدریؓ کی حدیث گذر چکی ہے[2] جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان نے اللہ تعالےٰ کے روبرو یہ قسم کھائی ہے کہ بنی آدم کے جیتے جی میں ان کو ہر طرح بہکاؤنگا اس سے معلوم ہوا کہ جن مفسرین نے اجل کے معنے یہاں موت کے کئے ہیں وہ اس صحیح حدیث کے موافق ہیں۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ۔ اس کا مطلب حضرت ابی بن کعب اور قتادہ کے قول کے موافق یہ ہے کہ مرنے کی تاریخ سے عذاب قبر ہے اور پھر دوزخ ہے غرض نافرمان لوگوں کے لئے یہ ہمیشہ کا عذاب ہے لیکن دونوں صور کے مابین انکا عذاب قبر موقوف ہوجاوے گا جس سے اس کو کچھ نیند سی آجاوے گی اسی واسطے ہمیشہ کے عذاب میں سے اس مدت کو مستثنےٰ فرمادیا ہے۔ اس کی زیادہ تفصیل سورہ یٰسین میں مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا کی تفسیر میں آوے گی حکیم علیم اسکا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کو ہر ایک کی نیت کا ہر ایک کے عمل کا خوب حال معلوم ہے اس واسطے اس نے اپنے علم کے موافق اپنی حکمت اور تدبیر سے ہر ایک کی سزا و جزا مقرر کی ہے جس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

۱۲۹۔ قتادہ کے قول کے موافق آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ بہکانے والے شیاطین اور بہکنے والے بنی آدم کا جس طرح عام گروہ اوپر کی آیت کے موافق جہنمی قرار پاویگا اسی طرح پھر اس عام گروہ میں سے خاص خاص ٹکڑیاں اس آیت کے موافق چھانٹ چھانٹ کر جہنم میں ڈالی جاوینگی مثلاً بت پرستوں کی ایک ٹکڑی ہوگی تو سورج پرستوں کی دوسری ٹکڑی۔ صحیح بخاری وغیرہ میں ابوسعید خدریؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ کے حکم سے فرشتے یہ پکار کر کہدیویں گے کہ ہر طرح کے مشرکوں کی ایک ایک ٹکڑی الگ الگ ہوجاوے اس پر بت پرستوں کی ٹکڑی

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۷۶۔ [2] ج ۱ ص ۱۶۳ و ج ہذا ص ۱۴۱

يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ

ان کی کمائی کا اے جماعت جن اور انسان کی کیا تم کو نہیں پہنچے تھے رسول تمہارے اندر کے سناتے

عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى

تم کو حکم میرے اور ڈراتے اس دن کے سامنے آنے سے بولے ہم نے مان لیا

الگ ہوجاوے گی اور سورج پرستوں وغیرہ کی الگ[1] اس حدیث سے قتادہ کی تفسیر کی پوری تائید ہوتی ہے۔

۱۳۰۔ علمائے مفسرین نے اس بات میں بڑا اختلاف کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظاہر مضمون آیت کے موافق جن اور انسان دونوں قسم کے رسول آئے ہیں یا رسول فقط انسان ہی آئے ہیں اور ہدایت جن اور انسان دونوں فرقوں کی ان رسولوں کے ذمہ پر رہی ہے رفع اس اختلاف کا یہ ہے کہ پہلے قول کی روایت ضحاک بن مزاحم پر ختم ہوتی ہے اور ضحاک بن مزاحم اگرچہ متقدمین مفسرین میں سے ہیں اور اکثر متاخرین کی تفسیروں میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بواسطہ ضحاک کی روایت کی جاتی ہے لیکن دراصل یہ سلسلہ روایت کا منقطع ہے کس لئے کہ ضحاک بن مزاحم کی ملاقات امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نہیں ہوئی اور دوسرے قول کی روایت مجاہد بن جبیر المقری پر ختم ہوتی ہے مجاہد کی ملاقات حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ہوئی اور مجاہد نے تیس دفعہ قرآن شریف کے سب احکام کی تفصیل سمجھ کر تمام قرآن شریف حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پڑھا اسی واسطے امام شافعیؒ اور امام بخاریؒ اور ائمہ تفسیر کو مجاہد کی تفسیر پر زیادہ اعتماد ہے اور مجاہد کا ہی قول اس باب میں صحیح ہے ابن حبان نے مجاہد کو ضعفاء میں لکھ دیا ہے لیکن علماء نے کہا ہے کہ ابن حبان کے سوا اور کسی کی کتاب الضعفاء میں مجاہد کا نام شریک نہیں ہے اور یحیٰی القطان نے کہا ہے اجمعت الامۃ علی امامۃ مجاھد والاحتجاج بہ جس کا مطلب یہ ہے کہ علماء کے مجمع عام نے مجاہد کو امام اور لائق حجت پکڑنے کے قرار دیا ہے حافظ عمادالدین ابن کثیر نے چند قرآن کی آیتیں اس بات کے ثبوت میں پیش کی ہیں کہ رسول سب انسان ہی ہوئے اور جنات کی ہدایت بھی انہی کے ذمہ پر رہی ہے آخر فیصلہ اس آیت پر کیا ہے کہ وجعلنا فی ذریتھما النبوۃ والکتاب[2] کا وعدہ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے کیا ہے اس سے یہ امر تو یقینی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ سے لے کر آنحضرتؐ تک انسان ہی حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے موافق نبی ہوئے اور حضرت ابراہیمؑ سے پہلے کسی مفسر نے کسی جن کا نبی ہونا نقل نہیں کیا ایک ڈھنگ کی جماعت کو عربی میں معشر کہتے ہیں حاصل مطلب یہ ہے کہ اوپر کی آیت کے موافق بت پرست سورج پرست جن وانس کی جب ٹکڑیاں بن جاویں گی تو انہیں قائل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ کیا اللہ کے رسولوں کی معرفت تمہیں اللہ کا وہ کلام نہیں پہنچا جس میں قیامت کا اور اس دن نافرمان لوگوں کے عذاب میں پکڑے جانے کا ذکر تھا۔ یہ ہر ایک ٹکڑی کے جنات اور انسان اس بات کا اقرار کریں گے کہ اللہ کے رسولوں کی معرفت یا اللہ تیرا ایسا کلام ہم کو بلاشک پہنچا لیکن دنیا کے مال ومتاع نے ہم کو ایسا مغرور کر دیا کہ ہم نے رسولوں کی نصیحت کو

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷-۱۱۰ باب قول اللہ وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ [2] اس آیت کے الفاظ یہ ہیں وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ الآیہ (الحدید)

أَنفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَوٰةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوا عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا

اپنا گناہ اور ان کو بہکایا دنیا کی زندگی نے اور قائل ہوئے اپنے گناہ پر کہ وہ تھے

كَٰفِرِينَ ﴿١٣٠﴾ ذَٰلِكَ أَن لَّمْ يَكُن رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا غَٰفِلُونَ ﴿١٣١﴾

منکر یہ اس واسطے کہ تیرا رب ہلاک کرنے والا نہیں بستیوں کو ظلم سے اور وہاں کے لوگ بے خبر ہوں

وَلِكُلٍّ دَرَجَٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَٰفِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٢﴾ وَرَبُّكَ

اور ہر کسی کو درجے ہیں اپنے عمل کے اور تیرا رب بے خبر نہیں اُن کے کام سے اور تیرا رب

نہیں مانا بلکہ ہم ان کی نصیحت کو جھٹلاتے رہے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو نافرمان لوگ قیامت کے دن اپنی بداعمالی کا انکار کریں گے اُن کے منہ پر مُہر لگائی جا کر اُن کے ہاتھ پیروں سے ان کی بداعمالی کی گواہی ادا کرائی جاوے گی[۱]۔ حاصل یہ ہے کہ جن آیتوں میں بدعمل لوگوں کے بدعملی سے انکار کرنے کا ذکر ہے وہ اس گواہی سے پہلے کا ہے اور یہ اقرار کا ذکر گواہی کے بعد کا ہے دونوں طرح کی آیتوں میں کچھ اختلاف نہیں ہے۔

۱۳۱-۱۳۴۔ اوپر ذکر تھا کہ قیامت کے دن اللہ نافرمان جن وانس سے پوچھے گا کہ کیا اللہ کے رسولوں کی معرفت تمہیں اللہ کا کلام نہیں پہنچا جس میں قیامت کے آنے کا اور اس دن نافرمان لوگوں کے عذاب میں پکڑے جانیکا ذکر تھا ان آیتوں میں فرمایا اے رسول اللہ کے یہ آسمانی کتابیں اور رسول اللہ تعالٰے نے ہمیشہ سے اس لئے بھیجے ہیں کہ اللہ تعالٰے کو ناانصافی کے طور پر کسی بستی کے لوگوں کو غفلت اور بے خبری کی حالت میں غارت کرنا منظور نہیں اسی واسطے اول صاحب شریعت نبی نوح علیہ السلام کی قوم سے لے کر فرعون اور اس کی قوم تک کے لوگوں کو اللہ کے رسولوں کی معرفت اللہ کا کلام پہنچایا گیا جس میں ہر طرح کی نصیحتیں تھیں ان نصیحتوں کے سمجھنے کیلئے پوری مہلت دی گئی باوجود اس کے وہ لوگ اپنی نافرمانی سے باز نہ آئے تو دنیا میں طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک ہو گئے اور عقبٰے میں اپنے عملوں کے موافق جدا سزا پاویں گے کیونکہ اللہ تعالٰی نے ہر ایک کے عملوں کے موافق جزا سزا کے درجے ٹھہرا رکھے ہیں اور کوئی چھوٹا یا بڑا عمل اس کے علم سے باہر نہیں ہے پھر فرمایا نیک عملوں کی ہر شریعت میں تاکید جو کی گئی ہے تو کچھ اس واسطے نہیں کی گئی کہ اللہ کو کسی کے نیک عملوں کی کچھ پرواہ ہے اُسکی ذات تو سب ضرورتوں سے بے پرواہ ہے لیکن ساتھ ہی اس کے یہ بھی ہے کہ جس طرح اس کی صفتوں میں بے پروائی کی صفت ہے اسی طرح رحم کی صفت بھی ہے اسی رحم کی صفت کے موافق اس نے ایک نیکی کا اجر دس سے لے کر سات سو تک اور کبھی اس سے بھی زیادہ ٹھہرایا ہے اس صفت کے موافق اس نے جس طرح پچھلی قوموں کو نصیحت کے سمجھنے کی مہلت دی تھی اس طرح اس نے قریش کو مہلت دے رکھی ہے ورنہ ان کی سرکشی کے لحاظ سے اگر اللہ چاہتا تو اب تک پچھلی قوموں کی طرح ان کو ہلاک کر کے دوسری کسی فرمانبردار قوم کو ان کی جگہ اسی طرح پیدا کر دیتا جس طرح پچھلی قوموں کی ہلاکت کے بعد اُن کو پیدا کر دیا مگر ان کو یہ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ مہلت قیامت کے وعدہ کو نہیں ٹال سکتی اس مہلت میں اگر

[۱] صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۰۹ فصل فی بیان ان الاعضاء منطقۃ شاھدۃ یوم القیامۃ

الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا
بے پرواہ ہے رحم والا اگر چاہے تم کو لے جاوے اور پیچھے تمہارے قائم کرے

يَشَاۗءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۝۱۳۳ۭ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ
جس کو چاہے جیسا تم کو کھڑا کیا اوروں کی اولاد سے جو تم کو وعدہ کیا سو آنے والا ہے

وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝۱۳۴ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ
اور تم تھکا نہ سکوگے تو کہہ لوگو کام کرتے رہو اپنی جگہ میں بھی کام کرتا ہوں

یہ لوگ کچھ سامان اس دن کے عذاب سے بچنے کا نہ کریں گے تو وہ عذاب دنیا کی آفتوں کی طرح نہیں ہے جس سے آدمی کہیں بھاگ کر بچ جاتا ہے اس عذاب سے بھاگنے کی جگہ بھی ان کو کہیں نہ ملے گی۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوذرؓ کی حدیث قدسی اوپر گذر چکی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمام دنیا کے جنات اور انسان نیک ہو جاویں تو ان کی نیکی سے اللہ کی بادشاہت میں کچھ بڑھ نہیں سکتا اور یہ سب بد ہو جاویں تو کچھ گھٹ نہیں سکتا[۱]۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث بھی گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو اپنی رحمت کی صفت ایسی پیاری ہے کہ دنیا بھر کے لوگ اگر گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کو دنیا سے اٹھا کر ان کی جگہ اور گناہ کرنے والی مخلوقات پیدا کرتا اور جب یہ لوگ گناہ کر کے توبہ استغفار کرتے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کی صفت کو کام میں لاکر ان کے گناہوں کو بخش دیتا ہے[۲]۔ پہلی حدیث اللہ تعالیٰ کی بے پروائی کی گویا تفسیر ہے اور دوسری اس کی رحمت کی۔

۱۳۵؎ بعضے مفسروں نے اس آیت کو درگذر کی آیتوں میں شمار کیا ہے اور جہاد کی آیت سے اس آیت کو منسوخ کہا ہے لیکن درگذر کی آیتوں کی یہ شان نہیں ہے جس طرح اس آیت کی شان ہے کیونکہ درگذر کی آیتوں میں اس طرح کی تنبیہ کہاں ہے جیسے اس آیت میں کافروں کو خطاب کر کے آخر کو فرمایا ہے فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ اس لئے صحیح قول یہی ہے کہ یہ آیت تنبیہ عذاب کی ہے جس کا دنیوی ظہور بدر کی لڑائی میں ہوا اور عقبیٰ کے عذاب کا ظہور وقت مقررہ پر ہوگا غرض جہاد کی آیت سے یہ آیت منسوخ نہیں ہے علاوہ اس کے اوپر گذر چکا ہے کہ جہاد کی آیت سے کوئی درگذر کی آیت منسوخ نہیں ہے حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ اوپر کی آیتوں میں پچھلی قوموں کی بربادی کا حال قریش کی مہلت کا حال ان سب باتوں کا حال ذکر فرما کر اس آیت میں فرمایا اے رسول اللہ کے تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ ان سب باتوں کا حال سننے کے بعد بھی تم لوگ اگر اپنی سرکشی سے باز نہیں آتے تو اچھا تم اپنی حالت پر رہو میں اپنی حالت پر رہتا ہوں تھوڑے دنوں میں انجام ہر ایک کا تم کو معلوم ہو جاوے گا مگر اتنی بات یاد رہے کہ جس اللہ نے تم کو تمہاری سب ضرورت کی چیزوں کو پیدا کیا اس کی تعظیم میں تم دوسروں کو جو شریک کرتے ہو یہ بڑے ظلم اور بڑی ناانصافی کی بات ہے اللہ تعالیٰ نے جب تک اپنی بردباری سے تم کو چھوڑ رکھا ہے اس مہلت کو غنیمت جانو ورنہ آخر کو ایسے ناانصافوں کا کبھی کچھ بھلا نہ ہوگا۔ اللہ سچا ہے اللہ کا کلام سچا ہے آیت کے نازل ہونے کے تھوڑے عرصہ کے بعد بدر کی لڑائی کا موقعہ پیش آیا۔ بدر کی لڑائی

[۱]؎ صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱۹ باب تحریم الظلم [۲]؎ صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۵۵ باب سقوط الذنوب بالاستغفار والتوبۃ۔

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (۱۳۵)

اب آگے جان لوگے کہ کس کو ملتا ہے آخر کا گھر مقرر بھلا نہ ہوگا بے انصافوں کا

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ

اور ٹھہراتے ہیں اللہ کا اس کے پیدا کئے کھیتی اور مواشی میں ایک حصہ پھر کہتے یہ حصہ اللہ کا ہے

سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو جتلا دیا تھا کہ اس لڑائی میں بڑے بڑے سرکش قریش میں کے مارے جاویں گے چنانچہ صحیح مسلم کے حوالہ سے انس بن مالکؓ کی حدیث گذر چکی ہے[۱]۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ بدر کی لڑائی کے شروع ہونے سے ایک رات پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش میں کے ان سرکشوں کے نام بتلائے تھے جو اس لڑائی میں مارے جانے والے تھے بلکہ مارے جانے کے بعد جہاں جہاں ان کی لاشیں پڑی تھیں وہ مقامات بھی بتلا دیئے تھے۔ انس بن مالکؓ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ان لوگوں کے مارے جانے کے بعد ان کی لاشوں کو انہیں مقامات پر ہم لوگوں نے پایا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ایک بڑے وبال کے ٹل جانے کی طرح یہ تو ان لوگوں کی دنیا کی موت کا حال ہے جس کی خوشخبری اللہ تعالیٰ نے پہلے سے اپنے رسول کو سنا دی تھی عقبےٰ کا حال ان لوگوں کا یہ ہوا کہ ان کے مرتے ہی سخت عذاب نے ان کو آن گھیرا اور وہ عذاب اللہ کے رسول کو نظر آگیا اسی واسطے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی لاشوں پر کھڑے ہو کر یہ فرمایا کہ اب تو تم لوگوں نے اللہ کے عذاب کا وعدہ سچا پایا چنانچہ مسند امام احمد صحیح بخاری صحیح مسلم میں انس بن مالکؓ وغیرہ سے جو روایتیں[۲] ہیں ان میں اس قصہ کا ذکر ہے یہ حدیثیں آیت کے ٹکڑے اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ کی گویا تفسیر ہیں جن سے مکہ کے نا انصاف مشرکوں کا دین و دنیا کا انجام معلوم ہوتا ہے جو اور مشرکوں کے لئے عبرت کا مقام ہے۔

۱۳۶- مشرکین اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کے تو قائل تھے لیکن رسولوں کے اور مرنے کے بعد پھر جینے کے اور قیامت کے دن کی سزا و جزا کے قائل نہیں تھے اب تو یہ ظاہر ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کو خالق مانے گا اس کو یہ ضرور ماننا پڑیگا کہ اللہ تعالیٰ بڑا صاحب حکمت ہے کیونکہ سب کی آنکھوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جن کی حکمت کے سمجھنے سے بڑے بڑے صاحب حکمت انسان عاجز ہیں مثلاً بڑے سے بڑا صاحب حکمت انسان خود اپنی پیدائش پر غور کرے کہ ایک قطرہ پانی سے اسکی پیدائش کس حکمت سے ہوتی ہے تو اسکی سمجھ سے باہر ایک کارخانہ نظر آویگا پھر اللہ کی قدرت اور حکمت کچھ اسی ایک کارخانہ پر منحصر نہیں ہے اسکی قدرت اور حکمت کے دنیا میں ایسے لاکھوں کارخانے سب کی آنکھوں کے سامنے موجود ہیں باوجود ان سب باتوں کے مشرکین مکہ قیامت کے دن کی سزا و جزا کے جو منکر تھے تو گویا نادانی سے وہ یہ کہتے تھے کہ یہ سب کارخانے بغیر کسی نتیجہ کے یوں ہی کھیل تماشے کے طور پر پیدا کئے گئے ہیں کیونکہ جب دنیا کے ختم ہونے کے بعد دنیا کی نیکی بدی کی جزا و سزا ہی نہیں تو پھر دنیا کا پیدا کرنا ایک کھیل تماشے سے

[۱] ص ۱۲۰ و نیز مشکوٰۃ ص ۵۳۱ باب المعجزات فصل تیسری [۲] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۷ باب عرض مقعد المیت من الجنۃ والنار علیہ الخ و مشکوٰۃ باب حکم الاسراء۔

بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللّٰهِ ۚ وَ
اپنے خیال پر اور یہ ہمارے شریکوں کا سو جو ان کے شریکوں کا ہے سو نہ پہنچے اللہ کی طرف اور

مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿۱۳۶﴾
جو اللہ کا ہے سو پہنچے ان کے شریکوں کی طرف کیا برا انصاف کرتے ہیں

بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے اسی واسطے اس آیت میں اور اس سے آگے کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کی چند رسمیں ایسی بیان فرمائیں ہیں جن سے ان لوگوں کی کمال نادانی معلوم ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انکار حشر کی نادانی کے سوا مشرکین مکہ میں اور باتیں بھی نادانی کی تھیں اور ان لوگوں نے اپنے آپ کو عقل مند جو مشہور کر رکھا تھا وہ ایک غلط شہرت تھی کس لئے کہ ان میں جس کسی کو کچھ عقل تھی وہ دنیا کے بعضے کارخانے دیکھ کر حشر کے اقرار کے کلمات زبان پر لے آتا تھا چنانچہ عبدالمطلب کا ایک قصہ معتبر کتابوں میں ہے کہ انہوں نے ایک ظالم شخص کو ایک عرصہ تک خوشحالی اور تندرستی کی حالت میں جب دیکھا تو قسم کھا کر یہ کہا کہ اس جہان کے علاوہ سزا و جزا کا دوسرا جہان ضرور قائم ہو گا کیونکہ اس ظالم کا بغیر سزا کے رہ جانا ناانصافی ہے جو اللہ کی شان سے بعید ہے۔ مشرکین مکہ نے یہ ایک رسم قرار دے رکھی تھی کہ وہ لوگ اپنی کھیتی کی پیداوار میں سے اور میوے کے پیڑوں کے میووں میں سے اور اپنے چوپاؤں کے ہر جھول کے بچوں میں سے کچھ حصہ تو اللہ کے نام کا ٹھہراتے تھے اور کچھ بتوں کے نام کا۔ اللہ کے نام کا حصہ مسافروں کی مہمان داری اور محتاجوں کی خبر گیری میں خرچ ہوتا تھا اور بتوں کے نام کا حصہ بتوں کی پوجا اور پوجاریوں کے کام میں لگایا جاتا تھا۔ اللہ کے نام کے حصے میں موسم کی خرابی کے سبب سے یا جانوروں میں کچھ آفت آ جانے کے سبب سے کچھ کمی پڑ جایا کرتی تھی تو اس کا معاوضہ نہیں کیا جاتا تھا۔ اگر بتوں کے نام کے حصے میں کچھ کمی پڑ جاتی تھی تو اس کا معاوضہ اللہ کے نام کی چیز سے کر دیا جاتا تھا اسی کو "برا انصاف" فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں اول تو پتھر کی مورتوں کو حصہ دار ٹھہرانے کا کسی طرح کوئی حق نہیں تھا اور پھر حصہ داری بھی ٹھہرائی گئی تو ایسی کہ مسافروں اور محتاجوں کا حق مار کر ان پتھر کی مورتوں کے حصہ کی کمی پوری کی جاتی تھی جس میں اللہ کے نام کی بے توقیری۔ مسافروں اور محتاجوں کی حق تلفی دونوں خرابیاں تھیں۔ یہ ساری خرابیاں اس لئے تھیں کہ یہ لوگ قیامت کے اور اس دن کے جزا و سزا کے قائل نہ تھے ورنہ مسافروں اور محتاجوں کا حق تلف کر کے اپنے عقبےٰ کے اجر کو اس طرح بتوں کی خاطر سے کبھی برباد نہ کرتے یہ مانا کہ پتھر کی یہ مورتیں پچھلے زمانہ کے اچھے لوگوں کی ہیں لیکن جب ان اچھے لوگوں کا جیتے جی یہ مرتبہ نہیں تھا کہ ان کی توقیر اللہ تعالیٰ کی توقیر کے برابر کی جائے تو مرنے کے بعد ان کو یہ مرتبہ کہاں سے حاصل ہو گیا کہ اللہ کے نام کی بے توقیری کی جا کر ان کی مورتوں کے نام کے حصہ کی کمی کو پورا کیا جاوے۔ ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالہ سے شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی حدیث گذر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عقلمند وہ شخص ہے جو عقبےٰ کے اجر کی نیت سے عقبےٰ کا کچھ سامان کر لیوے اور نادان وہ شخص ہے جو جیتے جی عقبےٰ سے غافل رہے اور پھر اللہ سے عقبےٰ کی بہبودی کی امید رکھے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔[۱]

[۱] جامع ترمذی ج ۲ ص ۶۹ ابواب صفۃ القیامۃ و سنن ابن ماجہ ص ۴۴۳ باب ذکر التوبۃ۔

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ

اور اسی طرح بھلی دکھائی ہے بہت مشرکوں کو اولاد مارنی ان کے شریکوں نے کہ

لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ

ان کو ہلاک کردیں اور ان کا دین غلط کریں اور اللہ چاہتا تو یہ کام نہ کرتے سو چھوڑ دے

یہ حدیث آیت کی گویا تفسیر ہے کیونکہ آیت اور حدیث کے ملانے سے یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ مشرکین مکہ کی نادانی تو یہ تھی کہ وہ دنیا کی پیدائش کو بلا نتیجہ خیال کر کے قیامت کے منکر تھے لیکن جو شخص دنیا کے پیدا ہونے کا نتیجہ قیامت کو جان کر قیامت کا اقرار کرے اور پھر قیامت کے سامان سے غافل رہے اس کی نادانی بھی مشرکین مکہ کی نادانی سے کچھ کم نہیں ہے ؛

۱۳۷- اوپر کی آیت میں مشرکین مکہ کی ایک نادانی کا جس طرح ذکر تھا اس آیت میں اسی طرح ان کی ایک اور نادانی کا ذکر ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ قیس بن عاصم تمیمیؓ صحابی کے اسلام لانے سے پہلے ان کے ایک دشمن نے ان پر حملہ کیا اور ان کی بیٹی کو چھین کر لے گیا اس دن سے انہوں نے قسم کھائی کہ آئندہ جو لڑکی ان کے گھر میں پیدا ہوگی وہ اس کو زندہ گاڑ دیا کریں گے۔ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے یہ رسم عرب میں نکالی پھر رفتہ رفتہ اکثر عرب میں یہ رسم پھیل گئی کہ یا تو پیدا ہوتے ہی لڑکی کو ایک گڑھا کھود کر اس میں دبا دیتے تھے یا جب لڑکی کچھ بڑی ہو جاتی تھی تو اس کو جنگل میں لے جا کر کسی کنویں میں ڈال دیتے تھے یہ رسم ایک نادانی کی بات تھی اس لئے مذمت کے طور پر اس کا ذکر اس آیت میں فرمایا۔ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ میں آویگا کہ قیامت کے دن اس جرم کی دریافت ہو کر قاتل کو سزا دی جاوے گی۔ شُرَكَآءُ سے مقصود شیاطین ہیں جنہوں نے لڑکیوں کے قاتلوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈال دیا کہ لڑکیوں کے زندہ چھوڑ دینے سے اسی طرح کی ذلت کے پیش آنے کا اندیشہ ہے جس طرح کی ذلت قیس بن عاصمؓ کو پیش آئی اس وسوسہ کے سبب سے ان لوگوں کو یہ برا کام اچھا معلوم ہونے لگا۔ شیطانی سب وسوسے ایسے ہی ہوتے ہیں جن سے برے کام اچھے نظر آنے لگتے ہیں ناحق قتل کے جرم میں شیاطین اور انسان دونو شریک تھے اس واسطے شیاطینوں کو شُرَكَآءُ فرمایا ہے حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ جس طرح شیاطین نے ان لوگوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈال دیا ہے کہ اگر یہ لوگ اپنے مال میں بتوں کا حصہ ٹھہرا دیں گے تو بت اللہ کے روبرو ان لوگوں کی سفارش کریں گے اسی طرح ان کے دلوں میں یہ وسوسہ بھی ڈال دیا ہے کہ لڑکیوں کے زندہ چھوڑ دینے میں طرح طرح کی ذلت کا اندیشہ ہے اور یہ کام شیاطینوں نے اس لئے کیا ہے کہ یہ لوگ ملت ابراہیمی سے بہک کر اس گناہ کی سزا دوزخ میں بھگتیں جس سے شیطانی جماعت بڑھ جاوے پھر فرمایا اگر اللہ چاہے تو یہ لوگ ایسے کام چھوڑ دیویں لیکن دنیا کو اللہ تعالیٰ نے نیک و بد کے امتحان کے لئے پیدا کیا ہے اس واسطے کسی برے کام سے مجبور کر کے کسی کو باز رکھنا انتظام الٰہی کے برخلاف ہے اس لئے اے رسول اللہ کے ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جاوے۔ ان لوگوں کے جھوٹ کا یہ مطلب ہے کہ یہ لوگ ان نادانی کی باتوں کو ملت ابراہیمی کے مسئلے اور اللہ کے حکم بتلاتے تھے۔ صحیح بخاری وغیرہ میں مغیرہ بن شعبہؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو اللہ تعالیٰ نے تم پر جیتی لڑکیوں کا گاڑ دینا حرام کیا ہے[1]۔ یہ حدیث

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۸۳ باب مایکرہ من کثرۃ السوال الخ

وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿١٣٧﴾ وَقَالُوا هَٰذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَا إِلَّا

وہ جائیں اور اُن کا جھوٹ اور کہتے ہیں یہ مواشی اور کھیتی منع ہے۔ اس کو نہ کھاوے مگر

مَن نَّشَاءُ بِزَعْمِهِمْ وَأَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَأَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُونَ اسْمَ

جس کو ہم چاہیں اپنے خیال پر اور بعضے مواشی کی پیٹھ پر چڑھنا منع ٹھہرایا ہے اور بعضے مواشی کے ذبح پر نام نہیں لیتے

آیت کی گویا تفسیر ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں یہ جو فرمایا کہ ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان لوگوں کا یہ کام سزا کے قابل نہیں ہے بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ اس کام کو اللہ نے حرام کیا ہے جو کوئی اس کے کرنے کی جرأت کرے گا وہ عقبےٰ میں اسی طرح سزا پاوے گا جس طرح اور مناہی کے کاموں کی سزا ہے۔ مسند بزار اور طبرانی میں حضرت عمرؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان ہی قیس بن عاصمؓ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ انہوں نے اسلام لانے سے پہلے اپنی لڑکیوں کو جیتا گاڑا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ قیس تمیں ہر لڑکی کے معاوضہ میں ایک بردہ آزاد کرنا چاہئے قیس نے جواب دیا کہ حضرت میرا مال تو یہی ہے جو میرے پاس اونٹ ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اس صورت میں تم کو ہر لڑکی کے معاوضہ میں ایک اونٹ کی قربانی ضرور ہے[1]۔ اس حدیث۔ مسند بزار کی سند قوی ہے جس سے طبرانی کی سند کو بھی قوت ہو جاتی ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام سے پہلے لڑکی کا مار ڈالنا ایسا گناہ ہے جس کا کفارہ اسلام کے بعد بھی دینا آتا ہے فقط اسلام اس گناہ کے معاف ہو جانے کے لئے کافی نہیں یہ مسئلہ جو مشہور ہے کہ اسلام لانے سے اسلام کے پہلے کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں یہ مسئلہ صحیح ہے کیونکہ اس مسئلہ کی بنیاد بعض صحیح حدیثوں پر ہے مثلاً صحیح مسلم کی عمرو بن العاصؓ کی حدیث[2] اس مسئلہ کی ایک بڑی بنیاد ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کی اس حدیث کے موافق لڑکیوں کے مار ڈالنے کا گناہ اس مسئلہ سے مستثنےٰ رکھا گیا ہے ۔

۱۳۸ اوپر کے سلسلہ میں مشرکین مکہ کی بیاک اور نادانی کا ذکر ہے۔ یہ لوگ کچھ جانوروں کو اور کچھ کھیتی کے حصہ کو بتوں کے نام کا ٹھہرا کر عورتوں پر اس کو حرام کر دیتے تھے فقط بتوں کے پوجاری اور مرد اس کو کام میں لاتے تھے اسی طرح بعضے جانوروں کو بتوں کے نام پر آزاد کر کے چھوڑ دیتے تھے جس کے سبب سے ان پر سواری کا کرنا اور بوجھ کا لادنا حرام ٹھہرا دیا جاتا تھا ان سب باتوں کو یہ لوگ یوں مشہور کرتے تھے کہ دین ابراہیم علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام میں ہم کو اسی طرح ان باتوں کا حکم ہے اس واسطے ہم ان باتوں کو اپنے دین کے موافق کرتے ہیں اس آیت میں تو ان باتوں کا ذکر فرما کر مختصر طور پر فقط اتنا ہی فرمایا کہ ان لوگوں کا یہ کتنا جھوٹ ہے کہ یہ باتیں دین ابراہیمی کے موافق ہیں قیامت کے دن اللہ تعالےٰ ان لوگوں کو ان کے اس جھوٹ کی سزا دیوے گا لیکن سورہ یونس میں تفصیل سے فرمایا ہے فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا (۱۰-۵۹) جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے مردہ جانور کو حلال اور بتوں کے نام کے جانوروں کو اور ان کے نام کی کھیتی کو حرام جو ٹھہرایا گیا ہے یہ اللہ تعالےٰ کے کسی حکم سے نہیں ہے عمرو بن لحی نے یہ باتیں پہلے پہل

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۰۸ و مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۳۴ [2] صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۶، باب کون الاسلام یہدم ما قبلہ الخ

اللّٰہِ عَلَیۡہَا افۡتِرَآءً عَلَیۡہِ ؕ سَیَجۡزِیۡہِمۡ بِمَا کَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ ﴿۱۳۸﴾ وَ قَالُوۡا مَا
اللہ کا اس پر جھوٹ باندھ کر وہ سزا دیگا ان کو اس جھوٹ کی اور کہتے ہیں جو
فِیۡ بُطُوۡنِ ہٰذِہِ الۡاَنۡعَامِ خَالِصَۃٌ لِّذُکُوۡرِنَا وَ مُحَرَّمٌ عَلٰۤی اَزۡوَاجِنَا ۚ وَ اِنۡ
ان مواشی کے پیٹ میں ہو سو نرا ہمارے مرد کھاویں اور حرام ہے ہماری عورتوں کو اور اگر
یَّکُنۡ مَّیۡتَۃً فَہُمۡ فِیۡہِ شُرَکَآءُ ؕ سَیَجۡزِیۡہِمۡ وَصۡفَہُمۡ ؕ اِنَّہٗ حَکِیۡمٌ عَلِیۡمٌ ﴿۱۳۹﴾
مُردہ ہو تو اس میں سب شریک ہوں وہ سزا دے گا انکو ان تقریروں کی وہ حکمت والا ہے خبردار

اپنے دل سے گھڑ لیں اور پھر ان لوگوں میں ان باتوں کا رواج پڑ گیا عمرو بن لحی کا قصہ اوپر گذر چکا ہے کہ پہلے پہل اسی شخص نے ملت ابراہیمی کو بدلا ہے مسند بزار اور مستدرک حاکم میں ابودرداء کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حلال وہی چیز ہے جس کو اللہ تعالٰے نے حلال فرمایا اور یہی حال حرام کا ہے۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور مسند بزار کی سند بھی معتبر ہے[1]۔ یہ حدیث گویا اس آیت کی تفسیر ہے کیونکہ آیت اور حدیث کو ملاکر یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرانے کا حق سوا اللہ تعالٰے کے اور کسی کو حاصل نہیں ہے اس لئے اس حق میں جو کوئی دخل دے گا وہ قیامت کے دن سزا پائے گا۔ اس قسم کی آیتوں کی تفسیر میں علماء نے لکھا ہے کہ حرام حلال اور جائز ناجائز کے فتوے میں مفتی کو بڑی احتیاط کرنی چاہئے کس لئے کہ اس باب میں مفتی سے کوئی بے احتیاطی ہو جاوے گی تو یہ خوف ہے کہ قیامت کے دن ایسے مفتی کا شمار اللہ تعالٰے پر جھوٹ باندھنے والے لوگوں میں نہ ہو جاوے ؛

۱۳۹۔ اوپر کے سلسلہ کے موافق مشرکین مکہ کی یہ ایک اور نادانی ہے۔ اوپر گذر چکا ہے کہ جس اونٹنی کے پانچ جھول بچوں کے پیدا ہو چکتے تھے اس کے کان چیر کر بتوں کے نام پر اس کو یہ لوگ چھوڑ دیتے تھے اور اس کا نام انہوں نے بحیرہ رکھا تھا اسی طرح کسی مراد کی نذر میں جو اونٹنی بتوں کے نام پر چھوڑی جاتی ہے اس کو سائبہ کہتے تھے۔ اب ان لوگوں نے اس رسم میں یہ ایک اور شاخ نکالی تھی کہ بحیرہ اور سائبہ کے پیٹ سے اگر کوئی جیتا بچہ پیدا ہو جاوے تو اس کو انہوں نے عورتوں پر حرام ٹھہرا رکھا تھا اور اگر مردہ بچہ پیدا ہو تو اس کو عورت مرد بل کر کھاتے تھے اوپر کی نادانیوں کی طرح اس نادانی کو بھی یہ لوگ اللہ کا حکم جانتے تھے اس لئے اس نادانی کے ذکر کے بعد فرمایا کہ یہ بات ان کی جھوٹ ہے جس جھوٹ کی سزا ان کو قیامت کے دن دی جاوے گی پھر فرمایا کہ اللہ تعالٰی کی حکمت بہت بڑی ہے اور اس کا علم بہت وسیع ہے اس نے اپنی حکمت اور اپنے علم کے موافق بعضی چیزوں کے حلال اور بعضی کے حرام ہونے کا حکم دیا ہے ان لوگوں نے اللہ تعالٰے کے اس حکم میں دخل دے کر اپنی طرف سے مردہ جانور کو حلال اور بتوں کے نام کے جانوروں کو حرام جو ٹھہرایا ہے یہ ان لوگوں کی بڑی جرأت ہے جس جرأت کی سزا آخر کو یہ بھگت لیویں گے۔ اوپر کی آیت کی تفسیر میں ابودرداء کی حدیث گذری ہے وہ حدیث اس آیت کی بھی تفسیر ہے اور آیت کو اس حدیث کے ساتھ ملانے سے وہی مطلب حاصل ہوتا ہے جو اوپر کی آیت کی تفسیر میں بیان کیا گیا ؛

[1] تفسیر فتح البیان ص۔ ۳ طبع بھوپال و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۳۱ و مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۱۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ

بیشک خراب ہوئے جنہوں نے مار ڈالی اپنی اولاد نادانی سے بن سمجھے اور حرام ٹھیرایا جو اللہ نے انکو رزق

اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ

دیا جھوٹ باندھ کر اللہ پر بے شک بہکے اور نہ آئے راہ پر اس نے پیدا کئے

جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ

ہیں باغ چھتریوں کے اور بغیر چھتریوں کے اور کھجور اور کھیتی کئی طرح ہے اس کا پھل

۱۴۰۔ اوپر کی آیتوں میں مشرکین مکہ کی نادانیوں کا ذکر جو گذرا اس آیت میں گویا اس سب فکر کا نتیجہ بیان فرمایا ہے کہ جنہوں نے اپنی لڑکیوں کو مارا اور اپنے مال کو بتوں کے نام کا ٹھہرا کر اپنے اوپر یا اپنی عورتوں پر اس مال کو حرام قرار دیا تھا وہ دین دنیا کے ٹوٹے میں پڑ گئے کیونکہ لڑکیوں کے مار ڈالنے میں دنیا کا تو یہ ٹوٹا ہے کہ اُن کی اولاد میں کمی ہو گئی اور دین کا اس میں یہ ٹوٹا ہے کہ عقبے میں ان پر قتل ناحق کا جرم قائم ہوگا۔ اپنے مال کو انہوں نے بتوں کے نام کا ٹھہرا کر اپنے اوپر جو اُس مال کو حرام قرار دیا اس سے دنیا میں تو اپنی گرہ کا مال کھویا اور زبردستی حق اللہ میں دخل دے کر اللہ کے رزق کو حرام ٹھہرانے کا دبال قیامت کے دن ان کو بھگتنا پڑے گا اسی واسطے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ اسلام سے پہلے عرب کی نادانی کا حال جو کچھ تھا وہ اس آیت سے خوب روشن ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول بخاری کی کتاب مناقب قریش میں ہے[۱] پھر فرمایا شیطان کے بہکانے سے یہ لوگ ان باتوں کو دین ابراہیمی کے مسئلے خیال کر کے اپنے آپ کو راہ راست پر جو گنتے ہیں یہ اُن کی بڑی غلطی ہے بلکہ ان شرک کی باتوں سے اللہ تعالے کے نزدیک یہ لوگ سراپا گمراہی میں پھنسے ہوئے ہیں معتبر سند سے طبرانی کبیر میں ابی شریح خزاعی کی حدیث ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وعظ میں فرمایا جو شخص قرآن شریف کی نصیحت کا پابند ہے گا وہ کبھی خراب نہ ہوگا[۲]۔ یہ حدیث گویا آیت کی تفسیر ہے کیوں کہ آیت اور حدیث کو ملانے سے یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ جس طرح اس وقت کے مکہ کے لوگ قرآن شریف کی نصیحت کو چھوڑ کر اپنی رسموں کے پابند تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے لوگ خراب ہوئے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایسے لوگوں کی عقبے برباد ہو گئی اسی طرح اب بھی جو کوئی شخص قرآن شریف کی نصیحت کے برخلاف کسی رسم و رواج کا پابند ہے گا تو اُس کی عقبے برباد ہو جاوے گی؛

۱۴۱۔ اوپر ذکر تھا کہ مشرکین مکہ اپنی کھیتی کی پیداوار میں اور پھل دار درختوں کے پھل میں بتوں کا حصہ ٹھہراتے تھے اس آیت میں ان لوگوں کے یاد دلانے کے طور پر اللہ تعالے نے انہیں یہ جتلایا ہے کہ کھیتی کی پیداوار پھل دار درختوں کے پھل یہ سب اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزیں ہیں ان مشرکوں کے بتوں کا اس میں کچھ دخل نہیں ہے پھر ان لوگوں کی یہ بڑی نادانی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں بغیر کسی استحقاق کے یہ لوگ پتھر کی مورتوں کا حصہ ٹھہراتے ہیں اللہ تعالے نے یہ چیزیں انسان کے کھانے اور ان کے پیدا کرنے والے کو پہچاننے کے لئے پیدا کی ہیں پتھر کی مورتوں کا حصہ ٹھہرانے کے لئے یہ چیزیں اس نے نہیں پیدا کی ہیں۔ انگور کی بیلیں چھتریوں پر چڑھائی جاتی ہیں اس لئے چھتری دار فرمایا۔ بعضے

[۱] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰۰ باب جہل العرب [۲] مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۶۹۔

وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۚ كُلُوا مِنْ ثَمَرِهٖٓ

اور زیتون اور انار آپس میں ملتا اور جُدا کھاؤ اس کے پھل میں سے

اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا

جس وقت پھل لاوے اور دو اسکا حق جس دن کٹے اور بے جا نہ اڑاؤ اس کو

آم انگور انار صورت اور مزہ دونوں میں ملتے جلتے ہوتے ہیں اور بعضوں کی صورت ملتی جلتی ہوتی ہے لیکن مزہ الگ ہوتا ہے اور بعضوں کی صورت مزہ دونوں الگ الگ ہوتے ہیں اس لئے پھلوں اور پتوں کو آپس میں ملتے اور جدا فرمایا۔ حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے لوگو اللہ کی ذات وہ ہے جس نے تمہاری زیست کا تمہارے آرام کا یہ سب سامان پیدا کیا پھر ایسے خالق کو چھوڑ کر تم اوروں کو جو اس کی تعظیم میں شریک کرتے ہو یہ بڑے وبال کی بات ہے بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث گذر چکی ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ بڑی بردباری ہے جو مشرک لوگوں کے رزق میں وہ کچھ خلل نہیں ڈالتا[1]۔ یہ حدیث کا ٹکڑا آیت کے اس ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے آیت کے ٹکڑے اور حدیث کے ٹکڑے کو ملانے سے یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں اگرچہ لوگ شیطان کا حصہ ٹھہراتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنی بردباری سے ان چیزوں کے پیدا کرنے کو بدستور جاری رکھتا ہے۔

شاہ صاحب نے موضح القرآن میں بلا بیان کرنے حد نصاب کے جو کھیتی کی زکوٰۃ بیان فرمائی ہے وہ حنفی مذہب کے موافق ہے[2] لیکن اور ائمہ کے نزدیک پانچ وسق کی حد نصاب مقرر ہے جو بیس من پانچ سیر عالم گیری پیسوں کے حساب سے ہے یہ پیسہ چودہ ماشہ کا ہوتا ہے حاصل مطلب یہ ہے کہ سوائے حنفی مذہب کے اور مذاہب میں بیس من سے کم پیداوار پر زکوٰۃ نہیں ہے مسند امام احمد صحیح بخاری و مسلم میں جابرؓ اور ابوسعید خدریؓ سے جو روایتیں ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ پانچ وسق سے کم پیداوار پر زکوٰۃ نہیں ہے[3] اور سوا گیہوں، جو، کھجور، انگور، جوار کے اور پیداوار کی زکوٰۃ میں بھی اختلاف ہے تفصیل اس کی فقہ اور حدیث کی شرح کی کتابوں میں ہے[4] اس آیت کو بعضے مفسروں نے عشر کے حکم سے منسوخ کہا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ عشر کا حکم اس آیت کا بیان ہے ناسخ نہیں ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ جس طرح بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ یہ آیت مکی ہے اس کو قائم رکھا جاوے اگر اس روایت کو لیا جاوے جو ابن جریر اور ابن جوزی نے اپنی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بیان کی ہے کہ یہ آیت مدنی ہے کھیتی کی زکوٰۃ اسی حکم سے ثابت ہوئی ہے[5]۔ تو آیت اٰتوا الزکوٰۃ کے بیان کے طور پر کھیتی کی زکوٰۃ اسی آیت کے حکم سے ثابت ہوگی اور حدیث پانچ وسق سے نصاب زکوٰۃ اور بیسویں حصہ اور دسویں حصہ سے مقدار زکوٰۃ معین ہوگی کہ محنت سے کھیتی کو پانی دیا جاوے تو پیداوار کا بیسواں حصہ زکوٰۃ ہے ورنہ دسواں حصہ ناسخ ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۹۰ باب قول اللہ تعالیٰ انا الرزاق ذو القوۃ المتین [2] یعنی امام ابوحنیفہ کا قول ہے مگر قوت دلیل کے باعث امام ابویوسف اور امام محمد بھی ائمہ ثلاثہ کے ہم نوا ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب کا رجحان اسی طرف ہے حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۴۳ [3] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۱ باب لیس فیما دون خمسۃ اوسق صدقۃ و صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۱۵-۳۱۶ کتاب الزکوٰۃ [4] نیل الاوطار ج ۴ ص ۲۰۱-۲۰۵ حکم زکوٰۃ الخضراوات [5] تفسیر ابن جریر جز ۸ ص ۳۹

يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿۱۴۱﴾

خوش نہیں آتے اڑانے والے

تفسیر ابن جریر میں ابن جریج سے روایت ہے کہ ثابت بن قیس کے پانسو کھجور کے درخت تھے انہوں نے ایک روز میں سب ان درختوں کا پھل خیرات کر دیا اس پر لَا تُسْرِفُوا کا ٹکڑا اس آیت کا نازل ہوا[1] بعضی روایتوں میں یہ شان نزول حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی آئی ہے مجاہد نے کہا ہے کہ ثابت بن قیس نے اپنی اہل و عیال کا خرچ نہیں رکھا تھا اس لئے ان کی خیرات اسراف میں داخل ہوئی جن کا حق اللہ تعالےٰ نے آدمی پر رکھا ہے اُس حق کو محفوظ رکھ کر ایک روز میں احد پہاڑ کے برابر سونا بھی کوئی شخص خیرات کر دے تو کچھ اسراف نہیں ہے مسند امام احمدؒ صحیح مسلم اور نسائی میں جابرؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو پیداوار قدرتی پانی سے ہو اس پر دسواں حصہ اور جس کو محنت کر کے پانی دیا جائے اس پر بیسواں حصہ زکوٰۃ ہے[2]۔ زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی اس لئے جو علماء اس آیت کو مکی کہتے ہیں وہ زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ کے فرض ہونے کا حکم سورہ بقر کی آیت وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ [۲: ۲۶۷] کو قرار دے کر جابرؓ کی اس حدیث سے مقدار زکوٰۃ کی تفسیر کرتے ہیں لیکن سورہ بقرہ میں وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ کی شان نزول معتبر سند سے جو گذر چکی ہے اس سے وہ آیت نفلی صدقہ خیرات کے باب میں معلوم ہوتی ہے کیونکہ فرض زکوٰۃ کے وصول کے لئے تو عامل مقرر تھے پھر عاملوں کی موجودی میں بیکار اور بری چیز کا فرض زکوٰۃ میں وصول ہونا اور اس پر آیت کا نازل ہونا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے علاوہ اس کے سورہ بقر کی آیت میں صدقہ خیرات کے ذکر کے ساتھ نذر کا بھی ذکر ہے اب یہ تو ظاہر ہے کہ جس طرح آدمی نذر اپنی طرف سے مانتا ہے اسی طرح نفلی صدقہ خیرات اپنی طرف سے دیتا ہے اسی سبب سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ نذر کی مناسبت سے اس آیت میں نفلی صدقہ خیرات کا ذکر ہے اور امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق یہ آیت مدنی اور اسی سے پیداوار زمین زکوٰۃ فرض ہوئی ہے اور حضرت جابرؓ کی حدیث اسی آیت کی تفسیر ہے۔ معتبر سند سے مستدرک حاکم اور بیہقی میں ابو موسےٰ اشعریؓ اور معاذ بن جبلؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو یمن بھیجتے وقت یہ فرمایا کہ سوا گیہوں، جو، انگور، اور کھجور کے اور کسی پیداوار پر زکوٰۃ نہ لی جاوے[3] اس سے ان علماء کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے جو ترکاری کی پیداوار پر عشر کے قائل نہیں ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں مزروعہ زمین کی دو قسمیں تھیں ایک زمین تو وہ تھی کہ زمین کے قابض کو اس زمین کا مالک کر دیا جاتا تھا اب ایسی زمین کو اگر صرفہ اور محنت سے پانی دیا جاتا تھا تو پیداوار کا بیسواں حصہ اور اگر قدرتی پانی سے پیداوار ہو جاوے تو پیداوار کا دسواں حصہ زکوٰۃ کی یہ دو شرح مقرر تھیں فتح یمن کے بعد اس ملک کی تمام زمینوں کی یہی حالت تھی ان دونوں شرحوں کا نام نصف عشر اور عشر تھا جس کا ذکر حضرت جابرؓ کی حدیث میں اوپر گذرا ان زمینوں کے قابضوں سے سوا عشر

[1] تفسیر ابن جریر ج ۸ ص ۵۴ [2] منتقی الاخبار باب زکوٰۃ الزرع والخارج ج ۲ ص ۱۳۱ طبع مصر [3] نیل الاوطار ج ۴ ص ۱۴۰ طبع منیریہ مصر۔
[4] اس تقسیم میں اجمال ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب الاموال ص ۵۵ – ۹۴ – والمنتقی ج ۲ ص ۵۷۹ – ۵۹۳ وغیرہ۔

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾

اور پیدا کئے مواشی میں لدنے والے اور دبے کھاؤ اللہ کے رزق میں سے اور مت چلو شیطان کے قدموں پر وہ تمہارا دشمن ہے صریح ؏

یا نصف عشر کے اور کوئی محصول نہیں لیا جاتا تھا۔ دوسری قسم زمین کی وہ تھی کہ قابض زمین کو زمین کا مالک قرار دیا جاتا تھا اور ایک معین حصہ پیداوار کا خراج کے نام سے ٹھہرایا جا کر زمین مزروعہ کرائی جاتی تھی نجران وغیرہ کی زمینیں اسی قسم کی تھیں ان زمینوں کے قابضوں سے سوائے بٹائی کی پیداوار کے اور کچھ نہیں لیا جاتا تھا اس سے معلوم ہوا کہ حاکم وقت کے عہد میں جس زمین پر بٹائی کی پیداوار کے قائم مقام نقدی محصول مقرر ہے اس زمین سے عشر یا نصف عشر نہیں لیا جا سکتا کیونکہ زمانہ حال کا محصول وہی زمانہ سلف کا خراج ہے جس کو نقدی کی صورت میں کر لیا گیا ہے اور جبکہ زمانہ سلف میں خراج اور عشر کا ملا کر لیا جانا پایا نہیں جاتا[1] تو اب بھی ان دونوں کو ملانا شارع کے عندیہ کے برخلاف ٹھہریگا بعضے علماء نے اس مسئلہ میں یہ جو لکھا ہے کہ اس وقت کے خراج کی رقم اسلامی مصارف میں آتی تھی اور محصول کی رقم کے مصارف جدا ہیں اس لئے خراج اور محصول کو ایک نہیں کہا جا سکتا اسکا جواب اور علماء نے یہ دیا ہے کہ یہاں حاکمانہ مصارف سے بحث نہیں ہے بلکہ قابضان زمین کے مصارف سے بحث ہے اور اس میں انکار کا بالکل محل نہیں کہ قابض زمین پر جس طرح خراج کی ادائی کا بار تھا اس سے زیادہ محصول کی ادائی کا بار اس بیچارہ پر ہے[2] پھر جب شارع نے عشر کے نصف کر دینے میں قابض زمین کی محنت اور مصارف کا لحاظ رکھا ہے تو اب بھی اس کے محصول کے بار کا لحاظ ضرور ہے کیونکہ بغیر اس لحاظ کے قطع نظر عشر اور خراج جمع ہو جانے کے بعضے ایسے کھیتوں پر بھی عشر قائم ہو جاویگا جن کی پیداوار محصول کی منہائی کے بعد حد نصاب سے کم ہو گی ؏

۱۴۲ اسورہ یٰس میں آویگا اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَھُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَآ اَنْعَامًا فَھُمْ لَھَا مٰلِکُوْنَ وَذَلَّلْنٰھَا لَھُمْ فَمِنْھَا رَکُوْبُھُمْ وَمِنْھَا یَاْکُلُوْنَ (۳۶: ۷۱-۷۲) سورہ یٰس کی یہ آیت گویا اس آیت کی تفسیر ہے حاصل مطلب ان دونوں آیتوں کا یہ ہے کہ بغیر کسی مدد اور شراکت کے اللہ تعالٰے نے دنیا بھر کے جانور دو فائدوں کے لئے پیدا کئے ہیں بعضے جانوروں سے سواری اور اسباب کی باربرداری کا فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور بعضوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت کھایا جاتا ہے ذبح کرنے کے جانوروں کو زمین پر لٹا کر ذبح کیا جاتا ہے اس لئے ان کو فرش کی طرح دبے اور بچھے ہوئے جانور فرمایا حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالٰے

[1] زمانہ سلف میں "خراج" کو زمین کا حق اور عشر کو پیداوار کا حق یعنی دونوں کی الگ الگ حیثیت قرار دی جاتی تھی۔ حضرت عمر بن عبد العزیز سے پوچھا گیا کہ کسی مسلمان کو "خراج" اگر دینا پڑے تو کیا عشر بھی اس کے ذمہ واجب ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں! الخراج علی الارض والعشر علی الحب (کتاب الاموال ص ۸۸) سوائے حنفیہ کے باقی تمام سلف کا یہی مسلک ہے (کتاب الاموال ص ۸۸ — ۸۹ والمغنی ج ۲ ص ۵۹۰ و ج ۳ ص ۵۷) [2] پیداوار کے حصول میں "بار" کو شریعت میں ملحوظ رکھا گیا ہے "زمین" کا معاملہ بقول عمر بن عبد العزیز بالکل الگ ہے۔ علاوہ ازیں برصغیر کے مالیہ یا آبیانہ کو عہد سلف پر قیاس بجائے خود محل نظر ہے ان کی وجہ سے شریعت کے حق پیداوار کو ساقط نہیں کیا جا سکتا لہذا صحیح بات یہی ہے کہ ہمارے ہاں کی زمینوں کی پیداوار میں عشر یا نصف عشر فرض ہے (ع۔ر)

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ قُلْ آٰلذَّكَرَيْنِ

پیدا کئے آٹھ نر اور مادہ بھیڑ میں سے دو اور بکری میں سے دو پوچھ تو دونوں نر

حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ

حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ یا جو لپیٹ رہا ہے مادوں کے پیٹ میں بتاؤ مجھ کو سند

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ قُلْ

اگر تم سچے ہو اور پیدا کئے اونٹ میں سے دو اور گائے میں سے دو پوچھ تو

آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ

دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ یا جو لپٹ رہا ہے مادوں کے پیٹ میں

نے جن فائدوں کیلئے جانوروں کو پیدا کیا ہے ان مشرکوں نے ان فائدوں کو چھوڑ کر بعضے جانوروں کی سواری کو اور بعضوں کے گوشت کو اپنی طرف سے جو حرام ٹھہرایا ہے یہ شیطانی بہکاوا ہے جس سے ہر آدمی کو بچنا چاہئے کیونکہ شیطان ہر آدمی کا کھلا کھلا بڑا دشمن ہے اور دشمن کے فریب سے بچنا ہر عقل مند کا کام ہے۔ صحیح مسلم میں جابرؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ شیاطین طرح طرح سے انسان کو بہکاتے ہیں اور ان میں سے جو شیاطین انسان کے بہکانے کی نئی نئی باتیں نکالتے ہیں ان سے شیطان بہت خوش ہوتا ہے[1]۔ یہ حدیث آیت کی گویا تفسیر ہے جس سے شیطان کے نئے نئے طریقوں سے بہکانے اور انسان کی دشمنی میں لگے رہنے کا حال اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے ❖

۱۴۳-۱۴۴ اوپر ذکر تھا کہ شیطان کے بہکانے سے مشرکین مکہ نے بعضے جانوروں پر سوار ہونا بوجھ لادنا اور بعضے جانوروں کا گوشت کھانا اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیا تھا ان آیتوں میں فرمایا جن جانوروں کو ان نادانوں نے اپنے اوپر حرام کر لیا ہے وہ ان آٹھ نر مادہ بھیڑ بکری اونٹ گائے میں سے ہیں پھر اگر ان حرام ٹھہرائے ہوئے جانوروں کو ان نادانوں نے نر ہونے کے سبب سے حرام ٹھہرایا ہے تو جو نر پیدا ہو چکے سب نروں کو حرام ٹھہرا دیں کیونکہ نر ہونے میں سب برابر ہیں اب یہی حال مادہ کا سمجھ لینا چاہئے پھر فرمایا اگر یہ لوگ سچے ہیں تو نر مادہ ہونے کے علاوہ اور کوئی سبب ان جانوروں کے حرام ہونے کا بتلا دیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیونکر ان سے کہہ دیا ہے کہ یہ جانور ان پر حرام ہیں کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے روبرو بلا کر ان سے یہ بات کہی ہے یا کسی اپنے رسول کی معرفت ان کو یہ حکم بھیجا ہے اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات یہ لوگ نہ بتا سکیں تو یہ لوگ اپنے نفس پر بڑا ظلم کر رہے ہیں جو اللہ پر یہ جھوٹ باندھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دین ابراہیمی میں ان جانوروں کو حرام ٹھہرایا ہے ایسے ظالم اور جھوٹے لوگوں کو مجبور کر کے اللہ تعالیٰ راہ راست پر لانا نہیں چاہتا اس لئے یہ لوگ جس حالت پر ہیں اسی حالت پر مریں گے اور عقبیٰ میں اپنے ان اعمال کی سخت سزا پا دیں گے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے عیاض بن حمارؓ کی حدیث قدسی سورہ بقر میں گذر چکی ہے[2] جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو چیزیں میں نے اپنے بندوں پر حلال کی تھیں شیطان کے بہکانے سے وہ انہوں نے اپنے اوپر حرام کر لی ہیں معتبر سند کی ابو درداء

---

[1] مشکوٰۃ ص ۱۸ باب فی الوسوسہ [2] دیکھئے ج ۱ ص ۱۳۱ اور مشکوٰۃ ص ۴۶۰ باب الانذار والتحذیر۔

اَمۡ كُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ اِذۡ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰى عَلَى

یا تم حاضر تھے جس وقت اللہ نے تم کو یہ کہہ دیا تھا پھر اس سے ظالم کون جو جھوٹ باندھے

اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۴۴﴾

اللہ پر تا لوگوں کو بہکاوے بغیر تحقیق بے شک اللہ راہ نہیں دیتا ہے بے انصاف لوگوں کو

قُلۡ لَّاۤ اَجِدُ فِىۡ مَاۤ اُوۡحِىَ اِلَىَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطۡعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنۡ يَّكُوۡنَ مَيۡتَةً

تو کہہ میں نہیں پاتا جس حکم میں کہ مجھ کو پہنچا کوئی چیز حرام کھانے والے کو جو اس کو کھائے مگر یہ کہ مردہ ہو

کی حدیث بھی مسند بزار اور مستدرک حاکم کے حوالہ سے اوپر گذر چکی ہے[1] جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حلال وہی چیز ہے جو اللہ تعالٰے نے حلال فرمائی اور یہی حال حرام چیز کا ہے۔ یہ حدیثیں ان آیتوں کی گویا تفسیر ہیں حاصل مطلب یہ ہے کہ حرام حلال چیزیں اللہ تعالٰے کے حکم سے ٹھہر چکی ہیں انسان کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے اس پر بھی ان لوگوں نے اپنی طرف سے کچھ جانور جو حرام حلال ٹھہرائے ہیں جن کے باب میں یہ لوگ اللہ تعالٰے کے حکم کی کوئی سند پیش نہیں کر سکتے تو یہ حرام حلال شیطانی بہکاوا ہے کیونکہ انسان برخلاف حکم الٰہی کے جو کام کرے وہی شیطانی بہکاوے کا کام ہے۔

۱۴۵۔ مشرکین مکہ نے شیطان کے بہکانے سے جو جانور اپنے اوپر حرام کر لئے تھے اس کا اوپر ذکر تھا اس آیت میں ان مشرکین کے قائل کرنے کے لئے فرمایا اے رسول اللہ کے تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ جن جانوروں کو تم لوگوں نے اپنی طرف سے حلال یا حرام ٹھہرا رکھا ہے انکا ذکر اللہ کے حکم میں کہیں نہیں پایا جاتا بلکہ میرے پاس جو اللہ کا حکم قرآن کے ذریعہ سے آیا ہے اس میں تم لوگوں کی رسموں کے برخلاف حکم ہے جس طرح مثلاً مردہ جانور کو اور بتوں کے نام پر جو جانور ذبح کرتے ہو اس جانور کو اور جانور کے ذبح کرتے وقت جو خون بہتا ہے اس کو تم لوگ حلال گنتے ہو اور اللہ کے حکم میں یہ سب چیزیں حرام ہیں اسی طرح مثلاً وہ سانڈھ جن کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا ہے یا وہ اونٹ جس کے نطفہ سے دس جھول بچوں کے پیدا ہوئے ہوں تمہارے نزدیک یہ جانور حرام ہیں لیکن اللہ تعالٰے کے حکم میں ان کے حرام ہونے کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ اس مکی آیت کے نازل ہونے تک یہی جانور حرام ہیں جن کا ذکر اس آیت میں ہے پھر ہجرت کے بعد سورہ مائدہ میں وہ جانور حرام ہوئے جن کی تفصیل اسی سورہ میں گذر چکی ہے اور قرآن کے بیان اور تفسیر کے طور پر صحیح حدیثوں کے موافق دیسی گدھے، درندے اور پنجہ دار پرندے حرام ہوئے اسی طرح جن جانوروں کے مار ڈالنے کا حکم دیا جن جانوروں کے مارنے کی مناہی صحیح حدیثوں میں ہے وہ جانور بھی حرام ہیں۔ تفصیل ان سب جانوروں کی حدیث کی کتابوں میں ہے حاصل کلام یہ ہے کہ جمہور سلف کے نزدیک حرام جانوروں کا حصر فقط انہی جانوروں پر نہیں ہے جن کا ذکر اس آیت میں ہے اگرچہ ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عائشہؓ اور امام مالکؒ اسی حصر کے قائل ہیں لیکن جمہور سلف نے اس کو تسلیم نہیں کیا معتبر سند سے عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث سورہ بقر میں گذر چکی ہے[2] جس کے موافق مرداروں میں سے دو مردار مچھلی اور ٹڈی اور خون میں سے دو خون کلیجی اور تلی حلال ہیں تمام علماء کے نزدیک سور حرام ہے

[1] دیکھئے ص ۲۰۵ جلد ہذا [2] ملاحظہ فرمائیے ۱۴۲-۱۴۳ ج ۱

أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ
یا لہو پھینک دینے کا یا گوشت سور کا کہ وہ ناپاک ہے یا گناہ کی چیز جس پر پکارا
اللَّهِ بِهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۱۴۵) وَ
اللہ کے سوائے کسی کا نام پھر جو کوئی عاجز ہو نہ زور کرتا نہ زیادتی تو تیرا رب معاف کرتا ہے مہربان اور
عَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا
یہودیوں پر ہم نے حرام کیا تھا ہر ناخن والا اور گائے اور بکری میں سے حرام کی
عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ
ان کی چربی مگر جو لگی ہو پشت پر یا آنت میں یا ملی ہو ہڈی کے ساتھ

اور سُور کا جسم ناپاک ہے۔ سور اور کتے کی کھال چمڑے کے پاک صاف کرنے کے قاعدہ سے پاک ہو جاتی ہے یا نہیں اس کا اختلاف سورہ مائدہ میں گذر چکا ہے اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ کی تفسیر سورہ بقر اور سورہ مائدہ میں گذر چکی ہے فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اس کی تفسیر بھی سورہ بقر میں گذر چکی ہے حاصل یہ ہے کہ جو شخص بھوک کے سبب سے ایسا عاجز اور بے بس ہو جاوے کہ اس کو اپنی جان کے تلف ہو جانے کا خوف ہو تو وہ بقدر اپنی جان بچانے کے ان حرام چیزوں کو کھا سکتا ہے غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ ایسا معاف کرنیوالا ہے کہ اس نے بے بسی کے وقت حرام چیز کے کھالینے کے جرم کو معاف کر دیا اور مہربان وہ ایسا ہے کہ اُس نے ضرورت کے وقت حرام چیز کو جائز فرما دیا۔ عیاض بن حمارؓ اور ابو درداؓ کی حدیثیں اسی طرح اس آیت کی بھی تفسیر ہیں جس طرح اس آیت سے اوپر کی آیتوں کی تفسیر ہیں ؛

۱۴۶۔اوپر ذکر تھا کہ حرام وہی چیز ہے جس کو اللہ تعالٰے نے وحی کے ذریعہ سے حرام کیا کسی انسان کو کسی چیز کے حرام ٹھہرانے کا اختیار نہیں ہے اس پر قریش نے یہ اعتراض کیا کہ جو چیزیں یہود اب تک نہیں کھاتے ان کے نہ کھانے کا یہ سبب بتلاتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام نے وہ چیزیں اپنے اوپر حرام ٹھہرائی تھیں اس لئے ہم لوگ بھی وہ چیزیں نہیں کھاتے پھر یہ بات کیونکر سچی ہو سکتی ہے کہ انسان کو کسی چیز کے حرام ٹھہرانے کا اختیار نہیں ہے۔ جو چیزیں یہود نہیں کھاتے تھے اللہ تعالٰے نے ان چیزوں کا ذکر اس آیت میں فرما کر قریش کے اعتراض کا یہ جواب دے دیا کہ یہود نے جب کوئی گناہ کیا تو وقت بوقت اس گناہ کی سزا میں اللہ تعالٰے نے اُس وقت کے نبی کی معرفت یہ چیزیں یہود پر حرام کی ہیں یہود کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے یہ چیزیں اپنے اوپر حرام کر لیں تھیں پھر فرمایا اللہ سچا ہے اور اللہ کے کلام کے برخلاف یہود نے جو بات مشہور کر رکھی ہے وہ سراپا جھوٹ ہے ذِيْ ظُفُرٍ وہ جانور ہیں جن کی انگلیاں الگ الگ نہ ہوں مثلاً جیسے چرندوں میں اونٹ اور پرندوں میں بطخ اس طرح کے سب چرند پرند یہود پر حرام تھے علاوہ اس کے ان پر گائے، بکری کی انتڑیوں اور گردوں پر کی چربی بھی حرام تھی انہی چیزوں کا ذکر اس آیت میں ہے۔ صحیح بخاری، مسلم و ترمذی میں عبداللہ بن مسعودؓ کی بڑی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر ایماندار آدمی کو جھوٹ سے بچنا چاہیے کیونکہ جھوٹ آدمی کو ایسے راستہ سے لگا دیتا ہے کہ جسکا انجام دوزخ ہے[1] یہود کے

[1] مشکوٰۃ ص ۴۱۲ باب حفظ اللسان والغیبۃ والشتم والترغیب ج ۲ ص ۱۹۲ ؛

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ
ہم نے ان کو سزا دی تھی ان کی شرارت پر اور ہم سچ کہتے ہیں پھر اگر تجھ کو جھٹلادیں تو کہہ تمہارے رب کی
ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ سَيَقُوْلُ
مہر بہت بڑی سمائی ہے اور پھرتا نہیں اس کا عذاب گنہ گار لوگوں سے اب کہیں گے
الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ؕ
مشرک اگر اللہ چاہتا تو شریک نہ ٹھہراتے ہم اور نہ ہمارے باپ اور نہ حرام کر لیتے کوئی چیز
كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ
اسی طرح جھٹلایا کیے اُن سے اگلے جب تک چکھا ہمارا عذاب تو کہہ کچھ علم بھی ہے تم پاس

جھوٹ کا جو اس آیت میں ذکر ہے اس کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کی جھوٹ کی عادت نے انہیں ایسے راستہ سے لگایا جس کے سبب سے انہوں نے توراۃ میں جھوٹی باتیں ملا کر عیسیٰ علیہ السلام اور نبی آخر الزمان اور نبیوں کی نبوت کا انکار کیا جس سے اہل کتاب ہو کر وہ کافر بن گئے اور قرآن میں جگہ جگہ اللہ تعالےٰ نے اس کا انجام دوزخ فرمایا۔

۱۴۷ اوپر کی آیت میں فرمایا تھا کہ بعضی حلال چیزیں یہود پر جو حرام ہوگئی ہیں وہ ان لوگوں کی سرکشی کی سزا میں اللہ تعالےٰ کے حکم سے حرام ہوئی ہیں یعقوب علیہ السلام کے حرام ٹھہرانے سے حرام نہیں ہوئیں اس آیت میں فرمایا اے رسول اللہ کے ان لوگوں کے دل جانتے ہیں کہ جو بات اللہ تعالےٰ نے فرمائی وہی سچی ہے اس پر ضد سے یہ لوگ تم کو جھٹلاویں تو ان سے کہہ دیا جاوے کہ یہ اللہ کی مہربانی کی سمائی کا سبب ہے جو تم لوگ باوجود سرکشی اور طرح طرح کے گناہوں کے اب تک عذاب الٰہی سے بچے ہوئے ہو لیکن یہ عادت الٰہی ہے کہ کثرت گناہوں کے سبب سے جب کسی گنہ گار قوم پر عذاب آجاتا ہے تو پھر وہ نہیں ٹلتا صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے[۱] جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذرہ ذرہ سی بات پر جو عذاب الٰہی ہونے والا ہے اگر اُس کا پورا حال لوگوں کو معلوم ہو جائے تو پھر کسی شخص کے دل میں بھی جنت کی امید باقی نہ رہے اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا پورا حال لوگوں کو معلوم ہو جاوے تو پھر کوئی شخص اس کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ آیت میں اللہ کی رحمت اور عذاب کا جو ذکر ہے یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے مطلب یہ ہے کہ اگر اب بھی یہ لوگ اپنی سرکشی سے باز آن کر راہ راست پر آنے کا قصد کریں تو اللہ کی رحمت بہت بڑی ہے ورنہ اُسکا عذاب بھی بہت سخت ہے کہ جس کی سختی کو کوئی کم کر سکتا ہے نہ اس کو کوئی ٹال سکتا ہے۔ اس کی آیت میں قرآن کی پیشین گوئی کا یہ ایک معجزہ ہے جس کا ظہور ہجرت کے بعد ہوا کہ یہود کے تین قبیلے بنی قینقاع۔ بنی نضیر۔ بنی قریظہ جو مدینہ کے گرد نواح میں رہتے تھے ان میں سے بنی قینقاع اور بنی نضیر کا اخراج ہوا اور بنی قریظہ کا قتل۔

۱۴۸ تا ۱۵۰ اول شروع سورہ سے یہاں تک مشرکین مکہ کو شرک کے چھوڑنے اور حرام حلال کے احکام الٰہی میں دخل نہ دینے کی تنبیہ فرما کر ان آیتوں میں فرمایا کہ اس تنبیہ کا اور کوئی جواب تو یہ لوگ دے نہیں سکتے اگر آئندہ کچھ کہویں گے تو یہی کہیں گے

[۱] الترغیب ج ۲ ص ۲۶۰ عنوان "الترغیب فی الخوف وفضلہ"

مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ﴿١٤٨﴾

کہ ہمارے آگے نکالو یا نری اٹکل پر چلتے ہو اور سب تجویزیں کرتے ہو

قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۖ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٤٩﴾ قُلْ هَلُمَّ

تو کہہ بس اللہ کا الزام پورا ہے سو اگر وہ چاہتا تو راہ دیتا تم سب کو تو کہہ لاؤ

شُهَدَاءَكُمُ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ هَٰذَا ۖ فَإِن شَهِدُوا فَلَا

اپنے گواہ جو بتادیں اللہ نے حرام کی ہے یہ چیز پھر اگر وہ کہیں بھی تو تو نہ

کہ جس ڈھنگ پر ان کے بڑے بوڑھے تھے اسی ڈھنگ پر یہ لوگ بھی ہیں یہ ڈھنگ اگر اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوتا تو وہ ان کو اور ان کے بڑے بوڑھوں کو اس ڈھنگ پر قائم نہ رکھتا پھر مشرکین کی اس بات کا یہ جواب فرمایا کہ ان لوگوں کی یہ حجت کچھ نئی نہیں ہے ان سے پہلے قوموں کے لوگ بھی اللہ کے رسولوں کو اسی طرح کی حجتوں سے یہاں تک جھٹلاتے رہے کہ آخر کو طرح طرح کے عذابوں میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو گئے۔ ملک شام اور ملک یمن کے سفر میں انہوں نے ان پچھلے لوگوں کی اجڑی ہوئی بستیاں دیکھی ہیں اس سے ان کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اگر وہ پچھلا ڈھنگ اللہ تعالیٰ کو ناپسند نہ ہوتا تو ان لوگوں کا یہ انجام کیوں ہوتا کیونکہ یہ امر اللہ تعالیٰ کے انصاف کے بالکل برخلاف ہے کہ کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق کام کرے اور وہ اس قوم کو اس طرح کے عذاب سے ہلاک کر دیوے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی سمجھ میں آنے کے قابل سیدھی سی ایک بات ان لوگوں کو بتلا دی اے رسول اللہ کے اب تم ان لوگوں سے کہو کہ ان کے ڈھنگوں کے اچھے اور اللہ کی مرضی کے موافق ہونے کی کوئی سند ان کے پاس ہو تو اس کو نکال کر پیش کریں لیکن اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ یہ لوگ کوئی سند پیش نہ کر سکیں گے کس لئے کہ یہ لوگ تو بغیر سند کے فقط اپنے وہم و گمان اور اپنی اٹکل پر چلتے ہیں اس لئے ایسی اٹکل پر چلنے والوں پر آسمانی کتاب اور رسول بھیج کر اللہ تعالیٰ نے جو ان کی اٹکل کے غلط ہونے کا الزام قائم کیا ہے اس الزام سے یہ لوگ بچ نہیں سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو نیک و بد کے امتحان کے لئے پیدا کیا ہے اس لئے ان لوگوں کی اٹکل کے موافق ان کو یا ان کے بڑوں کو مجبور کر کے راہ راست پر لانا انتظام الٰہی کے برخلاف ہے آگے فرمایا کہ اے رسول اللہ کے ان لوگوں سے یہ بھی کہہ دو کہ آسمانی کتاب کی سند یہ لوگ اپنے ڈھنگوں کے اچھے ہونے پر نہیں پیش کر سکتے تو اپنے کلام کی تائید میں کوئی گواہ لاویں جو آکر یہ کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ نے بتوں کے نام کے جانوروں کو حرام یا مردہ جانور کو حلال کیا ہے پھر فرمایا اللہ کو خوب معلوم ہے کہ اس طرح کا کوئی قابل اعتبار گواہ یہ لوگ پیش نہ کر سکیں گے اس لئے ان کے جھوٹے گواہوں پر کچھ التفات نہ کرنا چاہئے کیونکہ ایسے کلام الٰہی کے جھٹلانے والے اور اپنی دلی خواہشوں کے پابند لوگوں کی گواہی کا کیا اعتبار ہے کہ وہ سچے گواہ بنیں گے پھر فرمایا کہ ان لوگوں کو مر کر پھر جینے اور اللہ کے روبرو کھڑے ہونے اور مشرک کے حساب دہی کرنے کا پورا یقین نہیں ہے اس واسطے یہ اپنے شرک پر اڑے ہوئے ہیں اور بتوں کو اللہ کے برابر گنتے ہیں لیکن جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کا پورا یقین ہے وہ ایسے شرک کی باتوں سے گھبراتے ہیں صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث گذر چکی ہے[1] جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں لوگوں کی کولی

[1] ملاحظہ ہو مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۸

تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ لَا

کہہ اُن کے ساتھ اور نہ چل ان کی خوشی پر جنہوں نے جھٹلائے ہمارے حکم اور جو

يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ﴿۱۵۰﴾ قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ

یقین نہیں رکھتے آخرت کا اور وہ اپنے رب کے برابر کرتے ہیں اوروں کو تو کہہ آؤ میں سنادوں جو حرام کیا ہے

رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ ۖ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۖ وَلَا تَقْتُلُوا

تم پر تمہارے رب نے کہ شریک نہ کرو اُس کے ساتھ کسی چیز کو اور ماں باپ سے نیکی اور مار نہ ڈالو

أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ ۖ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ ۖ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا

اپنی اولاد کو مفلسی سے ہم رزق دیتے ہیں تم کو اور ان کو اور نزدیک نہ ہو بےحیائی کے کام کے جو

پھر کر انہیں دوزخ کی آگ سے بچانا چاہتا ہوں اور لوگ اُس میں گرنے کی ایسی جرأت کرتے ہیں جس طرح کیڑے پتنگے روشنی پر گرنے کی جرأت کرتے ہیں۔ اسی طرح ان دونوں کتابوں کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث بھی گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی نصیحت کی مثال مینہ کے پانی کی اور اچھے بُرے لوگوں کی مثال اچھی بُری زمین کی فرمائی ہے۔ یہ حدیثیں ان آیتوں کی گویا تفسیر ہیں آیتوں اور حدیثوں کو ملا کر حاصل مطلب یہ ٹھہرتا ہے کہ قرآن شریف کی آیتوں میں ہر طرح کی نصیحت نازل ہوئی اور اللہ کے رسول نے اس نصیحت کے ذریعہ سے لوگوں کو راہ راست پر لانے کی پوری کوشش کی لیکن علم الٰہی میں جو لوگ دوزخی ٹھہر چکے تھے ان کے دل اس نصیحت کے اثر سے اسی طرح محروم ہے جس طرح بُری زمین مینہ کے پانی کے اثر سے محروم رہ جاتی ہے اور باوجود اللہ کے رسول کی پوری روک تھام کے فتح مکہ تک روشنی پر گرنے والے کیڑے پتنگوں کی طرح آخر کو وہ لوگ مر کر دوزخ کی آگ میں جا پڑے۔

۱۵۱—۱۵۲۔ اوپر کی آیتوں میں پہلے تو اللہ تعالیٰ نے باغ اور زراعت کا ذکر فرمایا تاکہ مشرکین مکہ کو حشر کا جو انکار ہے باغ اور کھیتی کی حالت پر غور کرنے سے ذرا اُن کی آنکھیں کھلیں اور سمجھیں کہ جس طرح اناج کا سوکھا دانہ اور پھل کی سوکھی گٹھلی کے ایک جسم سے اسی طرح کے ہزار ہا لاکھا کروڑہا دانوں اور پھلوں اور گٹھلیوں کے جسم پیدا ہو جاتے ہیں اور تخم کے دانے اور گٹھلیاں مثل مردہ جسم کے سوکھ جانے کے بعد تروتازہ دانوں اور گٹھلیوں کے پیدا ہونے کا سبب قرار پاتے ہیں اسی طرح ایک آدمی کے جسم کی مُردہ مٹی سے پھر تروتازہ طور پر حشر کے دن اس جسم کا پیدا ہو جانا کیا اس سے بھی مشکل ہے باغ اور کھیتی کے ذکر کے بعد ان چند رسموں کا ذکر فرمایا جو بےعقلی سے مشرکین مکہ نے ایام جاہلیت میں ٹھہرا رکھی تھیں تاکہ جس عقل کے بھروسے پر انہوں نے حشر کا انکار کیا ہے اس عقل کی قلعی بھی کھل جاوے اور بے وقوفی سے چند چیزیں جو انہوں نے اپنے اوپر حرام کر لیں تھی ان کا اور یہود کی سرکشی سے ان پر جو چند چیزیں حرام ہوئی تھیں ان کا اور اصل شریعت محمدی میں اس وقت حرام جو چیزیں تھیں ان کا یہ سب ذکر بطور تمہید کے فرما کر ان تین آیتوں میں اصل باتیں جن سے دنیا میں آدمی کو بچنا چاہئے ذکر فرمائے ہیں اور بعض ان میں سے وہ باتیں ہیں جو مشرکین مکہ میں بطور عام پھیلی تھیں مثلاً بتوں کو اللہ کا شریک ٹھہرانا تنگی معاش سے لڑکیوں کو مار ڈالنا ظاہر کے زنا کو عیب

لہ ملاحظہ ہو ص ۱۹۴ جلد ہذا

ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكُمْ
کھلا ہو اس میں اور جو چھپا اور مار نہ ڈالو جان جس کو حرام کیا اللہ نے مگر حق پر یہ تم کو

وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١٥١﴾ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ
کہہ دیا ہے شاید تم سمجھو اور پاس نہ جاؤ یتیم کے مال کے مگر جس طرح

أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۖ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ لَا نُكَلِّفُ
بہتر ہو جب تک وہ پہنچیں اپنی قوت کو اور پوری کرو ماپ اور تول انصاف سے ہم کسی پر ڈالتے

شمار کرنا اور مخفی طور پر کوئی زنا کرے تو اس کو عیب نہ لگانا آپس میں خون ریزی اور غارت جنگی کرنا یتیموں کا مال کھانا، جھوٹ بولنا کم تولنا اور ناپنا وعدہ خلافی کرنا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے حسن سلوک کو شریعت کی پیروی کی نصیحت کو ان باتوں کے چھوڑ دینے کی نصیحت کے ساتھ ملا کر ایک عام اور جامع نصیحت ان آیتوں میں فرمادی ہے ترمذی میں عبداللہ بن مسعودؓ سے اور مسند امام احمد اور مستدرک حاکم میں عبادہ بن صامتؓ سے ان آیتوں کی بابت جو روایت ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص کو آنحضرتؐ کی مہری دست آویز نجات کے لئے دیکھنے منظور ہو وہ ان آیتوں کو پڑھے اور ان کے موافق عمل کرے اور ان باتوں میں چھوڑنے کے لائق باتیں ہیں جو شخص ان کو نہ چھوڑے گا وہ دوزخی ہے اگرچہ ترمذی نے عبداللہ مسعودؓ کی روایت کو حسن غریب کہا ہے[۱] لیکن عبادہ بن صامتؓ کی حدیث کو حاکم نے صحیح کہا ہے[۲] علاوہ اس کے صحیح بخاری و مسلم میں عبادہ بن صامتؓ کی بیعت کی جو حدیث ہے اس سے بھی عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کو تقویت ہو جاتی ہے کیونکہ عبداللہ بن مسعودؓ کی اس روایت کا مضمون عبادہ بن صامتؓ کی بیعت کی حدیث کے قریب ہے حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں پر شرک حرام کیا ہے اس لئے تم لوگوں کو چاہئے کہ شرک سے باز آؤ۔ اگرچہ ماں باپ کے ساتھ برائی سے پیش آنا حرام ہے لیکن اس کی جگہ ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے کا ذکر فرمایا تاکہ معلوم ہو جاوے کہ ماں باپ کے ساتھ فقط برائی سے پیش نہ آنا کافی نہیں ہے بلکہ برائی سے بچکر ان کے ساتھ ہر ایک طرح کا احسان بھی ضرور ہے ان آیتوں میں مشرکین مکہ کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ تم لوگوں نے زبردستی اپنی اٹکل سے بعضی چیزوں کو اپنے اوپر جو حرام ٹھہرا رکھا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے کسی حکم سے تم پر حرام نہیں ہیں بلکہ اللہ کے حکم سے اصل حرام چیزیں یہ ہیں جو تم کو ان آیتوں میں جتلائی جاتی ہیں صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن مسعودؓ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور ابوہریرہؓ سے اور معتبر سند سے مستدرک حاکم میں بریدہؓ سے جو روایتیں ہیں ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں کا ذکر فرمایا ہے جن کا ذکر ان آیتوں میں ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ شرک ان سب میں بڑا گناہ ہے اور باقی سب کبیرہ گناہ ہیں یہ حدیثیں ان آیتوں کی گویا تفسیر ہیں حاصل مطلب یہ ہے کہ ان گناہوں میں شرک تو ایسا بڑا گناہ ہے

[۱] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۳۳ [۲] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۸۷ [۳] مشکوٰۃ شریف ص ۱۳ کتاب الایمان [۴] مشکوٰۃ ص ۱۷ باب الکبائر و علامات النفاق [۵] مستدرک ص

نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا ۚ وَاِذَا قُلۡتُمۡ فَاعۡدِلُوۡا وَلَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبٰى ۚ وَبِعَهۡدِ اللّٰهِ

رکھتے ہیں جو اس کو مقدور ہے اور جب بات کہو تو حق کہو اگرچہ وہ ہوں اپنے ناتے والا اور اللہ کا قول

اَوۡفُوۡا ؕ ذٰ لِكُمۡ وَصّٰكُمۡ بِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ۝۱۵۲ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِىۡ مُسۡتَقِيۡمًا

پورا کرو یہ تم کو کہہ دیا ہے شاید تم دھیان رکھو اور کہا کہ یہ راہ ہے میری سیدھی

فَاتَّبِعُوۡهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمۡ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ ؕ ذٰ لِكُمۡ وَصّٰكُمۡ

سو اس پر چلو اور مت چلو کئی راہیں پھر تم کو بھٹکا دیں گے اس کی راہ سے یہ کہہ دیا ہے تم کو

کہ اگر مشرک شخص بغیر توبہ کے مر جاویگا تو اس کی بخشش نہ ہوگی اور سوا شرک کے اور گناہوں کا گنہگار شخص اگر بغیر توبہ کے مر جاویگا تو ایسے شخص کی مغفرت اللہ تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے چاہے وہ ایسے شخص کو بغیر عذاب دوزخ کے جنت میں داخل کرے چاہے کسی قدر عذاب کے بعد غرض جو شخص شرک سے پاک صاف ہوگا وہ آخر کو جنت میں جاویگا زیادہ تفصیل اسکی سورہ نساء کی آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ وَيَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ لِمَنۡ يَّشَآءُ (۴۸ ۱۱۶) کی تفسیر میں گذر چکی ہے وَبِعَهۡدِ اللّٰهِ اَوۡفُوۡا کا مطلب یہ ہے کہ ان آیتوں میں یا اور آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے اس کی پوری پابندی کی جاوے نیک کاموں کے کرنے اور بد کاموں سے بچنے کی جتنی صحیح حدیثیں ہیں وہ سب آیت کے اس ٹکڑے کی گویا تفسیر ہیں:

۱۵۳ معتبر سند سے مسند امام احمد بن حنبل نسائی مستدرک حاکم اور مسند بزار میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے ایک روز ایک سیدھی لکیر کھینچ کر فرمایا یہ اللہ کا سیدھا رستہ ہے اور اس لکیر کے دائیں بائیں اور لکیریں کھینچ کر فرمایا ان سب راستوں پر شیطان بیٹھا ہے اور اپنی طرف لوگوں کو بلاتا ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی معتبر سند سے ترمذی، نسائی اور مسند امام احمد بن حنبل میں عبداللہ بن مسعودؓ اور نواس بن سمعانؓ کی مرفوع اور موقوف حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سیدھے راستہ کی مثال یوں سمجھائی کہ ایک سیدھا راستہ ہے اور اس کے اِدھر اُدھر دو دیواریں ہیں ان دیواروں میں کھلے ہوئے دروازے ہیں اُن دروازوں پر پردے پڑے ہیں اور راستہ کے سرے پر ایک شخص سیدھے راستہ پر بلا رہا ہے اور ایک شخص کہہ رہا ہے دیکھو ان دروازوں میں سے کوئی دروازہ نہ کھولنا نہیں تو سیدھے راستے سے بہک جاؤ گے وہ راستہ تو اسلام ہے اور دیواریں حرام حلال کی وہ حدیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے شریعت میں قائم کی ہیں اور دروازے شرع کے ممنوعات ہیں اور راستے کے سرے پر بلانے والا قرآن شریف ہے اور دروازوں سے روکنے والی اللہ تعالیٰ کی وہ نصیحت ہے جس کا اثر ہر مسلمان کے دل میں پیدا ہو کر اس اثر سے آدمی گناہ سے رک جاتا ہے ترمذی میں عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ یہود اور نصاریٰ تو بہتر فرقے اختلاف سے ہوگئے میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے اور سوا ایک فرقے کے اور سب دوزخی ہیں صحابہ نے پوچھا حضرت وہ نجات پانے والا کونسا فرقہ ہے آپ نے فرمایا جس پر میں اور میرے صحابی ہیں۔ ترمذی نے اگرچہ اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے لیکن ترمذی اور ابوداؤد میں ابوہریرہؓ کی صحیح حدیث ہے جس سے اس

۱؎ ان سب روایات کے لئے دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۹۰ ایضاً مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ۲؎ مشکوٰۃ ایضاً ۳؎

جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۰۹ باب افتراق ہذہ الامۃ ۴؎ سنن ابی داؤد مع شرح عون المعبود ج ۴ ص ۳۲۳-۳۲۴

بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ

شاید تم بچتے رہو پھر دی ہم نے موسیٰ کو کتاب پورا فضل نیکی والے پر

وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

اور بیان ہر چیز کا اور ہدایت اور مہر شاید وہ لوگ اپنے رب کا ملنا یقین کریں

حدیث کو تقویت ہو جاتی ہے ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اسلام کی سیدھی سڑک میں سے اور کجی کے راستے اختلاف کے سبب سے پھوٹ گئے ہیں جن سب پر شیطان مسلط ہے ممنوعات شرعیہ کے دروازے فقط ایک پردہ کی آڑ میں ہیں نجات کا راستہ فقط ایک ہی ہے جس راستہ پر خود صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ تھے نجات کے خواستگار ہر مسلمان کو لازم ہے کہ ادھر اُدھر نہ بھٹکے اور نجات کے راستہ کو مضبوط پکڑے اور خوب یقین کر لے کہ مخبر صادق صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نجات کے راستہ کا پتہ بتلایا ہے وہ یہی ہے کہ ہر عقیدے اور ہر عمل میں آدمی آنحضرت اور صحابہ کے قدم بقدم چلا جاوے خدا تعالےٰ ہر مسلمان کے دل میں اس نصیحت الٰہیہ کا اثر پیدا کرے جس کا ذکر اوپر کی حدیث میں آیا ہے اور ہر مسلمان کو وہ سیدھا راستہ چلاوے جس کا ذکر اس آیت میں اور جس کی تفسیر حدیث میں ہے ھذا کا اشارہ انہی باتوں کی طرف ہے جنکا ذکر اوپر کی آیتوں میں ہے۔ اوپر کی آیتوں میں خاص خاص باتوں کے علاوہ وبعہد اللہ اوفوا ایسا ایک عام حکم ہے کہ قرآن شریف کے تمام امرونہی کا مجموعہ ہے اور اوپر یہ گذر چکا ہے کہ نیک کاموں کے کرنے اور بدکاموں سے بچنے کی جتنی صحیح حدیثیں ہیں وہ سب اس مجموعہ قرآن کی گویا تفسیر ہیں تو اب یوں کہنا چاہئے کہ ھذا کا اشارہ تمام احکامی آیتوں اور حدیثوں کی طرف ہے اور یہ بھی کہنا چاہئے کہ جو بات اس اشارہ کے دائرہ سے باہر ہے وہ ٹیڑھا راستہ ہے نجات کا سیدھا راستہ وہی ہے جو اس اشارہ کے دائرہ کے اندر ہے ؛

۱۵۴-۱۵۵ اوپر کی آیتوں میں فرمایا تھا اے رسول اللہ کے تم ان مشرکوں سے کہہ دو کہ جن چیزوں کو تم لوگوں نے اپنی اٹکل سے حرام ٹھہرا رکھا ہے اصل میں وہ چیزیں حرام نہیں ہیں بلکہ پہلے صاحب شریعت نبی نوح علیہ السلام سے لیکر اب تک حرام وہ چیزیں ہیں جو ان آیتوں میں تم لوگوں کو جتلائی گئی ہیں اب ان آیتوں میں فرمایا اے رسول اللہ کے پہلی آیتوں میں جو پیغام الٰہی ہے اس کے پہنچانے کے بعد پھر یہ پیغام بھی ان لوگوں کو پہنچا دیا جاوے کہ شریعت موسوی سے پہلے کی شریعتوں کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی تو اس میں بھی علاوہ اور تفصیلی احکام کے ان چیزوں کے حرام ہونے کا حکم موجود ہے جن کا ذکر پچھلی سب شریعتوں میں تھا اور وہی حکم اوپر کی آیتوں میں ہے سورہ قصص میں آوے گا وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ (۲۸: ۴۳) جس کا مطلب یہ ہے کہ قوم نوح سے لے کر فرعون تک پچھلے لوگوں کے عام عذابوں سے ہلاک ہو جانے کے بعد موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل ہوئی ہے جس کے سبب سے تورات میں تفصیلی احکام شرعی کے علاوہ پچھلے لوگوں کی ہلاکت کے قصے ایسے ہیں جن سے بنی اسرائیل کے دل میں ایک عبرت پیدا ہو سکتی ہے ان آیتوں میں تماما علی الذی احسن وتفصیلا لکل شئی جو فرمایا سورہ قصص کی آیت گویا اس کی پوری تفسیر ہے حاصل مطلب یہ ہے کہ تفصیلی احکام شرعی اور پورے پچھلے لوگوں کی ہلاکت کے قصے ملا کر تورات کو

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾

اور ایک یہ کتاب ہے کہ ہم نے اتاری برکت کی سو اس پر چلو اور بچتے رہو شاید تم پر رحم ہو۔

ایسی حسن ترتیب سے نازل کیا گیا ہے جس کی ہدایت کا اثر بنی اسرائیل کے دلوں پر پورا پڑیگا اور تورات کے نازل ہونے کے بعد عام نافرمانی اور عام عذاب کی نوبت نہ آئے گی اسی واسطے فرمایا کہ تورات کا نازل ہونا بنی اسرائیل کے حق میں ایک رحمت الٰہی ہے آخر کو یہ جو فرمایا کہ شاید اس قدر رحمت کے بعد یہود کے دلوں میں ایک دن اللہ کے سامنے کھڑے ہونیکا یقین پیدا ہو جس کے سبب سے وہ اصلی تورات کے احکام کی پوری پابندی کر کے اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کے وقت پوری سرخروئی حاصل کریں اس لفظ شاید کے فرمانے میں بڑی پیشین گوئی ہے جس کا ظہور مابعد میں یہ ہوا کہ عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے دل میں تو یہ یقین پیدا ہو گیا لیکن باقی کے یہود نے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کے یقین کو اپنے دلوں سے بالکل نکال ڈالا جس سے اصلی تورات کے احکام کی پابندی ان میں سے اٹھ گئی پہلے تو انہوں نے اصلی تورات کی آیتوں میں تبدل تغیر کیا اور پھر ملک تورات کے یہ تین نسخے۔ عبرانی۔ یونانی۔ سامری بن گئے۔ اب ان میں باہمی یہ اختلاف ہے کہ سامری فرقے کے لوگ اپنے نسخے کو صحیح بتلاتے ہیں اور ان کے مقابل کے لوگ اپنے نسخوں کو صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کی ایک آیت کے مطلب پر دو صحابیوں کا جھگڑا ہوا اس جھگڑے میں غل شور تک کی نوبت آئی اس غل کی آواز سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجرے سے باہر آئے اور بڑے غصے سے آپ نے فرمایا تم لوگوں کو معلوم نہیں کہ تم سے پہلے لوگ کتاب آسمانی کے مطلب میں اسی طرح کا جھگڑا اور اختلاف ڈال کر خراب اور برباد ہو گئے[1] اس مکی آیت میں یہود کی آیندہ کی حالت کی جو پیشین گوئی ہے اس کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قرآنی پیشین گوئی کے موافق یہود نے تورات کے معنے اور لفظوں میں یہاں تک اختلاف ڈالا کہ اس اختلاف نے ان کی عقبےٰ کو برباد کر دیا اب آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی اسی طرح نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بابرکت کتاب نازل فرمائی جس کا نام قرآن ہے اہل مکہ اگر اس قرآن کی مخالفت کو چھوڑ کر اس کے احکام کی پوری پابندی کریں گے تو شاید ان کو اللہ کے رحم کی امید کا موقعہ مل سکے گا۔ اس لفظ شاید کے فرمانے میں یہ پیشین گوئی ہے کہ اگرچہ ظاہر میں بعضے لوگوں کا شمار قرآن کی پیروی کرنے والوں میں ہو جاویگا لیکن قیامت کے دن ان کو اللہ کے رحم سے اس لئے محرومی ہو جاوے گی کہ ان کا خاتمہ قرآن کی پیروی پر نہ ہوگا۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث گذر چکی ہے[2] جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے دن حوض کوثر پر سے چند آدمیوں کو فرشتے کھینچ کر دوزخ کی طرف جب لیجانے لگیں گے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان فرشتوں سے کہیں گے یہ تو میرے اصحاب میں سے ہیں وہ فرشتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیں گے کہ آپ کی وفات کے بعد یہ لوگ مرتد ہو گئے تھے۔ آیت کی پیشین گوئی کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے اسی طرح صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی دوسری حدیث گذر چکی ہے[3] جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علاوہ در

---

[1] مشکوٰۃ ص ۲۷ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ [2] نیز دیکھئے الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۳۰۹ فصل فی الحوض و المیزان والصراط [3] ص ۲۲۳ و ۱۷۷ جلد ۲

أَن تَقُولُوٓا۟ إِنَّمَآ أُنزِلَ ٱلْكِتَٰبُ عَلَىٰ طَآئِفَتَيْنِ مِن قَبْلِنَا وَإِن كُنَّا عَن

اس واسطے کہ کبھی کہو کتاب جو اتری تھی سو دو ہی فرقوں پر ہم سے پہلے اور ہم کو ان کے

دِرَاسَتِهِمْ لَغَٰفِلِينَ ﴿١٥٦﴾ أَوْ تَقُولُوا۟ لَوْ أَنَّآ أُنزِلَ عَلَيْنَا ٱلْكِتَٰبُ لَكُنَّآ أَهْدَىٰ

پڑھنے پڑھانے کی خبر نہ تھی یا کہو کہ اگر ہم پر اترتی کتاب تو ہم راہ چلتے ان سے

مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ أَظْلَمُ

بہتر سو آچکی تم کو تمہارے رب سے شاہدی اور ہدایت اور مہربانی اب اس سے بے انصاف

مِمَّن كَذَّبَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۗ سَنَجْزِى ٱلَّذِينَ يَصْدِفُونَ

کون جو جھٹلادے اللہ کی آیتیں اور ان سے کترادے ہم سزا دیں گے کترانے والوں کو

معجزوں کے قرآن ہی مجھ کو ایک ایسا معجزہ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے جس کے سبب سے میری امت کے نیک لوگوں کی تعداد اور امتوں کے نیک لوگوں سے قیامت کے دن زیادہ ہوگی آیت میں قرآن کو برکت کی کتاب جو فرمایا یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے۔

۱۵۶-۱۵۷- اوپر ذکر تھا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی اسی طرح اس نے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ قرآن نازل فرمایا ہے ان آیتوں میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن عربی زبان میں نازل فرمایا ہے تاکہ اہل عرب کو قیامت کے دن کسی عذر کے پیش کرنے کا موقع باقی نہ رہے اور ان لوگوں کے دل میں یہ ہوس بھی نہ رہے کہ ان پر کوئی آسمانی کتاب نازل ہوتی تو یہ لوگ یہود و نصاریٰ سے زیادہ راہ راست پر آجاتے۔ قرآن شریف کے نازل ہونے سے پہلے قریش یہ ہوس کیا کرتے تھے جس کا ذکر آیت کے اس ٹکڑے میں ہے اور یہ لوگ اور قوموں کی بہ نسبت اپنے آپ کو عقلمند زیادہ سمجھتے تھے اس واسطے آسمانی کتاب کی ہوس کے ساتھ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اگر ہم لوگوں پر آسمانی کتاب نازل ہوتی تو اور قوموں سے بڑھ کر ہم راہ راست پر آجاویں گے۔ آگے فرمایا اگر یہ لوگ اپنی اس تمنا اور ہوس میں سچے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تمنا اور ہوس کے موافق اپنی رحمت سے ان ہی کی زبان میں یہ قرآن نازل فرمایا ہے جس میں حلال حرام جزا و سزا جنت و دوزخ نجات کے راستہ کی ہدایت سب کچھ ہے پھر فرمایا جو کوئی اللہ کی اس رحمت کی قدر نہ کریگا اور قرآن کی نصیحت پر عمل کرنے سے خود بھی کنیا دیگا اور لوگوں کو بھی اس نیک راستہ سے روکے گا وہ کسی کا کچھ نہ بگاڑے گا بلکہ ایسا شخص اپنے ہی نفس پر بڑا ظلم کرنے کی جرأت کر رہا ہے کیونکہ قیامت کے دن ایسے لوگوں کو سخت سزا بھگتنی پڑے گی صحیح بخاری اور مسلم میں عبداللہ بن مسعودؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ سے جو روایتیں ہیں ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صاحب عذر کا عذر اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتابیں نازل فرمائیں رسولوں کو بھیجا تاکہ کسی شخص کو نجات کے راستہ کی انجانی کا عذر باقی نہ رہے[1] صحیح مسلم کے حوالہ سے جریر بن عبداللہؓ کی حدیث گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین میں جو شخص ایسا راستہ نکالے گا جس سے لوگ بدراہ پڑ لگ جاویں تو ایسے شخص کو قیامت کے دن اس طرح دوسری سزا ملے گی کہ اس کی ذاتی بدعملی کی سزا جدا اور لوگوں کو بہکانے کی سزا جدا[2]۔ یہ حدیثیں ان آیتوں کی گویا تفسیر ہیں حاصل مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کو صاحب عذر کے عذر کا

[1] ...

[2] نیز دیکھئے مشکوٰۃ ص ۳۳ کتاب العلم۔

عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ

ہماری آیتوں سے بری طرح کی مار بدلا اس کترانے کا کاہے کی راہ دیکھتے ہیں

اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۭ يَوْمَ

لوگ مگر یہی کہ ان پر آویں فرشتے یا آوے تیرا رب یا آوے کوئی نشان تیرے رب کا جس دن

سننا بہت پسند ہے اس لئے اس نے عربی میں قرآن نازل فرما کر اہل عرب کی انجانی کا عذر رفع کر دیا اب جو کوئی قرآن کی نصیحت خود بھی نہ مانے گا اور لوگوں کو بھی ایسے نیک راہ سے روکے گا تو اس پر قیامت کے دن دوہرا عذاب ہوگا۔

۱۵۸۔ بعضے مفسرین نے اس انتظار کے وعدہ کی حد آیت جہاد کو ٹھہرایا ہے اور آیت جہاد سے اس آیت کو منسوخ کہا ہے لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے اس واسطے کہ آیت کے اوپر کے ٹکڑے میں جن نشانیوں کا مجمل طور پر ذکر ہے اس کی صراحت حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے صحاح ستہ میں آچکی ہے کہ ان نشانیوں سے مراد علامت قیامت میں سے آفتاب کا مغرب کی جانب سے طلوع ہونا ہے اور خود قرآن شریف میں فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً سے اس انتظار کی تفسیر ہو چکی ہے اس وجہ سے صحیح تفسیر یہی ہے کہ اس انتظار سے مراد آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا ہے اور معنے آیت کے یہ ہیں کہ مشرکین کے ایمان لانے اور گنہگاروں کے توبہ کرنے کا انتظار اس وقت تک ہے جب تک آفتاب مغرب سے نہیں نکلا جب ادھر سے آفتاب نکل آوے گا تو کوئی عمل پھر قبول نہ ہوگا اس حالت میں یہ آیت منسوخ نہیں ہے اس آیت میں گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تسکین فرمائی گئی ہے کہ روزمرہ کی قرآن کی آیتوں کی نصیحت پر بھی جو یہ لوگ اپنے شرک اور قرآن کے انکار سے باز نہیں آتے تو اس سے کچھ گھبرانا اور تنگ دل نہ ہونا چاہئے یہ شرک اور قرآن کے انکار کا سلسلہ تو ان مشرکوں کی موت تک یا پشت بہ پشت قیامت تک چلنے والا ہے معتبر سند سے عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالہ سے گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک آدمی کا دم کھنچ کر سینہ میں نہیں آتا اور موت کا خرانا نہیں لگتا اس وقت تک توبہ انسان کی قبول ہو سکتی ہے اسی طرح معتبر سند سے براء بن عازبؓ کی حدیث بھی مسند امام احمد کے حوالہ سے گذر چکی ہے[1] جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نافرمان آدمیوں کی موت کے وقت خوفناک شکل کے فرشتے ان نافرمان آدمیوں کے پاس آتے ہیں اور ان کو عذاب آخرت اور اللہ تعالیٰ کی خفگی سے ڈراتے ہیں جس سے ان کی روح جسم میں جگہ جگہ چھپتی پھرتی ہے آخر بڑی سختی سے ان کی روح قبض کی جاتی ہے یہ حدیثیں آیت کے ٹکڑے هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ کی گویا تفسیر ہیں حاصل مطلب یہ ہے کہ یہ نافرمان لوگ موت سے پہلے تو اپنی نافرمانی سے باز نہیں آتے ہاں جب ان کا دم اکھڑ کر سینے میں آجاتا ہے اور موت کے فرشتے ان کو نظر آنے لگتے ہیں تو ان کو اپنی حالت پر پچھتاوا آتا ہے لیکن اس وقت کا پچھتاوا کچھ مفید نہیں کیونکہ پچھلی حالت پر پچھتانا اور راہ راست پر آنے کا ارادہ کرنا تو اس وقت تک کا انسان کو مفید ہے جب تک عذاب الٰہی اس کی آنکھوں کے سامنے نہیں آیا جب موت کے وقت عذاب کے فرشتے اس کو نظر آنے لگے اور روح کو سختی سے نکال لینے کے لئے ان فرشتوں نے طرح طرح کا عذاب شروع کر دیا تو

[1] ملاحظہ ہو ص ۱۳۰ جلد ہذا [2] دیکھئے ص ۱۷۵ جلد ہذا

يَأْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ

آویگا ایک نشان تیرے رب کا کام نہ آدے گا ایمان لانا کسی کو جو پہلے سے ایمان نہ لایا تھا

اس وقت کا پچھتانا ایسا ہے جس طرح دنیا میں سزا کے وقت کوئی مجرم جرم کر کے پچھتاتا ہے جس بے وقت کے پچھتاوے سے اس کی سزا ٹل نہیں سکتی۔ سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران میں یہ بیان گذر چکا ہے کہ صفات الٰہی کی آیات متشابہات کہلاتی ہیں[1]۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے صحیح قول کے موافق یہ بھی گذرا ہے کہ جو آیتیں نماز روزہ وغیرہ کے کسی عمل سے متعلق ہیں وہ محکم کہلاتی ہیں اور جن آیتوں سے کوئی عمل متعلق نہیں ہے بلکہ ان آیتوں پر بندوں کا فقط ایمان لانا مقصود الٰہی ہے یہ سب آیتیں متشابہات ہیں صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت عائشہؓ کی حدیث گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ متشابہ آیتوں کی تاویل کے درپے ہوں ان کو اللہ تعالیٰ کے خوف سے ڈرنا چاہئے[2] اس صحیح حدیث سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو متشابہ آیتوں کی تاویل سے ڈرایا ہے اس لئے صحابہ اور تابعین کا زمانہ اس طریق پر گذرا ہے کہ وہ لوگ متشابہ آیتوں کی تاویل کے درپے نہ تھے بلکہ اس کو برا جانتے تھے بعد اس زمانہ کے جن علمائے مفسرین نے اپنی تفسیروں کا مدار صحابہؓ اور تابعینؒ کے طریقہ پر رکھا ہے وہ بھی اس قسم کی آیتوں میں تاویل کو جائز نہیں رکھتے بلکہ ان کو ظاہر معنے پر قائم رکھ کر ان کی تلاوت کرتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ ان آیتوں سے کوئی عمل شرعی متعلق نہیں ہے اس واسطے ان آیتوں کی تفصیلی تفسیر بھی ضروری نہیں ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ان علمائے مفسرین نے جن کی تفسیروں کا مدار صحابہ اور تابعین کے طریقہ پر ہے سورہ بقر کی آیت کے ٹکڑے هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ (۲: ۲۱۰) اور اس آیت کے ٹکڑے او یاتی ربك کو ان کے اس معنی ظاہری پر قائم رکھا ہے کہ حشر کے دن اللہ تعالیٰ نیک و بد کے فیصلے کے لئے میدان محشر میں نزول فرماویگا اور اس معنے کی تائید میں بعضے صحابہؓ کے آثار بھی اپنی تفسیروں میں نقل کئے ہیں[3]۔ اسحاق ابن راہویہؒ سے کسی شخص نے پوچھا کہ جب اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے تو بلند جگہ سے نیچی جگہ کے نزول کو اللہ تعالیٰ کی شان میں تسلیم کرنے سے اللہ تعالیٰ کی ذات کی مشابہت جسمی چیزوں کے ساتھ لازم آتی ہے۔ اسحاق بن راہویہؒ نے اسکا یہ جواب دیا کہ نزول ذات الٰہی کی کچھ کیفیت جب ہم بیان نہیں کرتے[4] اور لیس کمثلہ شئ ہمارا عقیدہ ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی ذات کی مشابہت جسمی چیزوں سے کیونکر لازم آسکتی ہے۔ یہ اسحاق بن راہویہؒ امام احمد کے طبقہ کے مفسر اور بڑے عالم ہیں۔ حاصل مطلب آیت کے ٹکڑے هل ینظرون الا ان یاتیهم الله اور او یاتی ربك کا یہ ایک ہی ہے کہ یہ نافرمان لوگ اب تو اپنی نافرمانی سے باز نہیں آتے لیکن جس طرح دنیا میں موت کے فرشتوں کے نظر آجانے کے بعد ان لوگوں کو اپنی حالت پر پچھتاوا آوے گا اور اس وقت کا پچھتاوا ان کے کچھ کام نہ آویگا یہی حال ان لوگوں کا اس وقت ہوگا جبکہ یہ لوگ میدان محشر میں اپنی نافرمانی کی

---

[1] صفات الٰہی کی آیات کو بہ لحاظ کیفیت کے "متشابہات" سے کہا جاسکتا ہے بہ اعتبار معانی کے محکمات سے ہیں جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی تحقیق ہے [2] دیکھئے ص ۲۲۲ ج ۱ [3] حوالہ کے لئے دیکھئے ج ۱ ص ۱۶۴ کا حاشیہ نیز تفسیر ابن جریر ج ۸ ص ۷۱ [4] جامع ترمذی ص ۸۴ باب فضل الصدقة و کتاب العلو للعلی الغفار از ذہبی ص ۱۳۵۔

اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

یا اپنے ایمان میں کچھ نیکی نہ کی تھی تو کہہ راہ دیکھو ہم بھی راہ دیکھتے ہیں جنہوں نے

جواب دہی کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ صحیح بخاری و مسلم میں عدی بن حاتم کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میدان محشر میں نیکی بدی کے دریافت کے وقت اللہ تعالیٰ بغیر واسطے کسی فرشتے یا رسول کے ہر شخص سے اس شخص کے اعمال کی حالت خود دریافت فرماویگا[1] معتبر سند سے معاذ بن جبلؓ کی حدیث مسند بزار اور طبرانی کے حوالہ سے گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حشر کے میدان میں ہر شخص کو چار باتوں کی جواب دہی کے لئے اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑا ہونا پڑے گا۔ ایک تو یہ کہ تمام عمر کس کام میں صرف کی دوسرے یہ کہ جوانی میں کیا کیا۔ تیسرے یہ کہ دنیا میں روپیہ پیسہ کیونکر کمایا اور کہاں کہاں خرچ کیا۔ چوتھے یہ کہ دین کا کچھ علم سیکھا تو اس کے موافق کیا عمل کیا[2] اللہ تعالیٰ کے میدان محشر میں نزول فرمانے کی اور ہر شخص سے بلا واسطہ نیکی بدی کا حال دریافت کرنے کی یہ حدیثیں گویا تفسیر ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آفتاب مغرب سے نکلے گا تو اس وقت کے سب نافرمان لوگ گھبرا کر راہ راست پر آجاویں گے لیکن ایسی مجبوری کے وقت کا انکا راہ راست پر آنا ان کو کچھ نفع نہ دے گا۔[3] معتبر سند سے ترمذی میں صفوان بن عسال کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مغرب کی طرف لوگوں کی توبہ کے آسمان پر جانیکا آسمان میں ایک دروازہ ہے جب آفتاب مغرب کی طرف سے نکل آویگا تو وہ دروازہ بند ہو جاویگا اور پھر کسی کی توبہ قبول نہ ہوگی[4] ایمان اور نیک عمل کے فائدے کے اٹھ جانے کی جس نشانی کا ذکر اس آیت میں ہے یہ حدیثیں گویا اس کی تفسیر ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نشانی مغرب سے آفتاب کے نکلنے کی ہے اس کے بعد نامہ اعمال کے کاغذ لپیٹ کر فرشتے آسمان پر چڑھ جاویں گے اور اعمال کا لکھنا بند ہو جاویگا آخر کو فرمایا اے رسول اللہ کے تم ان نافرمان لوگوں سے کہہ دو کہ اب تو تم لوگ اپنی نافرمانی سے باز نہیں آتے لیکن موت کے فرشتوں کے نظر آنے اور میدان محشر میں اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑے ہونے اور آفتاب کے مغرب سے نکلنے کے وقتوں کا ہم بھی انتظار کرتے ہیں اور تم بھی انتظار کرو یہ وقت ایسے ہیں کہ ان میں نیک بد کا سب حال کھل جاوے گا۔ معتبر سند سے شداد بن اوسؓ کی حدیث ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالہ سے گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عقلمند وہ شخص ہے جو موت سے پہلے موت کے مابعد کا کچھ سامان کر لیوے اور نادان وہ شخص ہے جو موت سے پہلے موت کے مابعد کے سامان سے غافل رہے اور پھر اللہ تعالیٰ سے عقبیٰ میں بہبودی کی توقع رکھے[5] یہ حدیث آیت کے آخری ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مایوسی کے جن وقتوں کا ذکر آیت میں ہے ان وقتوں میں عقبیٰ سے غافل لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے بہبودی کی توقع کا رکھنا بڑی نادانی ہے؛

۱۵۹۔ بعضے مفسروں نے گروہ گروہ یہود نصاریٰ اور مشرکین کو ٹھہرایا ہے اور آیت کو درگذر کی آیتوں میں شمار کر کے جہاد کی آیت سے منسوخ کہا ہے لیکن اوپر صحیح حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ اس امت کے اہل قبلہ میں سے بھی تہتر[6] گروہ ہیں اس سے

[1] مشکوٰۃ ص ۴۸۵ باب الحساب والقصاص والمیزان [2] الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۹۷ [3] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۹۳ و فتح البیان طبع بھوپال ج ۱ ص ۳۰۹ [4] الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۲۰ [5] مشکوٰۃ ص ۴۵۱ باب استحباب المال والعمر للطاعۃ۔

فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ

راہیں نکالیں اپنے دین میں اور ہو گئے کئی فرقے تجھ کو ان سے کچھ کام نہیں انکا کام حوالے اللہ کے

صحیح مذہب یہی ہے کہ آیت عام ہے اور آیت جہاد سے منسوخ نہیں ہے کیونکہ اہل قبلہ سے جہاد نہیں ہے پھر جس آیت کے معنے میں جہاد کے حکم کا انتظار ہی نہیں تو وہ آیت آیات فذکر میں شمار ہو کر آیت جہاد سے منسوخ کیونکر ہو سکتی ہے علاوہ اس کے اوپر بیان ہو چکا ہے کہ آیت جہاد سے کوئی ورگذر کی آیت منسوخ نہیں ہے عبادت الٰہی کے طریقہ کو دین کہتے ہیں۔ حرام حلال کے احکام ہر ایک نبی کے عہد میں جو نازل ہوئے ان احکام کے مجموعہ کو شریعت کہتے ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث گذر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مصلحت وقت کے لحاظ سے احکام شرعی ہر نبی کے زمانہ میں جدا جدا نازل ہوئے ہیں مگر عبادت الٰہی کا طریقہ جس کو دین کہتے ہیں سب انبیاء کا ایک تھا۱؎ عبادت الٰہی کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی توحید کو دل سے مانے اور زبان سے اسکا اقرار کرلے اور اس کے رسولوں کو سچا جان کر ان رسولوں کی معرفت اللہ تعالیٰ کے جو احکام نازل ہوئے ہیں ان کی پوری پابندی کرے۔ توحید کے معنے اللہ کو ایک جاننا لیکن یہ اللہ کا ایک جاننا یا تو اللہ کے خالق اور رازق ہونے کے باب میں ہو گا جس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان زمین اور رزق کے اسباب سب کچھ اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے ان چیزوں کے پیدا کرنے میں کوئی اسکا شریک نہیں ہے۔ اس توحید کا مشرکین یہود نصاریٰ کسی کو انکار نہیں ہے اس لئے قرآن شریف میں اس توحید کے ثبوت کی بحث نہیں ہے بلکہ قرآن شریف میں جگہ جگہ اس توحید کی بحث ہے جو توحید عبادت کا ایسا جزء اعظم ہے کہ اس کے بغیر کسی طرح کی کوئی عبادت بارگاہ الٰہی میں قبول نہیں ہوتی اس توحید کو توحید عبادت کہتے ہیں اس توحید عبادت کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان کا خالق و رازق اللہ تعالیٰ ہے تو اسی کی خالص عبادت اور اسی کے احکام کی پابندی اور اسی کے رسولوں کی فرمانبرداری انسان پر لازم ہے۔ اس توحید عبادت میں لوگوں کے الگ الگ فرقے ہو گئے ہیں کوئی ستارہ پرست ہے کوئی آتش پرست کوئی بتوں کو پوجتا ہے کوئی عیسیٰ علیہ السلام کو معبود بتاتا ہے کسی نے احکام الٰہی کی پابندی چھوڑ کر ایسی ایجادی باتوں کو پکڑا ہے جس کو شرع میں بدعت کہتے ہیں ان مختلف فرقوں کو اس آیت میں فرمایا کہ شیطان کے بہکانے سے عبادت الٰہی کے طریقہ میں ان لوگوں نے اپنی طرف سے راہیں نکال لی ہیں جو راہیں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے برخلاف ہیں اور ان راہوں پر چلنے والے یا وہ لوگ ہیں جو مشرک نجات کے راستہ سے بالکل دور ہیں یا وہ لوگ ہیں جو بدعتی قابل مواخذہ کے ہیں۔ پھر فرمایا اے رسول اللہ کے جب تم نے ان لوگوں کو اللہ کا حکم پہنچا دیا تو تمہارا فرض ادا ہو گیا اب ان میں سے جو فرقہ اللہ کے حکم کو نہ مانے گا اس کا کچھ الزام تم پر نہیں ہے ایسے لوگوں کو تم اللہ کے حوالہ پر چھوڑ دو کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی بداعمالی کے موافق ان کو سزا دیوے گا۔ اس سزا کا مطلب یہ ہے کہ مشرک لوگ تو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور بدعتی فرقہ میں سے جن لوگوں کی بدعت حد شرک تک نہ پہنچی ہو گی وہ اللہ کے حکم کے موافق ایک وقت مقررہ تک دوزخ میں رہ کر پھر عذاب دوزخ سے نجات پائیں گے اور جنت میں داخل ہونے کا انہیں حکم مل جاوے گا۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے جابرؓ کی حدیث اوپر گذر چکی ہے۲؎ جس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص شرک

۱؎ مشکوٰۃ ص ۵۰۱ باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء علیہم السلام ۲؎ دیکھئے ج ۱ ص ۳۴۸۔

ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۱۵۹﴾ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا ۖ

پھر وہی جتادیگا ان کو جیسا کچھ کرتے تھے جو کوئی لایا نیکی اس کو ہے اس کے دس برابر

سے کم درجہ کے گناہ کر کے بغیر توبہ کے مرجاویگا وہ آخر کو جنت میں داخل ہوگا اور جو شرک کی حالت میں بغیر توبہ کے مرجاوے گا وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ یہ حدیث آیت کی گویا تفسیر ہے آیت اور حدیث کو ملا کر حاصل مطلب یہ ہوا کہ ان مختلف فرقوں میں جن کا ذکر آیت میں ہے جو ایسے لوگ ہیں کہ عبادت الٰہی میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں بغیر توبہ کے اور شرک سے باز آنے کے ان کی مغفرت کی کوئی صورت نہیں ہاں جو لوگ شرک سے کم درجہ کے گناہ کر کے بغیر توبہ کے مرجاویں گے ان کی مغفرت کی امید ہے۔

۱۶۰۔ اس آیت کی تفسیر صحیح حدیثوں میں آئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس آیت میں ہر نیکی کے بدلے دس گنا ثواب کا وعدہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس کے معنے یہ ہیں کہ کم سے کم بھی ہر نیکی پر اجر اور ثواب دیا جاویگا تو وہ دس گنا ہوگا اور زیادہ سات سو تک بھی ہے اور اس سے زیادہ بھی ہے اور ہر بدی پر ایک گناہ کی سزا کا وعید ہے لیکن چاہے تو اللہ تعالیٰ بغیر سزا کے یوں ہی بخش دیوے۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا جب کوئی مسلمان نیک عمل کرتا ہے تو دس گنے سے سات سو تک اس کا اجر لکھا جاتا ہے اور بدی ایک کرے تو ایک ہی لکھی جاتی ہے اور کبھی بغیر لکھے معاف بھی ہو جاتی ہے[1] اور صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ نیکی کا کوئی شخص ارادہ کرے اور ارادہ کے موافق عمل نہ کرے تو بھی ایک نیکی محض ارادہ پر لکھی جاتی ہے اور بدی بدوں عمل کے نہیں لکھی جاتی ہے اور بدی کا کوئی شخص دل میں ارادہ کرے اور پھر اس بد ارادہ کو بدل ڈالے تو بھی ایک نیکی لکھی جاتی ہے[2]۔ سورۂ قصص میں آوے گا مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا (۲۸:۸۴) یہ آیت سورۂ قصص کی اس آیت کی تفسیر ہے کیونکہ سورۂ قصص کی آیت میں مبہم طور پر یہ تھا کہ نیکی کرنے والے شخص کو نیکی سے بہتر بدلا ملے گا اس آیت میں اسی کی تفسیر یہ فرمائی کہ بہتر بدلے کا مقصد یہ ہے کہ نیکی کرنے والے شخص کی ایک نیکی کا ثواب کم سے کم دس گنا لکھا جاویگا۔ ہر ایک نیک کام کا ثواب دس سے لیکر سات سو تک جو ہے اس میں روزہ داخل نہیں ہے کیونکہ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ کی دوسری حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ روزے کے ثواب کا اندازہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر رکھا ہے[3] جس کا مطلب یہ ہے کہ فرشتوں کو آدمی کی نیت کا حال معلوم نہیں ہے اس لئے جس قدر نیک نیتی سے آدمی کوئی نیک عمل کرتا ہے دس سے سات سو تک ثواب کا درجہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتے لکھ لیتے ہیں۔ روزے میں ریاکاری کا دخل بہت کم ہے اس واسطے روزے کا ثواب قیامت کے دن روزہ داروں کو خود اللہ تعالیٰ عنایت فرماویگا فرشتوں کو روزے کے ثواب کا درجہ پوچھنے اور لکھنے کا حکم نہیں ہے وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو انصاف بہت پسند ہے اس لئے نیک عمل کی جزا کے کم کرنے میں یا بد عمل کی سزا کے بڑھا دینے میں کسی ظلم و زیادتی کا دخل نہ ہوگا بلکہ پورے انصاف سے جیسا جس کا عمل ہوگا اسی کے موافق جزا اور سزا کا برتاؤ ہوگا۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث گذر چکی ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے

[1] مشکوٰۃ ص ۱۶ کتاب الایمان فصل تیسری [2] الترغیب ص ۱۶ ج ۱ باب الاخلاص و ص ۲۵۹ ج ۲ باب الترغیب فی الخوف الخ [3] مشکوٰۃ ص ۱۷۲ کتاب الصوم

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ قُلْ اِنَّنِيْ

اور جو لایا برائی سو سزا پاوے گا اتنی ہی اور ان پر ظلم نہ ہوگا تو کہہ مجھ کو

هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ

سو جھائی میرے رب نے راہ سیدھی دین صحیح ملت ابراہیم کی جو ایک طرف تھا

کہ قیامت کے دن بعضے گنہ گار اللہ تعالیٰ کے روبرو اپنے گناہوں کا انکار کریں گے جس پر ان لوگوں کے ہاتھ اور پیروں سے گواہی دلوائی جا کر ان لوگوں کو قائل کیا جاوے گا[۱]۔ حدیث کا یہ ٹکڑا آیت کے آخری ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن نہایت انصاف سے ہر ایک کو قائل معقول کیا جاوے گا اور قائل معقول کے بعد سزا کا حکم دیا جاوے گا اسی طرح جزا میں انصاف ہوگا کہ خالص دل سے ایک کلمہ توحید جو پڑھا اس کا ثواب اس قدر دیا جاویگا کہ گناہوں کا انبار اس کے مقابلہ میں ہلکا ہو جاویگا چنانچہ اس باب میں ترمذی ابن ماجہ وغیرہ کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث گذر چکی ہے[۲]۔ اگرچہ ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے لیکن حاکم نے اس کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے[۳]۔

۱۶۱-۱۶۳- اوپر ذکر تھا کہ شیطان کے بہکانے سے عبادت الٰہی کے صحیح طریقہ میں لوگوں نے اپنی طرف سے غلط راہیں نکال لی ہیں اب ان غلط راہوں میں مکہ کے مشرک لوگوں کی یہ غلط راہ تھی کہ ان لوگوں نے ملت ابراہیمی کو بگاڑ کر بت پرستی کو اپنا دین ٹھہرا لیا تھا بتوں کی پوجا کرتے تھے ان کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے اور اسی کو ملت ابراہیمی جانتے تھے اس لئے اس آیت میں فرمایا اے رسول اللہ کے ان مشرکوں سے کہہ دو کہ تم لوگ تو بت پرست ہو اور ابراہیم خلیل اللہ نے اسی بت پرستی کی نفرت کے سبب سے اپنے وطن اپنے باپ اپنی قوم سب کو چھوڑا اور اس ہجرت کے بعد جب ابراہیم خلیل اللہ نے کعبہ بنایا اور اس کے سبب سے مکہ کی آبادی کی بنا پڑی تو انہوں نے مکہ اور اس میں آباد ہونے والے اپنی اولاد کے حق میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (۱۴: ۳۵) جس کا مطلب یہ ہے کہ یا اللہ اس شہر مکہ کو ہر طرح کی آفت سے امن میں رکھ اور میری اولاد میں سے جو لوگ اس شہر میں آباد ہوں ان کو بت پرستی سے بچا۔ تمہارے بڑوں میں سے عمرو بن لحی نے دعائے ابراہیمی کے برخلاف اولاد ابراہیمی اور مکہ میں بت پرستی پھیلائی اب تم لوگ بھی اسی لکیر کے فقیر ہو اور پھر اپنے آپ کو اولاد ابراہیمی اور ملت ابراہیمی کا پابند گنتے ہو یہ کتنی بڑی غلطی ہے اور ان مشرکوں سے یہ بھی کہہ دو کہ جو سیدھا راستہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بتایا ہے حقیقت میں ملت ابراہیمی وہ ہے کہ میری عبادت میری قربانی میری زیست موت سب اللہ کے حکم کے موافق ہے تم لوگوں کی طرح میں کسی دوسرے کو ان باتوں میں اللہ کا شریک نہیں ٹھہراتا امت کے سب لوگوں سے پہلے اللہ کے رسول احکام الٰہی کے پورے پابند اور حکم بردار ہوتے ہیں اور پھر ان کی حکم برداری کا اثر امت کے لوگوں پر پڑتا ہے اس لئے فرمایا کہ میں تم سب سے پہلے حکم بردار ہوں عمرو بن لحی کا قصہ اوپر گذر چکا ہے کہ پہلے پہل اسی شخص نے ملت ابراہیمی کو بگاڑ کر مکہ میں بت پرستی پھیلائی۔ یہ عمرو بن لحی وہی شخص ہے جس کو

[۱] مشکوٰۃ ص ۴۸۵ باب الحساب والقصاص والمیزان [۲] مشکوٰۃ ص ۴۸۶ باب الحساب والقصاص والمیزان [۳] ترغیب و ترہیب ص ۲۷۰ ج ۱

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٦١﴾ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي

اور نہ تھا شریک والوں میں تو کہہ میری نماز اور قربانی اور میرا جینا اور مرنا

لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ ۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٦٣﴾

اللہ کی طرف ہے جو صاحب ہے سارے جہان کا کوئی نہیں اس کا شریک اور یہی مجھ کو حکم ہوا اور میں سب سے پہلے حکم بردار ہوں

قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِي رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۚ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا

تو کہہ اب میں سوائے اللہ کے تلاش کروں کوئی اور رب اور وہی ہے رب ہر چیز کا اور جو کوئی کمائے گا سو اس کے ذمہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ کی آگ میں جلتے ہوئے دیکھا یہ دیکھنا آپ کا اس وقت کا ہے جب سورج گہن کی نماز میں دوزخ اور جنت کو آپ نے دیکھا تھا جس کا ذکر صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے آیا ہے[1] ۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث گذر چکی ہے[2] جس کا حاصل یہ ہے کہ آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے جو کچھ دنیا میں اول سے آخر تک ہونے والا تھا اپنے علم ازلی کے موافق اللہ تعالےٰ نے وہ سب لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسے اشعریؓ کی وہ حدیث بھی گذر چکی ہے[3] جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کی نصیحت کی مثال مینہ کے پانی کی اور اچھے بُرے لوگوں کی مثال اچھی بُری زمین کی فرمائی ہے ۔ یہ حدیثیں آیت کی گویا تفسیر ہیں آیت اور حدیثوں کو ملا کر حاصل مطلب یہ ہوا کہ مشرکین مکہ میں سے لوح محفوظ کے نوشتہ کے موافق جو لوگ عمرو بن لحی کے ساتھی ٹھہر چکے تھے ان کے حق میں قرآن شریف کی نصیحت کا اثر اسی طرح رائگاں گیا جس طرح بُری زمین میں مینہ کے پانی کا اثر رائگاں جاتا ہے پھر فتح مکہ کے جب ایسے سب لوگ شرکت کی حالت میں مر مٹ کر عمرو بن لحی سے جا ملے اور وہ لوگ باقی رہ گئے جو لوح محفوظ کے نوشتہ کے موافق راہ راست پر آنے والے تھے تو اُن کے حق میں قرآن شریف کی نصیحت اسی طرح مفید ہوئی جس طرح اچھی زمین میں مینہ کا پانی مفید ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام مکہ میں اسلام پھیل گیا صراط مستقیم اور دین صحیح دونوں ایک ہیں ۔ تفسیر صراط مستقیم کی آیت وان ھذا صراطی مستقیما کی تفسیر میں گذر چکی ہے ؂

۱۶۴ ۔ سورہ عنکبوت سورہ اقرأ اور قل یا ایھا الکافرون کی تفسیر میں آویگا کہ مشرکین مکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے تھے کہ آپ اور آپ کے ساتھ کے مسلمان ایک سال ہمارے بتوں کی پوجا کر لیا کریں پھر ایک سال ہم لوگ اللہ کی عبادت کر لیا کریں گے اور یہ بھی کہتے تھے کہ اگر قیامت قائم ہوئی اور اسی سال بھر کی بت پرستی کے جرم میں مسلمان کسی عذاب میں پکڑے گئے تو وہ عذاب ہم اپنے ذمہ لے لیویں گے ۔ اس کے جواب میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا اے رسول اللہ کے تم ان مشرکوں سے کہہ دو کہ جب سب چیزیں اللہ تعالےٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں اور وہی ہر چیز کا رب ہے تو مخلوق الٰہی ہونے میں سب برابر ہیں پھر معبود قرار پانے کا کسی مخلوق کو کیا حق ہے اور سوا اللہ کے میں کوئی دوسرا معبود کیونکر ڈھونڈ سکتا ہوں اور تم لوگوں نے دوسروں کا عذاب اپنے ذمہ لینے کا جو ذکر کیا تو

[1] حضرت عائشہ کی اس حدیث صحیح کیلئے صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۴۴ ملاحظہ ہو [2] دیکھئے ص ۱۲۴ ج ۱ و ص ۱۲۴ وغیرہ جلد ہذا [3] ص ۴۴ ۱۹ و ۲۱۵ جلد ہذا

عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى ۚ ثُمَّ إِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ

پر اور بوجھ نہ اٹھا دے گا ایک شخص دوسرے کا پھر تمہارے رب پاس رجوع تمہارے سو وہ جتا دے گا

بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ

جس بات میں تم جھگڑتے تھے اور اسی نے تم کو کیا ہے نائب زمین میں

وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ

اور بلند کئے تم میں درجے ایک کے ایک پر کہ آزماوے تم کو اپنے دیئے حکم میں

ایک مجرم کی سزا دوسرے شخص کو کیونکر ہو سکتی ہے پھر فرمایا اس فہمائش پر بھی یہ لوگ اپنی نادانی کی باتوں سے باز نہ آویں تو مرنے کے بعد ایک دن سب کو اللہ کے روبرو حاضر ہونا پڑے گا اس وقت ان سب جھگڑے کی باتوں کی سزا ان لوگوں کے سامنے آجاوے گی۔ عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ اور ابو موسےٰ اشعریؓ کی حدیثیں اس آیت کی بھی گویا تفسیر ہیں۔

۱۶۵۔ جس طرح ہر مسلمان کو اللہ تعالےٰ کی رحمت اور بخشش کی توقع رکھنی چاہئے اسی طرح اس کے عذاب اور غصہ سے بھی ہر وقت ڈرنا چاہئے اس واسطے ایمان امید اور بیم کے بیچ میں قرار پایا ہے صحیح مسلم ترمذی مسند امام احمد بن حنبل میں ابوہریرہؓ اور صحابہؓ کی مرفوع اور موقوف حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت نے فرمایا اللہ تعالےٰ کے عذاب اور غصہ کا حال اگر لوگوں کو معلوم ہو جاوے تو جنت میں داخل ہونے سے ہر ایک کا دل چھوٹ جاوے اسی طرح اس کی رحمت کا حال معلوم ہو جاوے تو کوئی اپنے آپ کو دوزخی نہ خیال کرےؔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ رحمت کے سو درجے اللہ تعالےٰ نے پیدا کئے ہیں ایک درجہ دنیا بھر میں ساری خلقت کو بٹا ہے اور ننانوے درجے اللہ تعالےٰ کے پاس ہیںؔ۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ کی دوسری حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا کے پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالےٰ نے ایک نوشتہ عرش پر اپنے پاس لکھ کر رکھ لیا ہے کہ اللہ کی رحمت اللہ کے غضب اور غصہ پر غالب ہےؔ۔ حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ پچھلی امتوں کے بعد اے امت محمدیہ اللہ تعالےٰ نے ان امتوں کے نائب اور قائم مقام کے طور پر تم کو پیدا کیا ہے اور انتظام دنیا چلنے کے لئے بعضوں کو تم میں مالدار کیا ہے اور بعضوں کو تنگدست تاکہ تنگدست لوگ مالداروں کا کام کاج کر کے اس کے معاوضہ میں جو کچھ کماویں اس سے اپنی گذران کریں اور مالدار لوگ تنگدست لوگوں کے کام کاج سے اپنی ہر طرح کی ضرورتوں کو رفع کر کے اپنی گذران کریں اور امیر و غریب کے پیدا کرنے میں یہ آزمائش بھی ہے کہ مالدار لوگ کہاں تک اس مال و متاع کے دینے والے کا شکر کرتے ہیں اور غریب لوگ اپنی غریبی پر کہاں تک صبر و قناعت سے کام لیتے ہیں پھر فرمایا کہ یہ دنیا اور دنیا کا انتظام سب چند روزہ ہے اس چند روزہ انتظام میں خواہ امیر خواہ غریب جو کوئی اتنی عقلمندی کرے گا کہ پچھلی امتوں کے عذاب الٰہی سے ہلاک ہو جانے کا حال پیش نظر رکھ کر جہاں تک ہو سکے کچھ عقبےٰ کا سامان کر لیوے گا تو اللہ تعالےٰ کی

لے ترغیب ج ۲ ص ۲۶۱ باب الخوف و فضلہ ۳۶۳ مشکوٰۃ ص ۲۰۷

رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ ۖ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٦٥﴾

تیرا رب شتاب کرتا ہے عذاب اور وہ بخشنے والا مہربان ہے

آیاتھا ۲۰۶ (۷) سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ (۳۹) رکوعاتھا ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بخشش کرنے والا مہربان ہے

الٓمٓصٓ ﴿١﴾ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ

یہ کتاب اتری ہے تجھ کو سو اس سے تیرا جی نہ رکے کہ خبردار کر دے تو

بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢﴾ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا

اس سے اور نصیحت ہو ایمان والوں کو چلو اسی پر جو اترا تم کو تمہارے رب سے اور نہ چلو

رحمت ایسی وافر ہے کہ وہ تھوڑے عمل کا بہت سا ثواب عنایت فرماویگا چنانچہ فقط ایک کلمہ توحید کے ثواب کا حال اوپر گذر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہاں تک اس کو بڑھا دیا اور جو کوئی نادانی سے عمر بھر نافرمانی میں گرفتار رہے گا تو اللہ تعالیٰ کا عذاب بھی ایسا سخت ہے کہ جس کا کچھ ٹھکانا نہیں معتبر سند سے شداد بن اوس کی حدیث ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالہ سے گذر چکی ہے[1] جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عقلمند وہ شخص ہے جو موت سے پہلے موت کے مابعد کا کچھ سامان کر لیوے اور نادان وہ شخص ہے جو عمر بھر نافرمانی میں لگا رہے اور پھر عقبیٰ میں اللہ تعالیٰ سے بہبودی کی توقع رکھے اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے۔

یہ سورہ مکی ہے اگرچہ بعضے مفسرین نے اس سورہ کی چند آیتوں کو مدنی بتلایا ہے لیکن یہ اوپر گذر چکا ہے کہ جس سورہ کے شروع کی آیتیں مکی ہوں وہ مکی کہلاتی ہیں۔ نسائی میں معتبر سند سے حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نماز مغرب کی دو رکعتوں میں اس سورۃ کو ختم کیا کرتے تھے[2]۔

۱۔ یہ حروف مقطعات ہیں ان کے معنے سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں چنانچہ اس کی تفصیل سورہ بقر میں گذر چکی ہے۔

۲-۳۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، مجاہد اور قتادہ کے قول کے موافق اس آیت میں حرج کے معنے شک کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب اس کتاب کے اللہ کا کلام ہونے میں کچھ شک نہیں ہے تو مشرکین مکہ میں سے اکثر لوگوں کے اس قرآن کو سن کر راہ راست پر آنے میں بھی کچھ شک کرنا چاہئے اس لئے تم اس کتاب کے موافق لوگوں کو ڈراتے رہو اور آخر کو اس ڈرانے کا نتیجہ نیک حسب دلخواہ نکلنے میں کچھ شک و شبہ نہ کرو کیونکہ جو ایمان والے ہیں ان کے لئے تو اس قرآن میں بڑی نصیحت ہے اور جو منکر لوگ اس کی نصیحت نہ مانیں تو اے رسول اللہ کے تمہارا کام فقط اللہ کا کلام ان کو پہنچا دینا ہے جب اہل مکہ باوجود اپنی فصاحت کے دعوے کے قرآن کی مانند ایک چھوٹی سی سورت بھی بنا کر پیش نہ

[1] یعنی ص ۱۲۹ و ۲۲۳ جلد ھذا [2] سنن نسائی ص ۱۴۲ ج ۱ الطبع المکتبۃ السلفیۃ لاہور۔

مِنْ دُونِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا

اس کے سوائے اور رفیقوں کے پیچھے تم کم دھیان کرتے ہو اور کتنی بستیاں ہم نے کھپا دیں

فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ﴿۴﴾ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ

کہ پہنچا ان پر ہمارا عذاب راتوں رات یا دوپہر کو سوتے پھر یہی تھی ان کی پکار جب

کر سکے اور اُن کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ قرآن طاقت بشری سے باہر ایک کلام ہے تو ان کے قائل کرنے کو فرمایا کہ اب ہٹ دھرمی نہ کرو قرآن کو کلام الٰہی جانو اور اس کی پیروی کرو شیطان کے بہکانے سے بت پرستی جو کر رہے ہو اس کو اور سب طرح کے کفر و شرک کو چھوڑو سوائے خدا کے کسی کو اپنا کام بنانے والا نہ ٹھہراؤ تم لوگ نصیحت کی باتوں کا بہت کم دھیان کرتے ہو ورنہ قرآن کی نصیحت تمہارے دل پر خوب اثر کر سکتی ہے صحیح بخاری و مسلم کی ابوہریرہؓ کی حدیث اوپر گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور معجزوں کے علاوہ مجھ کو قرآن شریف ہی کا ایک ایسا معجزہ دیا گیا جس کے سبب سے قیامت کے دن میری امت کے لوگوں کی تعداد بہ نسبت اور امتوں کے زیادہ ہوگی[1] یہ حدیث قرآن کے صاحب اثر ہونے کی گویا تفسیر ہے؛

۴-۷۔ اوپر کی فہمائش کے بعد ان آیتوں میں اللہ تعالٰے نے اہل مکہ کو یوں ڈرایا ہے کہ جب تم سے پچھلے لوگوں نے کفر و شرک نہ چھوڑا اور خدا تعالٰے کے حکموں اور رسولوں کی فرمانبرداری نہ کی تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسولوں کی مخالفت کے سبب سے اُن نافرمانوں کی بہت سی بستیاں تباہ کر دی گئیں دونوں جہان کی ذلت ان کو حاصل ہوئی تم لوگ بھی اگر اللہ کے رسول کی نافرمانی سے باز نہ آئے تو تمہارا بھی یہی انجام ہونے والا ہے قوم لوط علیہ السلام پر رات کے وقت اور قوم شعیب علیہ السلام پر دوپہر کے وقت عذاب الٰہی نازل ہوا تھا یہ دونوں وقت نہایت آرام و غفلت کے ہوتے ہیں ایسے ہی وقت میں خدا کا عذاب یکایک اترا اور اس واسطے ان دونوں وقتوں کا نام اس آیت میں لیا گیا کہ آرام کے وقت مصیبت کا آجانا انسان کو بہت شاق گذرتا ہے اہل مکہ اپنے عیش و آرام میں ڈوبے ہوئے تھے اس لئے ان کو جتلایا کہ ان سے پہلے لوگ بھی عیش کے بندے تھے لیکن راحت کے وقتوں میں جب ان پر عذاب آگیا تو سب راحت خاک میں مل گئی پھر فرمایا جن وقتوں میں عذاب آیا تھا وہ اس وقت سوائے اپنے گناہوں کے اقرار کے اور کچھ نہ کہہ سکے یہی کہتے تھا کہ بے شک ہم اسی لائق ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ قیامت کے روز پروردگار پچھلی سب امتوں سے جھڑکی اور ان کو قائل کرنے کے طور پر یہ پوچھے گا کہ تم نے ہمارے رسولوں کی کیا فرماں برداری کی اور رسولوں سے یہ دریافت فرماویگا کہ تم نے ہمارے پیغام ان کو پہنچا دئیے یا نہیں[2] سورہ قصص میں آویگا۔ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰۤى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ (۲۸: ۵۹) اور سورہ مومن میں آوے گا فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ (۴۰: ۸۴-۸۵) مطلب ان دونوں آیتوں کا یہ ہے کہ جتنی بڑی چھوٹی بستیاں پچھلے زمانہ میں طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک ہوئے ہیں ان کی ہلاکت سے پہلے

[1] ص ۱۶۳ (۱۹۱۱ء) جلد ہذا [2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۰۱-

جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ

پہنچا ان پر ہمارا عذاب کہنے لگے ہم تھے گنہگار سو ہم کو پوچھنا ہے ان سے

اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا

جن پاس رسول بھیجے تھے اور ہم کو پوچھنا ہے رسولوں سے پھر ہم احوال سناویں گے ان کو اپنے علم سے اور

كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝

ہم کہیں غائب نہ تھے

جب تک اللہ تعالےٰ نے ان میں کی بڑی بڑی بستیوں میں آسمانی کتابیں دے کر رسول نہیں بھیج لئے اور رسولوں کے بھیجنے کے بعد پھر جب تک اُن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کرکے اللہ کے رسولوں سے پوری مخالفت نہیں کی اس وقت تک اللہ تعالےٰ نے بے وقت نا انصافی سے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا پھر جبکہ اللہ تعالےٰ نے دنیا کو نیک و بد کے امتحان کے لئے پیدا کیا ہے اور مجبوری کے بعد یہ امتحان کا موقع باقی نہیں رہتا اس لئے اللہ کے عذاب کو آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد ان لوگوں نے جو اللہ کی فرمانبرداری اور شرک سے بیزاری کا اقرار کیا ان کے اس بے وقت کے اقرار پر لحاظ کرنا انتظام دنیا کے برخلاف تھا اس واسطے ان کا وہ اقرار نا قابل توجہ قرار پایا۔ صحیح بخاری کے حوالہ سے مغیرہ بن شعبہؓ کی حدیث گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صاحب عذر کے عذر کو رفع کر دینا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اسی واسطے اس نے آسمانی کتابیں دیکر رسول بھیجے تاکہ کسی شخص کو احکام الٰہی کی انجانی کا عذر باقی نہ رہے صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث بھی گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آسمان وزمین کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے دنیا کے پیدا ہونے کے بعد جو کچھ دنیا میں ہونے والا تھا اپنے علم الٰہی کے موافق وہ سب اللہ تعالےٰ نے لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے مسند امام احمد صحیح بخاری، نسائی اور ابن ماجہ میں ابوسعید خدریؓ کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جن امتوں نے اپنے رسولوں کی دنیا میں نافرمانی کی ہے قیامت کے دن اللہ تعالےٰ ان امتوں کے رسولوں سے پوچھے گا کہ تم نے اللہ تعالےٰ کے احکام اپنی امتوں کو اچھی طرح سے پہنچا دئے تھے اللہ کے رسول جواب دیں گے کہ یا اللہ ہم نے ان لوگوں کو تیرے سب سزا و جزا کے احکام پہنچا دئے لیکن ان لوگوں نے ان احکام کو نہیں مانا یہ پچھلی امتوں کے لوگ اللہ کے رسولوں کو جھٹلا دیں گے اور کہیں گے یا اللہ ہم کو کسی نے تیرے احکام نہیں پہنچائے اس پر اللہ تعالےٰ ان رسولوں سے فرماویگا کہ تم اپنے بیان کی تائید میں کوئی شہادت پیش کر سکتے ہو وہ رسول امت محمدیہ کو اپنا گواہ قرار دیں گے یہ سن کر پہلی امتیں کہیں گی کہ یا اللہ یہ لوگ تو ہم سے پیچھے دنیا میں پیدا ہوئے تھے ان کو ہمارے حال کی کیا خبر ہے۔ امت محمدیہ کے لوگ کہیں گے کہ یا اللہ تو نے ہمارے نبی آخر الزمان پر جو قرآن اتارا ہے اس میں پہلے نبیوں کا اور پہلی امتوں کا سب کا ذکر ہے اس واسطے ہم تیرے کلام کے موافق تیرے

۵؎ صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۱۰۳ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا شخص اغیر من اللہ و صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۹۱ باب اللعان ۲؎ صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۵ باب حجاج آدم و موسیٰ علیہما السلام۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ࣙالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

اور تول اس دن ٹھیک ہے سو جن کی تولیں بھاری پڑیں سو وہی ہیں جن کا

الْمُفْلِحُوْنَ ۝۸ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

بھلا ہوا اور جن کی تولیں ہلکی پڑیں سو وہی ہیں جو ہارے اپنی جان

رسولوں کے سچے ہونے کی گواہی دیتے ہیں[۱]۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اوپر کی آیتیں اور حدیثیں گویا اس آیت کی تفسیر ہیں جس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کو ہر ایک فرمانبردار اور نافرمان کا حال دنیا کے پیدا کرنے سے پہلے معلوم تھا لیکن اس نے سزا و جزا کا مدار اپنے انصاف سے اس اپنے ازلی علم پر نہیں رکھا بلکہ دنیا اور عقبےٰ میں نافرمان لوگوں کی سزا کا مدار ظہور جرم اور ثبوت جرم کے بعد رکھا ہے۔ فلنقصن کا مطلب حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ ہر شخص کا نامہ اعمال اس کے روبرو رکھا جاوے گا جو سب عملوں کا احوال ظاہر کریگا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب چھوٹے بڑے عملوں کی خبر اپنے بندوں کو دیگا کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے سب کچھ اس کے علم میں ہے مگر نامہ اعمال سے ان لوگوں کو قائل کیا جاویگا۔

۸-۹۔ اللہ کے حکم سے قیامت کے دن عملوں کو ایک طرح کا جسم دیا جاویگا جس جسم میں نیکی کے سبب سے ایک بھاری پن اور بدی کے سبب سے ایک ہلکا پن ہو گا غیر جسمی چیزوں کیلئے ایک طرح کا جسم پیدا ہو جانا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ بلا اور دعا آپس میں لڑتے ہیں[۲] یا قبر میں نیک عمل نیک صورت بن کر اور بدعمل بری صورت بن کر مُردہ کے پاس آتے ہیں[۳] یہ قدرت الٰہی سے کچھ بعید نہیں ہے اس واسطے یہ تاویل کرنا کہ صاحب عمل لوگوں کا جسم تولا جاویگا ایک بعید تاویل ہے اور بعضے مفسروں نے صحیحین کی اس حدیث سے کہ قیامت کے دن بڑے بڑے موٹے اور جسیم آدمی ہوں گے جو اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کی برابر نہ تلیں گے[۵] صاحب عمل کے تولنے کی تائید جو نکالی ہے وہ تائید بھی تکلف سے خالی نہیں کیونکہ اس حدیث میں ان لوگوں کی قدر و منزلت اللہ کے نزدیک ہلکی ہونے کا ذکر ہے جسموں کے تولنے سے اس حدیث کو کچھ تعلق نہیں اور بعضے مفسروں نے یہ جو لکھا ہے کہ عمل نہیں تولے جاویں گے بلکہ نامہ اعمال کے کاغذ تولے جاویں گے اور اپنے اس قول کی تائید میں ترمذی اور مسند امام احمد بن حنبل کی وہ حدیث پیش کی ہے کہ کلمہ توحید کے ثواب کا کاغذ کا ٹکڑا بہت سے بدیوں کے دفتروں سے بھاری رہے گا اس میں بھی عمل کے ثواب کا وزن ہے ورنہ کاغذ کا خالی ٹکڑا کیا بھاری ہو سکتا ہے[۶] ترمذی، ابوداؤد وغیرہ میں ابو درداء کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میزان میں خوش اخلاقی بڑی بھاری چیز ٹھہرے گی[۷] اس حدیث کو ابن حبان نے صحیح کہا ہے[۸]۔ اس صحیح حدیث سے عملوں کے تولے جانے کی پوری تائید ہوتی ہے۔ اب عملوں کے تولے جانے کے بعد جن کے نیک عملوں کا پلڑا بھاری ہو گا وہ جنتی قرار پاویں گے اور جن کا بد عملوں کا پلڑا بھاری

[۱] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۵ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۹۰ [۲] فتح البیان ج ۳ ص ۵ طبع ہند [۳] الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۲۹۹ الترغیب فی کثرۃ الدعاء [۴] الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۸۹ ---- ۲۹۰ الترہیب من المرور بقبور الظالمین [۵] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۹۱ کتاب التفسیر [۶] فتح البیان ج ۳ ص ۷ طبع ہند [۷] جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۱ [۸] الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۴۸۔

بِمَا كَانُوا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴿۹﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا

اس پر کہ ہماری آیتوں سے زبردستی کرتے تھے اور ہم نے تم کو جگہ دی زمین میں اور بنا دیں

لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ

اس میں تم کو روزیاں تم تھوڑا شکر کرتے ہو اور ہم نے تم کو پیدا کیا پھر صورت دی

ع ۱۰ / ۸

ہوگا وہ دوزخ میں جاویں گے، دوزخ میں جانے کے بعد جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا آخر کو وہ دوزخ سے نکل کر جنت میں جاویگا چنانچہ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوسعید خدری کی حدیث[۱] اس باب میں گذر چکی ہے میزان میں جن لوگوں کے نیک عمل اور بد عمل برابر ہوں گے وہ لوگ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے قول کے موافق اعراف پر جنتیوں اور دوزخیوں کے فیصلہ اخیر تک ٹھہرائے جاکر پھر جنت میں جاویں گے[۲] اعراف جنت اور دوزخ کے درمیان میں ایک دیوار ہے جس کا ذکر آگے آتا ہے قیامت کے تین مقام جو بڑے خوف اور بڑی پریشانی کے ہیں ان میں ایک مقام تو یہی اعمال کے تولے جانے کا ہے دوسرا مقام نامہ اعمال کے داہنے یا بائیں ہاتھ میں آنے کا ہے تیسرا مقام پل صراط پر گذرنے کا ہے ابوداؤد میں حضرت عائشہؓ کی روایت[۳] ہے جس میں ان تینوں مشکل کے مقاموں کا ذکر ہے اگرچہ ابوداؤد اور حافظ عبدالعظیم منذری دونوں نے اس حدیث کی سند کا کچھ حال بیان نہیں کیا لیکن اس حدیث کی سند معتبر ہے کیونکہ یہ حدیث حسن بصریؒ کی روایت سے ہے جس کو انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے صاحب جامع الاصول نے اس بات کو صاف کر دیا ہے کہ حسن بصریؒ کی حضرت عائشہؓ سے ملاقات ہوئی ہے اس صورت میں یہ حدیث امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے کس لئے کہ جن دو شخصوں کا زمانہ ایک ہو ان کی باہمی روایت امام مسلم کے نزدیک صحیح ہے یہاں تو حسن بصریؒ اور حضرت عائشہؓ کی ملاقات بھی ثابت ہوئی ہے اس لئے اس حدیث کی سند معتبر معلوم ہوتی ہے ؛

۱۰ ـــ ۱۲ ـ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان احسانوں کو جتایا ہے جو اس نے اپنے بندوں پر کئے ہیں تاکہ بندے ان احسانوں کے شکر گذار ہو جاویں اور سوا اللہ کے اوروں کی پرستش چھوڑ دیویں اس لئے فرماتا ہے کہ ہم نے تم کو زمین میں رہنے اور گھر بنانے کی جگہ دی مکان بنانے کی باغ لگانے کی کھیتی کرنے کی تم کو عقل دی زمین کی مضبوطی کے لئے پہاڑ پیدا کئے زمین کی سرسبزی کے لئے نہریں بہا دیں کھیتی سوداگری کے ہزار ہا سامان معاش کے تمہارے لئے زمین میں پیدا کر دئے باوجود اس کے تمہاری یہ ناشکری ہے کہ ایسے بڑے مالک کو چھوڑ کر اوروں کی پوجا کرتے ہو علاوہ اس کے تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو یہ بزرگی عطا فرمائی کہ تمام فرشتوں کو حکم سجدہ کرنے کا دیا سب فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا اور حکم پروردگار کا مانا مگر ابلیس نے کہ وہ تمہارے باپ سے عداوت رکھتا تھا بسبب حسد کے آدم کو سجدہ نہ کیا اور عدول حکمی کی ابلیس تمہارا موروثی دشمن ہے تم اس سے بچتے رہو اور اسکا کہنا ہرگز

[۱] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷۰ باب صفۃ الجنۃ والنار ۔ [۲] تفسیر ابن جریر ج ۸ ص ۱۹۰ ـ ۱۹۱ طبع جدید ۔ [۳] سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۶۵۴ باب فی ذکر المیزان و تفسیر الدر المنثور ج ۳ ص ۷۰ ۔ الترغیب ج ۲ ص ۳۰۵ ۔

ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ

پھر کہا فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدہ کیا مگر ابلیس نہ تھا

مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ

سجدہ والوں میں کہا تجھ کو کیا مانع تھا کہ سجدہ نہ کیا جب میں نے فرمایا

نہ مانو سورہ زخرف میں آدیگا کہ دنیوی معاش میں اللہ تعالٰے نے بعضے لوگوں کو خوشحال اور بعضوں کو تنگ حال جو رکھا ہے اس سے دنیا کا یہ انتظام مدنظر ہے کہ تنگ حال لوگوں کو خوش حال لوگوں کے روپے پیسے کی ضرورت ہے اور خوش حال لوگوں کو تنگ حال لوگوں کے کام کاج کی ضرورت ہے غرض دنیا میں سب لوگ یکساں ہوتے تو دنیا کا انتظام نہ چل سکتا اس انتظام کے موافق جس کی جیسی معاش ہو اس کے موافق ہر شخص کو اس کا شکر ادا کرنا چاہیے معتبر سند سے زوائد مسند امام احمد میں نعمان بن بشیرؓ کی روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے تھوڑی معاش کو اللہ کی نعمت جان کر اس کا شکر ادا نہیں کیا وہ زیادہ معاش کا بھی شکر ادا نہ کر سکے گا۔[1] معتبر سند سے مسند امام احمد میں محمود بن لبیدؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ معاش کی کمی سے گھبراتے ہیں یہ نہیں جانتے کہ جس کی معاش دنیا میں کم ہو گی اس پر قیامت کے حساب کا بار بھی کم ہو گا[2] اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کی معاش زیادہ ہے اس پر دنیا میں شکر گذاری کا اور عقبٰے میں حساب کا بار بھی زیادہ ہے۔ معتبر سند سے مسند امام احمد اور مستدرک حاکم میں ابو درداؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ معاش کی خوش حالی جس سے آدمی دین سے غافل ہو جاوے ایسی معاش کی خوش حالی سے معاش کی تنگ حالی بہتر ہے[3] ان حدیثوں کو پہلی آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے معتبر سند سے ترمذی مسند امام احمد مستدرک حاکم وغیرہ میں حضرت عمرؓ کی روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالٰے نے حضرت آدم کی پشت سے تمام بنی آدم کی جنتی اور دوزخی روحوں کو الگ الگ نکالا اور فرمایا کہ یہ روحیں جنتی لوگوں کی ہیں اور یہ دوزخی لوگوں کی معتبر سند سے مسند امام احمد ترمذی اور ابوداؤد میں ابوموسٰی اشعریؓ کی روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت آدم کے پتلے کے لئے اللہ تعالٰے نے تمام زمین کی مٹی لی ہے اسی واسطے ان کی اولاد میں کوئی گورا ہے کوئی کالا کوئی نرم مزاج ہے کوئی سخت مزاج[4]۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ان حدیثوں کے موافق حضرت آدم کی پشت میں تمام بنی آدم کی روحیں پیدا کی گئی تھیں اور حضرت آدم کے جسم میں تمام بنی آدم کے جسموں کا مادہ رکھا گیا تھا اسی واسطے ایک حضرت آدم کی پیدائش کو خلقناکم ثم صورناکم فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ابوالبشر حضرت آدم کی پیدائش گویا تمام بنی آدم کی پیدائش کی بنیاد ہے سورہ بقر میں حضرت عائشہؓ کی حدیث صحیح مسلم کے حوالہ سے گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں اور

[1] مسند امام احمد ج ۴ ص ۲۷۸ [2] الترغیب ج ۴ ص ۲۳۳ و مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۵۷ [3] الترغیب ج ۴ ص ۲۳۶ [4] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۳۳ تفسیر سورۃ الاعراف [5] دیکھئے ج ہذا ص ۱۱۷

قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ﴿١٢﴾

بولا میں اس سے بہتر ہوں مجھ کو تونے بنایا آگ سے اور اس کو بنایا خاک سے

ابلیس آگ کے شعلہ سے[1]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس ملائکہ میں سے نہیں ہے۔ اس کی زیادہ تفصیل اور فرشتوں نے جو حضرت آدمؑ کو سجدہ کیا ہے اس کی تفصیل سورہ بقرہ میں گذر چکی ہے[2] اگرچہ اللہ تعالےٰ کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں ہے لیکن خود ابلیس ملعون کی زبان سے تکبر کا اقرار کرانے کے لئے اس ملعون سے اللہ تعالےٰ نے پوچھا کہ جب تجھ کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا تو پھر تجھ کو کس چیز نے روکا کہ تونے اللہ کے حکم کے موافق سجدہ نہیں کیا اس پر اس ملعون نے وہ تکبر کا جواب دیا جو آگے کی آیت میں ہے؛

۱۲۔ حسن بصری اور ابن سیرین اور اکثر بزرگان دین نے کہا ہے کہ حضرت آدمؑ کو قبلہ ٹھہرا کر خدا تعالےٰ کا سجدہ کرنے کا حکم فرشتوں کے لئے اور ابلیس کے لئے ایک قطعی حکم تھا اور یہ ایسا حکم تھا کہ جس طرح کعبہ کو قبلہ ٹھہرا کر سجدہ کرنے کا نمازیوں کو حکم ہے شیطان نے اس قطعی حکم کے مقابلہ میں جو قیاس کیا یہ پہلا قیاس ہے جو نص کے مقابلہ میں کیا گیا ہے اب بھی نص کے مقابلہ میں جو شخص اس طرح کا عقلی قیاس کرلے اس میں خصلت شیطانی کا اثر ہے اور ایسے شخص کا وہی انجام ہوگا جو شیطان کا انجام ہے ابن سیرین کہا کرتے تھے بتوں کی آگ کی سورج چاند کی غرض سوا اللہ تعالےٰ کے جس چیز کی پوجا زمین پر پھیلی ہے وہ سب قیاس عقلی سے پھیلی ہے۔ یہ محمد بن سیرین حسن بصری کے طبقہ کے تابعی ثقہ ہیں حدیث کی صحیح کتابوں میں ان سے روایتیں ہیں قیاس عقلی سے مقصود وہ قیاس ہے جس کی بنا کسی شرعی حکم پر نہ ہو جس قیاس کی بنیاد کسی شرعی حکم پر ہو وہ قیاس فقہی کہلاتا ہے جب کسی مسئلہ کا صاف حکم قرآن اور حدیث میں نہ پایا جاوے تو قرآن اور حدیث کے موجودہ احکام کو نظیر ٹھہرا کر یہ قیاس فقہی جائز ہے سلف میں اس کا وجود پایا جاتا ہے تفصیلی ذکر اس قیاس کا اصول فقہ کی کتابوں میں ہے۔ محمد بن سیرین نے یہ بات نہایت سچی کہی کہ سوا اللہ کے جو چیزیں زمین پر پوجی جاتی ہیں وہ قیاس عقلی کے سبب سے پوجی جاتی ہیں۔ کیونکہ مثلاً بت پرستی کی بنیاد اس عقلی قیاس پر ہے کہ یہ مورتیں اچھے لوگوں کی ہیں ان مورتوں کی تعظیم اور پوجا کی جاوے گی تو وہ اچھے لوگ اپنے مورتوں کے پوجنے والوں کے بُرے وقت پر کام آویں گے اسی طرح اور چیزوں کا حال ہے ستارہ پرست کہتے ہیں کہ جس طرح انسان کی روح ہے اسی طرح ستاروں کی بھی روحیں ہیں جن کو دنیا کے انتظام میں بڑا دخل ہے ان کی پوجا سے انسان کا بھلا ہو سکتا ہے۔ آتش پرست سورج کو دنیا کا بادشاہ کہتے ہیں اور سورج کی مناسبت کے سبب سے آگ کی پوجا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آگ ایسی چیز ہے جس سے دنیا کی ضرورتیں متعلق ہیں صحیح بخاری و مسلم میں حضرت علیؓ کی روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو مخلوق اللہ کے علم ازلی میں نیک قرار پا چکی ہے اس کے دنیا میں نیک کام آسان ہوجاتے ہیں اور جو مخلوق علم الٰہی میں بد قرار پا چکی ہے وہ نیک کاموں سے دور اور بُرے کاموں میں ہمیشہ گرفتار رہتی ہے[3]۔ یہ حدیث حضرت

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۱۳ باب فی احادیث متفرقہ و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۰۳ [2] تفسیر احسن التفاسیر ج ۱ ص ۳۰ [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۰۰۔

تفسیر سورۃ واللیل اذا یغشی و صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۳ باب کیفیۃ خلق الآدمی الخ۔

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ
کہا تو اتر یہاں سے تجھ کو نہ بنے گا کہ تکبر کرے یہاں سو نکل تو

الصّٰغِرِينَ ﴿١٣﴾ قَالَ أَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿١٤﴾ قَالَ إِنَّكَ مِنَ
ذلیل ہے بولا مجھ کو فرصت دے جس دن تک لوگ جی اٹھیں کہا تجھ کو

الْمُنظَرِينَ ﴿١٥﴾ قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿١٦﴾
فرصت ہے بولا تو جیسا تو نے مجھے بدراہ کیا ہے میں بیٹھوں گا ان کی تاک میں تیری سیدھی راہ پر

آدم اور شیطان کے قصے کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آدم علیہ السلام علم الٰہی میں نیک قرار پائے تھے اس لئے گیہوں کھانے کے قصور کے بعد ان کو توبہ آسان ہو گئی اور شیطان علم الٰہی میں بد قرار پا چکا تھا اس لئے سجدہ نہ کرنے کے قصور سے اس کو توبہ آسان نہیں ہوئی بلکہ اس نے اپنے قیاس عقلی سے اس قصور کو قصور نہیں جانا۔

۱۳-۱۶۔ جب شیطان نے بموجب حکم خدا کے حضرت آدم کو سجدہ نہ کیا اور اپنے آپ کو بہتر اور بڑا جانا تو خدا تعالیٰ نے اس کو ذلیل و خوار کر کے جنت سے نکال دیا اور فرمایا کہ جنت میں رہ کر تجھ کو تکبر کرنا نہیں پہنچتا کیونکہ جنت فرمانبرداروں کی جگہ ہے نافرمانوں کی جگہ نہیں ہے اس لئے تو اس سے نکل اور زمین پر اتر جا کہ تیرے تکبر کی یہی سزا ہے اس وقت شیطان نے سوچ کر اپنے لئے قیامت تک جیتے رہنے کی مہلت مانگی خدا تعالیٰ نے اس کو پہلے صور تک کی مہلت دی تاکہ شیطان کے بہکانے کے بعد فرمانبردار اور نافرمان بندے پہچانے جاویں مہلت مل جانے کے بعد شیطان نے سرکشی سے کہا کہ جس طرح میں گمراہ ہوا اسی طرح میں تیرے بندوں کو جو آدم علیہ السلام کی نسل سے ہوں گے گمراہ کرونگا اور ہر طرف سے سامنے اور پیچھے اور دائیں اور بائیں سے ان کے پاس آکر ان کو بہکاؤنگا حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ سامنے سے مراد دنیا ہے اور پیچھے سے آخرت یا دائیں سے نیکیاں بائیں سے بدیاں مطلب یہ کہ دنیا کی رغبت اور آخرت سے غفلت نیکیوں سے نفرت بدیوں کی زینت دکھا کر ان کو تیرے سیدھے راستہ پر چلنے سے روکوں گا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول میں یہ بھی ہے کہ من فوقہم اس واسطے نہیں فرمایا کہ رحمت اوپر سے اترتی ہے خدا کی رحمت اور بندے کے درمیان میں شیطان حائل نہیں ہو سکتا اس لئے اوپر کی جانب سے شیطان نہیں آتا اور نیچے کی طرف سے بھی تکبر کے سبب سے آنا کوئی پسند نہیں کرتا علاوہ اس کے جس کے پاس نیچے کی طرف سے جاؤ اس کو گھبراہٹ اور نفرت ہوتی ہے اور وہ شیطان کی غرض کے بالکل خلاف ہے اس لئے اوپر اور نیچے کی طرف سے شیطان بندے کے پاس نہیں آتا انہیں چار طرف سے کہ جن کا ذکر آیت شریف میں ہے شیطان بندے کے پاس آکر بندے کو بہکاتا ہے ان آیتوں میں تو اکیلے شیطان کو فَاهْبِطْ مِنْهَا فرمایا اور آگے کی آیتوں میں جمع کے لفظوں سے اِهْبِطُوْا فرمایا یہ سورۃ بقر میں گذر چکا ہے کہ جو علماء اس قصہ میں سانپ کی شراکت کو صحیح کہتے ہیں ان کا یہ قول ہے کہ سجدہ نہ کرنے کے گناہ پر جب شیطان جنت سے نکالا گیا تو وہ کسی طرح سے آدم علیہ السلام کو بہکانے کے لئے جنت میں جانا چاہتا تھا لیکن جو فرشتے جنت کے دروازوں پر تعینات ہیں وہ شیطان کو جنت میں نہیں جانے دیتے تھے اس لئے شیطان

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَ

پھر ان پر آؤں گا آگے سے اور پیچھے سے اور داہنے سے اور

عَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿١٧﴾

بائیں سے اور نہ پاوے گا تو اکثر ان میں شکر گزار

سانپ کے منہ میں بیٹھ کر جنت میں گیا اور آدم علیہ السلام کو بہکایا جب تک سانپ جنت کے جانوروں میں سے تھا ان علماء کے قول کے موافق آدم علیہ السلام حوا۔ ابلیس اور سانپ ان چاروں کو جمع کے لفظوں سے اهبطوا فرمایا ہے حافظ ابو جعفر ابن جریر نے اپنی تفسیر میں سانپ کی شراکت کے قصہ کو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ کے معتبر قول سے نقل کیا ہے اس واسطے یہی تفسیر صحیح معلوم ہوتی ہے[1] کہ جمع کے لفظوں[2] اهبطوا جہاں فرمایا ہے اس میں آدمؑ حوا، ابلیس اور سانپ یہ چاروں شریک ہیں کیونکہ جب اس باب میں دو معتبر صحابیوں کا قول موجود ہے اور اس تفسیر کے مقدمہ میں یہ گذر چکا ہے کہ تفسیر کے باب میں صحابی کا صحیح قول حدیث نبوی کا حکم رکھتا ہے تو اس قصے میں سانپ کی شراکت کو نا معتبر نہیں قرار دیا جا سکتا ہے ماحصل کلام یہ ہے کہ ابلیس ملعون جنت سے دو دفعہ نکالا گیا ہے ان آیتوں کے موافق ایک دفعہ اکیلا نکالا گیا اور فریب سے پھر جنت میں پہنچا اور آگے کی آیتوں کے موافق دوسری دفعہ آدم، حوا اور سانپ کے ساتھ نکالا گیا۔ دوسرے صور کے بعد جب سب لوگ قبروں سے اٹھیں گے شیطان نے اس وقت تک کے جینے کی مہلت اللہ تعالےٰ سے مانگی تھی جس سے اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ملعون موت کی تکلیف سے بچ جاوے کیونکہ دوسرے صور کے بعد پھر موت نہیں ہے اگرچہ ان آیتوں میں شیطان کی مہلت کی منظوری کا ذکر مختصر طور پر ہے لیکن سورہ حجر اور سورہ ص میں آویگا کہ شیطان کے جینے کی مہلت اللہ تعالےٰ نے وقت معلوم تک منظور فرمائی ہے وقت معلوم کی تفسیر امام المفسرین حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے پہلے صور کی فرمائی ہے اس لئے ان آیتوں کی صحیح تفسیر یہی ہے جو اوپر بیان کی گئی کہ شیطان کے جینے کی مدت پہلے صور تک ہے مسند امام احمد اور مستدرک حاکم کے حوالہ سے ابو سعید خدریؓ کی صحیح حدیث گذر چکی ہے اور آگے بھی آتی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ جب شیطان نے اللہ تعالےٰ کے روبرو بنی آدم کے بہکانے کی قسم کھائی تو اللہ تعالےٰ نے بھی اپنے جاہ و جلال کی قسم کھا کر توبہ اور استغفار کرنے والے گناہ گاروں کے گناہ معاف فرما دینے کا وعدہ فرمایا[3] اس حدیث کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے ؛

۱۷۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت آدمؑ کے زمانہ میں شیطان نے اللہ تعالےٰ سے یہ ایک ظنی بات کہی تھی کہ ہر طرح سے میں بنی آدم کو بہکاؤں گا جب اس نے اپنا گمان سچا کر دکھایا تو اللہ تعالےٰ نے حضرتؐ کے زمانہ میں اس کے ظن کی تصدیق آیت ولقد صدق علیہم ابلیس ظنہ (۳۴: ۲۰) سے فرمائی علی بن ابی طلحہ کی صحیح روایت میں امام المفسرین حضرت

[1] تفسیر ابن جریر ج ۸ ص ۲۳۶ طبع جدید [2] تفسیر ہذا ج ۱ ص ۳۶۸ و ج ۲ ص ۱۴ بحوالہ تفسیر در منثور ج ۲ ص ۷۷ و مشکوٰۃ ص ۲۰۴ بحوالہ مسند امام احمد و مستدرک حاکم ج ۴ ص ۲۶۱ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۷۰۴۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُومًا مَّدْحُورًا ۖ لَّمَن تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمْلَأَنَّ
کہا نکل یہاں سے مردود کھدیڑا جو کوئی ان میں تیری راہ چلے میں بھر دوں گا
جَهَنَّمَ مِنكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٨﴾ وَيَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ
دوزخ تم سب سے اکٹھے اور اے آدم بس تو اور تیرا جوڑا جنت میں
فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿١٩﴾
پھر کھاؤ جہاں سے چاہو اور پاس نہ جاؤ اس درخت کے پھر ہو گے گنہگار

عبداللہ بن عباسؓ نے شاکرین کی تفسیر موحدین فرمائی ہے جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ اگرچہ انسان کو انسان کی سب ضرورت کی چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور پیدا کرنے کے بعد انسان کو نجات عقبےٰ کے راستہ پر لانے کے لئے آسمانی کتابیں نازل فرمائیں، رسول بھیجے مگر شیطان کے بہکاوے میں آن کر اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو بھول گئے کوئی بتوں کو اللہ کی عبادت میں شریک کرتا ہے کوئی ستاروں کو غرض صحیح طریق سے اللہ کی عبادت کرنے والے بہت کم لوگ سرزمین پر نظر آتے ہیں مسند امام احمد اور نسائی وغیرہ کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعودؓ کی صحیح حدیث گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط کھینچ کر اس کو نجات کا راستہ فرمایا ہے اور اس خط کے دائیں بائیں بہت خط کھینچ کر یہ فرمایا ہے کہ ان سب راستوں میں طرح طرح کے شیطانی بہکاوے ہیں[۱]۔ یہ حدیث آیت کی گویا تفسیر ہے حاصل مطلب یہ ہے کہ نجات کا راستہ ایک ہے اور اس پر چلنے والا بھی ایک ہی گروہ ہے شیطانی راستے بھی بہت سے ہیں اور ان پر چلنے والے بھی بہت سے گروہ ہیں یہی مطلب ولا تجد اکثرھم شاکرین کا ہے ؛

۱۸۔ اس آیت میں پھر اللہ پاک نے شیطان سے تاکید کر کے فرمایا کہ نکل بہشت سے مردود قسم ہے مجھ کو بھی کہ جو کوئی تیری تابعداری کریگا میں جہنم کو سب سے بھر دونگا اس جواب خداوندی میں جس قدر خوف ہے اسکا اندازہ کچھ نہیں ہو سکتا کیونکہ ابلیس کے ساتھ اس کے تابعداروں کو بھی جو کہ اس وقت حاضر نہ تھے دوزخ کے اندر ڈالنے کے حکم میں شامل کر لیا خدا اس سے اپنی پناہ میں رکھے مسند امام احمد اور مستدرک حاکم کے حوالہ سے ابو سعید خدریؓ کی صحیح حدیث اوپر گذر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب جنت سے نکالے جانے کے وقت شیطان نے بنی آدم کے بہکانے کی قسم کھائی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے جاہ و جلال کی قسم کھا کر اس مردود کو یہ جواب دیا کہ بنی آدم میں سے گناہ کر کے جو کوئی توبہ و استغفار کریگا میں بھی اس کے گناہ ضرور بخش دونگا[۲] یہ حدیث آیت کی گویا تفسیر ہے آیت اور حدیث کو ملا کر یہ مطلب ہوا کہ شیطان کے ساتھ جہنم میں وہی گنہگار جاویں گے جو ہمیشہ گناہ کرتے رہیں اور خالص دل سے توبہ نہیں کرتے ؛

۱۹۔۲۱۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ و حوا پر سوائے ایک درخت کے کل میوے اور پھل جنت کے مباح کر دئے تھے کہ جہاں سے چاہو بے روک ٹوک کھاؤ اس کا حسد شیطان کو ہوا چاہا کہ کسی طرح یہ نعمتیں ان سے چھینی جاویں اس لئے فریب کی راہ سے کہا کہ اس درخت کے پھل سے جو تم کو منع کیا گیا ہے اس میں یہ بھید ہے کہ کہیں تم فرشتے یا ہمیشہ کے

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۹۰ [۲] دیکھئے تفسیر ہذا ج اول ص ۳۶۸ و ج دوم ص ۱۴۱ و ۲۳۷۔

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا

پھر بہکایا ان کو شیطان نے کہ کھولے ان پر جو ڈھکے تھے ان سے ان کے عیب

وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا

اور وہ بولا تم کو جو منع کیا ہے رب تمہارے نے اس درخت سے نہیں مگر یہ کہ کبھی ہو جاؤ فرشتے یا ہو جاؤ

مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَاۤ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾

ہمیشہ جینے والے اور ان کے پاس قسم کھائی کہ میں تمہارا دوست ہوں ؀

سنے جنت میں رہنے والے نہ ہو جاؤ اور قسم کھائی کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں اس موقعہ پر حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ مومن خدا کا نام سن کر دشمن کے دھوکے میں آجاتا ہے سورہ بقر میں عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ قول گذر چکا ہے کہ پہلے تن تنہا حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں رہنے کا حکم ہوا تھا اس حکم کے موافق حضرت آدم علیہ السلام جنت میں رہتے تھے مگر تنہائی کے سبب سے اکثر گھبرایا کرتے تھے ایک دن حضرت آدم جب سو رہے تھے تو ان کی نیند کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت حوا کو حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی سے پیدا کر دیا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس قول کے موافق اگرچہ پہلے سے حضرت آدمؑ جنت میں رہتے تھے لیکن حضرت آدمؑ اور حوا کے مل کر جنت میں رہنے کا یہ دوبارہ حکم حضرت حوا کے پیدا ہو جانے کے بعد کا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت پسلی سے پیدا ہوئی ہے اس لئے پسلی کی ہڈی کی طرح ہر عورت کے مزاج میں ایک طرح کی کجی ہے[۱]۔ مغازی ابن اسحاق وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایتیں ہیں جس میں انہوں نے فرمایا عورت کے پسلی سے پیدا ہونے کا یہ مطلب ہے کہ حضرت حوا حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے اس وقت پیدا ہوئیں جب حضرت آدم سو رہے تھے یہ پیدا ہونا اس طرح کا ہے جس طرح اناج کے بیج یا میوے کی گٹھلی میں سے پیڑ پھوٹ آتا ہے سورہ بقر میں یہ بھی گذر چکا ہے کہ جس پیڑ کا پھل کھانے سے حضرت آدم علیہ السلام کو منع کیا گیا تھا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق وہ گیہوں کا پیڑ تھا[۲]۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کے سبب سے شیطان جنت سے نکالا گیا اور حضرت آدم علیہ السلام اور حوا دونوں مل کر اللہ کے حکم کے موافق جنت میں راحت سے رہنے لگے تو شیطان کو اس کا بڑا قلق ہوا اور اس قلق میں اس نے جنت تک پہنچنے اور حضرت آدمؑ کے بہکانے کی کوشش کی آخر جنت میں پہنچا اور پہلے حضرت حوا کو بہکا کر گیہوں کے دانے کھلائے اور پھر حوا کی رغبت دلانے سے آخر حضرت آدم علیہ السلام نے بھی گیہوں کے دانے کھائے جس کے نتیجہ کا ذکر آگے کی آیت میں آتا ہے[۳] صحیح بخاری میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر حوا نہ ہوتی تو کوئی عورت اپنے شوہر کے برخلاف شیطان کے کہنے میں نہ آتی[۴] اس حدیث سے ان مفسروں کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ شیطان کے بہکانے سے بغیر اجازت حضرت آدمؑ کے پہلے

[۱] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۷۹ باب مدارۃ مع النساء الخ [۲] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۷۹ [۳] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۷۹ [۴] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۶۹ باب خلق آدم و ذریتہ ؀

فَدَلّٰهُمَا بِغُرُوْرٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا

پھر ڈلا لیا ان کو فریب سے پھر جب چکھا ان دونوں نے درخت کھل گئے ان پر عیب ان کے اور لگے

يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ

جوڑنے اپنے اوپر پات بہشت کے

حوا نے گیہوں کے دانے کھائے اور پھر حضرت آدم علیہ السلام کو بھی ان دانوں کے کھانے کی رغبت دلائی صحیح بخاری و مسلم میں انس بن مالکؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان آدمی کے تمام جسم میں اس طرح سرایت کر جاتا ہے جس طرح خون آدمی کے تمام جسم میں پھرتا ہے[1] مطلب یہ ہے کہ اگرچہ شیطان آدمی کو ظاہر میں نظر نہیں آتا لیکن وہ آدمی کے تمام جسم میں سرایت کر کے آدمی کے دل میں اس طرح کا وسوسہ ڈالتا ہے کہ اپنے اس وسوسہ کا اثر آدمی کے تمام جسم میں پھیلا سکتا ہے اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت اور حدیث کے ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ حضرت آدمؑ اور حوا کے بہکانے کے خلاف عادت ان کو شیطان نظر بھی آیا اور جھوٹی قسم کھا کر اپنی خیرخواہی انہیں جتلائی جس سے اپنے وسوسہ کے اثر کو اور پکا کر دیا برا کام کرنے کے لئے شیطان آدمی کے دل میں جو خیال ڈالتا ہے اس کو وسوسہ کہتے ہیں۔

۲۲-۲۳ شیطان نے آدم و حوا علیہما السلام کے سامنے قسم کھائی اور قسم کا دھوکا دے کر اس درخت کا پھل کھانے پر کہ جس سے انکو منع کیا گیا تھا ان کو آمادہ کر دیا اور جنت سے ان کو نکلوا دیا گیہوں کے کھاتے ہی ان کے ستر کھل گئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ ان کے بدن پر سے کپڑے جنت کے اتر پڑے جو بدن چھپا ہوا تھا وہ ظاہر ہو گیا ورنہ پہلے دونوں کو اپنا ستر نظر نہ آتا تھا انجیر کے پتے لے کر ستر چھپانے لگے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ حضرت آدمؑ جب جنت میں آباد ہوئے تو ان کو ایک کپڑا پہنایا گیا تھا وہ کپڑا چھین لیا گیا کچھ کچھ انگلیوں پر اس کا نشان باقی رہ گیا ہے جس نشان کو ناخن کہتے ہیں قتادہؓ کا قول بھی یہی ہے چنانچہ آگے آتا ہے صحیح بخاری میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت آدم علیہ السلام کا قد ساٹھ گز کا تھا[2] معتبر سند سے تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن حاتم میں روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب گیہوں کے کھانے سے حضرت آدمؑ کا جنتی لباس اتر گیا وہ شرما کر بھاگے مگر قد کے لمبے اور سر پر بال ہونے کے سبب سے ان کے بال جنت کے پیڑوں میں الجھ کر رہ گئے اس وقت آواز دے کر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ سے یہ فرمایا کہ آدمؑ کیا تو مجھ سے بھاگتا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ جس کا ذکر آگے کی آیت میں ہے۔ ان روایتوں کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے۔ فدلّٰهما بغرور اس کا مطلب عربی زبان کے محاورے کے موافق یہ ہے کہ شیطان نے اپنے مکر و فریب سے آدمؑ اور حوا کو بہکا دیا۔ ذاقا الشجرة اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمؑ اور حوا نے چکھنے کے طور پر تھوڑے سے دانے گیہوں کے کھائے۔

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۱۶ باب بیان انہ یستحب لمن رأی خالیا بامرأۃ و مشکوٰۃ ص ۱۸ باب فی الوسوسہ۔ [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۶۸ باب خلق آدم و ذریتہ۔

وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ

اور پکارا ان کو ان کے رب نے میں نے منع نہ کیا تھا تم کو اس درخت سے اور کہا تھا تم کو کہ شیطان

لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ

تمہارا کھلا دشمن ہے بولے وہ دونوں اے رب ہمارے ہم نے خراب کیا اپنی جان کو اور اگر تو نہ بخشے ہم کو اور

حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پکار کر یہ ارشاد فرمایا کیا مجھ سے بھاگتا ہے عرض کیا نہیں مگر مجھ کو تجھ سے شرم آتی ہے فرمایا میں نے جو کچھ تجھ کو جنت کی نعمتیں دیں کیا وہ تجھے کافی نہ تھیں جو تو منا ہی کی چیز کی طرف مائل ہوا عرض کیا کہ اے پروردگار قسم ہے تیری عزت کی میں نے یہ نہ جانا تھا کہ کوئی تیری جھوٹی قسم بھی کھاتا ہے[1] فرمایا قسم ہے مجھ کو اپنی عزت کی کہ میں تجھ کو زمین میں اتاروں گا پھر محنت مشقت سے تو زندگی بسر کریگا۔ اہل سنت کا یہ اعتقاد ہے کہ جس طرح بلاشبہ اور بغیر تفصیل کیفیت کے معلوم کرنے کے اللہ تعالیٰ کی اور صفتیں ہیں اسی طرح کی اس کی صفت کلام الٰہی بھی ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ارادے کے موافق جس وقت جو چاہتا ہے وہ وقت کے مناسب پر ارشاد فرماتا ہے۔ مثلاً جب آدمؑ اور حوا نے شیطان کے بہکانے سے گیہوں کے دانے کھائے تو اللہ تعالیٰ نے پکار کر یہ دونوں سے ارشاد فرمایا کہ کیوں میں نے اس پیڑ کا پھل کھانے سے تم کو منع نہیں کیا تھا۔ فرقہ جہمیہ کے لوگ اس اعتقاد میں اہل سنت کے مخالف ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا یا کسی پیڑ میں ایک آواز پیدا کر دیتا ہے اور جس کو وہ آواز سنانی منظور ہوتی ہے اُسے وہ آواز سُنا دیتا ہے سب آسمانی کتابیں ان لوگوں کے اعتقاد میں اسی طرح کی ہیں۔ سوا کلام الٰہی کے اللہ تعالیٰ کی اور صفات میں بھی اس فرقے کے لوگوں نے طرح طرح کی باتیں نکالی ہیں۔ خلفاء بنی امیہ میں سے ہشام بن عبد الملک کی خلافت میں ایک شخص جعد بن جرہم نے پہلے پہل یہ باتیں نکالی تھیں۔ ہشام نے جب اس شخص کا حال سُنا تو اس کو پکڑ کر ملک عراق کے اپنے ایک سردار خالد بن قسری کے پاس بھیج دیا۔ اگرچہ خالد نے جعد کو چند روز قید رکھ کر ان باتوں سے توبہ کرنے کی مہلت دی لیکن جعد جب اپنی باتوں سے باز نہ آیا اور جعد کے قتل کے باب میں خلیفہ ہشام کا تاکیدی حکم آیا تو خالد نے عید الاضحیٰ کے خطبہ میں عراق کے لوگوں کو یہ سُنا دیا کہ لوگ اپنی اپنی قربانی کریں اور میں جعد کی قربانی کرتا ہوں۔ اس بات کے سنا دینے کے بعد خالد نے جعد کو قتل کر ڈالا۔ جعد کے قتل کے زمانہ تک جو تابعی لوگ موجود تھے ان کو اس کے قتل ہو جانے سے بڑی خوشی ہوئی۔ جعد کے قتل کے بعد جعد کی باتوں کو ایک شخص جہم بن صفوان نے لوگوں میں پھیلایا فرقہ جہمیہ اس شخص کے نام سے مشہور ہے پھر فرقہ معتزلہ۔ امامیہ اور خارجیہ میں بھی رفتہ رفتہ یہ بات پھیل گئی یہ لوگ صفات الٰہی کی آیتوں اور حدیثوں میں اس طرح کی باتیں نکالتے ہیں جو صفات الٰہی کے انکار کے برابر اور سلف کے اعتقاد کے بالکل مخالف ہیں اہل سنت اور ان فرقوں کا مباحثہ شروع سے تیرہ سو ہجری سے چلا آتا ہے صدہا کتابیں اس مباحثہ میں تصنیف ہو چکی ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جن مفسروں نے اپنی

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۰۶ و تفسیر ابن جریر ج ۸ ص ۱۴۳ طبع جدید

تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ

ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ہو جاویں نامراد کہا تم اترو ایک دوسرے کے دشمن ہو کے

تفسیروں کا مدار اہل سنت کے اعتقاد پر رکھا ہے وہ اس آیت کی تفسیر میں یہی لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اور اسی قسم کی اور آیتوں میں پکار کر ارشاد فرمانے کی صفت کو جب اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام پاک میں اپنی ذات کے لئے ثابت فرمایا ہے تو بغیر مشابہت صفات مخلوقات کے ہم اس کا اقرار کرتے ہیں اور تفصیل کیفیت اللہ کو سونپتے ہیں اس تفسیر کے مقدمہ میں یہ بیان کر دیا گیا ہے کہ یہ تفسیر صحابہ اور تابعین کے قول کے موافق ہو گی اس واسطے جس شخص کے قتل سے تابعی لوگوں کو خوشی ہوئی ایسے شخص کا یا اس کی پیروی کرنے والوں کا کوئی قول اس تفسیر میں نہیں لیا جا سکتا اللہ تعالےٰ نے جب آدمؑ اور حوا کو جنت میں رہنے کا حکم دیا تو گیہوں کے پیڑ کا پھل کھانے سے منع فرمایا تھا اور یہ بھی جتلا دیا تھا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے یہ تم کو جنت سے نکلوا دینے کی کوشش کرے گا تم اس سے ہوشیار رہنا اس واسطے ان آیتوں میں تنبیہ کے طور پر فرمایا کہ باوجود جتلانے کے تم نے ایسا کام کیوں کیا مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ توبہ کرنے سے پہلے حضرت آدمؑ نے اللہ تعالےٰ سے دعا کے طور پر عرض کیا کہ یا اللہ اگر میں اپنے گناہ پر پشیمان ہو کر توبہ کر دوں تو مجھ کو پھر جنت مل جاوے گی اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ ہاں مل جاوے گی حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے[۱] اس کے بعد حضرت آدمؑ نے توبہ کی اور وہ قبول ہوئی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق گناہ کے دو سو برس کے بعد حضرت آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی آیت کے آخری ٹکڑے کی تفسیر سورہ بقرہ میں گذر چکی ہے توبہ کے قبول ہونے کی یہ نشانی ہے کہ جس گناہ سے آدمی نے توبہ کی ہے اس گناہ سے پھر آدمی کا دل بیزار ہو جاوے کیونکہ مستدرک حاکم کے حوالہ سے عبداللہ بن مغفلؓ کی روایت گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گناہ کر کے آدمی کا نادم اور پشیمان ہونا بھی توبہ ہے۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[۲] اب ظاہر بات ہے کہ آئندہ کے لئے جب تک آدمی کا دل گناہ سے بیزار نہ ہو گا تو سچی ندامت اور پشیمانی اس کے دل میں پیدا نہیں ہو سکتی اس واسطے بیہقی وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ جو شخص گناہ سے بیزار ہو کر توبہ نہ کرے تو ایسی توبہ ایک مسخراپن ہے :

۲۴-۲۵۔ اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے آدمؑ و حوا علیہما السلام ابلیس اور سانپ سب کو فرمایا کہ آسمان سے زمین پر اترو اور وہاں تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے مطلب یہ ہے کہ شیطان آدمی کے بہکانے کی دشمنی سے اور سانپ آدمی کے کاٹنے کی دشمنی سے کبھی باز نہ آویں گے آدمی کو چاہئے کہ ان سے بچتا رہے جو لوگ شیطان کو دشمن نہ سمجھیں گے اور اس کے بہکاوے میں آجاویں گے وہ ایسا ہی نقصان اٹھائیں گے جس طرح کا نقصان آدمؑ اور حوا نے اٹھایا پھر فرمایا ایک مدت تک زمین تمہارے رہنے اور ٹھہرنے کا مقام ہے اسی میں تمہارا جینا اور مرنا ہے اور اسی سے تم نکالے جاؤ گے مطلب یہ ہے کہ چند روز زندگی کے بعد مرنا اور پھر دوبارہ جینا ہے اور دوبارہ جینے کے بعد اگلے پچھلے سب لوگوں کو اکٹھا کر کے

---

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۔ [۲] مستدرک حاکم ج ۴ ص ۲۴۳ باب الندم توبۃ ۔

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٢٤﴾ قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا

اور تم کو زمین پر ٹھہرنا ہے اور برتنا ہے ایک وقت تک کہا اس میں تم جیو گے اور اسی میں

تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿٢٥﴾ يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي

تم مروگے اور اسی سے نکالے جاؤ گے اے اولاد آدم کی ہم نے اتاری تم پر پوشاک کہ ڈھانکے

ع ۱۵ / ۹

خدا تعالے ہر ایک کو اس کے عملوں کی جزا دیگا۔ یہ چند روز کی زندگی صرف آخرت کے سفر کے سامان کے واسطے ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ، مجاہد اور قتادہ کا قول ہے کہ زمین کی پشت زندوں کا ٹھکانا ہے اور زمین کا پیٹ مُردوں کا۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت گذر چکی ہے جس میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوسرے صور سے پہلے ایک مینہ برسے گا جس کی تاثیر سے سب مردوں کے جسم تیار ہو جاویں گے پھر ان میں روحیں پھونک دی جاویں جس سے سب مُردے جی اٹھیں گے[1] حدیث کا یہ ٹکڑا آیت کے ٹکڑے ومنہا تخرجون کی گویا تفسیر ہے متاع الی حین۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے صور تک زمین اور زمین کی آبادی قائم رہے گی پھر سب کچھ اجڑ جائیگا مسند امام احمد صحیح ابن حبان طبرانی میں ابوہریرہؓ اور عقبہ بن عامرؓ کی معتبر روایتیں ہیں جن میں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بازار میں کپڑا بک رہا ہوگا پانی کے حوضوں کی مرمت ہو رہی ہوگی جانوروں کا دودھ دوہا جا رہا ہوگا آخر یہ سب کچھ پڑا رہ جاویگا اور یکایک پہلا صور پھونکا جاکر دنیا اجڑ جاوے گی[2]۔ ان حدیثوں کو متاع الی حین کی تفسیر میں بڑا دخل ہے ؛

۲۶۔ اس آیت میں اللہ تعالے ارشاد فرماتا ہے کہ جب شیطان تمہارے دشمن نے تم سے لباس بہشتی چھنوا دیا تو پھر ہم نے تمہارے لئے دنیا میں لباس اتارا کہ مینہ کے ذریعہ سے زمین میں روئی پیدا کی جس سے طرح طرح کے کپڑے بنانے کی تدبیر تم کو سکھلا دی سو تم اب پرہیز گاری کا لباس پہنو مرد ریشمی اور ٹخنوں سے نیچا کپڑا اور عورت بہت باریک کپڑا کہ جس میں بدن دکھائی دے نہ پہنے یہ تمہارے حق میں بہتر ہے خدا کی اس نعمت کا شکر کرو معتبر سند سے مسند امام احمد ترمذی و ابن ماجہ میں حضرت عمرؓ سے آیا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے نئے کپڑے پہن کر اللہ کا شکر کیا اور پرانے کپڑے صدقہ دے تو وہ شخص زندہ مردہ اللہ کی ہمسائگی اور حمایت میں رہے گا[3]۔ بعضے مفسروں کے نزدیک تقوے کے لباس سے وہ لباس مراد ہے جو قیامت کے دن پرہیز گار لوگ پہنیں گے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ تقوے کے لباس کا مطلب نیک عمل ہیں[4]۔ مسند امام احمد اور صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ کی روایت ہے جس میں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت ایسا کپڑا پہنے گی جس سے اس کا بدن اچھی طرح نہیں ڈھکے گا تو وہ عورت دوزخی ہے[5]۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ کی دوسری حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ اترانے کے طور پر ٹخنوں سے نیچے

---

[1] الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۷۹۲ فصل فی النفخ فی الصور الخ [2] الترغیب ج ۲ ص ۷۹۳ فصل فی النفخ فی الصور وقیام الساعۃ [3] سنن ابن ماجہ ص ۲۶۲ باب ما یقول الرجل اذا لبس ثوبا جدیدا و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۰۷ [4] تقوی کے معانی کے لئے دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۰۷ [5] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۰۵ باب النساء الکاسیات العاریات الخ و الترغیب ص ۵۸ ج ۲ الترہیب من لبس النساء الرقیق الخ

سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ

تمہارے عیب اور رونق اور کپڑے پرہیزگاری کے سو بہتر ہیں یہ قدرتیں اللہ کی

لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ

شاید وہ لوگ دھیان کریں اے اولاد آدم کی نہ بہکادے تم کو شیطان جیسا نکالا

پائینچے پہنتے ہیں وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت سے دور رہیں گے[۱] معتبر سند سے ابوداؤد ونسائی اور ابن ماجہ میں عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے جس میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پاجامہ کے علاوہ اور کپڑوں کو بھی عادت سے زیادہ نیچا رکھنے کو منع فرمایا ہے[۲] صحیح بخاری ومسلم میں حضرت عمرؓ اور انسؓ بن مالک کی روایتیں ہیں جن میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو ریشمی کپڑا پہننے کی ممانعت فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ ریشمی کپڑے کی چار انگل گوٹ وغیرہ مردوں کو جائز ہے اس سے زیادہ جائز نہیں ہے[۳] جن مفسروں نے لباس التقویٰ کی تفسیر جائز لباس کو قرار دیا ہے ان کے قول کے موافق یہ حدیثیں لباس التقویٰ کی گویا تفسیر ہیں ریش کے معنے زیب وزینت کے ہیں مطلب یہ ہے کہ لباس سے آدمی کا بدن بھی ڈھکتا ہے اور بدن کی زیب وزینت بھی ہو جاتی ہے یہ ان مشرکوں کو تنبیہ ہے جو ننگے ہو کر طواف کرتے تھے آخر کو فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے یہ انسان کی ضرورت کی چیزیں اس لئے پیدا کی ہیں کہ یہ مشرک لوگ ان چیزوں پر دھیان کر کے اللہ کو پہچانیں اور شرک سے باز آویں ؛

۲۶- تفسیر ابن جریر میں قتادہ کی سند سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ جنت سے علیحدہ ہونے سے پہلے حضرت آدمؑ اور حوا کا لباس ایسا تھا جس طرح اب ہاتھ پیروں کے انگلیوں کے ناخن ہیں گیہوں کھانے سے تمام بدن کا لباس اتر کر فقط انگلیوں پر اس لباس کی نشانی باقی رہ گئی جس کو ناخن کہتے ہیں[۴] مسند امام احمد ابوداؤد ابن ماجہ، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم اور بیہقی میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس میں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جنگل میں پاخانہ کو بیٹھے تو اس کو چاہئے کہ کچھ آڑ کر لیوے پھر فرمایا یہ آڑ اس واسطے ہے کہ شیطان جب انسان کو ننگا دیکھتا ہے تو انسان کی شرمگاہ کو ایک کھیل ٹھہرا لیتا ہے[۵] مطلب یہ ہے کہ ننگے آدمی کو شیطان زیادہ بہکاتا ہے کیونکہ شیطان ذکر الٰہی سے بھاگتا ہے اور پاخانہ کے وقت ننگا آدمی ذکر الٰہی نہیں کر سکتا اس آڑ سے شیطان کا وہ غلبہ اللہ کے حکم سے جاتا رہتا ہے یہ حدیث آیت کی گویا تفسیر ہے کیونکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے آدمؑ وحوا کو گیہوں کھلا کر کیوں ننگا کیا اور بنی آدم جب ننگے ہو دیں تو ان کے پاس کیوں آتا ہے اس حدیث کی سند میں ایک راوی حصین حرانی[۶] کو اگرچہ

[۱] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۶۱ کتاب اللباس وصحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹۵ باب تحریم التبختر فی المشی الخ [۲] ابن ماجہ ص ۲۶۳ باب من جر ثوبہ من الخیلاء والترغیب ج ۲ ص ۵۶ الترہیب من طولہ الخ [۳] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۶۷ باب لبس الحریر وافتراشہ وصحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹۵ باب تحریم جر الثوب خیلاء الخ

[۴] تفسیر ابن جریر طبع جدید ج ۸ ص ۱۵۲ عن عکرمۃ عن ابن عباس [۵] سنن ابن ماجہ ص ۲۹ باب الارتیاد للغائط والبول وسنن ابی داؤد ج ۱ ص ۶ باب الاستتار فی الخلاء وتلخیص الحبیر ج ۱ ص ۲۷ باب الاستنجاء بحوالہ ابن حبان وغیرہ [۶] ابن ماجہ ص ۲۹ میں "حمیری" اور ابوداؤد ص ۶ اور تلخیص الحبیر ص ۲۷ میں "حبرانی" ہے کیونکہ حبران قبیلہ حمیر کی شاخ ہے اس لئے دونوں کی طرف نسبت صحیح ہے "حرانی" شاید ناسخ کی غلطی ہو۔ دیکھئے تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۹۳ وتنقیح الرواۃ ص ۷۰ ج ۱ (ع۔ ر)

أَبَوَيْكُم مِّنَ الْجَنَّةِ يَنزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْآتِهِمَا ۗ إِنَّهُ يَرَاكُمْ

تمہارے ماں باپ کو بہشت سے اتروائے ان کے کپڑے کہ دکھادے ان کو عیب ان کے وہ دیکھتا ہے تم کو

هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۗ إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ

اور اس کی قوم جہاں سے تم ان کو نہ دیکھو ہم نے رکھے ہیں شیطان رفیق ان کے

بعضے علماء نے نامعلوم الحال کہا ہے لیکن ابن حبان نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے[۱] علاوہ اس کے ایک راوی ابوسعید حرانی ہیں جو علماء کا اختلاف ہے اس اختلاف سے حدیث میں کچھ ضعف نہیں آتا کیونکہ اس حدیث کو حضرت عائشہؓ کی اس صحیح روایت سے تقویت ہو جاتی ہے جس کو ابوداؤد وغیرہ نے پاخانہ کے وقت آڑ کرنے کے باب میں روایت کیا ہے ابوہریرہؓ کی اس حدیث میں اور حضرت عائشہؓ کی حدیث میں فرق فقط اتنا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث میں پاخانہ کے وقت فقط آڑ کرنے کا حکم ہے اور ابوہریرہؓ کی حدیث میں آڑ کا حکم اور اس کا فائدہ دونوں باتیں ہیں اس صورت میں ابوہریرہؓ کی حدیث حضرت عائشہؓ کی حدیث کی گویا تفسیر ہے علاوہ اس کے جب ابوہریرہؓ کی اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی کتاب صحیح ابن حبان میں روایت کیا ہے تو ابن حبان کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔

۲۷۔ صحیح بخاری و مسلم میں انس بن مالکؓ سے اور مستدرک حاکم تفسیر ابن جوزی اور واحدی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرتﷺ نے فرمایا کہ شیطان آدمی کے جسم میں خون کی طرح پھرتا ہے[۲] اور خاص آدمی کا دل اس کے ٹھکانے کی جگہ ہے جس کو خدا بچاوے اسی کا دل شیطان کے غلبہ سے محفوظ رہتا ہے مسند سعید بن منصور میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عیسےٰ نے ایک روز اللہ تعالےٰ سے دعا کی کہ یا اللہ مجھ کو شیطان کا ٹھکانا انسان کے بہکانے کے وقت کا دکھلا دے اس پر اللہ تعالےٰ نے ایک آدمی کا دل حضرت عیسےٰ کو دکھلایا کہ سانپ کے پھن کی صورت میں شیطان اس کے دل پر چھایا ہوا تھا لیکن جب وہ شخص کچھ اللہ کا ذکر کرتا تھا تو وہ سانپ کا پھن اس کے دل پر سے ہٹ جاتا تھا[۳] اس مضمون کی روایتیں چند طریق سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے آئی ہیں جن کے سبب سے بعض روایتوں کو بعض سے تقویت ہو کر یہ روایت معتبر ہو جاتی ہے۔ جس طرح فرشتوں کو اور خود اپنے جسم کی روح کو بنی آدم نہیں دیکھ سکتے اسی طرح اللہ تعالےٰ نے عام بنی آدم کی نگاہ میں ایسی قوت نہیں پیدا کی ہے کہ وہ شیطان یا اس کے شیاطین کو اصلی صورت میں دیکھ سکیں اس لئے فرمایا کہ شیطان اور اس کے شیاطین بنی آدم کو ہر حال میں دیکھ لیتے ہیں اور بنی آدم شیطان یا اس کے شیاطین کو اس کے اصلی صورت میں نہیں دیکھ سکتے شیطان اور شیاطین کو اللہ تعالےٰ نے یہ طاقت بھی دی ہے کہ وہ اپنی اصلی صورت بدل کر کسی دوسری صورت میں آسکتے ہیں چنانچہ سورہ انفال میں صحیح روایت سے آوے گا کہ بدر کی لڑائی کے وقت خود شیطان بنی کنانہ کے سردار سراقہ بن مالک کنانی کی صورت میں اور اس کے شیاطین کنانیوں کی شکلوں میں مشرکین مکہ کے لشکر میں مشرکوں کے مدد گار بن کر آئے اور لوگوں نے

[۱] تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۱۰۷ و تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۱۱ و ۳۱۲ [۲] صحیح "حمرانی" ہے جیسا کہ ابھی گذرا [۳] مشکوٰۃ شریف ص ۱۸ باب فی الوسوسہ و تفسیر فتح البیان ج ۱ ص ۱۰۹ ۱[۴]

لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٧﴾ وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا

جو ایمان نہیں لاتے اور جب کریں کچھ عیب کا کام کہیں ہم نے پایا اس پر

ان کو دیکھا ان سے بات چیت کی لیکن جب شیطان نے لشکر اسلام میں فرشتوں کو دیکھا تو اپنے شیاطین کو لے کر بھاگ گیا[1]۔ ہاں جس صورت میں آنے کی شیطان کو ممانعت ہے اس صورت میں آجانے کی اس کو طاقت نہیں ہے مثلاً حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شباہت میں یہ ملعون نہیں آسکتا چنانچہ صحیح بخاری، ترمذی، ابن ماجہ وغیرہ میں چند صحابہ سے اس باب میں صحیح روایتیں ہیں[2]۔ یہ عام بنی آدم کا ذکر گذرا خاص بندے اللہ کے ایسے بھی ہیں جو شیطان اور شیاطین کو اصلی صورت میں دیکھ سکتے ہیں مثلاً سورۃ الانبیاء میں آوے گا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام شیاطین سے ہر طرح کا کام لیا کرتے تھے یا مثلاً صحیح بخاری وغیرہ میں ابوہریرہؓ کی روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شیاطین نے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز میں کچھ خلل ڈالنا چاہا تو آپ نے اس کو پکڑ کر مسجد نبوی کے ستون سے باندھ دینے کا ارادہ کیا لیکن پھر اس خیال سے اس کو چھوڑ دیا کہ شیاطین پر اس طرح کی حکومت حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ خصوصیت رکھتی تھی[3]۔ مطلب آیت کا وہی ہے جو مالک بن دینار نے بیان کیا ہے کہ جو دشمن نظر نہ آوے اور اپنی دشمنی پورے طور پر کام میں لا سکے ایسا دشمن بڑا قوی دشمن ہے اس کی دشمنی کے حملوں سے بچنے کی کوشش ہر مسلمان پر لازم ہے۔ یہ مالک بن دینار اعمش وغیرہ کے طبقہ کے صدوق تابعی ہیں۔ صحاح کی کتابوں میں ان سے روایتیں ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ کی روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اذان اور تکبیر کی آواز سے شیطان دور بھاگ جاتا ہے[4]۔ اسی طرح معتبر سند سے ترمذی، نسائی، صحیح ابن حبان، صحیح ابن خزیمہ اور مستدرک حاکم میں حارث اشعریؓ کی روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوائے ذکر الٰہی کے شیطان کی دشمنی سے اور کوئی چیز انسان کو نہیں بچا سکتی[5]۔ اس لئے ان حدیثوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت اور حدیثوں کو ملا کر یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ شیطان آدمی کا بڑا قوی دشمن ہے کہ خود تو نظر نہیں آتا لیکن اس کی دشمنی کا اثر آدمی کو ہر وقت نظر آتا رہتا ہے۔ اس ہر وقت کی دشمنی کے اثر سے بچانے والی چیز سوا ذکر الٰہی کے اور کچھ نہیں ہے مشرک لوگ خالص دل کے ذکر الٰہی سے بے بہرہ ہیں اس لئے اس دشمن کی دشمنی کے اثر سے ان کا بچنا تو در کنار بلکہ یہ دشمن رفیقوں کی طرح ان کے ساتھ لگا رہتا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت آدمؑ اور حوا کے ساتھ جو دشمنی شیطان نے کی تھی اس کا قصہ یاد دلا کر اللہ تعالےٰ نے قریش کو یہ جتلایا ہے کہ جب تک یہ لوگ شرک سے باز نہ آویں گے اس قدیمی دشمن کی دشمنی کے اثر سے یہ لوگ بچ نہیں سکتے ۔

۲۸ ــ ۳۰۔ مجاہد کا قول ہے کہ مکہ کے مشرک ننگے ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے اور کہتے کہ جس طرح ہم کو ہماری ماں نے

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۰۷ ــ ۲۰۸ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۳۶ باب من رای النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام وابن ماجہ ص ۲۸۷ باب رؤیۃ النبی الخ

[3] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶۱ باب ما یجوز من العمل فی الصلوٰۃ [4] صحیح بخاری ج ۱ ص ۸۵ باب فضل التاذین و صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۷ باب فضل الاذان الخ

[5] الترغیب و الترہیب ج ۱ ص ۲۷۱ الترغیب فی الاکثار من ذکر اللہ الخ

اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ
اپنے باپ دادوں کو اور اللہ نے ہم کو یہ حکم کیا تو کہہ اللہ حکم نہیں کرتا عیب کے کام کو کیوں جھوٹ بولتے ہو

عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۫ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ
اللہ پر جس کا علم نہیں رکھتے تو کہہ میرے رب نے فرمائی ہے دینداری اور سیدھے کرو اپنے منہ

عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ
ہر نماز کے وقت اور پکارو اس کو نرے اس کے حکم بردار ہو کر جیسا تم کو بنایا

جناہے اُسی طرح ہم طواف کرتے ہیں اور اس کو باپ دادا کی رسم اور خدا کا حکم بتاتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں کو نازل[1] کر کے فرمایا کہ پیشتر تم ابھی جان چکے ہو کہ آدم علیہ السلام نے جو سب کے باپ ہیں شیطان کا دھوکا کھایا تو پھر کسی بے حیائی کے کام پر باپ دادا کا حوالہ دینا اور اس کو خدا کا حکم سمجھنا بڑی نادانی ہے باپ دادا کا کسی بُرے کام کو کرنا اُس کام کے جائز ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی دنیا کے کاموں میں تو اس طرح تم باپ دادا کی پیروی نہیں کرتے یہ کبھی نہ سنا کہ کسی نے باپ دادا کی پیروی سے اپنے آپ کو دریا میں یا کوئیں میں ڈبو دیا یا آگ میں جلا دیا۔ یا سب مال برباد کر دیا ہو اسی طرح جو کام دین میں خلافِ حکم خدا اور رسول کے ہیں اُن میں بھی باپ دادا کی پیروی نہ کرنی چاہئے رہی یہ بات کہ اس بُرے کام کو اللہ کا حکم جانتا کہ خدائے پاک نے ایسے ناپاک اور بے حیائی کے فعل کا حکم دیا ہے یہ کیونکر ہو سکتا ہے بغیر جانے بوجھے کیوں خدا پر جھوٹ باندھتے ہو بلکہ خدا نے تو عدل اور انصاف اور مسجد میں خالص اسی کی عبادت کرنے کا حکم دیا ہے مجاہد اور قتادہ نے کما بدأکم تعودون کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جس طرح تم کو پہلے پیدا کیا اسی طرح دوسری بار پھر پیدا کرے گا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد زندہ کرے گا ابن زید نے کہا کہ جس طرح اول ابتدا کی ہے ایسا ہی آخر میں پھر دوبارہ پیدا کرے گا ابن جریر نے اسی کو اختیار کر کے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اس حدیث سے جو صحیح بخاری و مسلم میں ہے اس قول کو تائید دی ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس حدیث میں فرماتے ہیں کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک روز کھڑے ہو کر خطبہ کے طور پر فرمایا کہ اے لوگو تم پھر دوبارہ پیدا کئے جاؤ گے برہنہ پا ننگے بدن بغیر ختنہ کے كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ[2] (۲۱: ۱۰۴) اور حضرت ابن عباسؓ نے فریقا ھدی و فریقا حق علیھم الضلالۃ کے متعلق فرمایا کہ خدا نے پیدائش انسان کی اس طرح شروع کی ہے کہ کوئی مومن ہے اور کوئی کافر پھر قیامت کے روز اسی طرح ہر ان کو دوبارہ پیدا کریگا جیسا شروع میں مومن کافر پیدا کیا تھا حاصل مطلب یہ ہے کہ پیدا کئے جانے اور اختیار دئے جانے کے بعد جس طرح جو کوئی دنیا میں زندگی بسر کرنے والا تھا اس کو ویسا ہی اللہ تعالےٰ نے پیدا کیا اور اسی طرح اس کا حشر ہوگا سہل بن سعدؓ کی حدیث ہے کہ بندہ وہ عمل کرتا ہے جو لوگوں کے دیکھنے میں جنت والوں کا سا ہے اور حقیقت میں وہ شخص دوزخ والوں میں سے ہے اور ایک شخص وہ عمل کرتا ہے جو دیکھنے میں دوزخیوں کا سا اور وہ بہشتیوں میں سے ہے اس لئے

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۰۸

[2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۶۶ باب کیف الحشر و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۰۸۔

تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا

دوسری بار ہو گے ایک فرقے کو راہ دی اور ایک فرقے پر ٹھہری گمراہی انہوں نے پکڑے

الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ يٰبَنِيْٓ

شیطان رفیق اللہ کو چھوڑ کر اور سمجھتے ہیں کہ وہ راہ پر ہیں اے اولاد

اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ

آدم کی لے لو اپنی رونق ہر نماز کے وقت اور کھاؤ اور پیو اور مت اڑاؤ اس کو

اصل عمل وہ ہے جس پر انسان کا خاتمہ ہو۔ یہ حدیث صحیح بخاری و مسلم کی حدیث کا ٹکڑا ہے اسی طرح حدیث ابن مسعودؓ جو صحیح بخاری و مسلم میں ہے[۱] اس کی تائید کرتی ہے صحیح مسلم اور ابن ماجہ میں جابرؓ کی روایت ہے کہ ہر نفس اس حال پر اٹھایا جاوے گا کہ جس پر وہ تھا[۲]۔ صحیحین میں حضرت علیؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص علم ازلی میں نیک بخت ٹھہرا ہے اُس پر نیک بختوں کا کام آسان کر دیا جاتا ہے اور جو بد بخت ہے اُس پر بد بختوں کا کام سہل کر دیا جاتا ہے[۳] اس واسطے اللہ نے فرمایا فریقا ھدی وفریقا حق علیھم الضلالۃ غرضکہ ہدایت و ضلالت اللہ کی طرف سے اللہ تعالےٰ کے علم ازلی کے موافق ہے ترمذی، مسند امام احمدؒ اور مستدرک حاکم میں ابن عمرؓ سے آیا ہے کہ اللہ نے خلقت کو اندھیرے میں پیدا کر کے ایک نور ان پر ڈالا جس کو وہ نور پہنچا اس نے ہدایت پائی جس کو نہ پہنچا وہ گمراہ ہوا[۴]۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[۵]۔ اور مسند امام احمد کی سند بھی اچھی ہے۔ نور سے مراد ہدایت ہے اور اندھیرے سے مراد خواہش نفسانی۔ حاصل یہ ہے کہ علم ازلی کے موافق جو لوگ دنیا میں آن کر راہ راست پر آنے والے تھے ان کو وہاں اس نور ہدایت میں سے حصہ ملا اور جو لوگ دنیا میں آن کر عقبےٰ سے غافل اور خواہش نفسانی کے پابند رہنے والے تھے وہ اس نور ہدایت کے حصہ سے محروم رہے اور دنیا میں آنے کے بعد انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا دوست بنایا اور اپنے گمان میں آپ کو ہدایت پر سمجھانے کی مذمت خدا تعالےٰ نے اس آیت میں فرمائی کیونکہ دین حق کی پہچان فقط گمان سے نہیں ہوتی اللہ اور رسول کا کلام اس کے واسطے ضرور ہے جس نے اللہ اور رسول کی تابعداری کی وہی ایمان والا ہے اور ہدایت کے راستہ پر بھی وہی ہے۔

۳۱-۳۲- صحیح مسلم، نسائی، تفسیر ابن جریر اور تفسیر کلبی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے جو شان نزول ان آیات کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہ ایک دستور تھا کہ سوا قریش کے اور اہل عرب کی عورتیں مرد سب ننگے طواف کیا کرتے اور یہ کہتے تھے کہ جن کپڑوں سے ہم نے گناہ کئے ہیں ان کپڑوں کو پھینک کر طواف نہیں کرنا چاہیئے اور بعضے قبیلہ کے لوگ بعضی چیزوں کا کھانا بھی حج کے موسم میں اپنے اوپر حرام کر لیتے تھے اس رسم کے مٹانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں[۶]

[۱] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷۸ باب العمل بالخواتیم و صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۲ باب کیفیۃ خلق الآدمی الخ و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۰۹ [۲] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۵۶ باب ذکر الملائکۃ و صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۲ باب کیفیۃ خلق الآدمی الخ و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۰۹ [۳] تفسیر ابن جریر ج ۸ ص ۱۵۷ طبع جدید [۴] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۳۸ کتاب التفسیر تفسیر سورۃ واللیل و صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۴ کتاب القدر [۵] جامع ترمذی ج ۲ ص ۸۹ باب ما جاء فی من یموت الخ [۶] تنقیح الرواۃ ج ۱ ص ۲۶ باب الایمان بالقدر [۷] صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۲۲ کتاب التفسیر و تفسیر ابن جریر ج ۸ ص ۱۶۰-۱۶۴ طبع جدید

لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ

خوش نہیں آتے اڑانے والے تو کہہ کس نے منع کی ہے رونق اللہ کی جو پیدا کی اس نے اپنے بندوں کے

وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

واسطے اور ستھری چیزیں کھانے کی تو کہہ وہ ہے ایمان والوں کے واسطے دنیا کی زندگی میں

اور فرمایا کہ حرام وہی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے اپنے رسول کی معرفت حرام فرمائی ہے جن لوگوں نے طواف کے وقت کپڑوں کا پہننا موسم حج میں چکنائی یا گوشت کا کھانا چھوڑ رکھا ہے یہ ان لوگوں کی ایک رسم ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی حکم سے ان چیزوں کو ان لوگوں پر ملت ابراہیمی میں حرام نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم تو یہ ہے کہ طواف اور نماز میں بنی آدم اپنے ستر کو ڈھانکیں اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حلال ٹھہرا دی ہیں ان کا کھانا موسم حج میں یا اور کسی وقت میں اپنی طرف سے حرام نہ ٹھہراویں مستدرک حاکم اور مسند بزار کے حوالہ سے ابو درداءؓ کی صحیح حدیث گذر چکی ہے جس میں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حلال حرام وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حلال یا حرام فرمایا ہے[1] اس سے معلوم ہوا کہ اپنی طرف سے کسی بندہ کو کسی چیز کے حلال یا حرام ٹھہرانے کا حق نہیں ہے اس واسطے طواف کے وقت کپڑوں کو پہننے کو یا موسم حج میں بعضی چیزوں کے کھانے کو جو عرب کے لوگوں نے حرام ٹھہرا رکھا تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے ناپسند فرمایا اور حرام حلال میں حد سے بڑھ جانے سے منع فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ حلال کو حلال کی جگہ اور حرام کو حرام کی جگہ سمجھنا چاہئے اپنی طرف سے اس میں کچھ دخل دے کر حلال کو حرام یا حرام کو حلال نہ ٹھہرانا چاہئے کہ اسی کا نام اسراف اور حد سے بڑھ جانا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ اللہ کے دئے ہوئے مال کو بے جا طور پر اڑانا اور صرف کرنا بھی حد شرعی سے بڑھ جانا ہے اس لئے وہ بھی آیت کے حکم میں داخل ہے چنانچہ صحیح بخاری میں عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص میں اترانے اور بیجا خرچ کرنے کی خصلتیں نہیں ہیں وہ جو جی چاہے کھائے اور پہنے[2] پھر فرمایا جب ہر ایک چیز کے حرام حلال ٹھہرنے کا حق اللہ کو ہے اور ان لوگوں نے جن چیزوں کو حرام ٹھہرا رکھا ہے ان کے حرام ہونے کے ثبوت میں یہ لوگ اللہ کا کوئی حکم ملت ابراہیمی سے نکال کر نہیں پیش کر سکتے تو اے رسول اللہ کے تم ان لوگوں سے پوچھو کہ یہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں آخر کس نے تم پر حرام کی ہیں اور اے رسول اللہ کے ان مشرکوں سے یہ بھی کہہ دو کہ دنیا کی ضرورت کی چیزیں اصل میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے واسطے پیدا کی ہیں جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو برت کر اس کے شکریہ میں خالص دل سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں رہے وہ ناشکرے مشرک جو اللہ کی ان نعمتوں کو کام میں لا کر سوا اللہ کے اوروں کو اپنا معبود قرار دیتے ہیں اگرچہ ان کی سزا تو یہی ہے کہ دنیا میں بھی ان کو ان نعمتوں سے بالکل محروم کر دیا جاتا لیکن دنیا کی چند روزہ نعمتوں کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ قدر و منزلت نہیں ہے اس لئے دنیا کی نعمتوں میں تو اللہ نے شکر گذار ایماندار وں کو اور ناشکرے مشرکوں سب کو شریک حال رکھا ہے مگر عقبےٰ میں اللہ کی ہمیشہ کی نعمتوں سے یہ ناشکرے مشرک لوگ بالکل محروم کر دئے جاویں گے۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں سہل بن سعدؓ کی روایت ہے جس میں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کی قدر و منزلت اگر ایک مچھر کے پر کی برابر بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہوتی تو دنیا میں ایک پانی کا

[1] ص ۲۰۵ جلد ہذا و نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۱۱ [2] مشکوٰۃ ص ۳۷۷ کتاب اللباس فصل تیسری

خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾ قُلْ

نری ان کی ہے قیامت کے دن یوں بتاتے ہیں ہم آیتیں جن لوگوں کو بوجھ ہے تو کہہ

اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ

میرے رب نے منع کیا ہے سو بے حیائی کے کام جو کھلے ہیں ان میں اور جو چھپے اور گناہ اور زیادتی ناحق

الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا

کی اور یہ کہ شریک کرو اللہ کا جس کی اس نے سند نہیں اتاری اور یہ کہ جھوٹ بولو اللہ پر جو

گھونٹ بھی کسی ناشکرے مشرک کو نہ ملتا ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[1] یہ حدیث آخری آیت کی گویا تفسیر ہے آخر کو فرمایا کہ جن کو کچھ سمجھ بوجھ ہے ان کو قرآن شریف کی آیتوں میں اس طرح ہر آیت کی تفصیل سمجھائی جاتی ہے اس پر بھی جو کوئی قرآن کی نصیحت کو نہ مانے گا وہ ایسے وقت پر پچھتاویگا جس وقت کا پچھتانا اس کے کچھ کام نہ آوے گا ؛

۳۳۔ مسند امام احمد صحیح بخاری اور مسلم میں عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے جس میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ سے زیادہ کوئی غیرت دار نہیں ہے[2] اس واسطے خدا تعالیٰ نے اس آیت شریف میں چھپی کھلی بےحیائی اور گناہ ناحق کی زیادتی اور شرک اور خدا پر جھوٹ بولنے کو حرام فرمایا ہے ظاہر و باطن بےحیائی کے متعلق سورہ انعام میں بیان ہو چکا ہے کہ مکہ کے مشرک لوگ چھپے ہوئے زنا کو عیب نہیں سمجھتے تھے مجاہد نے کہا کہ لفظ اثم سے تمام گناہ چھوٹے بڑے مراد ہیں اور باغی کی بغاوت کا وبال اسی کی جان پر ہے سدی کا قول ہے کہ ہر معصیت اثم ہے اور بغی کے معنے لوگوں پر ناحق زیادتی کا کرنا ہے غرض فساق گناہ اور لوگوں پر زیادتی کا کرنا دونوں کو اللہ تعالےٰ نے حرام فرمایا اسی طرح شرک باللہ کو جو ایک بے سند بات ہے حرام کیا کہ اس وحدہ لاشریک کے ساتھ کسی کو شریک کرو اور ایسا ہی یہ بھی حرام کیا کہ بغیر علم کے جہالت سے خدا پر جھوٹ نہ باندھو کہ اللہ کا بیٹا ہے اور فرشتے بیٹیاں یا خدا کا یہ حکم ہے کہ یہ کام کرو اور وہ کام نہ کرو یہ چیز کھاؤ یہ نہ کھاؤ غرض کہ اپنی طرف سے کوئی بات خدا پر نہ لگاؤ کہ ایسا کرنا حرام ہے کیونکہ حرام وحلال کے واسطے خدا، رسول کا حکم ضرور ہے مستدرک حاکم اور مسند بزار کے حوالہ سے ابو درداءؓ کی صحیح حدیث گذر چکی ہے جس میں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حرام، حلال وہی ہے جس کو اللہ تعالےٰ نے حرام یا حلال کیا ہے[3]۔ اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے ابو ہریرہؓ کی حدیث بھی گذر چکی ہے جس میں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعضے لوگ قیامت کے دن ایسے ہوں گے کہ انہوں نے لوگوں پر ظلم اور زیادتی کی ہوگی جس کے معاوضہ میں ان ظالموں کی سب نیکیاں مظلوموں کو مل جاویں گی اور یہ ظالم لوگ خالی ہاتھ دوزخ میں چلے جاویں گے[4]۔ آیت میں لوگوں پر زیادتی کرنے کی جو ممانعت ہے اس کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں پر ظلم و زیادتی کا کرنا ایسا گناہ ہے جس کے لئے فقط توبہ کافی نہیں ہے بلکہ اس گناہ کی سزا میں ظالموں کی نیکیاں مظلوموں کو مل جاویں گی ؛

[1] جامع ترمذی ج ۲ ص ۵۶ باب ماجاء فی ہوان الدنیا علی اللہ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۱۳ [3] ص ۵۰ جلد ہذا و نیل الاوطار ج ۸ ص ۱۱
[4] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۲۰ باب تحریم الظلم و مشکوٰۃ ص ۴۳۵ باب الظلم و تفسیر ہذا ج ۱ ص ۲۰۷۔

لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً

تم کو معلوم نہیں اور ہر فرقہ کا ایک وعدہ ہے پھر جب پہنچا ان کا وعدہ نہ دیر کریں گے ایک گھڑی

وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ

اور نہ جلدی اے اولاد آدم کی کبھی پہنچیں تم پاس رسول تم ہیں کے سناویں تم کو

اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ

آیتیں میری تو جس نے خطرہ کیا اور سنوار کرلی نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غم کھاویں اور جنہوں نے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾

جھوٹ جانیں آیتیں ہماری اور تکبر کیا ان کی طرف سے وہ ہیں دوزخ کے لوگ وہ اس ہیں رہ پڑے

۳۴-۳۶ - اہل مکہ عذاب کی جو جلدی کرتے تھے اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور فرمایا ہر کام کا وقت اللہ تعالےٰ کے نزدیک مقرر ہے وقت مقررہ پر اگر اللہ کو منظور ہوگا تو عذاب آویگا غرض عذاب کا وقت ایسا ہی مقرر ہے جس طرح سب کی آنکھوں کے سامنے ہر ایک شخص کے لئے ہر زمانہ میں موت کا ایک وقت مقرر ہے اس سے ایک ساعت کوئی آگے پیچھے نہیں ہوتا وعدہ کم نہ زیادہ جمہور کا یہی مذہب ہے کہ انسان کی عمر گھٹتی بڑھتی نہیں خواہ قتل کر ڈالنے سے مرا ہو یا ڈوبنے جلنے وغیرہ سے ہر ایک اپنی موت سے مرتا ہے عمر کی کمی بیشی کے باب میں سلف کے فیما بین ایک بڑی بحث ہے۔ حاصل یہ ہے کہ صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم میں ثوبانؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیکی کرنے سے آدمی کی عمر بڑھ جاتی ہے[1] اس سے اور اس قسم کی اور حدیثوں سے ان صحابہ کے قول کی بڑی تائید ہوتی ہے جو دنیا عالم اسباب میں بعضے سببوں کو عمر کے گھٹنے بڑھنے کا ذریعہ قرار دیتے ہیں زیادہ تفصیل اس مسئلہ کی سورہ رعد میں آوے گی حاکم نے ثوبانؓ کی اس حدیث کو صحیح کہا ہے[2] موت کے ذکر کے بعد پھر اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ ہمارے رسول تم میں سے تمہارے پاس ہماری آیتیں لاکر بیان کریں گے سو جو کوئی پرہیز گاری اختیار کریگا اور رسولوں کی فرمانبرداری کرکے اپنے حال کو سنواریگا اور منا ہی کی چیزوں سے بچا رہیگا اس کو قیامت کے روز کچھ خوف وغم نہ ہوگا اور جو ہماری آیتوں اور رسولوں کو جھٹلاویگا اور تکبر سے ان پر عمل نہ کرے گا وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ صحیح بخاری ومسلم کے حوالے سے ابوہریرہؓ کی حدیث گذر چکی ہے جس میں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں لوگوں کی کولیاں بھر بھر کے ان کو آگ میں گرنے سے بچانا چاہتا ہوں لیکن لوگ آگ میں گرنے کی ایسی جرات کرتے ہیں جس طرح کیڑے پتنگے روشنی پر گرنے کی جرات کرتے ہیں[3] یہ حدیث آیت کی گویا تفسیر ہے حاصل مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے قرآن کی نصیحت کو مان کر کچھ عقبے کا سامان کر لیا وہ رسول اللہ کی کوشش سے قیامت کے دن آگ میں گرنے سے بچیں گے اور جو لوگ قرآن کی نصیحت سے غافل ہیں وہ قیامت کے دن دوزخ کی آگ میں اس طرح جا پڑیں گے جس طرح روشنی پر کیڑے پتنگے گرتے ہیں۔

[1] الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۴ ۱۲ الترہیب فی برالوالدین الخ [2] الترغیب ج ۳ ص ۱۲۴۔

[3] مشکوٰۃ ص ۲۸ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ

پھر اس سے ظالم کون جو جھوٹ باندھے اللہ پر یا جھٹلا دے اس کے حکم کو وہ لوگ پاویں گے

نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا

جو کچھ ان کا حصہ لکھا کتاب میں یہاں تک کہ جب پہنچے ان پاس بھیجے ہوئے ہمارے جان لینے کو بولے کیا ہوئے

كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ

جن کو تم پکارتے تھے سوائے اللہ کے بولے ہم سے گم ہوئے اور قائل ہوئے اپنی جان پر

اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ

کہ وہ تھے منکر فرمایا داخل ہو ساتھ اور امتوں کے جو تم سے پہلے ہو چکی ہیں

۳۷۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ ایسے لوگوں کو ان کے نصیب کا لکھا یوں ملے گا کہ نیکی کرنیوالے کو اسکی نیکی کا اور بدی کرنے والے کو اس کی بدی کا بدلا ملے گا حاصل مطلب یہ ہے کہ علم ازلی کے موافق لوح محفوظ اور نامۂ اعمال میں جو نیکی بدی لکھی گئی ہے اسی کے موافق جزا سزا کا فیصلہ ہوگا یہاں اس تفسیر کے موافق رسولوں سے مقصود وہ فرشتے ٹھہریں گے جو روحوں کو دوزخ میں ڈالنے پر تعینات ہیں یا رسولوں سے مقصود ملک الموت اور ان کے مددگار ہیں کیونکہ مرنے کے وقت فرشتے مشرکوں کو عذاب سے ڈراتے ہیں جس سے مرتے وقت ان مشرکوں کو بڑی گھبراہٹ ہوتی ہے فرشتے جھڑک کر ان سے دریافت کرتے ہیں کہ جن کو تم خدا کے سوا دنیا میں پکارتے اور پوجتے تھے وہ اب کہاں ہیں ان کو بلاؤ کہ تم کو اس عذاب سے بچادیں وہ لوگ جواب دیں گے کہ ہم کو معلوم نہیں کہ وہ کدھر گم ہو گئے وقت پر ہمارے کچھ کام نہ آئے ہم کو ان سے کچھ توقع و امید نہیں ہے یہاں کا موت کے وقت اپنی جانوں پر کفر کا اقرار ہوگا نافرمان لوگوں کو موت کے وقت جو فرشتے عذاب سے ڈراتے ہیں ان کا ذکر براء بن عازبؓ کی صحیح حدیث کے حوالہ سے ایک جگہ گذر چکا ہے[1] دوزخ پر جو فرشتے تعینات ہیں ان کا حال بھی حضرت عمرؓ کی حدیث کے حوالہ سے گذر چکا ہے[2] اس لئے رسولوں کی تفسیر دونوں طرح کے فرشتوں سے ہو سکتی ہے دوزخ پر جو فرشتے تعینات ہیں انکا ذکر سورہ تحریم میں تفصیل سے آویگا؛

۳۸ — ۳۹۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مالک دوزخ کا داروغہ کہے گا کہ داخل ہو آگ میں ہمراہ اور امتوں کے جو تم سے پہلے جن اور آدمیوں میں سے گذر چکی ہیں پھر دوزخ میں داخل ہوتے ہی ایک امت دوسری امت کو لعنت کرنے لگے گی مشرک مشرکوں کو یہود یہود کو لعنت کرنے لگیں گے پچھلی امت کے لوگ پہلی امت کے لوگوں کے حق میں خدا تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ اے پروردگار انہوں نے ہم کو تیرے راستے سے بہکا دیا تھا ان کو دو چند عذاب کر جواب ملیگا کہ تم سب کے واسطے دو چند عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے کیونکہ ہم نے ہر ایک کو اس کے عمل کے موافق سزا دی ہے اور پہلی امت کے لوگ پچھلی امت کے لوگوں سے کہیں گے کہ تم کو ہم پر کچھ فوقیت نہیں ہے جس طرح ہم گمراہ ہوئے اسی طرح تم بھی گمراہ ہوئے اب اپنے کئے کی سزا چکھو مجاہد کا قول ہے

[1] ص ۱۹۵ جلد ہذا و تفسیر ابن جریر ج ۸ ص ۱۷۶ — ۱۷۷ طبع جدید و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۱۳ — ۲۱۴ [2] الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۸۱ باب الترہیب من النار اعاذنا اللہ منہا الخ

الْجِنِّ وَالْإِنْسِ فِي النَّارِ ۖ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا ۖ حَتَّىٰ إِذَا

جن اور انسان آگ میں جہاں داخل ہوئے ایک امت لعنت کرنے لگی دوسری کو جب تک

ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولَاهُمْ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَآتِهِمْ

گر چلے اس میں سارے کہا پچھلوں نے پہلوں کو اے رب ہمارے ہم کو انہوں نے گمراہ کیا سو تو دیا ان کو

عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۖ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَلَٰكِن لَّا تَعْلَمُونَ ﴿٣٨﴾ وَقَالَتْ

دونا عذاب آگ کا فرمایا دونوں کو دونا ہے پر تم نہیں جانتے اور کہا

أُولَاهُمْ لِأُخْرَاهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا

پہلوں نے پچھلوں کو سو کچھ نہ ہوئی تم کو ہم پر زیادتی سو چکھو عذاب بدلا

كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٣٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ

اپنی کمائی کا بے شک جنہوں نے جھٹلائیں ہماری آیتیں اور ان کے سامنے تکبر کیا نہ کھلیں گے ان کے لئے

ع ۵ / ۱۱

کہ فضل کے لفظ سے مراد اس جگہ عذاب کی تخفیف ہے ایک طرح پہلی امت کے لوگوں کی بڑی خطا ہے کہ پچھلوں کے واسطے بری راہ ڈال گئے اور ایک طرح پچھلوں کا بڑا قصور ہے کہ پہلوں کی حالت دیکھ کر اور سن کر بھی متنبہ نہ ہوئے نہ کوئی عبرت حاصل کی بہکنے والے اور بہکانے والوں کی جو آپس میں قیامت کے دن حجت ہو گی اس کا ذکر سورہ احزاب اور سورہ سبا میں تفصیل سے آویگا۔ حاصل یہ ہے کہ بہکانے والوں کو دوگنا عذاب یوں ہوگا کہ ایک اپنے بدعملوں کا اور دوسرا لوگوں کو بہکانے کا اور بہکنے والوں کو ایک بہکاوے میں آجانے اور اللہ رسول کی نصیحت نہ سننے کا اور دوسرا بدعملوں کا۔ مسند امام احمد صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث اوپر گذر چکی ہے جس میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب جو شخص کسی شخص کو قتل کرتا ہے اس میں ایک قتل ناحق کا گناہ قابیل بن آدم کے نامہ اعمال میں بھی لکھا جاتا ہے[1] کیونکہ قتل ناحق کا طریقہ دنیا میں پہلے پہل اُس نے نکالا ہے صحیح مسلم میں ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے جس میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دنیا میں کوئی بُرا طریقہ نکالے گا تو وہ سوا اپنے ذاتی گناہوں کی سزا کے ان لوگوں کی سزا میں بھی پکڑا جاویگا جو لوگ اُس بُرے طریقہ پر چلے[2] ان آیتوں میں دونے عذاب کا جو ذکر ہے یہ حدیثیں گویا اس کی تفسیر ہیں مطلب یہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ بہکانے والوں کو اپنے بدعملوں کا جُدا عذاب ہوگا اور دوسروں کو بُرے طریقہ پر لگانے کا جدا اسی طرح بہکنے والوں کو باوجود شرعی نصیحت کے بہکاوے میں آجانے کا عذاب جدا ہوگا اور دوسرے بدعملوں کا جُدا۔

۴۰۔ اللہ۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ آسمان کے دروازے نہ کھولے جانے سے مراد یہ ہے کہ کوئی عمل نیک اور دعا ان کی آسمان پر نہیں جاتی اور قبول نہیں ہوتی یا جبکہ وہ مرتے ہیں تو ان کی ارواح کے واسطے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے[3] امام احمد ابوداؤد ابن ماجہ اور نسائی میں براء بن عازبؓ سے روایت ہے[4] کہ حضرت صلعم نے فرمایا فرشتے جب نافرمان شخص کی

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۸۸ باب اثم من دعا الی ضلالۃ او من سنۃ الخ [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۱ باب من سن سنۃ حسنۃ الخ [3] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۱۳ [4] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۱۳-۲۱۴ و تفسیر ابن جریر ج ۸ ص ۱۷۶-۱۷۷

اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ

دروازے آسمان کے اور نہ داخل ہوں گے جنت میں جب تک پیٹھے اونٹ سوئی کے ناکے میں

وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ

اور ہم یوں بدلہ دیتے ہیں گنہ گاروں کو ان کو دوزخ کے فرش ہیں اور اوپر

غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾

سائبان اور ہم یوں بدلا دیتے ہیں بے انصافوں کو

روح کو آسمان پر لے جاتے ہیں تو کسی جماعت فرشتوں پر گذر نہیں ہوتا مگر وہ ملائکہ کہتے ہیں کہ کیا روح خبیث ہے روح لے جانے والے کہتے ہیں کہ فلاں شخص ہے پھر وہ روح کے لے جانے والے فرشتے آسمان کا دروازہ کھلوانا چاہتے ہیں تو کھولا نہیں جاتا پھر حضرت صلعم نے اس آیت شریف کو پڑھا لا تفتح لھم ابواب السماء یہ ایک بڑی حدیث کا ٹکڑا ہے اور اس کی سند معتبر ہے پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور تکبر سے ان کو نہیں مانتے یہ جنت میں داخل نہ ہوں گے جب تک اونٹ سوئی کے ناکہ میں نہ گھسے یہی قول حضرت ابن عباسؓ کا ہے اونٹ عرب کے نزدیک سب حیوانوں میں بڑا ہے اور سوئی کا ناکہ بہت چھوٹا ہوتا ہے اس واسطے بطور مثال کے ان کا ذکر کیا یہ تو ظاہر ہے کہ قیامت تک اونٹ سوئی کے ناکہ میں نہیں گھس سکتا تو اب اس مثال کا یہ مطلب ٹھہرا کہ کافر مشرک بہشت میں داخل ہونے سے قطعی محروم ہیں حضرت ابن عباسؓ نے لفظ جمل کو جس کے معنے اونٹ کے ہیں جُمَّل جیم کے پیش اور میم کے تشدید سے بھی پڑھا ہے جس کے معنے موٹا رسّا جیسے ناؤ کا یا لاؤ کا رسّا موٹا ہوتا ہے سوئی کے ناکہ میں اس کا گھسنا بھی محال ہے اس مثال کا بھی وہی مطلب ہے جو پہلی مثال کا ہے۔ پھر فرمایا مجرموں کی یہی سزا ہے کہ ان کی آگ کی توشک اور آگ ہی کا انکا لحاف ہوگا ظالموں کو یہی بدلہ ملے گا کیونکہ شرک بڑا ظلم ہے جس اللہ نے انسان کو انسان کی آسائش کے ہر طرح کے سامان کو پیدا کیا اس کی تعظیم میں دوسروں کو شریک کرنا اس سے بڑھ کر کوئی شے بے انصافی کی دنیا میں نہیں ہو سکتی ہے آسمان کے دروازے نہ کھلنے کے باب میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے دو قول ہیں ایک یہ کہ نافرمان لوگوں کے نیک عملوں کے آسمان پر جانے کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے دوسرا یہ کہ ایسے لوگوں کے مرنے کے بعد ان کی روح کو آسمان پر لے جانے کیلئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے لیکن ان دونوں قولوں میں کچھ اختلاف نہیں ہے کیونکہ سورۃ الفرقان میں آوے گا کہ ایسے لوگوں کے نیک عمل نافرمانی کے سبب سے اکارت ہو جاتے ہیں جزا کے قابل نہیں قرار پاتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسے لوگوں کے عمل نہ آسمان پر جانے کے قابل ہیں نہ ان کے واسطے آسمان کے دروازے کھولے جانے کی ضرورت ہے کس لئے کہ یہ سورۃ ویل للمطففین میں آویگا کہ جو نیک عمل جزا کے قابل ہوتے ہیں انکا نامہ اعمال ساتویں آسمان پر علیین مقام میں رکھا جاتا ہے اور جو بد عمل سزا کے قابل ہیں ان کا نامہ اعمال ساتویں زمین کے سجین مقام میں رکھا جاتا ہے اس صورت میں نافرمان لوگوں کے نیک عمل جب اکارت ہو گئے اور بد عملوں کا نامہ اعمال ساتویں زمین میں رہتا ہے تو حاصل معنی آیت کے یہی ہیں

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۱۱۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَاۤ اُولٰٓىٕكَ

اور جو یقین لائے اور کیں بھلائیاں ہم بوجھ نہیں رکھتے کسی پر مگر اس کے مقدور کا وہ ہیں

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ

جنت کے لوگ وہ اس میں رہ پڑے اور نکال لی ہم نے جو ان کے دل میں تھی

غِلٍّ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا

خفگی بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں اور کہتے ہیں شکر اللہ کا جس نے ہم کو یہاں راہ دی اور ہم نہ تھے

کہ جن لوگوں کا آیت میں ذکر ہے جیتے جی ان کے عملوں کیلئے اور مرنے کے بعد ان کی روحوں کیلئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔ ان ہی معنے کو حافظ ابو جعفر ابن جریر[1] نے ترجیح دی ہے براء بن عازبؓ کی صحیح حدیث جو اوپر گذری اس سے بھی ان معنے کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اس حدیث میں بھی نیک و بد روحوں کا آسمان کے دروازوں کے کھولے جانے اور نہ کھولے جانے کا اور نیک عملوں کے نامۂ اعمال کا علیین میں اور بدعمل کے نامۂ اعمال کا سجین میں رکھے جانے کا ذکر ساتھ کے ساتھ ہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کے دروازوں کا کھلنا نہ کھلنا روحوں اور بدعملوں سب کے لئے عام ہے۔

۴۲-۴۳۔ اوپر قرآن کی آیتوں کے جھٹلانے والوں کا ذکر تھا ان آیتوں میں قرآن پر ایمان لانے والوں نیک عمل کرنے والوں کا ذکر فرمایا اور یہ بھی جتلایا کہ ایمان لانا اور نیک عمل کرنا کچھ مشکل نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی طاقت سے باہر تکلیف نہیں دیتا پھر فرمایا جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے وہی جنت میں ہمیشہ رہیں گے اُن کے دلوں میں جو کچھ رنجش ہوگی وہ جنت میں جانے سے پہلے نکال دی جاوے گی صاف دل ہو کر جنت میں جاویں گے قتادہؒ کا قول ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ مجھ کو امید ہے کہ ان لوگوں میں میں اور عثمانؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ ہوں گے حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کی لڑائی جس کو جنگ جمل کہتے ہیں اس لڑائی میں طلحہؓ اور زبیرؓ حضرت علیؓ کے مخالف تھے اور حضرت عثمانؓ کے قصاص کی بابت لڑائی تھی حضرت علیؓ یہ فرماتے ہیں عقبیٰ میں یہ کدورت ہم لوگوں میں باقی نہ رہے گی بخاری میں ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جب ایمان والے دوزخ سے نجات پاویں گے تو بہشت اور دوزخ کے درمیان میں ایک پل پر ٹھہرائے جاویں گے اور ان ظلموں کا بدلہ جو دنیا میں اُن کے ذمہ تھے ہوگا اس بدلے کے بعد جب اُن کے دل بغض سے پاک صاف ہو جاویں گے تو پھر ان کو بہشت میں جانے کا حکم ہوگا[2]۔ کیونکہ رنج و بغض سے عیش بے مزہ ہو جاتا ہے معتبر سند سے نسائی اور تفسیر ابن مردویہ میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں ہے کہ تمام بہشتی لوگ اپنی جگہ دوزخ میں دیکھ کر بطور شکریہ کے کہیں گے کہ اگر خدا تعالیٰ ہم کو ہدایت نہ کرتا تو کاہے کو ہم ہدایت پاتے اور کل دوزخی اپنا مقام جنت کا دیکھ کر حسرت سے کہیں گے کاش اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت کرتا دوزخیوں کے بہشتی مقام جنت والوں کو مل جاویں گے[3] معتبر سند سے ابن ماجہ میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شخص کے لئے ایک ٹھکانا جنت میں اور ایک دوزخ میں بنایا گیا ہے اب جو نافرمان لوگ اپنی

[1] تفسیر ابن جریر ج ۸ ص ۱۷۰ طبع جدید و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۱۳ [2] یعنی صفحہ ۲۵۳ پر [3] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۱۵۔

[4] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۱۵۔

لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ وَ

راہ پانے والے اگر نہ راہ دیتا ہم کو اللہ بے شک لائے تھے رسول ہمارے رب کی تحقیق بات اور

نُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَنَادٰٓى

آواز ہوئی کہ یہ جنت ہے وارث ہوئے تم اس کے بدلا اپنے کاموں کا اور پکارا

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا

جنت والوں نے آگ والوں کو کہ ہم پا چکے جو ہم کو وعدہ دیا تھا ہمارے رب نے تحقیق

بدنصیبی سے ہمیشہ کے لئے دوزخ میں جاویں گے اور ان کے جنت میں کے ٹھکانے لاوارث رہ جاویں گے ان لاوارث ٹھکانوں کا وارث اہل جنت کو اللہ تعالےٰ کر دیگا[1] اسی حدیث کی وراثت کا ذکر ان آیتوں میں ہے صحیح مسلم میں ابوسعید و ابوہریرہ کی حدیث ہے کہ جب بہشتی لوگ جنت میں داخل ہو چکیں گے تو ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا کہ اے جنتیو تمہارے واسطے یہ حکم ہے کہ تم جیتے رہو اور کبھی نہ مرو اور تندرست رہو کبھی بیمار نہ ہو جوان بنے رہو بوڑھے نہ ہو چین کرو کبھی رنجیدہ نہ ہو[2] یہ آواز سب جنتیوں کے کان میں پہنچے گی۔

۴۴-۴۵- جس وقت بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو چکیں گے اور اپنی اپنی جگہ ٹھہر جاویں گے تو جنتی لوگ دوزخیوں کو حسرت دلانے کی غرض سے پکاریں گے اور کہیں گے کہ ہم نے تو اپنے رب کا وعدہ سچا پایا جو اس نے ہم سے اپنے رسولوں کی معرفت کیا تھا تم نے بھی اپنے رب کا وعدہ سچا پایا کہ تم اپنے اعمال کی سزا کو پہنچے یا نہیں اس وقت دوزخی سخت نادم و قائل ہو کر کہیں گے کہ ہاں ہم نے بھی اللہ کا وعدہ سچا پایا غرضکہ اس گفتگو کے بعد ایک پکارنے والا پکارے گا کہ لعنت خدا کی ان ظالموں پر جو خدا کی راہ سے لوگوں کو روکتے اور سیدھے راستے پر لوگوں کو چلنے نہیں دیتے اور اس میں کجی چاہتے تھے اور آخرت کا انکار کرتے حساب و کتاب کا کچھ خوف نہیں کرتے تھے اسی واسطے گناہ کرنے پر دلیر تھے جس کو آخرت کا یقین ہوتا ہے وہی گناہ کرنے سے ڈرتا ہے جانتا ہے کہ ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا جس طرح جنت والے دوزخیوں سے دریافت کریں گے اسی طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن ان کافروں سے دریافت فرمایا جو بدر کی لڑائی میں مارے گئے تھے چنانچہ بخاری۔ ابن ابی شیبہ اور ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے یہ قصہ روایت کیا ہے کہ بدر کے روز بدر کے کنویں پر کہ جس میں کافروں کی نعشیں پڑی ہوئی تھیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر اس آیت شریف کو پڑھا ھل وجدتم ماوعد ربکم حقا[3] جس کا مطلب یہ ہے کہ پایا تم نے وعدہ پروردگار اپنے کا سچا" اس وقت حضرت عمرؓ نے تعجب سے عرض کیا کہ آپ ایسے لوگوں سے جو کہ مر گئے ہیں کلام کرتے ہیں آپ نے جواب دیا کہ یہ تم سے بھی زیادہ سنتے ہیں مگر جواب نہیں دے سکتے یہ روایت صحیح بخاری و مسلم میں انسؓ بن مالک سے بھی آئی ہے[4] اس سے مردوں کا سننا ثابت ہوتا ہے مگر نہ ہمیشہ بلکہ جب خدا چاہے ان کو سنوا دے اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ مردوں سے مرادیں مانگی جاویں

[1] ابن ماجہ ص ۳۲۳ باب صفة الجنة [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۰ کتاب الجنة وصفة نعیمها واهلها [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۷ باب قتل ابی جہل [4] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۶ باب قتل ابی جہل عن انس عن ابی طلحة۔

فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۖ قَالُوا نَعَمْ ۚ فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ

سو تم نے بھی پایا جو تمہارے رب نے وعدہ دیا تھا تحقیق بولے ہاں پھر پکارا ایک پکارنے والا ان کے

أَن لَّعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿٤٤﴾ الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ

بیچ میں کہ لعنت ہے اللہ کی بے انصافوں پر جو روکتے ہیں اللہ کی راہ سے

وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُم بِالْآخِرَةِ كَافِرُونَ ﴿٤٥﴾ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى

اور ڈھونڈھتے ہیں اس میں کجی اور وہ آخرت سے منکر ہیں دونوں کے بیچ ہے ایک دیوار اور اس کے

الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ ۚ

سرے پر مرد ہیں کہ پہچانتے ہیں ہر ایک کو اس کے نشان سے

مرادوں کا دینا خاص اللہ تعالےٰ کا کام ہے اکثر اسی دھوکے میں آکر باوجود مسلمان ہونے کے قبر پرست بن گئے ہیں خدا تعالےٰ ایسے اعتقاد سے اپنی پناہ میں رکھے کیونکہ اگرچہ جس طرح اس حدیث میں مردوں کے سننے کا ذکر ہے اسی طرح براء بن عازب رضؓ کی صحیح حدیث جو گذر چکی[1] ہے اس میں بھی یہ ذکر ہے کہ ابھی مردہ ان لوگوں کی جوتیوں کی کھس کھس کی آواز سنتا ہی ہوتا ہے جو لوگ اس مردہ کو دفن کرکے اپنے گھروں کو الٹے پھرتے ہیں کہ منکر نکیر سوال وجواب کے لئے مُردے کے پاس آجاتے ہیں لیکن اس خاص موقعہ پر مُردوں کے سننے سے یہ بات کسی طرح ثابت نہیں ہوتی کہ یہ قبر پرست لوگ اللہ تعالےٰ سے اپنی مرادوں کا مانگنا چھوڑ کر بعضے مُردوں سے جو اپنی مرادیں مانگتے ہیں تو ان مُردوں کو یہ قدرت بھی حاصل ہو گئی ہے کہ ان مراد مندوں کی مراد کو سن کر ان کی اس مراد کو پورا بھی کر سکتے ہیں۔ بدر کے دن جن مقتولوں کا ذکر اوپر گذرا اسی ذکر کی مسند امام احمد اور صحیح مسلم میں انس بن مالک رضؓ کی جو روایت ہے اس میں یہ بھی ہے کہ یہ لوگ سنتے تو ہیں مگر ان کو جواب دینے کی قدرت نہیں ہے[2] اس سے معلوم ہوا کہ قبر پرست لوگ مُردوں میں جواب باصواب دینے کی قدرت کا اعتقاد دل میں رکھ کر جو ان مردوں سے اپنی مرادیں مانگتے ہیں یہ اس صحیح حدیث کے بالکل خلاف ہے علاوہ اس کے یہ بھی ہے کہ جب بہت سی آیتوں اور حدیثوں سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ہر طرح کی مراد کا پورا کرنا خاص اللہ تعالےٰ کے اختیار میں ہے اور کسی کا اس میں کچھ دخل اور اختیار نہیں ہے تو پھر کسی زندہ یا مُردہ میں اس طرح کے اختیار کا اعتقاد رکھنا مشرکوں کا شیوہ ہے مسلمانوں کا یہ شیوہ ہرگز نہیں ہے۔

۴۶،۴۷،۴۸۔ مجاہد کا قول ہے کہ جنت اور دوزخ کے درمیان میں اعراف ایک دیوار ہے جس میں دروازہ ہے حضرت ابن عباس رضؓ کا قول ہے کہ اعراف اونچی چیز کو کہتے ہیں دوزخ وجنت کے بیچ میں ایک دیوار ہے اس جگہ گنہ گار لوگ روکے جاویں گے ضحاک کا بھی یہی قول ہے اور اکثر مفسرین اسی طرف گئے ہیں[3]۔

یہ تو گذر چکا کہ جنت اور دوزخ کے بیچ میں ایک بلند دیوار پہاڑ کی طرح کی ہے اس کا نام اعراف ہے جن لوگوں کی بدیاں اور نیکیاں برابر ہوں گی ان کا فیصلہ سب سے پیچھے قیامت کے دن ہوگا کیونکہ نہ ان کی نیکیوں کا پلہ ایسا بھاری ہوگا کہ فوراً ان کو جنت کا حکم ہو جاوے نہ بدیاں ایسی ہوں گی کہ دوزخی ٹھہر جاویں اس لئے زیادہ نیکیوں والے جنت میں اور

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۱۳-۲۱۴۔ [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۷ باب عرض مقعد المیت من الجنۃ والنار الخ۔ [3] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۱۶۔

وقف لازم

وَنَادَوْا أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ﴿۴۶﴾

اور پکارا جنت والوں کو کہ سلامتی ہے تم پر داخل نہیں ہوئے جنت میں اور وہ امیدوار ہیں

وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصٰرُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحٰبِ النَّارِ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ

اور جب پھرے ان کی نگاہ دوزخ والوں کی طرف بولے اے رب ہمارے نہ کر ہم کو

الْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ ﴿۴۷﴾ وَنَادٰى أَصْحٰبُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا يَعْرِفُونَهُمْ

گنہگار لوگوں کے ساتھ اور پکارا دیوار کے سرے والوں نے ایک مردوں کو کہ ان کو پہچانتے ہیں

زیادہ بدیوں والے دوزخ میں جب تک حساب کتاب کے بعد جاویں گے اس وقت تک ان لوگوں کو اعراف دیوار پر کھڑا کر دیا جاویگا یہ وہاں سے جنتی اور دوزخی دونوں گروہ کے لوگوں کو جنت اور دوزخ میں جاتے ہوئے دیکھیں گے اور وہ باتیں کریں گے جن کا ذکر آیت میں ہے مفسرین نے اہل اعراف کی تفسیر میں کئی قول لکھے ہیں مگر صحیح قول یہی ہے جو بیان کیا گیا ہے کیونکہ امام المفسرین عبداللہ بن عباسؓ۔ عبداللہ بن مسعودؓ۔ حذیفہ بن الیمانؓ ان تین جلیل القدر صحابیوں نے بالاتفاق آیت کی یہی تفسیر کی ہے[1]۔ یعرفون کلا بسیماھم۔ سیما کے معنے علامت کے ہیں۔ اہل جنت کے چہروں پر رونق اور اہل دوزخ کے چہروں پر زردی اور سیاہی جو ہو گی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق اسی کو علامت فرمایا ہے۔ معتبر سند سے ترمذی اور صحیح ابن حبان میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن کے اعمال نامے داہنے ہاتھ میں دئے جاویں گے ان کے چہروں پر ایک طرح کی رونق آجاوے گی اور جن کے نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دئے جاویں گے ان کے چہروں پر ایک طرح کی سیاہی چھا جاوے گی[2]۔ اس حدیث سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے کہ وہ علامت چہروں کی رونق اور سیاہی ہو گی جس سے اہل اعراف جنتیوں اور دوزخیوں کی پہچان کر لیں گے کیونکہ داہنے ہاتھ کے نامۂ اعمال والے جنتی ہوں گے اور بائیں ہاتھ کے نامۂ اعمال والے دوزخی چنانچہ اس کا ذکر سورہ اقدس تفصیل سے آوے گا۔

اعراف والے جنت والوں کو پہچان کر سلام علیکم پکار کریں گے اور ان کو جنت میں جانے کی خوش خبری دیں گے مگر ابھی خود جنت میں داخل نہ ہوں گے ہاں جنت میں داخل ہونے کے امیدوار ہوں گے اور جب اعراف والوں کی نگاہ دوزخیوں کی طرف پھرے گی تو ان کو پہچان کر یہ دعا مانگیں گے کہ اے پروردگار ہم کو ان قوم ظالم کے ساتھ نہ کیجیو اوپر گذر چکا ہے کہ اعراف والے بہشتیوں کو ان کے چہروں کی سپیدی سے اور دوزخیوں کو ان کے چہروں کی سیاہی سے پہچان لیں گے ضحاک نے بھی یہی کہا ہے۔ غرض اہل اعراف دوزخیوں کو چہروں کی سیاہی سے پہچان کر پروردگار سے پناہ مانگیں گے[3] کہ ہم کو ان ظالموں کے ساتھ نہ کیجیو اور جنت والوں کو سلام کریں گے مجاہد و ضحاک سدی و حسن و ابن زید یہ بھی کہتے ہیں کہ آخر کو اہل اعراف بھی جنت میں جاویں گے[4]۔

۴۸-۴۹۔ اس آیت شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اعراف والے بڑے بڑے مشرک ادنے کافروں سے کہ جن کو پہچانتے ہونگے جھڑکی کے طور پر کہیں گے کہ تمہارا وہ مال جو تم نے دنیا میں جمع کیا تھا یا تمہاری کثرت اور جمعیت اور تکبر آج تمہارے کچھ کام نہ آیا آخر عذاب میں

[1] تفسیر فتح البیان ج ۲ ص ۳۰۳ [2] ... [3] ... [4] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۱۸۔

بِسِيمٰهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

نشان سے بولے کیا کام آیا تم کو جمع کرنا اور جو تم تکبر کرتے تھے

اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا

اب یہ وہی ہیں کہ تم قسم کھاتے تھے ۔ نہ پہنچاوے گا ان کو اللہ کچھ مہر ۔ چلے جاؤ جنت میں نہ

خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ

ڈر ہے تم پر اور نہ تم غم کھاؤ اور پکارا آگ والوں نے

گرفتار ہوئے پھر ان کو حسرت دلانے کی غرض سے غریب مسلمانوں کی طرف اشارہ کر کے کہیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے حق میں تم قسم کھا کر کہتے تھے کہ ان پر خدا کی رحمت نہ ہو گی اور نہ یہ جنت میں جاویں گے تو اب یہی لوگ تمہارے سامنے جنت میں جاتے ہیں پھر اہل اعراف سے کہا جاویگا کہ تم بھی جنت میں داخل ہو تم کو کچھ خوف و غم نہیں ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کافروں سے فرماویگا کہ تم جن غریبوں کو دنیا میں جنت سے محروم بتاتے تھے تو اب یہی لوگ بہشت میں گئے ان کو نہ کچھ خوف ہے نہ غم سورۃ الانعام میں مالدار مشرکین مکہ کا قول اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا (۶: ۵۳) گذر چکا ہے اور سورۃ احقاف میں آویگا وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ (۴۶: ۱۱) غرض ان مالدار مشرکوں کے سب قولوں کا حاصل یہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو مالدار اور مسلمانوں کو تنگدست دیکھ کر یہ کہتے تھے کہ دنیا میں جس طرح ہم لوگ ان غریب مسلمانوں کی بہ نسبت اچھی حالت میں ہیں اسی طرح اگر اسلام کوئی ایسی چیز ہوتی کہ جس میں عقبے کی کچھ بہتری رکھی جاتی تو ان غریبوں سے پہلے ہم ہی اسلام میں داخل ہوتے کیونکہ عزت کی چیز عزت داروں کو شایاں ہے ان مالدار مشرکوں کی اسی طرح کی باتوں کے جواب میں ان سے قیامت کے دن کہا جاویگا کہ جن غریب مسلمانوں کو تم لوگ عزت اور جنت کے شایاں نہیں سمجھتے تھے آج وہی جنت کے قابل ٹھہرے ہیں صحیح مسلم کے حوالہ سے انس بن مالکؓ کی حدیث گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کے بڑے بڑے نافرمان مالدار لوگ قیامت کے دن جب دوزخ میں ڈالے جاوینگے تو دوزخ کے پہلے جھونکے کے ساتھ فرشتے ان سے پوچھیں گے کہ دنیا کے جس مالداری نے تم کو عقبے سے غافل رکھا دوزخ کے عذاب کے آگے تم کو دنیا کی وہ مالداری کچھ یاد ہے تو وہ لوگ قسم کھا کر کہیں گے کہ اس عذاب کے آگے ہم کو دنیا کی وہ مالداری خدا بھی یاد نہیں اسی طرح اہل جنت کو جنت کی نعمتوں کے آگے دنیا کی تنگدستی کچھ یاد نہ آویگی[1] یہ حدیث ان آیتوں کی گویا تفسیر ہے

۵۰-۵۱- دوزخ والے جنت والوں سے بھیک کی طرح گڑگڑا کر تھوڑے سے پانی اور کھانے کا سوال کرینگے مگر ان کو کچھ نہ دیا جاویگا بلکہ جنتی صاف جواب دیں گے کہ جنت کی یہ دونوں چیزیں خدا تعالیٰ نے تمہارے اوپر حرام کر دی ہیں اس لئے تم کو کوئی چیز نہیں مل سکتی تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ بہتر صدقہ کونسا ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جواب دیا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہتر صدقہ پانی ہے کہا پھر تجھ کو معلوم نہیں کہ دوزخی لوگ بہشتیوں سے فریاد کر کے کہیں گے کہ تھوڑا پانی اور تم کو جو اللہ نے رزق دیا ہے اس میں سے کچھ ہم کو بھی دے

[1] صحیح مسلم ج۲ ص۳۷۴ باب فی الکفار۔

الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ ۚ قَالُوا إِنَّ

جنت والوں کو کہ بہاؤ ہم پر تھوڑا پانی یا جو روزی دی تم کو اللہ نے بولے

اللَّهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٥٠﴾ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا وَ

اللہ نے یہ دونوں بند کر دی ہیں منکروں سے جنہوں نے ٹھہرایا اپنا دین تماشا اور کھیل

غَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسَاهُمْ كَمَا نَسُوا لِقَاءَ يَوْمِهِمْ هَٰذَا وَ

بہکے دنیا کی زندگی پر سو آج ہم ان کو بھلا دیں گے جیسے وہ بھولے اپنا اس دن کا ملنا اور

دو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ اس آیت میں طعام و شراب سے جنت کا کھانا پینا مقصود ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ مانگنے والے پانی اور کھانے کے وہ لوگ ہوں گے جن کو دنیا میں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا تو وہ ہنستے اور ٹھٹھا کرتے تھے یا جن کو شیطان نے ان کے بُرے عمل ان کو اچھے دکھلائے تھے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس سائل کے جواب میں مبہم طور پر ایک حدیث کا حوالہ جو دیا ہے یہ حدیث سعد بن عبادہؓ کے قصے کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سعد بن عبادہؓ کی ماں کا انتقال ہو گیا تھا انہوں نے اپنی ماں کے نام پر کچھ خیرات کے دینے کا مسئلہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عام طور پر مردوں کے نام پر خیرات دینے کا حکم دیا سعد بن عبادہؓ نے پھر پوچھا کہ حضرت افضل خیرات کیا ہے آپ نے فرمایا لوگوں کے پانی پینے کا کوئی ذریعہ قائم کر دیا جائے سعد بن عبادہؓ نے اس کے بعد ایک کنواں کھدوا دیا یہ حدیث خود سعد بن عبادہؓ کی روایت سے ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم میں ہے اگرچہ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[1] لیکن اس کی سند میں اعتراض ہے کہ اس کو سعید بن مسیب اور حسن بصری نے سعد بن عبادہؓ سے روایت کیا ہے مگر سعید بن مسیب اور حسن بصری دونوں کو سعد بن عبادہؓ سے ملاقات اور روایت کا موقعہ نہیں ملا ہاں اوسط طبرانی میں یہ حدیث انس بن مالکؓ کی روایت سے بھی ہے جس کی سند اچھی ہے[2] اس لئے ایک سند کو دوسری سند سے تقویت ہو جاتی ہے۔ معتبر سند سے صحیح ابن حبان میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی روایت ہے جس میں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن پانسو برس کے فاصلہ تک جنت کے میووں کی خوشبو آوے گی مگر جن لوگوں کو جنت میں داخل کرنا اللہ تعالےٰ کو منظور نہیں ہے[3] ان کی ناک میں خوشبو نہیں آوے گی۔ اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کا جنت میں داخل ہونا اللہ تعالےٰ کو منظور نہیں ہے ان کو جنت کے کھانے پانی کا میسر آنا تو درکنار بلکہ ایسے لوگوں کی ناک میں بھی جنت کے میووں کی خوشبو نہیں آ سکتی صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس میں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالےٰ ان منکر قیامت لوگوں کو دنیا کی اپنی طرح طرح کی نعمتیں یاد دلا دیگا اور جب یہ لوگ

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۱۹ و ابوداؤد ج ۱ ص ۲۳۰ باب فی فضل سقی الماء و ابن ماجہ ص ۲۷۰ باب فضل صدقۃ الماء و مستدرک حاکم ج ۱ ص ۴۱۴ فضیلۃ صدقۃ الماء [2] مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۳۸ باب الصدقۃ علی المیت [3] الترغیب و الترہیب ج ۲ ص ۳۲۴ الترغیب فی الجنۃ و نعیمہا۔

مَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿٥١﴾ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ

جیسے تھے ہماری آیتوں سے جھگڑتے اور ہم نے انکو پہنچا دی ہے کتاب جو کھول کر بیان کی ہے خبرداری سے

هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٥٢﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ۭ يَوْمَ

راہ بتلاتے اور مہربانی ایمان والے لوگوں کو کیا راہ دیکھتے ہیں مگر یہی کہ وہ ٹھیک پڑے جس دن

يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَاۗءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا

وہ ٹھیک پڑے گی کہنے لگیں گے جو بھول رہے تھے پہلے سے بات لائے تھے ہمارے رب کے رسول

ان نعمتوں کا اقرار کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرماویگا کہ ان نعمتوں کی شکر گذاری میں تم لوگوں نے آج کے دن کی سرخروئی کے لئے کچھ میری یاد بھی کی تھی وہ لوگ کہویں گے کہ نہیں اس پر اللہ تعالیٰ فرماویگا جس طرح دنیا میں تم لوگوں نے مجھ کو بھلا دیا اسی طرح آج میں بھی بھولے بسروں کی طرح تم لوگوں کو اپنی نظر رحمت سے دور ڈال دیتا ہوں[1] قرآن اور عقبٰے کے جن منکر لوگوں کا آیت میں ذکر ہے قیامت کے دن ان لوگوں کا جو کچھ انجام ہوگا اس کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے ؛

۵۲۔۵۳۔ اوپر منکر قرآن لوگوں کا ذکر فرما کر اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ مفصل اور مشرح کتاب ان کے پاس بھیج دی تاکہ ان مشرک اور کافروں کو کوئی عذر کرنیکا موقعہ نہ رہے اور ایمان والوں کے لئے یہ کتاب سراسر ہدایت اور رحمت ہو مجاہد اس کتاب میں جو وعدہ عذاب کا ہے کیا منکر اس کے آنے کی راہ دیکھ رہے ہیں یہ قول مجاہد وغیرہ کا ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ یوم تاویل سے قیامت کا دن مراد ہے اس روز کافر چاہیں گے کہ کوئی ہماری سفارش کرے یا دنیا میں پھر جانا ہم کو نصیب ہو تو اچھے کام کریں غرضکہ اس دن اپنا نقصان ان کو معلوم ہوگا اور سب جھوٹ انکا جو دنیا میں بناتے تھے بیکار ہو جاویگا فصلناہ کی جگہ بعضے سلف نے فضلنا پڑھا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ سب آسمانی کتابوں پر اس کتاب کو بزرگی ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ان کے شاگرد مجاہد کے قول میں کچھ اختلاف نہیں ہے کیونکہ دنیا میں جن قوموں پر عذاب آیا ان کے حق میں وہ عذاب کا دن اور باقی کے حق میں قیامت کا دن دونوں عذاب کے ظہور کے وقت ہیں صحیح بخاری کے حوالہ سے مغیرہؓ بن شعبہ کی حدیث گذر چکی ہے جس میں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صاحب عذر شخص کا عذر سننا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اس واسطے اس نے آسمانی کتابیں نازل فرمائیں رسول بھیجے تاکہ کسی کو انجانی کا عذر باقی نہ رہے[1]۔ صحیح بخاری اور مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث بھی گذر چکی جس میں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کی مثال مینہ کے پانی کی اور اچھے برے لوگوں کی مثال اچھی بری زمین کی فرمائی ہے[2]۔ اسی طرح ترمذی وغیرہ کے حوالہ سے ابوبکرہؓ کی صحیح حدیث گذر چکی ہے جس میں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک شخص وہ ہے جس نے بڑی عمر پائی اور نیک کاموں میں لگا رہا اور بد وہ شخص ہے جس نے بڑی عمر پائی اور برے کاموں میں لگا رہا[3]۔ ان حدیثوں کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس تفسیر کا حاصل یہ ہے

[1] ۔ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۱۰۳ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاشخص اغیر من اللہ و صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۹۱ باب اللعان

[3] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸ باب فضل من علم وعلم [4] جامع ترمذی ج ۲ ص ۵۰ باب ما جاء فی طول العمر للمؤمن ۔

بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ

اب کوئی ہیں سفارش والے تو ہماری سفارش کریں یا ہم کو پھر جانا ہو تو ہم کام کریں سوا اس کے

كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع

جو کر رہے تھے تحقیق ہاری اپنی جان جو جھوٹ بناتے تھے

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ

تمہارا رب اللہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں

کہ اچھے لوگوں کو قرآن کی نصیحتوں سے ایسا ہی فائدہ ہے جیسا اچھی زمین کو مینہ کے پانی سے فائدہ پہنچتا ہے اور برے لوگ قرآن شریف کی نصیحت سے ایسے ہی بے بہرہ ہیں جس طرح بری زمین مینہ کے پانی سے بے بہرہ رہتی ہے لیکن قرآن شریف میں ہر طرح کی نصیحت ایسی کر دی گئی ہے کہ اس قدر نصیحت اور اسی نصیحت کے موافق عمل کرنے کی عمر پانے کے بعد کسی کو انجانی کے عذر کا موقعہ نہیں مل سکتا اس لئے دنیا یا عقبٰے کے عذاب کے وقت یہ نافرمان لوگ اپنی نافرمانی پر بہت پچھتاویں گے اور عذاب الٰہی سے بچانے والا کوئی سفارشی ڈھونڈیں گے مگر سزا کے وقت کا مجرم کا پچھتانا نہ کچھ سود مند ہو سکتا ہے نہ بغاوت کے جرم کا کوئی سفارشی پیدا ہو سکتا ہے جس کے سبب سے نتیجہ یہی ہو گا کہ دنیا یا عقبٰے کے عذاب کے وقت یہ لوگ اپنی بکڑائی کی باتیں تو سب بھول جاویں گے اور ان باتوں کے سبب سے بہت بڑا وبال ان کی جانوں پر پڑ جاوے گا۔

۵۴-؎ صحیح مسلم مسند امام احمد بن حنبل اور نسائی میں اس آیت کے مخالف جو ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت نے ابوہریرہؓ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ زمین اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے روز پیدا کی اور اتوار کے روز پہاڑ پیدا کئے اور منگل کے روز جو چیزیں دنیا میں ناگوار معلوم ہوتی ہیں مثلاً موذی جانور اور زہریلی چیزیں پیدا کیں اور نور بدھ کے دن پیدا کیا اور چوپائے جمعرات کے دن اور جمعہ کے روز حضرت آدمؑ پیدا کئے گئے ہیں حدیث میں امام بخاری اور ائمہ حدیث نے یہ کلام کیا ہے کہ آیت کے مخالف سات روز جملہ چیزوں کی پیدائش کی اس حدیث کے موافق ٹھہرتے ہیں حالانکہ آیت کے موافق چھ روز میں سب کچھ پیدا ہوا ہے اور بحث کے بعد یہ بات قرار پائی ہے کہ یہ حدیث مرفوع نہیں ہے کعب بن احبار کا موقوف قول ہے؎ بیہقی تفسیر ابن منذر ابن جریر ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابن مسعودؓ اور اور صحابہ سے پیدائش عالم کی روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ سب سے پہلے پانی پیدا ہو کر عرش الٰہی پانی پر تھا جب اللہ تعالیٰ کو زمین و آسمان اور مخلوقات کا پیدا کرنا منظور ہوا تو چھ روز میں اتوار سے لے کر جمعہ تک سب کچھ پیدا کیا؎ زیادہ تفصیل اس کی سورہ حم سجدہ میں آوے گی بعضے مفسروں نے یہ جو اعتراض کیا ہے کہ آیت ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ (حم: ۱۱) سے زمین کا پہلے اور آسمان کا پیچھے پیدا ہونا معلوم ہوتا ہے اور آیت وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا (۷۹: ۳۰) سے آسمان کا پیدا ہونا پہلے اور زمین کا بعد معلوم ہوتا ہے اسکا جواب وہی ہے جو کتاب التفسیر بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ زمین کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پہلے تو پیدا کیا ہے لیکن آسمان کے بعد اس کو بچھایا ہے پہلے پانی کو جما کر ایک ٹیلہ پیدا کیا تھا اس لئے جن آیتوں میں آسمان سے

؎ یہ پوری بحث تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۶۹ و ج ۲ ص ۲۰۴ سے ماخوذ ہے ؎ تفسیر فتح البیان ج ۱ ص ۶۸ طبع مسند و تفسیر ابن جریر ج ۱ ص ۱۴۱ طبع جدید

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ تف

پھر بیٹھا تخت پر اوڑھانا ہے

پہلے زمین کا ذکر ہے وہ زمین کے ٹیلہ کی پیدائش ہے اور جن آیتوں میں آسمان کے بعد زمین کا ذکر ہے وہاں اس ٹیلہ کا پھیلاؤ مقصود ہے[۱] اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اس جواب پر تفسیر جامع البیان[۲] وغیرہ میں یہ اعتراض جو کیا ہے کہ اکثر مفسرین کی قرارداد حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس قول کے مخالف ہے کیونکہ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ امر صحیح قرار پایا ہے کہ پہلے دو روز میں زمین پیدا ہوئی اور دو روز میں اسکا پھیلاؤ ہوا اور اس میں دریا پہاڑ پیداوار کی قوت یہ سب کچھ پیدا کیا جا کر پھر دو روز میں آسمان پیدا ہوا ہے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ مفسرین کی اس قرارداد کی بنا بھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے دوسرے قول پر ہے جس کو عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں عکرمہ سے روایت کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ زمین اتوار اور پیر کے روز پیدا کی گئی اور منگل اور بدھ کے روز اس کا پھیلاؤ اور پہاڑ اور دریا اور اس میں پیداوار کی قوت یہ سب کچھ ہوا اور جمعرات اور جمعہ کو آسمان پیدا ہوا لیکن اس روایت میں ایک شخص ابی سعید بقال ضعیف ہے[۳] اس لئے یہ ضعیف روایت بخاری کی روایت کے مقابلہ میں مقبول نہیں ہو سکتی اور سورہ رعد میں آسمان کی پیدائش کے ذکر کے بعد وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ (۱۳:۳) جو فرمایا ہے اس سے بھی اس بخاری کی روایت کی بڑی تائید ہوتی ہے کیونکہ اس آیت میں صاف ارشاد ہے کہ زمین کا پھیلاؤ آسمان کی پیدائش کے بعد ہے غرض متقدمین اور متاخرین مفسرین میں ایک بڑا اختلاف ایک عرصہ دراز سے جو اس باب میں تھا وہ اس تفسیر کے بعد کچھ باقی نہیں رہتا۔ دن سورج کے نکلنے سے غروب ہونے تک کو کہتے ہیں اب یہ تو ظاہر ہے کہ آسمان کے پیدا ہونے سے پہلے نہ سورج تھا نہ اس کی گردش تھی۔ اہل ہیئت اگرچہ اب بھی سورج کی ذاتی گردش کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ سورج کی گردش کو آسمان کی گردش کے تابع کہتے ہیں لیکن سورہ یسین میں آویگا کہ ہر ایک ستارہ کو گردش ہے حاصل کلام یہ ہے کہ آسمان کے پیدا ہونے سے پہلے نہ سورج تھا نہ اس کی گردش اس لئے حاصل مطلب یہ ہے کہ آسمان سورج اور سورج کی گردش کے پیدا ہو جانے کے بعد چھ دن کی مقدار جس قدر ہوتی ہے اس قدر مدت میں اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کو پیدا کیا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ایسی بڑی ہے کہ ایک دم میں وہ جو چاہے سو کر دے لیکن سہولت سے چھ دن میں دنیا کو پیدا کر کے بندوں کو یہ سکھلایا گیا ہے کہ وہ کسی کام میں جلدی نہ کریں بلکہ ہر کام سہولت سے غور کر کے کیا کریں صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو ہر کام میں سہولت بہت پسند ہے[۴]۔ اسی طرح معتبر سند سے مسند ابو یعلی میں انس بن مالکؓ سے روایت ہے جس میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سہولت سے ہر کام کرنا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور ہر کام میں جلدی کرنا شیطان کے بہکانے سے ہے[۵]۔ سہولت سے چھ دن میں دنیا کی پیدا ہونے کی یہ حدیثیں گویا تفسیر ہیں۔ اگرچہ مجاہد کے قول کے موافق یہ چھ دن ایسے ہیں کہ جن میں ہر ایک دن ہزار برس کا ہے

۱ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۱۷ تفسیر حم السجدہ ۲ ص ۵۰۲ - ۵۰۳ تفسیر سورۃ والنازعات ۳ فتح الباری ج ۴ ص ۲۲۱ تفسیر سورۃ حم السجدہ۔

۴ الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۵۳ الترغیب فی الرفق والاناۃ والحلم۔

۵ الترغیب ج ۲ ص ۱۵۳، الترغیب فی الرفق الخ۔

يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ

رات پر دن اس کے پیچھے لگا آتا ہے دوڑتا اور سورج اور چاند اور تارے

مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾

کام لگے اس کے حکم پر سن لو اسی کا کام ہے بنانا اور حکم فرمانا بڑی برکت اللہ کی جو صاحب سارے جہان کا۔

لیکن جن مفسرین کا قول دنیا کے معمولی چھ دن کا ہے وہ مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ آیت میں خطاب اہل دنیا سے ہے سورہ آل عمران میں گذر چکا ہے کہ صفات الٰہی کی آیتیں متشابہ آیتوں میں ہیں اور صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت عائشہؓ کی حدیث بھی گذر چکی ہے جس میں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے متشابہ آیتوں کی تاویل سے منع فرمایا ہے اس واسطے استوی علی العرش کے معنے یہی ہیں کہ جس طرح سے عرش پر ہونا اللہ تعالیٰ کی شان کے مناسب ہے اسی طرح بلا مشابہت دنیا کے بادشاہوں کے اللہ تعالیٰ جل شانہ عرش پر ہے جس کی تفصیلی کیفیت اللہ کو ہی معلوم ہے ؛

بعد ذکر پیدائش آسمان وزمین کے اس آیت میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ رات دن کو اور دن رات کو چھپا لیتا ہے ہر ایک دوسرے کی طلب میں سرگرم اور تیز رو ہے جہاں ایک دن یا رات گئی دوسرا اسی وقت بہت جلدی سے موجود ہو گیا سورج اور چاند اور تارے سب اللہ کے حکم کے تابع ہیں اس واسطے فرمایا کہ اسی کا پیدا کیا ہوا سب ملک اور اسی کا حکم اور تصرف سب جگہ ہے سوائے اس کے نہ کوئی مالک ہے نہ اختیار والا وہ بڑی برکت والا ہے اس آیت میں ان لوگوں کے قول کو ضعیف ٹھہرایا گیا ہے جو چاند سورج اور تاروں کی گردش میں مستقل تاثیرات کے قائل ہیں کیونکہ سوائے خدا کے اس جہان کا نہ کوئی پیدا کرنے والا ہے نہ تدبیر کرنے والا اس کے سوا کسی کا حکم نہیں ہے وہ جو چاہے کرے اور حکم دے کسی کی مجال نہیں کہ کچھ دم مار سکے غرض ہر چیز میں اسی کے نام کی برکت ہے جب اس کا نام نامی ایسی برکت والا ہے تو آگے کی آیت میں فرمایا کہ اس کی درگاہ میں ہر طرح کی التجا پیش کرنی چاہیے صحیح بخاری میں خالد جہنیؓ اور صحیح مسلم میں ابو ہریرہؓ سے جو روایتیں ہیں ان میں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مینہ برسنے کے بعد جن لوگوں کا یہ اعتقاد ہے کہ ستاروں کی مستقل تاثیر سے مینہ برسا ہے وہ اللہ کی قدرت کے منکر اور اللہ کی رحمت کے ناشکر گذار ہیں یہ حدیثیں آیت کے اس ٹکڑے کی گویا تفسیر ہیں آیت اور حدیثوں کو ملا کر مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ زحل۔ مشتری۔ مریخ۔ آفتاب۔ زہرہ۔ عطارد۔ چاند ان سات ستاروں کا دخل دنیا کے انتظام میں مانتے ہیں وہ مشرک ہیں اور جو لوگ اللہ کی قدرت کا دل میں تو اعتقاد رکھتے ہیں مگر اپنے تجربہ کے پابند ہو کر زبانی ستاروں کو بھی مینہ برسنے کا سبب قرار دیتے ہیں وہ اللہ کی خالص رحمت کے ناشکر گذار ہیں رات دن کے آگے پیچھے آنے میں اللہ کی ایک یہ قدرت بھی نظر آتی ہے کہ کبھی رات بڑی ہو جاتی ہے اور کبھی دن بڑا ہو جاتا ہے کبھی رات دن برابر ہو جاتے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سورج کا طلوع غروب سورج کے اختیار میں نہیں ہے ورنہ وہ ایک ہی تیرے پر رہتا پھر ایسے متغیر اور بے اختیار چیز کو دنیا کے انتظام میں کیا دخل ہو سکتا ہے۔ یہی حال باقی کے

۱؎ تفسیر ہذا جلد اول ص ۲۲۲ بحوالہ صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۵۲ کتاب التفسیر ۲؎ یعنی عرش سے او پر اپنی سب مخلوق سے الگ (ع۔ ح) ۳؎ صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۴۱ باب قول اللہ عزوجل وتجعلون رزقکم انکم تکذبون و صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۹ باب بیان کفر من قال مطرنا بالنوء۔

ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (۵۵) وَلَا تُفْسِدُوْا

پکارو اپنے رب کو گڑگڑاتے اور چپکے اس کو خوش نہیں آتے حد سے بڑھنے والے اور مت خرابی مچاؤ

فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ

زمین میں اس کے سنورے پیچھے اور پکارو اس کو ڈر اور توقع سے بے شک رحمت اللہ کی

چہ ستاروں کا ہے کہ انکا طلوع و غروب تجربہ کی رو سے کچھ چاہتا ہے اور اللہ کی قدرت سے دنیا کا انتظام کچھ اور ہی نظر آتا ہے مثلاً لوگوں کے تجربہ کے موافق مینہ برسنے کے ستارے اپنی جگہ پر موجود ہوتے ہیں اور دنیا میں قحط پڑ جاتا ہے نجومی جھوٹے پڑ جاتے ہیں۔ خلق کے معنے یہاں مخلوقات کے ہیں اور امر کے معنے ان انتظامی احکام کے ہیں جو دنیا کی مخلوقات کے حق میں رات دن بارگاہ الٰہی سے صادر ہوتے رہتے ہیں یہ وہی احکام ہیں جو دنیا کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار برس پہلے علم الٰہی کے موافق لوح محفوظ میں لکھے گئے ہیں چنانچہ اس باب میں صحیح مسلم[1] کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث گذر چکی ہے۔ ان احکام میں سے ہر شب قدر کو سال بھر کے احکام فرشتوں کو تعمیل کرنے کے لئے دئے جاتے ہیں جس کا ذکر تفصیل سے سورہ دخان میں آویگا۔

۵۵-۵۶۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دعا مانگنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ گڑگڑا کر چپکے سے دعا مانگو تاکہ ریا نہ ہووے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خفیہ کے معنے پوشیدہ کے ہیں ابن جریر نے تضرع کے معنے گڑگڑانے کے بیان کئے ہیں۔ دعا کے اندر چلانے اور چیخنے سے منع کیا گیا ہے صحیح بخاری اور مسلم میں حدیث ہے کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا جبکہ لوگوں نے دعا میں آوازیں بلند کیں تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکارتے ہو جو چلاتے ہو بلکہ جس کو پکارتے ہو وہ سنتا بھی ہے اور قریب ہے[2] پھر کیوں نہیں چپکے سے دعا مانگتے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ دعا میں حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا دعا میں حد سے بڑھنا یہ کہ پیغمبروں کے درجہ کا سوال نہ کرے اور بڑی بات منہ سے نہ نکالے جہاں تک ہو سکے دعا جامع و مختصر ہو جیسے ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ (۲: ۲۰۱) قرآن میں ہے معتبر سند سے مسند امام احمد ابن ماجہ ابوداؤد میں روایت ہے کہ عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو یہ دعا مانگتے سنا کہ اے اللہ میں تجھ سے جنت کے داہنے طرف سفید محل مانگتا ہوں عبداللہ نے یہ دعا سن کر اپنے بیٹے سے کہا کہ اے بیٹے طلب کر خدا سے بہشت اور دوزخ سے پناہ چاہ کیونکہ میں نے پیغمبر صلعم سے سُنا فرماتے تھے کہ لوگ دعا میں حد سے بڑھ جاوینگے[3] پھر خدا تعالیٰ نے اصلاح کے بعد زمین میں فساد کرنے سے منع فرمایا مطلب یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے کتابوں اور رسولوں کو بھیج کر زمین کو سنوار دیا تو اب اُس زمین کا بگاڑنا کفر اور شرک کی رسمیں اس میں پھیلانی اور قتل ڈاکہ وغیرہ کا پھیلانا قطعی حرام ہے زمین کے اصلاح جو فساد سے مطلب زمین پر رہنے والوں کی اصلاح و فساد ہے۔ اس آیت میں یہ بھی خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ پکارو اس کو ڈر سے اور لالچ سے دعا کرو مطلب یہ ہے کہ دعا کرنے کے وقت جس دعا کرنے والے میں

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۵ باب حجاج آدم و موسیٰ صلی اللہ علیہما وسلم [2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۲۱۔
[3] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۲۱ ۔۔ ۲۲۲۔

قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۶﴾ وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ

نزدیک ہے نیکی والوں سے اور وہی ہے کہ چلاتا ہے بادیں خوشخبری لاتیں آگے اس کے

رَحْمَتِهٖ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا

مہر سے یہاں تک کہ جب اٹھا لائیں بدلیاں بھاری ہانکا ہم نے اس کو مرے دیس کی طرف پھر اس نے اتارا

بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ

پانی پھر اس سے نکالے سب طرح کے پھل اسی طرح نکالیں گے مُردوں کو شاید تم

حالت خوف اور امید کی ہوگی وہ اپنے مطلب میں کامیاب ہوگا عذاب سے ڈر کر اور ثواب کا امیدوار ہو کر دعا مانگنی چاہئے پھر فرمایا جو اس طریقہ اور آداب سے خلوص کے ساتھ خدا سے دعا مانگتے ہیں وہ نیکوکار ہیں اور اللہ کی رحمت ان نیکوکاروں کے قریب ہے اللہ تعالیٰ کو بندہ کی عاجزی بہت پسند اور بندہ کا تکبر ناپسند ہے۔ عبادت اور دعا دونوں میں بندہ کی عاجزی پائی جاتی ہے اسی واسطے شریعت میں عبادت اور دعا دونوں کی تاکید آئی ہے۔ دعا کی قبولیت کی بڑی شرط یہ ہے کہ آدمی کا کھانا کپڑا حلال کمائی کا ہو چنانچہ مسند امام احمد صحیح مسلم اور ترمذی کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث گذر چکی ہے جس میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت سے لوگ گڑگڑا کر دعا مانگتے ہیں لیکن انکا کھانا کپڑا حلال کی کمائی کا نہیں ہوتا اس لئے ان کی دعا کا قبول ہونا تو درکنار ان کی عبادت بھی قبول نہیں ہوتی[1] دعا کے قبول ہونے کی باقی شرطیں سورہ بقرہ میں گذر چکی ہیں اور معتبر سند سے مسند امام احمد مستدرک حاکم مسند ابویعلی وغیرہ میں جو روایتیں چند صحابہ سے ہیں انکا حاصل بھی گذر چکا ہے کہ شرائط کے موافق جو دعا کیجاوے یا تو فوراً وہ قبول ہو جاتی ہے اور اگر مصلحت الٰہی میں وہ دعا اس شخص کے حق میں فائدہ مند نہیں تو کوئی برائی اس شخص سے ٹل جاتی ہے اور آخرت میں اس شخص کے لئے ایک اجر اس دعا کا مقرر ہو جاتا ہے[2]۔

۵۷-۵۸۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت شریف میں اپنی قدرت کو بیان فرمایا کہ جس طرح ہم دنیا میں تمہاری آنکھوں کے سامنے ہوائیں چلاتے ہیں اور پھر مینہ برساتے ہیں اور اُس سے ہر قسم کا سبزہ نکالتے اسی طرح ہم قیامت کے دن مردوں کو قبروں سے نکالیں گے اس واسطے فرمایا شاید تم سوچو دھیان کرو مینہ کی مثال سے ایک یہ مطلب بھی نکل سکتا ہے کہ جاہل لوگوں میں آسمانی کتاب اور رسولوں کی معرفت علم و ہدایت بھیجی جس کے سبب سے اچھے استعداد والے ہر ایک طرح کے کمال کو پہنچ گئے جیسے عمدہ زمین میں اچھی پیداوار ہوتی ہے اور بُری استعداد والے لوگ مثل بُری زمین کے ہیں کہ جو کچھ اس میں سے نکلے وہ ناقص ہوتا ہے مجاہد وغیرہ نے کہا کہ بُری زمین جیسے کوڑا ڈالنے کی زمین صحیح بخاری اور مسلم و نسائی میں ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلعم نے فرمایا مثال اس علم و ہدایت کی جو خدا نے مجھ کو دے کر بھیجا ہے مانند مینہ کے ہے پھر جو زمین اچھی تھی اس نے اس پانی کو لے کر بہت اچھا سبزہ اگایا اور جو زمین نشیب میں تھی اس نے اس پانی کو روک رکھا جس کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پانی لینے کا فائدہ پہنچایا کہ انہوں نے اس پانی کو خود بھی پیا اور لوگوں کو بھی پلایا اور ایک

[1] تفسیر ہذا جلد اول ص ۱۴۹ و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۰۵ [2] الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۲۹۸ الترغیب فی کثرۃ الدعاء الخ

يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ
دھیان کرو اور جو موضع ستھرا ہے اسکا سبزہ نکلتا ہے اس کے رب کے حکم سے اور جو خراب ہے

لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ۭ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾
اس میں نکلے سو ناقص یوں پھیر بتاتے ہیں ہم آیتیں حق ماننے والے لوگوں کو

قطعہ زمین کا چٹیل تھا کہ جس نے نہ پانی کو روکا اور نہ کچھ سبزہ اگایا سو پہلی مثال اور دوسری مثال اس شخص کی ہے جس نے اس علم و ہدایت سے جو خدا نے مجھے دیکر بھیجا آپ بھی فائدہ اٹھایا اور لوگوں کو بھی نفع پہنچایا اور دوسری مثال اس شخص کی کہ جس نے میری لائی ہوئی ہدایت کو قبول نہ کیا اور نہ اس سے خود فائدہ اٹھایا اور نہ اوروں کو نفع دیا مانند اس زمین کے ہے کہ جس نے نہ خود پانی لے کر سبزہ اوگایا اور نہ اس پانی کو روکا و جمع کیا تاکہ اور لوگ اس کو پیتے پلاتے[1] یہ حدیث مختصر طور پر کئی جگہ گذر چکی ہے حاصل کلام یہ ہے کہ اس حدیث میں تین قسم کی زمین کا ذکر فرمایا اور مینہ کا ایک ہی پانی تینوں قسم کی زمین پر برستا ہے مگر اثر ہر ایک زمین کا الگ ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو اس آیت میں مثال شہر پاکیزہ اور ناپاک کی فرمائی ہے یہ واسطے مومن اور کافر کے بیان فرمائی ہے اور ایسا ہی مجاہد کا قول ہے بہر حال اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ آیتیں پھیر پھار کر کے واسطے اس قوم کے جو اس کا شکر کرتے ہیں بیان فرمائیں صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث گذر چکی ہے جس میں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلے صور سے جب تمام دنیا اجڑ جاوے گی تو پھر دوسرے صور سے پہلے ایک مینہ برسیگا جس سے سب مردوں کے جسم تیار ہو جاویں گے[2] اور پھر ان میں روحیں پھونک دی جاویگی اور حشر قائم ہو جاویگا۔ قرآن شریف میں جگہ جگہ مینہ کے پانی سے زمین کے پیدا وار کے ساتھ حشر کا ذکر جو آیا ہے اس کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے۔ صحیح بخاری مسلم ابوداؤد نسائی وغیرہ میں حضرت عائشہؓ اور انس بن مالکؓ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ گہرے ابر اور تیز ہوا کو دیکھ کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو جایا کرتا تھا اور آپ نہایت خوف زدہ ہو کر فرمایا کرتے تھے کہ پچھلی قومیں اسی گہرے ابر اور تیز ہوا کے عذاب سے ہلاک ہوئی ہیں اس واسطے گہرے ابر اور تیز ہوا کو دیکھ کر میرے دل پر ایک طرح کا خوف چھا جاتا ہے[3] اس سے معلوم ہوا کہ اب بھی امت کے لوگوں کو گہرے ابر اور تیز ہوا کے وقت اس حالت کی پابندی مستحب ہے اگرچہ حکما کا قول تو یہ ہے کہ دنیا کے دریاؤں کے ابخرات اوپر چڑھتے ہیں اور ہوا کی ٹھنڈ سے جو ابخرات زیادہ کثیف ہو جاتے ہیں انکا نام بادل ہے اور جو کم کثیف ہونے کے سبب سے زمین پر آن پڑتے ہیں ان کا نام مینہ ہے لیکن شرع میں جو مینہ کا ذکر آیا ہے اس سے یہ قول ضعیف معلوم ہوتا ہے کیونکہ مثلاً حضرت نوح کے طوفان کا قصہ جو سورۃ القمر میں آویگا اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ففتحنا ابواب السماء بماء منھمر جس کا مطلب یہ ہے کہ طوفان کے وقت اس کثرت سے اللہ تعالیٰ کو مینہ برسانا منظور تھا کہ زمین پر کثرت سے پانی آنے کے لئے اس وقت آسمان کے دروازے کھول دئے گئے تھے تاکہ آسمان پر کے دریاؤں کا بے انتہا پانی زمین پر آجاوے۔ اب اس سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ مینہ

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸ باب فضل من علم و علم و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۲۲ [2] مشکوٰۃ ص ۴۸۱ باب نفخ الصور [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۱۵ کتاب التفسیر و صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۹۴-۲۹۵ کتاب صلوۃ الاستسقاء و مشکوٰۃ ص ۱۳۴ باب فی الریاح۔

لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِهٖ فَقَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ
ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کی طرف تو بولا اے قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا صاحب

اِلٰهٍ غَیۡرُهٗ ؕ اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡكُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ
اس کے سوائے میں ڈرتا ہوں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے بولے سردار اس کی

قَوۡمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ یٰقَوۡمِ لَیۡسَ بِیۡ ضَلٰلَةٌ وَّ
قوم کے ہم دیکھتے ہیں تجھ کو صریح بہکا ہے بولا اے قوم میں کچھ بہکا نہیں ہوں اور

لٰكِنِّیۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّیۡ وَ اَنۡصَحُ لَكُمۡ
لیکن میں بھیجا ہوا ہوں جہان کے صاحب کا پہنچاتا ہوں تم کو پیغام اپنے رب کے اور نصیحت کرتا ہوں

کے برستے ہیں دنیا کے دریاؤں کے انجرات کا کچھ دخل نہیں ہے بلکہ مینہ کا پانی آسمان سے آتا ہے معمولی مینہ کے وقت معمولی طور پر آسمان کے دریاؤں کا پانی ہوا کے ذریعہ سے بارشوں میں آتا ہے اور طوفان کے وقت غیر معمولی طور پر زیادہ پانی زمین پر آنے کے لئے آسمان کے دروازے کھول دئے گئے تھے مسند امام احمد صحیح مسلم ابوداؤد میں انس رضہ بن مالک کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مینہ کا پانی حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے بدن پر برکت کے طور پر ملا اور فرمایا یہ پانی ابھی اللہ تعالےٰ کے پاس سے آیا ہے[۱] اس حدیث سے بھی حکما کے قول کا ضعیف ہونا پایا جاتا ہے کیونکہ زمین کے انجرات سے اگر مینہ کا پانی بن جاتا تو اللہ کے رسول اس کو اتنا متبرک کیوں گنتے اور یہ کیوں فرماتے کہ یہ پانی ابھی اللہ تعالےٰ کے پاس سے آیا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں انس بن مالک رضہ کی معراج کی بڑی حدیث ہے جس میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہو رہا ہے اس میں سے جنت کی نہریں نکلی ہیں نیل اور فرات بھی اس میں سے نکلی ہیں[۲] اس حدیث سے آسمان پر دریا کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔

۵۹-۹۳۔ حضرت نوح سے لے کر حضرت شعیب تک چند صاحب شریعت انبیاء کے قصے ان رکوعوں میں آنحضرت کی تسکین اور تشفی کے ارادہ سے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں تاکہ آپ کو یہ اطمینان ہو جاوے کہ سرکش قوموں پر انبیاء کے جھٹلانے کا ہمیشہ سے جس طرح وبال پڑا ہے اگر اہل مکہ ایمان نہ لاویں گے تو یہی انجام ان کا ہو گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اہل مکہ میں اکثر سرکش لوگ بدر کی لڑائی میں مارے گئے اور آپ نے ان کی لاشوں پر ایک ایک کا نام لے کر فرمایا کہ خدا کے وعدے کو تم نے دیکھ لیا اور بقیہ اہل مکہ فتح مکہ پر اسلام لے آئے اگر قضاء و تقدیر میں ان کا ایمان لانا نہ ٹھہرا ہوتا تو پچھلی امتوں کی طرح ضرور سب اہل مکہ ہلاک ہو جاتے سوا اس تشفی کے ان قصوں میں آنحضرت کی نبوت کی بھی دلیل ہے کیونکہ ان پڑھ شخص بغیر تائید غیبی کے اس طرح سینکڑوں برس کا تاریخی حال ممکن نہیں کہ بیان کر سکے پھر تاریخی حال بھی ایسا کہ اس تاریخی حال سے آئندہ کا نتیجہ بھی جو بیان کیا گیا وہی واقعہ ہوا بھلا یہ غیب دانی بغیر تعلیم غیب دان حقیقی کے کس طرح حاصل ہو سکتی ہے

[۱] صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۹۴ کتاب صلوٰۃ الاستسقاء
[۲] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۵۶ باب ذکر الملائکہ۔

وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

اور جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے کیا تم کو تعجب ہوا کہ آئی تم کو نصیحت تمہارے رب کی طرف

عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ

سے ایک مرد کے ہاتھ تمہارے بیچ میں سے کہ تم کو ڈر سناوے اور تم بچو اور شاید تم پر رحم ہو پھر اس کو جھٹلایا

فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِى الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ

پھر ہم نے بچا لیا اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے کشتی میں اور غرق کئے انہیں جو جھٹلاتے تھے ہماری آیتیں وہ

كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا

لوگ تھے اندھے اور عاد کی طرف بھیجا ان کے بھائی ہود کو بولا اے قوم بندگی کرو

اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اللہ کی کوئی نہیں تمہارا صاحب اسکے سوائے کیا تم کو ڈر نہیں بولے سردار جو منکر تھے

مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ قَالَ

اس کی قوم میں ہم تو دیکھتے ہیں تجھ کو عقل نہیں اور ہماری اٹکل میں تو جھوٹا ہے بولا

يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾ اُبَلِّغُكُمْ

اے قوم میں کچھ بے عقل نہیں لیکن میں بھیجا ہوا ہوں جہان کے صاحب کا پہنچاتا ہوں تم کو

رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿۶۸﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ

پیغام اپنے رب کے اور میں تمہارا خیر خواہ ہوں معتبر کیا تم کو تعجب ہوا کہ آئی تم کو نصیحت

حضرت نوحؑ کے قصہ میں امام بخاری نے وہ شفاعت کی حدیث ذکر کی ہے جس میں لوگوں کا سب انبیاء کے پاس شفاعت کے لئے جانے اور ہر ایک سے شفاعت کی درخواست کا تذکرہ ہے حضرت نوحؑ کے اوصاف میں یہ تذکرہ جو آیا ہے کہ تم زمین پر پہلے نبی ہو اس پر بعضے علماء نے یہ اعتراض کیا ہے کہ پہلے نبی حضرت آدمؑ تھے پھر حضرت نوحؑ کو پہلا نبی اس حدیث میں کس مطلب سے کہا گیا ہے جواب اس اعتراض کا یہ ہے کہ بت پرستی اور شرک پہلے پہل حضرت نوحؑ کی امت میں پھیلا ہے حضرت نوحؑ اور حضرت آدمؑ کے فیما بین دس عہد جو گذرے ہیں وہ مسلمان لوگ تھے ان پر جتنے نبی آئے کچھ عبادت کے طریقہ اور نصیحت سکھاتے تھے توحید کی تعلیم اور شرک کا مٹانا حضرت نوحؑ کی نبوت سے شروع ہوا ہے اس واسطے ان کو پہلا نبی اللہ تعالیٰ نے آیت شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا (۴۲: ۱۳) میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں قرار دیا ہے حضرت نوحؑ حضرت ادریسؑ کے پرپوتے ہیں حضرت نوحؑ کی پیدائش اور حضرت آدمؑ کی وفات میں ایک سو چھبیس [۱۲۶] برس کا فاصلہ ہے طوفان کے بعد تین سو برس حضرت نوحؑ زندہ رہے ؛

۶۵-۲-۷ حضرت ہودؑ حضرت نوحؑ کے خاندان میں سے ہیں حضرت ہودؑ کی امت قوم عاد کا ملک حضر موت تک عمان وغیرہ

[۱] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۱۰۸ باب قول الله وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ۔

رَبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ

تمہارے رب کی ایک مرد کے ہاتھ تمہارے بیچ میں سے کہ تم کو ڈر سنائے اور وہ یاد کرو کہ تم کو سردار کر دیا پیچھے قوم

نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِى الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾

نوح کے اور زیادہ دیا تم کو بدن میں پھیلاؤ سو یاد کرو احسان اس کے شاید تمہارا بھلا ہو

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا

بولے کیا تو اس واسطے آیا ہم پاس کہ بندگی کریں نری اللہ کی اور چھوڑ دیں جن کو پوجتے رہے ہمارے باپ دادے تو لے آ

بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ

جو وعدہ دیتا ہے ہم کو اگر تو سچا ہے کہا تم پر پڑ چکی ہے تمہارے رب کے

رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِىْ فِىْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ

ہاں سے بلا اور غصہ کیوں جھگڑتے ہو مجھ سے کئی ناموں پر کہ رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے

مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۷۱﴾

نہیں اتاری اللہ نے ان کی کچھ سند سو راہ دیکھو میں بھی تمہارے ساتھ راہ دیکھتا ہوں

فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

پھر ہم نے بچا دیا اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے اپنی مہر سے اور پچھاڑی کاٹی ان کی جو جھٹلاتے ہماری آیتیں

وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۲﴾

اور نہ تھے ماننے والے

تھا۔ اور بڑا شاداب ملک تھا قوم عاد کے لوگ بڑے قوی ساٹھ ساٹھ گز کے قد تک کے تھے عذاب کی آندھی آٹھ روز تک جوان پر چلی پہلے اس آندھی سے کھیتی کرنے والے لوگ اور ان کے جانور ٹہنیاں کھا کھا کر گر سے اور ہلاک ہوئے پھر شہروں کے لوگ اسی طرح ہلاک ہوئے قوم عاد نے بہت عمارتیں سنگین بنائیں اور پہاڑوں پر یادگار کے لئے بہت سے مینار بنائے آندھی کے عذاب سے پہلے ان میں قحط کا عذاب پھیلا تین برس تک سخت قحط رہا چند آدمی ان میں سے مکہ قحط کے رفع کی دعا مانگنے گئے مکہ میں ان دنوں عمالقہ لوگ جو حضرت نوحؑ کے پوتے عملیق کی اولاد میں ہیں وہ رہتے تھے ابھی یہ دعا مانگنے والے لوگ مکہ ہی میں تھے کہ یہاں آندھی کا عذاب آن کر سب قوم ختم ہو گئی۔ عذاب کے بعد حضرت ہودؑ یمن کی طرف چلے گئے پھر حضر موت میں آن کر وفات پائی وہیں آپ کا مدفن ہے۔ معتبر سند سے تفسیر ابن ابی حاتم میں عبد اللہ بن عمرؓ اور طبرانی میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایتیں ہیں کہ اس روز ہوا ایک انگوٹھی کے سوراخ کے برابر عادت سے زیادہ کھولی گئی تھی[1]۔

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۲۱

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ

اور ثمود کی طرف بھیجا ان کے بھائی صالح کو بولا اے قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا صاحب اس

غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً ۖ فَذَرُوهَا

کے سوا تم کو پہنچ چکی ہے دلیل تمہارے رب کی طرف سے یہ اونٹنی اللہ کی ہے تم کو نشانی سو اس کو چھوڑ دو

تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ ۖ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٣﴾

کھاوے اللہ کی زمین میں اور اس کو ہاتھ نہ لگاؤ بری طرح پھر تم کو پکڑے گی دکھ کی مار

وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ

اور وہ یاد کرو جب تم کو سردار کیا عاد کے پیچھے اور ٹھکانا دیا زمین میں بناتے ہو

مِن سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا ۖ فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ وَلَا

نرم زمین میں محل اور تراشتے ہو پہاڑوں کے گھر سو یاد کرو احسان اللہ کے اور مت

تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٧٤﴾ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن

مچاتے پھرو زمین میں فساد کہنے لگے سردار جو بڑائی رکھتے تھے اس کی

قَوْمِهِ لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ صَالِحًا

قوم میں سے غریب لوگوں کو جو ان میں یقین رکھتے تھے یہ تم کو معلوم ہے کہ صالح

۷۳-۷۹۔ حضرت صالحؑ بھی حضرت نوحؑ کے خاندان میں سے ہیں قوم عاد کی ہلاکت کے بعد اسی سرزمین میں قوم صالحؑ کے لوگ جن کو ثمود کہتے ہیں بسے بڑی بڑی عمر کے لوگ اس قوم میں ہوئے اینٹ مٹی کے مکان ان کی عمر بھر میں کافی نہ ہوتے تو انہوں نے پہاڑوں کو تراش کر گھر بنائے نو عمری سے حضرت صالحؑ ان میں نبی ہوئے نصیحت کرتے کرتے بڈھے ہوگئے مگر ان میں سے چند ہی شخص ایمان لائے سال بھر میں ایک دن ان کی عید کا ہوتا تھا اس روز انہوں نے حضرت صالحؑ سے کہا کہ تم ہمارے ایک معجزے کی اپنے اللہ سے دعا کرو اور ہم بتوں سے اسی معجزے کی خواہش کرتے ہیں اگر تمہارے خدا نے ہمارا معجزہ پورا کر دیا تو ہم تم کو سچا نبی جان کر تم پر ایمان لے آویں گے حضرت صالحؑ نے ان سے کہا تم کیا معجزہ چاہتے ہو جندع بن عمرو ایک شخص ثمود میں سردار تھا اس نے پہاڑ میں سے حاملہ اونٹنی کے پیدا ہونے کا معجزہ چاہا حضرت صالحؑ نے دو رکعت نماز پڑھ کر پھر اللہ تعالیٰ سے اونٹنی کے پیدا ہونے کی دعا مانگی فوراً پتھر سے اونٹنی پیدا ہوئی اور پھر اس نے بچہ دیا یہ معجزہ دیکھ کر جندع اور چند شخص ایمان لائے ثمود کے ملک میں پانی کی کشش تھی اس واسطے حضرت صالحؑ نے یہ بات ٹھہرادی تھی کہ ایک روز وہ اونٹنی پانی پیا کرے اور ایک روز لوگوں کے جانور پانی پیا کریں یہ معجزہ کی اونٹنی تھی اور اسی کے سبب سے آخر ثمود کے سب جانور اور آدمی ہلاک ہونے والے تھے اس واسطے جس طرح انسان اور جنات کے سوا سب جانوروں کو قبر کا عذاب معلوم ہو جاتا ہے اسی طرح اور جانور اس اونٹنی سے ڈر کر بھاگتے تھے جاڑے میں اگر اونٹنی دھوپ میں جاتی تو سب جانور سایہ میں آن کر سردی کھاتے اور گرمی کے موسم میں اگر یہ اونٹنی چھاؤں میں جاتی تو بستی کے جانور دھوپ میں جلتے

مُرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِيْنَ

بھیجا ہوا ہے اپنے رب کا بولے ہم کو جو اس کے ہاتھ بھیجا یقین ہے کہنے لگے

اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا

بڑائی والے جو تم نے یقین کیا سو ہم نہیں مانتے پھر کاٹ ڈالی اونٹنی اور پھرے

عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾

اپنے رب کے حکم سے اور بولے اے صالح لے آ ہم پر جو وعدہ دیتا ہے اگر تو بھیجا ہوا ہے

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ

پھر پکڑا ان کو زلزلے نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھر میں اوندھے پڑے پھر الٹا پھرا ان سے اور بولا

يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ

اے قوم میں پہنچا چکا ہوں تم کو پیغام اپنے رب کا اور بھلا چاہا تمہارا لیکن تم نہیں چاہتے

النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾

بھلا چاہنے والوں کو

جس کنوئیں سے یہ اونٹنی پانی پیتی تھی اس کا نام اونٹنی والا کنواں ثمود نے رکھ دیا تھا یہ اونٹنی ایک دن بیچ پانی پینے جاتی تھی تو سب پانی کنوئیں کا پی لیتی تھی اس وقت گردن اونچی کرتی تھی اسی طرح پھر دودھ بھی اتنا دیتی تھی کہ ثمود کے تمام گھروں کے برتن بھر جاتے تھے لیکن جانوروں کے بدکنے اور پانی کے زیادہ پینے سے ثمود اس اونٹنی کو بری نظروں سے دیکھنے لگے خصوصاً وہ لوگ جن کے پاس جانور زیادہ تھے وہ تو اس اونٹنی کے جان کے دشمن ہو گئے آخر نو آدمیوں کے گروہ نے ایکا کر کے ایک روز اس اونٹنی کو ہلاک کر ڈالا قدار بن سالف ایک شخص ثمود میں بڑا شریر تھا پہلا تیر اس نے اونٹنی کے مارا صحیحین میں عبداللہ بن زمعۃ کی جو حدیث ہے کہ آنحضرت نے ایک روز خطبہ میں اونٹنی کی ہلاکت کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ایک شخص شریر نے اس اونٹنی کو ہلاک کیا وہ یہی شخص قدار بن سالف ہے[1]۔ اس اونٹنی کی ہلاکت کے بعد حضرت صالح نے ثمود سے فرما دیا کہ اب تین روز میں تم پر عذاب آوے گا شہر کے لوگ عذر کرنے لگے کہ ان نو آدمیوں نے اونٹنی کو ہلاک کیا ہے ہم بے قصور ہیں آپ نے فرمایا دیکھو اس کے بچے کو ڈھونڈو اگر وہ بچہ تم کو مل جاوے گا تو شاید عذاب ٹل جاوے گا وہ بچہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا اور پتھر میں غائب ہو گیا آخر ایک چنگھاڑ کی آواز آسمان سے آئی اور کلیجہ پھٹ کر سب ہلاک ہو گئے ایک شخص ابو رغال حرم میں ہونے کے سبب سے کچھ دنوں بچ گیا جب حرم سے نکلا تو وہ بھی ہلاک ہو گیا جس کی قبر طائف میں ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اس کی قبر بتلائی ہے یہ حجر مقام جہاں ثمود رہتے تھے تبوک کے راستہ میں ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے صحیحین میں روایت ہے کہ تبوک کی لڑائی کو جاتے وقت جب آنحضرت اور صحابہ کا گذر اس مقام پر ہوا تو آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ ان ظالم لوگوں کے گھر جو کچھ باقی ہیں

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۷۰ باب قول اللہ عزوجل والی ثمود اخاہم صالحا الخ۔

وَلُوۡطًا اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖۤ اَتَاۡتُوۡنَ الۡفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمۡ بِهَا مِنۡ اَحَدٍ

اور لوط کو بھیجا جب کہا اس نے اپنی قوم کو بے حیائی تم سے پہلے نہیں کی یہ کسی نے

مِّنَ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الرِّجَالَ شَهۡوَةً مِّنۡ دُوۡنِ النِّسَآءِ ؕ

جہان میں تم تو دوڑتے ہو مردوں پر شہوت کے مارے عورتیں چھوڑ کر

بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ مُّسۡرِفُوۡنَ ﴿۸۱﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوۡمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا

بلکہ تم لوگ حد پر نہیں رہتے اور کچھ جواب نہ دیا اس کی قوم نے مگر یہی کہا

اَخۡرِجُوۡهُمۡ مِّنۡ قَرۡيَتِكُمۡ ۚ اِنَّهُمۡ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوۡنَ ﴿۸۲﴾ فَاَنۡجَيۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗۤ

نکالو ان کو اپنے شہر سے یہ لوگ ہیں ستھرائی چاہتے پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو

اِلَّا امۡرَاَتَهٗ ۖ كَانَتۡ مِنَ الۡغٰبِرِيۡنَ ﴿۸۳﴾ وَاَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ مَّطَرًا ؕ فَانۡظُرۡ

مگر اس کی عورت رہ گئی رہنے والوں میں اور برسایا ان پر برساؤ پھر دیکھ

كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿۸۴﴾

آخر کیسا ہوا حال گنہگاروں کا

ع ۱۰ / ۱۲ / ۱۷

ان میں تم لوگ ہرگز نہ گھسنا کہیں تم پر اسی طرح عذاب الٰہی نہ آجاوے جس طرح ان پر آگیا اور سوا اس کنویں کے جس میں سے وہ اونٹنی پانی پیتی تھی اور کنویں کے پانی پینے سے بھی آپ نے منع کر دیا اور کچھ لوگوں نے اس کنویں کے پانی سے آٹا گوندھ لیا تھا اس آٹے کو آپ نے آدمیوں کو نہیں کھانے دیا اونٹوں کو کھلوا دیا[1] غرض جب تک صحابہ وہاں سے آپ نے فرمایا ان مقامات کو دیکھ کر خوف کرو اور روتے رہو اور آپ نے خوب منہ ڈھانک کر چادر اوڑھ لی اور تیز قدم اس مقام سے گذر گئے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اب بھی جس بستی میں قحط وبا یا کسی اور عام مرض کا عذاب ہو وہاں ضرورت سے آدمی جاوے تو اللہ سے ڈرتا رہے اور بلا ضرورت وہاں کی کھانے پینے کی چیزوں کا استعمال نہ کرے اور جلدی وہاں سے چلا آوے ۔

۸۰ ۔ لغایت ۸۴ ۔ حضرت لوطؑ کی امت جن بستیوں میں رہتی تھی وہ بڑی شاداب اور سرسبز بستیاں تھیں غیر بستیوں کے لوگ شادابی کے سبب سے قوم لوط کی بستیوں میں اکثر آجایا کرتے تھے جس کی وجہ سے قوم لوط کو طرح طرح کی تکلیف ہوتی تھی شیطان نے قوم لوط کو بہکایا کہ غیر بستیوں کے لوگ جو آویں ان کے ساتھ جتنے نوعمر لڑکے ہوں ان لڑکوں سے بدفعلی کی جاوے تو غیر لوگ تمہاری بستیوں میں ہرگز نہ آویں گے شیطان کے بہکانے سے اور خوب صورت لڑکا بن کر ان کو اغلام سکھانے سے انہوں نے ویسا ہی کیا اور پھر ان میں وہ عادت جم گئی حضرت لوطؑ نے ہر چند سمجھایا مگر انہوں نے نہ مانا آخر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس قدر ٹکڑا زمین کا اکھیڑ کر اللہ کے حکم سے الٹ دیا اور ان لوگوں پر پتھر ڈالا جینہ برسا جن پتھروں میں آگ کے شعلے بھی تھے اور سب لوگ ہلاک ہو گئے ۔

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۷۸ باب قول اللہ عز وجل والی ثمود اخاہم صالحا الخ و صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۱۳ باب النہی عن الدخول علی اہل الحجر الخ۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ

اور مدین کو بھیجا ان کے بھائی شعیب کو بولا اے قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا

إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ

صاحب اس کے سوا پہنچ چکی تم کو دلیل تمہارے رب کی طرف سے سو پوری کرو ماپ اور تول

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ۚ

اور مت گھٹا دو لوگوں کو ان کی چیزیں اور مت خرابی ڈالو زمین میں اس کے سنوارے پیچھے

ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٨٥﴾ وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ

یہ بھلا ہے تمہارا اگر تم کو یقین ہے اور مت بیٹھو ہر راہ پر ڈر کے دیتے

وَتَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِهِ وَتَبْغُونَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوا

اور روکتے اللہ کی راہ سے جو کوئی یقین لاوے اس پر اور ڈھونڈتے اس میں عیب اور وہ یاد کرو

إِذْ كُنتُمْ قَلِيلًا فَكَثَّرَكُمْ ۖ وَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿٨٦﴾

جب تھے تم تھوڑے سے پھر تم کو بہت کیا اور دیکھو آخر کیسا ہوا حال بگاڑنے والوں کا

وَإِن كَانَ طَائِفَةٌ مِّنكُمْ آمَنُوا بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ وَطَائِفَةٌ

اور اگر تم میں ایک فرقے نے مانا ہے جو میرے ہاتھ بھیجا ایک فرقے نے

لَّمْ يُؤْمِنُوا فَاصْبِرُوا حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿٨٧﴾

نہیں مانا تو صبر کرو جب تک اللہ فیصلہ کرے ہمارے بیچ اور وہ سب سے بہتر ہے فیصلہ کرنے والا

۸۵ــ۹۳۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی امت میں مفسروں کا اختلاف ہے بعضے کہتے ہیں کہ حضرت شعیبؑ کی دو امتیں ہیں اور سوا حضرت شعیبؑ کے اور کوئی نبی دو امتوں کی ہدایت کے لئے نہیں بھیجا گیا ایک امت ان کی یہ قبیلہ ہے جس کا نام مدین ہے اور حضرت شعیبؑ بھی اسی قبیلہ میں کے ہیں اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیبؑ کو اس قبیلہ کا بھائی فرمایا ہے اور دوسری امت بن کے رہنے والے لوگ ہیں جن کو سورہ شعراء میں اصحاب الایکہ فرمایا ہے اور بعضے مفسر کنویں والے لوگوں کو بھی جن کو سورہ فرقان اور سورہ ق میں اصحاب الرس فرمایا ہے ان کی ہی امت میں شمار کر کے یوں کہتے ہیں کہ حضرت شعیبؑ تین امتوں کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے ہیں لیکن حافظ عماد الدین ابن کثیر نے ان سب روایتوں کو ضعیف قرار دیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ کنویں والے جن کو اصحاب الرس فرمایا ہے وہ تو جدا ایک امت ہے جن کا ذکر سورہ فرقان میں آوے گا ہاں اصحاب مدین اور اصحاب الایکہ ایک ہی امت کے لوگ ہیں جن میں کم تولنے اور کم ناپنے کا رواج تھا اور اسی ایک امت کی ہدایت کے لئے حضرت شعیبؑ بھیجے گئے ہیں یہ لوگ پیڑوں کی بھی پوجا کیا کرتے تھے اس واسطے ان کو اصحاب الایکہ یعنی پیڑوں والے کہہ کر جو سورہ شعراء میں پتہ دیا ہے وہاں حضرت شعیبؑ کو ان کا بھائی اس لئے نہیں فرمایا کہ کہیں یہ وہم نہ پڑ جاوے کہ حضرت شعیبؑ بھی پیڑوں کی پوجا میں شریک تھے۔ اکثر مفسروں کا قول یہی ہے کہ حضرت شعیبؑ نے

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ

بولے سردار جو بڑائی رکھتے تھے اس کی قوم کے ہم نکال دیں گے اے شعیب تجھ کو اور جو

آمَنُوا مَعَكَ مِن قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۚ قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِينَ ﴿٨٨﴾

یقین لائے ہیں تیرے ساتھ اپنے شہر سے یا تم پھر آؤ ہمارے دین میں بولا کیا ہم بیزار ہوں

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِكُم بَعْدَ إِذْ نَجَّانَا اللَّهُ

تو بھی ہم نے جھوٹ باندھا اللہ پر اگر پھر آویں تمہارے دین میں جب اللہ ہم کو خلاص کر چکا

مِنْهَا ۚ وَمَا يَكُونُ لَنَا أَن نَّعُودَ فِيهَا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا ۚ وَسِعَ

اس سے اور ہمارا کام نہیں کہ پھر آویں اس میں مگر کہ چاہے اللہ رب ہمارا ہمارے

رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۚ عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا

رب کی سمائی میں ہے سب چیزوں کی خبر اللہ پر ہم نے بھروسہ کیا اے رب فیصلہ کر ہم میں اور ہماری قوم کے بیچ

بِالْحَقِّ وَأَنتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ ﴿٨٩﴾ وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ

انصاف کا اور تو ہے بہتر فیصلہ کرنے والا اور بولے سردار جو منکر تھے اس کی قوم کے

لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَّخَاسِرُونَ ﴿٩٠﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

اگر چلے تم شعیب کی راہ تو بے شک تم خراب ہوئے پھر پکڑا ان کو زلزلے نے

فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿٩١﴾ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا

پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے جنہوں نے جھٹلایا شعیبؑ کو جیسے کبھی نہ رہے تھے

فِيهَا ۛ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْخَاسِرِينَ ﴿٩٢﴾ فَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَ

جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو وہی ہوئے خراب پھر الٹا پھرا ان سے اور

بڑی عمر پائی ہے حضرت موسےٰؑ کے وقت تک زندہ تھے۔ اور ایک شخص قبطی کو مار کر مصر سے مدین کو جب حضرت موسےٰؑ گئے تو ان کی ملاقات حضرت شعیبؑ سے ہوئی اور وہ دو بہنیں جن کا قصہ سورہ قصص میں آویگا ان ہی حضرت شعیبؑ کی بیٹیاں تھیں جن میں سے ایک کا نکاح حضرت موسےٰ سے ہوا حضرت شعیبؑ نابینا تھے اور بڑے فصیح تھے اس واسطے ان کو خطیب الانبیاء کہتے ہیں قرآن شریف میں حضرت شعیبؑ کی امت کے عذاب کا تین جگہ ذکر ہے ایک یہاں سورہ اعراف میں زلزلہ کا ذکر ہے ایک سورہ ہود میں چنگھاڑ آسمانی کا ذکر ہے اور ایک سورۂ شعراء میں عذاب کے بادل کا ذکر ہے جس میں سے آگ برسی تھی یہ تینوں عذاب ایک ساتھ اس طرح آئے کہ وہ لوگ اپنے گھروں میں تھے تو زلزلہ آیا جب گھروں سے باہر نکلے تو سخت گرمی معلوم ہوئی اور بادل کی صورت کا ایک ٹکڑا سایہ کا نظر آیا پہلے ایک شخص ان میں سے اس سایہ میں گیا اور اس نے سایہ کی ٹھنڈک کی تعریف کی اس کی تعریف سن کر سب لوگ اس چھاؤں میں چلے گئے اتنے میں آسمان سے ایک سخت چیز کی آواز آئی اور پھر اسی بادل سے آگ برسی جس سے سب لوگ ایک دم میں ہلاک ہو گئے

قَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى

بولا اے قوم پہنچا چکا میں تم کو پیغام اپنے رب کے اور بھلا چاہا تمہارا اب کیا غم کھاؤں

قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۹۳﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ

نہ ماننے لوگوں پر اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی کہ نہ پکڑا وہاں کے لوگوں کو سختی

وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى

اور تکلیف میں شاید وہ گڑگڑادیں پھر بدل دی ہم نے برائی کی جگہ بھلائی جب تک

عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ

کہ وہ بڑھ گئے اور کہنے لگے پہنچ لی ہے ہمارے باپ دادوں کو بھی تکلیف اور خوشی پھر پکڑا ہم نے ان کو ناگہاں اور وہ

یہ تین قسم کا ایک ہی امت کا عذاب ہے۔ بعضے مفسروں نے ہر ایک قسم کے عذاب کو ایک جدی امت کا عذاب خیال کر کے یہ کہا ہے کہ حضرت شعیبؑ کئی امتوں کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے حقیقت میں یہ ایک ہی امت کا عذاب تین ٹکڑوں کا ہے اور اس امت کے ہر ایک ٹکڑے کے ساتھ عذاب کے ایک ٹکڑے کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے ؛

۹۴-۹۵- اس ذکر سے یہ مطلب ہے کہ کفار قریش پچھلی امتوں کی بربادی کا حال سن کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جھٹلانے سے اور کفر سے باز آویں اور خدا سے ڈریں اس لئے فرمایا کہ پچھلی امتوں میں اللہ تعالیٰ نے رسول جو بھیجے تو ایسی حالت میں کہ وہ طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا تھے اور نہایت ہی افلاس میں تھے پیسہ پیسہ کو محتاج تھے یہ ان کی جانچ تھی کہ دیکھیں وہ اس حالت میں بھی گڑگڑاتے ہیں اور خدا کی طرف رجوع ہوتے ہیں یا نہیں مگر وہ اس حالت میں بھی اپنے اسی کفر اور گمراہی میں پڑے رہے آخر اللہ تعالیٰ نے ان کو بیمار سے تندرست بنا دیا اور مال و اولاد سے مالا مال کر دیا کہ شاید اس حال میں وہ اللہ کا شکر بجا لاویں مگر وہ گمراہ ازلی تھے یہ کہنے لگے کہ تکلیف کی گھڑی ہمیشہ نہیں رہتی ہے یہ بھی گردش زمانہ ہے ایک وقت میں رنج دوسرے وقت میں خوشی یہ طریقہ قدیم سے یوں ہی چلا آرہا ہے کوئی نئی بات نہیں ہے ہمارے بڑوں پر بھی ایسے ہی واقعے گذر چکے ہیں اور خدا کی آزمائش نہیں سمجھے اور اس کے حکم کو نہ مانا رسولوں کو جھٹلاتے رہے بخلاف مومنوں کے کہ وہ مصیبت کے وقت صبر کرتے ہیں اور خدا کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس کی آزمائش کو سمجھتے ہیں اور خوشحالی کے وقت خدا کا شکر ادا کرتے ہیں چنانچہ صحیح مسلم میں صہیبؓ رومی کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کو ہر وقت کیا خوشی اور کیا رنج میں ہمیشہ بہتری ہے کیونکہ جب اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے اور اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے اور خوشی ہوتی ہے تو خدا کا شکر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہے[1] پھر اللہ پاک نے انہیں کفار کا حال بیان کیا کہ وہ نہ تو تکلیف میں خدا کو یاد کرتے تھے نہ خوشی کی حالت میں اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں پکڑ لیا اور اس حال میں پکڑا کہ وہ اپنی حالت سے بالکل غافل تھے مجاہد کے قول کے موافق حتی عفوا کی تفسیر یہ ہے کہ جب ان لوگوں کی تنگ دستی جا کر ان میں مال کی کثرت ہو گئی تو انہوں نے یہ کہا کہ بڑوں سے یہی تنگی فراخی چلی آتی ہے[2] کوئی چیز جب بڑھ جاتی ہے تو

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۱۳ الم کتاب الزہد باب فی احادیث متفرقہ و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۳۳ [2] تفسیر فتح البیان ج ۲ ص ۹۳

لَا يَشْعُرُونَ ﴿٩٥﴾ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ

خبر نہ رکھتے تھے اور کبھی بستیوں والے یقین لاتے اور بچ چلتے تو ہم کھول دیتے ان پر خوبیاں

مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٩٦﴾

آسمان اور زمین سے لیکن جھٹلانے لگے تو پکڑا ہم نے ان کو بدلا ان کی کمائی کا

أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا بَيَاتًا وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿٩٧﴾ أَوَأَمِنَ

اب کیا نڈر ہیں بستیوں والے کہ آپہنچے ان پر آفت ہماری راتی رات جب سوتے ہوں یا نڈر ہیں

أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يَلْعَبُونَ ﴿٩٨﴾ أَفَأَمِنُوا مَكْرَ

بستیوں والے کہ آپہنچے ان پر آفت ہماری دن چڑھے جب کھیلتے ہوں کیا نڈر ہوئے

اللَّهِ ۚ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٩٩﴾

اللہ کے داؤ سے سو نڈر نہیں اللہ کے داؤ سے مگر جو لوگ خراب ہوں گے۔

عرب میں کہتے ہیں تدعفی ذلک الشیٔ اس محاورہ کے موافق حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد مجاہد نے یہ تفسیر آیت کی قرار دی ہے ترجمہ میں یہ جو لکھا ہے کہ "جبتک بڑھ گئے" اسکا مطلب بھی مجاہد کے قول کے موافق ہے کہ جب ان لوگوں کی تنگدستی جاکر ان میں مال و متاع کی کثرت ہوگئی تو انہوں نے یہ کہا کہ ہمارے بڑوں سے یہی تنگی فراخی چلی آتی ہے یہ بات کچھ نئی نہیں ہے اور صہیب رومیؓ کی حدیث جو گذری اس کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیتوں اور حدیث کے ملانے سے یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ جو لوگ عقبیٰ کی سزا جزا کے منکر یا عقبیٰ کی سزا جزا سے غافل ہیں وہ تنگی فراخی ہر حال میں اللہ تعالےٰ کو بھولے رہتے ہیں اور جو لوگ ایمان دار ہونے کے سبب سے عقبیٰ کی سزا جزا کے معتقد ہیں وہ تنگی میں صبر کے اور فراخی میں شکر کے احکام الٰہی کو کبھی نہیں بھولتے جس کا اجر بارگاہ الٰہی سے ان کو ضرور ملنے والا ہے ؛

٩٦ - ٩٩ - ان آیتوں میں اللہ پاک ان لوگوں کے حال سے خبر دیتا ہے جن کے پاس اس نے اپنے رسول بھیجے اور انہوں نے رسولوں کو نہ مانا بلکہ ان کو جھٹلایا اس لئے فرمایا کہ اگر وہ لوگ ایمان لے آتے اور رسولوں کی باتیں مانتے اور ان کی راہ پر چلتے تو ہم آسمان اور زمین تمام جگہ کی برکتیں ان پر بھیج دیتے آسمان سے وہ مینہ برستا کہ زمین بالکل سرسبز و شاداب ہو جاتی اور پیداوار کی وہ کثرت ہوتی کہ کھاتے کھاتے وہ تھک جاتے مگر انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اس واسطے اللہ نے ان کو اپنے عذاب میں پکڑ لیا اور ان کے کئے کا ایسا بدلہ دیا کہ آخر ہلاک ہی ہوگئے جانبر نہ ہو سکے پھر اللہ پاک نے قریش کو اپنے عذاب سے ڈرایا کہ کیا یہ بستیوں اور گاؤں کے رہنے والے قریش بالکل بے خوف ہیں کہ ان پر عذاب نہ آئے گا یہ کہیں نہیں بچ سکتے ہیں اگر ان پر راتوں رات سوتے میں عذاب آجائے یا دن کے وقت جب یہ لوگ کھیل کود میں اپنا وقت ضائع کر رہے ہوں تو عذاب ان کو آکر پکڑ لے پھر فرمایا کہ خدا کی پکڑ سے وہی لوگ بے خوف رہتے ہیں جن کے دلوں میں خدا کا مطلق خوف نہیں اور اسی وجہ سے ایسے لوگ کم عقلی سے اپنے آپ نقصان اٹھاتے ہیں ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالہ سے شداد بن اوسؓ کی معتبر سند کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص بڑا کم عقل ہے جو عمر بھر

أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِنۢ بَعْدِ أَهْلِهَآ أَن لَّوْ نَشَآءُ

اور کیا سوجھ نہیں آئی ان کو جو قائم ہوتے ہیں ملک پر وہاں کے لوگوں کی جائے بعد کہ ہم چاہیں تو

أَصَبْنَٰهُم بِذُنُوبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿١٠٠﴾ تِلْكَ

ان کو پکڑ دیں ان کے گناہوں پر اور ہم مہر کرتے ہیں ان کے دلوں پر سو وہ نہیں سنتے یہ

الْقُرَىٰ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَٰتِ

بستیاں ہیں کہ سناتے ہیں ہم تجھ کو کچھ احوال ان کا اور ان پاس پہنچ چکے ان کے رسول نشانیاں لے کر

عقبے کی سزا جزا سے غافل رہے اور پھر عقبے میں اللہ تعالے کے عذاب سے بچنے کی توقع رکھے۔ ان آیتوں میں کم عقلی کے سبب سے جن لوگوں کے نقصان اٹھانے اور خراب ہو جانے کا ذکر ہے یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے ۔

۱۰۰- اللہ پاک نے اس آیت میں یہ بات بیان کی کہ جو لوگ رسولوں کو جھٹلاتے ہیں اور راہ حق پر نہیں آتے کیسے بے پرواہ ہیں ان سے پہلے جو لوگ گذرے ہیں جن کے یہ جانشین بن کر بیٹھے ہیں ان کے حال سے ذرا بھی عبرت نہیں حاصل کرتے کہ ان کا کیا حال ہوا انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور دین حق سے روگردان رہے تو کس ذلت کے ساتھ گاؤں کے گاؤں ہلاک ہوئے ہم چاہیں تو انہیں قوموں کی طرح گیا ان کو نہیں پکڑ سکتے ہیں ان پر عذاب نہیں بھیج سکتے ہیں یہ ان کے بگڑے جانے کی نشانی ہے کہ اللہ تعالے نے ان کے دلوں پر بھی ایسی مہر لگا دی کہ نصیحت سننے اور سمجھنے سے مجبور ہیں۔ ترمذی، نسائی وغیرہ کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی صحیح حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بغیر توبہ کے گناہ پر گناہ کرنے سے آدمی کے دل پر زنگ لگ کر اس کا دل ایسا سخت ہو جاتا ہے کہ کسی نیک بات کے اثر سے اس کا دل نرم نہیں ہوتا[1] اس آیت میں گنہگار نافرمان لوگوں کے دلوں پر مہر لگ جانے کا جو ذکر ہے یہ وہی دل پر زنگ لگ جانے کی مہر ہے جس کا ذکر ابوہریرہؓ کی اس حدیث میں ہے چنانچہ اس کی زیادہ تفصیل سورہ ویل للمطففین میں آوے گی ۔

۱۰۱-۱۰۲- اوپر حضرت نوحؑ کی امت کا حال تھا کہ انہوں نے نبی وقت کا کہنا نہ مانا آخر طوفان سے ہلاک ہو گئے اسی طرح حضرت ہودؑ کی امت قوم عاد سخت آندھی سے اور حضرت صالحؑ کی امت قوم ثمود کڑک کی سخت آواز اور زلزلہ سے اور حضرت لوطؑ کی امت پتھروں کے مینہ سے اور حضرت شعیبؑ کی امت زلزلہ اور انگارے برسنے سے جو ہلاک ہوئی ان سب کا حال بیان فرما کر اس آیت میں آنحضرت کی تسکین اور قریش کی تنبیہ خدا تعالے نے جو فرمائی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر قریش بھی نبی وقت کی نصیحت نہ مانیں گے تو جس طرح گذشتہ امتوں کی بستیاں غارت ہو گئی ہیں اسی طرح یہ بھی غارت ہو جاویں گے غرض اوپر کئی رکوع میں جو قصے پچھلے انبیاء اور پچھلی امتوں کے اللہ تعالے نے ذکر فرمائے یہ آیت ان سب قصوں کا نتیجہ ہے فما کانوا لیؤمنوا بما کذبوا من قبل اس کا مطلب یہ ہے کہ علم ازلی الٰہی میں پہلے ہی یہ معلوم ہو چکا تھا کہ یہ لوگ ایمان نہ لاویں گے اس واسطے باوجود انبیاء کی نصیحت کے یہ لوگ ایمان نہ لائے اور یوم المیثاق میں اللہ کی

[1] مشکوٰۃ ص ۲۰۱۴ باب استحباب المال والعمر للطاعۃ و جامع ترمذی ج ۲ ص ۶۹ [2] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۶۸-۱۶۹ تفسیر سورہ ویل للمطففین و سنن ابن ماجہ ص ۳۲۳ باب ذکر الذنوب۔

فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ

پھر ہرگز نہ ہوا کہ یقین لاویں اس بات پر جو پہلے جھٹلا چکے یوں مہر کرتا ہے اللہ تعالیٰ

توحید کا اقرار جو انہوں نے کیا تھا اس عہد پر قائم نہ رہے حضرت آدم علیہ السلام کی اور اولاد آدمؑ کی پشت سے دنیا میں پیدا ہونے والی سب ارواحوں سے اللہ تعالیٰ نے توحید کا عہد لیا تھا جس کا ذکر اس سورہ میں آگے آوے گا اسی عہد کے دن کو یوم المیثاق کہتے ہیں اس عہد کے موافق اللہ تعالیٰ ہر ایک روح کو اسلام پر پیدا کرتا ہے پیدا ہونے کے بعد جس نے سچے دل سے وہ عہد کیا تھا وہ علم ازلی الٰہی میں اس کا اسلام کی حالت میں مرنا معلوم ہو چکا تھا وہ اسلام پر قائم رہتا ہے ورنہ کوئی شیطان کے بہکانے یا کافر ماں باپ کی صحبت سے سرے سے ایمان ہی نہیں لاتا اور کوئی عارضی طور پر ایمان لاکر اخیر کو اسی حالت کفر کے عمل کر کے مرتا ہے جو حالت علم ازلی الٰہی میں پہلے سے معلوم ہو چکی ہے اسی واسطے شریعت میں خاتمہ کا اعتبار ہے بیچ کی عارضی حالت کا اعتبار نہیں ہے اور آخری حالت کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کے دل پر اللہ نے مہر لگا دی ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث اوپر گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کی نصیحت کی مثال مینہ کی اور اچھے بُرے لوگوں کی مثال اچھی بُری زمین کی فرمائی ہےؔ۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے صحیح بخاری میں روایت ہے کہ بہت لوگ ساری عمر اہل جنت کے کام کرتے ہیں یہاں تک کہ جنت میں اور ان میں کچھ تھوڑا فرق رہ جاتا ہے آخر کو جو حالت ان کی علم ازلی الٰہی میں ٹھہر چکی ہے وہ حالت پیش آتی ہے اور آخر عمر میں اہل دوزخ کے کام کر کے دوزخی ہو کر وہ لوگ مرتے ہیں اسی طرح بہت لوگ تمام عمر اہل دوزخ کے کام کر کر جنتی ہو کر مرتے ہیںؔ۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا ہر بچہ کو اللہ تعالیٰ اسلام کی خصلت پر پیدا کرتا ہے پیدا ہونے کے بعد اس بچہ کے ماں باپ اس کو اپنے جیسا یہودی یا نصرانی یا آتش پرست بنا لیتے ہیںؔ۔ مسلم میں حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں ہر ایک بچہ کو خصلت اسلام اور توحید پر پیدا کرتا ہوں پھر اس کے بڑے ہونے پر شیطان اس کو کسی اور راستہ سے لگا دیتا ہےؔ۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے یوم المیثاق میں توحید کا عہد لیا ہے اسی طرح تسلیم رسالت ہر نبی وقت کا بھی عہد لیا ہے اور روحوں سے اسی روز فرمایا ہے کہ دیکھو اس یوم المیثاق کا عہد یاد دلانے کو انبیاء تمہارے پاس آویں گے ان کی اطاعت ضرور کرنا لوگوں نے اس کا اقرار بھی اللہ سے روبرو کر لیا ہے اس لئے جو بچہ چھوٹی عمر میں مر جاتا ہے اور دوسرے عہد کے پانے کی نوبت اس کو نہیں پہنچتی اور تکلیفات شرعیہ اور اطاعت نبی وقت کے حاصل کرنے کا موقعہ اس کو میسر نہیں آتا بلکہ اس موقعہ کے میسر آنے کے پہلے وہ مر جاتا ہے اس کی نجات کے لئے پہلا یوم المیثاق کا عہد کافی ہو جاتا ہے اور جو شخص تمیز کی عمر پانے کے بعد نبی وقت کی اطاعت نہ کیے

ؔ۱ صحیح بخاری ج ۱ص ۱۸ باب فضل من علم و علم و صحیح مسلم ج ۲ص ۲۴۷ باب بیان مثل ما بعثہ النبی صلے اللہ علیہ وسلم من الھدی والعلم ؔ۲ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷۶ کتاب القدر ؔ۳ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷۶ باب اللہ اعلم بما کانوا عاملین۔

ؔ۴ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۵۲۔

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ

منکروں کے دلوں پر اور نہ پایا ان کے اکثروں میں ہم نے نباہ اور اکثر ان میں پائے

اس کا پہلے کا عہد بھی جھوٹا اور ناکافی متصور ہو کر اس سے مؤاخذہ کیا جاتا ہے تفسیر ابن جریر میں روایت ہے کہ ضحاک بن مزاحم کا چھ روز کا ایک لڑکا مر گیا اس لڑکے کو قبر میں اتارتے وقت ضحاک نے لوگوں سے کہا اس لڑکے کے کفن کا بندھن کھول دینا تاکہ سوال کے وقت اس کو بیٹھنے میں آسانی ہو لوگوں نے کہا اتنے چھوٹے بچے سے کیا سوال ہوگا ضحاک نے کہا حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ اتنے چھوٹے بچوں سے میثاق کی توحید کا قبر میں سوال ہوتا ہے اتنے عمر والے بچوں کو جو اطاعت نبی کا موقعہ نہ پاویں جس کو دوسرا میثاق کہتے ہیں یہ پہلا میثاق کافی ہے اور جو میثاق ثانی کا موقعہ پا کر اس کا پابند نہ ہو اس کا میثاق اول بھی ناکافی اور جھوٹا ہے[1] اس باب میں ابن جریر نے چند آثار صحابہ نقل کر کے بعض آثار کو بعض سے قوت دی اور صحیح کہا ہے[2] اور یہ ایک مسئلہ ہے کہ ایسے مسائل میں آثار صحابہ کو مرفوع حدیث کا حکم ہے غرض اسی عہد کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اکثر لوگوں کو ہم نے بد عہد پایا جس کا مطلب اوپر کی حدیثوں کے موافق یہ ہے کہ بعضے لوگ تو سرے سے باوجود انبیاء کی نصیحت کے ایمان ہی نہیں لائے اور بعضے لوگ آخری عمر میں بد عہد ہو کر مر گئے تفسیر سدی میں ہے کہ جس دن روحوں سے اللہ تعالیٰ نے عہد لیا اس دن ان روحوں نے جو اللہ کے علم میں ایمان دار ٹھہر چکی تھیں تہ دل سے اللہ کی توحید کا اقرار کیا اور جو روحیں اللہ کے علم میں دنیا میں آنے کے بعد ایمان دار نہیں ٹھہری تھیں انہوں نے اوپر کے دل سے اور روحوں کے دیکھا دیکھی منافقوں کے ایمان کی طرح توحید کا اقرار کر لیا وہی لوگ دنیا میں آن کر باوجود انبیاء کی نصیحت کے ایمان نہ لائے یا لائے تو منافق رہے[3] معتبر سند سے ترمذی ابوداؤد وغیرہ میں حضرت عمرؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت اللہ تعالیٰ نے یوم المیثاق میں آدم علیہ السلام اور اولاد آدم کی پشت سے روحوں کو نکالا اسی وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کے موافق جنتی اور دوزخی روحوں کو الگ الگ کر کے یہ فرما دیا تھا کہ ان سب روحوں میں اس قدر روحیں جنتی لوگوں کی ہیں اور اس قدر روحیں دوزخی لوگوں کی[4] اس حدیث سے سدی کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے کیونکہ علم ازلی میں جو لوگ دنیا میں پیدا ہونے سے پہلے دوزخی ٹھہرے اس حدیث کے موافق ان کا یوم المیثاق کا عہد علم الٰہی میں سچا عہد نہیں تھا یہی مطلب سدی کے قول کا ہے دل پر زنگ کی مہر لگ جانے کی ابوہریرہؓ کی حدیث اوپر گذر چکی ہے[5] وہی حدیث ان آیتوں کے مہر کے ذکر کی تفسیر ہے جن ضحاک بن مزاحم کا ذکر اوپر گذرا یہ ضحاک طبقہ اعمش کے تابعیوں میں ہیں تقریب میں ان کو صدوق لکھا ہے اور امام احمدؒ نے ان ضحاک کو ثقہ کہا ہے تفسیر کے باب میں ان ضحاک کا شمار سعید بن جبیر مجاہد عکرمہ کے طبقہ میں کیا جاتا ہے۔ سفیان ثوری کہا کرتے تھے کہ سعید بن جبیر مجاہد عکرمہ اور ضحاک تفسیر کے ماہر لوگوں میں ہیں ان چاروں سے تفسیر کی روایتیں لینی چاہئیں اگرچہ بعضے سلف کا قول ہے کہ ان ضحاک کو عبداللہ بن عباسؓ سے ملاقات کا موقعہ نہیں ملا مگر اس بات پر سلف کا اتفاق ہے کہ سعید بن جبیر اور ان ضحاک سے ملاقات

[1] تفسیر ابن جریر ج ۹ ص ۱۱۲ طبع جدید و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۶۲ [2] تفسیر ابن جریر ج ۹ ص ۱۱۸ طبع جدید [3] تفسیر ابن جریر ج ۹ ص ۱۱۶ — ۱۱۷
[4] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۳۳ تفسیر سورہ الاعراف [5] صفحہ ۲۷۸ پر۔

لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ

بے حکم پھر بھیجا ہم نے ان کے پیچھے موسٰی کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور

مَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ

اس کے سرداروں پاس پھر زبردستی کی انکے سامنے سو دیکھ آخر کیسا ہوا حال بگاڑنے والوں کا اور کہا

مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ

موسٰے نے اے فرعون میں بھیجا ہوا ہوں جہان کے صاحب کا قائم ہوں اس پہ کہ نہ

اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۗ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ

کہوں اللہ کی طرف سے مگر جو سچ ہے کہ لایا ہوں تم پاس نشانی تمہارے رب کی سو رخصت کر میرے ساتھ

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ

بنی اسرائیل کو بولا اگر تو آیا ہے کچھ نشان لے کر تو وہ لا اگر تو

الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ

سچا ہے تب ڈالا اپنا عصا تو اسی وقت وہ ہوا اژدہا صریح اور نکالا اپنا ہاتھ

فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا

تو اسی وقت وہ سفید نظر آیا دیکھنے والوں کو بولے سردار فرعون کی قوم کے یہ بے شک

ہوئی اور انہوں نے تفسیر کے باب کی روایتیں سعید بن جبیر سے حاصل کیں اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور ضحاک میں اگر واسطہ ہے تو سعید بن جبیر کا ایک ثقہ واسطہ ہے اسی واسطے سفیان ثوری نے ان ضحاک کو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے شاگردوں کی ذیل میں رکھا ہے۔

۱۰۳—۱۲۶۔ اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالے نے حضرت نوحؑ اور ہودؑ اور صالحؑ اور لوطؑ اور شعیبؑ کا ذکر فرما کر ان آیتوں میں حضرت موسٰے اور ان کے معجزوں کا ذکر فرمایا ہے معجزہ ایک ایسی عادت سے باہر عاجز کرنے والی چیز کو کہتے ہیں جس کا ظہور بدوں تائید غیبی کے نہ ہو سکے اور خلقت اس جیسی چیز کے ظاہر کر دینے سے عاجز ہو معجزہ اور جادو میں یہ فرق ہے کہ معجزہ میں عادت سے باہر جو چیز خدا تعالے انبیاء کی تصدیق کے طور پر پیدا کرتا ہے وہ اصلی چیز ہوتی ہے مثلاً حضرت صالحؑ کے معجزہ سے جو اونٹنی پتھر میں سے پیدا ہوئی وہ در اصل اونٹنی ہی تھی لوگوں نے مدت تک اس کا دودھ پیا اور حضرت عیسٰےؑ جو مردہ کو زندہ کرتے تھے وہ درحقیقت وہی مردہ شخص ہوتا تھا اور حضرت کی انگلیوں سے جو پانی کا چشمہ بہا وہ در اصل پانی ہی تھا لوگوں نے پیا اور ان کی پیاس بجھی۔ جادو میں ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی غریب جادوگر ٹھیکریوں کے روپے بنائے تو درحقیقت وہ روپے ہو جاویں ایسا ہوتا تو کوئی جادوگر دنیا میں تنگ حال کیوں نظر آتا اور یہ جادوگر محتاجوں کی طرح فرعون سے اپنے جادو کے کام کی مزدوری کیوں مانگتے جادو کی اصل اتنی ہی ہے کہ لوگوں کے دیکھنے میں جادو کے اثر سے ٹھیکریاں روپے نظر آتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ ٹھیکریاں ہی رہتی ہیں

لَسٰحِرٌ عَلِيمٌ ﴿۱۰۹﴾ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ ۖ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوا

کوئی بڑا جادوگر ہے نکالا چاہتا ہے تم کو تمہارے ملک سے اب کیا مشورت دیتے ہو بولے

أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَأَرْسِلْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿۱۱۱﴾ يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَاحِرٍ عَلِيمٍ ﴿۱۱۲﴾

ڈھیل دے اس کو اور اس کے بھائی کو اور بھیج پرگنوں میں نقیب کہ لاویں تجھ پاس جو ہو پڑھا جادوگر

وَجَاءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوا إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ

اور آئے جادوگر فرعون پاس بولے ہماری کچھ مزدوری ہے اگر ہم غالب ہوئے بولا

نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِمَّا أَنْ تُلْقِيَ وَإِمَّا أَنْ

ہاں اور تم میرے پاس رہا کرو گے بولے اے موسے یا تو ڈال یا

نَكُونَ نَحْنُ الْمُلْقِينَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ أَلْقُوا ۖ فَلَمَّا أَلْقَوْا سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَ

ہم ڈالتے ہیں کہا تم ڈالو پھر جب ڈالا باندھ دیں لوگوں کی آنکھیں اور

اسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءُوا بِسِحْرٍ عَظِيمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ ۖ

ان کو ڈرادیا اور کر لائے بڑا جادو اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کو کہ ڈال دے اپنا عصا

فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۱۸﴾

تبھی وہ لگا نگلنے جو سانگ وہ بناتے تھے تب ثابت ہوا حق اور غلط ہوا جو کچھ وہ کرتے تھے

جس طرح حضرت نوحؑ کے معجزے سے چند آدمیوں کے سوا ساری دنیا طوفان سے ہلاک ہو گئی حضرت ہودؑ کے معجزہ سے آندھی نے اور حضرت صالحؑ کے معجزہ سے زلزلہ نے اور حضرت شعیبؑ کے معجزہ سے سنگ باری نے شہر کے شہر غارت کر دئے یہ اثر اور زور جادو میں ہوتا تو بادشاہاں زمانہ کی فوج کو ہلاک کر کے بہت سے جادوگر شہنشاہ بن جاتے غرض کئی سو اونٹوں پر اپنی لکڑیاں اور رسیاں لاد کر فرعون کے وقت کے جادوگر جو لائے تھے جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت موسےؑ کی ایک لکڑی نے ان کا سب جادو درہم برہم کر دیا اور یہ بھی انہوں نے دیکھا کہ حضرت موسےؑ کی لکڑی کا اثر جادو نما ہوتا تو وہ کئی سو اونٹ کے بوجھ کی اصل لکڑیاں اور رسیاں تو آخر باقی رہ جاتیں جب ان سب کو اس لکڑی نے نگل لیا تو یہ جادو کے اثر سے بڑھ کر ایک چیز ہے اس لئے فوراً وہ سب جادوگر ایسے پکے مسلمان ہو گئے کہ پھر فرعون کے ڈرانے سے بھی نہ ڈرے یہ بھی ایک حکمت الٰہی ہے کہ جس وقت کی قوم میں جس چیز کا کمال مشہور تھا اسی وقت کو اسی قسم کا معجزہ دے کر اللہ تعالےٰ نے بھیجا تاکہ نبی کی نبوت کا لوگوں کو جلدی یقین ہو جائے مثلاً فرعون کے زمانہ میں جادو کا بڑا زور تھا جادو سیکھنے کی جاگیریں لوگوں کو فرعون دیتا تھا یہ وہی جاگیر دار جادوگر تھے جن کو دیہات سے فرعون نے حضرت موسےؑ کے مقابلہ کے لئے بلوایا تھا اس لئے اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰؑ کو اسی قسم کا معجزہ دیا حضرت عیسےؑ کے زمانہ میں یونانی طب کا بڑا زور تھا اس لئے حضرت عیسےؑ کو کوڑھی، مادرزاد اندھے کے اچھا کرنے مردے کے جلانے کا معجزہ دیا جس سے حکیم عاجز ہو گئے حضرت کے وقت میں فصاحت و بلاغت عرب کا

فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا

تب ہارے اس جگہ اور پھرے ذلیل ہو کر اور ڈالے گئے ساحر سجدے میں بولے

اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ

ہم نے مانا جہان کے صاحب کو جو صاحب موسیٰ اور ہارون کا بولا فرعون تم نے مان لیا

بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا

اس کو ابھی میں نے حکم نہیں دیا تم کو یہ مکر ہے کہ باندھ لائے ہو شہر میں کہ نکالو

مِنْهَآ اَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ

یہاں سے اس کے لوگوں کو سو اب تم جانو گے میں کاٹوں گا تمہارے ہاتھ اور دوسرے پاؤں

ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ

پھر سولی چڑھاؤں گا تم سب کو بولے ہم کو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے اور تو ہم سے یہی بیر کرتا ہے

اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَاۗءَتْنَا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

کہ مانیں ہم نے اپنے رب کی نشانیاں جب ہم تک پہنچیں اے رب ہمارے دہانے کھول دے ہم پر صبر کے اور ہم کو مار مسلمان

ع ۱۴ / ۱۸ / ۴

بڑا زور تھا اس لئے قرآن شریف میں وہی معجزہ رکھا گیا پہلے اہل عرب سے کہا گیا کہ دس سورتیں قرآن شریف کی فصاحت اور بلاغت کے موافق بناؤ جب دس سورتوں سے وہ عاجز ہو گئے تو ایک ہی سورۃ کے بنانے کو کہا گیا تھا آخر عاجز ہو گئے اور کچھ نہ بن سکا حاصل کلام یہ ہے کہ ان آیتوں کے شروع میں حضرت موسےٰ علیہ السلام کے نبی ہونے کا اور ان کو معجزات کے دیئے جانے کا ذکر ہے اور پھر حضرت موسےٰ علیہ السلام اور فرعون سے مناظرہ ہو کر اس مناظرہ میں فرعون حضرت موسےٰ علیہ السلام سے معجزہ کا جو طلب گار ہوا ہے اس کا اور حضرت موسےٰ علیہ السلام کے عصا کے اژدہا بن جانے کا اور ید بیضا کا معجزہ جب فرعون کو دکھایا اور اس نے اس کو جادو بتلایا اس کا پھر جادوگروں اور حضرت موسےٰ علیہ السلام کے مقابلہ کا اور جادوگروں کا مقابلہ سے عاجز ہو کر شریعت موسوی کے تابع ہو جانے کا یہ سب ذکر ان آیتوں میں مختصر طور پر ہے سورۃ طٰہٰ اور سورۃ شعراء میں اس قصہ کی تفصیل زیادہ آوے گی، سورۃ بقر میں گذر چکا ہے کہ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کو اور بنی اسرائیل ان کی اولاد کو کہتے ہیں حضرت موسےٰ علیہ السلام کے زمانہ سے چار سو برس پہلے اولاد یعقوب میں سے حضرت یوسف علیہ السلام جس طرح ملک شام سے مصر میں آئے اس کا ذکر مفصل طور پر تو سورۃ یوسف میں آوے گا یہاں اسی قدر ذکر کافی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی مصر کی سکونت کے سبب سے بنی اسرائیل مصر میں آئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل مصر میں ذلیل حالت سے رہتے تھے اس لئے اللہ تعالےٰ کا حکم حضرت موسیٰ کو یہ تھا کہ حضرت موسےٰ مصر سے بنی اسرائیل کو نکال کر ان کے قدیمی وطن ملک شام میں انہیں آباد کریں اسی واسطے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جہاں فرعون سے اور باتیں کیں وہاں یہ بھی فرمایا فارسل معی بنی اسرائیل جس کا مطلب اللہ تعالےٰ کے حکم اور اس کے حکم کی تعمیل ہے جس کا ذکر اوپر گذرا۔

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ مُوسَىٰ وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ

اور بولے سردار قوم فرعون کے کیوں چھوڑتا ہے موسیٰ کو اور اس کی قوم کو کہ دھوم اٹھاویں ملک میں

وَيَذَرَكَ وَآلِهَتَكَ ۚ قَالَ سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ

اور موقوف کرے تجھ کو اور تیرے بتوں کو بولا اب ہم ماریں گے ان کے بیٹے اور جیتی رکھیں گی ان کی عورتیں اور ان پر ہم

قَاهِرُونَ (۱۲۷) قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا ۖ إِنَّ

زور آور ہیں موسےٰ نے کہا اپنی قوم کو مدد مانگو اللہ سے اور ثابت رہو

الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (۱۲۸)

زمین ہے اللہ کی وارث کرے اس کا جس کو چاہے اپنے بندوں میں اور آخر بھلا ہے ڈر والوں کا

قَالُوا أُوذِينَا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَأْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۚ قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ

بولے ہم پر تکلیف رہی تیرے آنے سے پہلے اور جب تو ہم میں آچکا کہا نزدیک ہے کہ رب تمہارا

۱۲۷-۱۲۹۔ فرعون چھ سو برس دنیا میں زندہ رہا اور چار سو برس تک بادشاہی کی اس عرصہ میں کوئی تکلیف اس کو نہیں ہوئی سر میں درد تک نہ ہوا اگر ایک روز بھی بھوکا رہتا یا کوئی تکلیف اٹھاتا تو خدائی کا دعویٰ بھول جاتا اس نے موسےٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے یہ حکم دے رکھا تھا کہ جو بچہ پیدا ہو اگر لڑکا ہو تو مار ڈالا جائے اور لڑکی ہو تو چھوڑ دی جائے۔ سورہ قصص میں جو ذکر حضرت موسےٰ علیہ السلام کا آویگا اس کے موافق جب موسےٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے اور فرعون ہی کے گھر میں پرورش پاکر سیانے ہو گئے تو اس نے وہ حکم موقوف کر دیا اب جو حضرت موسٰیؑ نے رسالت کا دعویٰ کیا اور جادوگروں پر غالب ہو کر خدا کا پیغام لوگوں کو پہنچانے لگے تو فرعون کے وزیروں امیروں نے فرعون کے پاس جاکر بطور مشورۃ بات کہی کہ موسےٰؑ اور اس کے پیروی کرنے والوں کو زندہ نہیں چھوڑنا چاہیے ورنہ یہ لوگ آپ کی رعیت کو بہکا بہکا کر آپ کی طرف سے پھیر دیں گے اور خدا کی طرف متوجہ کر دیں گے اور آپ کو اور آپ کے دین و آئین کو اور معبودوں کو چھوڑ دیں گے تو پھر فرعون نے جل کر وہی اگلا حکم جاری کرنے کو کہا کہ ہم ان کے لڑکوں کو قتل کر ڈالیں گے اور لڑکیوں کو چھوڑ دیں گے ہمارے سامنے ان لوگوں کی کیا ہستی ہے ہم سب سے زبردست ہیں جب بنی اسرائیل کو اس بات کی خبر پہنچی کہ وہ ملعون پھر ایسا ارادہ کرتا ہے تو موسیٰ علیہ السلام سے اس کی شکایت کی آپ نے یہ جواب دیا کہ خدا سے مدد چاہو اور صبر کرو آخر میں خدا سے ڈرنے والوں کو بھلائی اور بہتری ہوگی گویا موسےٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرعون پر فتح پانے کا وعدہ کیا تو ان کی قوم نے کہا کہ ہماری تو ہمیشہ یہی حالت رہی کہ جب آپ نہیں تھے جب بھی اس مصیبت میں گرفتار تھے کہ ہمارے لڑکے قتل کئے جاتے تھے اور اب بھی وہی تکلیف ہے یہ کمبخت پھر وہی حکم جاری کر رہا ہے کہ ہمارے لڑکے قتل کئے جاویں اور لڑکیاں چھوڑ دی جاویں۔ حضرت موسےٰ نے فرمایا گھبراؤ نہیں بہت جلد خدا تمہارے دشمنوں کو غارت کرے گا اور یہ کافر مع اپنے ہوا خواہوں کے ہلاک ہوگا اور تم لوگ دنیا میں سلطنت کی باگ ہاتھ میں لوگے پھر اللہ تعالےٰ تمہیں آزماویگا کہ تم کیا عمل کرتے ہو چنانچہ یہ بات ظہور میں بھی آئی کہ فرعون مع اپنے لشکر کے دریا میں غرق ہو گیا اور بنی اسرائیل نے اس کے ہاتھ سے نجات پائی

أَن يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿١٢٩﴾

کھپا دے تمہارے دشمن کو اور نائب کرے تم کو ملک میں پھر دیکھے تم کیسا کام کرتے ہو

وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ

اور ہم نے پکڑا فرعون والوں کو قحطوں میں اور میووں کے نقصان میں شاید وہ

يَذَّكَّرُونَ ﴿١٣٠﴾ فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَٰذِهِ ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ

سوچیاں کریں پھر جب پہنچے ان کو بھلائی کہنے لگے یہ ہے ہمارے واسطے اور اگر پہنچے برائی

اور داؤد و سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں سارے ملک مصر پر بنی اسرائیل کا قبضہ ہو گیا اور پھر بنی اسرائیل نے وہ برے عمل کئے جن کا ذکر جگہ جگہ قرآن میں ہے صحیح بخاری و مسلم میں عمرو بن عوف انصاری کی ایک بڑی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو اپنی امت کی تنگ دستی کی حالت کا کچھ خوف نہیں بلکہ مجھ کو یہ خوف ہے کہ جب ان کو پچھلی امتوں کی طرح فارغ البالی ہو جاوے گی تو ان میں طرح طرح کے فساد پیدا ہو جاویں گے[1]۔ اس حدیث کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ ان آیتوں اور حدیث کے ملانے سے یہ مطلب پیدا ہوا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی فارغ البالی کے زمانہ کے فساد کا خوف تھا وہی خوف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کی فارغ البالی کے زمانہ کا تھا اور اسی خوف کا ظہور جس طرح بنی اسرائیل میں ہوا اسی طرح امت محمدیہ میں ہوا فرعون نے اپنی صورت کے بت بنا کر لوگوں کو پوجا کے لئے دے رکھے تھے اور اپنے آپ کو بڑا خدا اور ان مورتوں کو چھوٹے خدا کہتا تھا؛

۱۳۰-۱۳۱۔ اللہ پاک نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کا امتحان لیا کہ قحط ڈال دیا درختوں میں پھل لگنے موقوف ہو گئے کھجور کے درختوں میں ایک ایک کھجور پھلتی تھی چشمہ نیل بالکل خشک ہو گیا مینہ برسنا بند ہو گیا یہ جانچ تھی کہ شاید مصیبت کے وقت میں ان کے دل نرم ہو جاویں اور خدا سے رجوع ہوں اور رسول کی باتوں کو مانیں مگر کچھ بکار آمد نہ ہوا اپنے کفر پر جمے رہے پھر اللہ پاک نے فرمایا جب یہ تکلیف دور ہو گئی اور آرام کی گھڑی آگئی تو کہنے لگے ہم اسی کے مستحق تھے اور جب کوئی بلائی اور تکلیف پہنچی تو موسیٰ علیہ السلام پر یہ بات دھرتے اور کہتے کہ ان کے باعث سے یہ سال نحس ہوا اور یہ نہ سمجھتے تھے کہ خوشی کا وقت خدا کے فضل سے نصیب ہوا اور رنج کی گھڑی اسکی آزمائش ہے اس لئے فرمایا کہ خوشی اور تکلیف سب خدا ہی کی طرف سے ہے اس میں کسی کی نحوست کو کچھ دخل نہیں ہے یہ سب خدا کی طرف سے ہے لیکن اکثر لوگوں کو اس کی سمجھ نہیں صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بدفالی کی ممانعت فرمائی ہے[2]۔ صحیح سند سے ترمذی ابوداؤد وغیرہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بدفالی کو شرک فرمایا ہے[3] بدفالی میں تقدیر الٰہی کا انکار اور بدفالی کی چیزوں میں مستقل طور پر ضرر رسانی کا اعتقاد پایا جاتا ہے اسی کو اللہ کے رسول نے شرک فرمایا ہے کیونکہ سوا اللہ تعالیٰ کی ذات کے اور کسی چیز میں مستقل طور پر ضرر رسانی کی قدرت

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۵۱ باب ما یحذر من زہرۃ الدنیا والتنافس فیہا و صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۰۷ کتاب الزہد [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۵۷ باب الہامۃ و صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۳۰ باب لا عدوی ولا طیرۃ الخ [3] مشکوۃ ص ۳۹۲ باب الفال والطیرۃ۔

يَطَّيَّرُوا بِمُوسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ

شومی بتاتے موسیٰ کی اور اس کے ساتھ والوں کی سن لو شومی ان کی اللہ ہی پاس ہے پر اکثر

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ

لوگ نہیں جانتے اور اکثر کہنے لگے جو تو لاوے گا ہم پاس نشانی کہ ہم کو اس سے جادو کرے سو ہم

لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَ

تجھ کو نہ مانیں گے پھر ہم نے بھیجا ان پر غرقاب اور ٹڈی اور چچڑی اور

نہیں ہے ترمذی اور مسند امام احمد کے حوالہ سے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام مخلوقات کسی شخص کے ضرر پہنچانے کا ارادہ کرے تو بھی بغیر حکم اللہ تعالےٰ کی کوئی اس شخص کو ضرر نہیں پہنچا سکتا[1]۔

۱۳۲—۱۳۳۔ ان آیتوں میں اللہ پاک نے فرعون اور اس کی قوم کے کفر اور سرکشی کا حال بیان کیا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام سے کہتے تھے کہ تم معجزہ کے طور پر جو نشانی لاؤ گے ہم اس کو نہیں مانیں گے یہ جو تم عجائبات دکھلاتے ہو خدا کا دیا ہوا معجزہ نہیں ہے تم ایک جادوگر ہو ہم پر جادو کرتے ہو اور ہماری نظر بندی کر دیتے ہو جس سے یہ تماشے دکھلائی دیتے ہیں اللہ پاک نے طوفان بھیجدیا اتنا مینہ آسمان سے برسا کہ راستوں اور گلیوں کا تو کیا ذکر گھروں میں پانی پانی ہو گیا ہر شخص کے گلے تک پانی تھا جو کوئی اس پانی میں کھڑا رہا اس کی جان بچ گئی جو گھر آ کر بیٹھ گیا وہ غرق ہو گیا یہ پانی سات روز برابر برستا رہا لوگ چلنے پھرنے کہیں آنے جانے سے مجبور ہو گئے آخر عاجز آ کر ان لوگوں نے موسےٰ علیہ السلام سے کہا کہ اپنے خدا سے دعا کرو کہ پانی کھل جاوے ہم بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ کر دیں گے موسےٰ علیہ السلام نے دعا کی پانی کھل گیا غلے میوے پھر پیدا ہونے لگے رستے خشک ہو گئے ایک مہینہ تک اسی حال میں رہے پھر موسےٰ علیہ السلام سے کہنے لگے ہم تم پر ایمان نہیں لاویں گے اور نہ بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ بھیجیں گے اللہ پاک نے ٹڈیوں کو حکم کر دیا وہ ان کے شہر میں آ کر کھیتیوں کو نقصان پہنچانے لگیں جس درخت پر بیٹھ گئیں اس کو صاف کر دیا ان کے مکانوں پر بیٹھ کر چھتوں کی کڑیاں اور چوکھٹوں کو کھانے لگیں مکان گرنے لگے پھر انہوں نے موسےٰ علیہ السلام سے التجا کی کہ آپ اپنے خدا سے دعا کریں کہ یہ بلا ہم سے دور ہو ہم آپ پر ایمان لاویں گے اور بنی اسرائیل کو چھوڑ دیں گے حضرت موسےٰ نے دعا کی کہ ٹڈیاں سب دفع ہو گئیں پھر یہ لوگ نہ ایمان لائے اور نہ بنی اسرائیل کو چھوڑا اور غلے گھروں میں جمع کر کے کہنے لگے ہم نے اپنا بندوبست کر لیا ہے اللہ پاک نے گھن کو بھیج دیا اس نے سارے غلہ کو کھو کھلا کر دیا اور ہر جگہ گھن کے کیڑے نظر آنے لگے پھر مجبور ہو کر حضرت موسےٰ علیہ السلام سے دعا کو کہا آپ نے دعا کی اللہ پاک نے گھن کو رفع دفع کر دیا پھر یہ لوگ نہ ایمان لائے اور نہ بنی اسرائیل کو ساتھ کیا اللہ پاک نے مینڈک بھیج دئیے پانی میں مینڈک کھانے پینے کی سب چیزوں میں مینڈک برتنوں میں مینڈک آدمیوں کی ٹھوڑیوں تک مینڈک کا انبار ہو گیا لوگوں کو منہ کھولنا مشکل تھا اگر بات کرنی بھی چاہتے تو مینڈک

[1] مشکوٰۃ ص ۴۵۳ باب التوکل والصبر۔

وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

مینڈک اور لہو کتنی نشانیاں جدی جدی پھر تکبر کرتے رہے اور تھے وہ لوگ گنہ گار

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ

اور جس بار پڑا ان پر عذاب بولے اے موسے پکار ہمارے واسطے اپنے رب کو جیسا تجھ کو سکھا رکھا ہے

لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾

اگر تو نے اٹھایا ہم سے یہ عذاب تو بے شک تجھ کو مانیں گے اور رخصت کریں گے تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو

منہ میں چلا جاتا آخر حضرت موسٰےؑ سے دعا کو کہا ان کی دعا سے مینڈکوں کو بھی اللہ پاک نے دفع کر دیا مگر پھر یہ لوگ ایمان نہیں لائے اور نہ بنی اسرائیل کو چھوڑا تو اللہ پاک نے ان کے واسطے دریا نہروں اور کنوؤں کے پانی کو خون کر دیا لوگوں نے فرعون سے شکایت کی ہم کو پانی نہیں ملتا اس نے کہا کہ موسٰےؑ نے تم پر جادو کر دیا ہے کہنے لگے کہ جادو کیسا ہم مشکوں میں پانی بھر کر رکھتے ہیں اور پھر وہ سارا پانی خون ہو جاتا ہے ناچار پھر موسے علیہ السلام کے پاس جا کر دعا کے طلب گار ہوئے موسٰے علیہ السلام نے دعا کی یہ آفت بھی ٹل گئی مگر وہ لوگ ایمان نہ لانا تھا نہ لائے اور نہ بنی اسرائیل کو جانے دیا اپنے تکبر اور نخوت میں پڑے رہے اپنے اقرار اور وعدے توڑ کر مجرم ہوئے ترمذی ابوداؤد وغیرہ کے حوالہ سے حضرت عمرؓ کی حدیث اوپر گذر چکی ہے کہ علم ازلی میں جو لوگ دوزخی ٹھہر چکے ہیں ان کو انبیاء کی نصیحت انبیاء کے معجزے کوئی چیز راہ راست پر نہیں لا سکتے[۱] یہ حدیث ان آیتوں کی گویا تفسیر ہے کیونکہ آیتوں اور حدیث کے ملانے سے یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ فرعون اور اس کی قوم کے لوگ ازلی دوزخی تھے اس لئے اگرچہ پے در پے وہ معجزے دیکھے جن کا ذکر ان آیتوں میں ہے لیکن اس پر بھی وہ لوگ راہ راست پر نہ آئے اور آخر غرق ہو کر بڑی خرابی سے مرے اور سیدھے جہنم کو چلے گئے۔

۱۳۴۔۱۳۵ اس آیت کے متعلق دو قول ہیں بعض مفسروں نے یہ لکھا ہے کہ یہ آیت اوپر کی آیتوں کا بیان ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک نے جو فرعون اور اس کی قوم پر اوپر کی آیتوں میں پانچ عذاب طوفان اور ٹڈیاں اور گھن اور مینڈک اور خون بھیج کر برباد کیا اسی کا بیان فرمایا ہے کہ جب ان پر عذاب ایک کے بعد ایک آتا گیا تو ان لوگوں نے موسے علیہ السلام سے کہا کہ اپنے رب سے دعا کرو کہ یہ عذاب ہم پر سے دفع ہو جاوے کیونکہ خدا نے تمہیں رسول بنا کر بھیجا ہے تم سے ہر ایک دعا کے پورا کرنے کا وعدہ کیا ہے اگر تمہاری دعا سے یہ بلائیں ٹل جاویں گی تو ہم تم پر ایمان بھی لاویں گے اور بنی اسرائیل کو بھی تمہارے ساتھ کر دیویں گے پھر اللہ پاک نے یہ بیان کیا کہ ہم نے ان کے وعدے اور اقرار کرنے پر یہ عذاب اس وقت تک روک رکھا جب تک وہ قلزم میں غرق نہ ہوئے تب بھی تو وہ ایمان نہیں لائے منکر کے منکر رہے اور دوسری تفسیر اس آیت کی یہ کی گئی ہے کہ رجز طاعون کو کہتے ہیں جیسا کہ صحیحین کی ایک حدیث میں اسامہؓ سے روایت ہے کہ طاعون ایک رجز ہے بنی اسرائیل کے ایک گروہ پر بھیجا گیا تھا اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ تم جب سنو کہ کسی جگہ طاعون ہے تو وہاں نہ جاؤ اور جس زمین میں طاعون ہو وہاں سے نکل کر نہ بھاگو[۲]۔ اس تفسیر کی رو سے یہ چھٹا عذاب ان لوگوں

[۱] جلد ہذا ص ۲۸۰ [۲] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹۴ باب حدیث الغار و صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۲۸ باب الطاعون والطیرۃ الخ

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلَىٰٓ أَجَلٍ هُم بَٰلِغُوهُ إِذَا هُمْ يَنكُثُونَ ﴿١٣٥﴾ فَانتَقَمْنَا

پھر جب ہم نے اٹھا لیا ان سے عذاب ایک وعدے تک کہ ان کو پہنچنا تھا تب ہی منکر ہو جاتے پھر ہم نے بدلہ لیا

مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَٰهُمْ فِى ٱلْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا۟ بِـَٔايَٰتِنَا وَكَانُوا۟ عَنْهَا غَٰفِلِينَ ﴿١٣٦﴾

ان سے پھر ڈبو دیا ان کو گہرے پانی میں اس پر کہ جھٹلائیں ہماری آیتیں اور کرتے رہے ان سے تغافل

وَأَوْرَثْنَا ٱلْقَوْمَ ٱلَّذِينَ كَانُوا۟ يُسْتَضْعَفُونَ مَشَٰرِقَ ٱلْأَرْضِ وَمَغَٰرِبَهَا

اور وارث کیا ہم نے ان کو جو لوگ کمزور ہو رہے تھے اس زمین کے مشرق اور مغرب کا

پر تھا جوان پر پانچوں عذابوں کے بعد نازل ہوا فرعون کے یہاں بنی اسرائیل اور ایک دوسری قوم قبط تھی ہر روز قبط کی قوم میں سے ستر ہزار آدمی اس طاعون سے ہلاک ہوئے تھے موسےٰ علیہ السلام سے ان لوگوں کا یہ وعدہ تھا کہ اس بلا کے دفع ہونے کے بعد ہم بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ کر دیں گے جہاں جی چاہے لیجانا اصل میں بنی اسرائیل کو فرعون نے اپنا قیدی بنا رکھا تھا اور ان سے طرح طرح کی ذلت اور خواری کے کام لیتا تھا اور ان کو کہیں جانے آنے نہیں دیتا تھا بہرحال جب بلائیں ٹل گئیں تو فرعون اور اس کی قوم نے اپنا وعدہ وفا نہ کیا اور قول و قرار توڑ ڈالا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگردوں میں سے پہلا قول مجاہد کا ہے اور دوسرا قول سعید بن جبیر کا۔ حافظ ابوجعفر ابن جریر نے اپنی تفسیر میں پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔ اس تفسیر کے مقدمہ میں بھی یہ گذر چکا ہے کہ جہاں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگردوں میں اختلاف ہو وہاں مجاہد کے قول کو ترجیح دی جاتی ہے۔ ترمذی ابوداؤد وغیرہ کے حوالہ سے اوپر حضرت عمرؓ کی حدیث جو گذر چکی ہے اس کو اس آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت اور حدیث کو ملا کر یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ فرعون اور اس کی قوم نے ہر دفع کے عذاب کے ٹل جانے کے عہد شکنی اس سبب سے کی کہ ان لوگوں کے سر پر ازلی نافرمانی سوار تھی اس لئے پے در پے معجزے دیکھنے کے بعد بھی یہ لوگ راہ راست پر نہ آتے اور اس قوم کے جادوگر لوگ جو علم ازلی میں آخری عمر تک کے نافرمان نہیں قرار پائے تھے وہ فقط ایک ہی معجزہ دیکھ کر راہ راست پر آ گئے ؛

۱۳۶-۱۳۷- جب ان پانچوں چھوٹوں عذاب ان پر ایک کے بعد ایک۔ ایک ایک ہفتہ کے فاصلہ سے آتے گئے اور موسےٰ ان کو پہلے جا کر کہہ آتے تھے کہ فلاں عذاب تم پر آویگا اور وہی عذاب ان پر آتا تھا اور آخر موسےٰ علیہ السلام کی دعا کرنے سے وہ بلا ٹلتی بھی گئی لیکن یہ لوگ ایمان نہیں لائے تو ایک روز آدھی رات کو سارے شہر میں وبا پھیل گئی اور ہر شخص کا اکلوتا بیٹا مرنے لگا یہ لوگ مردوں کے غم میں اور اپنی جانوں کی فکر میں تھے کہ موسےٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو لے کر شہر سے نکل گئے جب فرعون کو اس کی خبر ہوئی تو لشکر تیار کر کے ان کے پیچھے بھاگا اور موسےٰ علیہ السلام کو مع بنی اسرائیل کے دریائے قلزم کی طرف جاتے دیکھا یہ بھی مع لشکر کے وہاں پہنچا موسےٰ علیہ السلام مع اپنی قوم کے دریا میں گھس گئے دریا نے خدا کے حکم سے بارہ رستے بنا دئے اور یہ سب کے سب ان رستوں سے دریا کے پار ہو گئے فرعون بھی اپنے لشکر کے دریا میں گھس پڑا جب بیچوں بیچ میں پہنچا تو دریا دونوں طرف سے آ کر مل گیا اور یہ لوگ اول سے آخر تک ڈوب کر ہلاک ہو گئے اسی کو اللہ پاک نے بیان فرمایا کہ یہ لوگ ہماری آیتوں اور نشانیوں کو جھٹلا یا کئے اور ایمان لانے سے غفلت

لہ (صفحہ سابقہ پر)

الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا

جس میں برکت رکھی ہے ہم نے اور پورا ہوا نیکی کا وعدہ تیرے رب کا بنی اسرائیل پر اس لئے کہ

صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

وہ ٹھہرے رہے اور خراب کیا ہم نے جو بنایا تھا فرعون اور اس کی قوم نے اور انگور جو چڑھاتے تھے چھتریوں پر

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ

اور پار اتارا ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے تو وہ پہنچے ایک لوگوں پر کہ پوجنے میں لگ رہے تھے اپنے بتوں کے

کرتے رہے اس لئے ہم نے اس کا بدلا ان سے لیا سارے کافروں کو دریا میں غرق کر دیا پھر فرمایا کہ ان کی جگہ بنی اسرائیل کو دی جن کو فرعون اور اس کی قوم قبط ذلیل و خوار سمجھے ہوئے تھے ان ہی کا مصر اور شام کے چاروں طرف کے ملک پر قبضہ کرا دیا اور اس ملک میں ایسی برکت دی کہ وہاں کے پھل میوے اور کھیتی بڑے زوروں پر ہونے لگی اور بعض مفسروں نے مشارق اور مغارب ارض سے تمام روئے زمین کو مراد لیا ہے کیونکہ داؤد و سلیمان علیہما السلام تمام روئے زمین کے مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک مالک ہو گئے تھے اور یہ دونوں نبی قوم بنی اسرائیل میں سے تھے پھر اللہ پاک نے اپنے ایفائے وعدہ کا ذکر کیا کہ ہم نے جو وعدہ کیا تھا کہ دشمنوں کو غارت کر دیا جاوے گا اور ان کی جگہ ملک پر تم لوگوں کو قبضہ اور دخل دیا جاوے گا اللہ تعالیٰ نے وہ بات پوری کر دی کہ فرعون اور اس کی قوم کی کچھ پیش نہ چلی سب کے سب ہلاک ہوئے اور ان کے باغ اور مکانات اور سب تیاریاں باغ اور مکانوں کی بالکل نیست و نابود کر دیں مکی سورتوں میں اس قصہ کے ذکر فرمانے سے یہ مقصد ہے کہ اس سورہ کے نازل ہونے تک اہل مکہ میں سے جو لوگ اللہ کے رسول کی مخالفت کے درپے ہیں ان کو معلوم ہو جاوے کہ رسول وقت کی مخالفت کا یہی نتیجہ ہونے والا ہے جو نتیجہ فرعون اور اس کی قوم کا ہوا اسی طرح رسول وقت کے فرمانبردار لوگوں کا وہی نتیجہ ہوگا جو نتیجہ بنی اسرائیل کا ہوا۔ اللہ سچا ہے اللہ کا کلام سچا ہے بدر کی لڑائی کے وقت اس مقصد کا جو ظہور ہوا اس کا ذکر اس لڑائی کے قصہ میں گذر چکا ہے۔ اس بدر کی لڑائی کے حال میں جو حدیثیں گذر چکیں وہ ان آیتوں کے مقصد کی گویا تفسیر ہیں خصوصاً صحیح بخاری و مسلم کی انس بن مالک کی حدیث[۱] کہ اس لڑائی میں مسلمانوں کا غلبہ ہوا اور بڑے بڑے مخالف اسلام نہایت ذلت سے مارے گئے ۔

۱۳۸۔۱۳۹۔ جب فرعون دریائے قلزم میں مع اپنے لشکر کے غرق ہو کر ہلاک ہو گیا اور حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو ساتھ لئے ہوئے پار ہو گئے تو ان لوگوں کا گذر شہر رقہ میں ہوا جو اسی دریا کے کنارہ پر واقعہ ہے یہاں قبیلہ کنعانی کے لوگ جن سے موسیٰ علیہ السلام کو لڑنے کا حکم ہوا تھا مورتیں پوج رہے تھے گائے کی شکل کے بت بنا رکھے تھے جن کی وہ لوگ پوجا کیا کرتے تھے انہیں بت پوجتے ہوئے دیکھ کر بنی اسرائیل نے بھی موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپ بھی ہمارے لئے بت بنا دیں ہم بھی اسی طرح ان بتوں کی پوجا کریں گے جس طرح یہ لوگ مورتیں پوج رہے ہیں موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تم لوگ کیسے جاہل ہو خدا کی عظمت اور اس کے جلال کو نہیں پہچانتے ہو بت پرستی کے سبب سے ابھی قوم فرعون پر کیسے کیسے سخت عذاب دیکھ چکے ہو

[۱] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۶ باب قتل ابی جہل۔

لَّهُمْ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ

کے بولے اے موسےٰ بنا دے ہم کو بھی ایک بت جیسے ان کے بت ہیں کہا تم لوگ

تَجْهَلُوْنَ ﴿١٣٨﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٩﴾

جہل کرتے ہو یہ لوگ جو ہیں انہیں تباہ ہونا ہے جس کام میں لگے ہیں اور غلط ہے جو کر رہے ہیں

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٤٠﴾

کہا کیا اللہ کے سوا لادوں تم کو کوئی معبود اور اس نے تم کو بزرگی دی سب جہان پر

پھر ایسی بات منہ سے نکالتے ہو یہ لوگ جس شغل میں ہیں اور جن بتوں کو پوج رہے ہیں یہ سب نیست ونابود ہونے والے ہیں ان کا عمل سرے سے بے ٹھکانے اور انکا دین محض غلط ہے مطلب یہ ہے کہ بت پرستی کے وبال میں ان لوگوں پر کوئی عذاب الٰہی آجاویگا تو اس سے ان کے بت ان کو بچا نہیں سکتے پھر اس طرح کی بے اختیار چیز کی پوجا سے کیا فائدہ ہے ایسی بے فائدہ چیز کی عبادت کی خواہش کا پیش کرنا نادانی اور جہالت کی خواہش ہے صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ حضرت نوحؑ کے نبی ہونے سے پہلے اس قوم میں کچھ نیک لوگ تھے ان کا انتقال ہو گیا جس سے قوم کے لوگوں کو بڑا رنج ہوا شیطان نے قوم کے لوگوں کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ اس قوم کے لوگ اگر ان نیک لوگوں کی مورتیں بنا کر اپنی آنکھوں کے روبرو رکھیں تو آنکھوں کے سامنے سے ان نیکوں کے دنیا سے اٹھ جانے کا رنج کچھ کم ہو جاویگا[1]۔ چنانچہ قوم کے لوگوں نے اس وسوسہ کے موافق عمل کیا آخر رفتہ رفتہ ان مورتوں کی پوجا ہونے لگی اس شرک کے مٹانے کے لیے حضرت نوحؑ نبی ہو کر آئے اور ساڑھے نو سو برس تک ان بت پرست لوگوں کو نصیحت کرتے رہے لیکن ان لوگوں پر اس نصیحت کا پورا اثر نہیں ہوا۔ اس حدیث کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیتوں اور حدیث کے ملانے سے یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ شیطان نے اپنے ایک طرح کے وسوسہ سے جس طرح دنیا میں بت پرستی پھیلائی اسی طرح کا وسوسہ بنی اسرائیل کے دلوں میں ڈالدیا کہ بت پرست لوگوں کو بتوں کی پوجا سے ضرور کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچا ہوگا جس کے سبب سے بت پرستی دنیا میں چلی آتی ہے اسی وسوسہ کے اثر سے بنی اسرائیل نے حضرت موسےٰ علیہ السلام سے اپنی وہ خواہش ظاہر کی جس کا ذکر ان آیتوں میں ہے لیکن حضرت موسےٰ علیہ السلام نے نصیحت مناسب سے بنی اسرائیل کے اس وسوسہ کو رفع فرمادیا۔

۱۴۰۔ پھر موسےٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل سے نصیحت کے طور پر یہ کہا کہ کیا خدا کے سوا کوئی اور معبود میں تمہارے لئے تلاش کروں بڑے حیف کی بات ہے کہ جس خدا نے تمہیں ذلت و رسوائی سے رہائی دی فرعون اور قبطی تمہیں خوار و ذلیل سمجھتے تھے قیدیوں کی طرح تمہیں نظر بند کر رکھا تھا اس صاحب قدرت نے ان کے پنجے سے تم کو چھڑایا اور ان دشمنوں کو غارت کر کے تمہارے کلیجے کو ٹھنڈا کیا اور پھر تم پر یہ فضل کیا کہ ان کی سلطنت تمہیں بخشی تمہیں روئے زمین کا خلیفہ بنایا اسے چھوڑ کر اوروں کی عبادت کب زیبا ہے کیا اس کے انعام اور فضل کا یہی شکر اور مقابلہ ہے جس کا وسوسہ تمہارے دل میں گذرا ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسےٰ اشعریؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

[1] صحیح بخاری ص ۷۳۲ کتاب التفسیر سورہ نوح۔

وَإِذْ أَنْجَيْنَٰكُم مِّنْ ءَالِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوٓءَ ٱلْعَذَابِ يُقَتِّلُونَ

اور وہ وقت یاد کرو جب بچا نکالا ہم نے تم کو فرعون والوں سے دیتے تھے تم کو بڑی مار مار ڈالتے

أَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَآءَكُمْ ۚ وَفِى ذَٰلِكُم بَلَآءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿۱۴۱﴾

تمہارے بیٹے اور جیتی رکھتے تمہاری عورتیں اور اس میں احسان ہے تمہارے رب کا بڑا

وَوَٰعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَٰثِينَ لَيْلَةً وَأَتْمَمْنَٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيقَٰتُ رَبِّهِۦٓ

اور وعدہ ٹھہرایا ہم نے موسے سے تیس رات کا اور پورا کیا ان کو اور دس سے تب پوری ہوئی مدت تیرے رب کی

نے فرمایا اللہ تعالےٰ کی یہ بڑی بردباری ہے جو وہ مشرک لوگوں کے رزق کا سامان کرتا ہے ان کو صحت و تندرستی سے رکھتا ہے[1] حاصل مطلب یہ ہے کہ شرک ایسا بڑا جرم ہے کہ اس کی سزا میں مشرک لوگوں کا رزق اور تندرستی کا انتظام غیب سے نہ ہوتا تو بجا تھا لیکن یہ اللہ تعالےٰ کی بڑی بردباری ہے کہ وہ ایسے لوگوں کے رزق اور تندرست رہنے کا انتظام فرماتا ہے۔ اس آیت میں بت پرستی کا جو ذکر ہے اس کی مذمت کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے اور اس کی تفسیر ہے کہ باوجود شرک کے مشرک لوگوں پر فوراً کوئی آفت کیوں نہیں آتی ؛

۱۴۱- یہ بات موسے علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے نصیحت کے طور پر کہی کہ وہ وقت یاد کرو جب فرعون تم سے بُری طرح پیش آتا تھا تمہارے لڑکے قتل کر دیا کرتا تھا اور لڑکیاں زندہ چھوڑ دیا کرتا تھا کیا یہ خدا کا احسان تم پر نہیں ہے کہ اس نے تم کو اس بلا سے چھوڑا یا اور جب اس کا اتنا بڑا احسان تم پر ہے تو عبادت بھی اسی کی واجب ہے غیر کی تعظیم اور عبادت تم کو ہرگز لائق نہیں ہے اس بیہودہ سوال سے باز آؤ اس آیت کی تفسیر سورہ بقرہ میں مفصل گذر چکی ہے صحیح بخاری اور مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ جب اللہ نے انسان کو پیدا کیا اس کے احسانات کو بھول کر جو لوگ اللہ کی عبادت اور تعظیم میں غیروں کو شریک کرتے ہیں ایسے لوگوں سے بڑھ کر دنیا میں مجرم اور گنہگار نہیں[2] اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت اور حدیث کو ملا کر یہ مطلب ہوا کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسےٰ علیہ السلام کی خدمت میں جو خواہش پیش کی تھی وہ بڑی مجرمانہ اور ناشکر گذاری کی خواہش تھی اسی واسطے حضرت موسےٰ علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ کے احسانات بنی اسرائیل کو یاد دلا کر اس خواہش کے وسوسہ سے بنی اسرائیل کو ڈرایا ؛

۱۴۲- اللہ پاک نے بنی اسرائیل پر اپنا احسان اس بات کا جتلایا کہ ہم نے تمہارے نبی موسےٰ علیہ السلام سے باتیں کیں اور ان کو تمہاری ہدایت کے لئے توریت دی یہ بھی فرمایا کہ ہم نے موسےٰؑ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا تھا اور پھر چالیس راتیں پوری کرنے کو کہا یہاں اکثر مفسروں نے یہ بیان کیا ہے کہ ذیقعدہ کی پہلی تاریخ سے موسےٰؑ چلہ میں بیٹھے تھے دن کو روزہ رکھتے تھے جب تیس راتیں پوری ہو گئیں تو انہوں نے روزے کی حالت میں مسواک کی اور منہ کو صاف کیا کیونکہ روزہ داروں کے منہ سے ایک طرح کی بو آنے لگتی ہے جس کو اللہ پاک مشک کی خوشبو سے اچھا سمجھتا ہے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ پاک کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی

[1] مشکوٰۃ ص ۱۳ کتاب الایمان [2] مشکوٰۃ باب الکبائر و علامات النفاق فصل اول۔

أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوسَىٰ لِأَخِيهِ هَارُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ

چالیس رات اور کہا موسے نے اپنے بھائی ہارون کو میرا خلیفہ رہ میری قوم میں اور سنوار

وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿١٤٢﴾ وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ

اور نہ چل بگاڑنے والوں کی راہ اور جب پہنچا موسے ہمارے وقت پر اور کلام کیا اس سے

رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ ۚ قَالَ لَنْ تَرَانِي وَلَٰكِنِ انْظُرْ إِلَى

اس کے رب نے بولا اے رب تو مجھ کو دکھا کہ میں تجھ کو دیکھوں کہا تو مجھ کو ہرگز نہ دیکھ سکے گا لیکن دیکھتا رہ

زیادہ پاکیزہ ہے[1] غرضکہ موسے علیہ السلام کے مسواک کرنے پر اللہ تعالے نے اور دس راتیں چلے میں بڑھا دیں تاکہ روزہ رکھنے سے پھر وہی بو پیدا ہو جائے جب چالیس راتیں پوری ہو گئیں تو ذی الحج کی دسویں تاریخ کو اللہ پاک نے موسیٰ علیہ السلام سے باتیں کیں اور جب موسے علیہ السلام چلہ پورا کرنے جانے لگے تھے تو انہوں نے اپنے بڑے بھائی ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنا کر یہ کہا تھا کہ بنی اسرائیل کی میرے پیچھے خبرگیری رکھی جاوے کہ کوئی فساد نہ ہونے پاوے اگر کوئی فساد برپا کرے تو اس کی طرفداری تم نہ کرنا ان کی قوم بنی اسرائیل اس عرصہ میں بہک گئے اور تیس راتیں گذرنے کے بعد بنی اسرائیل نے موسے علیہ السلام کا انتظار نہ کیا اور بچھڑے کی پوجا شروع کر دی جس کا قصہ سورہ بقرہ میں گذر چکا ہے اور اس سورہ میں بھی آگے آویگا صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے سورہ نساء میں عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے بڑھ کر عذر معذرت کا قبول کرنے والا کون ہو سکتا ہے جس نے احکام شرع کی انجانی رفع کرنے کیلئے رسولوں کو بھیجا کتابیں نازل فرمائیں[2] اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت اور حدیث کو ملا کر یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ جب تک بنی اسرائیل کو فرعون کی قید سے نجات نہیں ملی تھی جس کے سبب سے ان کو شریعت موسوی پر پورا پورا عمل نہ کرنے کے عذر کا موقعہ تھا اس وقت تک اللہ تعالے نے تورات نازل نہیں فرمائی جب فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت کے سبب سے بنی اسرائیل کے اس عذر کا موقعہ باقی نہیں رہا تو اللہ تعالے نے اپنے رسول موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر بلایا اور ان کی چالیس روز کی عبادت کے بعد ان پر تورات نازل فرمائی تاکہ بنی اسرائیل کو شریعت موسوی کے احکام معلوم ہو جاویں اور ان احکام کی انجانی کا عذر باقی نہ رہے صحیح بخاری وغیرہ کے حوالہ سے سورہ نساء میں ابوہریرہؓ کی یہ حدیث بھی گذر چکی ہے کہ جس شخص کی عمر ساٹھ برس کی ہو گئی اس کو دین کے جان لینے کا پورا موقعہ مل گیا اس لئے ایسے شخص کا انجانی کا عذر قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں قبول نہ ہوگا[3] اس حدیث کو بھی آیت کی تفسیر میں یہ دخل ہے کہ اس سے ہر ایک شریعت کے جان لینے کی آخری حد معلوم ہوتی ہے ؛

۱۴۳ ـ جب موسے علیہ السلام چلہ پورا کر چکے تو وقت مقرر پر خدا کے حکم سے کوہ طور پر گئے اللہ پاک نے اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علی نبینا علیہ السلام سے بلا واسطہ کسی فرشتے کے باتیں کیں موسے علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب جب تو نے مجھ سے کلام کیا تو اب آپ مجھے دکھلا بھی دے میں تجھے دیکھنا بھی چاہتا ہوں اللہ جل شانہ نے فرمایا اے موسیٰ اس خیال سے باز آ تجھ میں یہ طاقت نہیں

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۵۴ باب فضل الصوم [2] تفسیر ہذا ج ۱ ص ۹۹۳ بحوالہ فتح الباری ج ۶ ص ۲۳ ـ ۷ [3] مشکوٰۃ ص ۴۵۰ باب الامل والحرص بحوالہ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۵۰ باب من بلغ ستین سنۃ الخ

الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ

پہاڑ کی طرف جو وہ ٹھہرا اپنی جگہ تو آگے تو دیکھے گا مجھ کو پھر جب نمودار ہوا رب اس کا پہاڑ کی طرف

ہے کہ تو مجھے دیکھ سکے پہاڑ جو تجھ سے کہیں مضبوط اور سخت ہے تو اسے دیکھنا رہ کہ وہ بھی میرے جلوہ کی مطلق تاب نہیں رکھتا اگر یہ پہاڑ میرے جلوہ کے بعد قائم رہ گیا تو جان لیجیو کہ تو مجھے دیکھ سکے گا پھر جب خدا کی تجلی ہوئی تو پہاڑ چکنا چور ہو گیا اور موسٰے بھی مارے دہشت کے بیہوش ہو گئے۔ معتزلہ اور دوسرے اکثر فرقے اس بات کے قائل ہیں کہ خدا کا دیدار ہرگز نہیں ہو سکتا نہ دنیا میں نہ آخرت میں اور دلیل اسی آیت سے پیش کرتے ہیں کہ اللہ نے موسٰے علیہ السلام سے لَنْ تَرٰىنِیْ فرمایا جس کے معنے یہ ہیں کہ تو کبھی نہیں دیکھ سکتا مگر یہ بات محض غلط ہے خود قرآن مجید کی دوسری آیتیں اور حدیثیں اس بات کی شاہد ہیں کہ آخرت میں مومنوں کو خداوند عزوجل کا دیدار نصیب ہو گا البتہ کفار اس نعمت سے محروم رہیں گے ان کے واسطے یہ حکم ہوا ہے کہ یہ لوگ اپنے رب سے اوٹ میں ہوں گے موسٰے علیہ السلام کی بیہوشی کے متعلق دو حدیثیں وارد ہوئی ہیں ایک کے راوی ابوسعید خدریؓ ہیں اور دوسرے کے ابو ہریرہؓ، ابوسعید خدریؓ کی حدیث بخاری مسلم اور ابوداؤد نے بیان کی ہے اور ابو ہریرہؓ کی امام احمد نے نقل کی ہے دونوں کا مطلب قریب قریب ہے ایک صحابی جو انصار میں سے تھے اور ایک یہودی ان دونوں میں جھگڑا ہوا صحابی نے یہودی کو ایک طمانچہ مارا وہ روتا ہوا حضرت رسول خدا صلعم کے پاس آیا اور آپ سے شکایت کی کہ فلاں صحابی نے مجھے طمانچہ مارا ہے فرمایا اس کو بلاؤ جب وہ صحابی آئے تو پوچھا تو نے کیوں مارا ان صحابی نے بیان کیا کہ اس یہودی نے کہا تھا کہ اللہ پاک نے موسے علیہ السلام کو سارے بنی آدم سے افضل بنایا ہے میں نے کہا کہ کیا ہمارے رسول پاک محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی اور مجھے اس بات پر غصہ آ گیا میں نے ایک طمانچہ اس کے مارا آپ نے فرمایا کہ تم لوگ انبیاء کے درمیان میں مجھے سب سے بہتر نہ سمجھو قیامت کے دن جب سارے لوگ بیہوش ہو جاویں گے تو سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا اور موسے علیہ السلام اس وقت عرش کا پایا پکڑے ہوئے کھڑے ہوں گے مجھے خبر نہیں کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئیں گے یا کوہ طور پر بیہوش ہو جانے کے عوض میں وہاں بیہوش ہی نہیں ہوں گے[1] بہرحال جب موسے علیہ السلام کو غشی سے افاقہ ہوا اور ہوش میں آ گئے تو اللہ پاک کی پاکی بیان کی کہ اے اللہ تو پاک ہے اور میں توبہ کرتا ہوں کہ پھر تجھ سے سوال کروں کہ میں دنیا میں تیرے دیدار کی خواہش رکھتا ہوں اور میں پہلا شخص اس زمانہ میں ہوں جو اس بات پر ایمان لاتا ہوں کہ تیرا دیدار اس دنیا فانی میں کسی کو میسر نہیں ہو سکتا اس آیت میں یہ جو ذکر ہے کہ حضرت موسٰی علیہ السلام سے اللہ تعالٰے نے بلاواسطہ کلام کیا معتزلہ فرقے کو اس میں یہ شبہ ہے کہ عادت کے طور پر کلام اور بات چیت کرنے کے لئے منہ ہونٹ اور زبان کی ضرورت ہے اللہ تعالٰی ان اعضا اور جسم سے پاک ہے اس لئے اللہ تعالٰے کے بلاواسطہ کلام کرنے کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالٰے کسی چیز میں گویائی کی قوت پیدا کر دیتا ہے جس گویائی سے سننے والا اللہ تعالٰے کے کلام کے مطلب کو سمجھ جاتا ہے چنانچہ کوہ طور کے پاس جو پیڑ تھا اس میں اللہ تعالٰے نے گویائی کی قوت پیدا کر دی تھی اسی کو موسے علیہ السلام نے سنا اسی کا ذکر اس آیت اور اس قسم کی اور آیتوں میں ہے اہل سنت نے معتزلی فرقے کے اس قول کو کئی طرح سے غلط ٹھہرایا ہے :

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۴۵ بحوالہ صحیحین، ابوداؤد و مسند امام احمد و صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۶۵ باب نفخ الصور

جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ

کیا اس کو ڈھا کر برابر اور گر پڑا موسے بے ہوش پھر جب چونکا بولا تیری ذات پاک ہے میں نے توبہ کی تیری جناب میں

وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

اور میں سب سے پہلے یقین لایا۔

(۱) سورہ یٰس میں آوے گا کہ بعضے لوگ قیامت کے دن جب اپنے برے کاموں کا انکار کریں گے تو اللہ تعالےٰ کے حکم سے ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں ان برے کاموں کی گواہی دیں گے اسی طرح صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث اس مضمون کی ایک جگہ گذر چکی ہے اس صحیح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر کلام کرنے والے کے لئے منہ ہونٹ اور زبان کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) کسی چیز میں گویائی کی قوت کے پیدا کر دینے کو اللہ تعالےٰ کا کلام کہا جاوے تو ہر انسان میں گویائی کی قوت اللہ تعالےٰ کی پیدا کی ہوئی ہے جس سے یہ لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ من ذلک ہر انسان کے کلام کو اللہ کا کلام کہا جاوے گا۔

(۳) کوہ طور کے پاس کے درخت سے جب اللہ تعالےٰ نے انی انا اللہ کہلوایا تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ من ذلک خود وہ درخت خدا ٹھہرایا اور گویا خود اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول موسےٰ علیہ السلام کو یہ شرک سکھایا کہ وہ اس درخت کو اپنا معبود سمجھیں۔

(۴) اس پیرایہ کی گویائی کو اللہ تعالےٰ کا کلام کہا جاوے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ بنی اسرائیل کا مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر ٹھہرے کیونکہ موسےٰ علیہ السلام نے گویا تورات فقط ایک درخت سے سنی اور بنی اسرائیل نے اللہ تعالےٰ کے رسول موسےٰ علیہ السلام سے سنی۔

(۵) باستثنار گونگے شخص کے ہر ایک انسان اپنی ذات سے کلام کرنے پر قادر ہے معتزلی فرقہ کے اعتقاد کے موافق اگر اللہ تعالےٰ میں یہ قدرت نہ ہو تو اللہ تعالےٰ کی قدرت میں یہ بڑا نقصان لازم آتا ہے۔

اس کے سوا اور وجوہات بھی اہل سنت نے معتزلے فرقے کے اعتقاد کو غلط ٹھہرانے کی بیان کی ہیں جن کی تفصیل بڑی کتابوں میں ہے غرض اہل سنت کا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ ہر وقت اپنی ذات سے بلاواسطہ کلام کرنے پر قادر ہے جس طرح اس نے وقت پر حضرت آدمؑ اور حوا کے گیہوں کھانے پر اپنے بلاواسطہ کلام سے پکار کر ان دونوں کو الزام دیا اسی طرح اس نے وقت پر حضرت موسےٰ علیہ السلام سے باتیں کیں اور جس طرح اس کی ذات اور اس کی باقی کی صفات کی تفصیلی کیفیت ہمیں...... معلوم نہیں اسی طرح اس کی صفت کلام کا تفصیلی حال بھی ہم کو معلوم نہیں۔ صحیح بخاری و مسلم میں عدی بن حاتمؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالےٰ ہر ایک شخص سے بلاواسطہ کلام کرے گا۔ اس حدیث کو آیت کی تفسیر اور اہل سنت کے مذہب کی تائید میں بڑا دخل ہے فرقہ معتزلہ فرقہ خارجیہ اور مرجیہ کے بعضے لوگ جو اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالےٰ کا دیدار دنیا اور عقبےٰ دونوں جگہ ممکن نہیں ہے ان لوگوں نے سورہ انعام کی

لہ صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۰۹ کتاب الزہد ۔ ۲ہ صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۱۱۹ باب کلام الرب یوم القیمۃ مع الانبیاء وغیرہم۔

قَالَ يٰمُوسٰۤى اِنِّى اصۡطَفَيۡتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىۡ وَبِكَلَامِىۡ ۖ فَخُذۡ

فرمایا اے موسے میں نے تجھ کو امتیاز دیا لوگوں سے اپنے پیغام بھیجنے کا اور اپنے کلام کرنیکا سو لے

مَاۤ اٰتَيۡتُكَ وَكُنۡ مِّنَ الشّٰكِرِيۡنَ ﴿۱۴۴﴾

جو میں نے تجھ کو دیا اور شاکر رہ

آیت لَا تُدۡرِكُهُ الۡاَبۡصَارُ (۶: ۱۰۳) سے اپنے قول کی تائید نکالی ہے اور اہل سنت نے عقلی اور نقلی طور پر اس تائید کو ضعیف ٹھہرایا ہے جس کی پوری تفصیل بڑی کتابوں میں ہے[۱] صحیح بخاری و مسلم میں جریر بن عبداللہ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس طرح چاند کو سب لوگ دیکھتے ہیں اسی طرح عقبےٰ میں ایمان دار لوگ اللہ تعالےٰ کو دیکھیں گے[۲] اور جن منکرین دیدار الٰہی کا ذکر گذرا ان لوگوں کے قول کا ضعف اس حدیث سے اور اسی مضمون کے قریب انیس حدیثیں اور ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ ان لوگوں نے قرآن سے وہ مطلب نکالا ہے جو اللہ کے رسول نے نہیں نکالا اب یہ تو ظاہر بات ہے کہ ان منکرین دیدار الٰہی میں کا بڑے سے بڑا کوئی عالم بھی قرآن کا صحیح مطلب اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر نہیں سمجھ سکتا ؛

۱۴۴۔ پھر اللہ پاک نے موسے علیہ السلام سے یہ فرمایا کہ میں نے موجودہ زمانہ میں سارے لوگوں میں تمہیں منتخب کر کے رسول بنایا اور توریت تمہیں دی اور تم سے میں نے کلام کیا تم اس بات کا شکریہ ادا کرو اور اس بات کا خیال نہ کرو کہ میں نے تمہیں اپنے دیدار سے منع کیا اور اپنے دیکھنے سے تمہیں باز رکھا کیونکہ بجائے دیدار کے میں نے یہ نعمتیں تمہیں دیں تم ان کو لے کر خوش ہو جاؤ گویا اس کلام سے موسے علیہ السلام کو تسلی دی گئی بعض مفسروں نے یہاں یہ بات بیان کی ہے کہ موسے علیہ السلام کو اللہ پاک کی تجلی کا اتنا اثر ہوا کہ ان کا چہرہ ایسا منور ہو گیا تھا کہ کوئی شخص ان کے چہرہ کی طرف دیکھنے کی تاب نہیں لاتا تھا اسی واسطے اس وقت سے انہوں نے اپنے چہرہ پر نقاب کا ڈالنا اختیار کیا تھا ایک روز ان کی بی بی نے کہا کہ جس روز سے آپ کوہ طور پر گئے اور خدا سے باتیں کر کے آئے میں نے آپ کا چہرہ نہیں دیکھا آپ نے نقاب کو اٹھایا فوراً ایک آفتاب سا چمک گیا اور ان کی بیوی نے اپنا ہاتھ اپنے آنکھوں پر رکھ لیا اور سجدے میں گر پڑیں اور کہنے لگیں کہ آپ خدا سے دعا کیجئے کہ اللہ پاک جنت میں بھی مجھے آپ کی بیوی بنا دے موسے علیہ السلام نے کہا کہ ایسا ہی ہوگا اگر تو میرے بعد دوسرا نکاح نہ کرے گی کیونکہ عورت قیامت میں دوسرے شوہر کے واسطے ہو گی جن چھ باتوں کے سبب سے اللہ تعالےٰ نے نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو اور سب نبیوں پر فضیلت دی ہے وہ باتیں صحیح مسلم کی ابوہریرہؓ کی حدیث[۳] کے حوالہ سے اوپر گذر چکی ہیں غرض جو مرتبہ آپ کا اللہ تعالےٰ کے نزدیک ہے وہ اس حدیث سے اور اسی قسم کی اور حدیثوں سے معلوم ہو سکتا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت موسے علیہ السلام کا امتیاز خاص اسی وقت کے لوگوں پر تھا ؛

۱؎ تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۶۱ و ۲۴۴ ۲؎ صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۱۰۵ باب قول اللہ وجوہ یومئذ ناظرۃ الٰی ربہا ناظرۃ۔

۳؎ صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۹ کتاب المساجد و مشکوٰۃ ص ۵۱۲ باب فضائل سید المرسلین۔

وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِن كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

اور لکھ دی ہم نے اس کو تختوں پر ہر چیز میں سمجھوتی اور بیان ہر چیز کا

فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا ۚ سَأُرِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ ﴿١٤٥﴾

سو پکڑ ان کو زور سے اور کہہ اپنی قوم کو کہ پکڑے رہیں اس کی بہتر باتیں اب میں تم کو دکھاؤں گا گھر بے حکم لوگوں کا

۱۴۵- علمائے مفسرین نے ان تختیوں کی تفسیر میں بڑا اختلاف کیا ہے بعضے کہتے ہیں یہ تختیاں یاقوت کی تھیں اور بعضے کہتے ہیں زبرجد کی تھیں اور بعضے اور چیزوں کی بتلاتے ہیں پھر یہ بھی اختلاف ہے کہ ان تختیوں پر تورات ہی لکھی ہوئی تھی یا توریت کے علاوہ دوسری کچھ نصیحتیں اور احکام تھے اور یہ بھی اختلاف ہے کہ بنی اسرائیل کے بچھڑے کے پوجنے پر حضرت موسیٰؑ کو جو غصہ آیا اور اس غصہ میں حضرت موسیٰؑ نے ان تختیوں کو زمین پر پٹخ دیا تو وہ تختیاں ٹوٹ گئیں یا ثابت رہیں رفع اس اختلاف کا یہ ہے کہ یہ سب اختلاف بنی اسرائیل کی مختلف روایتوں کی وجہ سے ہے اور بنی اسرائیل کی روایتوں کے باب میں وہ دو صحیح حدیثیں آئی ہیں ایک حدیث میں تو آپ نے یہ فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل کی روایتوں کی نہ تم تصدیق کرو نہ ان کو جھٹلاؤ دوسری حدیث میں آپ نے یہ فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل سے روایت لینے میں کچھ حرج نہیں ہے اور بنی اسرائیل کی روایتوں کے تین حال ہیں یا ان کی روایت قرآن حدیث کے موافق ہے یا مخالف یا شرع محمدی اس روایت کے مسئلہ کے بیان سے بالکل ساکت ہے اب اکابر علمائے سلف نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ اوپر کی دونوں حدیثیں تیسری قسم کی روایت اہل کتاب سے متعلق ہیں کیونکہ اول قسم کی تصدیق اور دوسری قسم کی تکذیب ضروریات دین سے ۱؎ اب اوپر کی اس آیت کی تفسیر کا یہ اختلاف کہ ان تختیوں پر توریت کے علاوہ کچھ احکام لکھے ہوئے تھے قرآن شریف کے مضمون کے خلاف ہے کیونکہ قرآن شریف کا مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو رسالت کے لئے چھانٹا اور بتفصیل احکام ان تختیوں پر لکھ کر رسالت کیلئے حضرت موسیٰؑ کو دئے اور قرآن شریف کی بہت سی آیتوں سے یہ ثابت ہے کہ سوا توریت کے اور کوئی تفصیلی احکام کی کتاب اللہ تعالیٰ نے رسالت کے لئے حضرت موسیٰؑ پر نہیں نازل فرمائی اس لئے یہ اختلاف قسم دوم میں داخل ہو کر نامعتبر ہے رہا یہ اختلاف کہ وہ تختیاں کس چیز کی تھیں اور حضرت موسیٰؑ نے جب غصے سے ان تختیوں کو زمین پر پٹخ دیا تو وہ تختیاں ٹوٹ گئیں یا ثابت رہیں اگرچہ یہ اختلاف قسم سوم میں داخل ہے لیکن آیت کی تفسیر میں خود یہ بات داخل نہیں ہے پھر اس میں اختلاف کرنا تفسیر کے علاوہ اور تاریخی بات ہے شریعت کے بہتر احکام پر عمل کرنے کی ہدایت جو اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے اس کے یہ معنے ہیں کہ شریعت میں جہاں دو حکم ہوں مثلاً ظالم سے بدلہ لینا اور صبر کرنا ان دونوں حکموں میں زیادہ اجر کی بات پر عمل کریں تاکہ زیادہ اجر پاویں "اب میں تم کو دکھاؤں گھر بے حکم لوگوں کا" یہ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو تنبیہ فرمائی ہے کہ جس طرح اس آیت میں تورات کے موافق عمل کرنے کا حکم ہے اس حکم کی تعمیل اگر یہ لوگ نہ کریں گے تو مصر سے شام کے ملک کو جاتے وقت ان کو قوم عاد اور ثمود کی اجڑی ہوئی بستیاں ملیں گی ان بستیوں کو دیکھ کر انہیں بے حکمی کے نتیجہ سے ڈرنا چاہئے اللہ سچا ہے اللہ کا کلام سچا ہے بنی اسرائیل نے جب بے حکمی پر کمر باندھی تو ان پر طرح طرح کی آفتیں آئیں کہ ان کی بادشاہت ثروت سب کچھ جاتا رہا صحیح بخاری اور مسلم کے حوالہ سے ابن عمرؓ کی

۱؎ اس بحث کی تفصیل کے لئے دیکھئے مقدمہ تفسیر ابن کثیر ص ۴۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ
میں پھیر دوں گا اپنی آیتوں سے ان کو جو بڑائی ڈھونڈتے ہیں ملک میں ناحق اور اگر

يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ
دیکھیں ساری نشانیاں یقین نہ کریں ان کو اور اگر دیکھیں راہ سنوار کی نہ ٹھہراویں اسے

سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا
راہ اور اگر دیکھیں راہ الٹی اس کو ٹھہراویں راہ یہ اس واسطے کہ انہوں نے جھوٹ جانیں

بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ
ہماری آیتیں اور ہو رہے ان سے بے خبر اور جنہوں نے جھوٹ جانیں ہماری آیتیں اور آخرت کی ملاقات

حدیث گذر چکی ہے کہ تبوک کے سفر کے وقت جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا گذر ثمود کی بستی پر سے ہوا تو آپ خود بھی خوف زدہ ہو گئے اور صحابہ کو بھی عذاب الٰہی کے خوف سے ڈرایا۔[1] اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت اگرچہ بنی اسرائیل کی شان میں ہے لیکن آیت اور حدیث کو ملا کر یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ اب بھی جس بستی میں قحط وبا یا کوئی اور عام مرض ہو تو اور بستیوں کے لوگوں کو اس عذاب الٰہی سے ڈرنا اور گناہوں سے توبہ استغفار مناسب ہے۔

۱۴۶ اللہ پاک نے اس آیت میں ذکر کیا کہ جو لوگ ایسی بات پر اڑے ہوئے ہیں جو حق نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنے ناحق دین پر غش ہیں ان کے دل کو ہم اپنی نشانیوں کے سمجھنے سے پھیر دیں گے اور ان کے دلوں پر مہر لگا دیں گے یہاں تک کہ اگر ہزار ہا نشانیاں اور معجزے بھی وہ دیکھیں گے تو ان کو اختیار نہیں کریں گے اور اگر گمراہی کی راہ دیکھ پاویں گے تو جھٹ اس کو اختیار کر لیں گے پھر فرمایا کہ ان کا گمراہ رہنا اور ہدایت کو نہ اختیار کرنا صرف اس وجہ سے ہے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور ان سے بالکل غافل ہیں مفسرین کے اس آیت کی تفسیر میں کئی قول ہیں بعضوں کا قول یہ ہے کہ آیات سے مراد قرآن پاک ہے گویا اللہ جل شانہ نے یہ فرمایا ہے کہ قرآن کے سمجھنے سے ان کے دلوں کو پھیر دیں گے اور بعضے کہتے ہیں کہ زمین و آسمان اور کل مخلوق جو اس کی وحدانیت پر ظاہر ثبوت ہے وہ مراد ہے اور کسی نے یہ کہا ہے کہ ایمان سے پھیر دیویں گے وہ ہرگز ان آیات کی تصدیق نہیں کریں گے۔ ترمذی وغیرہ کی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث گذر چکی ہے کہ کثرت گناہوں سے آدمی کے دل پر زنگ لگ جاتا ہے[2] جس کے سبب سے کسی نصیحت کا اثر اس کے دل پر نہیں ہوتا یہ حدیث نیک کام سے دل کے پھر جانے کی گویا تفسیر ہے اور آیت سے مراد سب نیک باتیں ہیں۔

۱۴۷ عملوں کے اکارت ہو جانے پر بعضے مفسرین کو یہ شبہ پیدا ہوا ہے کہ آیت فمن یعمل مثقال ذرۃ میں جب اللہ تعالےٰ نے یہ فرمادیا ہے کہ ذرہ برابر بھی نیکی یا بدی جو کوئی دنیا میں کریگا قیامت کے دن وہ سب اس کو دکھلائی جاویں گی پھر جبکہ کچھ اچھے عمل ابھی سے نابید ا ہو گئے یا برے عمل توبہ یا کسی دوسرے اچھے کام کے سبب سے معاف ہو گئے تو ذرہ ذرہ برابر نیک کام

[1] جلد ہذا ص ۲۷۰ وصحیح بخاری ج ۱ ص ۴۷۸ باب قول اللہ عزوجل والی ثمود اخاہم صالحا وصحیح مسلم ج ۲ ص ۴۱۱ باب النبی علی الدخول علی اہل الحجر۔

[2] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۶۹ تفسیر سورہ ویل للمطففین۔

حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ ؕ هَلۡ يُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۷﴾ وَاتَّخَذَ قَوۡمُ

ضائع ہوئیں ان کی محنتیں وہی بدلا پاویں گے جو کچھ عمل کرتے تھے اور بنا لیا

مُوۡسٰى مِنۡۢ بَعۡدِهٖ مِنۡ حُلِيِّهِمۡ عِجۡلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّهٗ

موسیٰ کی قوم نے اس کے پیچھے اپنے زیور سے بچھڑا ایک دھڑ اس میں گائے کی آواز یہ نہیں دیکھا انہوں نے

لَا يُكَلِّمُهُمۡ وَلَا يَهۡدِيۡهِمۡ سَبِيۡلًا ۘ اِتَّخَذُوۡهُ وَكَانُوۡا ظٰلِمِيۡنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا

کہ وہ ان سے بات نہیں کرتا اور نہ دکھاوے راہ اس کو ٹھہرالیا اور وہ بے انصاف تھے اور جب

امر بدکام قیامت کے دن دیکھنے کا ہر شخص کو موقعہ کیونکر باقی رہے گا جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ قیامت کے دن کا نام یوم الجزا ہے نیکی بدی کے جزا و سزا کے اس دن دکھلائے جانے کے یہ معنے ہیں کہ نیکی و بدی کی جزا و سزا اس دن ہر آدمی کے سامنے آوے گی اور یہ ظاہر بات ہے کہ ناپیدی اور معافی بھی ایک جزا ہے جس کے عمل ناپید یا معاف ہوں گے وہی جزا اسکو دکھلائی جاوے گی معتبر سند سے مسند بزار اور طبرانی میں انس بن مالک کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سر بمہر اعمال نامے کھولے جاکر اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہونگے اور اسی پیشی کے بعد جن عملوں میں ریا کاری کا کچھ لگاؤ ہوگا وہ عمل پھینک دیئے جاویں گے اور خالص نیت کے عمل قبول کر لئے جاویں گے[1]۔ ابوداؤد اور نسائی کے حوالہ سے ابوامامہؓ کی حدیث گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بغیر خالص نیت کے عمل کے کوئی عمل بارگاہ الٰہی میں مقبول نہیں ہو سکتا[2] اس آیت میں عملوں کے ضائع ہوجانے کا جو ذکر ہے یہ گویا اس کی تفسیر ہیں کیونکہ آیت اور ان حدیثوں کے ملانے سے یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ شرک اور ریاکاری یہ دونوں عملوں کے ضائع ہونے کا سبب ہیں کس لئے کہ ریاکاری بھی ایک قسم کا شرک ہے چنانچہ معتبر سند سے مسند امام احمد میں محمود بن لبیدؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ریاکاری کو چھوٹا شرک فرمایا ہے معتبر سند سے صحیح ابن خزیمہ میں محمود بن لبیدؓ کی دوسری حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو نیک کام لوگوں کے دکھلانے کیلئے کیا جاوے وہی ریاکاری اور وہی خفیہ شرک ہے[3] اگرچہ بعضے علماء کو محمود بن لبید کے صحابی ہونے میں کلام ہے لیکن امام بخاری اور ابن عبدالبر نے ان محمودؓ کو صحابی قرار دیا[4] ہے۔

۱۴۸-۱۴۹۔ موسے علیہ السلام طور پر ہی تھے جب یہ واقعہ ہوا جس کو اللہ پاک نے بیان فرمایا کہ موسیٰ کی قوم بنی اسرائیل نے ایک گائے کا بچھڑا بنایا اور وہ اس کو پوج کر گمراہ ہوگئے قوم بنی اسرائیل نے شادی کے بہانہ سے جب یہ لوگ مصر میں ہی تھے تو قوم قبط سے کچھ زیور عاریۃً کے طور پر لیا تھا جو انہی لوگوں کے پاس رہ گیا کیونکہ فرعون مع اپنی قوم کے غرق ہوکر ہلاک ہوگیا اسی زیور کا سامری نے ایک گائے کا بچھڑا بنایا اور جبرئیل علیہ السلام کو آتے جاتے دیکھ کر ان کے گھوڑے کے قدم کے نیچے کی مٹی ایک مٹھی اٹھا کر اس گائے کے بچھڑے کے منہ میں ڈالدی وہ بولنے لگا۔ خوار گائے کی آواز کو کہتے ہیں اس گائے

[1] الترغیب والترہیب ج ۱ص ۱۸ باب الترہیب من الریاء [2] الترغیب والترہیب ج ۱ص ۱۴ الترغیب فی الاخلاص والصدق والنیۃ الصالحۃ۔

[3] یہ دونوں حدیثیں الترغیب ج ۱ص ۱۹ باب الترہیب من الریاء میں درج ہیں۔

[4] دیکھئے الترغیب والترہیب ج ۱ص ۱۹ باب الترہیب من الریاء۔

سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ

پچھتائے اور سمجھے کہ ہم بہکے کہنے لگے کہ اگر نہ رحم کرے ہم پر رب ہمارا اور نہ بخشے

لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ

تو بے شک ہم خراب ہوں گے اور جب پھر آیا موسے اپنی قوم میں غصے بھرا

اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى

اور افسوس بولا کیا بری نیابت کی تم نے بعد میرے کیوں جلدی کی اپنے رب کے حکم سے اور ڈال دیں

کے بچھڑے کے بدن کے متعلق مفسروں کے دو قول ہیں ایک تو یہ ہے کہ اُسی مٹی کے اثر سے اس کا دھڑ گوشت کا اور جاندار ہو گیا جیسے اصلی گائے ہوتی ہے اس لئے وہ بچھڑا بولنے بھی لگا قتادہ کا بھی یہی قول ہے اور بعضے یہ کہتے ہیں کہ اسکا جسم سونے کا جوں کا توں رہا اور اس میں روح وغیرہ کچھ نہ تھی اس کے منہ کے اندر ہوا کی آمد و رفت سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی اور بعضوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اس میں حرکت وغیرہ کچھ نہ تھی پھر اللہ پاک نے فرمایا کہ ان لوگوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ وہ لوگ ایسی شئے کو معبود ٹھہراتے ہیں جس میں بات کرنے کی طاقت نہیں ہے اور نہ کوئی نفع ضرر اس سے پہنچ سکتا ہے اور نہ یہ کوئی رستہ نجات کا بتلا سکتی ہے پھر فرمایا کہ وہ لوگ اس کام میں بڑے ظالم اور نا انصاف تھے پھر جب موسے علیہ السلام کوہ طور سے واپس آئے تو یہ لوگ پشیمان ہوئے اور پچھتائے اور سمجھے کہ ہم گمراہ ہو گئے پھر اپنے قصور کا اقرار کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اے رب ہمارے اگر تو رحم نہ کریگا اور نہ بخشے گا تو ہم بہت ہی گھاٹے میں رہیں گے صحیح بخاری و مسلم میں انسؓ بن مالک کی حدیث[1] ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس طرح انسان کے سارے جسم میں خون پھرتا ہے اسی طرح بہکانے کا موقعہ ڈھونڈنے کے لئے انسان کے تمام جسم میں شیطان چکر مارتا رہتا ہے غرض آیت اور حدیث کو ملا کر مطلب یہ ہوا کہ نبی اللہ موسے علیہ السلام کے دور ہو جانے سے شیطان کو بنی اسرائیل پر غلبہ کا موقعہ مل گیا جس سے وہ ان کے تمام جسم میں خون کی طرح سرایت کر گیا اور آخر کو وہ بچھڑے کے پوجنے کے شرک میں پھنس گئے ؛

۱۵۰-۱۵۱ موسے علیہ السلام سے کوہ طور پر یہ بات اللہ پاک نے کہہ دی تھی کہ وہاں قوم کو سامری نے بگاڑ ڈالا اور ایک گوسالہ بنا کر آپ بھی پوجنے لگا اور بنی اسرائیل کو بھی اس میں شریک کر لیا۔ اس لئے موسے علیہ السلام غیظ و غضب میں بھرے ہوئے آئے کہ قوم اتنی نشانیاں اللہ پاک کی دیکھ چکی ہے اس پر کفر و شرک سے باز نہ آئی جھٹ بت بنا لیا اور پوجنے لگے مفسروں نے اسف کے معنے یہ بیان کئے ہیں کہ یہ بھی ایک قسم کا غضب ہے جو غضب سے کہیں بڑھا ہوا ہے بہر حال موسے علیہ السلام نے آتے ہی ان لوگوں سے یہ کہا کہ یہ کیا بُری حرکت تم نے میرے جانے کے بعد کی کہ گوسالہ بنا کر پوجنے لگے خدا کا وعدہ جو میرے ساتھ ایک چلہ کا تھا اس کو پورا بھی نہ ہونے دیا اور ایسی جلدی کی اور یہ کہتے ہوئے وہ تختیاں جو اللہ پاک نے ان کو مرحمت فرمائی تھیں جس میں دین کے احکام کی تفصیل تھی ان کو ہاتھ سے زمین پر پھینک دیا یہ لوحیں زمرد کی تھیں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب لوح موسے علیہ السلام نے زمین پر ڈال دی تو وہ ٹوٹ کر اس کے چھ ٹکڑے ہو گئے ایک ٹکڑا رہ گیا اور باقی پانچ ٹکڑے اللہ پاک نے اٹھا لئے دوسرا قول ان کا

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۱۷ باب بیان انہ یستحب لمن رای خالیا بامرأۃ و مشکوٰۃ ص ۱۸ باب فی الوسوسہ۔

الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ

وہ تختیاں اور پکڑا سر اپنے بھائی کا لگا کھینچنے اپنی طرف وہ بولا کہ اے میری ماں کے جنے لوگوں نے مجھ کو

اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۫ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ

بودا سمجھا اور نزدیک تھا کہ مجھ کو مار ڈالیں سومت ہنسا مجھ پر دشمنوں کو اور نہ ملا مجھ کو

مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۵۰ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖؗ

گنہ گار لوگوں میں بولا اے رب معاف کر مجھ کو اور میرے بھائی کو اور داخل کر اپنی رحمت میں

وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝۱۵۱ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ

ع ۸

اور تو ہے سب سے زیادہ رحم کرنے والا البتہ جنہوں نے بچھڑا بنالیا ان کو پہنچے گا غضب

یہ ہے کہ ساتواں حصہ دنیا میں رہ گیا اور باقی چھ حصے اٹھالئے گئے مجاہد یہ کہتے ہیں کہ اخبار غیب چلے گئے اور دین کے چند اور احکام باقی رہ گئے اور ابن جریج یہ کہتے ہیں کہ لوح نو عدد تھے دو اٹھالی گئیں اور سات دنیا میں رہ گئیں پھر موسے علیہ السلام غصہ کی حالت میں اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے سر کے بال اور ڈاڑھی پکڑ کے کھینچنے لگے کہ انہوں نے ان لوگوں کو اس فعل سے کیوں نہیں روکا ہارون علیہ السلام نے اپنا عذر ظاہر کیا کہ بھائی میرا کچھ اس میں قصور نہیں ہے لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ یہ مجھے قتل کر ڈالیں آپ میرے ساتھ وہ کام نہ کیجیے جس کو دیکھ کر دشمن خوش ہوں اور مجھ پر ہنسیں اور مجھے آپ اس قوم گنہ گار میں نہ شمار کریں میں ان سے بالکل الگ ہوں موسے علیہ السلام نے یہ بات سن کر اللہ پاک سے اپنے اور اپنے بھائی کے لئے مغفرت چاہی گویا اس فعل پر شرمسار ہوئے بعض مفسروں نے ہارون علیہ السلام کے متعلق یہ بیان کیا ہے کہ یہ موسے علیہ السلام کی ماں کے بیٹے تھے تین برس موسےؑ سے بڑے تھے اپنی ماں کے ساتھ آئے تھے اس لئے ہارون علیہ السلام نے موسےؑ کو ابن ام ماں کے بیٹے بھائی کہا اور بعض مفسروں نے یہ بیان کیا ہے کہ موسےؑ اور ہارونؑ دونوں سگے بھائی تھے ایک ماں باپ سے۔ ابن ام کہنے کی یہ وجہ تھی کہ اس لفظ سے زیادہ محبت جوش میں آتی ہے اور ماں کے نام سے دل زیادہ نرم ہوجاتا ہے طبرانی، کبیر اوسط اور مسند امام احمد میں ابی امامہؓ کی حدیث ہے جس میں ایک شخص نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ایمان کی نشانی پوچھی آپ نے فرمایا جب آدمی کو اچھے کام سے خوشی اور برے کام سے رنج ہو تو یہ اس کے ایمان کی نشانی ہے[۲] اس سے معلوم ہوا کہ موسے علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام پر جو دست درازی کی وہ جوش ایمانی میں بے قابو ہو کر کی مسند امام احمد کی سند میں اگرچہ کچھ ضعف ہے لیکن طبرانی کی کبیر اور اوسط میں یہ حدیث اچھی سند سے ہے[۳]۔

۱۵۲-۱۵۳- ان آیتوں میں اللہ پاک نے ان بنی اسرائیل کا حال بیان فرمایا ہے جنہوں نے بچھڑا بنا کر اس کو پوجا تھا کہ ان پر خدا کا غضب نازل ہوا وہ یہ کہ ان لوگوں نے آپس میں ایک کو ایک نے قتل کیا اور دنیا میں بہت ذلیل ہوئے ملک سے نکالے گئے پھر اللہ پاک نے فرمایا جس طرح ان لوگوں پر غضب نازل ہوا اور ذلت نصیب ہوئی اسی طرح اور جھٹلانے والوں کی بھی ایسی گت ہم کرتے ہیں۔

---

[۱] یہ تمام اقوال تفسیر فتح البیان ج ۲ ص ۹۲ میں درج ہیں [۲] مجمع الزوائد ج ۱ ص ۸۶ باب من سرتہ حسنتہ فہو مومن۔

[۳] مجمع الزوائد ج ۱ ص ۸۶

مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَ

ان کے رب کا اور ذلت دنیا کی زندگی میں اور یہی سزا دیتے ہیں ہم جھوٹ باندھنے والوں کو اور

الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا ۫ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ

جنہوں نے کئے برے کام پھر بعد اس کے توبہ کی اور یقین لائے تیرا رب

بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ

اس کے پیچھے بخشتا ہے مہربان اور جب فرد ہوا موسٰے سے غصہ اٹھائیں

ابن عیینہ نے کہا کہ ہر ایک بدعت نکالنے والے کی یہی سزا قیامت تک ہے افتراء دروغ بندی کو کہتے ہیں تو جو شخص اللہ پر جھوٹ باندھے گا اس پر اللہ کا غضب نازل ہوگا اس کو ذلت نصیب ہوگی خواہ وہ ویسی نہ ہو جیسے بچھڑا پوجنے والوں کو ہوئی اس کے بعد اللہ پاک نے یہ بھی فرما دیا کہ جن لوگوں نے خواہ کسی قسم کا گناہ کیا ہو چھوٹا یا بڑا یہاں تک کہ شرک اور کفر بھی اگر ایسے لوگوں نے گناہ کے بعد توبہ کی تو اللہ پاک بڑا مہربان اور بخشنے والا ہے اس کی توبہ قبول کر لے گا یہ آیت بہت بڑی بشارت ہے اس بات کی کہ انسان چاہے جس قسم کا گناہ کر کے توبہ کرے تو اللہ تعالےٰ اپنی رحمت سے وہ توبہ قبول کر لے گا اور سارے گناہ بخش دیگا مسند امام احمد اور مستدرک حاکم کے حوالہ سے ابو سعید خدریؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں شیطان نے لوگوں کے بہکانے اور طرح طرح کے گناہ ان سے کرانے پر اللہ تعالےٰ کے روبرو قسم کھائی ہے اور اللہ تعالےٰ نے اپنے جاہ و جلال کی قسم کھا کر اس ملعون کو یہ جواب دیا ہے کہ گناہ کر کے جو کوئی توبہ استغفار کریگا میں بھی اس کے گناہوں کے معاف کرنے میں کبھی دریغ نہ کروں گا یہ حدیث آیت کی بشارت کی گویا تفسیر ہے حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[2]؛

۱۵۴ جب موسےٰ علیہ السلام کا سارا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تو الواح توریت جو غصہ کی حالت میں زمین پر پھینک دی تھیں وہ پھر اٹھا لیں اکثر مفسرین کے قول کے مطابق جس وقت ہاتھ سے لوحیں ڈال دی تھیں تو ٹوٹ گئی تھیں کچھ حصے اس کے جاتے رہے اور باقی حصہ جو رہ گیا تھا اس میں ہدایت اور رحمت باقی مگر اس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ لوح ٹوٹ گئی تھی اور بعضوں کا یہ گمان ہے کہ اس لوح کے ریزے بنی اسرائیل کے بادشاہوں کے خزانہ میں دولت اسلامیہ تک موجود رہے اسکا ثبوت بھی کوئی پکا نہیں ملتا خدا جانے یہ بات کہاں تک صحیح ہے بہر حال اللہ نے فرمایا کہ لوح جب انہوں نے اٹھائی تو اس میں ہدایت اور خدا کی رحمتیں پائیں جن سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو اپنے خدا سے ڈرتے ہیں قتادہ کا قول ہے کہ موسےٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے رب میں اس لوح میں دیکھتا ہوں کہ ایک امت ساری امتوں سے بہتر ہوگی وہ نیک کاموں کو بجا لاوے گی اور جن باتوں سے تو نے منع کیا اس سے وہ باز رہے گی اے اللہ وہ امت میری ہی امت بنا فرمایا کہ وہ امت امت محمدیہ ہے پھر موسےٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہ بات بھی میں لوح میں پاتا ہوں کہ ایک امت آخر میں سابقین ہوگی کہ دنیا میں سب امتوں کے بعد ہوگی اور جنت میں ساری امتوں سے پہلے داخل ہوگی یا اللہ وہ میری ہی امت ہو فرمایا کہ یہ امت احمدؐ ہے پھر موسےٰ علیہ السلام

[1] تفسیر ہذا جلد اول ص ۲۶۳ جلد دوم ص ۱۴۱ و ۲۳۷ بحوالہ تفسیر در منثور ج ۲ ص ۷۷ مشکوٰۃ ص ۲۰۴ بحوالہ مسند امام احمد و مستدرک حاکم ج ۴ ص ۲۶۱ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۷۱، ۱۴ [2] مستدرک حاکم ج ۴ ص ۲۶۱ و الترغیب ج ۱ ص ۲۹۵ باب الترغیب فی الاستغفار۔

الْأَلْوَاحَ ۚ وَفِي نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ﴿۱۵۴﴾

تختیاں اور جو ان میں لکھا ہوا ہے راہ کی سوجھ ہے اور مہر ان کے واسطے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

نے کہا کہ یہ بھی لوح میں میں دیکھتا ہوں کہ ایک امت وہ ہے جس کی کتاب اس کے سینے میں ہوگی اور وہ زبانی اس کو پڑھا کرے گی اور پہلی امتیں اپنی کتاب دیکھ کر پڑھتی تھیں یہاں تک کہ جب وہ کتاب اٹھائی گئی تو کچھ انہیں یاد تک نہیں تو اے اللہ وہ امت میری امت ہو فرمایا کہ یہ امت احمدؐ ہے پھر موسےٰ علیہ السلام نے کہا کہ یا اللہ میں لوح میں یہ بھی پاتا ہوں کہ ایک وہ امت ہے جو ساری آسمانی کتابوں پر ایمان لائے گی اور گمراہوں سے جنگ کرے گی یہاں تک کہ دجال سے لڑے گی یا اللہ وہ میری ہی امت ہو فرمایا کہ وہ امت احمدؐ ہے پھر موسے علیہ السلام نے یہ بات کہی کہ یا اللہ ایک امت وہ ہے جو اپنا صدقہ آپ ہی کھا کر ثواب حاصل کرے گی پہلی امتوں میں یہ دستور تھا کہ صدقہ جب قبول ہوتا تھا کہ اللہ پاک ایک آگ بھیج دیتا تھا اور وہ اس کو کھا جاتی تھی اور اگر صدقہ نامقبول ہوتا تھا تو جوں کا توں پڑا رہتا تھا اور پرندے اس کو کھا جاتے تھے اس امت میں قاعدہ ہے کہ مالدار کا صدقہ محتاجوں کو دلوایا جاتا ہے گویا اسی کا خلاصہ ان تختیوں میں لکھا ہوا تھا پھر موسے علیہ السلام نے کہا یا اللہ وہ میری امت کر فرمایا کہ یہ امت احمدؐ ہے اس کے بعد پھر موسےؑ نے کہا کہ اے رب میں لوح میں ایک اور امت دیکھتا ہوں کہ اگر وہ فقط نیکی کا ارادہ کرے گی تو اس کے واسطے ایک نیکی لکھ دی جاوے گی اور اگر وہ ارادہ کے بعد عمل میں بھی لاویگی تو دس نیکیاں بلکہ سات سو نیکیاں تک لکھی جاویں گی یا اللہ وہ میری ہی امت کر فرمایا کہ وہ امت احمدؐ ہے پھر موسے علیہ السلام نے کہا اے رب ایک امت اور اس لوح میں پاتا ہوں کہ آخرت میں ان کا کوئی شفیع بھی ہوگا اور ان کی شفاعت قبول بھی ہوگی یا اللہ وہ میری ہی امت ہو فرمایا کہ وہ بھی محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی امت ہے قتادہ جو اس قول کے قائل ہیں کہتے ہیں کہ یہ بات ہم سے ذکر کی گئی کہ آخر موسے علیہ السلام نے یہ بات کہی کہ یا اللہ مجھے بھی احمدؐ کی امت بنا دے[1] یہ قتادہ بن دعامہ ثقہ تابعی ہیں صحیح بخاری میں ان سے روایت ہے۔ یہ قتادہ قدیم مفسروں میں مشہور ہیں اور ان کا قول تفسیر کے باب میں بہت معتبر ہے آیۃ کنتم خیر امۃ سے اور ترمذی ابن ماجہ وغیرہ میں بھز بن حکیم کی جو حدیث ہے اس سے قتادہ کے اس قول کی پوری تائید ہوتی ہے۔ بھز بن حکیم کی اس حدیث میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ امت محمدیہ پچھلی ستر امتوں کی پورا کرنے والی امت ہے اور اللہ تعالےٰ کے نزدیک یہ امت سب پچھلی امتوں سے بہتر ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے[2] بخاری وغیرہ کی روایتوں کے حوالہ سے سورہ بقر میں گذر چکا ہے کہ جب پچھلی امتوں کے لوگ اپنے انبیاء کو قیامت کے دن اللہ تعالےٰ کے روبرو جھٹلاویں گے اور یہ کہویں گے کہ یا اللہ ہم کو کسی نبی نے تیرا حکم نہیں پہنچایا تو امت محمدیہ کی یہ گواہی اللہ تعالےٰ کے روبرو پیش ہوگی کہ یا اللہ تو نے ہمارے نبی آخر الزمان پر جو دنیا میں قرآن اتارا تھا اس میں پہلے انبیا کا اور پہلی امتوں کا سب ذکر ہے اس واسطے ہم تیرے کلام اور تیرے رسولوں کے سچے ہونے کی گواہی ادا کرتے ہیں ان روایتوں سے بھی قتادہ کے قول کی تائید اور امت محمدیہ کی فضیلت نکلتی ہے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۴۹ [2] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۲۵ تفسیر سورہ آل عمران و سنن ابن ماجہ ص ۳۲۷ باب صفۃ امۃ محمد صلے اللہ علیہ وسلم۔

وَاخْتَارَ مُوسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

اور چن لئے موسےٰ نے اپنی قوم سے ستر مرد لانے کو ہمارے وعدے کے وقت پھر جب ان کو لرزے نے پکڑا

قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ

بولا اے رب اگر تو چاہتا پہلے ہی ہلاک کرتا ان کو اور مجھ کو کیا ہم کو ہلاک کرتا ایک کام پر جو کیا ہمارے احمقوں

مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ۭ اَنْتَ

نے یہ سب تیرا آزمانا ہے بچلاوے اس میں جس کو چاہے اور راہ دے جس کو چاہے تو ہی

۱۵۵ - اللہ پاک نے موسےٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا کہ ستر آدمی اپنی قوم میں سے چن کر میرے پاس لے آؤ اور گوسالہ پوجنے کی عذر خواہی کرو خطیب کہتے ہیں کہ موسےٰ علیہ السلام نے جب لوگوں کو منتخب کیا تھا تو ساٹھ آدمی بوڑھے نکلے حکم ہوا کہ دس آدمی جوان بھی لو دس جوان جب لے لئے تو وہ بھی صبح کو بوڑھے ہو گئے اور موسےٰ علیہ السلام ان لوگوں کو لے کر وقت مقررہ پر حاضر ہوئے کوہ طور کے نیچے ایک بہت بڑا ابر کا ٹکڑا آیا جس نے سارے پہاڑ کو ڈھانپ لیا موسےٰ علیہ السلام اس ابر میں گھس گئے اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میرے پاس آجاؤ اللہ پاک نے موسےٰ علیہ السلام سے باتیں کیں جب اللہ تعالےٰ موسےٰ علیہ السلام سے بات کرتا تھا تو ان کی پیشانی پر ایسا نور برسنے لگتا تھا کہ کسی انسان کا مقدور نہ تھا کہ آپ کے چہرہ کی طرف دیکھ سکے بہرحال ان ستر آدمیوں نے اس وقت موسےٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہم تو ایمان نہ لاویں گے جب تک اللہ جل شانہٗ کو صاف صاف نہ دیکھیں اتنا کہنا تھا کہ ایک زلزلہ آیا اور بجلی چمکی اور ان لوگوں پر گری یہ ستر ایک دم میں ہلاک ہو گئے ان لوگوں پر بجلی کا گرنا تو سورہ بقر میں صاف آچکا ہے لیکن بجلی کے گرنے کے وقت زمین بھی ہلتی ہے اس واسطے بعضے مفسروں نے رجفہ کے معنے بجلی اور زلزلہ دونوں کے لئے ہیں اس واسطے تینوں ترجموں میں زلزلہ کے معنے لئے ہیں۔ موسےٰ علیہ السلام کو اس حال کے دیکھنے سے بہت قلق ہوا اس لئے حضرت موسےٰ نے اللہ پاک سے دعا کی کہ یا اللہ اگر تیری ایسی مرضی تھی تو اس سے پہلے ان لوگوں کو اور مجھے بھی ان کے ساتھ ہی ہلاک کر ڈالتا یہ لوگ تو نرے بے وقوف ہیں جو انہوں نے ایسی بات کہی اور اب کیا ان لوگوں کو بھی ہلاک کر دیگا جو میرے پیچھے رہ گئے ہیں پھر کہا کہ یہ تیری آزمائش ہے تو جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے تو ہی ہم لوگوں کا مالک ہے۔ پھر کہا کہ تو رحم کر ہمارے حال پر اور ہمیں بخش دے تو ہی بڑا بخشنے والا ہے مجاہد کا اس مقام پر یہ قول ہے کہ وہ لوگ ستر آدمی جو زلزلہ سے ہلاک ہو گئے اللہ پاک نے پھر ان کو زندہ کر دیا ورنہ زلزلہ اس لئے آیا تھا کہ ان لوگوں نے خدا کو کھلم کھلا دیکھنا چاہا تھا اوپر گذر چکا ہے کہ ان ستر آدمیوں کے کوہ طور پر ساتھ لانے سے پہلے جب موسےٰ علیہ السلام تنہا کوہ طور پر آئے تھے اور انہوں نے دنیا کی آنکھوں سے دیدار الٰہی کی خواہش کی تھی تو ان کی وہ خواہش ناممکن ٹھہری تھی اب یہ تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جس خواہش کو اپنے رسول کے لئے ناممکن ٹھہرا دیا وہ خواہش امت کے کسی شخص کو زیبا نہیں ہے باوجود اس کے ان ستر آدمیوں نے ان گستاخی کے لفظوں میں یہ ناممکن خواہش پیش کی جس کا ذکر سورہ بقرہ میں گذرا تو اس گستاخی کی سزا میں ان پر بجلی گری جس سے وہ ستر آدمی مر گئے اور جب موسےٰ نے ان لوگوں کی گستاخی کے گناہ کی معافی کی دعا کی تو اللہ تعالےٰ نے اپنی رحمت سے ان لوگوں کا وہ گناہ معاف فرما کر پھر ان لوگوں کو

وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ

ہے ہمارا تھامنے والا سو بخش ہم کو اور مہر کر ہم پر اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے اور لکھ دے ہمارے واسطے اس

الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ

دنیا میں نیکی اور آخرت میں ہم رجوع ہوئے تیری طرف

زندہ کر دیا معتبر سند سے مسند امام احمد مسند بزار مسند ابی یعلی اور مستدرک حاکم میں ابوسعید خدریؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسی بات کی خواہش اور دعا سے امت محمدیہ کو منع فرمایا ہے جس بات کی شریعت میں ممانعت ہو۔ اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت اور حدیث کو ملا کر یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ جس طرح ایک ناممکن خواہش کے پیش کرنے سے بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی خفگی ہوگئی اسی طرح اب بھی ہر امر ناممکن شرعی کی دعا اور خواہش سے ایماندار شخص کو پرہیز کرنا لازم ہے کس لئے کہ جو امر شرع الٰہی میں ناجائز ٹھہر چکا کسی کی دعا سے اس کا جائز ٹھہر جانا ناممکن اور ایسی ناممکن چیز کے شرعی طور پر حاصل ہو جانے کی دعا اور خواہش شرع الٰہی کے بدل جانے کی گستاخی کی خواہش ہے اور ایسی خواہش سے اللہ تعالیٰ کی خفگی کا خوف ہے جس سے ہر مسلمان کو پرہیز لازم ہے۔

۱۵۶۔ یہ دوسری دعا ہے موسے علیہ السلام نے پہلی جو دعا کی تھی دفع ضرر کے لئے تھی اور یہ دعا حصول مقصد کے لئے حسنة کے معنے اعمال صالح کے ہیں یا مراد حسنة سے فضل ہے یعنی دنیا میں نیک عملوں کی توفیق اور رزق میں وسعت دے اور آخرت میں بہشت عطا کر۔ ھدنا کے معنے یہ ہیں کہ ہم نے توبہ کی اور تیری طرف رجوع ہوتے ہیں مفسروں کا بیان ہے کہ اسی ھدنا کہنے سے یہودی یہود کے نام سے مشہور ہوئے جب تک شریعت موسوی منسوخ نہیں ہوئی تھی یہ نام خوبی کا تھا اور بعد اس شریعت کے منسوخ ہو جانے کے وہ بات باقی نہیں رہی اس لئے کہ منسوخ شریعت کے موافق عمل کرنے سے کچھ اجر نہیں اسی واسطے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس آخری وقت میں موسے علیہ السلام زندہ ہوتے تو سوائے شریعت محمدی کے پیروی کے اور کوئی راستہ نجات کا نہ تھا چنانچہ جابرؓ کی اس مضمون کی حدیث مسند امام احمد وغیرہ کے حوالہ سے ایک جگہ گذر چکی ہے حضرت جابرؓ کی اس حدیث کی سند معتبر ہے صحیح بخاری و مسلم میں انس بن مالکؓ کی حدیث ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے اللّٰھم اٰتنا فی الدنیا حسنة وفی الاٰخرة حسنة وقنا عذاب النار[1] اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت میں موسے علیہ السلام کی جس دعا کا ذکر ہے اس میں دوزخ کی آگ سے امن میں رہنے کا صاف ذکر نہیں تھا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سورہ بقرہ میں سے قرآن شریف کے لفظ لے کر ایسی دعا اختیار فرمائی جس میں آگ سے امن میں رہنے کا بھی صاف ذکر آگیا ترمذی، نسائی صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم میں انس بن مالکؓ کی دوسری حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تین دفعہ دن رات میں دوزخ کی آگ سے امن میں رہنے کی دعا مانگتا رہے گا تو خود دوزخ بھی اللہ تعالےٰ سے یہ التجا کرتی رہے گی کہ یا اللہ تو اس شخص کو دوزخ کی آگ سے امن میں رکھ۔ انس بن مالکؓ کی اس حدیث کو حاکم نے

[1] تنقیح الرواة ج ۲ ص ۱۲۴ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۴۴ باب قول النبی صلے اللہ علیہ وسلم اٰتنا فی الدنیا الخ۔

قَالَ عَذَابِيٓ اُصِيبُ بِهٖ مَنۡ اَشَآءُ ۚ وَرَحۡمَتِي وَسِعَتۡ كُلَّ شَيۡءٍ ؕ

فرمایا میرا عذاب جو ہے سو ڈالتا ہوں جس پر چاہوں اور میری مہر شامل ہے ہر چیز کو

فَسَاَكۡتُبُهَا لِلَّذِيۡنَ يَتَّقُوۡنَ وَيُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ بِاٰيٰتِنَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۵۶﴾

سو وہ لکھ دوں گا ان کو جو ڈر رکھتے ہیں اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور جو ہماری باتوں پر یقین کرتے ہیں۔

صحیح کہا ہے[1]۔ اس حدیث سے وہ فائدہ اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس فائدہ کے لئے اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا میں دوزخ کی آگ سے امن میں رہنے کے لفظ بڑھائے ہیں امت محمدیہ کے ہر شخص کو اللہ کے رسول کی اس شفقت کی قدر کرنی چاہیے اور اس دعا کا ہمیشہ ورد رکھنا چاہیے۔

اوپر کی آیتوں میں جو یہ ذکر تھا کہ زلزلہ اور بجلی کے گرنے سے موسےٰ علیہ السلام کے ہمراہی ہلاک ہو گئے تو موسےٰ علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ کی درگاہ میں دعا کی اور یہ کہا کہ یہ تیری جانچ اور آزمائش ہے اسی کے جواب میں اللہ پاک نے یہ فرمایا کہ میں جو چاہتا ہوں وہ کرتا ہوں ہر چیز میں میرا حکم جاری ہے میں جس پر چاہتا ہوں عذاب بھیجتا ہوں اور جس پر چاہتا ہوں رحمت نازل کرتا ہوں میرا عذاب اور میری رحمت کسی خاص فرقہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے رحمت خاص اسی کے حصہ میں ہے جو خدا سے ڈرتا ہے اور اپنے مال میں سے خدا کی راہ پر دیتا ہے اور اپنے نفس کو شرک اور کفر سے بچاتا ہے اور میری آیتوں اور ساری کتابوں پر ایمان لاتا ہے۔ مسند امام احمد اور ابوداؤد میں جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی اپنی اونٹنی کو بٹھا کر اور اس کے پاؤں باندھ کر آیا اور حضرت صلعم کے پیچھے نماز پڑھی نماز کے بعد وہ اعرابی اونٹنی کے پاؤں کھول کر سوار ہوا اور کہنے لگا کہ یا اللہ مجھ پر اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر رحمت بھیج اور ہماری رحمت میں کسی کو شریک مت کر حضرت نے صحابہ سے کہا کہ تم کیا کہتے ہو کہ یہ اعرابی زیادہ بیوقوف ہے یا اسکا اونٹ تم نے سنا نہیں یہ کیا کہتا تھا لوگوں نے کہا کہ ہاں سنا آپ نے اعرابی سے فرمایا کہ تو نے خدا کی ایک وسیع رحمت کو تنگ کر دیا اللہ نے سو رحمتیں پیدا کی ہیں جن میں سے ایک رحمت دنیا میں اتاری جس کی وجہ سے سارے جن و انسان اور جانور آپس میں ایک دوسرے پر رحم کھاتے ہیں اور ننانوے حصے اس رحمت کے اپنے پاس روک رکھے ہیں[2] اب تم بتلاؤ کہ یہ گنوار زیادہ بیوقوف ہے یا اونٹ۔ اس بات کے متعلق کہ ننانوے حصے رحمت کے اللہ پاک نے اپنے پاس رکھے ہیں اور ایک رحمت دنیا میں بھیج دی ہے اور حدیثیں بھی ہیں مثلاً صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور فقط مسلم میں سلمان رضی اللہ عنہ فارسی کی روایتیں ہیں[3] ان روایتوں سے جندب رضی اللہ عنہ کی روایت کو بڑی تقویت ہو جاتی ہے۔ صحیح بخاری اور مسلم کے حوالہ سے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی شفاعت کی حدیث کا ذکر ایک جگہ گذر چکا ہے کہ سب شفاعتوں کے بعد خود اللہ تعالےٰ اپنی رحمت سے ایسے لوگوں کو دوزخ سے نکال کر جنت میں ڈال دیگا کہ جو مشرک تو نہ تھے مگر دنیا میں انہوں نے عمر بھر کوئی نیک کام نہیں کیا تھا[5]۔ صحیح بخاری و مسلم کی

[1] الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۱۳ الترغیب فی سوال الجنۃ والاستعاذۃ من النار [2] ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰۷ باب من لیست لہ غیبۃ

[3] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۵۱ بحوالہ مسند امام احمد [4] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۸۷ باب رحمۃ الولد الخ و صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۵۶ باب سعۃ رحمۃ اللہ الخ۔

[5] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۱۰۸ باب قول اللہ وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا

وہ جو تابع ہوتے ہیں اس رسول کے جو نبی ہے امی جس کو پاتے ہیں لکھا ہوا

ابوہریرہؓ کی یہ حدیث بھی ایک جگہ گذر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غصے اور عذاب کا پورا حال لوگوں کو اگر معلوم ہو جاوے تو نیک لوگوں کے دل میں بھی جنت کے ملنے کی آرزو بہت کم ہو جاوے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت کا پورا حال لوگوں کو اگر معلوم ہو جاوے تو نافرمان لوگوں کے دل میں بھی جنت کے ملنے کی آرزو پیدا ہو جاوے[1] یہ حدیثیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے غصہ کی گویا تفسیر ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غصہ پر غالب ہے[2] بغیر نیک عملوں کے بعضے لوگوں کا دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کرنیکا ذکر ابوسعید خدریؓ کی حدیث کے حوالہ سے جو اوپر گذرا وہ ذکر گویا اس کی تفسیر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غصہ پر غالب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اور صفات کی بابت اہل سنت کا جو یہ اعتقاد ہے کہ اس پاک ذات کی جو صفات قرآن یا صحیح حدیثوں میں آئے ہیں بغیر کسی عقلی معنے کے بیان کرنے کے ان پر ہم ایمان لاتے ہیں اور ان کی تفصیلی کیفیت اللہ کے علم پر سونپتے ہیں اللہ تعالیٰ کے غصہ کی صفت بھی اہل سنت کے نزدیک ان ہی صفات میں داخل ہے ؛

۱۵۷۔ اوپر کی آیت میں جو اللہ پاک نے یہ فرمایا تھا کہ میری رحمت انہی لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو خدا سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور میری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں انہی کا یہ ذکر اس آیت میں فرمایا کہ وہ لوگ وہ ہیں جو رسول و نبی امی کی پیروی کرتے ہیں امام رازی نے کہا ہے الذین یتبعون سے مراد بنی اسرائیل ہیں مگر جمہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ اس آیت میں ساری امت آنحضرت کی مراد ہے خواہ بنی اسرائیل میں سے ہوں خواہ کسی اور فرقے کے ہوں جو حضرت پر ایمان لایا ہے آیت اسی کی شان میں ہے پھر فرمایا کہ اگلی امتیں ان رسول کو اپنی کتاب توریت و انجیل میں نبی امی لکھا ہوا پاتے ہیں اس لئے کہ آپ جس طرح ماں کے شکم سے پیدا ہوئے اسی طرح تا مدت حیات رہے نہ کسی سے لکھنا سیکھا نہ پڑھنا اس واسطے آپکا لقب امی ہے کہ آپ ام القریٰ مکہ میں پیدا ہوئے یہی دو معنے امی کے مفسروں نے بیان کئے ہیں پہلے رسولوں نے آپ کی صفت اپنی کتابوں میں دیکھ کر اپنی امت کو اس کی بشارت دے دی تھی کہ یہ وصف امی کا حضرت خاتم الانبیاء اور سید المرسلین کا لقب ہے۔ حضرت انسؓ کی ایک حدیث صحیح بخاری میں ہے جس میں ابوصخر عقیلی کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک گنوار نے ذکر کیا کہ وہ مدینہ میں ایک دودھیل اونٹنی بیچنے کو گیا حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے کا دل میں خیال ہوا کہ چلو ان کو بھی دیکھوں اور ان کی باتیں سنوں راستے میں کہ آپ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ جا رہے تھے وہ گنوار بھی ان کے پیچھے ہو لیا ایک یہودی کا جوان اور خوبصورت لڑکا قریب المرگ تھا وہ یہودی توریت کھولے ہوئے پڑھ رہا تھا حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا کہ تجھ کو توریت نازل کرنے والے کی قسم سچ بتلا اس میں میری صفت اور میرے رسول بنائے جانے کا ذکر ہے اس نے سر ہلا کر کہا کہ نہیں اس کے بیٹے نے جو جان کنی کی حالت میں تھا کہا کہ مجھ کو اسی ذات کی قسم ہے جس نے توریت نازل کی ہے میں آپ کی صفت اور آپکا دنیا میں آنا توریت میں لکھا

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۵۸ باب الرجاء مع الخوف [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۱۰۱ باب قول اللہ و یحذرکم اللہ نفسہ الخ و صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۵۶ باب سعۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ الخ۔

عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ

اپنے پاس تورات اور انجیل میں بتاتا ہے ان کو نیک کام اور منع کرتا ہے

ہوا پاتا ہوں اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ سوا اللہ کے کوئی معبود نہیں اور آپ اس کے رسول ہیں حضرت نے فرمایا کہ اس یہودی کو اس کے بیٹے کے پاس سے اٹھا دو اور آپ خود اس مرنے والے کے متولی ہوئے اور کفن و نماز اسکی آپ نے ادا کی[1] حاکم کی مستدرک میں ابوامامہ باہلی کی روایت ہے جس میں ہشام بن عاص اموی کہتے ہیں کہ میں اور ایک اور شخص ہرقل بادشاہ روم کی طرف بھیجے گئے تاکہ اس کو دین اسلام کا پیغام پہنچائیں جب دمشق میں پہنچے جبلہ بن ایہم غسانی جو وہاں کا حاکم تھا اس کے یہاں گئے وہ تخت پر بیٹھا تھا اس نے قاصد کو بھیجا کہ ان سے جاکر بات کرو ہم نے کہا کہ ہم قاصد سے بات نہیں کریں گے ہم تو بادشاہ کے پاس بھیجے گئے ہیں اگر وہ ہم کو اپنے پاس بلائے گا تو اس سے بات کریں گے قاصد نے یہی جاکر کہہ دیا اس نے ہم کو بلاکر کہا کہو کیا کہتے ہو ہشام بن عاص نے گفتگو کی اور دعوت اسلام پہنچائی وہ سر سے پاؤں تک کالے کپڑے پہنے ہوئے تھا ہشام نے کہا کہ تمہارے یہ کپڑے کیسے ہیں اس نے کہا میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک تم کو ملک شام سے نہ نکال دونگا یہ کپڑے نہ اتاروں گا ہشام نے کہا واللہ ہم تجھ سے تیری اس محفل کو چھین لیں گے بلکہ تیرے بادشاہ کا ملک بھی لے لیویں گے ہم کو یہ خبر ہمارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اس نے جواب دیا کہ وہ لوگ اور ہیں تم نہیں ہو وہ لوگ دن کو روزے رکھتے ہیں اور راتوں کو نماز پڑھتے ہیں تم کہو تمہارا روزہ کیسا ہے میں نے بتلا دیا اس کا منہ سیاہ ہو گیا اور میرے ساتھ ایک قاصد کر کے کہا کہ جاؤ ہم لوگ بادشاہ کی طرف چلے جب شہر کے قریب پہنچے تو قاصد نے کہا کہ یہ تمہارے اونٹ شہر میں نہ جانے پاویں گے اگر کہو تو عربی خچروں پر سوار کر کے تمہیں لے چلیں ہشام نے کہا کہ اللہ کی قسم اگر ہم جاویں گے تو ان ہی اپنی سواریوں پر جائیں گے قاصد نے بادشاہ کے پاس آدمی بھیج کر دریافت کیا کہ یہ لوگ عربی خچروں پر سوار ہو کر آنے سے انکار کرتے ہیں بادشاہ نے حکم دیا کہ انہیں کی سواریوں پر ان کو آنے دو ہشام کہتے ہیں کہ ہم تلواریں لگائے ہوئے تھے جب اندر داخل ہوئے قریب پہنچے تو اس کے حجروں کے نیچے اپنے اونٹوں کو بٹھا دیا اور لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہا اللہ جانتا ہے کہ وہ برآمدہ گر پڑا بادشاہ نے میرے پاس آدمی بھیجا کہ تمہیں زور سے چلا کر اپنے دین کی بات کا کہنا زیبا نہیں ہے پھر ہمیں اپنے پاس بلایا فرش پر بیٹھا ہوا تھا اور ارد گرد علماء روم بیٹھے تھے اس کی مجلس میں ہر شے لال رنگ کی تھی کپڑے بھی لال رنگ کے پہنے ہوئے تھا ہمیں دیکھ کر ہنسا اور کہا کہ اگر تم ہم کو سلام کرتے تو کیا نقصان تھا اس کے پاس ایک عربی مترجم بھی تھا جو برا زبان آور تھا وہی ترجمہ کر کے عربی سے رومی زبان میں اس کو سمجھاتا تھا میں نے کہا کہ ہمارا آپس کا سلام تمہارے لئے درست نہیں ہے اور جو تمہارا سلام ہے وہ ہم کہہ نہیں سکتے اس نے پوچھا تم آپس میں کس طرح سلام کیا کرتے ہو میں نے کہا السلام علیکم پوچھا کہ اپنے سرداروں کو کس طرح کہتے ہو میں نے کہا یہی پھر پوچھا کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں میں نے کہا وعلیکم السلام پھر اس نے کہا کہ سب سے بڑا کلام تمہارا کیا ہے میں نے کہا لا الہ الا اللہ واللہ اکبر جب ہم نے یہ کلمہ کہا تھا تو برآمدہ گر پڑا اس نے سر اٹھا کر دیکھا اور کہا کہ اس کلمہ سے برآمدہ گر پڑا تو جب اپنے گھروں میں بھی یہ کلمہ کہتے ہو گے تو کوئی مکان گر پڑتا ہو گا میں نے کہا کہ نہیں سوائے آج کے اور کبھی یہ بات نہیں دیکھی پھر ہم سے پوچھا کہ کس ارادہ سے

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۵۱۔

الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ

برے کام سے اور حلال کرتا ہے ان کے واسطے سب پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ناپاک اور اتارتا ہے ان سے

تمہارا آنا ہوا میں نے دعوت اسلام پہنچائی اس نے ہماری نمازوں اور روزوں کا حال پوچھا میں نے سب بتلا دیا پھر اس نے ہم کو ایک عمدہ مکان میں اتارا اور تین روز مہمان رکھا پھر رات کے وقت آدمی بھیج کر بلایا اور ہم سے وہی پہلے کے سوال کئے میں نے وہی جواب دئے پھر ہم کو ایک سنہری حویلی میں لے گیا جس میں چھوٹے چھوٹے دروازے تھے ایک دروازہ کا قفل کھول کر ایک سیاہ حریر کا کپڑا نکال کر پھیلایا اس میں ایک تصویر لال رنگ کی تھی جس کی بڑی بڑی آنکھیں تھیں گردن ایسی لانبی تھی کہ ہم نے کبھی ایسی نہیں دیکھی وہ شخص احسن خلق اللہ معلوم ہوتا تھا بادشاہ نے پوچھا تم انہیں پہچانتے ہو ہم نے کہا نہیں کہا کہ یہ آدم علیہ السلام ہیں ہم نے دیکھا تو ان کے سر میں بال لوگوں سے زیادہ تھے پھر دوسرا دروازہ کھول کر ایک کالا حریر نکالا جس میں ایک سفید تصویر تھی بال گھونگر والے تھے لال لال آنکھیں بڑا سر ڈاڑھی گھنی پوچھا کہ ان کو جانتے ہو ہم نے کہا کہ نہیں اس نے بتلایا یہ نوح علیہ السلام ہیں پھر ایک اور دروازہ کھول کر سیاہ حریر نکالا جس میں ایک صورت بہت ہی سفید اور نہایت خوبصورت آنکھیں کھلی پیشانی لانبا چہرہ سفید ڈاڑھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مسکرا رہے ہیں ہم سے پوچھا کہ پہچانتے ہو یہ کون ہیں ہم نے کہا کہ نہیں کہا کہ یہ ابراہیم علیہ السلام ہیں پھر ایک دروازہ کھول کر تصویر نکالی جو بالکل سفید تھی واللہ وہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم تھے ہم نے دیکھتے ہی پہچان لیا اس نے پوچھا انہیں جانتے ہو یہ کون ہیں ہم نے رو کر کہا کہ ہاں یہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں وہ کھڑا ہو گیا اور کہا اللہ کی قسم یہ وہی ہیں ہم نے کہا ہاں گویا تم اپنی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہے ہو تھوڑی دیر خاموش رہ کر اس تصویر کو دیکھتا رہا پھر کہنے لگا کہ یہ آخری خانہ تھا میں نے جلدی کی کہ تم اس تصویر کو دیکھ کر کیا کہتے ہو پھر دوسرا دروازہ کھول کر سیاہ حریر نکالا جس میں سانولے رنگ کی تصویر تھی کسی قدر رنگ زرد تھا گھونگر والے بال تھے آنکھیں گہری تیز نظر دانت برابر برابر ہونٹ موٹے موٹے چہرہ سے غصہ ٹپک رہا تھا مجھ سے پوچھا کہ پہچانتے ہو میں نے کہا نہیں بتلایا کہ حضرت موسے علیہ السلام ہیں ان کی بغل میں ایک اور تصویر انہیں کی شکل سے ملتی جلتی تھی مگر بال چکنے چکنے پیشانی چوڑی آنکھیں ابھری ہوئی پوچھا کہ پہچانتے ہو میں نے کہا نہیں کہا یہ ہارون بن عمران علیہ السلام ہیں پھر ایک اور دروازہ کھولا اور ایک سفید حریر نکال کر دکھلایا جس میں ایک شبیہ تھی جس کا رنگ گندمی تھا بال سیدھے سیدھے قد میانہ تھا چہرہ سے غصہ ظاہر تھا اس نے پوچھا ان کو پہچانتے ہو ہم نے کہا کہ نہیں کہا کہ یہ لوط علیہ السلام ہیں پھر ایک دوسرا دروازہ کھولا اور سفید حریر نکالا جس میں سفید و سرخ تصویر تھی ناک اونچی چہرہ خوبصورت پوچھا کہ ان کو پہچانتے ہو ہم نے کہا نہیں کہا یہ اسحاق علیہ السلام ہیں پھر ایک دروازہ کھول کر سفید حریر نکالا اس میں اسحاق علیہ السلام کے مشابہ تصویر تھی جس کے ہونٹھ پر تل تھا کہا اس کو جانتے ہو میں نے کہا نہیں کہا یہ یعقوب علیہ السلام ہیں پھر ایک دروازہ کھول کر ایک ریشمی کالا کپڑا نکالا جس میں ایک تصویر سفید رنگ حسین ناک لانبی موزون قد رنگ سرخی مائل تھا چہرے پر نور برس رہا تھا پوچھا ان کو پہچانتے ہو میں نے کہا کہ نہیں کہا یہ اسماعیل علیہ السلام ہیں تمہارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے دادا پھر ایک دروازہ کھولا اور سفید حریر نکالا جس میں ایک تصویر مشابہ آدم علیہ السلام کے تھی اور سورج کی طرح چہرہ چمک رہا تھا پوچھا کہ پہچانتے ہو ہم نے کہا کہ نہیں کہا کہ یہ

إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ

بوجھ ان کے اور پھانسیاں جو ان پر تھیں سو جس پر یقین لائے اور اس کی رفاقت کی

یوسف علیہ السلام ہیں پھر ایک دروازہ کھولا اور سفید حریر نکالا جس میں سرخ رنگ کی تصویر تھی پنڈلیاں پتلی پتلی آنکھیں چھوٹی چھوٹی پیٹ بڑا قد میانہ تلوار لٹکائے ہوئے پوچھا ان کو جانتے ہو ہم نے کہا نہیں کہا یہ حضرت داؤد علیہ السلام ہیں پھر ایک اور دروازہ کھولا اور سفید حریر نکالا جس میں ایک گھوڑے سوار کی تصویر تھی پیر لانبے لانبے کہا ان کو پہچانتے ہو ہم نے کہا کہ نہیں بولا کہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں پھر ایک دروازہ کھول کر سیاہ حریر نکالا جس میں سفید تصویر تھی ایک جوان شخص جس کی آنکھیں نہایت حسین کالی ڈاڑھی خوبصورت پوچھا ان کو پہچانتے ہو ہم نے کہا نہیں کہا کہ یہ عیسےٰ علیہ السلام ہیں ہم نے یہ صورتیں دیکھ کر کہا کہ تم نے یہ کہاں سے حاصل کیں مجھے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انبیا علیہم السلام کی شبیہ ہیں کیونکہ ہم نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعینہٖ شبیہ دیکھی ہے جواب دیا کہ آدم علیہ السلام نے اللہ پاک سے سوال کیا تھا کہ میری اولاد میں جتنے انبیا ہوں گے انکی صورتیں مجھے دکھلا دی جاویں اس پر یہ تصویریں اتری تھیں اور خزانہ آدم علیہ السلام میں تھیں ذوالقرنین نے وہاں سے نکال کر ان کو دانیال علیہ السلام کے سپرد کیا تھا پھر کہنے لگا کہ اللہ کی قسم میرا جی اس بات کو بہت خوشی سے چاہتا ہے کہ میں اپنا ملک چھوڑ کر مرتے دم تک کسی کا غلام بن کر زندگی بسر کروں خواہ وہ شخص کج خلق شریر النفس ہی کیوں نہ ہو۔ پھر ہم کو انعام دے کر رخصت کیا ہم نے واپس آکر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ قصہ تمام و کمال بیان کیا ابوبکر صدیق رضؓ روئے اور کہا کہ وہ مسکین ہے اگر خدا اس کے ساتھ بہتری کا ارادہ کریگا اس کو ایمان نصیب ہوگا پھر فرمایا کہ ہم کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی خبر دی ہے کہ نصاریٰ اور یہود اپنی کتابوں میں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی صفت پاتے ہیں[۱] اس حدیث کو بیہقی نے بھی دلائل النبوۃ میں مع اسناد کے بیان کیا ہے اور اس کی سند کو جید بتلایا ہے جس سے حاکم کی روایت کو تقویت حاصل ہو جاتی ہے اس کے سوا اور بہت سی حدیثیں ہیں[۲] جن میں یہ ذکر ہے کہ اہل کتاب حضرت صلعم کی صفت اپنی کتابوں میں پاتے ہیں اور اس کا اقرار کرتے ہیں پھر اللہ پاک نے نبی کی تعریف بیان کی کہ وہ لوگوں کو امر بالمعروف کا حکم دیگا اور نہی عن المنکر کو جاری رکھے گا اور اگلی کتابوں میں بھی اسی طرح حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صفت مذکور ہے کہ آپ خیر کا حکم فرمائیں گے اور شر سے منع کریں گے چنانچہ یہ صفت آپ میں کامل طور سے پائی جاتی تھی امام احمد اپنی مسند میں ابو حمید اور ابو اسید سے جید سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے جب کوئی میری حدیث سنو جس کو تمہارے دل قبول کریں اور رونگٹے کھڑے ہو جاویں تو وہ میری حدیث ہے اور اگر ایسی حدیث میری طرف سے تم سنو جس کو تمہارے دل قبول نہ کریں اور رقت نہ طاری ہو تو سمجھ لو کہ میں اس سے بہت دور ہوں[۳] پھر اللہ پاک نے دوسری صفت آپ کی بیان فرمائی کہ وہ نبی امی تم لوگوں کے لئے بری چیزوں کو حرام کردیگا اور پاک چیزوں کو حلال مقرر کریگا لوگوں نے جن چیزوں کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیا تھا جیسے مثلاً بحیرہ وغیرہ جن کا ذکر سورہ مائدہ میں گذرا ان کو اللہ پاک کے حکم سے آنحضرت نے حلال کردیا اور جن چیزوں کو لوگوں نے اپنے اوپر حلال

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۵۱ – ۲۵۳ [۲] یہ حدیثیں تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۵۳ میں درج ہیں۔

[۳] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۵۴۔

ع ۱۹ / ۹

وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۱۵۷)

اور مدد کی اور تابع ہوئے اس نور کے جو اس کے ساتھ اترا ہے وہی لوگ پہنچے مراد کو

کر لیا تھا جیسے مثلاً سود رشوت خون وغیرہ اس کو حرام کیا حضرت عبداللہ عباسؓ کا قول ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں میں سے جو چیزیں اللہ پاک نے حلال کر دی ہیں اس سے بدن اور دین کو نفع پہنچتا ہے اور وہ چیزیں حرام کر دی ہیں جو بدن اور دین کو نقصان دیتی ہیں پھر اللہ پاک نے ایک اور صفت رسول امی کی بیان فرمائی کہ جو دقتیں اور مشکلیں پہلی امتوں پر دین کے کاموں میں تھیں ان کو اپنی امت پر بالکل آسان کر دیں گے جیسے اگلی امتوں میں توبہ کے موقعہ پر قتل نفس تھا جس عضو سے گناہ صادر ہوتا تھا اس کا کاٹنا اور جس عضو میں یا کپڑے میں نجاست لگ جاتی ہے اس کو قینچی سے کتر ڈالنے کا حکم تھا نماز سوائے عبادت خانہ کے اور کہیں جائز نہیں تھی اس کے علاوہ اور بہت سے احکام تھے جو سخت تھے اللہ پاک نے یہ سب سختیاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی امت پر ان کے طفیل میں آسان کر دیں پھر اللہ پاک نے یہ فرمایا کہ جن لوگوں نے آپ کی تعظیم اور توقیر کی اور آپ پر جو کتاب یا وحی نازل ہوئی ہے اس کی پیروی کی وہی لوگ دنیا اور آخرت میں فلاح اور اجر پاویں گے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ نے تمام انبیاء کی نبوت کو ایک عالیشان محل سے تشبیہ دے کے اپنے آپ کو اسی محل کی آخری اینٹ فرمایا ہے[1] ابوموسے اشعریؓ کی صحیح بخاری و مسلم کی یہ حدیث بھی گذر چکی ہے کہ اہل کتاب میں سے جو شخص نبی آخر الزمان کو اللہ کا رسول جان کر شریعت محمدی کی پیروی کریگا اس کو دوہرا اجر ملے گا[2] صحیح مسلم کے حوالہ سے عمرو بن عاصؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے اللہ تعالے نے اپنے علم ازلی کے موافق وہ سب لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے[3] اسی طرح مسند امام احمد وغیرہ کے حوالہ سے جابرؓ کی صحیح حدیث بھی گذر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہود سے تورات کی بعض باتیں سن کر حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی اجازت چاہی تھی کہ تورات کی ان باتوں کو لکھ لیا جاوے اس پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خفا ہوتے اور فرمایا کہ اس آخری وقت میں موسے علیہ السلام بھی اگر زندہ ہوتے تو ان پر بھی شرع محمدی کی پیروی لازم ہوتی ہے[4] ان حدیثوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت اور حدیثوں کو ملا کر یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ پہلے صاحب شریعت نبی حضرت نوح علیہ السلام سے لیکر خاتم الانبیاء محمد صلے اللہ علیہ وسلم تک شریعت الہی کا عالیشان محل بالکل پورا ہو گیا ہے جس کے مقابلہ میں سب پچھلی شریعتیں اب اس آخری عہد نبوت میں ادھوری دیواروں کی طرح ہیں۔ تورات انجیل میں نبی آخر الزمان کے اوصاف اس لئے بیان کئے گئے ہیں کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ ان نبی آخر الزمان کا عہد پاویں وہ ان اوصاف سے ان کو پہچان لیں اور ان کی کامل شریعت پر عمل کر کے عقبے میں دوسرا اجر پاویں تاکہ پچھلی منسوخ شریعتوں پر عمل کر کے اپنے عملوں کو رائگاں نہ کریں کیونکہ تقدیر الٰہی میں یہ بات قرار پا چکی ہے کہ اس آخری عہد نبوت میں عقبے کی کامیابی اور وہاں مراد کو پہنچنا اس کامل شریعت کی پابندی پر منحصر ہے یہاں تک کہ پچھلی امتیں

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰۱ باب خاتم النبیین [2] صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۶ باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا صلے اللہ علیہ وسلم [3] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۵ باب حجاج آدم وموسٰی علیہما السلام [4] اس پر نفیس بحث دیکھئے حاشیہ تفسیر احسن التفاسیر ج ۱ ص ۲۴۸۔

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَاِ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
تو کہہ اے لوگو میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف جس کی حکومت ہے آسمان

وَالْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ
اور زمین میں کسی کی بندگی نہیں سوا اسکے جلاتا ہے اور مارتا ہے سو مانو اللہ کو اور اس کے بھیجے نبی

تو درکنار اس آخری عہد نبوت میں پچھلے انبیا بھی اگر زندہ ہوتے تو ان پر بھی اسی کامل شریعت کی پیروی لازم ہوتی کس لئے کر دنیا کے پیدا کرنے سے ہزارہا برس پہلے جبکہ اللہ تعالےٰ نے دنیا کے ہر ایک عہد اور زمانہ کی مصلحت کے موافق ایک شریعت ٹھہرا دی ہے تو اب شریعت وقتیہ کو چھوڑ کر غیر وقتیہ شریعت پر عمل کرنا علاوہ انتظام الٰہی میں خلل ڈالنے کے درپے ہونے کے غیر وقتیہ شریعت کے موافق جو عمل ہوں گے وہ سب اکارت جاویں گے کیونکہ کارآمد عمل تو وہی ہو سکتا ہے جو حکم الٰہی کے موافق رائج الوقت شریعت کے مطابق ہو اس واسطے غیر رائج الوقت شریعت پر عمل کر کے ان عملوں کو عقبیٰ میں کارآمد اور قابل اجر گمان کرنا ایسا ہی لیک گمان ہے جیسے دنیا میں کوئی وکیل منسوخ قانون کے کسی دفعہ کے موافق کسی مقدمہ کی پیروی کرے اور پھر اس مقدمہ میں کامیابی کی توقع رکھے:

۱۵۸۔ اللہ پاک نے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں سے صاف صاف کہہ دو کہ میں تم سب لوگوں کی طرف کیا عجم اور کیا عرب مغرب سے مشرق تک جنوب سے شمال تک سارے جہان کے واسطے اللہ تعالےٰ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پاک نے پانچ چیزیں مجھ کو دیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں اور یہ بات میں کچھ فخر کی راہ سے نہیں کہتا ہوں میں سارے لوگوں کی طرف کیا لال کیا کالے سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا اور میں رعب کے ساتھ ایک مہینہ کی راہ کے فاصلہ سے مدد کیا گیا ہوں مطلب یہ ہے کہ جہاد میں فقط میرے رعب سے ملک یوں فتح ہو جاتے ہیں کہ میں ایک مہینہ کی راہ پر ہوتا ہوں اور میرے رعب سے لوگ ڈر جاتے ہیں مال غنیمت میرے لئے اللہ نے حلال کر دیا مجھ سے پہلے کبھی غنیمت حلال نہیں تھی لوگ جلا دیا کرتے تھے میرے لئے تمام روئے زمین مسجد کا حکم رکھتی ہے جہاں نماز کا وقت آجاتا ہے اگر پانی نہیں میسر ہوا تیمم کر کے نماز ادا کر لی اور مجھے شفاعت دی گئی ہے جو میں نے اپنی امت کے واسطے رکھ چھوڑی ہے میری امت میں سے جو شرک نہ کرے گا اس کی میں قیامت کے دن شفاعت کروں گا[1]۔ اسی مضمون کی حدیث امام احمد کی مسند میں بھی ہے جس کی سند اچھی ہے[2] اور صحیح بخاری و مسلم میں بھی جابرؓ بن عبداللہ سے ایسی ہی ایک حدیث ہے[3] اس کے بعد اللہ پاک نے زمین و آسمان کا اپنا خالق ہونا بیان فرمایا اور فرمایا کہ میں جس کو چاہتا ہوں تو زندہ کرتا ہوں اور جس کو چاہتا ہوں مارتا ہوں اس میں اپنی وحدانیت ثابت کی ہے پھر لوگوں کو حکم دیا کہ ان نبی امی پر ایمان لا کر ان کی بتلائی ہوئی راہ پر چلو نبی امی آپ کو اس لئے فرمایا کہ اگلی کتابوں میں آپ کا ذکر اسی نام سے تھا اسی واسطے فرمایا کہ وہی نبی امی ہیں جن کی بشارت تم کو اگلی کتابوں میں دی گئی تھی اگر ان کی راہ پر چلو گے تو ہدایت پاؤ گے آیت کی تفسیر وہی حدیثیں قرار پا سکتی ہیں جن کا ذکر اوپر گذرا کیونکہ آیت اور حدیثوں کے

(۱و۲و۳) تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۵۵۔

الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۵۸﴾

امی کو جو یقین کرتا ہے اللہ پر اور اس کے سب کلام پر اور اس کے تابع ہو شاید تم راہ پاؤ

وَمِن قَوْمِ مُوسَىٰ أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ﴿۱۵۹﴾

اور موسے کی قوم میں ایک فرقہ راہ بتاتے ہیں حق کی اور اسی پر انصاف کرتے ہیں۔

ملانے سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ اللہ تعالے کی طرف سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت عام خلق اللہ کے حق میں ہے اور اس آخری زمانہ میں ہدایت اسی آخری شریعت میں منحصر ہے اسی واسطے صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث جو ایک جگہ گذر چکی ہے اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اہل کتاب میں سے جو شخص میرا حال سن کر پھر میری نبوت تسلیم نہ کرے گا اس کی نجات مشکل ہے[۱]۔

۱۵۹۔ تفسیر جبیر وغیرہ[۲] میں اس آیت کی شان نزول جو لکھی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کی شان میں اتری ہے جو موسے علیہ السلام کی امت میں سے تھے اور حضرت پر ایمان لائے جیسے عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ ان ہی کو فرمایا کہ موسےٰ کی قوم میں ایک گروہ ہے جو حق بات کا پیرو اور صاحب انصاف ہے اور بعض مفسروں نے یہ بیان کیا ہے کہ اوپر کی آیتوں میں جو موسے علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا اس کے متعلق اللہ پاک نے یہاں تک یہ بیان فرمایا تھا کہ سامری نے گوسالہ بنا لیا اور بنی اسرائیل کو شریک کر کے اس کو پوجنے لگا اور ستر آدمی موسے علیہ السلام چن کر اپنے ساتھ کوہ طور پر لائے جو زلزلہ سے ہلاک ہو گئے اب اس آیت میں یہ فرمایا سب کی سب موسےٰ کی قوم ایسی نہیں تھی جو گمراہ ہو گئے تھے ایک فرقہ وہ بھی تھا جو حق پر تھا ابن جریج نے اپنی تفسیر کے اس موقعہ پر یہ ذکر کیا ہے کہ بنی اسرائیل نے جب انبیاء کو قتل کیا تو بارہ فرقے ہو گئے ایک فرقہ ان میں سے اس بات پر بالکل ناخوش ہوا اور اپنا عذر اللہ پاک سے ظاہر کیا اللہ پاک نے ایک نقب زمین میں پیدا کر دی وہ لوگ اس نقب کی راہ سے چین کے قریب نکلے اور وہاں اپنے دین پر قائم ہیں[۳] مگر قاضی شوکانی نے اپنی تفسیر میں اس قصہ کو صحت سے دور تر بتلایا ہے[۴] حاصل یہ ہے کہ قرآن شریف کی بہت سی آیتوں سے یہ بات نکلتی ہے کہ جہاں یہود کی مذمت کا ذکر آتا ہے اس مذمت میں سے اللہ تعالے مسلمان اہل کتاب کا دل بڑھانے کے لئے عبداللہ بن سلامؓ اور ان کے ساتھیوں کو نکال لیتا ہے چنانچہ امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے صحیح قول کے حوالہ سے سورہ آل عمران کی آیت لیسوا سواء (۳:۱۱۳) کی شان نزول میں اس کا تذکرہ گزر چکا ہے اس سبب سے پہلی شان نزول صحیح معلوم ہوتی ہے۔ صحیح بخاری کے حوالہ سے ابوصخر عقیلی کی حدیث جو گذر چکی ہے[۵] اس حدیث کو یہود کی مذمت کی اوپر کی آیتوں کی اور اس آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیتوں میں یہود کے جن دو گروہوں کا ذکر ہے حدیث میں ان دونوں گروہوں میں سے ایک شخص کا ذکر ہے جس میں ایک باپ تھا اور ایک بیٹا وبہ یعدلون اس کا مطلب یہ ہے کہ عبداللہ بن سلام کے گروہ کے لوگ قابل مذمت یہود کے گروہ کی طرح نبی آخر الزمان کے اوصاف اور توراۃ کے مسائل کے ظاہر کرنے میں ناحق پسندی اور ناانصافی نہیں کرتے ۔

[۱] صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۶ باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا صلے اللہ علیہ وسلم الخ و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۵۵ [۲] تفسیر جامع البیان مع حاشیہ اس آیت کے تحت
[۳] تفسیر ابن جریر ج ۹ ص ۸۷ ۔ ۸۸ طبع جدید [۴] تفسیر فتح البیان ج ۲ ص ۱۰۰ [۵] یعنی ص ۳۰۶ پر بحوالہ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۵۱۔

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اِذِ اسْتَسْقٰىهُ

اور بانٹ کر ان کو ہم نے کیا کئی فرقے بارہ دادوں کے پوتے اور حکم بھیجا ہم نے موسٰے کو جب پانی مانگا

قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا ؕ

اس سے اس کی قوم نے کہ مارا اپنی لاٹھی سے اس پتھر کو تو پھوٹ نکلے اس سے بارہ چشمے

قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَ ظَلَّلْنَا عَلَیْهِمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَیْهِمُ

پہچان لیا ہر ایک لوگوں نے اپنا گھاٹ اور سایہ کیا ہم نے ان پر ابر کا اور اتارا ہم نے ان پر

الْمَنَّ وَ السَّلْوٰی ؕ كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَ مَا ظَلَمُوْنَا وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا

من اور سلوٰی کھاؤ ستھری چیزیں جو ہم نے روزی دی تم کو اور ہمارا کچھ نہ بگاڑا لیکن

اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَ اِذْ قِیْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْیَةَ وَ كُلُوْا مِنْهَا

اپنا بُرا کرتے رہے اور جب حکم ہوا ان کو رہو اس شہر میں اور کھاؤ اس میں

۱۶۰—۱۶۲۔ موسٰی علیہ السلام کی قوم بارہ گروہ تھی ایک ہی دادا کی اولاد تھی یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل تھا انہیں کی اولاد میں یہ لوگ تھے اس لئے ان کو بنی اسرائیل کہتے ہیں اور یہ لوگ علیحدہ علیحدہ گروہ میں کثیر التعداد آدمی ہوگئے تھے اس لئے ان کو اللہ پاک نے فرمایا کہ بارہ فرقے الگ الگ کردئے گئے اور ہر ایک کا سردار اور امام جدا جدا تھا سورۂ بقرہ[1] اور مائدہ[2] میں گذر چکا ہے کہ کنعانی قوم کے ساتھ لڑنے سے جب بنی اسرائیل نے انکار کیا تو اس شرارت کی سزا میں اللہ تعالےٰ نے چالیس برس تک بنی اسرائیل کو ایک جنگل میں قید کیا اور وہاں جب دھوپ کی شدت ہوئی پانی کو ترس گئے تو موسٰے علیہ السلام پر وحی آئی کہ اپنا عصا پتھر پر مارو غرض کہ پتھر پر عصا مارنے سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور بنی اسرائیل کے ہر ایک گروہ نے اپنا اپنا الگ گھاٹ بنالیا اور پانی پینے لگے پھر اللہ پاک نے بادل کو حکم دیا کہ ان کے سروں پر سایہ کرے تاکہ جلتی دھوپ سے امن میں رہیں پھر خدا نے من و سلوٰی اتار کر ان کو کھانے کا حکم دیا من ترنجبین کو کہتے ہیں یہ میٹھی چیز ہے اور سلوا ایک پرندہ ہے سمانی نام بہر حال میٹھی اور سلونی چیز اللہ پاک نے ان کے کھانے کے واسطے اتاری مگر ان لوگوں نے کہا کہ ہم ایک کھانے پر ہمیشہ قناعت نہیں کرسکتے اسی کو اللہ پاک نے بیان فرمایا کہ ہم نے کسی پر ظلم نہیں کیا ان لوگوں نے آپ اپنی جان پر ظلم کیا میری حکم عدولی کی میں نے من و سلوٰی بھیج کر کھانے کا حکم کیا تھا انہوں نے اس پر صبر نہیں کیا اور چیزوں کی ہوس دل میں کرنے لگے پھر فرمایا کہ میں نے ان لوگوں کو یہ حکم دیا کہ اس شہر بیت المقدس میں داخل ہو جاؤ اور جہاں چاہو وہاں کھاؤ پیو مگر یہ بھی کہہ دیا تھا کہ جب دروازہ شہر میں داخل ہونے لگو تو شکریہ کے سجدہ کے طور پر جھک کر سر کے بل اور حطۃ کہتے ہوئے داخل ہونا مگر ان لوگوں نے میرا کہنا نہ کیا جب شہر میں داخل ہوئے تو حطۃ کی جگہ حنطۃ فی شعرۃ کہا اور سجدہ کے عوض ایڑیاں رگڑتے ہوئے چوتڑوں کے بل داخل ہوئے۔ میں نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر میرے حکم کے بموجب شہر میں داخل ہوگے تو تمہاری خطائیں بخش دی جائیں گی اور نیکیاں بڑھادی جاوینگی مگر جب انہوں نے حکم کیخلاف کیا جسطرح کہا تھا اسیطرح نہیں داخل ہوئے

[1] سورہ بقرہ زیر آیات ۵۷—۶۱ [2] سورہ مائدہ زیر آیات ۲۰—۲۶۔

حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ

جہاں سے چاہو اور کہو گناہ اترے اور پیٹھو دروازے میں سجدہ کرتے تو بخشیں ہم تمہاری تقصیریں آگے

سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ

اور دیں گے نیکی والوں کو سو بدل لیا بے انصافوں نے ان میں سے اور لفظ سوا اس کے

قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ وَسْــَٔـلْهُمْ

جو کہہ دیا تھا پھر بھیجا ہم نے ان پر عذاب آسمان سے بدلا ان کی شرارت کا اور پوچھ ان سے

عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ

احوال اس بستی کا کہ تھی کنارے دریا کے جب حد سے بڑھنے لگے ہفتے کے حکم میں

تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ

جب آنے لگیں ان پاس مچھلیاں ہفتے کے دن پانی کے اوپر اور جس دن ہفتہ نہ ہو نہ آویں یوں ہم

تو ہیں نے آسمان سے وبا ان پر بھیج دی جس سے دوپہر کے عرصہ میں ستر ہزار کے قریب آدمی ہلاک ہو گئے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے جابرؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے معجزے کے طور پر پندرہ سو آدمیوں اور ان کے جانوروں کیلئے پانی کے نکلنے کا ذکر ہے[۱]۔ اس حدیث کو ان آیتوں کی تفسیر میں یہ دخل ہے کہ آیتوں میں جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے پتھر پر عصا چلنے سے خلاف عادت ضرورت کے موافق پانی نکلا اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے ضرورت کے موافق پانی نکلا۔

۱۶۳۔ یہ قصہ حضرت داؤد علیہ السلام کے وقت کا ہے حضرت صلعم کو اللہ پاک نے حکم دیا کہ یہود سے آپ ہفتہ کے دن شکار کھیلنے والوں کا حال دریافت کریں اور ان کو یہ قصہ سنا کر ڈرائیں کہ کس طرح ان لوگوں پر بسبب مخالفت حکم الٰہی کے عذاب نازل ہوا کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی اسی طرح عذاب آوے تم میری صفت کو جو تمہاری کتابوں میں لکھی ہوئی ہے چھپاتے ہو۔ وہ لوگ بحر قلزم کے کنارے رہتے تھے ابن عباسؓ وغیرہ کا قول ہے کہ مدین اور طور کے درمیان میں ایک قریہ ایلہ تھا وہاں یہ لوگ رہتے تھے ان کو ہفتہ کے دن شکار کرنے کو منع کیا گیا تھا لیکن یہ لوگ بے کہے خدا کے حکم کے خلاف جرأت کر بیٹھے تھے اس لئے ان کی آزمائش کی گئی ہفتہ کے دن جس روز شکار منع تھا کثرت سے مچھلیاں پانی پر آجایا کرتی تھیں اور روز کہیں پتہ بھی نہیں ملتا تھا یہ لوگ امتحان میں پورے نہیں اترے لگے حیلہ کرنے دریا کے کنارے کنارے پانی کاٹ لائے اور ایک گڑھے میں جمع کیا کہ ہفتہ کے دن جب مچھلیاں آویں تو اس جگہ اگر جمع ہو جاویں یہاں سے نکل نہ سکیں پھر ان کو دوسرے روز پکڑ لیں گے مگر پھر بھی مچھلیاں ہاتھ نہ آئیں ہفتہ کی شام کو نکل جاتیں آخر یہ کیا ان لوگوں نے ہفتہ کے دن مچھلیوں کی راہ بند کی اتوار کے دن ان کو پکڑ لیا۔ اللہ نے اس عدول حکمی کا یہ مزہ چکھایا کہ ان کو بندر بنا دیا صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں جابرؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ یہود کو غارت کرے کہ ان پر جب مردہ جانوروں کی چربی کا استعمال اور اس کی خرید و فروخت منع ہوئی تو انہوں نے یہ حیلہ نکالا کہ چربی پگھلا کر تیل کی طرح اس کی خرید و فروخت جاری کر دی[۲] اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت اور حدیث کو ملا کر یہ مطلب قرار پاتا ہے

[۱] مشکوٰۃ ص ۵۳۲ باب فی المعجزات [۲] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۶۷ باب قولہ وعلی الذین ھادوا حرمنا الخ۔

نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ

آزمانے لگے ان کو اس واسطے کہ بے حکم تھے اور جب بولا ایک فرقہ ان میں کیوں نصیحت کرتے ہو

قَوْمَا ۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى

ایک لوگوں کو اللہ چاہتا ہے ان کو ہلاک کرے یا ان کو عذاب کرے سخت بولا الزام اتارنے کو تمہارے

رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ

رب کے آگے شاید وہ ڈریں پھر جب بھول گئے جو ان کو سمجھایا تھا بچا لیا ہم نے جو

کہ یہود نے جس طرح ہفتہ کے دن مچھلیوں کے پکڑنے کا حیلہ نکالا تھا اسی طرح مردہ جانوروں کی چربی کی خرید فروخت کا حیلہ نکال کر اس حیلہ کو حرام چیز کے حلال ٹھہرانے کا ذریعہ اور وسیلہ قرار دیا تھا اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس حیلہ کو حرام چیز کے حلال ٹھہرانے کا وسیلہ قرار دیا جاوے وہ حیلہ جائز نہیں ہے۔

۱۶۴۔۱۶۶۔ اللہ پاک نے ان اصحاب سبت کا حال بیان فرمایا کہ اس قریہ میں تین فرقے ہو گئے ایک تو ہفتہ کے روز شکار کھیلتا تھا دوسرا فرقہ ان کو منع کرتا تھا تیسرا فرقہ وہ تھا کہ نہ شکار کرتا تھا اور نہ منع کرتا تھا ہاں منع کرنے والوں کو صرف یہ کہا کرتا تھا کہ بھائی تم کیوں ان لوگوں کو منع کرتے ہو ان کو اپنے حال میں رہنے دو عنقریب عذاب الٰہی اللہ تعالیٰ بھیجنے والا ہے ہلاک ہونے سے کبھی یہ بچ نہیں سکتے ہیں اللہ پاک نے ان کا حال بیان فرمایا کہ جو فرقہ منع کرتا تھا اس کو اللہ نے بچا لیا اور جو لوگ ہفتہ کے دن شکار کرنے سے باز نہیں آتے تھے ان پر سخت عذاب نازل کیا ایک روز رات کو اپنے اپنے گھروں میں سوتے تھے کہ یکایک سب کے سب بندر ہو گئے صبح کو جب لوگ سوتے سے اٹھے آدمیوں کی آواز نہیں پائی دیواروں پر چڑھ چڑھ کر دیکھا تو آدمی کا کہیں نام و نشان بھی نہیں بندر اچھلتے پھرتے ہیں جب بندروں نے آدمیوں کو دیکھا تو اپنے اپنے کنبہ رشتے کے لوگوں کو پہچان پہچان کر ان کے پیروں پر سر رکھنے لگے اور دم ہلانے لگے آنکھوں سے آنسو جاری تھے ان لوگوں نے کہا کہ ہم پہلے ہی منع کرتے تھے کہ خدا کے حکم کے خلاف نہ کرو تم باز نہیں آئے اب دیکھا اسکا انجام کیا ہوا بندروں نے سر ہلا کر کہا ہاں غرضکہ تین روز تک اس حال میں رہے آخر سر پٹک پٹک کر مر گئے۔ یہ تو دو فرقوں کا حال ذکر کیا گیا کہ ایک ہلاک ہوا دوسرا بچا لیا گیا باقی رہا تیسرا فرقہ جو نہ شکار کرتا تھا اور نہ ان لوگوں کو شکار سے منع کرتا تھا اس کی نسبت مفسرین کا اختلاف ہے کہ وہ بھی ہلاک ہوئے یا بچے۔ بعض کا قول یہ ہے کہ صرف نصیحت کرنے والا گروہ بچ گیا باقی سب ہلاک ہوئے اور بعض کا قول یہ ہے کہ ہلاک صرف وہی فرقہ ہوا جو خطا کار تھا باقی سبھوں نے نجات پائی۔ چنانچہ ابن عباسؓ بھی اسی طرف گئے ہیں کہتے ہیں کہ اس تیسرے فرقے نے نہایت غضبناک ہو کر یہ بات کہی تھی کہ تم لوگ ان کو کیوں نصیحت کرتے ہو اب یہ خود برباد و تباہ ہوا چاہتے ہیں عکرمہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت ابن عباسؓ کے پاس گیا تو وہ قرآن مجید بغل میں دبائے ہوئے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے پہلے تو مجھے ان کے پاس جانے سے کچھ پس و پیش ہوا پھر پاس جا کر بیٹھ گیا اور رونے کا سبب پوچھا کہنے لگا کہ مجھے ان ورقوں نے رولایا ہے یہ کہہ کر سورہ اعراف کے اوراق دکھلائے اور کہا کہ تم ایلہ والوں کو جانتے ہو میں نے کہا ہاں جانتا ہوں فرمایا کہ وہاں یہود کا

يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَئِيْسٍۭ بِمَا

منع کرتے تھے برے کام سے اور پکڑا گنہ گاروں کو برے عذاب میں بدلا ان کی

كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا

بے حکمی کا پھر جب بڑھنے لگے جس کام سے منع ہوا تھا ہم نے حکم کیا کہ ہو جاؤ

قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿۱۶۶﴾

بندر پھٹکارے ؛

ایک قبیلہ رہتا تھا اور ہفتہ کے دن شکار کرنے کا واقعہ بیان کر کے کہا کہ جس رات کو عذاب آیا تو جو لوگ بچ گئے تھے ان میں سے لوگوں نے فصیل شہر پر سیڑھیاں لگا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ سب بندر بنا دئے گئے ہیں دروازہ کھول کر اندر گئے تو بندر اپنے خویش واقربا کو پہچان کر پاس آتے اور ان کے کپڑے سونگھنے لگے مگر یہ لوگ نہیں پہچانتے تھے کہ کون اپنا ہے کون غیر ہے کیونکہ سب کے سب وہ بندر کی صورت میں تھے۔ پھر آیت پڑھ کر فرمانے لگے کہ میں دیکھتا ہوں کہ جو لوگ منع کرتے تھے وہ تو بچ گئے اور جو مرتکب تھے وہ ہلاک ہوئے مگر تیسرے فریق کا حال نہیں معلوم ہلاک ہوئے یا بچے عکرمہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا ہم آپ پر فدا ہو جاویں کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ اس فرقے نے ان لوگوں کو برا جانا اور اس لئے کہا تھا کہ ان کو نصیحت نہ کرو خدا ان کو ہلاک کرنا چاہتا ہے ان بات پر ابن عباسؓ نے خوش ہو کر مجھے انعام کے طور پر دو موٹے کپڑے پہنائے مجاہد نے اسی طرح ابن عباسؓ سے یہ قصہ روایت[1] کیا ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے ابو سعید خدریؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے کہ خلاف شرع بات کو دل سے برا جاننا یہ بھی ایک ضعیف درجہ ایمان کا ہے[2] اس حدیث سے عکرمہ کے قول کی تائید ہوتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس تیسرے فرقہ کو اللہ تعالےٰ نے ضعیف الایمان ایماندار ٹھہرا کہ عذاب سے اگر بچا لیا ہو تو اس کی رحمت سے کچھ دور نہیں صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے اسامہ بن زیدؓ کی حدیث سورہ بقرہ میں گذر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بعضے لوگوں کو دوزخ کے طرح طرح کے عذاب میں گرفتار دیکھ کر ان کے دنیا کے ساتھی ان سے پوچھیں گے کہ تم تو ہم کو نیک کاموں کے کرنے اور برے کاموں سے بچنے کی نصیحت کرتے تھے پھر خود تم نے ایسے کیا برے عمل کئے جن کے سبب[3] سے تم اس عذاب میں گرفتار ہوئے یہ لوگ جواب دیں گے کہ ہم دوسروں کو جو نصیحت کیا کرتے تھے خود اس کے موافق دنیا میں ہمارا عمل نہیں تھا معتبر سند کی مستدرک حاکم کے حوالہ سے عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے کہ سچی توبہ کے لئے پچھلے گناہوں پر نادم ہونا ہی اصل توبہ ہے[4] یہ حدیثیں آیتوں کے اس ذکر کی گویا تفسیر ہیں کیونکہ آیتوں میں اگرچہ یہود کا ذکر ہے لیکن حدیثوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امت محمدیہ میں سے جو دوسروں کو نصیحت کریگا اور اس کے موافق عمل نہ کریگا یا اوپری دل سے توبہ کریگا اس کا بھی یہی حال ہوگا کہ عقبے میں اس کی نصیحت الٹا اس کو رسوا کرے گی اور دنیا میں اس کی توبہ قبول نہ ہوگی ؛

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۵۸ و مستدرک حاکم ج ۴ ص ۳۲۲ کتاب التفسیر [2] صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۲ باب بیان کون النہی عن المنکر الخ

[3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۲ باب الفتنۃ التی تموج کموج البحر الخ

[4] مستدرک حاکم ج ۴ ص ۲۴۳ ‎ السلام توبہ ؛

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ

اور وہ وقت یاد کر کہ خبر کر دی تیرے رب نے البتہ کھڑا رکھے گا یہود پر قیامت کے دن تک کوئی شخص کہ یاد دلائے ان کو بڑی بری

الْعَذَابِ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ښ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾ وَقَطَّعْنٰهُمْ

مار　تیرا رب　شتاب　سزا دیتا ہے　اور وہ بخشتا بھی ہے مہربان　اور متفرق کیا ہم نے

فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۡ وَبَلَوْنٰهُمْ

ان کو　ملک میں فرقے فرقے　بعضے ان میں نیک　اور بعضے　اور طرح کے　اور　آزمایا ان کو

۱۶۷- یہ آیت یہود کی شان میں اتری ہے اللہ پاک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرمایا کہ ہم نے یہود سے یہ بات بکی کر لی تھی کہ اگر توراۃ کے احکام کو چھوڑ دو گے تو یاد رکھو قیامت تک پھر تمہیں عزت نصیب نہیں ہونے کی ہمیشہ دوسروں کے ہاتھ میں ذلیل و خوار رہو گے ایسی قوم کو تم پر مسلط کر دیں گے جو طرح طرح کے برے عذاب تم پر کیا کرے گی یہ بات خدا کی پوری ہو کر رہی ان لوگوں نے خدا کے حکم کے خلاف کیا اور طرح طرح کے حیلے بہانہ نکال نکال کر مجرم ہوتے رہے کہا جاتا ہے کہ پہلے پہلے موسیٰ علیہ السلام نے خود ان پر خراج لگایا سات برس یا تیرہ برس کا ایک دم خراج لگا دیا تھا پھر سلطنت یونان کے بادشاہوں کے زیر حکومت رہے پھر نصاریٰ کے ہاتھ میں مقہور رہے انہوں نے خوب ان کی گت بنائی خوب ہی خوار و ذلیل کیا جزیہ الگ لیا خراج جدا لگایا پھر جب اسلام کا دور دورہ ہوا تو مسلمانوں کے زیر حکومت رہ کر برابر خراج و جزیہ دیتے رہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ اللہ پاک نے جو آیت میں یہ فرمایا ہے کہ برا عذاب کرنے والا ان پر مقرر کر دوں گا وہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت ہیں آپ کی امت قیامت تک انہیں مقہور رکھے گی اکثر مفسرین کا یہی قول ہے آخر کار یہ ہوگا کہ یہود دجال کے ساتھ اس کے مددگار بن کر نکلیں گے اور مسلمان مع عیسیٰ علیہ السلام کے ان کو دجال سمیت قتل کریں گے پھر اللہ پاک نے یہ فرمایا کہ خدا بہت جلد عذاب کرنے والا ہے اور بہت بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اس کے حکم کے خلاف کرتے ہیں اور اس کی شرع سے منہ موڑتے ہیں ان کو بہت جلد پکڑ لیتا ہے اور جو شخص اس کی معافی کا طالب ہوتا ہے اور توبہ کرتا ہے اس پر مہربان ہو جاتا ہے اور گناہ اس کے بخش دیتا ہے اللہ پاک نے یہاں اپنی عقوبت کے ساتھ رحمت کا بھی ذکر کر دیا ہے تاکہ خطا کاروں کو بالکل ناامیدی نہ ہو جائے اور انسان امید و بیم کی حالت میں رہے اس کے قہر سے ڈرتا بھی رہے اور اس کی رحمت کا خیال کر کے بہتری کی امید بھی رکھے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایتیں جو اوپر گذر چکی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا پورا حال لوگوں کو معلوم ہو جاوے تو نیک لوگوں کے دل میں بھی جنت کے ملنے کی آرزو کم ہو جاوے اسی طرح اس کی رحمت کا پورا حال اگر معلوم ہو جاوے تو نافرمان لوگوں کے دل میں بھی جنت کے ملنے کی آرزو پیدا ہو جاوے[۱] اور اللہ کی رحمت اللہ کے غصہ پر غالب ہے[۲] ان حدیثوں کو اس آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے۔

۱۶۸-۱۷۰- یہود کی سلطنت جب تباہ ہوئی تو آپس میں ایسی پھوٹ پڑ گئی جس سے مختلف شہروں میں کچھ ادھر کچھ ادھر ہو گئے۔

[۱] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۵۸ باب الرجاء مع الخوف [۲] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۱۰۱ باب قول اللہ و یحذرکم اللہ نفسہ الخ و صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۵۶ باب سعۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ الخ

بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّیِّاٰتِ لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِھِمْ خَلْفٌ

خوبیوں میں اور برائیوں میں شاید پھر آ دیں پھر ان کے پیچھے آئے ناخلف

وَّرِثُوا الْکِتٰبَ یَاْخُذُوْنَ عَرَضَ ھٰذَا الْاَدْنٰی وَیَقُوْلُوْنَ سَیُغْفَرُ لَنَا

وارث کتاب کے لیتے اسباب اس ادنی زندگی کا اور کہتے ہیں کہ ہم کو معاف ہوگا

وَاِنْ یَّاْتِھِمْ عَرَضٌ مِّثْلُہٗ یَاْخُذُوْہُ اَلَمْ یُؤْخَذْ عَلَیْھِمْ مِّیْثَاقُ الْکِتٰبِ

اور اگر ویسا ہی اسباب پھر آوے تو لے لیویں کیا ان سے نہیں لیا ان پر عہد کتاب کے حق میں

اَنْ لَّا یَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِیْہِ وَالدَّارُ الْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ

کہ نہ بولیں اللہ پر سوائے سچ کے اور پڑھا انہوں نے جو لکھا ہے اس میں اور پچھلا گھر بہتر ہے

اور مختلف مذہب پیدا ہو گئے اسی بات کا ذکر اللہ تعالے نے ان آیتوں میں فرمایا ہے کہ ہم نے یہود کو متفرق گروہ بنا دیا اور دنیا کے اطراف میں ایک کو دوسرے سے جدا کر دیا سلطنت کی باگ ان کے ہاتھ سے نکال دی یہ لوگ ہر سرزمین میں پریشان ہو گئے کوئی شوکت ان کی باقی نہ رکھی جہاں بستے ہیں وہاں دوسرے کے زیر حکومت ہیں پھر فرمایا کہ بعض ان میں صالح اور نیک بخت ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پہلے اپنے دین پر قائم رہے کوئی تبدیل اور تحریف کتاب آسمانی میں انہوں نے نہیں کی اور مرتے دم تک خدا کے احکام پر عمل کرتے رہے اور جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت تک باقی رہے وہ آپ پر ایمان لائے اور بعضے یہود ایسے بدکردار ہیں جنہوں نے احکام الٰہی کو بدل ڈالا اور اپنے دین سے پھر گئے اس میں طرح طرح کی تراش وخراش کی۔ اللہ نے ان کو ہر طرح سے جانچا کبھی تندرستی اور فارغ البالی دی کبھی تکلیف ورنج ان پر نازل کیا کبھی عذاب بھیج کر آزمایا کہ شاید اپنے فعل پر نادم ہو کر حق کی طرف رجوع کریں لیکن کچھ نہ ہوا جو اولاد بھی ان کی پیدا ہوئی وہ بھی ایسی ناخلف ہوئی کہ توریت کے وارث بن کر دنیا کی طمع کرنے لگی ان کے نزدیک رشوت کا لینا ایک ادنی بات تھی سدی کا قول ہے کہ بنی اسرائیل میں جب کوئی قاضی بنتا تھا رشوت لے کر فیصلہ کر دیا کرتا تھا قوم کے نیک بخت لوگ جمع ہو کر قاضی بننے والے شخص سے یہ قول وقرار لیتے تھے کہ تم ایسا کام ہرگز نہ کرنا مگر جب کوئی قاضی ہوا اور لگا رشوت لینے جب اس سے یہ بات کہی جاتی تھی کہ تم عہد کر چکے تھے کہ رشوت نہ لوگے اب یہ کیا بات ہے اس عہد کو بھول گئے تو جواب دیتا تھا کہ خدا بخش دے گا بنی اسرائیل کی قوم مل کر اس پر طعن وتشنیع کرتے تھے پھر اس قاضی کے مرنے کے بعد ان لوگوں میں سے کوئی قاضی ہوتا تو وہ بھی وہی حرکت کرنے لگتا تھا سدی کے اس قول کے موافق آیت کا مطلب ہے کہ جب طعن تشنیع کرنے والوں میں سے کچھ لوگ قاضی ہوئے اور ان کے سامنے دنیا کی دولت آئی تو منہ میں پانی بھر آیا حلال حرام کچھ نہ سمجھا اور جس طرح بن پڑا اس کے لینے میں دریغ نہ کیا اور پھر یہ امید رکھی کہ خدا معاف کریگا۔ اسی کو اللہ پاک نے فرمایا کہ کیا ان سے تورات میں یہ عہد نہیں لے لیا گیا تھا کہ حق کے سوا اور کچھ نہ کہنا حق کو کبھی نہ چھپانا پھر اس کے بعد اللہ جل شانہ نے یہ فرمایا کہ آخرت تو اسی کے حصہ میں ہے جو خدا سے ڈرتا ہو اور وہاں جو کچھ بہتری ہونے والی ہے انہی متقیوں کو ہوگی یہ لوگ تو سمجھ کے اندھے کچھ بھی عقل سے کام نہیں لیتے ہیں اور دنیا کی طلب میں مدہوش ہو رہے ہیں نہ حلال سمجھتے ہیں نہ حرام جو کچھ سامنے آجاتا ہے کیے

لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا

ڈر والوں کو کیا تم کو بوجھ نہیں اور جو لوگ پکڑ رہے ہیں کتاب اور قائم رکھتے

الصَّلٰوةَ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ

ہیں نماز ہم ضائع نہ کریں گے ثواب نیکی والوں کا اور جس وقت اٹھایا ہم نے پہاڑ ان کے اوپر

كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا

جیسے سائبان اور ڈرے کہ وہ گرے گا ان پر پکڑو جو ہم نے دیا ہے زور سے اور یاد کرتے رہو

مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

جو اس میں ہے شاید تم کو ڈر ہو۔

چلے جاتے ہیں پھر اللہ پاک نے ان لوگوں کی تعریف فرمائی جو کتاب کو اس طرح مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں کہ اس کے ہر ایک امر و نہی کو بجالاتے ہیں نماز بھی پڑھتے ہیں ایسے لوگوں کے حق میں فرمایا کہ ہم صلاحیت اور نیکی پر قائم رہنے والوں کا بدلہ اور اجر ضائع نہیں کرتے ہیں آخرت میں اس کا اجر انہیں دیں گے ۔

۱۷۱۔ جب فرعون کو اللہ تعالےٰ نے غرق کر کے ہلاک کر دیا تو بنی اسرائیل کو بڑی خوشی اور آزادی حاصل ہوئی کیونکہ ایک مدت دراز سے بنی اسرائیل فرعون کی قید اور طرح طرح کی سختیوں میں مبتلا تھے ان سختیوں سے چھوٹ جانے اور اس طرح کے دشمن قوی اور زبردست کے ایک دم میں ہلاک ہو جانے سے بنی اسرائیل کے دلوں میں اللہ تعالےٰ کی معرفت بڑھی اور اس کی قدرت کا یقین زیادہ پیدا ہوا ایسی حالت میں پہلے تو انہوں نے حضرت موسٰے سے پورا عہد کیا کہ جس اللہ نے ہم پر یہ احسان کیا ہے اس کی طرف سے کچھ احکام آجاویں گے تو ہم اس کی مرضی نامرضی پہچان کر اس کے موافق پورا عمل کریں گے جب توراۃ نازل ہوئی تو بنی اسرائیل نے اس کے احکام کو سخت خیال کر کے ان احکام کے قبول کرنے سے انکار کیا اس وقت حضرت جبرئیل نے اللہ کے حکم سے ان کے سر پر پہاڑ اٹھایا اور زبردستی ان سے توریت کی تعمیل کرائی بعضے مفسروں نے اس آیت کی تفسیر میں یہ اعتراض جو کیا ہے کہ بموجب آیت لا اکراہ فی الدین (۲:۲۵۶) کے اس طرح کی زبردستی تسلیم دین کیلئے ترد طلب ہے اوپر کے بیان سے اب وہ اعتراض باقی نہیں رہا کس لئے کہ بنی اسرائیل پر وہ پہاڑ بدعہدی کی سزا میں اٹھایا گیا ہے معتبر سند سے ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث سورہ بقر میں گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہدایت کے بعد جو کوئی قوم گمراہ ہوتی ہے جو دین کی باتوں کو زبردستی کے جھگڑوں میں ڈال دیتے ہیں۔[1] اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت اور حدیث کو ملا کر یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے تسلیم کرنے میں زبردستی کے جھگڑے جو نکالتے تھے ان کو اللہ تعالےٰ نے یہ بات یاد دلائی ہے کہ جس تورات پر عمل کرنے کا عہد تمہارے بڑوں سے لیا جا چکا ہے اسی تورات میں نبی آخر الزمان کے اوصاف اور ان پر ایمان لانے کا عہد موجود ہے پھر اس قدر سخت ہدایت کے بعد کتاب آسمانی کے برخلاف طرح طرح کی زبردستی کے جھگڑوں کا نکالنا بڑی گمراہی کی بات ہے اس لئے تورات کا عہد یاد کر کے

[1] الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۔ ۹۴ الترہیب من المراء والجدل۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي

اور جس وقت نکالے تیرے رب نے آدم کے بیٹوں کی پیٹھ میں سے ان کی اولاد اور اقرار کرا دیا ان سے ان

اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ڔ شَهِدْنَا ڔ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

کی جان پر کیا میں نہیں رب تمہارا بولے البتہ ہم قائل ہیں کبھی کہو قیامت کے دن

اس کے موافق تم لوگوں کو عمل کرنا اور بدعہدی کے وبال سے ڈرنا چاہیئے۔

۱۷۲، ۱۷۴۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا ہے کہ ہم نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو جتنی اولاد ان کی ہونے والی تھی ان سب کو آدم اور ان کی اولاد کی پشت سے نکال کر ان سے اس بات کا عہد لے لیا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں میں تمہارا مالک نہیں جس کا جواب انہوں نے ایک زبان ہو کر یہی دیا تھا کہ بیشک تو ہمارا رب ہے اور ہم گواہی دیتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ یہ عہد اس واسطے لیا تھا کہ شاید یہ لوگ قیامت کے دن عذر کریں کہ ہمیں اس بات کی خبر نہ تھی ہم اس سے بالکل غافل تھے یا یہ کہیں کہ دنیا میں جا کر ہم اس کو بھول گئے اس واسطے ان لوگوں کے پاس رسول بھیج کر اس کو جتلایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا کہ ان کو یہ بھی عذر کرنے کا موقعہ نہ ملے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو جو فعل کرتے دیکھا وہی ہمارا بھی مذہب و دین رہا ہمارے سر کام میں وہی مربی و سرپرست تھے ان کے قدم بقدم چلنے ان گمراہوں کی وجہ سے ہماری ہلاکت نہیں ہونی چاہیئے پھر فرمایا کہ ہم اپنی نشانیاں اسی طرح مفصل کر کے بتلاتے ہیں تاکہ لوگ توحید کی طرف رجوع کریں۔ اس بات میں مفسروں کا اختلاف ہے کہ کس مقام پر اللہ پاک نے آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے ان کی ذریات کو نکالا تھا حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مقام بطن نعمان میں جو عرفات کے قریب ہے وہاں ان کی اولاد کو نکال کر یہ عہد و پیمان مضبوط کیا تھا اور دوسرا قول حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ ہے کہ دھنا میں جو ملک ہند میں ایک مقام کا نام ہے جہاں آدم علیہ السلام جنت سے اتارے گئے تھے وہاں یہ عہد لیا گیا ہے اور کلبی کہتے ہیں کہ مکہ اور طائف کے درمیان میں یہ ہوا تھا[1] مسلم بن یسارؒ کی حدیث جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے اس کو ترمذی[2] ابوداؤد و مالک نے روایت کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مسلم بن یسارؒ نے اسی آیت کے متعلق حضرت عمرؓ سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی اس طرح اس آیت کی بابت پوچھا گیا تھا آپ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے ان کی پیٹھ پر دونوں ہاتھ پھیرے داہنا ہاتھ پھیرنے سے جس قدر ذریات نکلیں ان کی نسبت یہ حکم فرمایا کہ ان کو میں نے جنتی پیدا کیا ہے یہ لوگ اہل جنت کا عمل کریں گے اور بائیں ہاتھ کے پھیرنے سے جس قدر اولاد پیدا ہوئی ان کو فرمایا کہ یہ سب دوزخی ہیں اور اہل دوزخ کا عمل کریں گے جب یہ بات حضرت صلعم نے فرمائی تو ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پھر عمل کیوں کیا جائے کیونکہ یہ بات پہلے ہی طے ہو چکی ہے کہ کون بہشتی ہے اور کون جہنمی پھر عمل کرنے سے کیا فائدہ آپ نے جواب دیا کہ اللہ پاک نے جن بندوں کو جنت کے واسطے پیدا کیا ہے ان کو وہ جنت والوں کے عمل کی توفیق دیتا ہے اور ویسا ہی کام ان سے لیتا ہے یہاں تک کہ وہ لوگ اسی حالت پر دنیا سے اٹھ جاتے ہیں اور جن لوگوں کو دوزخ کے واسطے بنایا ہے ان سے وہ ویسا ہی کام لیتا ہے اور مرتے دم تک وہ لوگ اہل دوزخ کا عمل کرتے رہتے ہیں[3] ابی بن کعبؓ کی

[1] یہ تینوں قول تفسیر فتح البیان ج ۴ ص ۱۱۱ — ۱۱۲ میں دیکھئے [2] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۳۳ تفسیر سورۃ الاعراف و مشکوٰۃ ص ۲۱ باب الایمان بالقدر فصل دوسری۔

إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَٰفِلِينَ ﴿۱۷۲﴾ أَوْ تَقُولُوٓا۟ إِنَّمَآ أَشْرَكَ ءَابَآؤُنَا مِن

ہم کو اس کی خبر نہ تھی یا کہو کہ شریک تو کیا ہمارے باپ دادوں نے

قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنۢ بَعْدِهِمْ ۖ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ ٱلْمُبْطِلُونَ ﴿۱۷۳﴾

پہلے اور ہم ہوئے اولاد ان کے پیچھے تو ہم کو کیوں ہلاک کرتا ہے ایک کام پر کر کیا ہے خطا والوں نے

ایسی حدیث اس مضمون کی آیت کے متعلق امام احمدؒ نے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کی کل اولاد کو اکٹھا کر کے اس طرح علیحدہ علیحدہ گروہ کر دیا کہ انبیا کو الگ اولیاء کو جدا شہیدوں کو علیحدہ نیک بختوں کو ایک طرف بد بختوں کو دوسری طرف یہود و نصاریٰ مجوس کل فرقے در ہر مذہب کے لوگوں میں ایک کو دوسرے سے متفرق کر کے ان کی صورتیں بنائیں کسی کو خوبصورت کسی کو بدصورت کوئی لنگڑا کسی کو بہرا کسی کو کانا غرضکہ جس کو جیسا پیدا کرنا تھا ویسی ہی ظاہر کیا پھر سب سے قول و اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سبھوں نے کہا کہ ہاں تو ہمارا رب ہے پھر فرمایا کہ دیکھو یہ آسمان اور زمین اور تمہارے باپ آدمؑ اس بات کے گواہ ہیں کبھی ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن تم کہنے لگو ہم اس سے بالکل بے خبر تھے تو جان لو کہ میرے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے اور نہ میرے سوا کوئی اور رب ہے خبردار میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا ہم اس عہد و میثاق کے یاد دلانے کو پیغمبر اور اپنے رسول بھیج دیں گے اور اپنی کتابیں ان پر اتاریں گے تاکہ پھر تم کوئی عذر و حیلہ نہ کر سکو ان سب نے کہا کہ تو ہمارا رب ہے تیرے سوا اور کوئی ہمارا معبود نہیں ہے اور سبھوں نے اس بات کا پکا اقرار کر لیا پھر آدم علیہ السلام نے نظر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تو بعضوں کو خوبصورت کسی کو بدصورت کوئی فقیر کسی کو تونگر پایا کہا کہ اے معبود تو ان کو یکساں پیدا کرتا تو سب ایک حال میں رہتے اللہ پاک نے جواب دیا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تونگر لوگ میرا شکر اور فقیر لوگ اپنی حالت پر صبر کریں پھر آدم علیہ السلام نے انبیا علیہم السلام کی طرف دیکھا کہ چراغ کی روشنی کی طرح ان پر نور برس رہا تھا ان سے دوسرا عہد و پیمان لیا گیا ہے جو رسالت اور نبوت کے متعلق تھا جس کا ذکر اللہ پاک نے آیت واذ اخذنا من النبیین میثاقھم (ج ۳۳) میں فرمایا ہے مسند امام احمد کی سند معتبر ہے مسلم بن یسار کی روایت کے متعلق اگرچہ منذری نے یہ اعتراض کیا ہے کہ مسلم بن یسار کو حضرت عمرؓ سے کسی حدیث کی سماعت کا موقع نہیں ملا اس لئے اس حدیث کی سند پوری نہیں ہے لیکن موطا امام مالک اور مستدرک حاکم کی سند پوری ہے اسی واسطے حاکم نے اس حدیث کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے غرض اس حدیث کے سب طریقوں کے ملنے سے اس حدیث کو معتبر قرار دیا جا سکتا ہے اسی وجہ سے ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے صحیح بخاری و مسلم میں انس بن مالکؓ کی حدیث ہے جس میں یہ ہے کہ کم سے کم عذاب والے دوزخیوں سے اللہ تعالےٰ قیامت کے دن یہ پوچھے گا کہ تم لوگوں کے پاس اگر تمام دنیا کی دولت ہو تو تم اس کو معاوضہ میں دے کر اس عذاب سے نجات پانے کی تمنا دل میں رکھ سکتے ہو وہ لوگ جواب دیں گے کہ ہاں اس پر اللہ تعالےٰ فرما دیگا کہ جب تم لوگ آدمؑ کی پشت میں ہی تھے تو تم سے توحید کا عہد لیا گیا تھا لیکن تم لوگ دنیا میں اس عہد پر قائم نہیں رہے اس لئے آج مشرکوں کی کسی طرح نجات نہیں ہو سکتی بعضے مفسروں نے اس یوم المیثاق کے عہد کی تفسیر میں یہ جو لکھا ہے

۱؎ مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر فصل تیسری ۲؎ مستدرک حاکم ج ۲ ص ۳۲۳-۳۲۴ کتاب التفسیر و جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۳۳ تفسیر سورۃ الاعراف
۳؎ تنقیح الرواۃ ج ۱ ص ۲۵ میں یہ ساری تفصیل موجود ہے ۴؎ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۶۱۔

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ

اور یوں ہم کھولتے ہیں باتیں شاید وہ پھر آویں اور سنا ان کو احوال

کہ ہر شخص کو فطرت اسلام پر پیدا کرنا آسمانی کتابوں کا متواتر نازل فرمانا ان کتابوں کا مطلب سمجھانے کے لئے رسولوں کا بھیجنا اسی کو عہد فرمایا ہے عالم ارواح میں اور کوئی عہد نہیں لیا گیا۔ یہ تفسیر انس بن مالک رضی کی اس صحیح حدیث کے مخالف ہے کیونکہ اس صحیح حدیث سے عالم ارواح میں توحید کے عہد کا لیا جانا صاف طور پر ثابت ہوتا ہے۔ اس عہد کی بابت اوپر یہ ذکر جو گذرا کہ یہ عہد حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر اتائے جانے کے بعد لیا گیا ہے یہ ذکر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اور عبداللہ بن عمر رضی کے قول کے موافق ہے کوئی حدیث نبوی اس باب میں نہیں ہے۔ اس عہد یوم المیثاق میں اللہ تعالےٰ کی طرح طرح کی حکمتیں ہیں جن کو وہی خوب جانتا ہے مثلاً جو بچہ ایسی چھوٹی عمر میں مر جاوے کہ اس کو آسمانی کتاب اور رسول وقت کی نصیحت سے ہدایت پانیکا موقعہ نہ ملا ہو تو اس کے لئے یہی توحید میثاقی نجات کا سبب ٹھہر جاتی ہے۔ دنیا عالم اسباب میں یہی میثاقی عہد اس بات کا سبب قرار پایا ہے کہ ہر شخص فطرت اسلامی پر پیدا ہوتا ہے دنیا میں پیدا ہونے کے بعد اس عہد کے یاد نہ ہونے میں مثلاً یہ حکمت ہے کہ دنیا آسمانی کتابوں اور رسولوں پر اختیاری ایمان لانے کے امتحان کے طور پر پیدا کی گئی ہے اس عہد کے یاد رہنے کی صورت میں وہ امتحانی حالت اچھی طرح باقی نہیں رہتی تھی بلکہ ہر شخص اس عہد کی پابندی پر اپنے آپ کو مجبور خیال کر کے ایمان لاتا اور اس طرح کا مجبوری کا ایمان بارگاہ الٰہی میں مقبول نہیں ہے اس واسطے حکمت الٰہی اس بات کی مقتضی ہوئی کہ بغیر آسمانی کتابوں اور رسولوں کی یاد دہی کے خود یہ عہد لوگوں کو یاد نہ رہے۔ مجبوری کے ایمان کے مقبول نہ ہونیکا ذکر سورہ انعام میں گذر چکا ہے۔

۱۷۵- اس آیت میں اللہ پاک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ تم یہود کو اس شخص کے حال کی اطلاع دیدو جس کو اللہ نے اپنی نشانیاں دی تھیں اور وہ نشانیاں اس کے کفر کی وجہ سے اس طرح اس سے نکل گئیں جیسے سانپ اپنی کینچلی سے نکل جاتا ہے یہ شخص بلعم باعورا تھا بنی اسرائیل کے منتخب علماء میں اس کا شمار کیا جاتا تھا اور بعضوں نے کہا ہے کہ کنعانیوں میں سے یہ شخص تھا لوگوں نے اس سے کہا تھا کہ موسے علیہ السلام پر بد دعا کرو اس نے جو بددعا کی تو اس کی زبان منہ سے باہر نکل آئی اور سینے تک لٹک گئی یہ شخص خدا کا مقرب تھا مگر دنیا کے لالچ سے شیطان کا تابع ہو گیا اور خدا کی معصیت کرتے کرتے گمراہ ہو گیا اس کا مفصل قصہ جو حضرت ابن عباس رضی وغیرہ نے بیان فرمایا ہے وہ یوں ہے کہ جب موسے علیہ السلام قوم جبارین کی جنگ کے ارادہ سے سرزمین کنعان میں جو ملک شام میں واقع ہے پہنچے تو بلعم باعورا کی قوم اس کے پاس آئی بلعم باعورا اسم اعظم جانتا تھا لوگوں نے اس سے کہا کہ تم دیکھتے ہو کہ موسے علیہ السلام ہمارے ملک پر چڑھ آئے ہیں اور یہ بڑے سخت و قوی آدمی ہیں ان کے ساتھ لشکر بھی بے شمار ہے یہ لوگ ہمیں قتل کر ڈالیں گے اور ملک سے نکال ڈالیں گے اور بنی اسرائیل ہماری جگہ حکومت کرنے لگیں گے۔ تمہیں خدا نے وہ علم عطا کیا ہے کہ جس کے سبب سے تمہاری دعا کبھی ٹلتی نہیں ہے تم خدا سے دعا کرو کہ یہ لوگ الٹے چلے جاویں۔ بلعم باعورا نے کہا کہ یہ سخت مشکل ہے وہ خدا کے رسول ہیں ان کے ساتھ مومنین کے علاوہ فرشتے بھی ہوں گے میں خدا کی جتنی باتیں جانتا ہوں تم نہیں جانتے

الَّذِیۡۤ اٰتَیۡنٰهُ اٰیٰتِنَا فَانۡسَلَخَ مِنۡهَا فَاَتۡبَعَهُ الشَّیۡطٰنُ فَكَانَ مِنَ الۡغٰوِیۡنَ ﴿۱۷۵﴾

اس شخص کا کہ ہم نے اس کو دی تھیں اپنی آیتیں پھر ان کو چھوڑ نکلا پھر پیچھے لگا اس کے شیطان تو وہ ہوا گمراہوں میں

اگر میں دعا کروں گا تو میری دنیا و آخرت خراب ہو جائے گی مگر قوم نے اپنا اصرار نہ چھوڑا پیچھے پڑ گئے اور نہایت ہی عاجزی و منت کرنے لگے آخر بلعم نے کہا کہ ٹھہر جاؤ میں اسکا استخارہ کر لوں بلعم کی یہ عادت تھی کہ جب دعا کا ارادہ کرتا تھا تو خواب میں اس کا استخارہ پہلے کر لیا کرتا تھا اس مرتبہ اس کو خواب میں یہ حکم ہوا تھا کہ ہرگز موسیٰ علیہ السلام پر بد دعا نہ کرنا اس نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا کہ میں بد دعا نہیں کر سکتا مجھے خواب میں منع کر دیا گیا ہے پھر لوگوں نے اس کے پاس کچھ رشوت کے طور پر تحفہ بھیجا اور دعا کو کہا اس نے پھر وہی جواب دیا کہ میں استخارہ کر لوں اس مرتبہ اس کو کچھ نہیں معلوم ہوا اس نے ان لوگوں سے بیان کیا کہ آج رات کو کوئی بات نہیں معلوم ہوئی قوم نے کہا کہ اب ضرور بد دعا کر دو کیونکہ یہ امر اگر خدا کو منظور نہ ہوتا تو اس مرتبہ بھی وہ منع کرتا اور بہت ہی اصرار کے ساتھ منت و عاجزی کرنے لگی۔ آخر ان کی باتوں میں آکر اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر پہاڑ کی طرف چلا جس کا نام حسبان تھا اسی کے سامنے بنی اسرائیل آتے تھے تھوڑی دور اونٹنی چل کر بیٹھ گئی اس نے اتر کر اسے مارا اور پھر سوار ہو کر چلا مگر اونٹنی چار چار پانچ پانچ قدم چل چل کر بیٹھ جاتی تھی اللہ جل شانہ نے اونٹنی کو گویائی دی وہ بولی کہ اے بلعم تو کس بات کا ارادہ کرتا ہے کیا خدا کے رسول اور مومنوں کے واسطے بد دعا کرے گا میرے سامنے فرشتوں کے پرے کے پرے کھڑے ہیں میں کس طرح آگے چلوں مگر وہ اس بات کا مطلق دل میں خوف نہ لایا پھر اللہ پاک نے حجت تمام کر کے اونٹنی کو رستہ دے دیا وہ پہاڑ کی طرف اس کو لے گئی جب یہ پہاڑ پر چڑھ گیا تو دعا کرنے لگا جو بد دعا بنی اسرائیل کے لئے کرنا چاہتا تھا وہ اپنی قوم کو کرنے لگا اور جو دعا اپنی قوم کے لئے کرتا تھا وہ بنی اسرائیل کے واسطے منہ سے نکلتی تھی اس کی قوم نے اس سے کہا کہ اے بلعم ہوش میں آ یہ کیا کرتا ہے ہمارے لئے بد دعا کرتا ہے اور بنی اسرائیل کے واسطے دعا کر رہا ہے اس نے کہا کہ میری زبان قابو میں نہیں ہے اسی وقت اللہ تعالیٰ نے اس کی زبان منہ سے باہر نکال دی اور سینہ تک لٹکا دی پھر بلعم باعورا نے کہا کہ میں نے تمہارے کہنے سے اپنی دنیا اور آخرت دونوں بگاڑ دیں اب میرے قبضہ میں کوئی بات نہیں ہے ہاں ایک حیلہ سمجھ میں آتا ہے تم اپنی عورتوں کو زیوروں سے آراستہ کر کے بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیج دو اور عورتوں سے کہہ دو کہ بنی اسرائیل میں سے اگر کوئی مرد کسی عورت کی طرف مخاطب ہو تو وہ عورت انکار نہ کرے اگر ایک شخص نے بھی زنا کر لیا تو کام بن جائیگا غرضکہ کنعانیوں کی عورتیں سنگار کر کے لشکر کی طرف گئیں شمعون بن یعقوب ایک شخص لشکر کا سپہ سالار تھا اسے ایک عورت بہت پسند آئی وہ اسے لے کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس گیا اور کہا کہ میرا گمان اس عورت کی نسبت یہ ہے کہ آپ اس کو حرام سمجھیں گے موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہ مجھ پر بھی حرام ہے اور تجھ پر بھی حرام ہے اس نے یہ بات سنتے ہی قسم کھالی کہ میں آپ کی اطاعت نہیں کرونگا اور خیمہ میں عورت کو لے جا کر فعل بد کا مرتکب ہوا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا نے طاعون بھیج دیا ایک دم میں ستر ہزار آدمی اس وبا سے ہلاک ہو گئے اور بعضے مفسروں نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ شخص جس کی شان میں یہ آیت اتری ہے امیہ بن ابو الصلت تھا جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا ہے اس کو اگلی پچھلی کتابوں سے واقفیت تھی پڑھا بھی کرتا تھا اسے معلوم تھا کہ ایک رسول اللہ تعالیٰ بھیجنے والا ہے یہ اپنے خیال میں یقین کئے بیٹھا تھا کہ وہ نبی میں ہونگا جب اللہ پاک نے آنحضرت کو رسول مقرر کیا تو اس نے حسد کے مارے

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ

اور ہم چاہتے ہیں تو اس کو اٹھا لیتے ان آیتوں سے لیکن وہ رہ گیا پڑا زمین پر اور چلا اپنے چاؤ پر

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ

تو اس کا حال جیسے کتا اس پر تو لادے تو ہانپے اور چھوڑ دے تو ہانپے

آپ کی مخالفت شروع کی اور باوجود طرح طرح کے معجزے دیکھنے کے آپ پر ایمان نہیں لایا اگرچہ سوا اس کے بعضے مفسرین نے اس آیت کی شان نزول اور قصوں کو بھی قرار دیا ہے لیکن اس تفسیر کے مقدمہ میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ علی بن ابی طلحہ کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت تفسیر کے باب میں بڑی معتبر روایت ہے تفسیر ابن جریر میں اسی روایت سے بلعم باعورا کے قصہ کو آیت کی شان نزول قرار دیا گیا ہے اس لئے یہی شان نزول صحیح ہے[1] معتبر سند سے ابن ماجہ اور طبرانی میں زید بن ثابتؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص عقبےٰ سے غافل ہو کر اپنی زندگی کا مدار دنیا کمانے پر رکھے گا اس کو دنیا تو اسی قدر ملے گی جس قدر اس کی تقدیر میں ہے لیکن عقبیٰ کی غفلت کے سبب سے اللہ تعالےٰ ایسے شخص کو دنیا میں بہت پریشان رکھے گا جس سے ایسا شخص دنیا کی زندگی اطمینان سے کبھی بسر نہیں کر سکتا[2]۔ اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت اور حدیث کے ملانے سے یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ بلعم باعورا کی طرح جو شخص عقبیٰ سے غافل ہو کر اپنی زندگی کا مدار دنیا کمانے پر رکھے گا اسکا وہی انجام ہوگا جو بلعم باعورا کا ہوا +

۱۷۶-۱۷۷- پھر اللہ پاک نے یہ فرمایا کہ ان نشانیوں اور کرامات کی وجہ سے جو ہم نے بلعم کو دی تھیں کہ اس کو اسم اعظم کا علم دیا تھا دعا میں اس کی نامقبول نہیں ہوتی تھیں اگر ہم چاہتے تو اس کو بہت بڑا مرتبہ دیتے مگر وہ گمراہ ہو کر دنیا حاصل کرنے کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش کا تابع ہو کر اس نے اپنی قوم کی خوشی چاہی پھر اللہ پاک نے مثال بیان فرمائی کہ اس کی مثال کتے کی سی ہے کہ ہر وقت ہانپتا رہتا ہے اگر اس پر کچھ بوجھ لادو تو بھی ہانپتا ہے اور اگر نہ بوجھ لادو جب بھی ہانپتا ہے کتے کی یہ عالت ہمیشہ رہتی ہے آرام و راحت کے وقت بھی اور نقصان و مشقت کے وقت بھی کوئی گھڑی اس کی ہانپنے سے خالی نہیں جاتی ہے اسی طرح ان لوگوں کی بھی حالت ہے جو عقبےٰ کے منکر اور دنیا کی حرص میں لگے رہتے ہیں خواہ ان کو پند و نصیحت کیجے یا نہ کیجے ان کی گمراہی اور دنیا کی حالت کی سرگردانی نہیں کی جا سکتی کبھی یہ لوگ راہ راست پر نہیں آسکتے اسی کو فرمایا کہ یہی مثال ہے ان لوگوں کی جو عقبےٰ کو جھٹلاتے رہیں کہ کبھی یہ ہدایت نہیں پاسکتے پھر آنحضرت صلعم کو خطاب فرمایا کہ آپ لوگوں سے ان قصوں اور مثالوں کو بیان فرما دیں تاکہ شاید یہ لوگ غور و فکر کریں پھر فرمایا کہ جو قوم احکام الٰہی کو جھٹلاتی ہے اس کی بہت ہی بری مثال ہے یہ لوگ آپ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کی ساری حجتیں ان کی آنکھوں کے سامنے ہو گئیں اور ان لوگوں نے خوب اچھی طرح ان کو جان لیا لیکن وہ گمراہی سے باز نہ آئے اوپر کی آیت کی تفسیر میں زید بن ثابتؓ کی حدیث جو گذر چکی ہے وہی حدیث اس آیت کی بھی گویا تفسیر ہے کیونکہ آیت اور حدیث کے ملانے سے یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ بلعم باعورا نے عقبیٰ کی

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۹ ص ۱۳۱ - ۱۲۶ و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۶۵

[2] ابن ماجہ ص ۳۰۲ باب الہم بالدنیا -

ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ
یہ مثال ہے ان لوگوں کی کہ جھٹلائیں ہماری آیتیں سوتو بیان کر احوال شاید وہ

يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَآءَ مَثَلَاۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ
دھیان کریں بُری کہاوت ان لوگوں کی کہ جھٹلادیں ہماری آیتیں اور اپنا ہی

كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ
نقصان کرتے رہے جس کو اللہ راہ دے وہی پاوے راہ اور جس کو وہ بھٹکادے

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ
سو وہی ہیں زیاں میں اور ہم نے پھیلا رکھے ہیں دوزخ کے واسطے بہت جن

خرابی سے غافل ہوکر دنیا کے فائدہ پر اپنی زندگی کا مدار تھا اس لئے اس کو دنیا کا فائدہ تقدیر الٰہی سے کچھ زیادہ ہونا تو درکنار بلکہ عقبیٰ کی غفلت کے سبب سے وہ دین و دنیا کی خرابی میں پڑ گیا۔

۱۷۸- یہ اللہ پاک نے اس بات کی صراحت فرمائی کہ ہدایت اور گمراہی دونوں خدا کے ہاتھ میں ہیں جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو ہدایت کرتا ہے وہ ہدایت پا جاتا ہے ایسا نہیں ہوتا کہ جس کو خدا ہدایت کرے وہ گمراہ کا گمراہ ہی رہے اور جس کو وہ گمراہ کر دیتا ہے اسکا کوئی ہدایت کرنے والا نہیں ہے اور ایسے لوگ بڑا نقصان اٹھاتے ہیں صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ماں کے پیٹ میں جب بچے کا پتلا چار مہینے کے عرصہ میں بن کر تیار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالےٰ کے علم ازلی کے موافق یہ لکھ لیا جاتا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد یہ بچہ نیک اٹھے گا یا بد اس لکھنے کے موافق جو لوگ اللہ تعالےٰ کے علم میں نیک ٹھہر چکے ہیں ان سے اللہ تعالےٰ دنیا میں نیک کام لیتا ہے اور جو لوگ اللہ تعالےٰ کے علم ازلی میں بد قرار پا چکے ہیں ان کو مجبور کیا جاکر راہ راست پر لانا منظور الٰہی نہیں ہے[۵] کیونکہ دنیا نیک و بد کے اس امتحان کے لئے پیدا کی گئی ہے کہ دنیا میں کون شخص اپنے اختیار سے نیک کام کرتا ہے اور کون شخص بُرے کاموں میں اپنی عمر گذارتا ہے مجبوری کی حالت میں یہ امتحان باقی نہیں رہتا اس لئے مجبور کر کے کسی کو راہ راست پر لانا انتظام الٰہی کے برخلاف ہے اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کس لئے کہ آیت اور حدیث کو ملا کر یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ اپنے علم ازلی کے موافق اللہ تعالےٰ نیکوں کو نیک کام میں لگا دیتا ہے اور جو لوگ علم الٰہی میں بد قرار پا چکے ہیں ان کو راہ راست پر لانے کے لئے مجبور کرنا اللہ تعالےٰ کو منظور نہیں اس لئے اللہ تعالےٰ نے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا ہے جس سے وہ عمر بھر بدی میں لگے رہے اور اس بدی کی سزا کے سبب سے ان کو عقبیٰ میں بڑا نقصان اٹھانا پڑے گا۔

۱۷۹- اکثر فلسفی اور دہریہ اور معتزلے اور قدریہ جنات کے وجود کے جو منکر ہیں ان کا بے راہ ہونا اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ جو چیز اللہ تعالےٰ نے پیدا کی ہے اور اس کے پیدا کرنے کی خبر اپنے کلام پاک میں دی ہے وہ ضرور موجود اور دنیا میں اسکا وجود ہے اور اس کے وجود سے انکار کرنا کلام الٰہی سے انکار کرنا ہے رہی یہ بات کہ ہماری قوت بصارت میں اللہ تعالےٰ نے وہ

[۵] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷۶ کتاب القدر۔

وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۖ

اور آدمی ان کے دل ہیں ان سے سمجھتے نہیں اور آنکھیں ہیں ان سے دیکھتے نہیں

طاقت نہیں دی ہے کہ ہم جنات کو اصلی صورت میں دیکھ سکیں تو یہ کوئی عقل کی بات نہیں ہے کہ جس چیز کو ہم آنکھوں سے نہ دیکھیں اسکا انکار کریں سینکڑوں عجائبات اللہ کی قدرت کے دنیا میں ایسے ہیں کہ انسان کی آنکھ میں ان کے دیکھنے کی قوت نہیں ہے خود انسان کی روح بدن انسانی میں ایسی چیز ہے جس کو کسی انسان نے آج تک نہیں دیکھا تو کیا کوئی عقل یہ حکم لگا سکتی ہے کہ روح کے وجود کا انکار کیا جاوے اور دنیا میں مردہ اور زندہ کو ایک کہا جاوے اصل بات یہ ہے کہ منکر شریعت لوگوں نے جس طرح شریعت کو نہیں جانا کہ شریعت کیا چیز ہے اسی طرح انہوں نے عقل کو بھی یہ نہیں جانا کہ عقل کیا اور کس مصرف کی چیز ہے انسان میں عقل خدا تعالیٰ نے اس لئے پیدا کی ہے کہ آنکھ کان وغیرہ حواس سے جو چیزیں دریافت میں آسکتی ہیں ان چیزوں کی دریافت کے بعد آدمی ان چیزوں سے کوئی منتیجہ دینی یا دنیوی عقل کے ذریعہ سے پیدا کرے نتیجہ دینی مثلاً مخلوق سے خالق کو پہچاننا نتیجہ دنیوی مثلاً ان چیزوں میں کوئی تصرف عقلی تجارتی یا حرفتی پیدا کر کے کسی ذریعہ معاش کا پیدا کرنا یہاں تک کی دریافت سے جو چیزیں بالکل الگ اور غائب چیزیں ہیں مثلاً یہ کہ آسمان کے اوپر کیا ہے مرنے کے بعد کیا ہوگا بدن کے تعلق سے پہلے روح کہاں تھی فرشتوں کا جنات کا وجود ہے یا نہیں اور ہے تو کیسا ہے یہ چیزیں بدون علم آسمانی کے عقل کو کیونکر اور کس ذریعہ سے معلوم ہو سکتی ہیں ان لوگوں نے بلا مناسبت عقل کو ایسی چیزوں میں لگایا ہے نتیجہ جس کا یہی ہے کہ الٰہیات میں بے گنتی غلطیاں کی ہیں اور پھر بھی ایک بات پر قیام نہیں جس طرح مادر زاد اندھا آدمی ایک کپڑے کے رنگ کو اٹکل سے کبھی لال کہہ دیتا ہے کبھی زرد کبھی اودا حالانکہ وہ کپڑا سبز رنگ کا ہے اسی طرح الٰہیات میں بڑے بڑے حکما کا یہ حال ہے کہ الٰہیات کا کوئی مسئلہ صاف نہیں ایک کی بات پر دوسرا بے کھٹکے اعتراض کرنے کو موجود ہے ذریعہ علم اگر ناقص نہیں اور جس کا نام علم رکھا ہے وہ محض رنگ کے پہچاننے میں اندھے کیسی اٹکل نہیں ہے تو ان لوگوں میں یہ آپس کی آپا دھاپی کیوں ہے کوئی حکیم صاحب ذرا اس پر بھی تو غور کریں کیا خاک غور کریں گے عقلی عالموں کے حق میں خود عقل کے پیدا کرنے والے نے فرمادیا وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ (۴۳: ۲۰) جس کا مطلب یہ ہے کہ ان اٹکلی اندھوں کو کیا علم ہے کچھ نہیں محض اٹکل لڑاتے ہیں جنات کے وجود کے سوا جنات کے بارہ میں اور بھی چند اختلاف ہیں مثلاً جنات اور شیاطین علیحدہ ہیں یا ایک ہیں جنات کھاتے پیتے ہیں یا نہیں جنات کے یہاں اولاد ہوتی ہے یا نہیں جنات کسی شریعت کے پابند ہیں یا نہیں جنات کے رسول جن ہوتے ہیں یا انسان جنات کے لئے آخرت کا عذاب ثواب ہے یا نہیں حدیث کی کتابوں میں بدء الخلق کی بحث خصوصاً صحیح بخاری اور اس کی شرح فتح الباری دیکھی جاوے[1] تو یہ سب اختلاف رفع ہو سکتے ہیں حاصل جس کا یہ ہے کہ جنات اور شیاطین کا مادہ پیدائش اگرچہ ایک ہے آگ کی لو سے دونوں پیدا کئے گئے ہیں لیکن شیاطین علیحدہ ہیں کھاتے پیتے دونوں ہیں مباشرت اور توالد دونوں میں ہے تھوڑی ترمیم کے بعد انسانوں کے نبی وقت کی شریعت کے پابند جنات بھی ہیں مثلاً شریعت محمدی میں لید انسانوں کو حرام ہے جنات کو حلال ہے حضرت یوسفؑ اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم جن و انس دونوں کے رسول ہیں باقی

[1] فتح الباری ج ۳ ص ۲۱۱ - ۲۱۲ باب ذکر الجن وثوابہم وعقابہم ۱۲

وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ

اور کان ہیں ان سے سنتے نہیں وہ جیسے چوپائے بلکہ ان سے زیادہ بے راہ

انبیاء انسانوں کے رسول تھے اور جنات میں جن اُن کے نائب تھے عذاب ثواب ثقلین جن وانس دونوں کو ہے شیاطین میں کوئی نیک نہیں ہوتا اس لئے ان پر آخرت میں فقط عذاب ہے بعضے لوگوں نے یہ اعتراض جو کیا ہے کہ جب جنات اور شیطان آگ کی لو سے بنے ہیں تو سرکش جنات اور شیاطین پر دوزخ کے عذاب کا کیا اثر ہوگا جواب اس کا یہ ہے کہ خاص ترکیب کی غرض سے جس طرح آدمی میں مٹی کا جز ہے اور آدمی خاکی کہلاتا ہے اس طرح جنات میں آگ کا جز ہے اور وہ آتشی کہلاتے ہیں خاکی آدمی پر ہزار یا من کی مٹی کی دیوار آپڑے تو مٹی سے مٹی کو کچھ تکلیف ہوگی یا نہیں اسی طرح پہاڑ کے پہاڑ آگ کے جنات اور شیاطین کے اجسام ترکیبی کو اثر عذاب پہنچاویں گے حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ انسان اور جن تکلیفات شرعیہ کے مکلف ہیں اور ان کو راہ نیک پر لگانے کے لئے اس عالم اسباب میں رسول کتاب الٰہی اور طرح طرح کی ہدایت کے سبب ہیں اور ان کو آنکھیں کان ان سببوں کے دیکھنے سننے کے لئے اور دل ان اسباب کے سمجھنے کے لئے اور معرفت الٰہی ان اسباب سے پیدا کرنے کے لئے دئے گئے ہیں جو جنات اور انسان ان سببوں کے دیکھنے سننے سمجھنے سے غافل ہیں وہ دنیا میں حیوانوں سے بدتر ہیں کیونکہ حیوان اپنے نیک و بد کو سمجھتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے حیوان خدا کے فرمانبردار ہیں اور یہ نہیں ہیں اور علم الٰہی کے موافق اس طرح کے اسباب ہدایت کا غافل جن وانس کا گروہ دوزخ میں جھونکا جاویگا یہاں یہ ایک اعتراض بعضے معترضوں نے کیا ہے کہ جب علم الٰہی میں یہ لوگ دوزخ میں جھونکے جانیکے لائق قرار پا چکے تھے تو ان کو اسباب ہدایت خلاف علم الٰہی اور خلاف قضا و قدر کیا مفید ہو سکتے تھے کیونکہ جگہ جگہ قرآن میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ ایسے لوگوں کے دلوں اور آنکھ کان پر خدا کی طرف سے مہر لگی ہوئی ہے پھر ان کی آنکھیں نہ ان اسباب ہدایت کو دیکھ سکتی ہیں نہ کان سن سکتے ہیں نہ دل ہدایت کی بات کو کچھ سمجھ سکتا ہے جواب اس کا یہ ہے کہ دنیا کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے دنیا کے پیدا ہونے کے بعد میں جو کچھ ہونے والا ہے وہ اللہ تعالےٰ نے اپنے علم ازلی کے موافق اگرچہ لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے جس کو قضا و قدر کہتے ہیں لیکن لوگوں کے دوزخی اور جنتی ہونیکا فیصلہ اللہ تعالےٰ نے قضا و قدر کے لکھنے پر نہیں رکھا ہے ورنہ دنیا کے پیدا کرنے اور انبیاء کے بھیجنے اور انبیاء پر آسمانی کتابیں نازل کرنے اور انبیاء سے دین کے لئے خونریزی کرانے کی کچھ ضرورت نہ تھی دنیا کی پیدائش سے پہلے جو روحیں جنت کے قابل معلوم ہوتی تھیں ان کو اجسام سے متعلق کیا جا کر جنت میں اور علیٰ ہذا القیاس قابل دوزخ کو دوزخ میں داخل کر دیا جاتا بلکہ دنیا میں اللہ تعالےٰ نے دنیا کے کاموں کے لئے جس طرح سبب ٹھہرائے ہیں بیج ڈالنے سے پیدا اگتا ہے صحبت کرنے سے اولاد پیدا ہوتی ہے تجارت کرنے سے نفع ہوتا ہے کھانا کھانے سے پیٹ بھرتا ہے پانی پینے سے پیاس بجھتی ہے اسی طرح دین کے کام آخرت کی نجات کا سبب ٹھہرتے ہیں اور جس نے دین کے کاموں سے پہلوتہی کی اس نے اپنی نجات کا آخرت کو بٹا لگایا جس طرح دنیا میں کوئی قضا و قدر پر بھروسہ کر کے بیٹھ رہے تو بغیر بیج ڈالے کے پیدا ہو سکتا ہے نہ بغیر صحبت کے اولاد ہو سکتی ہے نہ بغیر تجارت کے نفع ہو سکتا ہے نہ بغیر کھانے پینے کے پیٹ بھر سکتا ہے نہ بغیر پانی پینے کے پیاس بجھتی ہے اس طرح آخرت کی نجات کے سببوں میں سے کسی سبب کو باوجود انبیاء کے ہدایت کے جس شخص نے اپنے فعل اختیاری سے اپنی نجات کا سبب ٹھہرایا اسکی آنکھ کان دل پر

أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴿١٧٩﴾

وہی لوگ ہیں غافل۔

گمراہی کی مہر خدا کی طرف سے لگ جاتی ہے اگرچہ ابتدا میں سب فطرت اسلام پر پیدا کئے جاتے ہیں سب کی ہدایت کے لئے انبیاء کو حکم الٰہی ہوتا ہے لیکن اس طرح کے لوگ راہ راست پر کسی طرح نہیں آتے جس طرح ہر مرض کی دوا ہے اسی طرح لوح محفوظ میں آخرت کے ہر نیک و بد کا سبب لکھا ہے توحید نماز روزہ حج زکوٰۃ یہ سبب نیک جس نے اختیار کئے جنتی ہوا۔ کفر و شرک یہ سبب بد جس نے اختیار کئے دوزخی ہوا تفسیر عبدالرزاق میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے موقوف اور تفسیر ابن جریر میں ابو درداؓ سے مرفوع روایت کا حاصل یہ ہے کہ اہل زمین کے عملوں کی بنا پر اللہ تعالیٰ ہر وقت ہر روز لوح محفوظ کے نوشتہ میں ترمیم فرماتا رہتا[1] ہے ترمذی ابوداؤد نسائی ابن ماجہ دارمی میں حضرت امام حسن کی روایت کی دعا قنوت میں خود آنحضرت نے صحابہ اور امت کو وقنی شرما قضیت کی تعلیم فرمائی ہے[2] حضرت عمرؓ جیسے صحابی جنکی نسبت آنحضرت نے فرمایا ہے کہ اگر میرے بعد نبی ہوتے تو عمر ہوتے[3] طواف کے وقت روتے جاتے تھے اور یہ دعا مانگتے تھے کہ یا اللہ تو نے مجھ کو شقی لکھا ہے تو اب نیک لکھ دے[4] حاصل کلام یہ ہے کہ قضاء قدر کے نوشتہ نے اللہ کو کچھ مجبور نہیں کیا اللہ کی شان يَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ہے اپنی طرف سے آدمی اسباب نیک میں لگا رہے اور اللہ سے حسن ظن رکھے صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ حدیث جو ہے کہ بعضے آدمی اہل جنت کے سے عمل کرتے ہیں یہاں تک کہ جنت میں اور ان میں تھوڑا فرق رہ جاتا ہے اسی طرح بعضے آدمی اہل دوزخ کیسے عمل کرتے ہیں یہاں تک کہ ان میں اور دوزخ میں تھوڑا فرق رہ جاتا ہے اتنے میں تقدیر کا لکھا پیش آجاتا ہے جس سے اہل جنت اہل دوزخ کیسے عمل کر کے دوزخی ہو کر مرتے ہیں اور اہل دوزخ اہل جنت کیسے عمل کر کے جنتی ہو کر مرتے ہیں[5] اس کے معنے یہ ہیں کہ خاتمہ کے عمل کا شریعت میں بڑا اعتبار ہے بعضے لوگ آخر عمر میں غلطی سے ایسے عمل کرنے لگتے ہیں جو قضاء و قدر میں آدمی کی ہلاکت اور دوزخی ہونے کا سبب ٹھہرتے ہیں اس لئے ان کے پچھلے عمل اکارت جا کر وہ دوزخی ہو کر مرتے ہیں اسی طرح بعضے آدمی آخر عمر میں ایسے نیک عمل کرتے ہیں جو قضاء و قدر میں نجات کا سبب ٹھہرتے ہیں اس لئے ان نیک عملوں کے طفیل سے ان کے سب پچھلے برے عمل معاف ہو جاتے ہیں اور وہ جنتی ہو کر مرتے ہیں یہ معنے اس حدیث کے نہیں ہیں کہ بلا سبب فقط قضاء و قدر کے لکھے پر بغیر عملوں کے کوئی دوزخی یا جنتی ہو جاتا ہے اور خاتمہ کی برائی سے اکثر صحابہ جو ڈرا کرتے تھے اس کے بھی یہ معنے ہیں کہ آدمی خدا سے پناہ مانگتا ہے اور ثابت قدمی سے اعمال صالح کی دعا کرتا ہے ایسا نہ ہو کہ آخر عمر میں کوئی برا کام خدا تعالیٰ کی ناخوشی کا اس سے سرزد ہو کر اس کے خاتمہ کو نہ بگاڑ دے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو ہریرہؓ کی حدیث اوپر گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے[6] جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر بچے کی طبیعت میں اسلام اور عقبیٰ کی بہبودی کی باتیں مان لینے کی صلاحیت ہوتی ہے اسی طرح صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث بھی گذر چکی ہے جس میں آنحضرت

[1] تفسیر ابن جریر ج ۱۳ ص ۱۰۷ و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۱۹ [2] مشکوٰۃ ص ۱۱۲ باب الوتر [3] مشکوٰۃ ص ۵۵۸ باب مناقب عمرؓ فصل دوسری [4] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۱۹ [5] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷۶ کتاب القدر۔
[6] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷۶ باب اللہ اعلم بما کانوا عاملین۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ

اور اللہ کے ہیں سب نام خاصے سو اس کو پکارو وہی کہہ کر اور چھوڑ دو ان کو جو کجراہ چلتے ہیں اس کے

اَسْمَآىٕهٖ ؕ سَیُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

ناموں میں وہ بدلا پارہیں گے اپنے کئے کا

صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار برس پہلے جو دنیا میں ہونے والا تھا وہ سب اللہ تعالےٰ نے اپنے علم ازلی کے نتیجہ کے طور پر لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے۔ ان حدیثوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت اور حدیثوں کے ملانے سے یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ اگرچہ اللہ تعالےٰ نے اپنی رحمت سے جن وانس سب کی طبیعت میں عقبےٰ کی بہبودی کی صلاحیت رکھی ہے لیکن ان میں بہت سے ایسے ہیں جو علم الٰہی میں دوزخی قرار پا چکے ہیں اسلئے دنیا میں پیدا ہونے کے بعد عقبیٰ کی بہبودی کی باتوں کے کانوں سے سننے آنکھوں سے دیکھنے میں انکا دل نہیں لگتا بلکہ جانوروں کی طرح دنیاوی باتوں پر انکی زیست کا مدار ہے اور عقبےٰ کے حساب سے وہ گویا دوزخ کا ایندھن بننے کے لئے دنیا میں پیدا ہوئے ہیں ؛

۱۸۰۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے ایک کم سو نام ہیں جو شخص ان کو یاد کریگا وہ جنت میں داخل ہوگا[1] اور ترمذی نے اپنی روایت میں ان ناموں کو ذکر بھی کیا ہے[2] یہی مشہور نام ہیں جو چھپے ہوئے ملتے ہیں لیکن اللہ کے ناموں کا حصر ان ناموں پر نہیں ہے چنانچہ ابن العربی نے شرح ترمذی میں ذکر کیا ہے کہ بعضے علماء نے قرآن و حدیث سے ہزار نام تک اللہ کے چنے ہیں[3] اس کی تائید مسند امام احمد بن حنبل کی ان معتبر روایتوں سے ہوتی ہے جس میں آپ نے رفع غم کی دعا لوگوں کو سکھائی ہے اس دعا کا حاصل یہ ہے کہ یا اللہ تو نے جو اپنے نام لوگوں کو بتلائے ہیں اور جو تیرے نام تیرے علم غیب میں مخفی ہیں ان سب ناموں کے طفیل سے یہ غم دور ہو جاوے[4][5] الحاد کے معنی کجروی کے ہیں اللہ کے ناموں میں کجروی اور کجراہ چلنے کا مطلب حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ مثلاً جس طرح مشرکین مکہ نے لفظ اللہ سے لات اور لفظ منان سے مناۃ کا لفظ تراش کر بتوں کے یہ نام ٹھہرائے تھے جن بتوں کو وہ لوگ اللہ تعالےٰ کا شریک جانتے تھے تفسیر مقاتل اور ابن جوزی وغیرہ میں ہے کہ ایک مسلمان شخص یا رحمان یا رحیم کہہ کر دعا مانگا کرتا تھا ایک مشرک شخص نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ تم مسلمان لوگ تو اللہ کو وحدہ لاشریک جانتے ہو پھر اللہ کے یہ دو نام کیوں لیتے ہو اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس شان نزول کی بنا پر حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ شریعت الٰہی میں اللہ تعالےٰ کے جو نام آچکے ہیں دعا کے وقت وہ لئے جا سکتے ہیں ہاں ان مشرکوں نے کجروی سے جو نام تراش لئے ہیں ان کو وقت مقررہ پر ان کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ سورہ بقرہ میں اسماء بنت یزیدؓ کی حدیث ترمذی ابوداؤد وغیرہ کے حوالہ سے گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا والٰہکم الٰہ واحد لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم (۲:۱۶۳) اور الا الٰہ

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۵ باب حجاج آدم و موسےٰ علیہما السلام [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۴۹ باب للہ تعالیٰ مائۃ اسم غیر واحد و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۶۸ [3] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۸۹ کتاب الدعوات [4] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۶۹۔

[5] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۶۹۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

اور ہماری پیدائش میں سے ایک لوگ ہیں کہ راہ بتلاتے ہیں سچی اور اسی پر انصاف کرتے ہیں جنہوں نے جھٹلائیں

الاھو الحی القیوم (۳ : ۲) ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالےٰ کا اسم اعظم ہے ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[۱]۔ ترمذی ابوداؤد وغیرہ میں ابو بریدہؓ کی دوسری حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسم اعظم کے بعد جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے[۲]۔ ان حدیثوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت اور حدیثوں کے ملانے سے یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ شریعت میں اللہ تعالےٰ کے جو نام ثابت ہوئے ہیں ان سب کے بعد دعا مانگی جا سکتی ہے اور اسم اعظم کے بعد دعا ضرور قبول ہوتی ہے اور اسم اعظم ان دونوں آیتوں میں ہے جو اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے بتلائے ہیں۔

۱۸۱۔ اس سے اوپر کی آیت میں اللہ پاک نے فرمایا تھا کہ گمراہوں کو دوزخ کے واسطے پیدا کیا گیا ہے اس کے بعد اب اہل جنت کا ذکر اس آیت میں بیان فرمایا کہ دنیا میں ایک گروہ وہ بھی ہے جو ہمیشہ دین حق پر قائم اور اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہے گا اور اپنے ہر کام کا اسی پر دارومدار رکھ کر فیصلہ کیا کریگا بعضے مفسرین کا قول ہے کہ یہ فرقہ ہر ایک نبی کی امت میں تعاقب سے دنیا قائم ہے اور اکثر مفسرین کا بیان ہے کہ یہ آیت خاص ختم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی شان میں نازل ہوئی ہے ابن ابی حاتم نے ربیع بن انسؓ کی ایک حدیث بھی نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ امت محمدیہ میں سے ایک گروہ ہے جو ہمیشہ حق پر رہے گا یہاں تک کہ عیسے علیہ السلام اتریں گے[۳]۔ صحیحین میں معاویہ بن ابی سفیانؓ کی حدیث ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ امت محمدیہ میں سے ایک گروہ قیامت تک حق پر قائم رہے گا نہ کسی کی مخالفت اس کو ضرر پہنچائے گی نہ کسی کی بے حرمتی کرنے سے اس کو نقصان پہنچے گا[۴] جابرؓ کی صحیح حدیث مسند امام احمد کے حوالہ سے اوپر گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس آخری زمانہ میں اگر موسےٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو شریعت محمدی کی پیروی ان پر بھی لازم ہوتی[۵]۔ ان حدیثوں کی موافق صحیح تفسیر آیت کی یہی ہے کہ اس آخری شریعت سے پچھلی سب شریعتیں منسوخ ہو گئیں اس لئے جس گروہ کا آیت میں ذکر ہے قرآن شریف کے نازل ہونے کے بعد وہ گروہ شریعت محمدی کی پیروی کرنے والے لوگوں کے سوا دوسری کسی امت میں کے لوگوں کا نہیں ہو سکتا کیونکہ پچھلی امتیں تو درکنار اس آخری زمانہ میں شریعت محمدی کی پیروی تو ایسی ضروری ہے کہ پہلے انبیاء پر بھی وہی لازم ہے اس صحیح تفسیر کے بعد مفسرین کا وہ اختلاف بھی اب باقی نہیں رہتا جس کا ذکر اوپر گذرا۔

۱۸۲۔۱۸۳۔ اللہ پاک نے حق پر قائم رہنے والے لوگوں کا حال بیان فرما کر اس آیت میں ان لوگوں کا حال بیان کیا جو حق باتوں کے مخالف ہیں مراد اس سے روئے زمین کے کل کافر ہیں جو قرآن کی آیتوں کو نہیں مانتے اور اسکی باتوں کو جھٹلاتے ہیں فرمایا ایسے لوگوں کو

---

[۱] تفسیر ہذا جلد اول ص ۱۳۰ و جامع ترمذی ص ۱۸۶ باب ما جاء فی جامع الدعوات [۲] الترغیب ج ۱ ص ۲۹۹ الترغیب فی کلمات یستفتح بہا الدعاء الخ [۳] تفسیر فتح البیان ص ۱۲۱ ج ۲ [۴] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶ باب من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۲۹ صحیح بخاری کے حاشیہ پر اس جگہ امام احمدؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا مصداق اہل حدیث ہیں (صفحہ محولہ بالا۔ ع، ر)

[۵] اس روایت پر نفیس بحث کیلئے دیکھئے تفسیر ہذا جلد اول حاشیہ ص ۴۱۰ بحوالہ مسند امام احمد ج ۳ ص ۳۸۷ وغیرہ۔

بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ

ہماری آیتیں ان کو ہم سہج سہج پکڑیں گے جہاں سے وہ نہ جانیں گے اور ان کو فرصت دونگا بیشک

كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ اِنْ هُوَ

میرا داؤ پکا ہے کیا دھیان نہیں کیا انہوں نے ان کے رفیق کو کچھ جنون نہیں وہ تو

اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا

ڈرانے والا ہے صاف کیا نگاہ نہیں کی سلطنت میں آسمان اور زمین کے اور جو

ہم آہستہ آہستہ پکڑیں گے ان کو معلوم بھی نہیں ہونیکا پہلے تو ان کو اس طرح پر ڈھیل دی جاوے گی کہ ان کے روزی رزق میں دن دونی رات چوگنی ترقی کردیں گے مال دولت بیسے انتہا دیں گے ہر طرح ان کو خوش و خرم رکھیں گے اور وہ لوگ ان نعمتوں کو دیکھ کر یہ گمان کرنے لگیں گے کہ وہ راہ راست پر ہیں اس لئے ان پر اللہ کا یہ فضل ہے مگر حقیقت میں یہ فضل و انعام نہیں ڈھیل ہے پھر فرمایا کہ اللہ کی پکڑ اس طرح پر ہوگی جب وہ لوگ سب مال مست ہوجاویں گے تو ہم ان کو ایک دفعہ ہی اس طرح مضبوطی کے ساتھ پکڑلیں گے کہ ان کی رہائی نہ ہوگی صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عمرو بن عوف[1] انصاری کی حدیث گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو اپنی امت کی تنگدستی کی حالت کا کچھ خوف نہیں ہے بلکہ مجھ کو یہ خوف ہے کہ جب ان کو پچھلی امتوں کی طرح فارغ البالی ہوجاویگی تو ان میں طرح طرح کے فساد پیدا ہوجاویں گے اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت اور حدیث کے ملانے سے یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ فارغ البالی نیک و بد ہر ایک شخص کیلئے دنیا میں بڑے امتحان کی چیز ہے دنیا کی فارغ البالی کے بعد جو شخص عقبےٰ سے ایسا غافل ہوگیا جس طرح کے غافل لوگوں کا ذکر آیت اور حدیث میں ہے تو اس طرح کا شخص اس امتحان میں پورا نہیں اترا ہاں جس شخص نے دنیا کی فارغ البالی سے عقبےٰ کی کچھ بہبودی کمائی وہ شخص اس امتحان میں گویا پورا ہے۔

۱۸۴-۱۸۶ تفسیر ابن ابی حاتم اور تفسیر ابوالشیخ میں قتادہ سے روایت[2] ہے کہ ایک دفعہ صفا پہاڑ پر چڑھ کر آنحضرت نے اہل مکہ کو بلایا اور اسلام لانے کی نصیحت ان کو کی ایک نے ان میں سے آنحضرت کو دیوانہ کہا اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ یہ بلکہ خود دیوانے اور نا سمجھ ہیں جو نبی کو دیوانہ بتلاتے ہیں جن بتوں کو یہ لوگ پوجتے ہیں نہ انہوں نے کوئی زمین پیدا کی نہ کوئی آسمان پیدا کیا خدا کی پیدا کی ہوئی زمین اور آسمان کے عجائبات پر غور کرنے سے خود بخود معلوم ہوتا ہے کہ وہی وحدہٗ لاشریک عبادت کے قابل ہے سوا اس کے اور کسی کی عبادت دیوانہ پن ہے اور نبی وقت جن باتوں کی نصیحت کرتے ہیں وہ بڑی سمجھ کی باتیں ہیں دیوانوں کی باتیں نہیں ہیں مسند امام احمد بن حنبل کی معراج کی حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ معراج کی رات آنحضرت نے فرمایا کہ میں نے اول آسمان کے نیچے کچھ گرد و غبار اور دھواں دیکھا حضرت جبرئیل سے میں نے پوچھا کہ یہ کیا چیز ہے انہوں نے جواب دیا کہ یہ شیاطین اکٹھے ہو کر آسمان کے نیچے اس لئے آ کر رہتے ہیں کہ زمین پر کے لوگوں کو آسمان کے

[1] یعنی جلد ہذا ص ۲۸۵ بحوالہ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۵۱ باب الحذر من زہرۃ الدنیا الخ و صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۰۷ کتاب الزہد۔

[2] تفسیر در منثور ج ۳ ص ۱۴۹ و تفسیر ابن جریر ج ۹ ص ۱۳۶۔

خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ

اللہ نے بنائی ہے کوئی چیز اور یہ کہ شاید نزدیک پہنچا ہو ان کا وعدہ سو اس کے

حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۚ وَ

پیچھے کس بات پر یقین لاویں گے جس کو اللہ بھٹکا دے اس کو کوئی نہیں راہ بتانے والا اللہ

يَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

ان کو چھوڑے رکھتا ہے ان کی شرارت میں بہکتے

عجائبات نظر آتا دیں یہ آڑ نہ ہوتی تو شاید لوگوں کو زیادہ عجائبات نظر آتے۔ عماد الدین حافظ ابن کثیر نے اگرچہ اس حدیث کے ایک راوی علی بن زید پر اعتراض کیا ہے[1] لیکن ترمذی نے علی بن زید کو صدوق کہا ہے[2] اور صدوق کی روایت قابل اعتبار ہے۔ مسند امام احمد صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم میں ابو سعید خدریؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عقبیٰ کی بہبودی چاہنے والے لوگوں کو یہاں تک ذکر الٰہی میں مشغول رہنا چاہئے کہ دنیادار لوگ ان کو دیوانہ کہنے لگیں حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[3] ان آیتوں میں یہ جو ذکر ہے کہ مکہ کے مشرک لوگ اللہ کے رسول کو دیوانہ کہتے تھے یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے کیونکہ مکہ کے مشرک لوگ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور عقبیٰ کی جزا و سزا کے منکر تھے اور اللہ کے رسول کی زبان پر ہر وقت توحید الٰہی اور عقبیٰ کی جزا و سزا کا ذکر رہتا تھا اس لئے وہ منکر حشر لوگ آپ کی باتوں کو وہمی اور خیالی باتیں جان کر آپ کو دیوانہ کہتے تھے اللہ کے رسول نے معجزہ کے طور پر اس حدیث میں یہ بھی جتلا دیا کہ اہل مکہ کی جس گستاخی کا ذکر آیت میں ہے وہ کچھ اہل مکہ پر یا زمانہ نبوت پر منحصر نہیں ہے بلکہ ہر ایک جگہ اور ہر ایک زمانہ کے دنیادار لوگ کثرت سے ذکر الٰہی میں مصروف رہنے والوں کو دیوانہ کہویں گے عرب میں یہ ایک دستور تھا کہ قوم میں کا کوئی شخص سب قوم کے لوگوں سے پہلے اگر کسی دشمن کے لشکر کو آتے ہوئے دیکھ لیتا تھا تو قوم کے لوگوں کو ہشیار کر دینے کی غرض سے اپنے کپڑے اتار کر ایک لکڑی کے سرے پر باندھ لیتا اور اس لکڑی کو جھنڈی کی طرح ہلاتا تھا ایسے شخص کو عرب کے محاورہ میں ننگا ڈرانے والا کہتے تھے اور اس کے ڈرانے کو ایک بڑا ڈر خیال کرتے تھے صحیح بخاری و مسلم میں ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس محاورہ کے موافق اپنے آپ کو نذیر عریاں فرمایا ہے[4] جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ قریش کو عذاب دوزخ سے جو ڈراتے ہیں اس کو یہ لوگ معمولی ڈر نہ خیال کریں بلکہ نذیر عریاں کے ڈرانے کی طرح اس کو ایک یقینی سمجھیں ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو صاف ڈرانے والا جو فرمایا یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے باقی تفسیر ان آیتوں کی آیت ولقد ذرانا لجہنم کثیرا من الجن والانس کی تفسیر میں اور آیتوں کی تفسیر میں تفصیل سے گذر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کے نتیجہ کے طور پر جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے وہ سب دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے لیکن لوگوں کے دوزخی اور جنتی ہونے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کے نوشتہ پر نہیں رکھا بلکہ ہر شخص کو فطرت اسلامی پر اس نے پیدا کیا ہے ہر ایک کا ٹھکانا دوزخ اور جنت دونوں جگہ میں بنایا ہے ہر ایک کو نیک راہ پر لگانے کے لئے رسول بھیجے

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۷۰ [2] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۲۳ [3] الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۲۷۱ الترغیب فی الاکثار من ذکر اللہ

[4] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۸۱ کتاب الاعتصام و صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴۸ باب شفقتہ صلے اللہ علیہ وسلم۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا

تجھ سے پوچھتے ہیں قیامت کس وقت ہے اس کا ٹھہراؤ تو کہہ اس کی خبر تو ہے میرے رب ہی پاس وہی

يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۘ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا

کھول دکھادے گا اس کو اپنے وقت پر بھاری بات ہے آسمان و زمین میں تم پر آوے گی تو

گئے آسمانی کتابیں نازل کی گئیں معرفت الٰہی حاصل کرنے کے لئے بے گنتی قدرت الٰہی کی نشانیاں دنیا میں پیدا کی گئیں باوجود اس کے نیک راہ چھوڑ کر جو لوگ ادھر ادھر بھٹکتے پھرتے ہیں وہ وہی لوگ ہیں جو علم الٰہی میں دوزخی قرار پا چکے ہیں نہ ان کو ہدایت کا کوئی طریقہ فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ ان کو مجبور کیا جا کر نیک راہ پر لانا انتظام الٰہی میں داخل ہے کیونکہ دنیا نیک و بد کی جانچ کے لئے پیدا کی گئی ہے کسی کو کسی کام پر مجبور کرنے کے لئے نہیں پیدا کی گئی۔ صحیح بخاری و ترمذی میں عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث ہے[1] جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ انسان کو اپنے مرنے کا وقت معلوم نہیں کہ نا گہانی طور پر کس وقت موت سر پر آن کھڑی ہو اس لئے انسان کو چاہئے کہ وہ ہر وقت اپنے آپ کو قبر کا مردہ سمجھے۔ ان آیتوں میں موت کا جو ذکر ہے حدیث کا یہ ٹکڑا آیت کے اس ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے؛

۱۸۷۔ ابو جعفر ابن جریر اور اکثر مفسرین نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے[2] کہ قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر آپ نبی ہیں تو آپ ہم کو یہ تو بتلائیے کہ جس قیامت سے آپ ہم کو ڈراتے ہیں آخر وہ کب آ وے گی اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ قیامت ایسی سخت چیز ہے کہ انسان کی تو کیا اصل بنیاد ہے اس کا آنا زمین و آسمان صعب پر بھاری ہے جب وہ آوے گی عالم علوی عالم سفلی سوا ذات پاک اس وحدہ لاشریک کے سب کچھ فنا ہو جاویگا اس لئے ایسی بڑی چیز کا علم اللہ تعالےٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اگر اس کا وقت معلوم ہوتا تو اس وقت کو قریب آتا دیکھ کر زمین و آسمان و فرشتے کوئی اپنے حال پر باقی نہ رہتا اور انتظام الٰہی میں خلل پڑ جاتا وہ نا گہاں بے خبری میں ایک دفعہ ہی آوے گی۔ حدیث میں چھوٹی چھوٹی[3] علامتیں قیامت کی جو آپ نے فرمائی ہیں مثلاً امانت دار شخصوں کا دنیا میں کم ہو جانا دنوں کا ایسا جلدی گذر جانا کہ ایک برس ایک مہینہ معلوم ہو اور ایک مہینہ ایک ہفتہ علم دین کے سوا اور تعلیم کا رائج ہو جانا زکوٰۃ کی ادائیگی کو بار جاننا ماں کے ساتھ بد سلوکی سے پیش آنا خاوندوں کا اپنی بیبیوں کا فرمانبردار ہونا شراب خواری اور ناچ رنگ کا پھیلنا ایسے شریر النفس لوگوں کا پیدا ہونا جن سے لوگ ان کی شرارت کے سبب سے دب کر رہیں پچھلے زمانہ کے لوگوں کا پہلے زمانہ کے لوگوں کو برا کہنا مردوں کا ریشمی کپڑوں کا پہننا علم کا کم اور جہل کا زیادہ ہو جانا زنا کا عام ہو جانا مردوں کا کم اور عورتوں کا زیادہ ہو جانا ایسی مصیبتیں لوگوں پر پڑنا جس سے لوگ موت کی آرزو کرنے لگیں دمشق کے ملک میں ایک آگ کا پیدا ہونا جس کو علماء نے لکھا ہے کہ وہ آگ ۶۵۴ھ[4] میں پیدا ہو کر ڈیڑھ پونے دو مہینہ باقی رہی تھی بے دین لوگوں کا سردار ہونا یہ علامتیں تو اکثر موجود ہیں ان کے بعد آپ نے فرمایا ہے کہ سرخ آندھی اور زلزلہ شروع ہو کر جس طرح تسبیح کا ڈورا ٹوٹ جاتا ہے اور ایک دانہ

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۸۱ باب قولہ نعم ماتحل کل انتی الخ [2] تفسیر ابن جریر ج ۹ ص ۱۳۷ [3] ان احادیث کے لئے ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب اشراط الساعۃ [4] فتح الباری ج ۲ ص ۵۶۰ باب خروج النار کتاب الفتن لیکن اس میں ۶۵۴ھ لکھا ہے اور یہی صحیح ہے (ع ر)

بَغۡتَةً ۗ يَسۡـَٔلُونَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنۡهَا ؕ قُلۡ اِنَّمَا عِلۡمُهَا عِنۡدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ

بے خبر آوے گی تجھ سے پوچھنے لگتے ہیں گویا کہ تو اس کا تلاشی ہے تو کہہ اس کی خبر ہے خاص اللہ پاس لیکن

اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۝

اکثر لوگ سمجھ نہیں رکھتے

کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا گرتا ہے اسی طرح اور بڑی علامتیں قیامت کی ظاہر ہوتی جاویں گی اور بے خبری میں ایک دم قیامت آجاوے گی یہاں تک کہ دودھ دوھنے والا دودھ دوہتے دوہتے رہ جاوے گا اور کپڑا بیچنے والا کھلا تھان چھوڑ کر مرجاوے گا۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ کی جو حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب جنگلے دیہاتی لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کرتے تھے کہ قیامت کب آوے گی تو آپ ایک نو عمر لڑکے کی طرف اشارہ کر کے یہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ لڑکا بڑھاپے کی عمر تک نہ پہنچنے پاوے گا کہ اتنے میں تمہاری قیامت تمہارے سروں پر آن کھڑی ہو گی۔ اس حدیث اور آیت میں کچھ مخالفت نہیں ہے کیونکہ حدیث میں اس اصلی قیامت کا ذکر نہیں ہے جس سے تمام دنیا فنا ہو جاوے گی اور جس کے آنے کا وقت اس آیت کے موافق سوا اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں ہے بلکہ حدیث میں یہ ذکر ہے کہ وہ لڑکا بڑھاپے کی عمر تک نہ پہنچنے پاوے گا کہ اتنے میں قیامت کا وقت پوچھنے والے لوگ دنیا سے اٹھ جاویں گے اور ان کو وہ انجام معلوم ہو جاوے گا جو قیامت کے دن ان کا ہونے والا ہے۔ مسند امام احمد میں حضرت عائشہؓ اور براء بن عازبؓ کی صحیح حدیثیں ہیں جن کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ منکر نکیر کے سوال کے بعد پورا جواب دینے والے مردہ کو اس کا جنت کا ٹھکانا اور ادھورا جواب دینے والے کو اس کا دوزخ کا ٹھکانا دکھا کر ہر ایک سے فرشتے یہ کہہ دیتے ہیں کہ قیامت کے دن تمہیں ان ٹھکانوں میں بھیج دینے کیلئے قبروں سے اٹھایا جاوے گا۔ اور یہ جو ذکر تھا کہ دنیا سے اٹھتے ہی ہر شخص کو اپنا وہ انجام معلوم ہو جاوے گا جو قیامت کے دن اس کو پیش آنے والا ہے ان حدیثوں سے وہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے۔ صحیح مسلم میں جابرؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے ایک مہینہ پہلے یہ فرمایا کہ جو لوگ قیامت کے آنے کا وقت پوچھا کرتے ہیں ان کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اصلی قیامت جس سے تمام دنیا فنا ہو جاوے اس کا وقت تو سوا اللہ تعالیٰ کے دوسرے کسی کو معلوم نہیں ہاں یہ بات ضرور ہے کہ آج سے سو برس کے اندر موجودہ سب لوگ فنا ہو جاویں گے۔ اس حدیث سے حضرت عائشہؓ کی اس حدیث کا مطلب خوب صاف ہو جاتا ہے جس کا ذکر اوپر گزرا۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے اکثر لوگوں کی عمر ساٹھ اور ستر برس کے مابین میں ہو گی بہت کم لوگ میری امت میں ایسے ہوں گے جو اس سے زیادہ عمر پاویں گے ترمذی نے اس حدیث کو اگرچہ حسن غریب کہا ہے لیکن اس حدیث کی روایت چند طریقوں سے ہے اس لئے حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس حدیث کی سند کو معتبر قرار دیا ہے اس حدیث سے یہ بات

[1] الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۸۸۔ الترہیب من المرور بقبور الظالمین الخ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۷۴ بحوالہ صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱۰

[3] جامع ترمذی ج ۲ ص ۵۶ باب ما جاء فی اعمار ہذہ الامۃ الخ۔

[4] فتح الباری ج ۶ ص ۳ باب من بلغ ستین سنۃ الخ [5] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۷۴

قُل لَّآ أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَآءَ ٱللَّهُ ۚ وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ

تو کہہ میں مالک نہیں اپنی جان کے بھلے کا نہ بُرے کا مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں جانا کرتا

ٱلْغَيْبَ لَٱسْتَكْثَرْتُ مِنَ ٱلْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ ٱلسُّوٓءُ ۚ إِنْ أَنَا۠ إِلَّا نَذِيرٌ

غیب کی بات تو بہت خوبیاں لیتا اور مجھ کو برائی کبھی نہیں پہنچتی میں تو یہی ہوں ڈر

وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿١٨٨﴾

اور خوشی سنانے والا ماننے لوگوں کو۔

نکلی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو امت محمدیہ کی کوتاہ عمری کا حال بتلا دیا تھا اسی واسطے اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے ایک مہینہ پہلے یہ فرمایا کہ آج سے سو برس کے اندر موجودہ زمانہ کے سب لوگ فنا ہو جاویں گے صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ و حضرت عمرؓ کی روایتیں ہیں جن میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک سائل بن کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے چند مسئلے پوچھے ہیں ان مسئلوں میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے قیامت کے آنیکا وقت پوچھا تو اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب دیا کہ اسکے نہ جاننے میں تم اور میں دونوں برابر ہیں[1] اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت اور حدیث کے ملانے سے یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ اللہ کے رسولوں اور مقرب فرشتوں کسی کو قیامت کے آنیکا وقت معلوم نہیں ہے ولکن اکثر الناس لا یعلمون اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کے دل میں قیامت کا خوف نہیں ہے وہ قیامت کے آنیکا وقت پوچھتے ہیں یہ نہ قیامت وہ چیز ہے کہ اسکے آنیکا وقت زمین و آسمان سب پر بھاری ہے؛

۱۸۸۔ اوپر کی آیت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے اللہ پاک نے یہ فرمایا تھا کہ لوگ تم سے قیامت کا حال پوچھتے ہیں کہ کب ہے تو تم ان سے یہی کہہ دو کہ مجھے اسکا علم نہیں ہے خدا ہی جانے کب ہے مگر ایک دن ضرور آنے والی ہے اسی کی تاکید اس آیت میں فرمائی کہ تم یہ بھی کہہ دو میں تو یہاں تک بے اختیار ہوں کہ مجھے خود اپنی جان کے نفع و نقصان کا کچھ اختیار نہیں ہے پھر میں غیب کی بات کیونکر بتلا سکتا ہوں غیب کی بات فقط اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اگر میں غیب کی باتیں جانتا تو ہر طرح کی بہتری حاصل کر لیتا کبھی برائی پاس بھی نہیں پھٹکتی مال دولت ویسا ہی لازوال پیدا کر لیتا کوئی چیز خریدتا تو ویسی خریدتا جس میں معقول نفع ہوتا قحط میں ویسا ہی بندوبست کر لیتا لڑائیوں میں ہمیشہ دشمنوں پر غالب رہتا غرضکہ ہر وقت شر سے بچتا رہتا مجھے تو بس اتنا ہی علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے بتلا دیا ہے قیامت کب ہوگی مجھے اس کا علم نہیں دیا گیا ہے ہاں قیامت کے علامات مجھے بتلائے گئے ہیں اور مجھے تو اللہ نے صرف اس کام کے لئے بھیجا ہے کہ منکروں کو اس کے عذاب سے ڈراؤں اور مومنوں کو اس کی رحمت کی بشارت سنا دوں بدر کی لڑائی کے قصہ میں صحیح مسلم کے حوالہ سے حضرت عمرؓ اور انس بن مالکؓ کی حدیث گذر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین مکہ میں جو لوگ اس لڑائی میں مارے گئے انکا حال پہلے سے اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بتلا دیا تھا[2] اسی طرح احد کی لڑائی کے قصہ میں صحیح بخاری کے حوالہ سے براء بن عازبؓ کی حدیث گذر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تیراندازوں کی بے احتیاطی سے مسلمانوں کو جو شکست ہوئی اسکا

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۲ باب سوال جبرئیل النبی صلے اللہ علیہ وسلم الخ [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۲ باب غزوۂ بدر۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ

وہی ہے جس نے تم کو بنایا ایک جان سے اور اسی سے بنایا اس کا جوڑا کہ اس پاس آرام

اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ

پکڑے پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانکا حمل رہا ہلکا سا حمل پھر چلتے گئے اس کے ساتھ پھر جب بوجھل ہوئے

حال پہلے سے کسی کو کچھ معلوم نہ تھا۔ ان حدیثوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت اور حدیثوں کو ملا کر یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا اے رسول اللہ کے تم ان عذاب الٰہی اور قیامت کی جلدی کرنے والے لوگوں سے کہہ دو کہ دنیا کی بھلائی برائی کے حال کو پہلے سے جان لینا ایک علم غیب ہے جس کا حال سوا اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں ہاں اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں جس کو چاہتا ہے اس کو بذریعہ وحی کے غیب کی باتوں میں سے کچھ باتیں بتلا دیتا ہے مثلاً بدر کی لڑائی میں جو نافرمان لوگ مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہونے والے تھے اس کا حال پہلے سے اس نے بذریعہ وحی کے اپنے رسول کو بتلا دیا اور احد کی لڑائی میں جو مسلمان مشرکوں کے ہاتھ سے شہید ہونے والے تھے ان کا حال پہلے سے نہیں بتلایا؛

۱۸۹ تا ۱۹۰۔ ان آیتوں میں اللہ پاک نے کفار مکہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ اللہ نے تم لوگوں کو ایک جان آدم علیہ السلام سے پیدا کیا اس ذکر سے اصل میں اللہ پاک اپنی نعمتوں اور احسانوں کو جتلاتا ہے جو اس نے اپنے بندوں پر کئے اور بندے اس کی شکر گذاری سے عاجز ہیں فرمایا کہ آدمؑ کو پیدا کر کے پھر ان کی پسلی سے ان کی بیوی حوا کو پیدا کیا تاکہ آدم علیہ السلام اور حوا دونوں میں انسیت ہو کیونکہ آدمی کا آدمی کے ساتھ جی لگتا ہے پھر اس میں بھی یہ بہت بڑی حکمت تھی کہ مرد کے واسطے عورت کو پیدا کیا کہ اس کی نسل کا قائم رکھنا منظور تھا اور جو انسیت مرد کو عورت کے ساتھ ہوتی ہے وہ ایک مرد کو ایک مرد کے ساتھ ہرگز نہیں ہو سکتی یہاں تک تو جنت کا حال تھا پھر جب جنت سے آدمؑ اور حواؑ زمین پر اتار دیئے گئے تو فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام حوا کے ساتھ ہم بستر ہوئے تو حوا کو حمل ہو گیا اور جب تک حمل کا ابتدائی زمانہ رہا کوئی تکلیف حوا کو نہیں ہوئی نہ چلنے پھرنے میں نہ کھانے پینے میں نہ کام کاج میں ہر ایک کام حسب ضرورت آسانی سے کر لیا کرتی تھیں مگر جوں جوں حمل کا زمانہ زیادہ ہوتا گیا اور حوا کو بوجھ معلوم ہوتا گیا تو ان دونوں نے یہ بات سمجھ لی کہ پیٹ میں نطفہ قائم ہو گیا ہے اور ایک نہ ایک ہماری جنس سے بچہ پیدا ہونے والا ہے الٰہی واسطے دعائیں کرنے لگے کہ یا اللہ اگر تو صالح لڑکا ہمیں دے گا تو ہم بہت شکر گذار ہوں گے صالح کے معنے میں بعض مفسروں نے یہ بیان کیا ہے کہ بیٹا مراد ہے خدا سے انہوں نے دعا کی تھی کہ بیٹا دینا بیٹی نہیں اور اکثر مفسروں کے معنے لئے ہیں کہ ہماری ہی جنس سے آدمی پیدا کرنا کوئی جانور یا اور کوئی شے نہ ہو اور جو بچہ ہو وہ صحیح وسالم آنکھ ناک ہاتھ پیر کان سب اعضا اس کے درست ہوں لنگڑا، لنڈا، بہرا، کانا نہ ہو غرضکہ جب اللہ پاک نے ان کی مرضی کے موافق صالح اولاد عنایت کی تو انہوں نے اس بچہ کے نام کے رکھنے میں شرک کی باتیں کیں کہ جب بچہ پیدا انہیں ہوا تھا تو ابلیس نے حوا کے پاس آ کر کہا تھا کہ اگر بچہ پیدا ہو تو اس کا نام میرے نام پر رکھنا حوا نے پوچھا تمہارا کیا نام ہے ابلیس نے اپنا اصلی اور مشہور نام نہ بتلایا کہ پہچان جائیں گی اور اپنا دوسرا نام حارث بتلایا اور

ل صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷ باب غزوۃ احد الخ

دَعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّآ

دونوں نے پکارا اللہ اپنے رب کو اگر تو ہم کو بخشے چنگا بھلا تو ہم تیرا شکر کریں پھر جب

اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾

دیا ان کو چنگا بھلا ٹھہرانے لگے اس کے شریک اس کی بخشی چیز میں سو اللہ اوپر ہے ان کے شریک بنانے میں

کہا کہ اس بچہ کا نام عبدالحارث رکھنا انہوں نے بچہ پیدا ہونے پر یہی نام رکھا اکثر مفسروں نے جعلا لہ شرکاء فیما اتاھما کی تفسیر یہی کی ہے جو اوپر بیان کی گئی ترمذی امام احمد ابن ابی حاتم طبرانی وغیرہ محدثین نے اس موقعہ پر سمرہؓ کی حدیث بیان فرمائی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا حوا علیہا السلام کا کوئی بچہ زندہ نہ رہتا تھا اس مرتبہ جو حمل رہا تو ابلیس نے آکر کہا کہ اگر اس بچہ کا نام عبدالحارث رکھو گی تو زندہ رہے گا غرضکہ یہ کام ابلیس کے بہکانے سے حوا نے کیا[1] اس میں آدم علیہ السلام کا کوئی قصور نہ تھا اور بعضے مفسروں نے آیت[2] کے اس ٹکڑے کی تفسیر یوں بیان کی ہے کہ یہ کفار مکہ کی شان میں نازل ہوا ہے کیونکہ وہ لوگ اپنے بچوں کا نام خدا کے نام کے سوا اوروں کے نام پر رکھا کرتے تھے جیسے عبدالشمس اور عبدالعزیٰ وغیرہ تو یہ نام رکھنا بھی شرک میں داخل ہے شرک کچھ عبادت ہی میں منحصر نہیں ہے پھر اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ اللہ پاک ان چیزوں سے بالکل علیحدہ ہے جن کو تم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو سمرہ بن جندبؓ کی حدیث جو اوپر گذری اس کی سند میں ایک راوی عمر بن ابراہیم بصری ہے جس کو بعضے علماء نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن ابن معین نے اس کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے[3] اسی واسطے حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[4] ترمذی وغیرہ کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی صحیح حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی عمر میں سے چالیس برس حضرت داؤد علیہ السلام کو دے کر پھر اس اپنے اقرار پر جو قائم نہ رہے[5] اس کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمایا اور پھر یہ بھی فرمایا کہ حضرت آدمؑ کا اقرار پر قائم نہ رہنا اسی بات کا ایک نمونہ تھا کہ ان کی اولاد میں بھی یہ بات پائی جاوے گی اس حدیث سے ان مفسرین کے قول کی تائید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ عبادت میں تو نہیں مگر نام کے رکھنے میں یہ نام کے رکھنے کا شرک شیطان کے بہکانے سے حوا علیہا السلام سے ظہور میں آیا تاکہ بنی آدم میں جو شرک پھیلنے والا تھا اس کا نمونہ حضرت آدم علیہ السلام کو معلوم ہو جاوے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگردوں میں سے سعید بن جبیر اور عکرمہ کے قول کا حاصل یہ ہے کہ شیطان نے حوا علیہا السلام کو یہ نام خواب میں سکھایا تھا اور جب حوا علیہا السلام نے اپنا یہ خواب حضرت آدم علیہ السلام سے بیان کیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے حوا علیہا السلام کو اس نام کے رکھنے سے منع کیا تھا[6] لیکن اس لڑکے سے پہلے دو لڑکے گذر چکے تھے اس لئے شیطان نے حوا علیہا السلام کو یہ پٹی پڑھائی اب کی دفعہ جو لڑکا پیدا ہو اس کا نام اگر عبدالحارث رکھا جاوے گا تو وہ لڑکا صاحب عمر ہوگا اسی واسطے کی دفعہ اولاد کی محبت کے جوش میں اس لڑکے کا نام حوا علیہا السلام نے عبدالحارث رکھا حضرت آدمؑ پہلے اس نام کی ممانعت کر چکے تھے اسلئے بچہ کے پیدا ہونے اور اس نام کے رکھے جانے کے بعد

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۷۴ و جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۳۴ تفسیر سورہ الاعراف لیکن حافظ ابن کثیر نے شد و مد سے اس نوع روایت کو ضعیف قرار دیا اور تفسیر کو اسرائیلیات کتاب التابعین سے ماخوذ بنا کر اگلی تفسیر کو ترجیح دی ہے ج ۲ ص ۲۷۴ - ۲۷۶ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۷۴ [3] و مستدرک حاکم ج ۲ ص ۵۴۵ [4] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۳۴ تفسیر سورہ الاعراف [5] تفسیر ابن جریر ج ۹ ص ۱۴۶ - ۱۴۷ طبع جدید

اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ (۱۹۱) وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ

کیں کو شریک بناتے ہیں جو پیدا نہ کرے ایک چیز اور آپ پیدا ہوتے ہیں اور نہ کر سکتے ہیں ان کی

نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ (۱۹۲) وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ

مدد اور نہ اپنی مدد کریں اور اگر ان کو پکارو راہ پر نہ چلیں تمہاری پکار پر

اس نام کی کچھ کرید حضرت آدم علیہ السلام نے نہیں کی یہ بات اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوئی اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام دونوں کے نام کا اس قصہ میں ذکر فرمایا اس آیت کی تفسیر کو علمائے مفسرین نے بہت مشکل قرار دیا ہے لیکن سلف میں سے قتادہ اور سفیان ثوری کا یہ قول جب مدنظر رکھا جاوے کہ تفسیر کے باب میں سعید بن جبیر اور عکرمہ کے قول کا بڑا اعتبار ہے اور سعید بن جبیر اور عکرمہ کے قول کے موافق آیت کی تفسیر کی جاتی ہے تو آیت کی تفسیر میں کچھ دشواری باقی نہیں رہتی سورۃ الشوریٰ کی آیت شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا کی تفسیر میں آئے گا کہ حضرت آدمؑ سے لیکر حضرت نوحؑ تک شریعت کے احکام زیادہ تفصیل سے نازل نہیں ہوئے تھے اس سے یہ بات نکلی کہ حوا علیہا السلام کو عبدالحارث نام رکھنے کی خرابی تفصیل سے معلوم نہ تھی صحیح مسلم ابوداؤد ترمذی وغیرہ میں ابن عمرؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عبداللہ اور عبدالرحمن یہ نام اللہ کو بہت پسند ہیں[1] صحیح مسلم اور ترمذی میں ابن عمرؓ کی دوسری حدیث ہے جس میں یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی ایک لڑکی کا نام عاصیہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نام کو بدل کر اس لڑکی کا نام جمیلہ رکھا[2]۔ ان حدیثوں کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیتوں اور حدیثوں کو ملا کر یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ جن ناموں میں اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے کا اقرار نکلے وہ نام اللہ کو بہت پسند ہیں اور جس طرح عبدالحارث جیسے ناموں سے پرہیز کرنا لازم ہے اسی طرح عاصیہ جیسے ناموں کا حال ہے کیونکہ عاصیہ کے معنے گنہ گار کے ہیں اور گنہ گار کا لفظ شریعت میں ایک مذمت کا لفظ ہے جن ناموں میں دین کی بڑائی اور فوقیت پائی جاوے مثلاً جیسے کسی لڑکی کا نام نیکی رکھنا یا جن ناموں میں دنیا کی بڑی فوقیت پائی جاوے جیسے مثلاً کسی کا لقب شہنشاہ ٹھہرانا اس طرح کے ناموں کی بھی ممانعت ہے چنانچہ بخاری و مسلم اور ابن ماجہ میں ابوہریرہؓ کی جو روایتیں ہیں[3] ان میں اس طرح کے ناموں کی ممانعت کا ذکر ہے۔

۱۹۱-۱۹۸- ان آیتوں میں اللہ پاک نے مشرکوں کو یہ تنبیہ فرمائی کہ کیا تم ایسی چیزوں کو معبود ٹھہراتے ہو جن میں کسی شے کے پیدا کرنے کی قدرت نہیں ہے بلکہ وہ خود مخلوق ہیں اور عبادت تو خالق کارساز کو زیبا ہے مخلوق کسی طرح عبادت کی مستحق نہیں ہے ان بتوں سے تو ہزار درجہ تم بہتر ہو کہ تم میں چلنے پھرنے کی طاقت ہے کھاتے پیتے ہو بتوں میں کیا قدرت ہے اگر کوئی آکر ان کے ٹکڑے کر ڈالے تو یہ کیا بچاؤ اپنا کر سکتے ہیں پھر جب اپنا اختیار انہیں نہیں ہے اور اپنے نفع نقصان سے بالکل یہ بے خبر ہیں تو تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں ایک مکھی جس میں کچھ بھی سکت نہیں ہے اگر ان کے پاس سے

[1] نیز دیکھئے فتح البیان ج ۲ ص ۱۲۸-۱۳۱۔ [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۰۶ باب النہی عن التکنی بابی القاسم و بیان ما یستحب من الاسماء و جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۰۱ باب ما جاء ما یستحب من الاسماء۔ [3] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۰۸ باب استحباب تغییر الاسم القبیح و جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۰۷ باب ما جاء فی تغییر الاسماء۔ [4] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۱۶ باب ابغض الاسماء الی اللہ تبارک و تعالیٰ۔

سَوَآءٌ عَلَيۡكُمۡ اَدَعَوۡتُمُوۡهُمۡ اَمۡ اَنۡتُمۡ صَامِتُوۡنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ

برابر ہے تم کو کہ ان کو پکارو یا چپکے رہو جن کو

تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمۡثَالُكُمۡ فَادۡعُوۡهُمۡ فَلۡيَسۡتَجِيۡبُوۡا لَكُمۡ

تم پکارتے ہو اللہ کے سوا بندے ہیں تم جیسے بھلا پکارو ان کو تو چاہئے قبول کریں تمہارا

اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمۡ اَرۡجُلٌ يَّمۡشُوۡنَ بِهَآ اَمۡ لَهُمۡ اَيۡدٍ

پکارنا اگر تم سچے ہو کیا ان کو پاؤں ہیں جن سے چلتے ہیں یا ان کو ہاتھ ہیں

يَّبۡطِشُوۡنَ بِهَآ اَمۡ لَهُمۡ اَعۡيُنٌ يُّبۡصِرُوۡنَ بِهَآ اَمۡ لَهُمۡ اٰذَانٌ يَّسۡمَعُوۡنَ

جن سے پکڑتے ہیں یا ان کو آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے ہیں یا ان کو کان ہیں جن سے سنتے

بِهَا قُلِ ادۡعُوۡا شُرَكَآءَكُمۡ ثُمَّ كِيۡدُوۡنِ فَلَا تُنۡظِرُوۡنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰهُ

ہیں تو کہہ پکارو اپنے شریکوں کو پھر برا کرو میرے حق میں اور مجھ کو ڈھیل نہ دو میرا حمایتی اللہ ہے

کوئی کھانے کی چیز سے بھاگے تو ان کا اتنا بس نہیں چل سکتا کہ اس مکھی سے چھوڑا لیویں تو پھر یہ دوسروں کو کیا مدد دے سکتے ہیں اگر تم ان کو کسی مطلب کے لئے بلاؤ تو ہرگز نہیں آئیں گے کیونکہ ان میں بصارت نہیں سننے کی قوت نہیں ان کو تمہارا پکارنا اور نہ پکارنا برابر ہے وہ تو خدا کی مخلوق ہیں تم سے بدتر ہیں تم انسان اشرف المخلوقات ہو اور یہ بت پتھر کی مورتیں ہیں اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ان کو پکار کر دیکھو نہ ان کے پیر ہیں جن سے وہ چل سکیں نہ ان کے ہاتھ ہیں جو وہ کوئی چیز پکڑ سکیں نہ آنکھیں ہیں جو کسی شی کو دیکھیں نہ کان رکھتے ہیں جو کسی کی آواز سنیں پھر حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا کہ ان مشرکوں سے کہو کہ تم اپنے معبودوں کی دھمکیاں دے کر کیا ڈراتے ہو جہاں تک ہو سکے کمی نہ کرو اپنے سارے معبودوں کو پکار کر مکر کرو اور جو کچھ جی میں آئے کر گزرو مجھے اس سے کچھ ضرر نہیں پہنچ سکتا کیونکہ میرا ولی اور حمایتی خدا وحدہ لاشریک ہے جس نے اپنے رسولوں پر کتابیں اتاری ہیں وہ میری حمایت کریگا اور نیک لوگوں کی بھی وہی حمایت کرتا ہے اور جو معبود تمہارے ہیں ان میں خاک کسی قسم کی قدرت نہیں ہے نہ اپنی ذات کی بھلائی کی قدرت انہیں حاصل ہے نہ تمہیں کچھ ان سے مدد مل سکتی ہے اگر تم انہیں پکارو بھی تو وہ نہیں سن سکتے ہیں ظاہر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمہیں دیکھ رہے ہیں بلکہ جو شخص ان تصویروں کی طرف نظر کرتا ہے اسے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بت ادھر ہی نظر کئے ہوئے ہیں مگر درحقیقت انہیں آنکھ تو ہے نہیں جو دیکھ سکیں اہل مغازی نے یہاں ایک قصہ بیان کیا ہے کہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں ہجرت کر کے آئے تو دو جوان معاذ بن عمرو الجموح اور معاذ بن جبلؓ آپ کے پاس آ کر مسلمان ہو گئے یہ دونوں لاتوں کو جا کر بتوں کو توڑتے تھے تاکہ ان کی قوم کو عبرت ہو ایک اور شخص عمرو بن الجموح اپنی قوم میں سردار شمار کیا جاتا تھا اس کے یہاں ایک بت تھا جس کو وہ روز خوشبو مل کر عبادت کرتا تھا یہ دونوں رات کو جا کر اس بت کو اوندھا کر دیتے تھے اور نجاست اس کے بدن میں مل دیتے تھے عمرو بن الجموح صبح آ کر دیکھتا تھا اور پھر دھو دھلا کر اس کو خوشبو ملتا تھا ایک روز اس نے اس بت کے پاس تلوار رکھ دی تاکہ جو شخص اس بت کو تکلیف دینے آتا ہے اس سے بدلا لیوے مگر اس پتھر کے

الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ یَتَوَلَّى الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ
جس نے اتاری کتاب اور وہ حمایت کرتا ہے نیک بندوں کی اور جن کو تم پکارتے ہو

مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَ
اس کے سوا نہیں کر سکتے تمہاری مدد اور نہ اپنی جان بچا سکیں اور

اِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا یَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ
اگر ان کو پکارو راہ کی طرف کچھ سنیں اور تو دیکھے کہ تکتے ہیں تیری طرف

وَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ
اور کچھ نہیں دیکھتے خو پکڑ معاف کرنا اور کہہ نیک کام کو اور کنارا کر

بت سے کیا ہو سکتا تھا جو ان دونوں سے کچھ بھی بدلا لیتا ایک روز ان دونوں نے اس بت کو کھینچ کر ایک مردار کتے کے پاس ڈال دیا پھر ایک روز اس بت کے پیر میں رسی باندھ کر اس کو کنوئیں میں لٹکا دیا آخر عمرو بن الجموح کے دل میں خیال گذرا کہ یہ دین محض ڈھکوسلا ہے بت کچھ بھی قدرت نہیں رکھتے اور توبہ کر کے مسلمان ہو گیا اور ایسا پکا مسلمان ہوا کہ شہادت کا درجہ پایا جنگ احد میں شہید ہو گیا صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انس بن مالک رضؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مشرک لوگ تمام دنیا کو جرمانہ کے طور پر معاوضہ دے کر دوزخ کے عذاب سے قیامت کے دن نجات چاہیں گے تو ان کی نجات ممکن نہیں[1]۔ اسی طرح صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو سعید خدری رضؓ کی حدیث بھی گذر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرا برابر بھی توحید ہو گی وہ دوزخ سے نکالا جا کر جنت میں داخل کیا جاوے گا[2] ان حدیثوں کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیتوں اور حدیثوں کو ملا کر یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ مشرک کو تمام دنیا کا مال و متاع عذاب سے بچنے کے لئے کافی نہیں اور صاحب توحید کو ذرہ برابر توحید بھی کافی ہو جاوے گی حاصل کلام یہ ہے کہ جو شخص ایسی حالت میں مریگا کہ سوا شرک کے اور طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا ہو گا تو یہ بات اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ چاہے اللہ تعالیٰ بغیر کسی عذاب کے اس کو جنت میں داخل کر لے چاہے کسی قدر عذاب کے بعد مگر مشرک سے حق تعالیٰ کا وعدہ یہ ہے کہ اس کی نجات کسی طرح ممکن نہیں ہے۔

۱۹۹۔۔۔۲۰۰۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری تو آنحضرت نے جبرئیل سے پوچھا کہ خذ العفو کا کیا مطلب ہے جبرئیل علیہ السلام نے کہا میں بغیر اللہ تعالیٰ سے پوچھے اس کا مطلب نہیں بتلا سکتا اور پلٹ کر گئے اور آ کر یہ کہا کہ آپ صلہ رحمی کریں ان لوگوں کے ساتھ جو آپ سے محبت کو قطع کرنا چاہیں اور جو آپ کی عزت حرمت کم کرے اس پر بخشش کریں اور جو شخص آپ سے سختی برتے اس کو معاف کیجئے پھر اللہ پاک نے یہ خطاب کیا کہ آپ لوگوں کو معروف باتوں کا حکم دیں معروف کے معنی وہ نیک خصلت ہے جس کو عقلمند آدمی پسند کرے اور جس سے دل کو اطمینان حاصل ہو مراد اس سے احکام شرع کو نرمی سے پہنچانا

[1] یعنی ص ۲۴۳ پر بحوالہ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۶۱

[2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۱۰۷ باب قول اللہ وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ۔

الجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ

جاہلوں سے اور کبھی ابھار دے تجھ کو شیطان کی چھیڑ تو پناہ پکڑ اللہ کی

اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ

وہی ہے سنتا جانتا جو لوگ ڈرتے ہیں جہاں پڑ گیا ان پر

پھر فرمایا کہ اگر وہ لوگ آپ کی باتوں کو نہ مانیں تو ان سے چشم پوشی کیجئے وہ جاہل ہیں جاہلوں کی بات کا جواب چشم پوشی اور خاموشی ہے قیس بن سعد کہتے ہیں کہ جب حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور آپ کے سامنے لائے گئے تو آپ نے فرمایا کہ میں اپنے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کے عوض ان میں سے ستر آدمیوں کو مارونگا اور ان کے ناک کان کاٹوں گا اسی کو عرب میں مثلہ کہتے ہیں اسی وقت جبرئیل علیہ السلام یہ آیت لے کر آئے اس حدیث کو ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں معتبر سند سے نقل کیا ہے[1] پھر آپ کو یہ حکم ہوا کہ اگر شیطان آپ کے دل میں کچھ وسوسہ پیدا کرے تو آپ کو اللہ پاک سے پناہ مانگنی چاہئے وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے عبد الرحمن بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت واعرض عن الجاھلین اتری تو آنحضرت صلعم نے خدا سے یہ التجا کی کہ یا اللہ غصہ کی حالت میں کس طرح ان سے چشم پوشی کروں گا تو یہ آیت اتری کہ اگر کوئی ایسا وسوسہ شیطان دل میں ڈالے جس سے غصہ آجاوے تو ایسی حالت میں اللہ تعالےٰ سے پناہ مانگنی چاہئے خذ العفو کی تفسیر میں اگرچہ سلف کے چند قول ہیں لیکن حافظ ابو جعفر ابن جریر نے اپنی تفسیر میں خذ العفو کے اسی معنے کو قوی قرار دیا ہے[2] کہ اس سے مطلب احکام شرع کا نرمی سے پہنچا دینا ہے یہ تو اس تفسیر میں ایک جگہ گذر چکا ہے کہ جہاد کے حکم سے درگذر کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں انس بن مالک کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اپنی عمر اور رزق میں فراخی منظور ہو وہ صلہ رحمی کرے[3]۔ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کو صلہ رحمی کہتے ہیں معتبر سند سے ترمذی میں ابو درداء کی حدیث ہے[4] جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کے ساتھ دنیا میں نرمی سے پیش آنے کی خصلت قیامت کے دن میزان میں بڑا بھاری نیک عمل ہے[5]۔ صحیح بخاری و مسلم میں سلیمان بن صرد کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کے پڑھنے سے آدمی کا غصہ اتر جاتا ہے[6] ان آیتوں میں صلہ رحمی اور لوگوں سے نرمی کے ساتھ پیش آنے اور غصہ کے وقت اللہ تعالےٰ سے پناہ مانگنے کا جو ذکر ہے ان حدیثوں کو اس کی تفسیر میں بڑا دخل ہے ۔

۲۰۱-۲۰۲- اللہ پاک نے جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ بتلا دیا کہ اگر تمہارے دل میں شیطان کوئی وسوسہ ڈالے تو اللہ تعالےٰ سے پناہ مانگنی چاہئے اس کے بعد اب عام لوگوں کے واسطے یہ بیان فرمایا کہ آدمی دو ہی قسم کے ہیں بعضے تو وہ ہیں جن کے دل میں خدا کا خوف ہے اور متقی ہیں گناہوں سے بچتے رہتے ہیں اور بعضے وہ ہیں جو کہ فاجر ہیں نہ ان کے دل میں خدا کا خوف ہے نہ وہ گناہوں سے

[1] تفسیر فتح البیان ج ۲ ص ۱۳۴-۱۳۵ [2] تفسیر ابن جریر ج ۹ ص ۱۵۶ طبع جدید [3] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۷۷ باب من احب البسط فی الرزق [4] الترغیب ج ۲ ص ۱۴۰۔ [5] الترغیب فی الخلق الحسن وفضلہ [5] الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۶۲۔ الترہیب من الغضب والترغیب فی دفعہ الخ

الشَّیْطٰنِ تَذَکَّرُوْا فَاِذَا ھُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ وَاِخْوَانُھُمْ یَمُدُّوْنَھُمْ
شیطان کا گذر چونک گئے پھر بھی ان کو سوجھ آگئی اور جو شیطانوں کے بھائی ہیں وہ ان کو کھینچے جاتے

فِی الْغَیِّ ثُمَّ لَا یُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾
ہیں غلطی میں پھر وہ کمی نہیں کرتے

بچتے ہیں تو اللہ پاک نے ان دونوں طرح کے آدمیوں کے حال کو یوں بیان فرمایا کہ جو لوگ متقی ہیں جب وہ شیطان کے وسوسہ میں پڑ جاتے ہیں اور اس کے ورغلانے سے کوئی لغزش ان سے ہو جاتی ہے تو فوراً وہ خدا کے عذاب کو یاد کر کے توبہ واستغفار کر لیتے ہیں ان کی شان میں یہ فرمایا کہ یہ لوگ صاحب بصیرت ہیں ان کے دلوں کے اندر آنکھیں ہیں جن سے یہ خدا کو دیکھتے ہیں اور پہچانتے ہیں حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ایک بزرگ کے حال میں لکھا ہے کہ ایک جوان مسجد میں جا کر عبادت کیا کرتا تھا ایک عورت اس پر فریفتہ ہو گئی اور اس کے پیچھے پڑ گئی اور اس کو اپنے یہاں بلاتی تھی اس جوان کا ارادہ ہو چلا تھا کہ اس کے گھر میں جائے دفعتاً اس کو یہ آیت یاد آ گئی اور بے ہوش ہو کر گر پڑا جب ہوش میں آیا تو پھر اس آیت کو یاد کیا اور مر گیا اور رات کو یہ دفن کیا گیا لوگوں نے قبر پر آ کر نماز پڑھی پھر ان بزرگ نے پکار کر کہا کہ اے جوان ولمن خاف مقام ربہ جنتان (۵۵: ۴۶) جس کا مطلب یہ ہے کہ جو خدا کا خوف کرتا ہے اُسے دو جنتیں ملتی ہیں قبر کے اندر سے آواز آئی اللہ پاک نے اپنے وعدہ کے موافق دو جنتیں مجھے دی ہیں۔ پھر اللہ پاک نے اس دوسری قسم کے آدمیوں کا حال بیان فرمایا کہ جو لوگ کافر جاہل ہیں وہ اخوان الشیاطین ہیں شیطان ان کو ہمیشہ گمراہی کی طرف کھینچا چلا جاتا ہے اور یہ بھی اس کے ساتھ کھنچتے جاتے ہیں نہ شیطان ان کے بہکانے میں کمی کرتا ہے نہ یہ لوگ اس کی پیروی میں کمی کرتے ہیں صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو بن العاص[1] کی حدیث اوپر گذر چکی ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کے نتیجے کے طور پر وہ سب لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے اور اسی طرح صحیح مسلم کے حوالہ سے جابرؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان خود تو اپنا تخت سمندر میں بچھا کر بیٹھ جاتا ہے اور اپنے شیاطین کو لوگوں کے بہکانے کے لئے بھیجا کرتا ہے[2] اس طرح صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث بھی گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شخص کے ساتھ ایک فرشتہ رہتا ہے جو اس کو نیک کام کی صلاح دیتا رہتا ہے اور ایک شیطان رہتا ہے جو اس کو برے کاموں کی رغبت دلاتا رہتا ہے[3] ان حدیثوں کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیتوں اور حدیثوں کو ملا کر یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ اگرچہ شیطان سب لوگوں کے بہکانے کیلئے اپنے شیاطین کو بھیجتا رہتا ہے لیکن جو لوگ علم الٰہی میں نیک ٹھہر چکے ہیں وہ اللہ کے فرشتہ کی صلاح کے ہمیشہ پابند رہتے ہیں اور جو لوگ علم الٰہی میں بدقرار پا چکے ہیں وہ ہمیشہ شیاطین کی رغبت کے پابند رہتے ہیں۔

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۵ باب حجاج آدم وموسیٰ علیہما السلام الخ

[2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۶ باب تحریش الشیطان الخ

[3] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۶ باب تحریش الشیطان الخ

وَاِذَا لَمۡ تَاۡتِهِمۡ بِاٰيَةٍ قَالُوۡا لَوۡلَا اجۡتَبَيۡتَهَا ؕ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا يُوۡحٰۤى اِلَىَّ

اور جب تو لے کر نہ جاوے ان پاس کوئی آیت کہیں کچھ چھانٹ کیوں نہ لایا تو کہہ میں چلتا ہوں اسی پر جو حکم آئے مجھ کو

مِنۡ رَّبِّىۡ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّكُمۡ وَهُدًى وَّرَحۡمَةٌ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲۰۳﴾

میرے رب سے یہ سوجھ کی باتیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور راہ کی اور مہر ہے ان لوگوں کو جو یقین لاتے ہیں۔

۲۰۳۔ کفار مکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ آپ ہماری فرمائش کے مطابق معجزہ دکھلائیے اور جب ان کی خواہش کے موافق کوئی معجزہ نہیں دکھلایا جاتا تھا تو کہنے لگتے تھے کہ آپ تو خدا کے رسول ہیں خدا سے التجا کیجئے وہ معجزہ آپ کو عطا کرے گا اور نہیں تو آپ خود اپنے جی سے کوئی بات بنا لیجئے اسی کو اللہ پاک نے بیان فرمایا کہ اے رسول اللہ کے جب تم ان کو ایسی نشانی دکھلاتے ہو جو ان کی مرضی کے موافق ہو تو کہتے ہیں کہ تم نے اپنے جی سے یہ معجزہ گھڑ لیا ہے مثلاً شق القمر جیسے بڑے معجزہ کو ان لوگوں نے جادو کا اثر بتلایا اس لئے تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں اپنے جی سے کوئی کام نہیں کر سکتا میں تو خدا کا فرماں بردار ہوں جو وحی کے ذریعہ سے مجھ کو بتایا جاتا ہے وہ میں کر دکھاتا ہوں اور اس قرآن سے بڑھ کر کیا معجزہ ہو سکتا ہے اگر تم ایمان لانا چاہو تو یہی کافی ہے دوسرے معجزہ کے اس کے ہوتے کچھ ضرورت نہیں ہے فرمایا کہ یہ قرآن پاک مومنوں کے واسطے بصیرت اور ہدایت اور رحمت ہے۔ مفسروں نے قرآن کے ان تینوں اوصاف کے متعلق یہ بیان کیا ہے کہ اہل ایمان کے تین درجے ہیں کوئی تو علم توحید میں اس حد کو پہنچ گیا ہے کہ قرآن کی توحید اور خوبیوں کو گویا خود آنکھوں سے دیکھ رہا ہے ان لوگوں کو اصحاب عین الیقین کہتے ہیں ان کے لئے قرآن مجید بصیرت ہے اور بعضے ایسے ہیں جو قرآن کے مطلب کو اچھی طرح سمجھنے کے درجہ تک پہنچ گئے ہیں ان کے واسطے قرآن کریم ہدایت ہے اور یہ لوگ علم الیقین والے ہیں تیسرے وہ لوگ ہیں جو نرے مسلمان ہیں جو باتیں بتلا دی گئی ہیں ان پر ان کا ایمان ہے یہ لوگ حق الیقین کے مرتبہ میں ہیں ان کے لئے قرآن پاک رحمت ہے بصائر بصیرت کی جمع ہے دل میں سوچ کر کسی بات کا نتیجہ نکالنا اس کو بصیرت کہتے ہیں اور آنکھوں سے دیکھنے کو بصارت کہتے ہیں صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اوپر گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور معجزات کے علاوہ قرآن ہی ایک ایسا معجزہ مجھ کو دیا گیا ہے جس کے سبب سے اس قدر لوگ ہدایت پاویں گے کہ قیامت کے دن میری امت کے نیک لوگوں کی تعداد اور امتوں کے نیک لوگوں سے زیادہ ہوگی[1]۔ اس آیت میں قرآن کو بصیرت ہدایت اور رحمت جو فرمایا ہے یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسےٰ اشعری کی حدیث اوپر گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی ہدایت کی بارش کے پانی سے تشبیہ دی ہے اور اچھے برے لوگوں کی تشبیہ اچھی بری زمین کی فرمائی ہے[2] اس حدیث کو بھی آیت کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ بارش کے پانی کے عام اثر کی طرح قرآن کی نصیحت سب کے حق میں عام ہے لیکن بری زمین کے اثر کے سبب سے جس طرح اس میں بارش کا پانی رائگاں جاتا ہے اسی طرح علم الٰہی میں جو لوگ گمراہ قرار پا چکے ہیں قرآن کی نصیحت

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۴، باب کیف نزول الوحی و صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۶، باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا صلے اللہ علیہ وسلم [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸ باب فضل من علم و علم و صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴۷ باب بیان مثل ما بعث النبی صلے اللہ علیہ وسلم الخ

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۲۰۴﴾

اور جب قرآن پڑھا جاوے تو اس طرف کان رکھو اور چپ رہو شاید تم پر رحم ہو۔

معجزات کا اثر سب کچھ ان کے حق میں رائگاں ہے۔

۲۰۴۔ اس آیت کی شان نزول میں مفسرین کا بہت بڑا اختلاف ہے ایک گروہ کا یہ قول ہے کہ نماز میں باتیں کرنے کے متعلق یہ حکم ہوا ہے کیونکہ پہلے لوگ نماز میں باتیں کیا کرتے تھے تو حکم آیا کہ امام کی قرأت کو سنو اور چپکے رہو دوسرے گروہ کا یہ قول ہے کہ امام کے پیچھے زور سے پڑھنے کو منع کیا گیا ہے چنانچہ تفسیر کلبی میں ہے کہ جب دوزخ اور جنت کا حال کسی آیت میں کہا جاتا تھا تو نماز میں ہی کچھ لوگ چیخنے لگتے تھے عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی ایک روایت ہے کہ امام کے پیچھے لوگ زور زور سے پڑھا کرتے تھے جب وہ نماز پڑھ چکے تو حضرت نے فرمایا کہ تمہیں سمجھ نہیں ہے جب قرآن پڑھا جاوے تو چپکے ہو کر سنو[1] اور ایک گروہ کا یہ قول ہے کہ یہ آیت خطبہ جمعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے لوگ خطبہ کے وقت کلام کیا کرتے تھے تو حکم ہوا کہ چپکے رہو عمر بن عبدالعزیز کا قول ہے کہ خاموشی کچھ خطبہ کے لئے خاص نہیں ہے بلکہ ہر وعظ میں چپکے رہنا چاہئے مجاہد وغیرہ اسی قول کے قائل ہیں مگر اس میں کسی قدر کلام ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور جمعہ مدینہ میں فرض ہوا ہے اس لئے جمہور مفسرین اس آیت کی شان نزول یہی بتلاتے ہیں کہ امام کے پیچھے قرأت کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے حضرت جابرؓ کی حدیث امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کا امام ہو اس کو قرأت نہیں چاہئے امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے[2] اب اس بات میں فقہا کا اختلاف ہے کہ نماز میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ بھی پڑھی جائے یا نہیں اس کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے کہ جن نمازوں میں امام زور سے قرأت نہیں پڑھتا ہے جیسے ظہر و عصر تو اس میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کے پڑھنے کی بعضے سلف کے نزدیک اجازت ہے اور جس میں قرأت زور سے پڑھی جاوے جیسے مغرب عشا فجر اس میں فاتحہ کا پڑھنا بھی جائز نہیں کیونکہ جابرؓ کی حدیث جو اوپر گذری اس سے معلوم ہو گیا کہ امام کی قرأت کافی ہے کچھ مقتدی پر قرأت ضرور نہیں ہے اور اس حدیث میں سورہ فاتحہ یا اور کسی سورت کی تخصیص نہیں ہے مگر محدثین اور امام شافعیؒ اور اکثر مفسرین اس بات کے قائل ہیں کہ اس آیت کے حکم میں سورہ فاتحہ داخل نہیں اس لئے سورہ فاتحہ کا پڑھنا ہر نماز میں خواہ امام قرأت بالجہر کرے یا نہ کرے ضروری اور واجب ہے بغیر اس کے نماز صحیح نہیں ہوتی ان کے نزدیک اس واسطے امام الحمد کی آیتوں میں جو رکتا ہے مقتدی جہری نماز میں ان سکتوں کے وقت اپنی الحمد پوری کر لیوے ابوداؤد و ترمذی و نسائی میں عبادہ بن الصامتؓ کی ایک حدیث ہے کہ ایک روز صبح کی نماز میں ہم لوگ حضرت کے پیچھے قرآن پڑھ رہے تھے آپ کو قرأت میں کسی قدر دشواری ہوئی جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید تم لوگ امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو ہم لوگوں نے کہا کہ ہاں فرمایا کہ سوائے سورۂ فاتحہ کے اور کچھ نہ پڑھا کرو اس لئے کہ کوئی نماز بغیر سورہ فاتحہ کے نہیں ہوتی حضرت جابرؓ کی حدیث کی روایت کے سب طریقے دارقطنی نے جمع کئے ہیں اور

[1] تفسیر ابن کثیر میں بحوالہ تفسیر ابن جریر یہ موقوف ہے مرفوع نہیں (ع۔ر) [2] یہ تفسیر ابن کثیر سے منقول ہے جس میں اس کے بعد لکھا ہے کہ یہ روایت موطا میں موقوف ہے و ہذا اصح (ج ۲ ص ۲۸۰) لیکن یہ حدیث مسند امام احمد میں موجود نہیں۔ اور موطا میں جابرؓ کا جو قول ہے اس کے الفاظ بالکل دوسرے ہیں ملاحظہ ہو (موطا ص ۲۸ طبع مجتبائی باب ما جاء فی ام القرآن) (ع۔ر)

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ

اور یاد کرتا رہ اپنے رب کو دل میں گڑگڑاتا اور ڈرتا اور پکارنے سے کم آواز بولنے میں

بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾

صبح اور شام کے وقتوں اور مت رہ بے خبر۔

آخر اس حدیث کو مرسل طور پر صحیح قرار دیا ہے[1] جس طرح عبداللہ بن شداد تابعی نے اس حدیث جابرؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے اسی طرح کوئی تابعی کسی حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے تو اس کو مرسل کہتے ہیں امام ابوحنیفہ رح نے بھی ایک روایت میں اس حدیث کو مرسل طور پر روایت کیا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تک جس حدیث کی سند کا سلسلہ برابر ہو اس کو مرفوع کہتے ہیں۔ اس حدیث کے سب مرفوع طریقوں پر حافظ ابن حجرؒ نے اعتراض کیا ہے[2]۔ عبادہ بن صامتؓ کی حدیث مرفوع ہے اور امام بخاریؒ نے جزء القراءۃ میں اس کو صحیح قرار دیا ہے[3]۔ اور دارقطنی نے بھی اس کے راویوں کو معتبر ٹھہرایا ہے[4] لیکن امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے فیما بین یہ ایک اصول کے مسائل میں کا اختلاف ہے کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مرسل حدیث معتبر ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک معتبر نہیں ہے اس لئے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب اس مسئلہ میں مرسل حدیث کے موافق ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب مرفوع حدیث کے موافق ہے۔ اکابر حنفیہ میں سے ہدایہ میں امام محمدؒ صاحب کا یہ قول ہے کہ احتیاط کے طور پر مقتدی کو بھی الحمد پڑھنی چاہئے آثار امام محمد میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی ظہر اور عصر میں امام کے پیچھے الحمد کے پڑھنے کی ایک روایت ہے[5] زیادہ تفصیل اس مسئلہ کی فقہ کی کتابوں میں ہے۔

۲۰۵۔ اللہ پاک نے قرآن مجید پڑھنے کے وقت خاموش رہنے کا حکم دے کر اپنے رسول صلعم کو خطاب فرمایا کہ صبح و شام اپنے رب کو جی میں یاد کرو اور نہایت ہی خلوص کے ساتھ گڑگڑا کر ہو اور یہ یاد الٰہی بہت چلا کر نہ ہو کیونکہ مشرکین قرآن کو سن کر خدا اور اس کے رسول کو برا کہتے ہیں سو اتنا چیخ کر پڑھو کہ وہ لوگ سن کر برا کہیں اور نہ اتنا آہستہ پڑھو کہ تمہارے ساتھ کے لوگ بھی نہ سن سکیں اللہ پاک نے قرآن میں اکثر جگہ بیان فرمایا ہے کہ میں تو پکارنے والے کے رگ گردن سے بھی نزدیک ہوں۔ صحیحین میں ابوموسے اشعریؓ کی حدیث ہے کہ لوگوں نے بعض مرتبہ سفر میں بلند آواز سے دعائیں مانگنی شروع کیں تو آپ نے فرمایا کہ اے لوگو اپنے جی کو روکو تم ایسے کو نہیں پکار رہے ہو جو بہرہ ہے یا غائب کہیں دور ہے بلکہ جسے تم پکار رہے ہو وہ تو بہت جلد سن لیتا ہے اور نہایت ہی قریب ہے تمہاری سواریوں کی گردنوں سے بھی زیادہ نزدیک تر ہے[6] صبح و شام کا حکم اس واسطے دیا گیا ہے کہ جب انسان سو کر اٹھے تو پہلا شغل اس کا ذکر اللہ رہے کیونکہ موت میں نیند میں تھوڑا ہی فرق ہے سونے والا

[1] سنن دارقطنی ص ۱۲۲ ــ ۱۲۳ [2] فتح الباری ج ۱ ص ۵۱ م و تلخیص ص ۸۰ [3] حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں وقد افردلہا الامام ابوعبداللہ البخاری مصنفاً علی حدۃ واختار وجوب القراءۃ خلف الامام فی السریۃ والجہریۃ یعنی " امام بخاری رح نے اس مسئلہ میں مستقل تالیف فرمائی اور ہر نماز میں سری ہو یا جہری سورہ فاتحہ خلف الامام کے فرض ہونے کا مسلک اختیار کیا ہے " (ع۔ ں) [4] سنن دارقطنی ص ۱۲۰ ــ ۱۲۲ [5] کتاب الآثار میں تو یہ روایت نہیں ملی (ص ۱۱ ــ ۲۰ طبع لاہور) تاہم یہ روایت ہے ضرور جیسا کہ مولانا محمد عبدالحی حنفی لکھنوی مرحوم نے عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ (ج ۱ ص ۱۷۳) لمعیۃ النظام حاشیہ امام الکلام (ص ۱۵۶) وغیرہ میں اسی کو حنفی مذہب کا محقق قول قرار دیا ہے (ع۔ ں) [6] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۸۱۔

إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ

جو لوگ ہیں پاس تیرے رب کے بڑائی نہیں کرتے اس کی بندگی سے اور یاد کرتے ہیں اس کی پاک ذات کو اور

يَسْجُدُونَ ۩ ﴿۲۰۶﴾

اسی کو سجدہ دیتے ہیں

اور مردہ برابر ہوتا ہے اہل علم نیند کو اخ الموت کہتے ہیں بہر حال شام کو بھی جب سونے لگے تو خدا کی یاد کے بعد سوئے ممکن ہے کہ سونے کے بعد پھر اٹھنا نصیب نہ ہو ہمیشہ کے لئے خواب عدم ہی میں رہے بعضے علماء نے صبح و شام کے فوائد میں یہ بیان کیا ہے کہ صبح کی نماز کے بعد اور عصر کے بعد اور نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اس لئے خدا کا حکم ہوا کہ اس وقت خدا کی یاد کیا کرو تاکہ کوئی وقت خدا کے ذکر سے خالی نہ جائے اور بعضوں نے یہ بیان کیا ہے کہ بندوں کے عمل صبح و شام اٹھائے جاتے ہیں رات کے عمل صبح کے وقت اور دن کے عمل شام کے وقت اس لئے مستحب ہے کہ صبح و شام خدا کا ذکر کیا جاوے تاکہ عمل کی ابتدا اور اس کا اختتام خدا کے ذکر ہی پر ہو صحیح بخاری و مسلم میں ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ یاد الٰہی سے غافل ہیں ان کی مثال مردہ لوگوں کی سی ہے[1] مطلب یہ ہے کہ مرنے کے بعد آدمی کا نیک عمل بند ہو جاتا ہے اس لئے جیتے جی جن لوگوں نے یاد الٰہی جیسے نیک عمل کو چھوڑ رکھا ہے ان کا نیک عمل مردوں کی طرح بند ہے ذکر الٰہی کی فضیلت اور تاکید میں اور ذکر الٰہی سے غفلت کی مذمت میں اور بھی صحیح حدیثیں ہیں یہ حدیثیں آیت کی گویا تفسیر ہیں کیونکہ آیت میں جس طرح اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کو ذکر الٰہی کا حکم فرما کر اس سے غفلت کرنے کو منع فرمایا ہے امت کے حق میں وہی بات ان حدیثوں میں اللہ کے رسول نے فرمائی ہے۔

۲۰۶۔ اللہ پاک نے اپنے بندوں کو کثرت کے ساتھ ذکر کرنے کا حکم دے کر اس آیت میں اپنے فرشتوں کا حال بیان فرمایا اور انسان کو اس بات کی ترغیب دلائی ہے کہ دیکھو خدا کے پاس جتنے فرشتے ہیں وہ تکبر نہیں کرتے ہیں بلکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت چاہئے اس لئے وہ ہر وقت خدا کی عبادت میں لگے رہتے ہیں اور ہر گھڑی اس کی پاکی بیان کرتے ہیں سُبحان اللہ ربنا سبحان اللہ ربنا کہتے رہتے ہیں اور اسی کو سجدہ بھی کیا کرتے ہیں اب تمہیں بھی مناسب ہے کہ ان باتوں کو اختیار کرو اور ہر وقت خدا کا ذکر کرکے فرشتہ خصلت اور ان کے ہم رتبہ ہو جاؤ اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عمل دو طرح کے ہیں ایک تو وہ ہے جو فقط قلب سے تعلق رکھتا ہے ایک وہ ہے جس کو اعضائے ظاہری سے تعلق ہے جس عمل کا تعلق قلب کے ساتھ ہے وہ یہ ہے کہ خدا کو ہر ایک بری صفتوں سے پاک اور بے عیب جان کر اس کو اوصاف حمیدہ کا متصف جانیں یہی مطلب ویسبحونہ کا ہے اور جو اعضائے ظاہری سے تعلق رکھتے ہیں وہ یہ ہیں کہ خدا کو ان اوصاف کے ساتھ متصف جان کر اور دل میں اسکا پکا اعتقاد رکھ کر ہاتھ پیر سے بھی اسی اعتقاد کے موافق عمل کرے اسی کو ولہ یسجدون فرمایا ہے تاکہ عبادت کے اندر انسان فرشتوں کے مقابل و موافق ہو جاوے تسبیح اور سجود کے متعلق اکثر حدیثیں وارد ہوئی ہیں مسلم کی ایک حدیث معدان ابن طلحہؒ سے ہے کہ معدان بن طلحہؒ نے ایک روز ثوبانؓ سے مل کر پوچھا مجھے کوئی ایسا عمل بتلاؤ جس سے اللہ پاک مجھے جنت میں داخل کرے دو تین مرتبہ پوچھا ثوبانؓ چپ رہے تیسری مرتبہ جواب دیا کہ میں نے بھی اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا آپ نے فرمایا کہ کثرت سے سجدہ

[1] مشکوٰۃ ص ۱۹۶ باب ذکر اللہ عزوجل والتقرب الیہ۔

آیاتہا (۷۵) (۸) سُوْرَۃُ الْاَنْفَالِ مَدَنِیَّۃٌ (۸۸) رکوعاتہا (۱۰)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ۚ

تجھ سے پوچھتے ہیں حکم غنیمت کا تو کہہ مال غنیمت اللہ کا ہے اور رسول کا

کیا کرو اللہ پاک ہر سجدہ میں ایک درجہ بڑھاتا ہے اور گناہ بخشتا ہے معدان[ؒ] کا بیان ہے کہ میں ابو درداء[ؓ] سے ملا تھا ان سے بھی اس بات کو دریافت کیا انہوں نے بھی یہی جتلایا[۱] بہرحال اس آیت پر سامع و تالی دونوں کو سجدہ کرنا چاہیے پورے قرآن میں جو چودہ یا پندرہ سجدے ہیں ان میں سے یہ سورہ اعراف میں پہلا سجدہ ہے صحیح مسلم میں ابوہریرہ[ؓ] کی حدیث ہے کہ بنی آدم جب کوئی سجدہ کی آیت پڑھتا ہے اور سجدہ کرتا ہے تو شیطان رونے لگتا ہے کہ افسوس بنی آدم کو سجدہ کا حکم ہوا اس نے سجدہ کیا جس کے بدلے میں اس کو جنت عطا ہوئی اور مجھے سجدہ کا حکم ہوا تو میں نے انکار کیا اس لئے میرے لئے دوزخ مقرر ہے[۲] معتبر سند سے ترمذی اور ابن ماجہ میں ابوذر[ؓ] کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام آسمان اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے فرشتوں سے بھرے ہوئے ہیں کہیں چار انگل کی جگہ بھی ایسی خالی نہیں ہے کہ ان ایک فرشتہ سجدہ میں نہ ہو[۳] ابوداؤد اور ابن ماجہ میں عمرو بن العاص[ؓ] کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن شریف میں پندرہ آیتیں سجدہ کی ہیں[۴] اگرچہ بعضے علماء نے اس حدیث کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن منذری نے اس کی سند کو معتبر بتلایا ہے[۵] یہ پندرہ آیتیں سجدہ کی اس حالت میں ہیں کہ سورۂ حج میں دو سجدے شمار کئے جاویں اور سورہ ص کا سجدہ بھی حساب میں لیا جاوے لیکن اس باب میں امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ اور امام شافعی علیہ الرحمۃ کا اختلاف ہے جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے[۶] ان حدیثوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت میں فرشتوں کی عبادت کا اور سجدہ کی آیت کا جو ذکر ہے اس کی تفصیل حدیثوں سے اچھی طرح معلوم ہو جاتی ہے ؛

۱ — ترمذی ابوداؤد نسائی مسند امام احمد بن حنبل حاکم اور صحیح ابن حبان میں چند صحابہ کی روایتوں سے جو شان نزول ان آیات کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کے لشکر کے تین گروہ تھے ایک گروہ جھنڈے کے پاس آنحضرت کی حفاظت میں تھا اور ایک گروہ دشمنوں سے لڑ کر ان کو شکست دے رہا تھا اور جب دشمن شکست کھا کر بھاگتے تھے تو اسی لڑنے والے گروہ میں سے کچھ لوگ دشمنوں کا وہ مال جو دشمنوں کے بھاگنے میں رہتا جاتا تھا وہ مال کو جمع کرتے جاتے تھے لڑائی ختم ہونے کے بعد ہر ایک گروہ نے اپنے آپ کو لوٹ کے مال کا زیادہ مستحق قرار دیا اور اس میں جھگڑا کرنے لگے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں معتبر سند سے ترمذی میں یہ شان نزول کی روایت عبادہ بن الصامت[ؓ] سے ہے[۷] جس سے اور روایتوں کو تقویت

[۱] صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۳ باب فضل السجود والحث علیہ۔ [۲] صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۱ باب بیان اطلاق اسم الکفر علی من ترک الصلوٰۃ و مشکوٰۃ ص ۸۴ باب السجود و فضلہ [۳] جامع ترمذی ج ۲ ص ۵۵ باب ما جاء فی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا و ابن ماجہ ص ۳۱۹ باب الحزن والبکاء۔ [۴] ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۹ باب تفریع ابواب السجود و کم سجدۃ فی القرآن و ابن ماجہ ص ۷۵ عدد سجود القرآن [۵] تنقیح الرواۃ ج ۱ ص ۲۰۸ [۶] ملاحظہ فرمائیے نیل الاوطار ج ۳ ص ۱۱۷ [۷] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۳۴ تفسیر سورۃ الانفال و مستدرک حاکم ج ۲ ص ۳۲۶ تفسیر سورۃ الانفال و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۸۳ ؛

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ

سو ڈرو اللہ سے اور صلح کرو آپس میں اور حکم میں چلو اللہ کے اور اس کے رسول کے اگر

مُّؤْمِنِيْنَ ①

ایمان رکھتے ہو۔

ہو جاتی ہے بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ واعلموا انما غنمتم من شئی فان اللہ خمسہ سے آیت یسئلونک عن الانفال منسوخ ہے کیونکہ آیت یسئلونک عن الانفال میں پورے مال غنیمت کو اللہ تعالٰی نے اپنا اور رسول کا حق فرمایا ہے اور آیت واعلموا میں اس مال کے پانچ حصے فرمائے ہیں لیکن حقیقت میں کوئی آیت منسوخ نہیں ہے ایک آیت میں اللہ تعالٰی نے یہ فرمایا ہے کہ غنیمت کے مال کا حق خدا و رسول کو ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح خدا رسول کی مرضی ہوگی اس طرح اس کی تقسیم ہو جاویگی دوسری آیت میں اس تقسیم کے حصے فرمائے ہیں صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ کی بڑی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوٹ کا مال پہلے انبیا کی شریعتوں میں حلال نہیں تھا اسی شریعت میں یہ مال حلال ہوا ہے[1] آیت کے اس ٹکڑے میں لوٹ کے مال کا جو ذکر ہے حدیث کا یہ ٹکڑا گویا اس کی تفسیر ہے کیونکہ آیت کے ٹکڑے اور حدیث کے ٹکڑے کو ملانے سے یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ لوٹ کے مال کے حلال ہونے کا حکم جو آیت میں ہے ایسا ایک خاص حکم ہے جو سوائے شریعت محمدی کے کسی پہلی شریعت میں نہیں تھا۔ معتبر سند سے مسند امام احمد میں عبادہ بن الصامتؓ کی حدیث ہے کہ جب اللہ تعالٰی نے اس مال کی تقسیم کو اپنے رسول کی مرضی پر منحصر رکھا تو اللہ کے رسول نے وہ مال سب اہل بدر کو بانٹ دیا[2] زیادہ چیز کو نفل کہتے ہیں انفال اس کی جمع ہے غنیمت کے مال کا حلال ہونا ایک زیادہ امر ہے جو اور امتوں میں نہیں تھا اس لئے غنیمت کے مال کو نفل کہتے ہیں لوٹ کا مال غنیمت کا مال ہے۔

اللہ پاک نے اوپر شروع سورہ میں غنیمت کے مال کا ذکر بیان فرما کر آیت کے اس ٹکڑے میں فرمایا کہ آپس کی چھیڑ چھاڑ اور اختلاف کو چھوڑ دو خدا سے ڈرو اور آپس میں میل جول رکھو کیونکہ اسلام کی نعمت جو اللہ تعالٰی نے اپنے فضل سے تمہیں دے رکھی ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جس کے سبب سے تم باہم جھگڑتے ہو مال کی یہ تقسیم جو تمہارے درمیان میں ہوگئی ہے یہ خدا اور اس کے رسول کی مرضی کے موافق ہے جو نہایت ہی عدل و انصاف سے ہے تم اہل ایمان ہو تو خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اس کی تقسیم پر راضی ہو جاؤ باہم کوئی جھگڑا نہ کرو آپس میں صلح سے پیش آؤ سدی نے واصلحوا کی تفسیر میں یہ بیان کیا ہے کہ آپس میں جھگڑا نہ کرو حافظ ابو یعلیٰ احمد بن علی موصلی نے اپنی مسند میں ایک حدیث انس رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے جس کی سند کو حافظ ابن کثیر نے ناقابل اعتراض ٹھہرایا ہے اور اس حدیث کو حاکم نے بھی مستدرک میں روایت کر کے صحیح بتلایا ہے اس حدیث میں انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے یکایک آپ ہی آپ مسکرانے لگے حضرت عمرؓ نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کس بات پر ہنسے فرمایا کہ میری امت میں کے دو آدمی خدائے رب العزت کے سامنے گھٹنوں کے بل کھڑے ہوگئے اور ایک نے ان میں سے یہ کہا کہ اے خدا میرے اس بھائی سے اس ظلم کا بدلہ دلوا جو ظلم مجھ پر ہوا ہے اللہ پاک نے ظالم سے فرمایا کہ اپنے بھائی کے ظلم کا بدلہ دے اس شخص نے کہا اے رب میری نیکیوں میں سے تو کچھ بھی باقی نہیں رہا ہے کیونکہ بدلہ دل مظلوم نے

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۹ کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۸۳۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ

ایمان والے وہی لوگ ہیں کہ جب نام آئے اللہ کا ڈر جاویں دل ان کے اور جب پڑھیے

عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۲﴾ الَّذِينَ يُقِيمُونَ

ان پر اس کی کلام زیادہ ہووے ان کو ایمان اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں جو کھڑی رکھتے ہیں

کہا کہ اے رب یہ شخص میرے گناہ اپنے اوپر لادے یہاں تک بیان کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو نکل پڑے پھر فرمایا وہ دن بڑا ہی سخت ہوگا لوگ اس بات کے محتاج ہوں گے کہ کوئی ان کے گناہ ان کی پیٹھ پر سے لے کر اپنی پشت پر لاد کے چلے پھر آپ فرمانے لگے کہ اللہ پاک بدلہ مانگنے والے شخص سے فرماویگا کہ تو اپنی نگاہ اٹھا اور جنت کی طرف دیکھ وہ نگاہ اٹھا کر دیکھ کر کہے گا کہ اے رب العزت میں چاندی کا شہر دیکھتا ہوں اس میں سونے کے مکان بنے ہوئے ہیں اور موتیوں سے لدرہے ہیں یہ مکان کس نبی کے واسطے بنائے گئے ہیں کس صدیق کو ملیں گے کون شہید اس کا مستحق ہے اللہ پاک فرمائے گا کہ یہ اس شخص کو ملے گا جو اس کی قیمت دے وہ کہے گا اے رب العزت بھلا اس کی قیمت کیا ہے اور کس کا مقدور ہے جو اس کی قیمت دے سکے اللہ پاک فرمائے گا تجھ میں مقدور ہے تو دے سکتا ہے وہ شخص کہے گا یہ کیا بات ہے اے رب العزت اللہ پاک کہیگا تو اپنے بھائی کے ظلم کو معاف کر دے وہ شخص کہے گا اے رب میں نے معاف کر دیا اللہ پاک فرمائیگا تو اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ اور دونو جنت میں داخل ہو جاؤ پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اوپر کی یہ آیت پڑھی فاتقوا الله واصلحوا ذات بینکم اور فرمایا کہ اللہ پاک قیامت کے دن مومنوں کے درمیان میں اس طرح صلح کرادے گا[۱] معتبر سند سے مسند امام احمد میں جابرؓ بن سمرہ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بدزبانی اور لڑائی جھگڑا اسلام میں نہیں ہے اس واسطے پورا ایمان دار وہی شخص ہے جس کی عادت نیک برتاؤ کی ہو[۲] ان حدیثوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت اور حدیثوں کو ملا کر یہ مطلب ہوا کہ آیت میں لڑائی جھگڑے سے بچنے اور آپس میں میل جول سے رہنے کا جو ہر مسلمان کو حکم ہے اس حکم کے موافق عمل کرنا اور ظلم زیادتی کے بدلہ کو معاف کر دینا دنیا میں یہ باتیں اسلام کی نشانی اور عقبےٰ میں انکا بڑا اجر ہے ؛

۲-۴- اللہ پاک نے تخصیص کے ساتھ پانچ صفتیں اس آیت میں بیان فرمائیں کہ کامل مومن وہی ہے جس میں یہ صفتیں پائی جاویں پہلی صفت یہ بیان کی کہ جب اس کے سامنے خدا کا ذکر آوے تو دل میں اس کے ڈر پیدا ہو کیونکہ کامل مومن وہی ہے جو خدا سے ڈرتا ہو دوسری جگہ اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ مومنوں کے دل خدا کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں اور اس آیت میں بیان فرمایا کہ مومن کے دل میں خدا کے ذکر سے خوف پیدا ہوتا ہے ان دونوں آیتوں میں کچھ اختلاف نہیں ہے کیونکہ خوف خدا کا عذاب سن کر اور اس کا جلال و دبدبہ یاد کر کے ہونے لگتا ہے اور اطمینان اس کی رحمتیں اور اوصاف سن کر ہوتا ہے علماء سلف نے لکھا ہے کہ خوف کی دو قسمیں ہیں ایک وہ خوف ہے جو عقبےٰ کے عذاب کے خیال سے پیدا ہوتا ہے اور دوسرا وہ خوف ہے جو محض دبدبہ و شوکت سے ہوتا ہے جس کو رعب و دہشت کہتے ہیں بادشاہوں کے دربار میں ایسا ہوا کرتا ہے کہ جو گنہگار ہیں وہ یوں ڈرتے ہیں کہ ہم پر عذاب ہوگا اور جو مقرب و خاص لوگ ہیں وہ دبدبہ و جلال میں آ کر رعب کھاتے ہیں تو اللہ پاک کی بھی یہی حالت ہے

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۸۵ [۲] الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۵۰- الترغیب فی الخلق الحسن وفضلہ الخ

الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ

نماز اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں وہی ہیں سچے ایمان والے ان کے واسطے

دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝

درجے ہیں ان کے رب پاس اور معافی اور روزی آبرو کی

کیونکہ اس سے بڑھ کر کون حاکم اور بادشاہ ہوسکتا ہے سارے لوگ اسی کی محتاج ہیں دوسری صفت یہ بیان کی کہ جب خدا کی آیتیں ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کے ایمان اور زیادہ ہوجاتے ہیں آیتوں کے سننے سے جس قدر ان کی صداقت زیادہ ہوتی جاتی ہے اسی قدر ان کا ایمان بڑھتا جاتا ہے بخاریؒ امام شافعیؒ واحمدؒ اور اکثر علماء اس کے قائل ہیں کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے[1] کیونکہ جس کے پاس خدا کی وحدانیت کی دلیلیں اور نیک خصلتیں زیادہ ہوں گی اسی قدر اسکا یقین زیادہ ہوگا اور شک رفع ہوگا۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان کی کچھ اوپر ستر شاخیں ہیں افضل شاخ کلمہ طیبہ یعنی لا الہ الا اللہ ہے اور ادنے رستہ سے تکلیف کی چیزوں کا مٹا دینا جیسے کانٹے پتھر جو رستہ میں آمد و رفت کی جگہ ہوں پھر فرمایا ایک شاخ ایمان کی حیا بھی ہے[2] تیسری صفت اللہ پاک نے مومنوں کی یہ بیان کی کہ وہ ہر کام میں خدا ہی پر بھروسہ کرتے ہیں اس کے سوا کسی سے کسی بات کی امید نہیں رکھتے اسی کی پناہ پکڑتے ہیں دوسروں سے کوئی غرض اور واسطہ نہیں رکھتے یہ تینوں اوصاف مومنوں کے نہایت ہی خوبی کے ساتھ اللہ پاک نے بالترتیب بیان فرمائے پہلے تو یہ بیان کیا کہ جب خدا کا ذکر ہوتا ہے تو وہ ڈرتے ہیں ذکر کے بعد فرمانبرداری کو بیان کیا کہ جب خدا کی آیتیں سنتے ہیں ان کے ایمان زیادہ ہوتے جاتے ہیں جیسے جیسے ان پر احکام اترتے جاتے ہیں وہ اس کو مانتے چلے جاتے ہیں پھر یہ بیان کیا اس کے سوا اور کسی سے غرض نہیں رکھتے ہیں کسی کو اپنی حاجتوں میں اس کا شریک نہیں ٹھہراتے ہیں۔ یہ تینوں صفتیں باطن کے لحاظ سے بیان کی گئی تھیں اس کے بعد چوتھی اور پانچویں صفت جو ظاہر کی تھی اس کو بیان فرمایا کہ جو لوگ نماز قائم کرتے ہیں کل شرائط اور امور نماز کے مثل وضو وغیرہ غرض جتنے عدد و واد کان نماز میں ہیں سب کو ادا کرتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے ان کو دیا ہے اس میں سے موقعہ اور محل پر خدا کی اطاعت میں خرچ کرتے نماز اور صدقہ راس الطاعات ہیں اس لئے اللہ پاک نے انہی دونوں کو خاص کر بیان فرمایا نماز میں فرض اور نفلی نماز سب داخل ہے اسی طرح صدقہ میں زکوٰۃ اور نفلی صدقہ سب داخل ہے پھر اللہ پاک نے ان لوگوں کی تعریف بیان کی جن میں یہ پانچوں صفتیں پائی جاتی ہیں اس لئے فرمایا کہ یہی لوگ ایمان دار ہیں اور سچے مومن ہیں حق سے مراد یہ ہے کہ ان کے ایمان میں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کفر سے وہ لوگ بری ہیں ایمان داری میں خالص اور صادق ہیں ان کے لئے جنت میں درجے ہیں ضحاک کا قول یہ ہے کہ مراد درجات سے یہ ہے کہ جنت والے بعضے بعضوں سے اوپر درجوں میں ہوں گے جو اوپر کے درجوں میں ہوں گے انہیں معلوم ہوگا کہ ان کا درجہ بلند ہے اور جو نیچے کے درجہ میں ہوں گے انہیں نہیں معلوم ہوگا کہ ان سے بھی کوئی بلند درجہ میں ہے معتبر سند سے ترمذی میں عبادہ بن الصامتؓ اور معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں سو درجے ہیں ہر درجہ کے درمیان میں اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵ کتاب الایمان و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۰۵ [2] مشکوٰۃ ص ۱۲ کتاب الایمان۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ﴿۵﴾

جیسے نکالا تجھ کو تیرے رب نے تیرے گھر سے درست کام پر اور ایک جماعت ایمان والی راضی نہ تھی

زمین کے درمیان میں ہے فردوس سب درجوں میں بڑا درجہ ہے یہیں سے جنت کے پانی کے دودھ کی اور شراب کی اور شہد کی چاروں نہریں نکلی ہیں اور اسی کے اوپر عرش ہے جب تم لوگ جنت کا سوال کرو تو خدا سے فردوس کا سوال کرو[1]۔

معتبر سند سے مسند عبدالرزاق میں ابوذرؓ کی حدیث ہے جس میں ابوذرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لفظ ایمان کے معنے پوچھے تھے جس کے جواب میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ بقر کی آیت لیس البر واولئك هم المتقون (۲: ۱۷۷) تک پڑھی[2] اس آیت میں دلی اعتقاد ظاہری اعمال سب باتوں کا ذکر ہے اسلئے لفظ ایمان کے معنے بتلانے کی غرض سے اللہ کے رسول نے جو یہ آیت پڑھی اس سے آپ کا مقصود یہ ہے کہ لفظ بر کے معنے نیکی کے ہیں اور جس طرح نیک باتوں کے سچے ہونے کا دلی یقین اور اس یقین کو جتلانے کے لئے ظاہری نیک اعمال نیکی میں یہ سب کچھ داخل ہے یہی حال لفظ ایمان کے معنے کا ہے کہ اس میں بھی آیت لیس البر کی سب باتیں داخل ہیں کیونکہ ایمان اگرچہ دلی نیک اعتقاد کا نام ہے لیکن دلی نیک اعتقاد کا حال تو سوائے اللہ تعالےٰ کے کسی کو معلوم نہیں اس واسطے جو شخص آیت لیس البر میں کے ظاہری اعمال کو اچھی طرح ادا کریگا ظاہری حکم شریعت میں اس کا وہ دلی نیک اعتقاد پورا شمار کیا جاویگا نہیں تو ادھورا حاصل کلام یہ ہے کہ معتزلی فرقے کے مقابلہ میں اہل سنت کا یہ مذہب جو قرار پایا ہے کہ نیک عمل ایمان کے کامل ہونے کی نشانی ہے اس کا اور حدیث میں کی ایمان کی شاخوں کا اور ایمان کے بڑھنے گھٹنے کا مطلب اس ابوذرؓ کی حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔

۵۔ معتبر سند سے تفسیر ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اور تفسیر ابن ابی حاتم اور تفسیر ابن مردویہ میں حضرت ابوایوب انصاریؓ سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ابوسفیان کی شام سے مال لے کر راستہ میں ہونے کی خبر سن کر جب مدینہ سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور ہزار آدمیوں کی جمعیت سے قریش ابوسفیان کی مدد کو آگئے تو اکثر مسلمانوں نے آنحضرت سے یہ عرض کیا کہ ہم تو فقط ابوسفیان کا قافلہ لوٹنے کی نیت سے مدینہ سے نکلے تھے لڑائی کے لئے حسب دلخواہ اس وقت ہم میں طاقت نہیں ہے اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[3] حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ جس طرح لڑائی کے ختم ہونے کے بعد تم نے غنیمت کے مال میں جھگڑا کیا اور اللہ تعالےٰ نے حق حق اس کا فیصلہ کر دیا اسی طرح لڑائی سے پہلے بھی تم نے لڑائی کے چھیڑنے اور نہ چھیڑنے میں جھگڑا کیا تھا اور فقط شام کے ملک سے ابوسفیان کے ساتھ جو قافلہ آرہا تھا اسی کا لوٹ لینا تمہارا مقصود تھا مگر اللہ تعالےٰ نے تدبیر سے تم کو لوٹ کا مال بھی دلوا دیا اور جس ارادہ سے اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی کو مدینہ سے بدر کی طرف نکالا تھا وہ ارادہ بھی پورا کر دیا کہ کافروں کو زیر اور تم کو فتح مند کر دیا اس تقریر سے معلوم ہوگیا کہ آیت میں گھر سے نکالنے کا مقصد مدینہ سے بدر کی طرف کا سفر ہے ہجرت کے معنے جو بعضے مفسروں نے کئے ہیں وہ معنے مضمون آیت سے

[1] جامع ترمذی ج ۲ ص ۷۶ باب ماجاء فی صفۃ درجات الجنۃ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۰۷

[3] تفسیر ابن جریر ج ۹ ص ۱۸۳ طبع جدید۔

يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ۝

تجھ سے جھگڑتے تھے درست بات میں واضح ہو چکے پیچھے گویا ان کو ہانکتے ہیں موت کی طرف آنکھوں دیکھتے

بعید ہیں اسی واسطے اکثر مفسروں نے آیت کی یہی تفسیر بیان کی ہے کہ گھر سے مطلب یہاں مدینہ کا گھر ہے مکہ کا نہیں ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی حدیث اوپر گذر چکی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بدر کی لڑائی سے ایک رات پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ جتلا دیا تھا کہ اس لڑائی میں مشرکین مکہ میں سے بڑے بڑے سرکش لوگ مارے جاویں گے بلکہ ان لوگوں کی لاشوں کے پڑے رہنے کے مقامات بھی اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو بتلا دئے تھے[۱] آیت کے اس ٹکڑے میں یہ جو فرمایا کہ نکالا تجھ کو تیرے رب نے تیرے گھر سے درست کام پر یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے کیونکہ آیت کے ٹکڑے اور حدیث کے ملانے سے یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ وہ درست کام یہ تھا کہ اس لڑائی میں آخر کو اسلام کا غلبہ ہوگا اور مخالفوں کے بڑے بڑے سرکش لوگ اس لڑائی میں مارے جاویں گے اس لئے مسلمانوں کی ایک جماعت کا اس لڑائی پر رضامند نہ ہونا مرضی الٰہی کے برخلاف ہے۔ یہ جماعت انصار میں کے کچھ لوگوں کی تھی ان لوگوں کو لڑائی کے شروع ہو جانے میں جو تامل تھا اس قصہ کا حاصل یہ ہے کہ ابوسفیان نے بہت سا مال تجارت کا شام کے ملک سے خریدا تھا اور یہ تیس آدمیوں کا قافلہ وہ مال لے کر مکہ کو جا رہا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ خبر سُنی تو آپ نے مسلمانوں کو اس قافلے کے لوٹنے پر آمادہ کیا اور اسی ارادہ سے کچھ اوپر تین سو آدمیوں کو ساتھ لے کر مدینہ سے آپ باہر نکلے۔ ابوسفیان نے جب یہ خبر سنی تو مکہ کو جلدی سے ایک قاصد روانہ کیا اور قریش کو اس حال کی اطلاع دے کر اپنے قافلہ کی مدد چاہی۔ مکہ سے قریش میں کے ہزار آدمی مقام بدر تک ابوسفیان کی مدد کو آ گئے اب ابوسفیان کا قافلہ تو سمندر کے کنارہ کے راستہ سے مکہ کو چلا گیا اور مسلمانوں کی تھوڑی سی فوج کو ہزار آدمیوں کی فوج سے لڑائی شروع کرنے کی نوبت آئی اسی لڑائی کے شروع کرنے میں انصار کے بعضے لوگوں نے وہ عذر کیا جس کا ذکر آیت کے آگے کے ٹکڑے کی تفسیر میں آتا ہے۔

۶۔ آیت کے اوپر کے ٹکڑے میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بغیر حکم خدا کے کوئی کام نہیں کرتے ہیں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم ابوسفیان کے قافلہ کے پیچھے نکلے تھے اور مومنین بھی آپ کے ساتھ تھے سامان جنگ کسی کے پاس مہیا نہ تھا کیونکہ یہ لوگ تیس آدمیوں کے قافلہ کو لوٹنے کے ارادہ سے آئے تھے لیکن جب یہ قافلہ ہاتھ سے نکل گیا اور مشرکین مکہ کی ہزار ہا آدمیوں کی فوج مقام بدر پر پہنچ گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب ان سے لڑنا چاہئے اس بات کو لوگوں نے سخت سمجھا اور کہنے لگے کہ اگر پہلے سے ہم کو لڑائی کا ارادہ معلوم ہوتا تو ہم سامان جنگ سے درست ہو کر آتے مگر بعد میں ان کو معلوم ہو گیا کہ حضرت کا حکم ٹھیک تھا آپ جو کام کرتے ہیں خدا کے حکم سے کرتے ہیں اسی کو اللہ پاک نے آیت کے اس ٹکڑے میں بیان فرمایا کہ یہ لوگ تم سے حق بات میں جھگڑتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ دیدہ و دانستہ موت کے منہ میں جھونکے جاتے ہیں حالانکہ ان پر حق بات ظاہر ہو گئی ہے کہ رسول کا حکم بغیر حکم خدا کے نہیں ہوتا ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی حدیث جو اوپر گذری وہی حدیث آیت کے اس ٹکڑے کی بھی گویا تفسیر ہے کیونکہ جس حدیث کے

[۱] صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۲ باب غزوہ بدر۔

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ

اور جس وقت وعدہ دیتا ہے اللہ تم کو ان دو جماعت میں سے کہ ایک تم کو ہاتھ لگ گئی اور تم چاہتے تھے جس میں

الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ

کانٹا نہ لگے وہ ہے تم کو اور اللہ چاہتا تھا کہ سچا کرے سچ کو اپنے کلاموں سے اور کاٹے پیچھا

موافق اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس لڑائی کا انجام جتلایا تھا اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انجام کا ذکر صحابہ سے بھی کر دیا تھا اسی واسطے فرمایا یجادلونک فی الحق بعد ما تبین جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جتلانے سے جس لڑائی کا سچا انجام اللہ کے رسول نے ان لوگوں کو جتلا دیا تھا تو پھر لڑائی کے شروع کرنے میں ان لوگوں نے اللہ کے رسول سے ناحق کا جھگڑا کیا۔

۷۔۸۔ اس آیت کی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول سے بہت اچھی طرح واضح ہوتی ہے محمد بن اسحاق حضرت عبداللہ بن عباس سے اس قصہ بدر کو یوں بیان کرتے ہیں کہ ابوسفیان قریش کا بہت سا مال لیکر ملک شام سے چلا یہ خبر حضرت کو ملی آپ نے صحابہ سے کہا تم مدینہ سے باہر نکلو اگر خدا نے چاہا تو تمہیں یہ سب مال مل جائیگا اکثر لوگ آپ کے ساتھ ہو گئے اور بعضے رہ گئے کیونکہ لڑائی کا ارادہ تو تھا ہی نہیں جو سب کے سب نکلتے ابوسفیان نے مدینہ کے قریب پہنچ کر جاسوس بھیجے جاسوس سے جو شخص ملتا تھا اس سے حال پوچھتے چلے جاتے تھے ایک قافلہ سے معلوم ہوا کہ حضرت مع صحابہ کے تمہارے قافلہ پر آیا چاہتے ہیں یہ خبر جاسوس نے ابوسفیان سے جا کر کہی اس نے ایک شخص ضمضم بن عمرو غفاری کو اجرت دے کر قریش کی طرف بھیجا اور کہا کہ قریش کو جمع کر کے لے آؤ اور اپنا مال بچاؤ حضرت مع اپنے اصحاب کے راہ روکے ہوئے ہیں ضمضم تو ادھر روانہ ہوا اور آنحضرت صلعم جب تک وادی ذفران تک پہنچے ادھر سے قریش کی ہزار آدمیوں کی فوج آ گئی آپ کو یہ خبر معلوم ہوئی آپ نے لوگوں سے مشورہ لیا حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ نے نیک مشورہ دیا اور بعض لوگوں نے یہ کہا کہ ہم کو قریش سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے ہم تو مال کے واسطے گھر سے نکلے ہیں ہم تو ابوسفیان کی طرف چلیں گے اور مال لوٹیں گے قریش سے مقابلہ نہیں کریں گے پھر آپ نے کہا کہ تم ایک ایک علیحدہ بتلاتے جاؤ قریش سے جنگ کرنے میں تمہاری کیا رائے ہے مقداد بن عمروؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ صلعم آپ کو جو حکم خدا نے دیا ہے وہ کیجیے ہم آپ کے ساتھ ہیں موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے جو بات کہی تھی کہ وہ اور ان کا خدا جا کر لڑیں ہم تو قوم عمالقہ سے لڑنے کو نہیں جائیں گے ان کہنے والوں میں ہم نہیں ہیں ہم کو اسی ذات کی قسم ہے جس نے تم کو رسول بنا کر بھیجا ہے اگر آپ ملک حبش تک جا کر مقابلہ کرنا چاہیں تو ہم بھی وہاں تک چل کر لڑیں گے آپ نے مقدادؓ کو دعا دی پھر آپ نے انصار کی طرف خطاب کر کے فرمایا تمہاری کیا رائے ہے سعد بن معاذؓ نے کہا کہ یا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ پر ایمان لا چکے ہیں آپ کے رسول ہونے کی تصدیق کر چکے ہیں جو کچھ آپ خدا کی طرف سے لائے ہیں اس کی گواہی دے چکے ہیں آپ سے قول و قرار مضبوطی کے ساتھ کر چکے ہیں جو کچھ آپ کو خدا کا فرمان ہے اس کے بموجب حکم دیجیے اگر آپ دریا میں گھسیں گے تو ہم بھی آپ کے ساتھ گھس پڑیں گے ہم میں سے ایک آدمی بھی پیچھے نہ رہے گا ہم اس بات سے ناخوش نہیں ہیں کہ ہم کو دشمن سے لڑنا پڑے گا ہم جنگ کے وقت صبر کرنے والوں میں ہیں اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ اللہ پاک آپ کو ایسی بات دکھلا دے جس سے

الکٰفِرِیْنَ ۝ لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ کَرِہَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸

کافروں کا تا سچا کرے سچ کو اور جھوٹا کرے جھوٹ کو اور گنہگار اگرچہ بُرا مانیں ۔

آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں آپ بسم اللہ کر کے چلیں ہم آپ کے ساتھ ہیں آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ چلو غرض کہ اللہ پاک نے ابوسفیان کے قافلے اور مشرکین مکہ کی فوج انہیں دونوں گروہ کا ذکر اس آیت میں فرمایا کہ ان دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ میں کر چکا ہوں کہ ایک تمہارا ہے تم ان میں سے ایک پر غالب ہو جاؤ گے انہیں قتل کرو اور مال غنیمت لو وہ تمہیں دفع نہیں کر سکے گا اور جو یہ چاہتے ہو کہ نرم لقمہ تمہارے ہاتھ لگے کہ ابوسفیان کا قافلہ بے لڑے بھڑے لوٹ لو یہ قافلہ بے ہتھیار ہے تو یہ بات اللہ کو پسند نہیں ہے خدا کا ارادہ تو یہ ہے کہ مشرکین کی جو فوج سامان جنگ سے درست ہے ہتھیار لگائے ہوئے ہے اس پر تمہیں فتح مند کرے اور اپنی حق بات پوری کرے اور کفار کو نیست و نابود کرے بہت سے لوگ قید ہوں اور بہت سامان تمہارے ہاتھ لگے حق کو غلبہ ہو جھوٹ مغلوب ہو یہ بات اچھی ہے یا وہ بات اچھی ہے جس کو تم اچھا جانتے ہو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول مختصر طور پر طبرانی میں بھی ہے جس کی روایت علی بن ابی طلحہ کے ذریعہ سے ہے اس تفسیر کے مقدمہ میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ جو قول عبداللہ بن عباسؓ کا علی بن ابی طلحہ کے ذریعہ سے روایت کیا جاتا ہے وہ نہایت صحیح ہوتا ہے اس لئے آیت کی جو تفسیر عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق اوپر بیان کی گئی ہے وہ صحیح ہے علاوہ اس کے مختصر طور پر یہ قصہ صحیح بخاری و نسائی میں بھی عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت[1] سے آیا ہے جس سے محمد بن اسحاق کی روایت[2] کو پوری تقویت ہو جاتی ہے بعضے مفسرین کو یہ شبہ جو پیدا ہوا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ تو بدر کی لڑائی کے وقت موجود نہیں تھے پھر ان کی روایت اس بات میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تک مسلسل کیونکر شمار کی جا سکتی ہے اس شبہ کو حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں یوں رفع کر دیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بدر کی لڑائی کے قصوں کو حضرت ابوبکر صدیقؓ یا حضرت عمرؓ سے سن کر روایت کرتے ہیں[3] چنانچہ صحیح مسلم کی بعضی روایتوں میں خود حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس کی صراحت کر دی ہے کہ اصل میں یہ قصہ میں نے حضرت عمرؓ سے سنا ہے[4] اس طرح ایک صحابی دوسرے صحابی سے سن کر کوئی روایت کرے تو اس کو صحابی کی مرسل روایت کہتے ایسی روایت کے مقبول ہونے پر سب محدثین اور مفسرین کا اتفاق ہے ابن ماجہ کے حوالہ سے زید بن ثابتؓ کی معتبر روایت ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن لوگوں کی زندگی کا دارومدار فقط دنیا کی دولت کمانے پر ہے ان کو دنیا کا مال و متاع تو اسی قدر ملے گا جو ان کی تقدیر میں ہے لیکن ان کی زندگی دنیا کی سرگردانی میں بسر ہو گی اور جن لوگوں کا قصد عقبےٰ کی بہبودی کا ہو گا وہ دین و دنیا دونوں پا دیں گے[5] اس حدیث کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیتوں اور حدیث کے ملانے سے یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ جن لوگوں کا آیتوں میں یہ ذکر ہے کہ انہوں نے ابوسفیان کے قافلہ کے لوٹنے کا لالچ چھوڑ کر عقبےٰ کی بہبودی کے قصد سے دین کی لڑائی میں جو اللہ کے رسول کا ساتھ دیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا اور عقبےٰ میں دونوں جہان میں وہ لوگ اچھے رہے دنیا میں ہر ایک کے حصہ میں پانچ ہزار کا مال آیا اور عقبےٰ میں دین کی لڑائی کا اجر پا دیں گے اسی طرح

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۴ باب قول اللہ تعالےٰ اذ تستغیثون ربکم الخ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۸۸ [3] فتح الباری ج ۴ ص ۶ باب قول اللہ تعالےٰ اذ تستغیثون ربکم الخ [4] صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۳ باب الامداد بالملائکۃ فی غزوۃ بدر واباحۃ الغنائم [5] ابن ماجہ ص ۳۱۷ باب الہم بالدنیا۔

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ﴿٩﴾

جب تم لگے فریاد کرنے اپنے رب سے تو پہنچا تمہاری پکار کو کہ میں مدد بھیجوں گا تمہاری ہزار فرشتے لگاتار آنے والے ؛

اب بھی عقبیٰ کی بہبودی کا قصد جو لوگ رکھیں گے وہ دین و دنیا دونوں پاویں گے۔ ولو کرہ المجرمون کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین مکہ کو اگرچہ اسلام کی ترقی شاق ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں جو اسلام کی ترقی ٹھہر چکی ہے وہ ہو کر رہے گی اللہ سچا ہے اللہ کا کلام سچا ہے بدر کی لڑائی کے زمانہ سے اسلام کی جو ترقی شروع ہوئی وہ ظاہر ہے ؛

۹۔ صحیح مسلم ترمذی نسائی اور مسند امام احمد بن حنبل میں چند صحابہ کی روایتوں سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جب آنحضرت نے مشرکین کی فوج کے ہزار آدمی اور اپنی طرف کے صرف کچھ اگلے تین سو آدمی دیکھے تو آپ کو بڑا اندیشہ ہوا اس لئے جس صبح کو مقابلہ ہونے والا تھا اس رات آپ نے تمام رات اللہ سے مدد اور فتح کی دعا بڑی عاجزی سے مانگی یہاں تک کہ آپ کی چادر بھی کندھے پر سے گر پڑی اور حضرت ابوبکر صدیق نے آپ کی چادر پھر آپ کو اوڑھائی اور عرض کیا کہ حضرت آپ دعا میں اتنا اصرار کیوں فرماتے ہیں ضرور اللہ تعالیٰ آپ کی دعا قبول فرماویگا اتنے میں ذرا آپ کو اونگھ آگئی اور پھر آپ مسکراتے ہوئے اٹھے اور حضرت ابوبکر سے فرمایا تم کو میں خوشخبری سناتا ہوں کہ اللہ کی مدد آن پہنچی دیکھو ایک طرف جبرئیل پانسو فرشتوں کی فوج سے اور دوسری طرف میکائیل پانسو فرشتوں کی فوج سے لشکر اسلام کے دائیں بائیں موجود ہیں[۱] فرشتے اگرچہ مسلمانوں کی دل جمعی کے لئے اور لڑائیوں میں بھی لشکر اسلام کی مدد کو آئے ہیں لیکن صحیح قول یہی ہے کہ بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کی فوج بہت کم تھی اس لئے اس لڑائی میں فرشتے لڑے بھی ہیں باقی قصہ جنگ بدر کا سورہ آل عمران میں گذر چکا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا یہ قصہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے ہے[۲]۔ اور صحیح مسلم کی روایت میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس بات کی صراحت کر دی ہے کہ انہوں نے یہ قصہ حضرت عمرؓ سے سنا ہے[۳] حاصل کلام یہ ہے کہ اوپر یہ جو بیان ہوا تھا کہ بدر کی لڑائی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ خود تو موجود نہیں تھے لیکن بدر کی لڑائی کے قصوں کی ان کی روایتیں مراسیل صحابہ کے طور پر ہوا کرتی ہیں اب مسلم کی سند میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ صراحت کہ انہوں نے یہ قصہ حضرت عمرؓ سے سنا ہے اس اوپر کے بیان کی ایک مثال ہے اور اس دعا کے بعد فرشتوں کی مدد آنے کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت جو صحیح بخاری میں ہے حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس کا یہ فیصلہ کیا ہے کہ یہ روایت انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے سن کر کی ہے کیونکہ سب سے پہلے فرشتوں کی مدد کی خوشخبری آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو دی تھی[۴] جس کا ذکر آیت کی شان نزول کی روایتوں میں گذر چکا ہے۔

[۱] صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۳ باب الامداد بالملٰئکۃ الخ و جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۳۴ تفسیر سورۃ الانفال و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۸۹ [۲] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۴ باب قول اللہ تعالیٰ اذ تستغیثون ربکم الخ و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۹۰ [۳] صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۳ [۴] فتح الباری ج ۴ ص ۶ باب قول اللہ تعالیٰ اذ تستغیثون ربکم الخ و ج ۴ ص ۸۱ باب شہود الملٰئکۃ بدرا۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ

اور یہ تو دی اللہ نے فقط خوشخبری اور تا چین پکڑیں دل تمہارے اور مدد نہیں مگر

عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (١٠) ع

اللہ کی طرف سے بے شک اللہ زور آور ہے حکمت والا ؛

ع ١٥

صحیح بخاری میں انس بن مالکؓ سے اور صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے اور معتبر سند سے مسند امام احمد میں عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے جو روایتیں ہیں ان میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دعا کرنے والے ہر شخص کو چاہئے کہ دل لگا کر نہایت اصرار اور عاجزی سے دعا مانگے کیوں کہ اوپرے دل سے جو دعا مانگی جاتی ہے وہ بارگاہ الٰہی میں قبول نہیں ہوتی[1] آیت کی شان نزول میں جو روایتیں گذریں ان کو اور ان روایتوں کو ملانے سے یہ مطلب سمجھ میں آ جاتا ہے کہ بدر کی لڑائی سے پہلے آپ نے لشکر اسلام کی فتح کی دعا بڑی عاجزی اور اصرار سے اس لئے مانگی کہ آپ کی دعا رائگاں نہ جاوے حاصل کلام یہ ہے کہ شان الٰہی کی پہچان میں نبی اور صدیق کے مرتبہ کا فرق اسی حالت سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ کے رسول دعا کے وقت اپنی عاجزی اور اپنے اصرار سے نہیں گھبرائے بلکہ الہام الٰہی کے موافق عاجزی اور اصرار کو دعا کے قبول ہونے کا سبب سمجھا ہاں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مرتبہ نبوت سے کم تھا اس لئے وہ حضرت کی عاجزی اور آپ کے اصرار سے گھبرا گئے اس کے سوا یہاں بعضے صوفیہ نے کچھ اور باتیں جو لکھی ہیں ان کی تائید کسی صحیح حدیث سے نہیں ہوتی بدر کی لڑائی میں پہلے ہزار فرشتے آئے اور پھر دو دفعہ میں چار ہزار اور آئے غرض سب پانچ ہزار فرشتے آئے اسی واسطے اس آیت میں پہلی دفعہ کے ہزار فرشتوں کا ذکر ہے اور سورہ آل عمران میں بیچ کے دفعہ کے تین ہزار اور آخری دفعہ کے پانچ ہزار کا ذکر ہے دونوں آیتوں میں کچھ اختلاف نہیں ہے یہ دونوں آیتوں کی مطابقت ربیع بن انس کے قول کے موافق بیان کی گئی ہے۔ یہ ربیع بن انس حسن بصری اور قتادہ کی طرح تابعیوں میں کے قدیم مفسر ہیں صحاح ستہ میں ان کی روایتیں ہیں آیت مردفین ہزار فرشتوں کے ذکر کے بعد جو فرمایا اس سے ربیع بن انس کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے کیونکہ مُرْدِفِین کا بھی وہی مطلب ہے کہ ہزار فرشتوں کے بعد اور فرشتے آئے ؛

١- بدر کی لڑائی میں مسلمان بہت تھوڑے تھے اور کافر بہت تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی طرح طرح کی مدد کی اور کئی طرح کے اسباب دل جمعی کے انکے لئے مہیا کئے آسمان سے اول ایک ہزار پھر تین ہزار پھر پانچ ہزار تک فرشتے ان کی مدد کو بھیجے کافروں نے پہلے سے بدر پر پہنچ کر وہاں کے پانی پر قبضہ کر لیا تھا اور شیطان نے مسلمانوں کو پیاس اور نہانے اور وضو سے تنگ پاکر ان کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا تھا کہ اگر یہ دین حق ہوتا اور تم سچے ہوتے تو کیا تم کو ایسی مصیبت میں ڈالتا کہ پانی تک کو ترس رہے ہو شیطان کا یہ وسوسہ رفع کرنے کے لئے فوراً اللہ تعالیٰ نے مینہ برسایا اور جگہ جگہ گڑھوں میں مسلمانوں کی ضرورت کے موافق پانی جمع ہو گیا ایک طرح کی تھکان رات بھر کے جاگنے سے جو مسلمانوں پر چھا گئی تھی دشمن کے مقابلہ سے پہلے ان کو ایک طرح کی اونگھ میں کر کے اللہ تعالیٰ نے ان کی وہ تھکان رفع کر دی ان کے دشمنوں کے دل میں رعب اور ان کے دل میں دلیری پیدا کر دی مقابلہ کے وقت ان کی نظروں میں دشمنوں کی تعداد کم کر دی ان سب اسباب کے بعد اس آیت میں فرمایا کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے

[1] الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۱۰۳ - الترہیب عن رفع المصلی راسہ الی السماء الخ

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم

جس وقت ڈال دی تم پر اونگھ اپنی طرف سے تسکین کو اور اتارا تم پر آسمان سے پانی کہ اس سے تم کو پاک کرے

بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ

اور دور کرے تم سے شیطان کی نجاست اور محکم کر دے تمہارے دلوں پر اور ثابت کرے

تمہارا دل خوش کرنے اور تمہاری راحت کے لئے کر دیا ہے ان اسباب پر فتح منحصر نہیں فتح اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ہے جب وہ چاہتا ہے فتح جب ہی ہوتی ہے حاصل یہ ہے کہ اس عالم اسباب میں سبب تو ہر ایک چیز کا اللہ نے لگایا ہے مگر اسی سبب میں وہ تاثیر پیدا نہ کرے تو کچھ نہیں ہوتا یہی روزمرہ کی تاثیر کی دوائیں جب آدمی کا آخری وقت آجاتا ہے اور اللہ کی مرضی ان دواؤں کی اثر کی نہیں ہوتی تو ساری دوائیں بالکل بے اثر ہو جاتی ہیں غرض آدمی کو چاہئے کہ اسباب ظاہری پر تکیہ کرکے اللہ کا بھروسہ کسی حال میں نہ چھوڑے صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک بڑی حدیث ہے جس میں امت محمدیہ کے ستر آدمیوں کا بغیر حساب وکتاب کے جنت میں جانیکا ذکر ہے[۱] اور یہ بھی ہے کہ جنکا یہ ذکر ہے وہ ہر باب میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والے ہونگے۔ آیت میں اللہ پر بھروسہ کرنیکا جو ذکر ہے اس بھروسہ کے اجر کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے۔ بعضے صوفیہ نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنیکا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ظاہری اسباب کو بالکل چھوڑ دیا جاوے جیسے مثلاً شیر سامنے آجاوے تو اللہ پر بھروسہ کرکے اپنی طرف سے اس شیر سے بچنے کی کچھ کوشش نہ کی جاوے لیکن جمہور علماء نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنیکا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ آدمی دل سے ہر باب میں اللہ پر بھروسہ کرے اور ہاتھ پاؤں سے ظاہری اسباب کو کام میں لاوے جس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہری اسباب کو کام میں لاکر آدمی دل میں یہ اعتقاد رکھے کہ ان ظاہری اسباب میں اللہ تعالیٰ کچھ تاثیر پیدا کریگا تو ہوگی ورنہ مستقل طور پر ان ظاہری اسباب کو نہ تقدیر الٰہی میں کچھ دخل ہے نہ اصلی طور پر ان میں کچھ تاثیر ہے۔ اس سورہ کی آیتوں میں ظاہری اسباب کے طور پر مخالفوں سے لڑنے کے حکم سے اور فتح کے باب میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے حکم سے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنیکا وہی مطلب صحیح قرار پاتا ہے جو جمہور علماء نے بیان کیا ہے۔ اس سورہ کی آیتوں کے سوا اور بھی بہت سی آیتیں اور صحیح حدیثیں ایسی ہیں جن سے جمہور علماء کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے۔ ان اللہ عزیز حکیم کا یہ مطلب ہے کہ ظاہری اسباب میں تاثیر کا پیدا کرنا اور نہ کرنا یہ سب اس کی قدرت اور حکمت کے کارخانے ہیں بدر کی لڑائی میں قدرت اور حکمت کے ایک کارخانہ کا ظہور تھا اور احد کی لڑائی میں باوجود زیادہ ہونے اسباب ظاہری کے قدرت اور حکمت کے دوسرے کارخانہ کا ظہور ہوا۔

۱۱۔ اوپر کی آیت میں یہ بات گذر چکی ہے کہ بدر کی لڑائی میں مسلمان بہت ہی کم کچھ اوپر تین سو تھے اور دشمن ایک ہزار کے قریب تھے یہ کثرت دشمنوں کی دیکھ کر مسلمانوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ دیکھئے کیوں کر ان پر فتح نصیب ہوتی ہے اس پر طرہ یہ ہوا کہ رات کو مسلمانوں کو نہانے کی حاجت ہوگئی اور پانی پر کفار کا قبضہ ہو گیا تھا ریت کی زمین تھی خشکی کے سبب سے نہ انسان کے پاؤں جمتے تھے نہ جانور چل سکتے تھے صبح نماز وغیرہ بے وضو ضروری ادا کرنے سے مجبور ہوئے جس کا ان کے دل پر بہت بڑا اثر ہوا اور سمجھے کہ یہ شکست کے آثار ہیں اللہ پاک نے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ایک ہزار فرشتے ان کی مدد کو بھیج دیئے جیسا کہ اوپر کی

[۱] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۶۰ باب یدخل الجنۃ سبعون الفا بغیر حساب۔

الاقدام ⑪ اذ یوحی ربک الی الملئکۃ انی معکم فثبتوا الذین

تمہارے قدم جب حکم بھیجا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں ساتھ ہوں تمہارے سو تم دل ثابت کرو

آیت میں گذر چکا اس آیت میں یہ بیان ہے کہ اللہ پاک نے مسلمانوں پر اونگھ کا غلبہ کر دیا جس اونگھ سے یہ لوگ بہت جلد چونک پڑے اور دل میں جو کچھ خوف تھا وہ سب جاتا رہا تھکان بھی سب رفع ہو گئی اور ایک اطمینان حاصل ہو گیا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ جنگ میں اونگھنا خداوند جل شانہ کی طرف سے امن ہے اور نماز میں اونگھنا شیطان کا وسوسہ ہے[1] پھر اللہ پاک نے مینہ برسایا زمین سخت ہو گئی گرد و غبار بیٹھ گیا لوگوں کی پیاس بجھی اپنے اپنے برتن پانی سے بھر لئے حوائج ضروری سے فارغ ہوئے وضو کیا غسل کیا پاک و طاہر ہو گئے اسی کو فرمایا کہ تمہارے رب نے تم سے شیطانی وسوسہ دور کر دیا کیونکہ حاجت غسل کو بھی علماء شیطانی وسوسہ خیال کرتے ہیں بہر حال اللہ پاک نے جس طرح اونگھ بھیج کر ان کے دلوں کو وسوسوں سے پاک و صاف کیا اسی طرح مینہ برسا کر ان کے جسموں کو بھی پاک کر دیا پھر روحانی اور جسمانی شجاعت کی طرف ان کا خیال پھیرا کہ تم دل میں یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ کل امور شکست کے آثار ہیں ان سب کو اللہ تعالےٰ نے رفع کر دیا اب تمہارے دل مطمئن ہو گئے اور خاطر جمع ہو گئی اور اب تمہارے قدم ریت کی زمین پر جمیں گے اور تمہارے جانور آسانی سے چلیں پھریں گے سورہ آل عمران میں گذر چکا ہے کہ لشکر اسلام کو اونگھ احد کی لڑائی میں بھی عین لڑائی کے وقت آئی تھی لیکن وہ اونگھ لڑائی کے بگڑ جانے کا رنج و غم رفع کرنے کے لئے تھی اور بدر کی لڑائی میں لڑائی سے پہلے کی اونگھ میں اللہ تعالےٰ نے یہ اثر پیدا کر دیا تھا کہ دشمنوں کی تعداد کے زیادہ ہونے سے مسلمانوں کے دل میں شکست کھانے کا جو اندیشہ تھا وہ اس اونگھ کے بعد جاتا رہا۔ صحیح بخاری وغیرہ میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ خیبر کی لڑائی میں مسلمانوں میں کے لشکر کا ایک شخص بڑی کوشش اور تندہی سے دشمنوں پر حملہ کر رہا تھا اس شخص کی یہ حالت دیکھ کر حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے الہام الٰہی کے موافق یہ فرمایا کہ اس شخص کا انجام دوزخ ہے۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ظاہری اسباب سے اس شخص کا دوزخی ہونا بعضے صحابہ کی سمجھ میں نہیں آتا تھا لیکن آخر کو وہ شخص ایسا زخمی ہوا کہ زخموں کی تکلیف برداشت نہ کر سکا اور خودکشی کر کے مر گیا[2] اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت اور حدیث کے ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ انسان کی سمجھ کے موافق بعضے کاموں کے ظاہری اسباب کچھ اور طرح کے ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالےٰ کو اپنے علم غیب کے موافق جس طرح ان کاموں کا کرنا منظور ہوتا ہے وہ غیب سے کوئی سبب ایسا پیدا کر دیتا ہے کہ ظاہری اسباب کے برخلاف وہ کام انجام کو پہنچ جاتے ہیں مثلاً جس طرح اس نے بدر کی لڑائی میں اونگھ اور مینہ کو مسلمانوں کی فتح کا اور خیبر کی لڑائی میں خودکشی کو اس شخص کے دوزخی ہونیکا غیبی سبب ٹھہرایا۔

۱۲ — ۱۳ اللہ پاک نے فرشتے جو لشکر اسلام کی مدد کو بدر کی لڑائی میں بھیجے تھے ان کا حال یہ بیان فرمایا کہ مسلمان اسکا شکریہ ادا کریں اور یہ بھی فرمایا فرشتوں کو حکم تھا کہ اے فرشتو تم مومنوں کے دل کو جا کر مضبوط اور قوی کرو ہم کفار کے دلوں میں خوف و رعب ڈال دیں گے فرشتے آئے تو انہوں نے مسلمانوں کے دل کو مضبوط کیا اور لڑائی میں مسلمانوں کا ہاتھ بھی بٹایا فرشتے انسان کی صورت میں ایک ایک صحابی کے پاس آ کر کہتے تھے کہ ہم نے مشرکوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اگر مسلمان ہم پر حملہ کریں گے تو ہم بھاگ جائیں گے

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۹۱ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۰۴ باب غزوۃ خیبر

اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ

مسلمانوں کے میں ڈال دوں گا دل میں کافروں کے دہشت سو مارو اوپر گردنوں کے

وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ

اور کاٹو ان کی پور پور یہ اس واسطے ہے کہ وہ مخالف ہوئے اللہ کے اور اس کے رسول کے

وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذٰلِكُمْ

اور جو کوئی مخالف ہوا اللہ کا اور اس کے رسول کا تو اللہ کی مار سخت ہے یہ تو تم

فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾

چکھ لو اور جان رکھو کہ منکروں کی غذا ہے عذاب دوزخ کا

پھر اس بات کا چرچا مسلمانوں میں ہونے لگتا تھا اور ان کے دلوں کو قوت اور طاقت ہوتی تھی اور بعض مفسرین نے فثبتوا کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ جس طرح شیطان کو انسان کے دلوں میں وسوسہ ڈالنے کی قدرت ہے اسی طرح فرشتوں کو بنی آدم کے دل میں نیک بات کے ڈالنے کی طاقت ہے اس کو تثبیت کہتے ہیں پھر اللہ پاک نے فرمایا کہ کافروں کے سر پر مارو اور ہاتھ پر مونڈھے وغیرہ ہر ایک جوڑ پر ضرب لگاؤ یہ اس لئے فرمایا کہ سر پر چوٹ آنے سے جس طرح انسان بے قابو ہو جاتا ہے اسی طرح جوڑوں پر ضرب پہنچنے سے بے بس ہو جاتا ہے پھر اس میں اٹھنے بیٹھنے کی بھی طاقت نہیں رہتی ربیع بن انسؓ کہتے ہیں کہ بدر کی لڑائی میں مسلمان لوگ فرشتوں کے قتل کئے ہوئے مشرکوں کو پہچانتے تھے کسی کا سر تن سے جدا تھا کسی کے جوڑ جوڑ پر ایسی ضرب لگی تھی جس طرح آگ سے جل کر داغ پڑ جاتا ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ابو جہل نے بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کو کمزور دیکھ کر کہا کہ ان لوگوں کو قتل نہ کرو زندہ گرفتار کر لو تاکہ ان کو معلوم ہو جاوے کہ ان لوگوں نے ہمارے دین پر طعن کی تھی اور لات اور عزیٰ سے منحرف ہوئے تھے اس پر یہ آیت اتری اور چند مشرکوں کے قتل کے بعد ابوجہل قتل ہوا غرض بدر کی لڑائی میں کل ستر آدمی مارے گئے اور ستر آدمی قید ہوئے یہ بھی فرمایا کہ یہ خدا اور رسول کی مخالفت کی سزا ہے ان مشرکوں نے خدا اور اس کے رسول کی مخالفت کی تھی یہ نہیں جانتے تھے کہ خدا بڑا سخت عذاب کرنے والا ہے پھر کافروں کو مخاطب ٹھہرا کر فرمایا کہ اب تو دنیا میں یہ عذاب چکھ لو قتل و گرفتار ہو اور آخرت میں کفار کے واسطے الگ جہنم میں عذاب ہوگا صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے جابرؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لشکر اسلام ایک مہینہ کے راستہ پر بھی ہو تو دشمنوں کے دل پر لشکر اسلام کا رعب چھا جاتا ہے[1] صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک مسلمان شخص بدر کی لڑائی میں ایک مشرک پر حملہ کرنا چاہتا تھا اتنے میں اس مشرک کے سر پر ایک کوڑا لگنے کی آواز آئی جس کے صدمہ سے وہ مشرک زمین پر گرا اور مر گیا[2] منکرین اسلام کے دل میں رعب پیدا ہو جانے کا اور لشکر اسلام کی مدد کے طور پر فرشتوں کا منکرین اسلام سے لڑنے کا ذکر جو ان آیتوں میں ہے یہ حدیثیں گویا اس کی تفسیر ہیں ؎

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۸ کتاب التیمم ؎

[2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۳ باب الامداد بالملائکۃ الخ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ ﴿۱۵﴾

اے ایمان والو جب بھڑو تم کافروں سے میدان جنگ میں تومت دو ان کو پیٹھ

وَمَن يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ

اور جو کوئی انکو پیٹھ دے اس دن مگر یہ کہ ہنر کرتا ہو لڑائی کا یا جا ملتا ہو فوج میں

۱۵-۱۶-اس آیت میں اللہ پاک لڑائی سے بھاگنے والوں کو فرماتا ہے کہ دشمنوں سے بھاگو نہیں اور جو بھاگے گا وہ خدا کا غضب لیکر گھر کو پھریگا اور اس کا ٹھکانا جہنم میں بہت ہی بُری جگہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ دین کی لڑائی سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے مگر اس صورت میں کہ اگر کوئی اس لئے لڑائی سے پیٹھ پھیرے کہ دشمن کو دھوکہ دے کر ایک طرف سے بھاگ کر اور پھر دوسری طرف سے دشمن کو قتل کریگا یا اپنے سردار کے پاس لوگ بھاگ کر جائیں تو ان دو صورتوں میں اللہ پاک نے بھاگنے کی اجازت دی ہے اسی کو فرمایا الامتحرفا لقتال او متحیزا الی فئة کہ اس ارادہ سے کوئی لڑائی سے بھاگ نکلا کہ پھر آئیگا یا اپنی دوسری فوج میں جا ملا دشمن کو دھوکا دینا لڑائی میں یہ بھی ایک ہنر جنگ کے فنون میں سے ہے چنانچہ صحیح بخاری مسلم اور ابوداؤد کی کعب بن مالکؓ کی روایت میں اس کا ذکر ہے[1] مسند امام احمد ترمذی وابن ماجہ میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک لشکر کے ہمراہ کسی جنگ میں بھیجا لڑائی میں سے لوگ بھاگ نکلے یہ بھی ان کے ساتھ ہٹ آئے ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ ہم لڑائی سے پھر آئے اور خدا کا غضب لے کر گھر کو پھرے گھر جانے سے پہلے حضرت کے پاس چلنا چاہئے اگر توبہ قبول ہوئی تو بہتر ہے ورنہ پھر چل دیں غرضکہ نماز صبح سے پہلے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجرہ سے نکل کر فرمایا تم کون لوگ ہو ابن عمرؓ کہتے ہیں ہم نے کہا کہ ہم لوگ لڑائی سے بھاگ کر آئے ہیں بھگوڑے ہیں آپنے فرمایا کہ نہیں میں تمہارا اور سارے مسلمانوں کا گروہ ہوں تم لوگ میرے ساتھ دوبارہ حملہ کرنے والوں میں ہو ابن عمرؓ نے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ چوم لیا ابن ابی حاتم نے اس روایت کو بیان کرکے یہ کہا کہ پھر حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی او متحیزا الی فئة[2] بہرحال ان دونوں صورتوں کے علاوہ لڑائی سے بھاگنا مطلق حرام ہے صحیح بخاری و مسلم ابوداؤد و نسائی میں ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات چیزیں مسلمان شخص کو ہلاک کرنے والی ہیں ان سے بچو لوگوں نے پوچھا یا حضرت وہ کیا ہیں آپنے فرمایا خدا[1] کے ساتھ شریک ٹھہرانا۔ جادو[2] کرنا۔ ایسے[3] شخص کو قتل کرنا جس کے قتل کو اللہ پاک نے حرام کیا ہے۔ سود[4] کھانا۔ یتیم[5] کا مال کھانا اور لڑائی[6] کے دن بھاگنا اور مومنہ[7] پاکدامن عورت پر بدکاری کی تہمت کا لگانا۔ بعضے مفسرین کا مذہب یہ ہے کہ لڑائی سے بھاگنا صحابہ پر حرام تھا کیونکہ جہاد ان پر فرض تھا یا خالص انصار پر حرام تھا کیونکہ ان لوگوں نے اللہ کے رسول کے ہاتھ پر بیعت کی تھی کہ ہر حال میں آپکا ساتھ دیں گے اور بعضے کہتے ہیں کہ یہ آیت خالص اہل بدر کے واسطے اتری ہے۔ اس آیت سے مراد وہی لوگ ہیں جو بدر کی لڑائی میں شریک تھے کیونکہ اب انکا کوئی ایسا گروہ شوکت دار نہ تھا جس کے پاس لوگ بھاگ کر جاتے اسی لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جب خدا سے کمک کیلئے دعا کی تھی تو یہ کہا تھا کہ اے اللہ اگر یہ لوگ ہلاک

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۳ حدیث کعب بن مالک الخ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۹۳ — ۲۹۴ و جامع ترمذی ج ۱ ص ۲۰۵ باب ما جاء لاتفادی جیفۃ الاسیر [3] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۹۴ –

فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾

سو وہ لے پھرا غضب اللہ کا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کیا بری جگہ جا ٹھہرا

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ

سو تم نے ان کو نہیں مارا لیکن اللہ نے مارا اور تو نے نہیں پھینکی مٹھی خاک جس وقت پھینکی تھی لیکن

ہو جاویں گے تو کوئی تیری عبادت کا کرنے والا دنیا میں نہیں رہے گا مگر جمہور مفسرین کا یہ قول ہے کہ آیت عام ہے اس کا حکم بھی عام ہے صحابہ یا انصار یا اہل بدر کے واسطے یہ حکم مخصوص نہیں ہے اگرچہ یہ آیت بدر کے موقعہ پر اتری ہے مگر قیامت تک جتنے جہاد ہوں گے سب کے واسطے یہ حکم باقی ہے اور ہر جنگ کرنے والے مسلمان پر دین کی لڑائی سے بھاگنا حرام ہے ابوہریرہؓ کی حدیث جو اوپر گذری اس سے آخری قول کی تائید ہوتی ہے ابن عمرؓ کی روایت جو اوپر گذری اس کی سند میں ایک راوی یزید بن ابی زیاد ہے جس کو اکثر علماء نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن ترمذی نے اسکی روایت کو معتبر قرار دیا ہے[1] اور صحیح مسلم میں ایسے موقعہ پر اس کی روایت لی گئی ہے جہاں اور روایتوں سے اس کی روایت کو تقویت پہنچ سکتی ہے[2] امام بخاری نے بھی ادب مفرد میں اس حدیث کو روایت کیا ہے[3] ان سب باتوں کے سبب سے اس حدیث کو معتبر کہا جاسکتا ہے۔ ابن عمرؓ کے قصہ کا حاصل یہ ہے کہ وہ اپنے سردار حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ میں لڑائی کے موقعہ کو چھوڑ کر آگئے تھے اس لئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو ان لوگوں میں شمار کیا جنکا لڑائی سے بھاگنا مستثنے کے طور پر آیت میں جائز رکھا گیا ہے غرض یہ قصہ آیت کے استثنار کی ایک صورت کی تفسیر ہے جس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ سردار اگرچہ لڑائی کے موقعہ سے دور بھی ہو تو لڑائی کے موقعہ کو چھوڑ کر کسی شخص کا اپنے سردار کے پاس آجانا آیت کی مستثنے کی صورت میں داخل ہے اس سورت میں آگے آویگا کہ ابتدائے اسلام میں ایک مسلمان کو دس مخالف اسلام شخصوں سے لڑنے کا حکم تھا پھر ایک کو دو سے لڑنے کا حکم آگیا اس حکم کے موافق ایک مسلمان مثلاً تین مخالفوں کے مقابلہ سے پہلو تہی کرے تو وہ بھی گناہ میں داخل نہیں ہے اس تفسیر میں ایک جگہ گذر چکا ہے کہ جہاد کے حکم سے درگذر کی مکی آیتیں منسوخ نہیں ہیں اس لئے ضعف اسلام کے زمانے میں بے سروسامانی کے سبب سے بہ سبب بے سروسامانی کے دین کی لڑائی سے درگذر بھی گناہ میں داخل نہیں ہے زحف کے معنے لشکر کے ہیں :

ے[4] جنگ بدر اور جنگ حنین میں آنحضرت نے ایک مٹھی خاک کی لے کر دشمنوں کے لشکر کی طرف پھینک دی اور فرمایا کہ شاھت الوجوہ جس کا مطلب یہ ہے کہ دشمنوں کے منہ پھر گئے اور چہرے بگڑ گئے اللہ کے حکم سے کوئی کافروں کے لشکر میں ایسا باقی نہ رہا جس کے منہ اور آنکھوں میں خاک نہ بھر گئی ہو بدر کی لڑائی کے وقت یہ خاک کی مٹھی پھینکنے کا قصہ طبرانی تفسیر ابن جریر تفسیر ابوالشیخ ابن حبان اور تفسیر ابن ابی حاتم میں حکیم بن حزامؓ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور جابرؓ کی روایتوں سے آیا ہے[4] اور حنین کی لڑائی کے وقت کا یہ قصہ صحیح مسلم میں سلمہ بن الاکوعؓ اور مسند امام احمد اور مستدرک حاکم میں عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایتوں سے آیا ہے[5] بدر کے وقت کا قصہ تین صحابیوں کے حوالہ سے چند طریق سے آیا ہے اس لئے یہ قصہ بھی صحیح ہے خصوصاً ابن ابی حاتم کی روایت سے دوسری روایتوں کو زیادہ تقویت ہوجاتی ہے کیونکہ اس تفسیر کے مقدمہ میں بیان کر دیا گیا ہے کہ ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں روایتوں کی صحت کا زیادہ خیال

[1] جامع ترمذی ج ۱ ص ۲۰۵ باب جاء لا تعادی حیۃ الاسیر [3] تفسیر الدر المنثور ج ۳ ص ۱۷۴ [4] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۹۶ و تفسیر ابن جریر ج ۹ ص ۲۰۴ – ۲۰۵ و لباب النقول ص ۱۰۶ – ۱۰۷ [5] صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۱ باب غزوہ حنین صہ

اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٧﴾

اللہ نے پھینکی اور کیا چاہتا تھا ایمان والوں پر اپنی طرف سے خوب احسان تحقیق اللہ ہے سنتا جانتا

ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٨﴾

یہ تو ہو چکا اور جان رکھو کہ اللہ سست کرے گا تدبیر کافروں کی۔

رکھا ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگردوں میں سے مجاہد کے قول کے موافق آیت کی شان نزول اور آیت کے مطلب کا حاصل یہ ہے کہ بدر کی فتح کے بعد کچھ مسلمان آپس میں فخر کی باتیں کیا کرتے تھے ایک اپنی بہادری کو فتح کا سبب قرار دیتا تھا اور دوسرا اپنی کو تو اللہ تعالیٰ نے اسپر یہ آیت نازل فرمائیؒ اور فرمایا مسلمانوں کا دشمنوں پر غالب ہونا اللہ کے رسول کی ایک مٹھی خاک سے اور دشمنوں کا پست ہمت ہو جانا یہ سب کچھ اللہ کی مدد سے ہوا اسلئے بجائے ان فخر کی باتوں کے مسلمانوں کو چاہیے کہ اللہ کی مدد اور اسکے احسان کی شکر گذاری کا تذکرہ آپسمیں کیا کریں کہ اس شکر گذاری کے بدلے میں اس کے احسانات کی اور زیادتی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی شکر گذاری کی بات کو خوب سنتا اور شکر گذاری کی نیت کو خوب جانتا ہے معتبر سند سے مسند امام احمد میں نعمانؓ بن بشیر کی حدیث ہےؒ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے احسانات کا جتلانا شکر گذاری اور اسکے احسانات کو بھول جانا بڑی ناشکری ہے مستدرک حاکم میں عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث ہےؒ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسے شخص پر قیامت کے دن اللہ کا غصہ ہو گا جو اپنے فخر اور اپنی بڑائی کا دل میں خیال رکھے گا عبداللہ بن عمر کی حدیث کو حاکم نے صحیح کہا ہے آیت میں آپس کی فخر کی باتوں کی ممانعت اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کے شکر گذاری کا جو ذکر ہے یہ حدیثیں گویا اسکی تفسیر ہیں۔

١٨۔ اس سے اوپر کی آیت میں اللہ پاک نے یہ بیان فرمایا کہ مشرکین جو لڑائی میں قتل و غارت ہوئے اور جو خاک کی مٹھی پھینکی گئی جو کفار کی آنکھ ناک منہ میں جا کر پڑی اور وہ بھاگ نکلے جنگ کے میدان سے انکے پاؤں اکھڑ گئے اسکو مومن یہ نہ سمجھیں کہ ہم نے ان کو قتل کیا اور ہم نے مٹھی کنکریوں کی پھینکی تھی جو بکار آمد ہوئی بلکہ یہ سب اللہ کی قدرت تھی اللہ کا حکم تھا ورنہ کیا مجال تھی کہ کوئی کسی کو قتل کر سکتا یا بھگا دیتا یہ سب نعمتیں اللہ کی تھیں جو ایمان والوں پر کی گئیں اس کے بعد اس آیت میں یہ بشارت دی کہ یہ سب تدبیریں جو تمہارے مفید مطلب اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوئیں وہ اس واسطے ہوئیں کہ اللہ پاک کفار کے مکر و حیلہ کو سست کر دیتا ہے اور ان کی کوئی تدبیر پیش نہیں چلنے دیتا مثلاً ان مشرکوں نے اسی لڑائی میں پانی پر قبضہ کر کے لشکر اسلام کے پیاسے رہنے کی تدبیر کی اللہ تعالیٰ نے مینہ برسا کر ان کی وہ تدبیر بگاڑ دی یا مثلاً جیسے آگے آوے گا کہ ان مشرکوں نے ہجرت سے پہلے مکہ میں اللہ کے رسول پر سوتے میں تلواروں سے حملہ کرنے کی تدبیر کی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے اس فریب کا حال اپنے رسول کو جتلا دیا جس سے ان مشرکوں کی تدبیر کارگر نہ ہوئی یا مثلاً جیسے صلوٰۃ الخوف کا حکم نازل فرما کر نماز کی حالت میں حملہ کرنے کی ان مشرکوں کی تدبیر اللہ تعالیٰ نے بگاڑ دی یہ تو ایسے لوگوں کی دنیوی بدنصیبی کا حال ہوا عقبیٰ میں بھی ایسے لوگ دوزخ کے عذاب سے بچنے کی یہ تدبیر نکالیں گے کہ دنیا کی اپنی بداعمالی کا انکار کر کے اپنے آپ کو قریبی ایمان دار بنانا چاہیں گے لیکن اللہ تعالیٰ

ؒ تفسیر ابن جریر ج ٩ ص ٢٠٤ ؒ مسند امام احمد ج ٤ ص ٢٧٨ ؒ الترغیب والترہیب ج ٢ ص ١٨٧ الترغیب فی التواضع والترہیب من الکبر والعجب والافتخار۔

إِن تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ ۖ وَإِن تَنتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَ

اگر تم چاہو تو فیصلہ موجود ہے اور اگر باز آؤ تو تمہارا بھلا ہے اور

إِن تَعُودُوا نَعُدْ وَلَن تُغْنِيَ عَنكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ وَأَنَّ

اگر پھر کروگے تو ہم بھی پھر کریں گے اور کام نہ آوے گا تم کو تمہارا جتھا کچھ اگرچہ بہت ہوں اور جانو

اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٩﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ

کہ اللہ ساتھ ایمان والوں کے ہے اے ایمان والو حکم پر چلو اللہ کے اور اس کے رسول کے

ع ۹ ۱۶

ان لوگوں کے ہاتھ پیروں سے اصلی حال کی گواہی دلوا کر وہاں بھی ان کی وہ تدبیر چلنے نہ دیگا۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں اس ہاتھ پیروں کی گواہی کا ذکر ہے[1] اس آیت کو ابوہریرہؓ کی حدیث کے ساتھ ملانے سے آیت کی یہ تفسیر قرار پاتی ہے کہ ایسے لوگوں کی تدبیریں فقط دنیا میں ہی رائگاں نہیں ہیں بلکہ شرک کے وبال سے یہی بدنصیبی عقبیٰ میں بھی ان کے پیچھے لگی ہوئی ہے ؛

۱۹۔ اللہ تعالیٰ کفار کی طرف خطاب کر کے فرماتا ہے کہ تم جو ہر وقت اللہ سے مدد چاہتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم لوگ اپنے مخالف مومنین پر کب فتح یاب ہوں گے تو دیکھ لو تمہارا سوال پورا ہو گیا فتح بھی ہو گئی اور تمہارے مومنوں کے درمیان فیصلہ بھی ہو گیا امام احمد و نسائی نے عبداللہ بن ثعلبہؓ سے روایت کی ہے کہ ابوجہل نے بدر کے دن یہ کہا تھا کہ یا اللہ ہم کو وہ باتیں دکھا جو ہماری سمجھ سے باہر ہوں یہ اس نے بطور طلب مدد کے کہا تھا اسی روز صبح کو وہ ذلیل ہوا اور یہ آیت اتری اسی کے موافق ابن عباسؓ فرماتے ہیں حاکم نے عبداللہ بن ثعلبہؓ کی اس حدیث کو صحیح کہا ہے[2] سدی کا قول یہ ہے کہ مشرکین مکہ سے بدر کی طرف جب چلے تھے تو کعبہ کا پردہ پکڑ کر اللہ سے یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ اعلیٰ لشکر اور بزرگ گروہ اور اچھے قبیلہ کو فتح نصیب کر اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تم فتح چاہتے ہو جو تم کہتے ہو ویسا ہی ہوگا کہ اللہ کے رسول فتح یاب ہوں گے اور تمہیں شکست ہو گی اب آگے اللہ پاک نے مشرکوں سے فرمایا کہ اگر اب بھی تم اپنے کفر اور گمراہی سے باز رہو گے تو تمہارے حق میں بہتر ہوگا اور اگر تم پھر اسی کفر کی حالت پر رہے تو ہم بھی پھر ایسا ہی تمہیں ذلیل و خوار کریں گے سدی کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اگر پھر تم فتح چاہو گے تو ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فتح یاب کریں گے پھر فرمایا کہ اگر بڑے سے بڑا لشکر بھی لے کر آؤ گے تو بھی کچھ مفید نہ ہوگا اور کچھ کام نہ چلے گا کیونکہ اللہ مومنوں کے ساتھ ہے ہمیشہ انہیں کو فتح دے گا اور اللہ کے ساتھ اوروں کو شریک ٹھہرانے والے ہمیشہ ذلیل رہیں گے ؛

۲۰۔ اوپر یہ فرما کر کہ اللہ ایمانداروں کے ساتھ ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول کی فرمانبرداری اور اطاعت کا حکم ایمانداروں کو دیا ہے اور اس میں کوتاہی کرنی اور پھر جانے سے منع فرمایا ہے ہم کو اللہ کا کلام بلا واسطہ رسول کے نہیں آتا اس واسطے رسول کی فرمانبرداری کا خاص طور پر آیت میں ذکر کیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ رسول کی فرمانبرداری میں کسی طرح کی کوتاہی میں اللہ کی فرمانبرداری کی کوتاہی ہے اب اللہ کے حکم کی فرمانبرداری کا نہ کرنا ایک تو اس شیوہ پر ہے جو کافروں کا شیوہ تھا کہ ظاہر باطن میں کسی طرح وہ اللہ کے احکام کو نہیں مانتے تھے اور ایک شیوہ منافقوں کا تھا کہ ظاہر میں تو اپنی جان اپنا مال بچانے کے لئے وہ اپنے

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۰۹ کتاب الزہد [2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۹۶

وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا

اور اس سے مت پھرو سُن کر اور ویسے مت ہو جنہوں نے کہا کہ ہم نے سُنا

وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ

اور وہ نہیں سنتے ہیں بدتر سب جانداروں میں اللہ کے پاس وہی بہرے گونگے ہیں

آپ کو نبی وقت کے روبرو اور مسلمانوں کے روبرو مسلمان کہتے تھے مگر باطن میں مسلمان نہ تھے ان دونوں فرقوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے آیت میں فرما کر مسلمانوں کو منع کیا ہے کہ تم ویسے نہ ہو وہ کافروں اور منافقوں کی سی نافرمانی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی برکت اور کوشش سے اس امت میں سے اکثر اٹھا دی ہے مگر اور طرح کے بہکاوے کے جال شیطان نے پھیلا کر نافرمانی کے پھندے میں لوگوں کو پھنسا رکھا ہے کہ وہ اس بہکاوے کو چھوڑ کر اللہ اور رسول کے احکام کی فرمانبرداری پوری نہیں کر سکتے مثلاً بعضے لوگ طرح طرح کی بدعتوں میں گرفتار ہیں اور شریعت میں بدعت کی جو مذمت آئی ہے اس کو کان لگا کر نہیں سنتے ایسے ہی بعضے لوگ ریاکاری میں مبتلا ہو کر اپنے سب نیک عملوں کو برباد کر رہے ہیں معتبر سند سے مسند امام احمد ابوداؤد، ترمذی، اور ابن ماجہ میں عرباض بن ساریہؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد کے لوگ بہت سی اختلاف کی باتیں پاویں گے ایسے وقت میں ہر ایماندار شخص کو چاہئے کہ میرے اور صحابہ کے طریقہ کو دریافت کر کے اس کے موافق عمل کرے اور شریعت میں کسی جدید بات کے نکالنے سے پرہیز کرے کیونکہ شریعت میں جو جدید بات نکالی جاوے اس کو بدعت کہتے ہیں اور بدعت پر چلنا گمراہی کا سبب ہے[1] ابوداؤد اور نسائی کے حوالہ سے ابوامامہؓ کی صحیح حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بغیر خالص نیت ثواب عقبےٰ کے دنیا کے دکھاوے کا کوئی عمل بارگاہ الٰہی میں مقبول نہیں ہوتا۔[2] ان حدیثوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت میں اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم ہے اور حدیثوں سے یہ تفصیل معلوم ہوتی ہے کہ اختلاف کے وقت یا بدعت و ریاکاری میں پھنسنے کے وقت ایماندار شخص اس اطاعت کو کیونکر پورا کر سکتا ہے ؛

۲۱-۲۲-۲۳۔ اللہ پاک نے اس سے پہلے کی آیت میں مومنوں کو خطاب کر کے یہ فرمایا تھا کہ تم ہر ایک امر میں خدا اور اس کے رسول کی تابعداری کرتے رہو اور ہر باب میں ان کے حکم سے منہ نہ پھیرو کیونکہ تم قرآن کی پند و نصیحت کی باتیں سنتے اور سمجھتے ہو اور اس کی تصدیق کرتے ہو اس کے بعد اس آیت میں یہ بیان فرمایا کہ ان لوگوں کی خصلت نہ اختیار کرو جو زبان سے کہتے ہیں کہ ہم سنتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ وہ سنتے نہیں ہیں کیونکہ سننے کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ اس سے کچھ نفع بھی حاصل ہو یہ منافقین یا مشرکین خدا کا کلام صرف کانوں سے سنتے ہیں مگر اس سے کوئی نفع نہیں اٹھاتے اس لئے ان کا سننا اور نہ سننا دونوں برابر ہیں پھر اللہ پاک نے یہ بیان فرمایا کہ یہ لوگ چارپایوں سے بھی بدتر ہیں بالکل بہرے گونگے ہیں کچھ سمجھ ہی نہیں رکھتے ان سے تو جانور بھی اچھے ہیں کہ وہ اپنے فرض منصبی کو ادا کرتے ہیں جو جس کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس امر میں وہ خدا کا مطیع ہے انسان ہیں جو اللہ کی عبادت کے لئے بنائے گئے مگر انہوں نے اس سے انکار کیا اس لئے یہ چارپایوں سے بدتر ٹھہرے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ یہ لوگ منجملہ قریش کے عبدالدار بن قصی

---

[1] جامع ترمذی ج ۲ ص ۹۲ باب الاخذ بالسنۃ واجتناب البدعۃ و ابن ماجہ ص ۵ باب اتباع سنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین [2] الترغیب ص ۱۴۱ الترغیب فی الاخلاص والصدق الخ و سنن نسائی ج ۲ ص ۱۱ من غزا یلتمس الاجر والذکر طبع المکتبۃ السلفیہ لاہور۔

الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِیْهِمْ خَیْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ

جو نہیں بوجھتے اور اگر اللہ جانتا ان میں کچھ بھلائی تو ان کو سناتا اور جو ان کو اب سنائے

لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ

تو اُلٹے بھاگیں منہ پھیر کر اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور

کے قبیلہ کے چند لوگ تھے جو کہتے تھے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم جو شریعت لائے ہیں اس سے بہرے گونگے ہیں یہ لوگ سب کے سب سوائے دو شخصوں کے جنگ احد میں مارے گئے ان میں سے دو شخص بچے تھے مصعب بن عمیر اور سویبط بن حرملہ یہ دونوں مسلمان ہوئے پھر اللہ پاک نے اپنے علم کا حال ان منافقوں اور مشرکوں کے متعلق بیان فرمایا کہ یہ لوگ جو خدا کا کلام سننے سے عاری ہیں یہ ان کا کفر و نفاق ہے جو سننے نہیں دیتا اگر ہم اپنے علم ازلی کے موافق ان کے سننے میں بھلائی اور بہتری دیکھتے تو ان کو اس کے سننے کی توفیق دے دیتے لیکن اللہ کے علم ازلی کے موافق یہ نتیجہ قرار پا چکا ہے کہ اگر بالفرض انہیں سننے اور سمجھنے کی توفیق بھی دے دی جائے تو بھی یہ لوگ نہیں سنیں گے بلکہ نصیحت سے پیٹھ پھیرنے لگیں گے اور اس سننے سے کوئی نفع نہیں اٹھائیں گے اور عناد اور کفر کی وجہ سے نصیحت کے نفع سے پہلو تہی کریں گے بعضے مفسروں نے یہاں یہ بیان کیا ہے کہ قبیلہ عبد الدار کے لوگ جن کا ذکر ابھی ہو چکا کہ وہ حضرت کا کلام سننے کے وقت یہ کہتے تھے ہم بہرے گونگے رہیں یہ لوگ آنحضرت صلعم سے کہا کرتے تھے کہ ہمارے باپ قصی کو آپ زندہ کر دیں تاکہ ہم اس سے دریافت کر لیں اگر وہ آپ کی رسالت کے متعلق گواہی دیگا تو ہم آپ پر ایمان لائیں گے اسی کے جواب میں اللہ پاک نے فرمایا کہ اگر ان لوگوں کو قصی کی باتیں بھی سنا دی جاویں تو بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے اور نصیحت کے سننے سے پیٹھ پھیر لیں گے اور دلی کفر کی وجہ سے ایمان لانے سے انکاری کریں گے صحیح مسلم کے حوالہ سے عبد اللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار برس پہلے اپنے علم ازلی کے نتیجہ کے طور پر اللہ تعالٰے نے وہ سب لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے جو دنیا کے پیدا ہونے کے بعد دنیا میں ہونے والا تھا[۱]۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوسعید خدری کی حدیث بھی گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے برے لوگوں کی مثال بری زمین کی اور قرآن شریف کی مثال مینہ کی فرمائی ہے[۲]۔ ان حدیثوں کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیتوں اور حدیثوں کے ملانے سے یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے علم الٰہی میں جو لوگ برے ٹھہر چکے ہیں ان کے دل میں اسی طرح قرآن کی نصیحت کچھ اثر نہیں کرتی جس طرح بری زمین میں مینہ کا پانی کچھ اثر نہیں کرتا اسی واسطے وہ بہروں کی طرح قرآن کی نصیحت نہیں سنتے اور گونگوں کی طرح حق بات کا اقرار زبان پر نہیں لا سکتے اسی واسطے ایمان داروں کو ایسے لوگوں کی عادتوں سے ہمیشہ بچنا چاہیے۔

۲۴۔ اس آیت میں اللہ پاک نے اہل ایمان کو خطاب کر کے فرمایا کہ خدا اور اس کے رسول کی بات مانو جب تمہیں رسول ایسی بات کے واسطے بلائے جس میں تمہاری زندگی ہے تو تمہیں سننا چاہیئے اور ہر حال میں رسول کی اطاعت کرنی چاہیئے کیونکہ رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے اس واسطے اللہ تعالٰے کی مرضی و نامرضی کی ہر ایک بات تم لوگوں کو انہیں رسول کے ذریعہ سے پہنچتی ہے شروع آیت

[۱] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۵ باب حجاج آدم و موسٰی علیہما السلام [۲] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸ باب فضل من علم وعلم۔

لِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ

رسول کا جس وقت بلائے تم کو ایک کام پر جس میں تمہاری زندگی ہے اور جان لو کہ اللہ روک لیتا ہے آدمی سے

وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۲۴﴾

اس کے دل کو اور یہ کہ اسی پاس جمع ہو گے؛

میں تو اللہ تعالےٰ نے اپنا اور اپنے رسول دونوں کا نام لے کر یوں فرمایا اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور رسول کا " اور پھر فرمایا جس وقت بلاوے تم کو ایک کام پر رسول یہاں اپنے نام کو اس لئے شریک نہیں فرمایا کہ امت کو اللہ تعالےٰ کا ہر ایک حکم رسول کی معرفت پہنچتا ہے اس واسطے اللہ کے رسول کا کسی دینی کام پر لوگوں کو بلانا وہ عین اللہ کا بلانا ہے صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت جابرؓ کی ایک بڑی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سوتے میں اللہ کے فرشتے زمین پر آئے ہیں اور پھر ان فرشتوں نے اللہ کے رسول کی ہدایت کا حال سمجھا کر آخر کو یہ کہا ہے کہ اللہ کے رسول کی فرمانبرداری عین اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور ان کی نافرمانی عین اللہ تعالےٰ کی نافرمانی ہے یہ حدیث آیت کی گویا ایسی تفسیر ہے جس کو اللہ کے فرشتوں کی تفسیر کہا جا سکتا ہے صحیح مسلم میں ابوسعید خدری کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنتی لوگوں سے اللہ کے فرشتے پکار پکار کر کہیں گے کہ اے جنتی لوگو اب تم ہمیشہ ایسے عیش و آرام میں رہو گے کہ دنیا کی طرح یہاں جنت میں تمہیں موت کی تکلیف کبھی پیش نہ آوے گی آیت میں اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی نصیحت کے سننے کو زندگی کا سبب جو فرمایا اس کی تفسیر اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آ سکتی ہے کہ اس نصیحت کے سننے والوں اور اس پر عمل کرنے والوں کو ہمیشہ کی زندگی عقبےٰ میں ملنے والی ہے اس واسطے اس نصیحت کو زندگی کا سبب فرمایا ترمذی میں ابی بن کعبؓ کی ایک حدیث ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک روز مسجد میں آئے ابی بن کعبؓ نماز پڑھ رہے تھے آپ نے ان کو پکارا انہوں نے جلدی سے نماز پوری کی اور آپ کے پاس آئے آپ نے فرمایا تجھے کس چیز نے روکا تھا کہ تو نے جواب بھی نہیں دیا کہا میں نماز پڑھ رہا تھا آپ نے فرمایا کہ تجھے نہیں معلوم ہے کہ اللہ پاک نے فرمایا کہ خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرو جب وہ بلاوے اور آپ نے یہ آیت پڑھی اسی طرح کی حدیث صحیح بخاری میں ابوسعید بن معلےٰ سے روایت کی گئی ہے اس حدیث سے اس بات پر دلیل لی گئی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پکارنے کا جواب دینا نماز کے اندر بھی ضرور ہے لیکن یہ بات اللہ کے رسول کیلئے خاص تھی اب کسی کے بلانے پر نماز کی نیت نہیں توڑ سکتے لما یحییکم کی تفسیر میں قتادہ کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے کیونکہ اس میں حیات ابدی اور نعمت سرمدی ہے اور سدی کہتے ہیں کہ اس سے مراد ایمان ہے کیونکہ اسی ایمان کی وجہ سے مومن کا دل زندہ رہتا ہے اور کافر کا دل اسی ایمان کے نہ ہونے سے مردہ ہے؛

اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالےٰ نے اپنی اور اپنے رسول کی فرمانبرداری کی تاکید فرمائی اور فرمایا تھا کہ بعضے لوگ ایسے ہیں کہ رسول کی ہدایت ان کے دل پر بالکل اثر نہیں کرتی اور جانوروں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ جانوروں کو اپنے نیک و بد کی تمیز اور سمجھ ہے ان کو اتنی بھی سمجھ نہیں اب اس آیت میں فرمایا کہ مسلمان کا دل رسول کی نصیحت سے کسی نیک بات کی طرف مائل ہوتا اور اسی

۱؎ صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۸۱ باب الاقتداء بسنن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ۲؎ صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۰ کتاب الجنۃ الخ ۳؎ جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۱۱ باب ما جاء فی فضل فاتحۃ الکتاب۔

۴؎ صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۶۹ باب قولہ یا ایہا الذین استجیبوا للّٰہ وللرسول الخ۔

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً ۚ

اور بچتے رہو اس فساد سے کہ نہ پڑے گا تم میں سے ظالموں پر چن کر

نصیحت سے کافروں اور منافقوں کے دل کو کچھ اثر نہ ہوا اور وہ جانوروں سے بدتر بنے رہیں تو اس کا کچھ تعجب نہیں کرنا چاہئے کیونکہ جان لینا چاہئے کہ جس اللہ نے انسان کو انسان کے دل کو پیدا کیا ہے اور اسی دل کے ارادہ پر انسان کی آنکھ ہاتھ پیر سب چلتے ہیں وہ دل کا ارادہ بھی اللہ کے ہی قبضہ قدرت میں ہے وہ جیسے انسان کی نیت دیکھتا ہے فوراً ادھر انسان کے دل کو پھیر دیتا ہے اس لئے نیک کام کی طرف مائل ہونا پھر اس نیک کام پر آخر عمر تک قائم رہنا اسی طرح بُرے کام کی طرف مائل ہونا پھر آخر عمر تک اس بُرے کام پر قائم رہنا سب اللہ کے ہاتھ ہے مسلم ترمذی مسند امام احمد بن حنبل میں جو روایتیں ہیں[1] ان کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو دین پر قائم رکھ صحابہ نے عرض کیا کہ حضرت کیا آپ کو دلوں کے پھر جانے کا خوف ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں دنیا بھر کے انسانوں کے دل بمنزلہ ایک دل کے اللہ کے ہاتھ اور اس کی دونوں انگلیوں میں ہیں جب جس طرح جدھر چاہے پھیر دیوے اور ہر انسان کا اس تجربہ ہے کہ دل کی ایک حالت نہیں رہتی نہ اس حالت پر آدمی کا قابو باقی رہتا ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث گذر چکی ہے کہ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کے نتیجہ کے طور پر لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے[2] اسی طرح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث بھی ایک جگہ گذر چکی ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ایک فرشتہ اور ایک شیطان رہتا ہے فرشتہ اس شخص کو ہمیشہ نیک کام کی رغبت دلاتا رہتا ہے اور شیطان بدکام کی[3]۔ ان حدیثوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت اور حدیثوں کو ملا کر یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ جو لوگ علم الٰہی میں بد ٹھہر چکے ہیں وہ اپنے ساتھ کے شیاطین کا کہا مان کر ہمیشہ بُرے کاموں کی طرف اپنی دلی ارادہ کو مائل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کسی کو کسی کام پر مجبور کرنا نہیں چاہتا کس لئے کہ اس طرح کی مجبوری انتظام الٰہی کے برخلاف ہے اس لئے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے دلی ارادہ کو نہیں روکتا اسی طرح جو لوگ علم الٰہی میں نیک ٹھہر چکے ہیں وہ اپنے ساتھ کے فرشتے کا کہنا مان کر ہمیشہ نیک کاموں کی طرف اپنے دلی ارادہ کو مائل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے دل میں نیک کاموں کی توفیق پیدا کر دیتا ہے اسی واسطے آخر آیت میں فرمایا کہ قیامت کے دن نیک بد سب کو اللہ کے روبرو کھڑا ہونا پڑیگا تاکہ شیاطینوں کے کہنا ماننے والوں کو سزا دی جاوے۔

۲۵-۲۶۔ یہ خاص لوگوں کے بدعمل کرنے کے سبب سے عام لوگوں پر بلا آجانے کا ذکر ہے جس کے خوف سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس آیت میں ڈرایا ہے تفسیر اس آیت کی اس حدیث میں ہے جس کو ابن ماجہ اور امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں چند صحابہ سے روایت کیا ہے حاصل ان روایتوں کا یہ ہے کہ جب کچھ لوگ کسی بستی میں بداعمالی کرنے لگیں گے اور اس بستی کے باقی لوگ ان بداعمال لوگوں کو وعظ نصیحت سے اس بداعمالی سے نہ روکیں گے تو اس طرح کی ساری بستی پر بلا آوے گی یہ حدیث سن کر لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت اس بستی میں نیک عمل کرنے والے جو لوگ تھے ان کے نیک عملوں کا کیا نتیجہ ہوا آپ نے فرمایا مرنے کے بعد ان کے

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۵ باب تصریف اللہ تعالیٰ القلوب کیف شاء و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۹۸ [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۵ باب حجاج آدم وموسیٰ علیہما السلام [3] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۶ باب تحریش الشیطان الخ

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ

اور جان لو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے اور یاد کرو جس وقت تم تھوڑے تھے

مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ

مغلوب پڑے ہوئے ملک میں ڈرتے تھے کہ اچک لیں تم کو لوگ پھر اس نے تم کو جائے دی

وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيُّهَا

اور زور دیا اپنی مدد سے اور روزی دی تم کو ستھری چیزیں شاید تم حق مانو گے اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ

ایمان والو چوری نہ کرو اللہ سے اور رسول سے یا چوری کرو آپس کی امانتوں میں

عملوں کا بدلا ان کو ملے گا مگر دنیا میں تو تمام بستی پر بلا آجاوے گی اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ جس بستی میں خلاف شریعت کام ہوتے ہوں وہاں جن لوگوں کو وعظ نصیحت کی طاقت ہو وہ ہرگز وعظ نصیحت سے باز نہ رہیں کیونکہ وعظ نصیحت کے چھوڑنے سے تمام بستی پر بلا آجانے کا خوف ہے زینب بنت جحش رضؓ کی اسی مضمون کی ایک حدیث مختصر طور پر صحیح بخاری[1] وسلم میں بھی ہے جس سے باقی روایتوں کو تقویت ہو جاتی ہے آخر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کی ہجرت سے پہلے کی کمزوری کی حالت یاد دلا کر ہجرت کے بعد غیبی مدد سے ان کی حالت جو درست ہو گئی ہے اس کی شکر گذاری کا ارشاد فرمایا ہے جس سے مطلب یہ ہے کہ اس شکر گذاری کو اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کی جا کر دین کی باتوں کی ایسی وعظ نصیحت کے پیرایہ میں ادا کرنا چاہئے تاکہ اس کی شکر گذاری کے بدلہ میں غیبی مدد روز بروز بڑھے اور اسلام کی ترقی ہو اللہ سچا ہے اللہ کا کلام سچا ہے۔ جب تک مسلمانوں میں اس شکر گذاری کا عمل رہا اسلام کو روز بروز ترقی رہی جب سے یہ عمل اٹھ گیا اسلام کی ترقی بھی اٹھ گئی۔ صحیح بخاری وسلم میں عمرو بن عوفؓ انصاری کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ کو اپنی امت کی تنگ دستی کا کچھ خوف نہیں ہے مجھ کو تو یہ خوف ہے کہ جب ان میں حکومت دولت سب کچھ پچھلی امتوں کی طرح آجاوے اور اس کی شکر گذاری ان سے نہ ہو سکے تو اس ناشکری کے وبال میں کہیں پہلی امتوں کی طرح یہ لوگ بھی نہ پکڑے جاویں[3] آخری آیت کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے اور تاریخ خلفا کے دیکھنے سے اس ناشکری کا اور ناشکری کے وبال کا پورا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے:

۲۷۔ مسند سعید بن منصور، تفسیر عبدالرزاق، تفسیر زہری، اور تفسیر کلبی میں عبداللہ بن ابی قتادہ سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جب آنحضرت نے یہود بنی قریظہ کا اکیس روز تک محاصرہ کیا اور بنی قریظہ نے آنحضرت سے صلح کرنے کی درخواست کی تو آنحضرت نے صلح سے انکار کیا اور یہ فرمایا کہ تم سعد بن معاذؓ کو اپنا پنچ قرار دے کر اپنی گڑھی سے نیچے اترآؤ بعد گڑھی کے نیچے اتر آنے کے سعد بن معاذؓ جو مشورہ اور رائے تمہارے باب میں دیویں گے اس کے موافق فیصلہ کیا

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۰۰ و ابن ماجہ ص ۲۹۶ باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۴۶ باب قول النبی صلے اللہ علیہ وسلم ہلاک امتی الخ و ج ۱ ص ۲۵۶ باب لا یدخل الدجال المدینۃ [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۵۱ باب ما یحذر من زہرۃ الدنیا والتنافس فیہا و صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۰۷ کتاب الزہد۔

تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾

جان کر اور جان لو کہ تمہارے مال اور اولاد جو ہیں خراب کرنے والے ہیں اور یہ کہ اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے

جاوے گا بنی قریظہ نے کہلا بھیجا ابولبابہؓ بن عبدالمنذر کو ہمارے پاس مشورہ کے لئے بھیجدیا جاوے آنحضرت نے ابولبابہؓ کو بھیجدیا ابولبابہ نے اپنی گردن پر اپنا ہاتھ پھیر کر اشارہ سے بنی قریظہ کو یہ سمجھا دیا کہ گڑھی سے اتر و گے تو قتل کرد یئے جاؤگے پھر ابولبابہؓ کو اسی وقت خیال آیا کہ میں نے رسولؐ کی امانت میں خیانت کی کیونکہ لشکر اسلام کا بھید میں نے ان پر اشارہ سے ظاہر کردیا اس تصور میں اپنے آپ کو ابولبابہ نے مسجد نبوی کے ستون سے باندھ دیا اور عہد کیا کہ جب تک اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرماویگا وہ ستون سے بندھے رہیں گے آخر نو دن تک بے آب و دانہ ستون سے بندھے رہے نویں روز غش کھا کر گر پڑے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان کی توبہ قبول ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے ان کی بندش کھولی سوا اسکے اور شان نزول جو اس آیت کے مفسرین نے بیان کی ہے اس کے یہ معنے ہیں کہ اس پر بھی آیت کا مطلب صادق آتا ہے کیونکہ ابولبابہؓ کے قصہ کی شان نزول جو اوپر بیان کی گئی اس کی روایت تفسیر عبدالرزاق میں ہے یہ عبدالرزاق قدیم مفسرین میں ہیں اور ان کی یہ تفسیر ان کے نابینا ہونے سے پہلے کی ہے اور ان کے نابینا ہونے سے پہلے ان کی روایتیں علماء کے نزدیک مقبول ہیں اسی واسطے حافظ ابن کثیر نے ان کی یہ روایتیں اپنی تفسیر میں نقل کیں اور اس پر کچھ اعتراض نہیں کیا۔ اگرچہ آیت کی شان نزول میں ایک خاص خیانت کا ذکر ہے لیکن سورہ نساء میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی صحیح روایت گذر چکی ہے کہ لفظ امانت سے وہ باتیں مقصود ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انسان پر فرض کی ہیں مثلاً نماز روزہ حج زکوٰۃ ان کو پورے طور پر ادا کرنا پوری امانت کی ادائی ہے ورنہ خیانت ہے[۳]۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امانت میں خیانت کرنا منافق آدمی کی عادتوں میں سے ایک عادت ہے[۴] آیت حدیث اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کو ملا کر یہ مطلب قرار پایا کہ عبادت الٰہی میں کس طرح کا خلل ڈالنا یا کوئی شخص کوئی چیز امانت رکھوادے تو اس میں خیانت کا کرنا یہ سب منافق لوگوں کی نشانی ہے۔

۲۸۔ اللہ پاک نے اوپر کی آیت میں یہ فرمایا کہ خدا اور خدا کے رسول کی خیانت نہ کرو جو بھید کی باتیں ظاہر کرنے کے لائق نہیں ہیں ان کو دشمنوں پر ظاہر نہ کرو عبادت میں کسی قسم کا خلل نہ ڈالو اور لوگوں کی امانت میں بھی خیانت نہ کرو کوئی امانت رکھنے کو دے تو اسے ہضم نہ کرلو اس کے بعد یہ بیان فرمایا کہ دنیا کے مال اور اولاد اگرچہ دنیاوی زندگی میں تمہارے لئے زینت ہیں مگر ساتھ ہی اس کے اکثر یہی مال و اولاد فتنہ میں ڈالنے والے ہیں اگر یہی مال و اولاد گناہ کے سبب بن جاتے ہیں اور آخرت کے کاموں سے روک دیتے ہیں اسلئے ان میں مشغول ہو کر خدا کی اطاعت سے باز نہ رہو مال و اولاد اس لئے تمہیں دیئے گئے ہیں کہ تم انکا شکر بجالاؤ پھر فرمایا کہ وہ اللہ ہی ہے جس کی عبادت اور فرمانبرداری میں مشغول رہنے سے ہمیشہ بہبودی کی صورت نظر آتی ہے کیونکہ اللہ ہی کی ذات وہ ہے جو دنیا و آخرت کا مالک ہے اور اس کے اختیار میں طرح طرح کے اجر عظیم ہیں علاوہ اس کے سعادت اخروی

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۰۰ و لباب النقول ص ۱۰۷۔ [۲] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۲۲۔ [۳] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰ باب علامۃ المنافق۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ

اے ایمان والو اگر ڈرتے رہو گے اللہ سے تو کر دیگا تم میں فیصلہ اور اتار دے گا تم سے

سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

تمہارے گناہ اور تم کو بخشے گا اور اللہ کا فضل بڑا ہے

تمام دنیا سے بہتر ہے کیونکہ اسکو ہمیشہ کے لئے بقا ہے اور دنیا کے پیچھے فنا لگی ہوئی ہے صحیحین میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ تین چیزیں جس میں ہونگی اسنے ایمان کی لذت پائی جس کے دل میں خدا اور اسکے رسول کی محبت غیر سے زیادہ ہو جو شخص کسی کو محض خدا کے واسطے دوست رکھتا ہو جو شخص ایمان لاکر پھر کفر کی طرف پھر جانا ایسا سمجھتا ہو جیسے آگ میں ڈالے جانے کو برا سمجھتا ہے[۱] دوسری حدیث انسؓ کی صحیحین میں یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا شخص ہرگز مومن نہیں ہے جو مجھ کو اپنے ماں باپ بال بچوں اور کل لوگوں سے زیادہ محبوب نہ رکھے[۲] ان حدیثوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت اور حدیثوں کو ملا کر یہ مطلب قرار پایا ہے کہ ہر شخص پکے ایماندار کو دین کی باتوں پر ایسا مضبوط رہنا چاہیے کہ مال و اولاد دنیوی کے سبب سے اس کی عقبیٰ کی مضبوطی میں کچھ فرق نہ آوے یہی مضبوطی پوری ایمانداری اور اللہ و رسول کی محبت کی نشانی ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے مستوردؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عقبیٰ کے مقابلہ میں دنیا ایسی ہے جیسے دریا کے مقابلہ میں ایک قطرہ[۳] آیت میں آخرت کے ثواب کو بڑا جو فرمایا یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے ؛

۲۹۔ اس سے پہلے اللہ پاک نے مومنوں کو مال اور اولاد میں مشغول ہو کر فتنہ میں پڑ جانے سے منع فرما کر اس آیت میں تقوے کا حکم دیا تقوی کے معنے مفسرین نے یہ بیان کئے ہیں کہ جو حکم خدا اور اسکے رسول کا پہنچ گیا ہے اس کو بسر و چشم مان کر اس کے مطابق عمل کرنا اور جن باتوں سے منع کیا گیا ہے ان سے بچنا اس لئے فرمایا کہ اگر تم تقوی اختیار کرو گے تو تمہارے دلوں میں ہدایت ڈال دی جائے گی جس سے تم حق و ناحق میں تمیز کر لو گے اور تمہارے چھوٹے گناہ مٹا دئے جائیں گے اور ہر بڑے گناہ تمہارے بخش دئے جائیں گے اور بعض مفسرین نے یہ بیان کیا ہے یکفر عنکم سیاتکم سے وہ گناہ مراد ہیں جو کئے جا چکے ہیں ان کو مٹا دیں گے اور ویغفر لکم کا یہ مطلب ہے کہ آگے کو جو گناہ تم سے سرزد ہونگے وہ بخشدئے جاویں گے غرض اگلے اور پچھلے گناہ بخش دیئے ہیں پھر فرمایا کہ گناہوں کے بخشنے کا جو وعدہ تم سے ہوا ہے یہ محض خدا کا فضل ہے اور اس کا فضل بہت بڑا ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوسعید خدریؓ کی ایک بہت بڑی شفاعت کی حدیث کا ذکر ایک جگہ گذر چکا ہے کہ جب قیامت کے دن سب شفاعتیں ختم ہو چکیں گی تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ایسے لوگوں کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دے گا جن کے دل میں کسی قدر توحید تو ہوگی لیکن عمر بھر انہوں نے کوئی نیک عمل نہ کیا ہوگا[۴] آیت میں اللہ کے فضل کا جو ذکر ہے یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے ؛

[۱] صحیح بخاری ج ۱ ص ۷ باب حلاوۃ الایمان و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۹۰ [۲] صحیح بخاری ج ۱ ص ۷ باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۹۰ [۳] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۳ باب فناء الدنیا و بیان الحشر یوم القیمۃ۔

[۴] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۱۰۷ باب قول اللہ وجوہ یومئذ ناضرۃ الخ

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَ

اور جب فریب بناتے لگے کافر کہ تجھ کو بٹھا دیں یا مار ڈالیں یا نکال دیں۔ اور

يَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

وہ بھی فریب کرتے تھے اور اللہ بھی فریب کرتا تھا اور اللہ کا فریب سب سے بہتر۔

۳۰۔ مسند امام احمد بن حنبل تفسیر کلبی مغازی محمد بن اسحاق اور تفسیر ابن ابی حاتم میں جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مکہ میں دار الندوہ ایک مشورہ کی جگہ قریش نے قرار دے رکھی تھی وہاں ایک جماعت قریش کی آنحضرت کی بابت مشورہ کرنے کی غرض سے جمع ہوئے دار الندوہ کے راستہ میں ایک بڈھا اس جماعت کے لوگوں کو ملا انہوں نے اس بڈھے سے پوچھا تو کون شخص ہے بڈھے نے کہا نجد کی طرف کا رہنے والا میں ایک شخص ہوں میں نے سنا تھا کہ تم لوگ ایک مشورہ کی غرض سے آج جمع ہوئے ہو اس لئے میں نے چاہا کہ میں بھی اس مشورہ میں شریک ہو کر تمہارا مشورہ سنوں اور جو کچھ میری رائے ہو وہ میں بھی تمہارے سامنے ظاہر کروں اس جماعت کے لوگوں نے کہا کہ اچھا کیا مضائقہ ہے آؤ تم بھی مشورہ میں شریک ہو جاؤ حقیقت میں وہ شیطان تھا جو نجد کے ایک بڈھے کی صورت میں آیا تھا غرض مشورہ شروع ہوا اور ایک شخص نے کہا اس شخص کو قید میں رکھنا چاہئے بڈھے نے اس رائے کو ناپسند کیا اور کہا کہ اس شخص کے ساتھی قید میں سے ضرور چھوڑا لیا دیں گے ایک شخص نے کہا اپنی بستی سے اس شخص کو نکال دینا چاہئے بڈھے نے اس رائے کو بھی ناپسند کیا اور کہا کہ وہ شخص بڑا فصیح ہے باہر کے لوگوں کو اپنا حامی بنا لیوے گا اور وہ لوگ تمہاری بستی پر چڑھائی کر کے تمہاری بستی کو چھین لیویں گے آخر ابوجہل نے یہ رائے ظاہر کی کہ چند جوانوں کو ننگی تلواریں دے کر یہ کہا جاوے کہ اس شخص پر ایک دم حملہ کریں اس رائے کو بڈھے ملعون نے بھی پسند کیا اور مشورہ کی مجلس برخاست ہوئی اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے تشریف لائے اور جس جگہ ہمیشہ آپ سویا کرتے تھے وہاں کے سونے سے آپ کو منع کیا اور اس سارے مشورہ کی خبر دی اور ہجرت کا حکم بھی سنایا آپ کے پاس لوگوں کی امانتیں بہت تھیں اس لئے حضرت علیؓ کو ان امانتوں کی ادائی کیلئے مکہ میں رہنے کا حکم دیا اور حضرت علیؓ آنحضرت کی چادر اوڑھ کر آنحضرت کی جگہ سوئے اور آنحضرت ثور پہاڑ کے غار میں چلے گئے اور کفار لوگ حضرت علیؓ کو آنحضرت کی جگہ سوتا دیکھ کر یہی خیال کرتے رہے کہ یہ آنحضرت سوتے ہیں صبح کو جب کفار نے حملہ کرنا چاہا اور حضرت علیؓ بھی سوتے سے اٹھا اور کفار نے بجائے آنحضرت کے حضرت علیؓ کو دیکھا تو حضرت علیؓ سے آنحضرت کو پوچھا حضرت علیؓ نے کہا مجھ کو معلوم نہیں کفار آنحضرت کی تلاش میں نکلے اور ثور پہاڑ پر چڑھے وہاں غار کو دیکھا تو اس پر اللہ کے حکم سے مکڑی نے جالا پور دیا تھا اس واسطے کفار نے سوچا کہ اگر اس غار میں جاتے تو مکڑی کا جالا کیوں کر قائم رہتا غرض کفار ڈھونڈ ڈھانڈ کر خالی واپس آئے اور آپ تین راتیں اسی غار میں رہے اور پھر مدینہ کو تشریف لے گئے غار میں رہنے کا اور مدینہ کے سفر کا ذکر آگے آوے گا یہاں اسی قدر ذکر ہے کہ کفار نے مشورہ کر کے آنحضرت کے ساتھ مکر و فریب جو کرنا چاہا تھا اس کے تذکرہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے اس قصہ میں ابوطالب کا ذکر بعض مفسرین نے جو کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے کس واسطے کہ یہ قصہ ہجرت

۵؎ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۰۲۔۳۰۳ و تفسیر معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۴۳۔۲۴۴۔

وَاِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتُنَا قَالُوۡا قَدۡ سَمِعۡنَا لَوۡ نَشَآءُ لَقُلۡنَا مِثۡلَ ہٰذَاۤ ۙ

اور جب کوئی پڑھے ان پر ہماری آیتیں کہیں ہم سن چکے ہیں ہم چاہیں تو کہہ لیں ایسا

اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذۡ قَالُوا اللّٰہُمَّ اِنۡ کَانَ ہٰذَا ہُوَ

یہ کچھ نہیں مگر احوال ہیں پہلوں کے اور جب کہنے لگے کہ یا اللہ اگر یہ دین

الۡحَقَّ مِنۡ عِنۡدِکَ فَاَمۡطِرۡ عَلَیۡنَا حِجَارَۃً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۳۲﴾

حق ہے تیرے پاس سے تو ہم پر برسا پتھر آسمان سے یا لا ہم پر دکھ کی مار

کی رات کا ہے اور ابو طالب کا انتقال اس سے تین برس پہلے ہو چکا ہے۔ اس شان نزول کی روایت کی سند میں ایک راوی عثمان بن عمرو جوزری ہے جس کو بعضے علماء نے ضعیف ٹھہرایا ہے لیکن ابن حبان نے اس کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے[1]۔ یہ ابن حبان نسائی کے شاگرد اور حاکم کے استاد ہیں اور ان کی تصنیفات معتبر ہیں حاکم کہا کرتے تھے کہ یہ ابن حبان علم کا گویا ایک خزانہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اوپر اپنے فضل کا ذکر فرما کر اس آیت میں یہ جتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بدر کی لڑائی میں جو اپنے رسول کی مدد کی ہے وہ مدد کچھ اسی لڑائی پر منحصر نہیں ہے کیونکہ اس لڑائی میں تو کچھ اوپر تین سو آدمی بھی اللہ کے رسول کے ساتھ تھے ہجرت سے پہلے ان مشرکین مکہ نے اللہ کے رسول کو اکیلا سوتا ہوا پا کر اللہ کے رسول پر حملہ کرنا چاہا تھا اللہ تعالیٰ نے جب بھی اپنے رسول کی ایسی ہی مدد کی تھی کہ اللہ کی مدد اور حکمت کے آگے مشرکین مکہ اور سب مشرکوں کے سردار ابلیس علیہ اللعنۃ کا سارا مشورہ بیکار ہو گیا ابو سعید خدریؓ کی جس شفاعت کی حدیث کا ذکر صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے اوپر گذرا اس آیت کی تفسیر میں اس کو بڑا دخل ہے کیونکہ آیت اور حدیث کے ملانے سے اللہ کے فضل کا حال معلوم ہوتا ہے۔

۳۱-۳۲-۳۳۔ ایک شخص مشرکین مکہ میں نضر بن حارث تھا جس کو بدر کی لڑائی میں مقداد صحابی نے پکڑا تھا اور باوجود اس کے کہ بدر کے اور قیدی فدیہ لے کر چھوڑ دیے گئے مگر نضر بن حارث کو اسی وجہ سے آنحضرت نے قتل کیا کہ وہ قرآن شریف کی شان میں ناشائستہ اور سخت لفظ کہا کرتا تھا مجوس کے ملک کا سفر اس نضر بن حارث نے اکثر کیا تھا اور رستم و اسفندیار وغیرہ کی داستانیں اس کو خوب یاد تھیں۔ قرآن کے مقابلہ میں مشرکین کو وہ داستانیں سنایا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ کہو میرے قصے اچھے ہیں یا محمدؐ کے اور کہتا تھا چاہوں تو میں ایسا قرآن بنا سکتا ہوں اس کی شان میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی آگے کی آیت میں پتھر برسنے اور عذاب کے آنے کی خواہش کا جو ذکر ہے صحیح بخاری و مسلم میں انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ یہ خواہش ابو جہل نے کی تھی[2] اور تفسیر ابن ابی حاتم میں سعید بن جبیر کی روایت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خواہش بھی نضر بن حارث ہی نے کی تھی[3]۔ اس تفسیر کے مقدمہ میں یہ گذر چکا ہے کہ ابن ابی حاتم نے صحت روایت کا زیادہ خیال رکھا ہے اس واسطے یہی قول صحیح معلوم ہوتا ہے کہ یہ خواہش ابو جہل اور نضر بن حارث دونوں شخصوں نے کی تھی ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کی کم عقلی جتلائی ہے کہ وہ قرآن جس میں کی ایک آیت بھی بنا کر یہ لوگ نہیں پیش کر سکے پھر باوجود اس کے قرآن کی شان میں ایسی کم عقلی کی باتیں ان میں کے بعضے لوگ منہ سے نکالتے تھے اور قوم

[1] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۱۴۵ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۰۴ [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۶۹ باب قولہ واذ قالوا اللھم الخ و صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۲ باب صفۃ القیامۃ الخ [4] تفسیر فتح البیان ج ۲ ص ۱۷۳ و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۰۴۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ

اور اللہ ہرگز نہ عذاب کرتا ان کو جب تک تو تھا ان میں اور اللہ نہ عذاب کرے گا

وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿۳۳﴾

ان کو جب تک بخشوا تے رہیں

کے باقی لوگ ان کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے یہ ان لوگوں کی بڑی بے عقلی ہے۔ صحیح مسلم ابو داؤد وغیرہ میں جابرؓ بن عبداللہ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر شخص کو اس طرح کی بد دعا سے منع فرمایا ہے[1] اس حدیث کو آخری آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت اور حدیث کے ملانے سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ جس طرح کی بد دعا ابوجہل اور نضر بن حارث نے کی تھی اس طرح کی بد دعا مسلمان شخص کو کسی حال میں جائز نہیں ہے۔

۳۳۔ ابوجہل اور نضر بن حارث نے جب یہ دعا مانگی کہ یا اللہ یہ دین جس کی طرف محمدؐ ہم کو مائل کرنا چاہتے ہیں اگر حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا اس کا جواب اللہ تعالےٰ نے یہ فرمایا کہ اب تک تو تم لوگوں پر کب کا عذاب نازل ہو چکا ہوتا لیکن دو سبب سے تم پر عذاب نہیں آیا ہجرت سے پہلے تو نبی وقت تم میں تھے اور ان کے سبب سے ایک وہ مسلمان ہوتے رہتے تھے نبی کی ہجرت کے بعد ضعیف لوگ جو ہجرت نہیں کر سکے وہ مکہ میں تھے جو ہمیشہ اللہ سے مغفرت کی دعا کرتے رہتے تھے صلح حدیبیہ کے بعد رفتہ رفتہ وہ لوگ بھی مکہ سے نکل آئے اب تم پر عذاب آیا بدر میں ستر بڑے بڑے سردار مارے گئے آخر خود مکہ فتح ہو گیا بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ خود مشرکین مکہ طواف کے وقت غفرانک کہہ کر مغفرت چاہا کرتے تھے اور اسی سبب سے ان مفسروں نے تھوڑے دن عذاب کے رکنے کا حکم اس آیت سے ٹھہرا کر پھر آئندہ کی آیت سے اس آیت کو منسوخ کہا ہے لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی سورہ انا فتحنا کی آیت ولولا رجال مومنون ونساء مومنات (۴۸:۲۵) میں صراحت سے اللہ تعالےٰ نے فرما دیا ہے کہ ہجرت کے بعد عذاب کے رکنے کا سبب ضعیف مسلمان تھے ترمذی میں حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت نے فرمایا ہے کہ نبی کے ہونے تک نبی کا موجود ہونا اور نبی کے بعد لوگوں کا استغفار کرنا عذاب الٰہی سے بچنے کے یہ دو سبب ہیں[2] اس حدیث سے بھی اسی تفسیر کی تائید ہوتی ہے جس کو اوپر قول صحیح قرار دیا گیا ہے کس لئے کہ اس حدیث میں خاص مسلمانوں سے آپ نے خطاب فرمایا ہے اور مسلمانوں کی ہی استغفار کو عذاب الٰہی کے رکنے کا سبب قرار دیا ہے ترمذی کی سند میں اگرچہ ایک راوی اسمٰعیل بن ابراہیم بن مہاجر ضعیف ہے لیکن صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہؓ بن مسعود کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ کو اپنے ایماندار بندہ کی توبہ و استغفار سے بڑی خوشی ہوتی ہے[3] اس صحیح حدیث سے ابو موسے اشعریؓ کی روایت کو تقویت ہو جاتی ہے اور صحیح تفسیر یہی قرار پاتی ہے کہ آیت میں ضعیف مسلمانوں کی توبہ استغفار کا ذکر ہے کیونکہ مشرک شخص جب تک شرک سے توبہ نہ کرے اس کی استغفار سے نہ اللہ تعالےٰ کو خوشی ہوتی ہے نہ ایسی استغفار سے عذاب الٰہی ٹل سکتا ہے۔

[1] الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۱۰۳۔ الترہیب من دعاء الانسان علی نفسہ الخ

[2] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۴۳ تفسیر سورہ الانفال و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۰۵۔

[3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳۳ باب التوبۃ۔

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا

اور ان میں کیا ہے یہ کہ عذاب نہ کرے ان کو اللہ وہ روکتے ہیں مسجد حرام سے اور

كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾

اس کے اختیار والے نہیں اس کے اختیار والے وہی ہیں جو پرہیزگار ہیں لیکن وہ اکثر خبر نہیں رکھتے

۳۴۔ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف رکھتے تھے تو یہ آیت اتری تھی وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم جس میں فرمایا تھا کہ جب تک اللہ کے رسول ان لوگوں میں ہیں اللہ پاک ان پر عذاب نہیں کریگا پھر جب آپ مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے چلے گئے تو یہ آیت اتری وما کان اللہ لیعذبھم وھم یستغفرون جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک ان کفار مکہ پر عذاب نہیں کریگا کیونکہ کچھ لوگ ابھی ایسے باقی ہیں جو استغفار کرتے ہیں یہ بقیہ مسلمان تھے جو مکہ میں رہ گئے تھے پھر یہ لوگ وہاں سے جب نکل گئے تو یہ آیت اتری جس میں فرمایا کہ اب کیا وجہ ہے جو اللہ ان پر عذاب نہ کرے کیونکہ وہ دونوں سبب جن کی وجہ سے ان پر عذاب نہیں آتا تھا اب باقی نہیں رہے نہ اللہ کے رسول وہاں رہے اور نہ وہ لوگ رہے جو استغفار کیا کرتے تھے مفسروں نے اس عذاب کے متعلق اختلاف کیا ہے بعضے کہتے ہیں کہ یہ عذاب وہ ہے جو بدر کی لڑائی میں ان مشرکوں کو نصیب ہوا بہت سے ان میں کے قتل ہوئے بہتیرے گرفتار ہوئے ان کے مال اسباب لوٹے گئے اور بعضوں کا قول ہے کہ عذاب وہ ہے جو فتح مکہ کے روز ان پر ہوا حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں مراد اس سے آخرت کا عذاب ہے اور اس سے اوپر کی آیت میں جس عذاب کی بابت روکے جانیکا ذکر ہے وہ عذاب دنیا ہے پھر اللہ پاک نے سبب عذاب کرنے کا بیان فرمایا کہ یہ لوگ اپنے گمان میں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم لوگ کعبہ کے متولی اور مالک ہیں اور حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو اس کے طواف کرنے سے روکتے ہیں اس میں نماز نہیں پڑھنے دیتے ہیں پھر ان کے اس دعوے کو یوں جھوٹا کیا کہ یہ لوگ کیونکر خانہ کعبہ کے متولی ہو سکتے ہیں اس کے متولی تو متقی ہیں جو غیر اللہ کی عبادت نہیں کرتے ہیں معتبر سند سے تفسیر ابن مردویہ میں حضرت انسؓ کی روایت ہے اس میں انسؓ بن مالک کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا اولیا آپ کے کون ہیں آپ نے فرمایا ہر متقی اور یہ آیت پڑھی ان اولیاءہ الا المتقون ولکن اکثرھم لا یعلمون اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو اس لئے کعبہ کا حقدار خیال کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہیں مگر ان میں کے اکثر لوگوں کو یہ خبر نہیں کہ جس طریقہ پر یہ لوگ ہیں وہ ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ نہیں ہے اس واسطے جو لوگ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد بھی ہیں اور ان کے طریقہ پر بھی ہیں کعبہ کے متولی ہونے کی وہی زیادہ حقدار ہیں مستدرک حاکم اور بیہقی میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن عالی خاندانی کچھ کام نہ آوے گی بلکہ اس دن ہر شخص کی پرہیزگاری کام آوے گی حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہ کی دوسری حدیث ہے جس میں یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک مشرک شخص کو کعبہ کے طواف سے منع فرمایا تھا آیت میں پرہیزگار لوگوں کی فضیلت کا اور مشرکوں کے کعبہ کے متولی ٹھہرنے کے لائق نہ ہونے کا جو

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۰۶ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۰۶ و مستدرک حاکم ج ۲ ص ۳۲۸ [3] کتاب التفسیر [4] صحیح بخاری ج ۹ ص ۲۲۰ باب لا یطوف بالبیت عریان ولا یحج مشرک۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً فَذُوقُوا الْعَذَابَ

اور ان کی نماز کچھ نہ تھی کعبے کے پاس مگر سیٹیاں بجانی اور تالیاں سو چکھو عذاب

بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۳۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا

بدلہ اپنے کفر کا جو لوگ کافر ہیں خرچ کرتے ہیں مال اپنے کہ روکیں

ذکر ہے یہ حدیثیں گویا اس کی تفسیر ہیں۔

۳۵۔ تفسیر ابن جریر، تفسیر سدی اور تفسیر واحدی میں حضرت ابن عمرؓ اور عکرمہؓ وغیرہ سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں اور آنحضرت کو نماز پڑھتا ہوا دیکھ کر نماز میں خیال بٹانے کی غرض سے ٹھٹھے کے طور پر مشرکین سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اس سے معلوم ہوا کہ ٹھٹھے کے طور پر نیک کام میں ہرج ڈالنا چھوٹی بات نہیں بڑا سخت گناہ ہے حاصل مطلب یہ ہے کہ مشرکین مکہ اپنے آپ کو کعبہ کا متولی جو ٹھہراتے تھے اللہ تعالیٰ نے اسکا یہ جواب دیا ہے کہ کعبہ نماز اور طواف کے لئے ہے طواف میں تو یہ لوگ اللہ کے نام کے ساتھ بتوں کا نام لیتے ہیں اور خود تو نماز کے قائل نہیں اللہ کے رسول اور ان کے ساتھی اللہ کے گھر میں اللہ کی عبادت کرتے ہیں تو ان کا خیال بٹانے کے لئے سیٹیاں اور تالیاں بجاتے ہیں پھر بھلا ایسے لوگ کیونکر کعبہ کے متولی ٹھہر سکتے ہیں غرض مشرکین مکہ کے کفر اور ان کی شرارتوں کے ذکر کے بعد آیت کے آخری ٹکڑے میں ان کی سزا کا ذکر فرمایا کہ ان لوگوں نے اپنے کفر اور اپنی سرکشی کے سبب سے کسی کا کچھ نہیں بگاڑا بلکہ اس کفر اور سرکشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی سزا میں انہی لوگوں کو دنیا اور عقبٰے کا عذاب بھگتنا پڑیگا دنیا کا عذاب تو یہ ہوا کہ بدر کی لڑائی میں یہ شریر لوگ بڑی ذلت سے مارے گئے پھر ان کی لاشیں بے گور و کفن پڑی رہیں عقبٰے کے عذاب کا یہ حال ہے کہ مرتے ہی عقبٰی کے عذاب میں گرفتار ہو گئے اسی واسطے ان کی لاشوں پر کھڑے ہو کر اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب تو تم لوگوں نے اپنے کفر اور شرارتوں کی سزا آنکھوں سے دیکھ لی اور عذاب الٰہی کے وعدہ کو سچا پالیا صحیح بخاری و مسلم میں انس بن مالکؓ کی جو روایتیں ہیں ان میں ان لوگوں کی لاشوں کے پڑے رہنے کی اور اللہ کے رسول کے ان لاشوں پر کھڑے ہو کر عذاب الٰہی یاد دلانے کی پوری تفصیل[۲] ہے اور وہی روایتیں آیت کے آخری ٹکڑے کی گویا تفسیر ہیں۔

۳۶،۳۷۔ تفسیر سدی اور مغازی محمد بن اسحاق وغیرہ میں جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین چندہ کر کے اور اپنے طور پر ایسے کاموں میں اپنا روپیہ خرچ کرتے تھے جن کاموں سے انہیں مسلمانوں کو حرج پہنچانا اور ان کا زور گھٹانا منظور ہوتا تھا مثلاً جب بدر کی لڑائی میں ابوجہل مارا گیا تو عکرمہ ابوجہل کے بیٹے نے شام کی تجارت کا اپنے حصہ کا روپیہ ابوسفیان کے حوالہ کیا تھا کہ مسلمانوں سے اس کے باپ کے قتل کا بدلہ لیا جاوے اور ابوسفیان نے اپنا روپیہ خرچ کر کے احد کی لڑائی میں حبشی لوگ مسلمانوں سے لڑنے کے لئے نوکر رکھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[۳] اور فرما دیا کہ اس روپیہ کے خرچ کرنے کا نتیجہ دین و دنیا میں یہ ندامت ہے کہ باوجود روپے خرچ کرنے کے ان کا مقصد حاصل نہ ہوگا اور آخر کو مکہ فتح ہو کر مسلمانوں کے قبضے میں آجاوے گا اور دین میں اسکا یہ لوگ مواخذہ بھگتیں گے اس سے معلوم ہوا کہ کسی ایسے کام میں روپیہ خرچ کرنا

[۱] تفسیر ابن جریر ج ۹ ص ۱۴۱، ۲ ولباب النقول ص ۱۱۰۔ [۲] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۶ باب قتل ابی جہل [۳] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۰۷۔

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۚ

اللہ کی راہ سے سو ابھی اور خرچ کریں گے پھر آخر ہوگا ان پر پچھتاوا پھر آخر مغلوب ہوں گے

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ

اور جو کافر ہیں دوزخ کو ہانکے جاویں گے تا جدا کرے اللہ ناپاک کو

الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا

پاک سے اور رکھے ناپاک کو ایک پر ایک پھر اس کو ڈھیر کرے سارا

فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

پھر ڈالے اس کو دوزخ میں وہی لوگ ہیں نقصان پانے والے تو کہہ دے کافروں کو

ع ۱۹ / ۱۸

جس سے لوگ نیک کام سے باز رہیں بڑے مؤاخذہ کی بات ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی جن روایتوں کا ذکر اوپر گذرا[1] وہی روایتیں اس آیت کی بھی گویا تفسیر ہیں کیونکہ ان روایتوں سے ان مشرکوں میں کے بڑے بڑے سرکشوں کی دنیا اور عقبےٰ کی حسرت اور ندامت کا حال اچھی طرح معلوم ہو سکتا ہے۔

مشرکین مکہ نے جنگ بدر و جنگ احد وغیرہ میں جو مال و متاع خرچ کیا تھا اس سے ان کو فائدہ نہ ہوا اللہ پاک نے مسلمانوں کو غالب کیا اور کفار کو حسرت پر حسرت ہوئی اور مغلوب ہوتے گئے بعضے قتل ہوئے بعضے قید ہو گئے کچھ بچے کھچے بھاگ نکلے اور بعضے ایمان بھی لائے غرض اللہ پاک نے اس آیت میں انہیں کفار کا حال بیان کیا کہ یہ لوگ باوجود اسکے کہ شکست پہ شکست کھاتے گئے پھر بھی اپنے کفر پر جمے رہے دنیا میں جو کچھ ان کے مال کا اور جان کا نقصان ہوا وہ تو ہوا مگر آخرت میں بھی انکے واسطے نقصان ہی ہے یہ سب کے سب دوزخ کو ہانکے جاویں گے اور پاک کا جدا کرنا ناپاک سے یہ ہے کہ فتح مکہ تک ان میں کے جو لوگ شرک کی ناپاکی کو ساتھ لیکر دنیا سے اٹھ گئے وہ دوزخی ہوئے اور جو دائرہ اسلام میں داخل ہوئے وہ پچھلی سب ناپاکیوں سے پاک ہو گئے سدی کہتے ہیں کہ یہ تمیز آخرت میں ہوگی اس طور پر کہ مومن جنت میں داخل کئے جائیں گے اور کافر و مشرک جہنم میں ہونگے یا اس وقت ہوگی جب اللہ پاک ہر ایک گروہ اور ہر فرقہ اور ہر امت کو علیحدہ علیحدہ کھڑا کرکے ہر ایک کا حساب کتاب لے گا پھر فرمایا کہ جو مال ان کفار نے اللہ کے رسول کی عداوت میں خرچ کیا ہے اس مال خبیث کو اس پاک مال سے جس کو مومنین نے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مدد کے لئے صرف کیا ہے جدا کرکے ان کو جہنم میں ڈالا جاویگا پھر فرمایا کہ یہ کفار نہایت ہی خسارہ میں رہے ان کا مال کا بھی نقصان ہوا اور جان کا بھی نقصان ہوا انسؓ بن مالک کی جن روایتوں کا ذکر اوپر گذرا وہی روایتیں ان مخالف لوگوں کے دنیا و دین کے نقصان کی گویا تفسیر ہیں۔

۳۸۔۔۔۴۰۔ ان آیتوں میں اللہ تعالےٰ نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم فرمایا کہ ابوسفیان وغیرہ کفار سے یہ بات کہہ دو کہ اگر تم لوگ کفر سے اور ارادہ قتل مومنین سے باز رہ کر دائرہ اسلام میں آجاؤ گے تو تمہارے جتنے گناہ ہیں وہ سب بخش دئے جائیں گے مسند امام احمد اور مسلم میں عمرو بن عاصؓ کی ایک حدیث ہے جس میں عمرو بن عاصؓ کہتے ہیں کہ جب خدا نے میرے دل میں اسلام کا ارادہ ڈالا تو میں حضرت کے پاس حاضر ہوا اور آپ سے بیعت کرنے کو ہاتھ بڑھایا جب حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے

[1] یعنی زیر آیت (۳۵)

إِن يَنتَهُوا يُغْفَرْ لَهُم مَّا قَدْ سَلَفَ وَإِن يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ

اگر باز آویں تو معاف ہو ان کو جو ہو چکا اور اگر پھر وہی کریں گے تو پڑ چکی ہے راہ

الْأَوَّلِينَ ﴿٣٨﴾ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ

اگلوں کی اور لڑتے رہو ان سے جب تک نہ رہے فساد اور ہو جائے حکم سب اللہ کا

ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا آپ نے فرمایا یہ کیا بات ہے میں نے کہا کہ ایک شرط ہے آپ نے اس شرط کا حال دریافت فرمایا تو میں نے کہا کہ پہلے آپ میرے لئے استغفار کریں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کیا تو نہیں جانتا ہے کہ اسلام ان گناہوں کو مٹا دیتا ہے جو اسلام سے پہلے ہو چکے ہوں اور ہجرت اور حج کو بھی فرمایا کہ یہ بھی پچھلے گناہوں کو مٹانے والے ہیں[1] غرضکہ آیت اور اس حدیث کے دونوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسلام ماقبل کے گناہوں کو بالکل نیست و نابود کر دیتا ہے اس لئے یہ حدیث آیت کے ٹکڑے یغفر لھم ما قد سلف کی گویا تفسیر ہے پھر اللہ پاک نے یہ فرمایا کہ ان لوگوں سے یہ بھی کہہ دو کہ اگر تم لوگ اپنے اسی کفر و نفاق پر جمے رہو گے اور اللہ کے رسول کی مخالفت کئے جاؤ گے تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے کارخانہ قدرت میں قاعدہ یوں ہی جاری ہے کہ وہ اپنے انبیاء اور مومنین کی مدد کرتا ہے اور کفار کو ہلاک کر دیتا ہے مطلب یہ ہے کہ اگر یہ بدر کی لڑائی میں کے بچے ہوئے مشرک لوگ اپنے شرک سے باز نہ آئے تو وہی انجام انکا ہوگا جو انکے ساتھیوں کا ہوا بدر کی لڑائی کا انجام انس بن مالک کی صحیح بخاری و مسلم کی روایتوں کے حوالہ سے اوپر گذر چکا ہے[2] پھر حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ آپ اور مومنین ان کفار سے جنگ کریں یہاں تک کہ شرک باقی نہ رہے فتنہ کی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے شرک کی فرمائی ہے اور بعضے سلف نے یہ کہا ہے کہ فتنہ باقی نہ رہے گا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو کفار فتنہ میں ڈالتے تھے جو مسلمان ہوتا تھا اس سے برائی سے پیش آتے اور ابتدا میں طرح طرح کی تکلیف پہنچایا کرتے تھے پھر فرمایا کہ خالص دین خدا کا ہو جائے ویکون الدین کلہ للہ کی یہی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمائی ہے صحیحین میں ابو موسےٰ اشعریؓ کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے صحابہ نے پوچھا کوئی شخص اپنی شجاعت ظاہر کرنے کو لڑتا ہے اور کوئی مال غنیمت کے خیال سے اور کوئی اپنی شہرت حاصل کرنے کی غرض سے لڑتا ہے تو ان میں کون فی سبیل اللہ مقاتلہ کرتا ہے آپ نے جواب دیا کہ جو شخص محض اس واسطے لڑتا ہے کہ اللہ کی توحید کا رواج بڑھے اور خدا ہی کا بول بالا ہو وہ فی سبیل اللہ جنگ کرتا ہے[3] یہ حدیث آیت کے ٹکڑے وقاتلوھم کی گویا تفسیر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دین کی لڑائی سوائے دین کی مدد کے اور کسی دنیا کے خیال سے نہ ہونی چاہئے پھر اللہ پاک نے یہ فرمایا کہ اگر یہ کفار اس لڑائی سے خائف ہوتے اور ایمان لے آئے اور کفر سے باز رہے تو تمہیں تو ان کے دلوں کی خبر نہیں ہے مگر ان سے کہہ دو کہ خدا تمہارے اعمال سے پوری واقفیت رکھتا ہے وہ تمہارے عمل دیکھ رہا ہے تم سے درگذر کرے گا اور اگر پھر یہ لوگ اسی کفر پر جمے رہے اور لڑائی پر مستعد ہوئے تو یہ بات جان لیویں کہ خدا انہیں کبھی فتحیاب نہیں کرے گا وہ تو ہمیشہ تمہارے ہی ساتھ تمہاری مدد کرتا رہے گا اور ہر وقت تمہیں کو غلبہ دیتا رہے گا اس سے بڑھ کر کوئی حامی نہیں ہے اور نہ اس سے زیادہ کوئی مددگار ہے ابن جریر نے اپنی تفسیر میں فتنہ کے متعلق وہ ایک روایت نقل کی ہے جس کی سند صحیح ہے جس میں ہے کہ عبدالملک بن مروان نے عروہ کے پاس ایک خط لکھ کر چند باتیں دریافت کی تھیں یہ پوچھا تھا کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کیونکر مکہ سے مدینہ کی

---

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۶، باب کون الاسلام یہدم ما قبلہ الخ ۔ [2] یعنی زیر آیت (۵ ۳) [3] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۴ باب من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا... تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۰۹۔

لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا

پھر اگر وہ باز آ دیں تو اللہ ان کے کام دیکھتا ہے اور اگر وہ نہ مانیں تو جان

اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

لو کہ اللہ ہے حمایتی تمہارا کیا خوب حمایتی ہے اور کیا خوب مددگار

طرف ہجرت کر کے گئے تھے اس کے جواب میں عروہ نے جو کچھ لکھا ہے اس کو ابن جریر نے مفصل بیان کیا ہے اسکا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ پاک نے جب حضرت کو رسول بنا کر دنیا میں بھیجا اور آپ نے اپنی قوم کو اللہ کی وحدانیت کی طرف بلایا تو پہلے یہ لوگ آپ سے اتنا نہیں بھاگتے تھے اور جو کچھ حضرت صلعم فرماتے تھے اس کو سنا کرتے تھے مگر جب ان کے بتوں کا ذکر آیا اور بتوں کی پوجا سے ان کو منع کیا گیا تو یہ لوگ دشمنی کرنے لگے اور جو شخص اسلام میں داخل ہوتا تھا اس پر جبر کرتے اور فتنہ برپا کرتے تھے جب مسلمانوں کا تکلیف ہونے لگی تو آپ نے ان کو ملک حبشہ میں چلے جانے کا حکم دے دیا حبشہ کا بادشاہ نجاشی تھا کسی کے دین کے ساتھ مخالفت نہیں کرتا تھا پھر جب اہل مکہ میں سے کچھ زبردست لوگ بھی ایمان لائے تو یہ کفار کچھ ڈھیلے پڑ گئے یہ بات ان مسلمانوں کو جو حبشہ میں چلے گئے تھے معلوم ہوئی تو واپس آ گئے غرضکہ یہ پہلا فتنہ تھا پھر جب مدینہ کے کچھ لوگ مسلمان ہوئے اور مدینہ سے مکہ حضرت کے پاس جانے آنے لگے تو قریش کے دل میں پھر جوش پیدا ہوا اور فتنہ پر آمادہ ہوئے پھر حج کا زمانہ آیا تو مدینہ کے کچھ سردار آپ کے پاس آئے جو مسلمان ہو گئے اور اللہ کے رسول سے ان لوگوں نے یہ عہد و پیمان کیا کہ اگر آپ مدینہ میں چلیں تو جس طرح ہم اپنے بال بچوں اور اپنی جانوں کی حفاظت کرتے ہیں اسی طرح آپ کی حفاظت کریں گے اور ہر طرح سے آپ کو مدد دینے پر آمادہ رہیں گے اس وقت آپ نے اپنے اصحاب کو حکم دے دیا کہ چلو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں بود و باش اختیار کریں یہ دوسرا فتنہ تھا جو اہل مکہ نے برپا کیا تھا اسی فتنہ کے وقت یہ آیت اتری کہ ان لوگوں سے جنگ کرو تاکہ فتنہ باقی نہ رہے[1] یہ عروہ بن زبیر مشہور تابعیوں میں ہیں صحاح کی سب کتابوں میں ان کی روایتیں ہیں عبدالملک بن مروان خلفاء بنی امیہ میں کے ایک خلیفہ ہیں ان کے ہی زمانہ میں عبداللہ بن زبیرؓ شہید ہوئے اور حجاج نے ان کے ہی زمانہ میں کعبہ کی پہلی عمارت کو توڑ کر یہ جدید عمارت بنائی جو اب تک موجود ہے ریشمی کپڑے کا کعبہ کا غلاف بھی انہی عبدالملک کے زمانہ سے شروع ہوا ۲۶ سنہ ہجری میں ان عبدالملک کی پیدائش ہے اور ۷۳ سنہ ہجری سے خلافت اور ۸۶ سنہ ہجری میں وفات ہے صحیح مسلم میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے جس میں بعضے صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ اسلام لانے سے پہلے آدمی جو گناہ کر چکا اب اسلام لانے کے بعد ان گناہوں کا کچھ وبال تو اس آدمی کے ذمہ باقی نہ رہے گا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ جو شخص ظاہر و باطن میں ہر طرح خالص دل سے اسلام لاویگا اس پر تو اسلام سے پہلے کے گناہوں کا کچھ وبال نہ رہے گا کیونکہ اسلام پچھلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے ہاں جو شخص فقط ظاہر میں اسلام لے آویگا اور باطن میں منافقوں کی سی دغابازی اس کے دل میں باقی رہے گی تو ایسے جھوٹے اسلام سے اسلام کے پہلے گناہ معاف نہ ہوں گے بلکہ ایسے شخص کو اگلے پچھلے سب گناہوں کا مواخذہ بھگتنا پڑیگا[2]۔ اس حدیث کو آیت کے ٹکڑے ان ینتھوا یغفرلھم ما قد سلف کی تفسیر میں بڑا دخل ہے۔ کیونکہ آیت کے ٹکڑے اور حدیث کے ملانے سے یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ اسلام سے پہلے کے گناہوں کی معافی کے لئے خالص دل کا اسلام ضروری ہے اور پرے دل کا اسلام اس معافی کے لئے کافی نہیں ❊

[1] تفسیر ابن جریر ج ۹ ص ۲۴۹-۲۵۰ [2] صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۵ باب ہل یواخذ با عمال الجاہلیۃ۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ

اور جان رکھو کہ جو غنیمت لاؤ کچھ چیز سو اللہ کے واسطے اس میں سے پانچواں حصہ اور رسول کے

وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ

اور قرابت والے کے اور یتیم کے اور محتاج کے اور مسافر کے اگر تم

اہم۔ غنیمت اور فے دو چیزیں جدا جدا ہیں غنیمت وہ ہے جو سوار پیادوں کا لشکر دشمنوں پر حملہ کر کے لڑ بھڑ کے اس جنگ میں جو کچھ مال و متاع قلیل یا کثیر ہاتھ آوے وہ سب مال غنیمت ہے اور فے وہ مال ہے جو دشمنوں سے بے لڑے بھڑے حاصل ہو مثلاً جو کچھ صلح میں مقرر ہو یا کوئی لاوارث شخص مسلمانوں کے ملک میں ہو اس کے مرنے کے بعد جو کچھ اس کا سامان مسلمانوں کے ہاتھ لگے یا خراج کے طور پر مال ملے یہ سب فے ہے فے کے احکام سورہ حشر میں مذکور ہیں یہاں اللہ پاک نے مال غنیمت کے احکام بیان فرمائے یہ غنیمت اور کسی نبی کے وقت میں حلال نہ تھی بلکہ اور انبیاء کے زمانہ میں جب کسی نبی کو مال غنیمت ہاتھ لگتا تھا تو اس کو ایک جگہ میدان میں جمع کر دیا کرتے تھے آسمان سے ایک آگ آکر اس کو جلا جاتی تھی۔ اللہ پاک نے محض اپنے کرم سے اس مال غنیمت کو اس امت کے لئے حلال و مباح کیا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں عطا ہوئیں میں[1] سارے جہان کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ ایک مہینے[2] کے راستہ سے میرا رعب دشمنوں پر پڑتا ہے اور مجھے غلبہ ہوتا ہے۔ میرے[3] لئے غنیمت حلال کی گئی ہے جو پہلے مجھ سے کسی کے واسطے مباح نہ تھی۔ میرے[4] لئے ساری زمین مسجد بنادی گئی جہاں چاہوں نماز پڑھ لوں۔ میرے[5] واسطے قیامت کے دن کی شفاعت مقرر ہے میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا اس حدیث کو ابن عباسؓ کی روایت سے امام احمد نے سند جید سے روایت کیا ہے[1] اور ایک حدیث اسی مضمون کی ابو ہریرہؓ کی صحیحین میں ہے مگر اس میں چھٹی چیز کا بھی ذکر ہے کہ مجھ پر نبوت ختم کر دی گئی ہے[2] بہر حال اللہ پاک نے غنیمت کا مال یوں تقسیم کرنے کو فرمایا کہ کل مال غنیمت کی چھوٹی بڑی چیز ایک جگہ کر کے اس کے پانچ حصہ کرو چار حصہ تو غازیوں کے ہیں جو لڑائی میں شریک تھے خواہ پیچھے گئے ہوں یا پہلے گئے ہوں بلا نیت کے شریک ہوئے ہوں یا نیت کر کے گئے ہوں سوار کو دو حصہ دئے جائیں اور پیادہ کو ایک حصہ[3] اور وہ ایک حصہ جو رہا اس کے پھر پانچ حصہ کئے جائیں ایک حصہ ان میں سے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے اور دوسرا حصہ آپ کے قرابت مندوں کا تیسرا حصہ یتیموں کا چوتھا حصہ مسکینوں کا پانچواں حصہ محتاج مسافروں کا اور اللہ پاک نے اپنا ذکر اس آیت میں تبرک کے طور پر بیان کیا ہے اپنا کوئی حصہ مقرر نہیں کیا ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور اکثر مفسروں کا یہی قول ہے کہ یہ جملہ فان للہ خمسہ برکت کے لئے ہے کیونکہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کا ہے غرض اس خمس میں اللہ اور اس کے رسول کا ایک ہی حصہ ہے کوئی علیحدہ علیحدہ نہیں ہے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس حصہ کو جو چاہیں کریں چاہے جس کو دیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مال غنیمت میں سے کوئی چیز پسند کرتے تھے تو اس کو بطور نفل کے لے لیتے تھے معتبر سند سے مسند امام احمد اور ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بدر کی لڑائی میں تلوار ذوالفقار

[1] مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۸ و مسند امام احمد ج ۱ ص ۳۰۱ طبع احمد شاکر ج ۴۔ [2] مشکوٰۃ ص ۵۱۲ باب فضائل سید المرسلین ۔ [3] صحیح حدیث کی رو سے سوار کو تین حصہ ملیں گے تفصیل فتح الباری ج ۳ ص ۷۰ میں ہے۔

اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى

یقین لائے ہو اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم نے اتاری اپنے بندے پر جس دن فیصلہ ہوا جس دن بھڑ ہیں

الْجَمْعٰنِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۱﴾

دو فوجیں ۔ اور اللہ سب چیز پر قادر ہے

بطور نفل کے لی تھی حصہ سے بڑھ کر جو چیز ہو وہ نفل ہے ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ صفیہ رضی اللہ عنہا بھی اسی نفل کے طور پر تھیں کہ جنگ خیبر میں جو غنیمت ہاتھ لگی تھی اس میں سے آپ نے ان کو پہلے اپنے لئے منتخب کر لیا تھا[۱] حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث مستدرک حاکم میں بھی ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے[۲] ذوالقربیٰ سے مراد بنی ہاشم اور بنی مطلب ہیں، بنی نوفل اور بنی عبدالشمس اگرچہ آپ کی چچا کی اولاد میں ہیں مگر یہ لوگ ذوالقربےٰ میں نہیں ہیں کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب ایک ہیں اور دونوں انگلیوں کو ملا کر بتلایا کہ اس طرح پھر ان میں بھی اس کی رعایت کی جاتی تھی کہ مردوں کو پہلے دیتے تھے اور مردوں کے ہوتے ہوئے عورتوں کو جو بنی ہاشم اور بنی مطلب کی اولاد میں تھیں ان کو حصہ نہیں دیا جاتا تھا چنانچہ آنحضرت عثمانؓ اور زبیرؓ کی والدہ بنی ہاشم میں سے تھیں انہیں کچھ نہیں دیا کرتے تھے یتیمی سے مراد مسلمانوں کے یتیم بچے ہیں مسکین وہ ہے جو گذر اوقات کے موافق آمدنی نہ رکھتا ہو ابن السبیل وہ لوگ جو سفر میں ہیں اور محتاج ہوں ان کے پاس اتنا نہ ہو کہ سفر میں خرچ کر سکیں پھر اللہ پاک نے یہ فرمایا کہ جو حکم مال غنیمت میں ہم نے جاری کیا ہے اور جس طرح اس کی تقسیم کر دی ہے اگر تم لوگ اللہ پر اور قرآن کی آیتوں پر ایمان لائے ہو تو تم اس حکم کو بجا لاؤ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یوم الفرقان یوم بدر ہے اس کو یوم الفرقان اس واسطے کہا کہ اس روز حق و باطل میں فرق ہو گیا حق غالب ہوا اور ناحق کا دعویٰ مغلوب ہوا یوم التقی الجمعان بھی وہی بدر کا دن ہے یہ پہلا معرکہ تھا جو حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو کفاروں کے ساتھ پیش آیا تھا بدر کی لڑائی میں مشرکوں کا سردار عتبہ بن ربیعہ تھا رمضان کی سترہویں تاریخ روز جمعہ کو یہ معرکہ آرائی ہوئی تھی مسلمان کچھ اوپر تین سو تھے اور کفار ایک ہزار تھے ستر آدمی کفار کے ہلاک ہوئے اور اسی قدر گرفتار ہو کر آئے پھر اللہ پاک نے فرمایا کہ یہ خدا ہی میں قدرت ہے جو اتنے قلیل لشکر کو اتنے بڑے گروہ پر اس نے غالب کر دیا وہ ہر شے پر قادر ہے اس کے نزدیک کوئی بات مشکل نہیں ہے شروع سورت میں یہ جو فرمایا تھا کہ مال کا حق اللہ اور رسول کو ہے جس طرح اللہ کی مرضی ہو گی اسی طرح وہ اس مال کی تقسیم اپنے رسول کی معرفت کرا دیگا اب اس آیت میں اس وعدہ کو پورا فرما دیا غرض وما انزلنا علیٰ عبدنا سے مقصود وہی شروع سورہ کا وعدہ ہے جو الانفال للہ والرسول فرما کر نازل فرمایا تھا۔ بدر کی لڑائی پہلی لڑائی تھی اور تنگدستی کے سبب سے لشکر اسلام کو روپیہ کی ضرورت بھی تھی اس لئے بغیر پانچواں حصہ نکالنے کے اللہ کے رسول نے اس لڑائی کی غنیمت کا سب مال تو لشکر اسلام کو بانٹ دیا لیکن آئندہ سے غنیمت کے مال کے یہ پانچ حصے اور پانچویں حصے کے پھر پانچ حصے اس طرح فرما دیئے جن کا ذکر اس آیت میں ہے اوپر یہ جو گذرا کہ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم اگر غنیمت کے مال میں کوئی چیز پسند کر لیتے تھے تو پانچویں

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۱۱ [۲] سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۱۴۱ کتاب الفئے [۳] مستدرک حاکم ج ۲ ص ۱۲۸ کتاب قسم الفئ و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۱۱

[۴] سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۴۱۷

إِذْ أَنتُم بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُم بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ وَالرَّكْبُ

جس وقت تم تھے درے کے ناکے اور وہ پرے کے ناکے اور قافلہ نیچے اتر گیا

أَسْفَلَ مِنكُمْ ۚ وَلَوْ تَوَاعَدتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ ۙ وَلَٰكِن

تم سے اور اگر آپس میں تم وعدہ کرتے تو نہ پہنچتے وعدے پر لیکن

حصہ کے علاوہ بھی آپ کو اس کا لینا جائز تھا مثلاً بدر کے مال غنیمت میں سے تلوار ذوالفقار اور خیبر کے مال میں سے صفیہ بنت حیی کو آپ نے پسند کیا تھا یہ قول بعضے سلف کا ہے باقی سلف اس کے قائل نہیں ہیں اور کہتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد علاوہ پانچویں حصہ کے اور کوئی زیادہ چیز کبھی اللہ کے رسول نے نہیں لی یہ باقی کے سلف ذوالفقار کا جواب تو یہ دیتے ہیں کہ یہ قصہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے اور صفیہ رضی اللہ عنہا کے قصہ کی بابت صحیح بخاری و مسلم کے انس بن مالک اور ثابت البنانی کی وہ روایتیں پیش کرتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے صفیہ رضی اللہ عنہا دحیہ کلبی کے حصہ میں گئی تھیں اور پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو دحیہ کلبی سے خرید لیا[1] حاصل یہ ہے کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے اسی طرح یہ مسئلہ بھی اختلافی ہے کہ سوا اللہ کے تین حصے ہیں زیادہ تفصیل ان اختلافی مسئلوں کی بڑی کتابوں میں ہے[2]۔

۴۲۔ اللہ پاک نے اس آیت میں مسلمانوں پر اپنا یہ احسان جتلایا ہے کہ ہم نے کس طرح تم کو کفار کے مقابل کر دیا اور کس خوبی سے جنگ کا سامان مہیا کر دیا اگر تم لوگ ارادہ کر کے بھی آتے اور لڑائی کے لئے میعاد بھی مقرر کر لیتے تو یہ بات نصیب نہ ہوتی تم چلے تھے اور خیال سے اور اللہ پاک کا اور ارادہ تھا اس نے اپنا ارادہ پورا کر دیا کیونکہ تمہاری حالت یہ تھی کہ ابوسفیان کا قافلہ لوٹنے کو چلے تھے اور مدینہ کے قریب جنگل اور ٹیلوں کے پاس تھے اور تمہارے مخالف قریش مدینہ سے بہت دور پر مکہ کے قریب تھے اور ابوسفیان کا قافلہ مدینہ سے تین میل پر دریا کے پاس اترا ہوا تھا کسی کو کسی کی خبر نہ تھی تمہارے پاؤں ریت کی زمین میں جمنے مشکل تھے اور تمہارے دونوں مخالف ایک سامنے ابوسفیان اچھی زمین پر اترا ہوا تھا دوسرے قریش تمہاری پشت پر تھے تمہاری تعداد بہت ہی کم تھی دشمنوں کا لشکر شمار میں تم سے کہیں زیادہ تھا ایسی نازک حالت میں ہم نے تمہیں ان لوگوں پر فتحیاب کیا محمد بن اسحاق اپنی سیرت میں یہ کہتے ہیں کہ جب حضرت صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ سے نکل کر صفرا مقام کے قریب پہنچے تو دو شخصوں کو بسیس بن عمر اور عدی بن ابی الزغباء کو ابوسفیان کی خبر کو بھیجا یہ دونوں جب بدر میں پہنچے تو ایک ٹیلہ پر اونٹوں کو بٹھا کر پانی کی فکر میں گئے دریا کے کنارہ پر دو لڑکیاں جھگڑ رہی تھیں ایک نے کہا کہ میرا حق دے دے دوسری نے کہا کل لشکر آئے گا تو دے دوں گی اتنے میں مجدی بن عمرو ابوسفیان کی طرف کا آدمی آیا اور اس نے ان دونوں لڑکیوں کے پاس آ کر کہا کہ تم سچ کہتی ہو بسیس وعدی یہ سن کر مشکوں میں پانی بھر کر چلے گئے اور حضرت کو آ کر خبر دی کہ ابوسفیان آگیا ہے ابوسفیان جب مجدی سے ملا تو پوچھا کہ یہاں تو نے کسی غیر کی کو آہٹ نہیں پائی اس نے کہا کہ نہیں مگر دو سوار آئے تھے اور مشکوں میں پانی بھر کر چلے گئے ابوسفیان اس ٹیلہ کے پاس آیا جہاں اونٹ بیٹھے تھے وہاں اس نے اونٹوں کی مینگنیاں دیکھیں اور ان کو توڑا تو ان میں کھجور کی

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۴ باب ما یستر من العورۃ و ج ۲ ص ۶۰۴ باب غزوۃ خیبر خریدنے کا مطلب غنیمت کی دوسری لونڈی سے تبادلہ ہے۔ (ع، ر)

[2] مثلاً تفسیر ابن کثیر ص ۳۰۲ — ۳۱۳ — ۳۲۰

لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى

اللہ کو کر ڈالنا ایک کام جو ہو چکا تھا تا مرے جو مرتا ہے سوجھ کر اور جیوے

گٹھلیاں پائیں اور کہنے لگا کہ یہ چارہ یثرب کا ہے اور جلدی سے اپنے قافلہ میں واپس آیا اور دریا کے کنارہ پر قافلہ اتار کر اچھی طرح سے اس کی مضبوطی و نگہبانی کرلی اور پھر قریش کو کہلا بھیجا کہ اب تمہارے آنے کی ضرورت نہیں ہے میں نے حفاظت کرلی ہے تم واپس چلے جاؤ ابوجہل نے یہ خبر سن کر کہا ہم تو واپس نہیں جائیں گے بدر میں تین روز قیام کریں گے یہاں ٹھہر کر اونٹ ذبح کر کے کھائیں گے شراب پئیں گے گانے سنیں گے عرب ہماری آمد کی خبر سن کر ہمیشہ ہم سے ڈرا کریں گے غرضکہ یہ تو اس رنگ میں تھے اور حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قریب بدر پہنچ کر حضرت علیؓ ابن ابی طالب اور سعد بن ابی وقاصؓ اور زبیر بن عوامؓ کو چند اشخاص دیگر تجسس کے لئے روانہ کیا یہ لوگ بنی سعد بن عاص اور بنی حجاج کے غلام کو پکڑ کر حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے آپ نماز پڑھ رہے تھے اس لئے آپ کے صحابہ نے ان دونوں سے پوچھا تم کس کے غلام ہو ان دونوں نے کہا ہم قریش میں پانی بھرنے کو آئے تھے مگر انہوں نے ان دونوں کو جھوٹا سمجھا اور سمجھے کہ یہ ابوسفیان کے غلام ہیں اور ان کو مارنے لگے جب وہ دونوں غلام عاجز ہوئے تو ناچار انہوں نے کہہ دیا کہ ہاں ہم ابوسفیان کے قافلہ کے لوگ ہیں اس کے بعد صحابہ نے انہیں چھوڑ دیا اتنے میں حضرت نماز سے فارغ ہوگئے اور فرمایا کہ جب وہ غلام سچ بولے تو تم نے انہیں مارا اور جب جھوٹ بولے تو چھوڑ دیا واللہ یہ قریش کے آدمی تھے پھر اور لوگوں سے پوچھا کہ قریش کی خبر بتلاؤ لوگوں نے کہا وہ دور کی گھاٹی میں ہیں آپ نے فرمایا کتنے لوگ ہیں انہوں نے کہا یہ نہیں معلوم مگر بہت ہیں پھر آپ نے فرمایا اچھا کتنے اونٹ ہر روز ذبح کئے جاتے ہیں انہوں نے کہا کہ نو دس اونٹ روز ذبح کئے جاتے ہیں آپ نے فرمایا نو سو سے ایک ہزار تک کی ان کی تعداد ہے پھر پوچھا کہ قریش کے اشراف لوگوں میں کون کون آیا ہے انہوں نے بتلایا عتبہ بن ربیعہ شیبہ بن ربیعہ۔ ابوالبختری بن ہشام۔ حکیم بن حزام۔ نوفل بن خویلد حارث بن عامر بن نوفل۔ طعیمہ بن عدی۔ نضر بن حارث۔ زمعہ بن اسود۔ ابوجہل۔ امیہ بن خلف اور منبہ و منبہ حجاج کے بیٹے۔ سہیل بن عمرو۔ عمرو بن عبدود۔ ان لوگوں کے نام سن کر فرمایا مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو پھینک دیا ہے یہ لوگ چیدہ چیدہ شخص ہیں جو آ پھنسے ہیں پھر سعد بن معاذؓ نے جو انصار میں تھے کہا کہ حضرت ہم آپ کے واسطے چھپر تیار کردیں اس میں آپ جا بیٹھیں اور ہم دشمنوں سے مقابلہ کریں اللہ نے فتح دی تو یہی ہمارا مقصود ہے اگر خدانخواستہ کوئی معاملہ نوع دگر ہوا تو آپ اپنے باقی لوگوں میں جا ملیں پھر انہوں نے اور انصار کے متعلق یہ بات کہی کہ آپ سے وہ لوگ پیچھے رہ گئے جو ہم سے زیادہ آپ کو چاہتے ہیں اگر وہ یہ جانتے کہ مقابلہ پیش آئے گا تو پیچھے نہ رہتے بلکہ یہاں آن کر آپ کی مدد کرتے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سعدؓ کی تعریف کی اور دعا دی انہوں نے چھپر ڈال دیا جس میں آنحضرت اور ابوبکر بیٹھ گئے اور ان کے ہمراہ اور کوئی نہ تھا صبح کو قریش کوچ کر کے سامنے آئے اور مقابلہ ہوگیا اسی کو اللہ پاک نے فرمایا کہ ہم نے بغیر میعاد کے دونوں لشکروں کو جمع کردیا تھا کہ حق و ناحق ظاہر ہو جاوے تمہیں فتح نصیب ہو اور دشمنوں کو شکست ہو اور ایمان اور کفر علیحدہ علیحدہ ہو کر پھر کسی کو کچھ شک و شبہ باقی نہ رہے پھر فرمایا جس کو زندہ رکھنا تھا اسے زندہ رکھا اور جسے ذائقہ موت چکھانا تھا اسے نیست و نابود کیا پھر آیت کو ان لفظوں پر ختم فرمایا کہ اللہ تم سمیع علیم ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے تمہاری دعائیں سن لیں اور تمہاری حاجتیں پوری کردیں وہ تمہاری کمزوری جانتا تھا تم اپنے

مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ۗ وَإِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۴۲﴾ إِذْ يُرِيكَهُمُ اللّٰهُ فِي

جو جیتا ہے سوجھ کر اور اللہ سنتا ہے جانتا جب اللہ نے ان کو دکھلایا

مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ

تیرے خواب میں تھوڑے اور اگر وہ تجھ کو بہت دکھاتا تو تم لوگ نامردی کرتے اور جھگڑا ڈالتے کام میں

دشمنوں سے بہت کم تھے مگر اس نے پوری پوری مدد پہنچائی صحیح بخاری میں کعب بن مالکؓ کی حدیث ہے جس میں یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بدر کے سفر کے وقت فقط ابوسفیان کے قافلہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کر کے مدینہ سے نکلے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادہ کے موافق مسلمانوں اور قریش کی فوج کا مقابلہ کرا دیا[1] صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے جس میں یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے ایک دن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے کہ ابوجہل اور اس کے چند ساتھیوں نے مشورہ کر کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ پر نجاست کی بھری ہوئی اوجھڑی ڈال دی اور آپ نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد ان لوگوں کے نام لے لے کر ان پر بددعا کی عبداللہؓ بن مسعود اس قدر قصہ کی روایت کے بعد قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں پر بددعا کی تھی عبداللہ بن مسعودؓ نے بدر کی لڑائی کے میدان میں ان میں کے بہت سے لوگوں کو بڑی بیکسی سے مردہ پڑے ہوئے دیکھا[1]۔ ان میں کا ایک شخص جس کا نام عبداللہ بن مسعودؓ کی بعضی روایتوں میں نہیں ہے اور صحیح بخاری کی باقی کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عمارہ بن الولید تھا یہ شخص اگرچہ بدر کی لڑائی میں بچ گیا لیکن پھر دیوانہ ہو کر بڑی خرابی سے مرا[2]۔ ان حدیثوں کو آیت کے ٹکڑے لیقضی اللہ امرا کان مفعولا کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت کے اس ٹکڑے اور حدیثوں کو ملا کر یہ مطلب ہوا کہ بدر کے سفر کے وقت اگرچہ مسلمانوں کا ارادہ مشرکوں کی فوج سے لڑنے کا نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے ارادہ ازلی میں یہ تھا کہ وہ اپنے رسول کی کئی برس پہلے کی بددعا کا اثر لوگوں کو دکھلا دے اس لئے اس نے مسلمانوں کے ارادہ کے بغیر اس لڑائی کا موقعہ پیش کرا دیا اور جن صحابہ نے اللہ کے رسول کی بددعا کا موقعہ دیکھا تھا کئی برس کے بعد ان کو اس بددعا کے اثر کا موقعہ بھی دکھا دیا سمیع علیم کا مطلب یہ ہے کہ کئی برس پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی بددعا سن لی تھی اور وہ بددعا قبول بھی ہو گئی تھی لیکن علم الٰہی میں ہر کام کا وقت مقرر ہے اس لئے اپنے وقت پر اس بددعا کے اثر کا ظہور ہوا ÷

۴۳-۴۴۔ مجاہد کہتے ہیں کہ لڑائی کے شروع ہونے سے پہلے اللہ پاک نے دشمنوں کے متعلق حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خواب دکھایا کہ وہ لوگ بہت ہی تھوڑے آدمی ہیں آپ نے اس خواب کو اپنے اصحاب سے بیان کیا وہ لوگ حضرت کے خواب کو سچا سمجھا کرتے تھے اس لئے یہ خواب سن کر ان کے دل مضبوط ہو گئے اور جرأت ان کی بڑھ گئی اور اگر خواب میں ان کی پوری تعداد دکھلا دی جاتی اور وہی خواب اللہ کے رسول لوگوں کے روبرو بیان کرتے تو ان کے جی پہلے ہی چھوٹ جاتے معرکہ جنگ میں شریک ہوتے آپس میں جھگڑا ہونے لگتا بعضے لڑائی میں شرکت چاہتے اور بعضے لڑائی کے ٹال دینے کو ترجیح دیتے اسی کو اللہ پاک نے فرمایا کہ اے رسول اللہ کے اللہ نے خواب میں کفار کی تھوڑی تعداد تمہیں دکھلائی تاکہ سب مسلمان لڑائی کے ارادہ سے مستعد رہیں اور آپس میں تنازع نہ ہونے پائے کیونکہ اللہ پاک

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۱ باب قصۃ غزوۃ بدر [1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۷۴ باب اذا القی علی ظہر المصلی قذر الخ

[2] فتح الباری ج ۱ ص ۱۷۵۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ

لیکن اللہ نے بچا لیا۔ اس کو معلوم ہے جو بات ہے دلوں میں اور جب تم کو دکھلائی وہ

اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ

فوج وقت ملاقات کے تمہاری آنکھوں میں تھوڑی سی اور تم کو تھوڑا دکھلایا ان کی آنکھوں میں تاکر ڈالے اللہ

اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾

ایک کام جو ہو چکا تھا اور اللہ تک پہنچ ہے ہر کام کی۔

ع ۵ / ۱

دلوں کی حالت کا علم رکھتا ہے ابن مسعودؓ کہتے ہیں کفار میری آنکھوں میں جتنے معلوم ہوئے اسکا اندازہ میں کرتا تھا کہ ستر آدمی ہونگے ایک شخص میرے پاس کھڑا تھا میں نے اس سے اپنا اندازہ بیان کیا وہ بھی کہنے لگا کہاں سو کے قریب ہوں گے پھر جب ہم نے کفار کے ایک آدمی کو گرفتار کیا اور اس سے پوچھا کہ سب کتنے آدمی تھے تو اس نے کہا کہ ہم ہزار آدمی تھے[1] اللہ پاک نے مسلمانوں کی نظروں میں بھی عین معرکہ جنگ میں کفار کی تعداد کم دکھلادی اور آپکا خواب سچا کر دیا اور کفار کی آنکھوں میں بھی مسلمان تھوڑے معلوم ہوئے کیونکہ اگر ان کو یہ معلوم ہو جاتا کہ یہ لوگ بہت ہیں تو میدان جنگ میں نہیں ٹھہرتے بھاگ جاتے اور خدا کو اپنی بات پوری کرنی تھی وہ وعدہ کر چکا تھا کہ ایک قافلہ ان دونوں میں سے تمہارا ہے اور مسلمانوں کو عزت دینی تھی سرخرو کرنا تھا اپنا بول بالا رکھنا مقصود تھا خالص اپنا دین قائم کرنا تھا۔ پھر جب معرکہ کا انداز گرم ہو گیا تو اللہ پاک نے مسلمانوں کی مدد کو فرشتے بھیج دئے جس کا ذکر پہلے اس سورہ اور سورہ آل عمران میں مفصل گذر چکا ہے پھر اللہ پاک نے فرمایا کہ کل امور خدا ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں جو کچھ وہ حکم دیتا ہے وہی ہو کے رہتا ہے بندے ہزار چاہیں کچھ ہی کیا کریں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اس میں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے کہ دنیوی امور مقصود نہیں ہیں خدا کے نزدیک وہی بات پسند ہے جس سے آخرت درست ہو صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی یہ حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اپنے علم ازلی کے نتیجہ کے طور پر وہ سب اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے[2] صحیح بخاری کے حوالہ سے کعب بن مالکؓ کی یہ حدیث بھی گذر چکی ہے کہ مسلمان مدینہ سے جب نکلے تو ان کا ارادہ فقط ابو سفیان کے تیس آدمیوں کے قافلہ پر حملہ کرنے کا تھا[3] مکہ سے ہزار آدمیوں کی مشرکوں کی فوج کے آجانے کی مسلمانوں کو خبر نہیں تھی صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ کی ایک بڑی حدیث ہے جس میں یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہر ایک خواب کا ظہور اس طرح یقینی طور پر ہوا کرتا تھا جس طرح ہر ایک رات کے بعد صبح کا ہونا یقینی ہے[4] ان حدیثوں کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیتوں اور حدیثوں کو ملا کر یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ بدر کے مقام پر مسلمانوں اور مشرکوں کی لڑائی کا ہونا لوح محفوظ میں لکھا جا چکا ہے اور یہ لکھا جا چکا تھا کہ بغیر پہلے سے تیاری کرنے کے تین گنی فوج سے جب مقابلہ ہوگا تو مسلمانوں کے دل پر ہراسگی چھا جاوے گی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے خواب میں دشمنوں کی تعداد گھٹا دی تاکہ مسلمان لوگ اس خواب کو سن کر مستعدی سے دشمنوں کا مقابلہ کریں کیونکہ اس بات کو مسلمان لوگ بارہا آزما چکے تھے کہ اللہ کے رسول کا ہر ایک خواب ہمیشہ یقینی ہوتا ہے

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۱۵ [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۵ باب حجاج آدم و موسیٰ علیہما السلام [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۴ باب قصۃ غزوۃ بدر۔
[4] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲ باب کیف کان بدء الوحی۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ

اے ایمان والو جب بھڑو تم کسی فوج سے تو ثابت رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تا کہ تم

تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ

مراد پاؤ اور حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا اور آپس میں نہ جھگڑو پھر نامرد ہو جاؤ گے

تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾

اور جاتی رہے گی تمہاری باؤ اور ٹھہرے رہو اللہ ساتھ ہے ٹھہرنے والوں کے

علاوہ اس کے اس خواب کے سچے ہونے کا یقین یوں ہی اللہ تعالے نے بڑھا دیا کہ مسلمانوں کی نظروں میں بھی دشمنوں کی تعداد گھٹا دی یہاں یہ خواب حقیقت میں یوں سچا تھا کہ ان مکہ کے مشرکوں میں سے فتح مکہ تک بہت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے تھے اس واسطے خالص دشمنوں کی تعداد میں اللہ تعالے نے انہیں لوگوں کو دکھلایا جو حالت شرک پر مارے گئے جس طرح رسولوں کی وحی میں شیطان کا دخل نہیں ہونے پاتا یہی حال رسولوں کے خواب کا ہے اس واسطے رسولوں کے خواب سب سچے ہوتے ہیں عام مسلمانوں کے خواب میں یہ بات نہ تھی اس لئے اللہ تعالے کی حکمت اس بات کی مقتضی ہوئی کہ اس نے عام مسلمانوں کی نظروں میں ایک خاص تاثیر پیدا کر دی جس سے بہت سے دشمن انہیں تھوڑے نظر آئے۔

۴۵-۴۶- اوپر کی آیتوں میں اُس مدد کا ذکر تھا جو اس لڑائی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچی اب ان آیتوں میں اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو میدان جنگ کے آداب سکھائے ہیں عبداللہ بن اوفی کی ایک حدیث صحیحین میں ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو تم دشمنوں سے مقابلہ کی تمنا نہ کرو خدا سے عافیت چاہتے رہو اور جب دشمن سے مقابلہ ہو جاوے تو صبر اختیار کرو اور جان لو کہ جنت تلوار کے سایہ میں ہے[1] آیتوں اور حدیث کو ملا کر مطلب یہ ہوا کہ اے مسلمانوں جب کسی جماعت دشمن سے مقابلہ کرو تو صبر و سکون کو کام میں لا کر اپنے قدم اس معرکہ میں ثابت رکھو اور خدا کے یاد کرتے رہو اور بہت یاد کرو جس سے تمہیں فلاحیت ہوگی لڑائی کے وقت ذکر کا حکم اس لئے فرمایا کہ گھبراہٹ کے وقت خدا کا ذکر مددگار ہے اور بعضے مفسر یہ کہتے ہیں کہ ذکر سے مراد دعا کا کرنا ہے جس طرح اصحاب طالوت نے یہ دعا کی تھی رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (۲-۲۵۰) معتبر سند سے ابوداؤد مستدرک حاکم میں سہل بن سعد کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین کی لڑائی کے وقت آدمی جو دعا کرے وہ ضرور قبول ہوتی ہے[2] اس حدیث سے آخری قول کی تائید ہوتی ہے پھر یہ فرمایا کہ ہر حال میں خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو ورنہ تمہاری رائیں مختلف ہو جائیں گی اور تم میں نامردی آجائے گی اور تمہاری ہوا جاتی رہے گی اور فتح یابی رائگاں ہو جائیگی قتادہ کہتے ہیں تذہب ریحکم کے معنے مددغیبی کے ہیں مطلب یہ ہے کہ تفرقہ کے پیدا ہو جانے سے پھر تمہیں غیب سے مدد نہ ملے گی پھر اللہ پاک نے فرمایا کہ لڑائی میں صبر کرو کیونکہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور جب خدا ساتھ ہو گیا تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا ہے سورہ آل عمران میں گذر چکا ہے کہ احد کی لڑائی کے وقت مدینہ کے اندر سے لڑنے اور مدینہ کے باہر جا کر لڑنے میں صحابہ مختلف ہوئے پھر تیرانداز لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۱۶ [2] ابوداؤد ج ۱ ص ۳۴۳ باب الدعاء عند اللقاء

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَ

اور مت ہو جیسے وہ لوگ کہ نکلے اپنے گھروں سے اتراتے اور لوگوں کو دکھاتے اور

يَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿٤٧﴾

روکتے اللہ کی راہ سے اور اللہ کے قابو میں ہے جو کرتے ہیں

علیہ وسلم کا بتلایا ہوا پہاڑ کا ناکہ چھوڑ دیا غرض احد کی لڑائی سے تیرہ مہینے پہلے اللہ تعالےٰ نے ان آیتوں میں مسلمانوں کو لڑائی کے وقت ایسی باتوں سے روکا تھا لیکن تقدیر الٰہی کے موافق احد کی لڑائی کے وقت اس ممانعت کا خیال مسلمانوں کو نہ رہا اس واسطے اس لڑائی کا انجام اچھا نہیں ہوا سختی کے وقت صبر کرنے کا یہ مطلب ہے کہ گویا آدمی اس سختی کی کشائش کو اللہ تعالیٰ کی مرضی پر چھوڑتا ہے اسی واسطے فرمایا کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے جس کا یہ مطلب ہوا کہ جو شخص اپنی سختی کی کشائش کو اللہ کی مرضی پر منحصر رکھے گا اللہ اس کی سختی کی کشائش میں اس کے ساتھ اور اس کی مدد کو موجود ہے اس لئے صحیح بخاری اور مسلم میں ابوسعید خدریؓ کی جو ایک حدیث[1] ہے اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صبر سے بڑھ کر کوئی اچھی چیز آدمی کو نہیں دی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ صبر کا دنیا میں تو یہ مرتبہ ہے کہ صبر کرنے والے شخص کے ساتھ اللہ ہے اور عقبیٰ میں صبر کا وہ اجر ہے کہ جس کا حساب اور اندازہ سوا اللہ کے کسی کو معلوم نہیں[2] چنانچہ طبرانی کبیر میں معتبر سند سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اور عملوں کا اجر تو حساب سے ملے گا لیکن صبر ایسی چیز ہے جس کا اجر صبر کرنے والوں کو اس دن بے حساب ملے[3] گا یہ حدیث آیت إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ (۳۹: ۱۰) کی گویا تفسیر ہے۔

۴۷[4] تفسیر ابن جریر تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں جو شان نزول اس آیت کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ بدر کی لڑائی کے دن شام کی طرف سے قافلہ جو مشرکین مکہ کی تجارت کا مال لا رہا تھا جب وہ قافلہ مسلمانوں کے ہاتھ سے بچ گیا تو ابوسفیان نے ابوجہل سے کہا تھا کہ تم لوگ مکہ سے اپنے قافلہ کی مدد کو آئے تھے اب قافلہ تو بچ گیا چلو مکہ کو واپس چلنا چاہئے ابوجہل نے کہا نہیں تین روز بدر میں ٹھہریں گے اور شراب پئیں گے اور کئی کئی اونٹ روز ذبح کریں گے اور گانے والی چھوکریاں جو ہمارے ساتھ ہیں ان کا گانا سنیں گے جس سے لوگوں پر فقط ہمارا رعب پڑیگا چنانچہ اسی کے موافق بدر پر مقام ہوا اور نتیجہ اس شیخی مارنے اور اترانے کا یہ ہوا کہ بجائے شراب کے جام مرگ ستر آدمیوں کے ساتھ ابوجہل کو پینا پڑا اور بجائے گانے کے ہر طرف نوحہ کی آواز بلند ہوئی اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[5] اور مسلمانوں کو اس طرح کے اترانے سے منع فرمایا صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں عبداللہ بن عمرؓ اور ابوہریرہؓ کی روایتیں ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کا اترانا اللہ تعالےٰ کو اس قدر ناپسند ہے کہ پچھلی امتوں میں سے بعضے اترانے والے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں دھنسا دیا[6] آیت میں اترانے کی جو ممانعت ہے یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث گذر چکی ہے کہ ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے آنحضرت علی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں نماز پڑھتا ہوا دیکھ کر آپ کی پیٹھ پر اوجھڑی ڈال دی تھی[7] یہ حدیث

[1] الترغیب ج ۲ ص ۲۶۳ [2] الترغیب فی الصبر الخ [3] الترغیب ج ۲ ص ۲۶۵ [4] الترغیب فی الصبر الخ [5] تفسیر ابن جریر ج ۱۰ ص ۱۶ - ۱۷ [6] مشکوٰۃ ص ۳۷۳ کتاب اللباس وغیرہ [7] یعنی زیر آیت نمبر (۳۲)

وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ

اور جس وقت سنوار دکھلائے شیطان نے ان کی نظر میں ان کے کام اور بولا کوئی غالب نہ ہوگا تم پر آج کے روز میں

النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ

رفیق ہوں تمہارا پھر جب سامنے ہوئیں دونوں فوجیں الٹا پھرا اپنی ایڑیوں پر

اور اس قسم کی بہت سی حدیثیں ویصدون عن سبیل اللہ کی تفسیر میں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین مکہ طرح طرح سے اللہ کے رسول اور مسلمانوں کو اللہ کے راستہ سے روکتے تھے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث گذر چکی ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اپنے علم ازلی کے نتیجہ کے طور پر وہ سب اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے[1] اس حدیث سے واللہ بما یعملون محیط کی تفسیر اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے۔

۴۸۔ طبرانی، مغازی محمد بن اسحاق اور تفسیر ابن ابی حاتم میں شان نزول اس آیت کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جو کچھ بیان کی گئی ہے[2] اس کا حاصل یہ ہے کہ جب مشرکین مکہ نے اپنے تجارتی قافلہ کی مدد کی غرض سے مکہ سے نکلنے کا ارادہ کیا تو بہ سبب اس کے کہ مشرکین مکہ سے اور قبیلہ بنی بکر سے مدت سے عداوت تھی اس لئے مشرکین مکہ کے جی میں یہ خیال گذرا کہ ایسا نہ ہو آج پچھلی عداوت کے سبب سے قبیلہ بنی بکر بھی ہماری مخالفت پر کھڑا ہو جائے اس صورت میں لشکر اسلام اور قبیلہ بنی بکر دو لشکروں سے ہم کو مقابلہ کرنا پڑے اس خیال سے مشرکین مکہ سے نکلنے میں ذرا پس و پیش کر رہے تھے شیطان نے ان کے دل میں کیا دھوکا دیا کہ بنی کنانہ قبیلے کے سردار سراقہ ابن مالک کی صورت میں مشرکین کے پاس آیا اور کہا کہ میں تمہارا حامی اور مددگار ہوں کوئی قبیلہ بنی بکر وغیرہ تم پر چڑھ کر نہ آسکے گا اور آج تمہارا وہ جماؤ اور زور ہے کہ تم پر دنیا میں کوئی آج کے روز غالب نہیں آسکتا یہ کہہ کر اپنے ان ساتھیوں کو لے کر جو ظاہر میں بنی کنانہ کے قبیلہ کے لوگ دکھلائی دیتے تھے اور حقیقت میں وہ شیاطین تھے شیطان بدر کے مقام تک مشرکوں کے لشکر کے ساتھ رہا جب لڑائی کے وقت ملائکہ اس کو مسلمانوں کے لشکر کی طرف نظر آئے اس وقت بے تحاشہ یہ کہتا ہوا بھاگا کہ میں وہ دیکھتا ہوں جو تم کو نظر نہیں آتا بدر کی لڑائی کے بعد جب سراقہ بن مالک سے لوگوں نے اس کے بھاگنے کا قصہ بیان کیا اس نے قسمیں کھائیں کہ میں ہرگز بدر نہیں گیا نہ مجھ کو اس لڑائی کی خبر ہے پھر پیچھے ان لوگوں کو اسلام لانے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ شیطان تھا اس قصے کے بیان میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی[3] صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر طرح سے بہکانے کی غرض سے شیطان آدمی کے تمام جسم میں اس طرح دوڑتا پھرتا ہے جس طرح ہر شخص کے جسم میں خون دوڑتا ہے[4] صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص نماز کے لئے اٹھنے کا قصد کرتا ہے تو شیطان اس شخص کے دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ ابھی بہت رات ہے نماز کا وقت دور ہے اس لئے ابھی سو جانا چاہئے[5] معتبر سند سے ترمذی مستدرک حاکم وغیرہ میں حارث اشعریؓ کی حدیث[6] ہے جس میں

[1] یعنی زیر آیات نمبر (۴۳-۴۴) [2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۱۷-۳۱۸ [3] مشکوٰۃ ص ۱۸ باب فی الوسوسہ [4] مشکوٰۃ ص ۱۰۸ باب التحریض علی قیام اللیل۔

مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (۴۹)

آزار ہے یہ لوگ مغرور ہیں اپنے دین پر اور جو کوئی بھروسا کرے اللہ پر تو اللہ ہے زبردست حکمت والا۔

مسلمانوں کو کفار کی نظر میں اور کفار کو مسلمانوں کی نظر میں تھوڑا دکھلا دیا تو مشرک کہنے لگے کہ یہ مسلمان اپنے دین پر مغرور ہو کر باوجود اس تھوڑی سی تعداد کے لڑنے آئے ہیں اس پر اللہ پاک نے فرمایا کہ اس کمی اور بیشی پر نہ جاؤ خدا پر جو بھروسہ کرتا ہے اسے سرخروئی ہوتی ہے خدا بڑا زبردست اور حکمت والا ہے ابوجہل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو تھوڑا دیکھ کر سرکشی کی راہ سے یہ بات بھی کہی تھی کہ آج تک تو خیر مگر آج کے بعد پھر کبھی اللہ کی عبادت خالص نہ کی جائے گی کیونکہ وہ مشرک یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ہم غالب ہوں گے اور مسلمان پس پا ہو جائیں گے پھر کوئی نہ خالص اللہ پر ایمان لاوے گا نہ خالص عبادت اللہ کی زمین پر ہوگی تفسیر کلبی اور تفسیر ابن ابی حاتم میں یہ بھی ہے کہ مکہ میں کچھ لوگ تھے جو ظاہر میں اسلام لائے تھے مگر ان کا اسلام پکا نہ تھا یہ لوگ بھی ابوجہل کے ساتھ لڑائی کو آئے تھے اور مسلمانوں کی قلت دیکھ کر کہنے لگے یہ لوگ اپنے دین پر مغرور ہو کر باوجود اس قلت کے لڑائی میں پیش قدمی کر کے آئے ہیں ان باتوں کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ یہ ایمان دار لوگ مغرور نہیں ہیں بلکہ اللہ کی ذات پر بھروسہ کر کے یہ لوگ لڑائی میں اس طرح کی پیش قدمی کر رہے ہیں حاصل کلام یہ ہے کہ لڑائی کے شروع ہونے سے پہلے ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے بہت سی باتیں مغرورپنے اور اترانے کی منہ سے نکالیں۔ صحیح بخاری اور مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرؓ اور ابوہریرہؓ کی روایتیں اوپر گذر چکی ہیں کہ انسان کا اترانا اللہ کو بہت ناپسند ہے[1] اور آیت ان اللہ مع الصبرین کی تفسیر میں صحیح بخاری اور مسلم کے حوالہ سے ابوسعید خدری کی حدیث کا یہ مطلب بھی گذر چکا ہے[2] کہ صبر و تحمل کو کام میں لا کر جو شخص اپنی کسی سختی کی کشایش کا بھروسہ اللہ پر کریگا اور اپنی اس کشایش کو اللہ کی مرضی پر منحصر رکھے گا تو اس سے بڑھ کر کوئی اچھی چیز دنیا میں آدمی کے لئے نہیں ہے ان حدیثوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت اور حدیثوں کو ملا کر یہ مطلب ہوا کہ مشرکین مکہ نے لڑائی کے شروع ہونے سے پہلے مغرورپنے اور اترانے کی باتیں جو منہ سے نکالی تھیں ان کی وہ باتیں اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوئیں اس واسطے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے غرور کو یوں ڈھایا کہ اس لڑائی میں ان کو بڑی بھاری شکست ہوئی اور مسلمانوں نے اپنی لڑائی کا انجام اللہ کو سونپا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے طرح طرح سے ان کی مدد فرمائی جس کے سبب سے ان کو بہت بڑی فتح نصیب ہوئی اور دین اور دنیا میں ان کی عزت اور آبرو بڑھی مسند امام احمد میں جابرؓ کی صحیح حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بدر کی لڑائی میں جتنے صحابہؓ موجود تھے قیامت کے دن ان میں سے کوئی شخص دوزخ میں نہ جاویگا[3]۔ صحیح بخاری میں رفاعہ بن رافعؓ کی حدیث ہے جس میں جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ جس طرح بدری صحابہ کو زمین پر عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے آسمان پر اسی طرح ان فرشتوں کا حال ہے جو بدر کی لڑائی میں لشکر اسلام کی مدد کو آئے تھے[4] یہ حدیثیں اور اسی قسم کی اور حدیثیں ہیں جن سے بدری صحابہ کی دین و دنیا کی عزت اور آبرو کا حال معلوم ہوتا ہے۔

---

[1] الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۸۷ الترہیب من الکبر والعجب الخ [2] یعنی زیر آیت نمبر ۵ لم - ۴۶

[3] فتح الباری جز ۱۲ ص ۱۴ باب فضل من شہد بدراً۔

[4] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۹ باب شہود الملئکۃ بدراً

وَلَوْ تَرٰى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ
اور جب کبھی تو دیکھے جس وقت جان لیتے ہیں کافروں کے فرشتے مارتے ہیں ان کے منہ پر اور
اَدْبَارَهُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۵۰﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ
پیچھے اور چکھو عذاب جلنے کا یہ بدلا ہے اسی کا جو تم نے بھیجا اپنے ہاتھوں
وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۵۱﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ
اور اس واسطے کہ اللہ ظلم نہیں کرتا بندوں پر جیسے دستور فرعون والوں کا اور جو ان سے

۵۰ - ۵۱۔ تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ جب مشرکین مسلمانوں کی طرف منہ کرتے تھے تو سامنے سے مسلمانوں کی تلوار پڑتی تھی اور جب پیٹھ پھیرتے تھے تو فرشتے پیچھے سے مارتے تھے بدر کی لڑائی میں جو مشرک مارے گئے یہ تو ان پر فرشتوں کی مار کے پڑنے کا حال ہے عام مشرکوں کا بھی یہی حال ہے کہ اللہ کے فرشتے جب ان کی روح قبض کرنے آتے ہیں تو ان کو مارتے پیٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب عذاب الٰہی کا مزہ چکھو چنانچہ ایک جگہ ابوداؤد اور مسند امام احمد کے حوالہ سے براء بن عازبؓ کی ایک صحیح حدیث اس باب میں گذر چکی ہے[۱] پھر اللہ پاک نے یہ فرمایا کہ دنیا میں جو کچھ یہ لوگ کرتے تھے یہ اسی کا عوض اور خمیازہ ہے اللہ نے کوئی ظلم ان پر نہیں کیا کیونکہ اس کی عادت ظلم کی نہیں ہے وہ ظلم سے بالکل پاک ہے صحیح مسلم میں ابوذرؓ کی ایک حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پاک نے ظلم کو اپنی ذات پر حرام کر لیا ہے اور تمہارے واسطے بھی اس کو حرام کر دیا ہے اس لئے تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو[۲] صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرؓ اور ابوہریرہؓ کی روایتیں اوپر گذر چکی ہیں[۳] کہ اللہ تعالیٰ کو انسان کا اترانا بہت ناپسند ہے اور اوپر کی آیتوں میں مشرکین مکہ کے اترانے کا حال بھی گذر چکا ہے ان آیتوں، حدیثوں اور ابوذرؓ کی اوپر کی حدیث کو اس آیت کے ساتھ ملانے سے آیت کی تفسیر کا یہ حاصل مطلب ہے کہ مشرکین مکہ نے لڑائی کے شروع ہونے سے پہلے اترانے کی باتیں کی تھیں اور انسان کا اترانا اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان اترانے والوں کو یہ سزا دی کہ اس لڑائی میں آدمی اور فرشتے دونوں ہتھیاروں کا انہیں نشانہ بنایا اسی واسطے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کچھ ظلم نہیں کیا بلکہ ان لوگوں نے جیسا کیا اس کا بدلہ پایا۔

۵۲۔ اللہ پاک نے کفار بدر کے عذاب کے ذکر فرمانے کے بعد مشرکوں کو پہلی امتوں کا عذاب یاد دلا کر فرمایا کہ ان مشرکین مکہ کو جو ہم نے ان کی گمراہی اللہ کی آیتوں اور اس کے رسول کے جھٹلانے کے سبب سے بدر کی لڑائی میں ہلاک کر دیا یہ کوئی نئی بات نہ تھی بلکہ ہمیشہ سے یہی عادت الٰہی ہے کہ جو قومیں ان سے پہلے ہو گذریں جو کفر کرتی گئیں اور انہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا پھر فوراً اس خطا پر اللہ نے انہیں پکڑ لیا اللہ پاک بہت ہی قوی ہے اس کی گرفت سے کوئی نہیں بچ سکتا ہے اور اس کا عذاب بھی بہت سخت ہے اس سے کوئی بھاگ بھی نہیں سکتا ہے معتبر سند سے مستدرک حاکم میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشرکین مکہ کے بڑوں میں ایک شخص عمرو بن لحی تھا پہلے پہل اس نے ملت ابراہیمی کو بدل کر مکہ میں بت پرستی پھیلائی

[۱] یعنی سورۃ الانعام زیر آیت نمبر ۹۳ [۲] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱۹ باب تحریم الظلم۔
[۳] یعنی زیر آیت نمبر ۴۹۔

قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ

پہلے تھے منکر ہوئے اللہ کی باتوں پر سو پکڑا ان کو اللہ نے ان کے گناہوں پر۔ اللہ زور آور ہے سخت

الْعِقَابِ ﴿٥٢﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ

عذاب کرنے والا یہ اس پر کہا کہ اللہ بدلنے والا نہیں نعمت کو جو دی تھی ایک قوم کو جب

اور جب سے پشت در پشت مکہ میں بت پرستی چلی آتی تھی اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت اور حدیث کو ملا کر یہ مطلب ہوا کہ مشرکین مکہ کی کئی پشت سے مکہ میں بت پرستی چلی آتی تھی اس لئے وہ لوگ اس کو ایک قدیمی بات سمجھتے تھے اور اس کی حمایت میں قرآن اور اللہ کے رسول کو جھٹلانا ایک معمولی بات جانتے تھے حاصل یہ ہے کہ جس طرح ایک تاریخی ثبوت کے طور پر یہ لوگ عمرو بن لحی کے زمانے سے بت پرستی کی قدامت نکالتے تھے اور اس کے مقابلہ میں شریعت الٰہی کو ایک جدید چیز جان کر اسے جھٹلاتے تھے اسی طرح تاریخی ثبوت سے اللہ تعالیٰ نے بدر کی لڑائی سے بچے ہوئے مشرکوں کو اس آیت میں قائل کیا اور فرمایا کہ عمرو بن لحی کا زمانہ تو کل کی بات ہے پہلے صاحب شریعت نبی نوح علیہ السلام کے زمانہ سے اگرچہ یہ بت پرستی کی بلا چلی آتی ہے لیکن کسی زمانہ میں اس کی قدامت کو اللہ تعالیٰ نے قائم نہیں رکھا بلکہ نوح علیہ السلام کے زمانے سے لے کر فرعون کے زمانہ تک جس جس قوم میں یہ شرک کا جرم پھیلا اللہ تعالیٰ نے اس جرم کی سزا میں ان سب قوموں کو طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک کر دیا اس بدر کی لڑائی میں بھی ان مشرکین مکہ کے بڑے بڑے سرکشوں نے قتل اور قید کی ذلت جو اٹھائی وہ بھی پہلے کے موافق اسی جرم کی سزا تھی۔ اس لڑائی میں اس جرم کے جو مجرم ذلت سے بچ گئے ہیں ان میں سے جو لوگ اس جرم سے آئندہ باز آئے وہ تو ذلت سے بچ جاویں گے اور جو اس جرم میں گرفتار رہے ان کے نصیب میں آخر کو یہی ذلت لکھی ہے اللہ سچا ہے اور اس کا کلام سچا ہے فتح مکہ تک مشرکین مکہ میں سے جو لوگ شرک چھوڑ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے وہ ذلت سے بچ گئے اور جو اپنی قدیمی حالت پر رہے انھوں نے نہایت ذلت سے آخر کو اپنی بستی اہل اسلام کے قبضہ میں دے دی اور سوا شرک کے چھوڑنے اور اسلام قبول کرنے کے ان کو اور کچھ بن نہ آیا اس سے بڑھ کر مشرکین مکہ کی اور کیا ذلت ہو سکتی ہے کہ مکہ اور اطراف مکہ میں ان کے تین سو ساٹھ بت جو رکھے تھے جن کو یہ مشرک لوگ اپنا معبود جانتے تھے فتح مکہ کے دن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ میں کی لکڑی مار مار کر ان بتوں کو گرا دیا اور کوئی مشرک اپنے ان معبودوں کی کچھ حمایت نہ کر سکا صحیح بخاری میں عبداللہ بن مسعود اور صحیح مسلم میں ابوہریرہ سے جو روایتیں ہیں ان میں ان بتوں کے گرانے کا پورا قصہ ہے:

۵۲۔۵۴۔ اللہ پاک نے اس آیت میں یہ فرمایا کہ ان کفار پر جو عذاب آیا جنگ بدر میں قتل و غارت ہوئے مسلمانوں کی قید میں آئے ان کے مال لوٹ لئے گئے اس کا سبب یہ ہے کہ انھوں نے اپنی حالت خود بدل دی عمرو بن لحی نے ملت ابراہیمی کو بدل کر مکہ میں بت پرستی پھیلائی جس میں ان کے بڑے مبتلا ہوئے حال کے لوگ اپنے بڑوں کے قدم بقدم چلے اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی بردباری سے فوراً ان کو ہلاک نہیں کیا بلکہ ان کی حالت کو درست کرنے کیلئے نبی آخر الزمان کو بھیجا قرآن نازل فرمایا تفسیر سدی اور تفسیر ابن ابی حاتم میں جو روایتیں ہیں ان میں

[1] مستدرک حاکم ج ۴ ص ۵۰۵ ذکر اول من حمل العرب علی عبادة الاصنام [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۱۴ باب این رکز النبی صلے اللہ علیہ وسلم الرایۃ یوم الفتح و صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۲ باب فتح مکہ۔

حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ

تک وہ نہ بدلیں اپنے جیوں کی بات اللہ سنتا ہے جانتا جیسے دستور فرعون والوں کا

وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَ

اور جو ان سے پہلے تھے جھٹلائیں باتیں اپنے رب کی پھر کھپا دیا ہم نے ان کو گناہوں پر اور

اَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ

ڈبو دیا فرعون والوں کو اور وہ سارے ظالم تھے بدتر سب جانوروں میں اللہ کے

کہ یہاں نعمت سے مطلب حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ اللہ پاک نے یہ نعمت اہل مکہ کو دی تھی آپ کو رسول بنا کر ان لوگوں میں بھیجا تھا ان لوگوں نے آپ کی کچھ قدر نہ کی آپ کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آئے اس لئے اللہ پاک نے اپنے رسول کو مکہ سے مدینہ انصار کے پاس بھیج دیا اس کے بعد پھر اہل مکہ پر بدر کی آفت آئی کس لئے کہ اللہ پاک ہر ایک قوم کی باتوں کو سنتا ہے اور ہر شخص کے عمل کو جانتا ہے پھر بطور تاکید کے قوم فرعون اور پہلی امتوں کا حال بیان فرمایا کہ انہیں کفار کی طرح فرعون اور دوسری امتوں کے پاس بھی اللہ تعالےٰ نے رسول بھیجے اور کتابیں اتاریں خیر و برکت کا دروازہ ان پر کھول دیا طرح طرح کی نعمت ان کو عطا کی مگر ان لوگوں نے اس کا شکر نہ ادا کیا بلکہ اللہ کے رسولوں اور اللہ کے کلام کو جھٹلایا اس لئے اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا کسی کو آدمی سے بندر بنا دیا کسی پر پتھر برسائے اور سب سے آخر پر فرعون کو دریا میں غرق کر کے ہلاک کیا اسی طرح ان کفار مکہ کو تلوار سے قتل کرا دیا یہ کل قومیں جو اپنے ہی کردار بد کی وجہ سے ہلاک ہوئیں یہ سب کے سب ظالم تھیں اپنی جانوں پر خود انہوں نے ظلم کیا اور دوسروں پر بھی یہ ظلم کیا کہ انہیں گمراہ کر دیا جس طرح عمرو بن لحی نے مکہ میں بت پرستی نکالی جس سے خود بھی گمراہ ہوا اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ یہ نہیں چاہتا کہ کسی قوم کو جو نعمت عطا کر چکا بغیر کسی ناشکری کے اس قوم سے وہ نعمت چھین لیوے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعری کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ سے بڑھ کر کوئی بردبار نہیں ہے لوگ اس کی عبادت میں اوروں کو شریک ٹھہراتے ہیں اور اس کو صاحب اولاد کہتے ہیں اور وہ اپنی بردباری سے ان کی صحت عافیت اور رزق کے انتظام میں کچھ خلل نہیں ڈالتا[1] اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت اور حدیث کو ملا کر یہ مطلب ہوا کہ اگرچہ عمرو بن لحی کے زمانہ سے مشرکین مکہ نے اللہ کے گھر میں شرک پھیلا رکھا تھا لیکن اللہ تعالےٰ نے اپنی بردباری سے بدر کی لڑائی تک ان پر کوئی آفت نازل نہیں فرمائی ہاں جب دن بدن ان کی سرکشی بڑھتی گئی تو بدر کی لڑائی میں اللہ تعالےٰ نے ان کی سرکشی کو ڈھایا پچھلی قوموں کی ہلاکت میں فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت سب سے آخر ہے جس کے سبب سے عرب کے کان اس قصہ سے زیادہ آشنا تھے اس لئے پہلی آیت اور اس آیت میں اس قصہ کا ذکر تنبیہ کے طور پر دو دفعہ فرمایا۔

۵۵-۵۸ تفسیر ابن ابی حاتم میں مجاہد سے اور تفسیر ابو الشیخ میں سعید بن جبیر سے جو شان نزول[2] اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت اور یہود بنی قریظہ کا یہ معاہدہ تھا کہ نہ وہ لوگ آنحضرت سے لڑیں گے نہ مسلمانوں کے دشمن کو مدد دینگے

[1] مشکوۃ ص ۱۳ کتاب الایمان [2] لباب النقول ص ۱۱۲۔

اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ

اللہ کے ہاں وہ ہیں جو منکر ہوئے پھر وہ نہیں مانتے ۔ جن سے تو نے اقرار کیا ہے ان میں پھر وہ

يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ

توڑتے ہیں اپنا اقرار ہر بار اور ڈر نہیں رکھتے ۔ سو اگر کبھی تو پا وے

پہلے انہوں نے خلاف معاہدہ کر کے مشرکین مکہ کو ہتھیاروں کی مدد دی اور جب ان سے پوچھا گیا تو معاہدہ کے یاد نہ رہنے کا عذر کیا پھر دوبارہ معاہدہ کیا اور پھر معاہدہ کے برخلاف تمام قبائل عرب کو بہکا کر خندق کی لڑائی میں چڑھا لائے ان میں ایک شخص کعب بن اشرف شاعر بڑا شریر تھا مسلمانوں کی ہمیشہ ہجو کیا کرتا تھا یہ وہی کعب بن اشرف ہے جس نے مشرکین مکہ سے یہ کہا تھا کہ تمہارا دین مسلمانوں کے دین سے اچھا ہے محمد بن مسلمہ صحابی نے اس کو خاص طور پر اس کے گھر جا کر قتل کیا اور نو سو کے قریب بنی قریظہ کے لوگ جو تھے خندق کی لڑائی کے متصل ایک بڑے محاصرہ کے بعد سب کے سب کو ان کی گڑھی سے اتار کر ایک دم مسلمانوں نے قتل کر ڈالا اور کعب بن اشرف اور بنی قریظہ کے قتل کا قصہ تفصیل سے بخاری میں مذکور ہے اسی بنی قریظہ کی بدعہدی کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں یہ کعب بن اشرف کے قتل کا قصہ تو صحیح بخاری میں جابر بن عبداللہ کی روایت سے ہے[1] یہ قتل ۳ ہجری میں ہوا ہے بنی قریظہ کے قتل کا حکم سعد بن معاذ کے فیصلہ کے موافق جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے اس کا ذکر صحیح بخاری میں حضرت عائشہ کی روایت سے ہے[2]۔ اکثر سلف کا یہ قول ہے کہ بنی قریظہ کی تعداد نو سو کے قریب تھی۔ معتبر سند سے ترمذی نسائی اور صحیح ابن حبان میں جابر کی روایت سے بنی قریظہ کی تعداد چار سو کی جو آئی ہے اس کے معنے علماء نے یہ بیان کئے ہیں کہ یہ تعداد ان میں کے جوان آدمیوں کی ہے یہ بنی قریظہ کا قتل ۵ ہجری میں ہوا ہے کیونکہ خندق کی لڑائی اسی ۵ھ میں ہے اور اسی لڑائی سے واپس ہونے کے بعد بنی قریظہ پر چڑھائی ہوئی چنانچہ حضرت عائشہ کی صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ خندق کی لڑائی سے واپس ہو کر ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہتھیار کھول کر فقط غسل کیا تھا کہ اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور بنی قریظہ پر چڑھائی کرنے کا حکم انہوں نے سنایا بنی قریظہ کی چڑھائی کے وقت کی عبداللہ بن عمر کی وہ حدیث ہے جس میں بنی قریظہ کے مقام پر جلدی پہنچ جانے کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے یہ فرمایا ہے کہ عصر کی نماز بنی قریظہ کے مقام سے ورے نہ پڑھی جائے[3]۔ بخاری میں اس نماز کے ساتھ عصر کا لفظ ہے اور مسلم میں ظہر کا[4] ان دونوں روایتوں کی مطابقت علماء نے یوں بیان کی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے بنی قریظہ کی چڑھائی کا حال سن کر بنی قریظہ کے مقام پر روانہ کرنے کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی طلبی کا حکم دیا تو بعضے صحابہ ظہر سے پہلے حاضر ہو گئے اور بعضے ظہر کے بعد آئے جو صحابہ ظہر سے پہلے آئے تھے ان کو آپ نے بنی قریظہ کے مقام پر ظہر کی نماز پڑھنے کا حکم دیا اور جو صحابہ ظہر کی نماز کے بعد آئے تھے ان کو عصر کی نماز کا۔ اس حکم کی تعمیل میں صحابہ کا اختلاف

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۶ باب قتل کعب بن الاشرف [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۹۱ باب مرجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الاحزاب الخ [3] فتح الباری جز ۱۶ ص ۴۹ باب مرجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الاحزاب الخ [4] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۹۱ باب مرجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الاحزاب الخ [5] صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۶ باب المبادرة بالغزو وتقدیم اہل الامرین المتعارضین۔

فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿٥٧﴾ وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ

ان کو لڑائی میں تو ایسی سزا دے کہ دیکھ کر بھاگیں ان کے پچھلے شاید وہ عبرت پکڑیں اور اگر تم کو ڈر ہو ایک

قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ﴿٥٨﴾

قوم کی دغا کا تو جواب دے ان کو برابر کے اللہ کو خوش نہیں آتی دغا بازی

بھی ظہور میں آیا بعضوں نے وقت پر نماز راستہ میں پڑھ لی اور حکم کا مطلب یہ سمجھا کہ اس سے بنی قریظہ کے مقام پر جلدی پہنچ جانا مقصود ہے اور بعضوں نے بنی قریظہ کے مقام پر پہنچ کر بے وقت نماز پڑھی مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں گروہ میں سے کسی کو کچھ اولاہنا نہیں دیا کیونکہ ان دونوں گروہ کی نیت بخیر اور دونوں کو اطاعت حکم رسول کا خیال تھا بعضے علماء نے لکھا ہے کہ ان دونوں گروہ میں سے فضیلت ان صحابہ کو ہے جنہوں نے نماز کے وقت پر پڑھنے کے حکم اور بنی قریظہ کے مقام پر جلد پہنچ جانے کے حکم ان دونوں حکموں کو مدنظر رکھا شان نزول کی روایت میں تفسیر ابوالشیخ کا حوالہ جو اوپر گذرا یہ ابوالشیخ ابن حبان قدیم مفسروں میں ابن مردویہ اور حاکم کے رتبہ کے مفسر ہیں اور ان کی تفسیر کا شمار روایتی تفسیروں میں ہے روایتی تفسیریں وہ ہیں جن کا مدار صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے اقوال پر ہے ان تفسیروں میں سے تفسیر ابن جریر میں یہ ایک بات زیادہ ہے کہ چند قولوں میں سے ایک قول کو ترجیح بھی حافظ ابوجعفر ابن جریر نے اپنی اس تفسیر میں بیان کر دی ہے حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ ہر انسان کو اپنے عہد کا پورا کرنا اور اس کو نباہنا لازم ہے کعب بن اشرف کے گروہ بنی قریظہ نے جو بدعہدی کی اور ان کے سردار کعب بن اشرف نے عہد کے برخلاف مشرکین مکہ کو مسلمانوں پر چڑھائی کے لئے آمادہ کیا تو یہ لوگ شان انسانیت سے خارج اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب جانداروں سے بدتر ہیں اس لئے لڑائی میں ایسے لوگوں پر جب قابو پالیا جائے تو ان کو ایسی سخت سزا دی جائے کہ اہل مکہ جو مخالفت اسلام میں ان بنی قریظہ کے پیرو اور قدم بقدم ہیں وہ بھی عبرت پکڑیں اور بدعہدی سے دور بھاگیں اور علاوہ اس قوم کے جس قوم سے بدعہدی کا اندیشہ ہو تو اے رسول اللہ کے ایسی دغاباز قوم سے عہد کا قائم رکھا جانا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے اس لئے ایسی قوم کو عہد کے قائم نہ رہنے کی اطلاع دے دی جائے تاکہ بدعہدی کا دھوکا باقی نہ رہے حاصل کلام یہ ہے کہ اگر کسی قوم سے بدعہدی کا فقط اندیشہ ہو تو آئندہ ایسی قوم سے عہد قائم نہ کیا جائے اور اگر کوئی قوم عہد کے بعد کھلم کھلا بدعہدی کر بیٹھے جس طرح مثلاً بنی قریظہ کی بدعہدی کا ذکر اوپر گذرا یا مثلاً مشرکین مکہ نے صلح حدیبیہ کی شرط کے برخلاف بدعہدی کی جس کا مفصل ذکر صلح حدیبیہ میں سورۃ انا فتحنا کی تفسیر میں آوے گا اور کچھ ذکر اس کا سورہ توبہ کی تفسیر میں بھی ہے تو ایسی صورت میں عہد کے ٹوٹ جانے کی اطلاع ضرور نہیں بلکہ ایسی صورت میں بدعہد قوم پر چڑھائی کا حکم ہے اس لئے بنی قریظہ پر اور فتح مکہ کے وقت مشرکین مکہ پر بغیر کسی اطلاع کے شروع سے لشکر اسلام کی چڑھائی عمل میں آئی سورۃ النساء میں گذر چکا ہے کہ بنی قریظہ کے سردار کعب بن اشرف نے مکہ جا کر مشرکین مکہ کو مسلمانوں پر چڑھائی کرنے کی ترغیب دلائی تھی اور اسی ترغیب کی بنا پر مشرکین کہ خندق کی لڑائی کے وقت چڑھائی کر کے آئے تھے اسی واسطے ان آیتوں میں مشرکین مکہ کو بنی قریظہ کے پچھلے فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ خندق کی لڑائی کے وقت بنی قریظہ کا سردار کعب بن اشرف اور اس کے ساتھی گویا اس لڑائی کے بانی تھے

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا ۚ إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ﴿٥٩﴾ وَأَعِدُّوا لَهُم

اور یہ نہ سمجھیں منکر لوگ کہ وہ بھاگ نکلے تھکا نہ سکیں گے اور سرانجام کرو

مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ

ان کی لڑائی کو جو پیدا کر سکو زور اور گھوڑے پالتے کہ ان سے دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں

اور مشرکین مکہ ان کے پیرو اور چھپلے تھے۔

۵۹۔۶۰۔ اللہ پاک نے اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تسلی فرمائی کہ جنگ بدر سے جو کفار بچکر بھاگ نکلے ہیں یہ خیال نہ کیا جاوے کہ ان پر پھر کوئی موقعہ ہاتھ نہ آویگا کیونکہ یہ لوگ اگرچہ اب بچ گئے ہیں مگر اللہ کو وہ عاجز نہیں کر سکتے وہ ہر وقت اللہ کے قبضہ میں ہیں تم ان کے واسطے سامان جنگ تیار رکھو اور جہاں تک ممکن ہو تیر اندازی کے ہنر کی مشاقی کرو آیت میں جو من قوۃ کا لفظ ہے اس کی تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ قوۃ سے مطلب تیر اندازی ہے عقبہؓ بن عامر کی حدیث جو مسلم و ابن ماجہ و ابوداؤد میں ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قوۃ تیر اندازی کا نام ہے اور دو بارا اسی طرح آپ نے فرمایا[1] حضرت عبداللہؓ بن عباس کا بھی یہی قول ہے کہ قوت تیر اندازی اور لڑائی کے ہتھیاروں کے فراہم کرنے کو کہتے ہیں پھر اللہ جل شانہ نے تیر اندازی اور باقی سامان جنگ کی تیاری کے بعد گھوڑوں کا ذکر فرمایا کہ لڑائی کے واسطے گھوڑے بھی پالو بخاری اور مسلم میں ابوہریرہؓ کی ایک روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض شخصوں کے لئے گھوڑا اجر ہے اور بعضوں کے واسطے پردہ اور بعضوں کیلئے گناہ ہے جس شخص کیواسطے گھوڑا اجر ہے وہ شخص وہ ہے جس نے محض خدا کے واسطے کسی چراگاہ یا باغ میں گھوڑا باندھ رکھا ہے وہ جو کچھ وہاں سے کھاتا پیتا ہے وہ سب اس شخص کی نیکیوں میں شمار ہوتا ہے اور لید اور پیشاب تک اس کی حق میں حسنات ہوں گے اگر وہ گھوڑا کسی نہر میں آپ سے پانی پی لے گا تو وہ بھی اس کی نیکی میں لکھا جاویگا اور جس شخص نے گھوڑا اس لئے باندھ رکھا ہے کہ خدا نے اس کو دولت دی ہے اس لئے اس نے گھوڑا پال لیا مگر ساتھ اس کے وہ خدا کا بھی حق نہیں بھولا ہے موقعہ کے ظاہر ہونے پر خدا کا بھی خیال دل میں رکھتا ہے اس کے واسطے یہ گھوڑا پردہ ہے اور جس نے محض دنیا کے دکھلاوے کو گھوڑا رکھا ہے اسکے لئے وہ گھوڑا گناہ ہے[2] خدا کی راہ میں گھوڑے پالنے کے اجر کی اور بھی صحیح حدیثیں ہیں[3] پھر اللہ پاک نے یہ فرمایا کہ اللہ تعالے نے سامان جنگ اور گھوڑے باندھنے کا اس لئے حکم دیا کہ تمہارے دشمنوں کے دلوں میں رعب پیدا ہو دشمنوں کی تفسیر میں مفسرین کا یہی قول ہے کہ مشرک اور کافر وغیرہ سب عرب کے کفار مراد ہیں پھر یہ فرمایا کہ ان کفار کے سوا اور بھی لوگ ہیں جن کو تم نہیں جانتے ہو اللہ کو انکا علم ہے بعضے سلف نے کہا ہے کہ یہ لوگ یہود اور فارس و روم کے لوگ ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ منافق ہیں جن کے باب میں اللہ نے یہ فرمایا کہ میں انہیں جانتا ہوں تم نہیں جانتے اور بعضے مفسر یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ خاص بنی قریظہ ہیں مگر اس کو خدا ہی کے علم پر موقوف رکھنا بہتر ہے کیونکہ اللہ پاک نے خود حضرت کو فرمایا کہ تم ان کو نہیں جانتے پھر اللہ پاک نے یہ فرمایا کہ یہ خدا کی راہ میں تمہارا خرچ کرنا برباد نہیں جائے گا اس کا پورا پورا بدلہ آخرت میں تمہیں ملے گا ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا بلکہ سات سو

[1] سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۴۰ باب فی الرمی و ابن ماجہ ص ۲۰۷ باب الرمی فی سبیل اللہ و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۲۱ [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۰۰ باب الخیل ثلاثۃ الخ [3] تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۲۱ — ۳۲۲

وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا

پر اور تمہارے دشمنوں پر اور ایک لوگوں پر سوائے ان کے جن کو تم نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے اور

تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾

جو خرچ کرو گے اللہ کی راہ میں پورا ملے گا تم کو اور تمہارا حق نہ رہے گا

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ

اور اگر وہ جھکیں صلح کو تو تو بھی جھک اسی طرف اور بھروسا کر اللہ پر بے شک وہی ہے سنتا

تک اجر زیادہ ملے گا چنانچہ اس کا ذکر سورہ بقر کی تفسیر میں گذر چکا ہے ان آیتوں میں اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کی تسلی جو فرمائی اس کا ظہور بھی وقت مقررہ پر یوں ہوتا رہا کہ جو مشرکین مکہ بدر کی لڑائی میں بچ گئے تھے ان میں کے کچھ تو فتح مکہ سے پہلے مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے چنانچہ احد کی لڑائی میں جب تک اللہ کے رسول کا بتلایا ہوا پہاڑ کا ناکہ مسلمان تیر اندازوں نے نہیں چھوڑا تھا اس وقت تک اس لڑائی میں مسلمانوں کا ایسا غلبہ تھا کہ اور دشمنوں کے علاوہ دشمنوں کے نو نشان بردار طلحہ بن عثمان وغیرہ مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے آخر یہ سب بدر کی لڑائی میں کے بچے ہوئے لوگ تھے بدر کی لڑائی میں کے بچے ہوئے مشرکوں میں سے جو لوگ فتح مکہ تک مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے نہیں گئے فتح مکہ پر آخر وہ عاجز ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے چنانچہ وہ ابوسفیان جس کے قافلہ کے سبب سے بدر کی لڑائی ظہور میں آئی فتح مکہ پر مسلمان ہو کر صحیح بخاری کی براء بن العازب کی روایت کے موافق حنین کی لڑائی میں خدمت گاروں کی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سواری کے خچر کی باگ پکڑ کر ان ابوسفیان نے اللہ کے رسول کا ساتھ دیا[1] سورہ بقر کی جس آیت کا حوالہ اوپر گذرا وہ آیت الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ (۲: ۲۶۱) ہے جس میں ایک نیکی کا اجر سات سو نیکیوں تک کا ہے لیکن اس سے بھی زیادہ اجر کے ملنے کا وعدہ جو اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے اس کی تفصیل سورہ بقر کی آیت من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنا (۲: ۲۴۵) کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔

۶۱-۶۳- اللہ پاک اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے کہ اگر کفار صلح کا پیغام دیں اور لڑائی سے بچیں تو صلح کر لو اسی واسطے حدیبیہ کی صلح کے وقت جب مشرکین مکہ نے صلح چاہی اور دس برس تک جنگ کی موقوفی کی درخواست کی تو اللہ کے رسول نے اس صلح کے پیغام کو مان لیا اور جو جو شرطیں انہوں نے پیش کیں انہیں قبول کر لیا مسند امام احمد میں حضرت علی ابن ابوطالب رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے کہ جب اختلاف ہوتا دکھائی دے تو اگر تجھ سے صلح ہو سکے تو کر لے[2] صحیح بخاری و مسلم میں صلح حدیبیہ کی جو روایتیں ہیں[3] ان سے حضرت علیؓ کی روایت کی پوری تقویت ہوتی ہے کیونکہ یہ صلح آپس کا اختلاف دفع کرنے کے لئے ہوئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (۹: ۲۹) سے منسوخ ہے اور مجاہد بھی کہتے ہیں کہ یہ آیت فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (۹: ۵) سے منسوخ ہے مگر جمہور علما کا قول یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں[4] ہے بلکہ دونو آیتیں دو جدا گذرا

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۰۱ باب بغلۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم البیضا الخ و صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۰ باب غزوۃ حنین [2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۲۲ [3] صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۷۰-۳۸۰ باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب الخ [4] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۲۲-۳۲۳ و تفسیر فتح البیان ج ۲ ص ۱۹۶۔

الْعَلِيْمُ ﴿٦١﴾ وَإِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْٓ

جانتا اور اگر وہ چاہیں کہ تجھ کو دغا دیں تو تجھ کو بس ہے اللہ وہ اسی نے تجھ کو

اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ

زور دیا اپنی مدد کا اور مسلمانوں کا اور ان کے دل میں الفت ڈالی اگر تو خرچ کرتا

اور لڑائی کی آیتوں کی طرح اپنی اپنی جگہ ہیں چنانچہ ایسا ہی ہوتا رہا ہے اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح جائز رکھی ہے اور حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مدیبیہ میں ایسا ہی کیا تھا جیسا کہ اوپر گذرا پھر اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ اس صلح میں خدا ہی پر بھروسہ رکھو اگر اس صلح سے ان کا کوئی اور مطلب ہے تو خدا ان کے قول کو سنتا ہے اور ان کی نیتوں کو جانتا ہے اس لئے اگر ان کا ارادہ اس صلح سے یہ ہے کہ تھوڑے روز تک جنگ موقوف کر کے قوت پکڑ جاویں اور بہت سا سامان مہیا کر کے پھر لڑائی پر آمادہ ہوں تو خدا نے تمہیں بدر کی لڑائی کے وقت اپنی مدد بھیج کر فتح یاب کیا ہے اور ہمیشہ ہر کام میں مدد کرتا رہا ہے پھر اس کے بعد اللہ جل شانہ نے اپنی اس تائید کا ذکر فرمایا جو اس نے اپنے بندوں کے ذریعہ سے پہنچائی چنانچہ فرمایا کہ خود اللہ تعالےٰ جو کچھ مدد پہنچاتا رہتا ہے وہ تو پہنچتی ہی ہے مگر انصار جو ایمان لاکر تمہارے ساتھ ہو گئے ہیں اور ہر گاہ میں تمہارے قوت بازو بن گئے اور تمہاری اطاعت میں ہمیشہ سرگرم ہیں یہ اللہ کی تائید ہے اللہ نے ان میں اتفاق پیدا کر دیا ان کے آپس کے نفاق اور آئے دن کی خانہ جنگیاں ان کی پشتہا پشت کی مخالفت کچھ ایسی نہ تھی جو آسانی سے رفع ہو جاتی اگر دنیا بھر کی دولت ان کی تالیف کے واسطے خرچ کی جاتی اور بڑی سے بڑی قوت صرف کی جاتی جب بھی ان کا قدیمی بغض رفع دفع نہ ہوتا حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ انصار میں کے قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج ہیں ان کی آپس کی دشمنی ایام جاہلیت میں اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ ایک دوسرے کے خون کا پیاسا تھا اور بڑی بڑی لڑائیاں ان دونو قبیلوں میں ہو چکی تھیں ایک سو بیس برس سے یہ بغض چلا آتا تھا مگر اللہ نے ان کے دلوں کو نور ایمان سے منور فرما کر سارے گروہ کو ایک اسلام کے راستہ پر لگا دیا اور ایک کو دوسرے کی وہ محبت دی کہ بھائی بھائی بن گئے اور سب کے سب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے جان اور مال فدا کرنے پر آمادہ ہو گئے یہ قدرت خدا ہی کی تھی اس کا ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ شمار کیا جاتا ہے اوس اور خزرج کا یہ حال سورہ آل عمران میں گذر چکا ہے علاوہ ان دو قبیلوں کے عرب کے اور قبیلوں میں بھی باہم کوئی ہمدردی نہ تھی ایک کا مال دوسرا چھین کر کھا لیتا تھا اور مالک مال کا خون کر دینا کچھ بڑی بات نہ سمجھتا تھا مگر اللہ پاک نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر ان لوگوں کی سخت دلی کو نرم دلی سے بدل ڈالا اور ان میں وہ محبت کا مادہ پیدا کر دیا کہ جس کے بیان کرنے کے لئے ایک دفتر درکار ہے اور پھر انہوں نے ایک دل ہو کر جو جو کار نمایاں کئے وہ صفحہ ہستی پر یادگار ہیں جو قیامت تک باقی رہیں گے ان کی مثالیں شاید ڈھونڈھنے سے بھی کسی اور قوم میں نہ ملیں گی یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ ہر ایک شخص کے دل پر اللہ کا پورا پورا قبضہ و اختیار ہے ہر ایک کا دل اس کے ہاتھ میں ہے وہ جدھر پھیرنا چاہے گھڑی بھر میں پھیر دے معتبر سند سے نسائی میں ابن مسعودؓ کی ایک حدیث ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کی شان میں اتری ہے جو آپس میں محض خدا کے واسطے محبت رکھتے ہیں اور کوئی غرض دنیا کی اس محبت سے نہیں رکھتے حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[1] طبرانی میں سلمانؓ

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۲۳۔

مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ

جو سارے ملک میں ہے تمام نہ الفت دے سکتا ان کے دل میں لیکن اللہ نے الفت ڈالی

إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٦٣﴾

ان میں بیشک وہ زور آور ہے حکمت والا

فارسی سے ایک روایت ہے کہ جب ایک مسلمان کسی دوسرے اپنے مسلمان بھائی سے ملتا ہے اور مصافحہ کرتا ہے تو اس کے گناہ مثل پتوں کے جھڑتے ہیں جس کا مطلب ہے کہ جس طرح درخت کے خشک پتے آندھی سے جھڑتے ہیں اسی طرح ان دونوں کے گناہ جھڑتے ہیں عبدہ بن ابی لبابہ کہتے ہیں کہ ایک روز مجاہد سے میری ملاقات ہوئی اور انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ جب دو شخص جن کے دلوں میں محض خدا کے واسطے محبت ہے ایک دوسرے سے ملتا ہے اور ایک کا ایک ہاتھ پکڑتا اور مصافحہ کرتا ہے تو انکے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے درخت سے پتے معتبر سند سے اسی مضمون کی حدیث اوسط طبرانی میں حذیفہ بن الیمان کی روایت سے بھی ہے جس سے سلمان فارسیؓ کی روایت کو تقویت ہو جاتی ہے عبدہ بن ابی لبابہ نے کہا کہ پھر تو گناہوں کے معاف ہو جانیکے لئے یہ بہت آسان ہے اس کا مجاہد نے یہ جواب دیا کہ ایسا نہ کہو خدا نے آنحضرت کو فرمایا ہے لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ عبدہ کہتے ہیں کہ میں نے اسی روز سے جانا کہ مجاہد مجھ سے زیادہ عالم ہیں پھر اللہ پاک نے اپنی صفت بیان کی کہ اللہ سب چیزوں پر غالب ہے جس بات کا ارادہ کرتا ہے اس میں کسی قسم کی دشواری نہیں ہوتی اور حکیم ہے اس کی کوئی بات حکمت سے خالی نہیں ہے یہ عبدہ بن ابی لبابہ قتادہ کے ہم رتبہ ثقہ تابعی ہیں صحاح کی کتابوں میں ان سے روایتیں ہیں صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن زید بن عاصم کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا کہ قدیمی عداوت کے سبب سے تم لوگوں میں پھوٹ پڑی ہوئی تھی اللہ کے رسول کے مدینہ میں آنے کی برکت سے وہ تمہاری آپس کی پھوٹ جاتی رہی سورہ آل عمران میں جو قبیلہ اوس و خزرج کی پھوٹ کے رفع ہو جانے کو اللہ تعالے نے ایک نعمت کے طور پر ذکر فرمایا ہے اس سے اور اس صحیح حدیث سے حضرت عبداللہ بن عباس کے اس قول کی پوری تائید ہوتی ہے کہ ان آیتوں میں بھی اللہ تعالے نے اپنے احسان کے طور پر جس پھوٹ کے رفع ہو جانے اور آپس کی دلی الفت کا تذکرہ فرمایا ہے وہ بھی انصار کے قبیلہ اوس و خزرج کا ہی ذکر ہے اس صورت میں جن مفسرین نے عبداللہ بن مسعودؓ اور سلمان فارسیؓ کی حدیثیں ان آیتوں کی تفسیر میں نقل کی ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ اصل میں ان آیتوں کی شان نزول تو وہی ہے جو امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس نے بیان کی ہے لیکن انصار کے قبیلہ اوس و خزرج کے مسلمانوں کی طرح اب بھی جو دو مسلمان آپس میں دینی محبت رکھیں گے آیتوں میں گویا ان سب کا ذکر ہے۔ آخر میں اللہ تعالے نے اپنی عام قدرت جتلانے کو فرمایا کہ جس طرح اللہ تعالےٰ نے ایک سو بیس برس کی عداوت کے مٹا کر انصار کے قبیلہ اوس و خزرج میں اپنی قدرت اور حکمت سے ملاپ کرا دیا اسی طرح وہ ایسا زبردست صاحب قدرت ہے کہ جس کام کا وہ ارادہ کرتا ہے اس میں کسی طرح دشواری نہیں ہوتی اور صاحب حکمت وہ ایسا ہے کہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا جس طرح لد دو کا

ملف تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۲۳ ملف الترغیب و الترہیب ص ۵۷ ج ۲ باب الترغیب فی المصافحۃ ملف صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۲۰ باب غزوۃ الطائف الخ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾

اے نبی کفایت ہے تجھ کو اللہ اور جتنے تیرے ساتھ ہوئے ہیں مسلمان۔

محاورہ ہے کہ دو لشکروں میں صلح ہوگئی اسی طرح عربی میں صلح مؤنث ہے اسی واسطے فَاجْنَحْ لَهَا فرمایا فَاجْنَحْ لَهٗ نہیں فرمایا۔

۶۴۔ طبرانی بزار تفسیر ابن ابی حاتم تفسیر ابو الشیخ میں عکرمہ سعید بن جبیر سعید بن مسیب کے واسطہ سے حضرت عبداللہؓ بن عباس کی روایت ہے کہ انتالیس مسلمان پہلے سے تھے جب حضرت عمرؓ اسلام لائے اور چالیس مسلمان پورے ہوگئے تو حضرت عمرؓ کے اسلام لانے پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی لیکن حافظ عماد الدین ابن کثیر نے اس شان نزول پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ آیت مدنی ہے اور حضرت عمرؓ کا اسلام ہجرت سے پہلے ہے پھر یہ آیت حضرت عمرؓ کے اسلام کے وقت کیونکر نازل ہو سکتی تھے جواب اس اعتراض کا اور مفسرین نے یہ دیا ہے کہ اس آیت کو مدنی فقط اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ سورہ مدنی ہے لیکن جب یہ کہا جائے کہ تمام سورہ مدنی ہے اور اس آیت مکی کو آنحضرتؐ کے فرمانے کے موافق مدنی سورہ میں داخل کیا گیا ہے تو پھر کچھ اعتراض نہیں ہے کیونکہ اکثر سورتوں میں ایسا ہوا ہے کہ ساری سورہ مکی ہے اور کچھ آیتیں اس میں مدنی ہیں یا ساری سورت مدنی ہے اور کچھ آیتیں اس میں مکی ہیں بعضے مفسرین نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ جس سبب سے اس شان نزول کو تسلیم کرنا ضرور ہے کہ اس شان نزول کی بعضی روایتیں مثلاً تفسیر ابن ابی حاتم کی روایت نہایت صحیح ہے پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ صحیح روایت کو محض عقلی اعتراض سے نہ تسلیم کیا جاتے اور جب یہ روایت کو صحیح مانا جائے گا تو معنے اس روایت کے وہی ہوں گے جو اعتراض کے جواب میں بیان کئے گئے ہیں کہ مدنی سورہ میں یہ مکی آیت داخل کی گئی ہے اور اس میں ذرا شک نہیں ہے کہ جواب میں جو حالت قرآن شریف کی آیتوں کی بیان کی گئی وہ ایک موجودہ حالت ہے اس واسطے ابن العربی وغیرہ مفسرین نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے کہ سورہ انفال میں یہ ایک آیت مکی ہے امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اس شان نزول کے اختلاف کا یوں فیصلہ کیا ہے کہ آیت خواہ مکی ہو یا مدنی لیکن آیت میں مومنین جمع کا صیغہ ہے اس لئے آیت کا مضمون عام ہے اسی واسطے آیت کو بدر کی لڑائی کی آیتوں میں رکھا گیا ہے تاکہ حاصل مطلب آیت کا یہ ٹھہر جاوے کہ اس لڑائی میں جس طرح کچھ اوپر تین سو مسلمانوں کو غیبی مدد سے ہزار دشمنوں پر فتح ہوئی اسی طرح آئندہ بھی مسلمانوں کی جس قدر جماعت لڑائی میں اللہ کے رسول کے ساتھ ہوگی وہ اللہ کی مدد سے دشمنوں پر فتح حاصل کرنے کے لئے اللہ کے رسول کو کافی ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے جابرؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دشمن کی فوج ایک مہینے کے راستہ پر ہو تو اتنے فاصلہ سے بھی میرا رعب دشمن کی فوج کے دلوں پر چھا جاتا تھے اس حدیث سے امام بخاری کے فیصلہ کی پوری تائید ہوتی ہے کیونکہ حدیث میں جس رعب کا ذکر ہے وہ عام مسلمانوں کے اس لشکر اسلام کے حق میں ہے جو لشکر کسی لڑائی میں اللہ کے رسول کے ساتھ ہو یہ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا حال ہوا صحیح بخاری میں ابو سعید خدری کی ایک حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آئندہ ایک زمانہ ایسا آویگا کہ جس لشکر اسلام میں صحابیوں تابعیوں یا تبع تابعیوں میں سے کوئی ہوگا تو اس لشکر اسلام کو بھی اللہ تعالیٰ

[1] تفسیر فتح البیان ج ۲ ص ۱۹۰ و لباب النقول ص ۱۱۱ و تفسیر معالم ج ۴ ص ۹۱ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۲۴ [3] تفسیر الاتقان ج ۱ ص ۱۵۔
[4] مشکوٰۃ ص ۵۱۲ باب فضائل سید المرسلین۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ
اے نبی شوق دلا مسلمانوں کو لڑائی کا اگر ہوں تم میں بیس شخص

صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ
ثابت رہنے والے غالب ہوں دو سو پر اور اگر ہوں تم میں سو شخص غالب ہوں ہزار کافروں

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ
کے اوپر اس واسطے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے اب بوجھ ہلکا کیا اللہ نے تم پر

فتح نصیب کریگا[1]۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والوں کو صحابی کہتے ہیں اور صحابی کے دیکھنے والے کو تابعی اور تابعی کے دیکھنے والے کو تبع تابعی کہتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس عیب کا ذکر جابرؓ کی حدیث میں ہے اسکا کچھ اثر تبع تابعیوں کے زمانہ تک باقی رہا اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ یہ زمانہ ۲۲۰ھ ہجری تک تھا اس کے بعد فلسفہ دین کا علم ٹھہر گیا اور طرح طرح کے فساد مسلمانوں میں پھیل گئے صحیح مسلم میں جابرؓ نے یہ حدیث ابوسعید خدریؓ کے حوالہ سے دو طرح بیان کی ہے پہلی حدیث تو بخاری کی روایت کے موافق ہے اور دوسری روایت میں چوتھا درجہ تبع تابعین کے دیکھنے والوں کا بھی ٹھہرایا ہے لیکن جبکہ جابرؓ کی یہ روایت ابوسعید خدریؓ کے حوالہ سے ہے اور ابوسعید خدریؓ کی اصل حدیث جو بخاری میں ہے اس میں یہ چوتھا درجہ نہیں ہے اس واسطے علماء نے تین درجوں کی حدیث کو ترجیح دی ہے

۶۵-۶۶- جمہور مفسرین کے نزدیک پہلا ٹکڑا آیت کا جس میں ایک مسلمان کو دس کافروں سے مقابلہ کرنے کا حکم تھا آیت کے اس ٹکڑے سے منسوخ ہے اور اب یہی حکم ہے کہ ایک مسلمان دو کافروں سے مقابلہ کرے صحیح بخاری اور مسلم کی ابوہریرہؓ کی روایت میں جہاد سے بھاگنے والے کو کبیرہ گناہ کا گنہگار جو آنحضرت نے فرمایا ہے[2] اسکا مطلب بھی یہی ہے کہ اس قدر مقابلہ سے آدمی نہ بھاگے ورنہ کبیرہ گناہ کا گنہگار ٹھہریگا اور اس قدر سے زیادہ دشمنوں سے مقابلہ آن پڑے تو لڑنے کی صورت میں اجر ہے بھاگنے کی صورت میں گناہ نہیں۔ صحیح بخاری اور ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالے نے ایک سے دس کے مقابلہ کا حکم منسوخ فرمایا اس وقت سے مسلمانوں کی ہمت اسی قدر کم ہو گئی[3]۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اس قول کی تائید خود آیت کے مضمون سے ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ یہ تخفیف کا حکم تمہارے ضعف ہمت کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے کسی شخص کو کسی کام پر آمادہ کیا جائے تو عربی زبان میں ایسے موقعہ پر تحریض بولتے ہیں اسی واسطے حرّض کا مرادی ترجمہ شاہ صاحب نے "شوق دلانا" کیا ہے۔ اس تفسیر میں ایک جگہ گذر چکا ہے کہ ایک دفعہ ایک خبر دے کر پھر اس کے برخلاف دوسری خبر دینے سے جھوٹ لازم آتا ہے اس لئے ناسخ منسوخ خبر کی آیتوں میں نہیں ہوتا فقط امر ونہی کی آیتوں میں ہوتا ہے اس بناء پر مفسرین نے یہاں صابرون کے معنے فلیصبروا کے کئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے حکم کے منسوخ ہونے سے پہلے ایک مسلمان کو دس مخالفوں کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا چاہئے تھا اور اب پہلے حکم کے منسوخ ہو جانے کے بعد ایک مسلمان کو دو مخالفوں کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا چاہئے امر کی جگہ خبر کو جو رکھا گیا ہے اس سے تاکید نکلتی ہے گویا یوں فرمایا ہے کہ اللہ تعالے

[1] مشکوٰۃ ص ۵۵۳ باب مناقب الصحابہ [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۸۸ باب قول اللہ تعالیٰ ان الذین یاکلون الخ و صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۴ باب الکبائر واکبرھا [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۷ کتاب التفسیر

وَعَلِمَ اَنَّ فِيكُمۡ ضَعۡفًا ؕ فَاِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغۡلِبُوۡا مِائَتَيۡنِ ۚ
اور جانا کہ تم میں سستی ہے سو اگر ہوں تم میں سو شخص ثابت غالب ہوں دو سو پر

وَاِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ اَلۡفٌ يَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفَيۡنِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۶۶﴾
اور اگر ہوں تم میں ہزار شخص غالب ہوں دو ہزار پر اللہ کے حکم سے اور اللہ ساتھ ہے ثابت رہنے والوں کے

مَا كَانَ لِنَبِىٍّ اَنۡ يَّكُوۡنَ لَهٗۤ اَسۡرٰى حَتّٰى يُثۡخِنَ فِى الۡاَرۡضِ ؕ
کیا چاہیئے نبی کو اس کے یہاں قیدی آویں جب تک نہ خون کرے ملک میں۔

اس بات کی خبر دیتا ہے کہ جس کام کا تمہیں حکم دیا گیا ہے وہ ضرور تم کرو گے مشرک لوگ عقبے کے عذاب و ثواب کی خبر نہیں رکھتے اس لئے ان کو ناسمجھ فرمایا ہے مطلب یہ ہے کہ عقبے کے ثواب کے قائل لوگ دین کی لڑائی میں عقبے کے اجر کے لالچ سے ثابت قدم رہ سکتے ہیں مشرکوں میں یہ بات نہیں ہے واللہ مع الصابرین کا یہ مطلب ہے کہ دین اللہ کا ہے اس لئے اللہ کا دین پھیلانے کی نیت سے جو شخص دین کی لڑائی میں ثابت قدم رہیگا ہر دم ایسے شخص کی مدد کے لئے اللہ تعالےٰ موجود ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے ابو سعید خدری کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ضعف اسلام کے سبب سے جب مسلمانوں میں یہ طاقت نہ رہے کہ وہ ہاتھ پاؤں سے لڑ کر شریعت کی باتوں کو قائم کر سکیں تو ایسے وقت میں زبانی نصیحت کافی ہے سفیان ثوری اور بعضے علماء سلف نے ضعف اسلام کے وقت کے وعظ نصیحت کو جہاد کا قائم مقام ٹھہرا کر یہ شرط اس میں بھی ضرور ٹھہرائی ہے کہ دو مخالف لوگوں کے مقابلہ میں ایک واعظ وعظ و نصیحت چھوڑ دیگا تو گنہگار ہوگا اس سے زیادہ کے مقابلہ میں نہیں۔

۶۷-۶۹۔ بدر کی لڑائی میں کفار قریش میں سے ستر کافر گرفتار ہوئے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو فدیہ لے کر بعض اصحاب کے مشورہ کے موافق چھوڑ دیا تو یہ آیت اتری اللہ پاک نے فرمایا کہ نبی کو یہ بات لائق نہیں ہے کہ جب قیدی اس کے یہاں گرفتار ہو کر آئیں تو بغیر قتل کئے ہوئے انہیں چھوڑ دیا جائے پھر اور مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم دنیا کی دولت کو پسند کرتے ہو اور اللہ یہ چاہتا ہے کہ آخرت درست ہو خدا کا بول بالا تمام روئے زمین میں ہو کر اس کا خالص دین ہو معتبر سند سے مسند امام احمد ترمذی وغیرہ میں عبداللہ بن مسعودؓ اور انس بن مالکؓ سے روایتیں ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کے بارہ میں صحابہ سے مشورہ لیا اور کہا کہ اللہ نے تم لوگوں کو ان پر قدرت دی ہے حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر کہا کہ انہیں قتل کر ڈالئے آپ نے کچھ خیال نہ کیا پھر دوبارہ ارشاد فرمایا کہ اے لوگو تمہیں ان پر آج قابو ہے کل یہ تمہارے بھائی تھے آج قیدی ہیں پھر حضرت عمرؓ نے کہا کہ ان کی گردنیں ماریئے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی سوال کیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کھڑے ہو کر کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ ان کو معاف کیجئے اور فدیہ لے کر چھوڑ دیجئے اس بات پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک سے غم کے آثار دور ہوئے اور آپ نے فدیہ لے کر ان قیدیوں کو چھوڑ دیا اس پر اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اگر اللہ ایک بات پہلے نہ لکھ چکا ہوتا تو تم پر بہت بڑا عذاب آجاتا مفسروں نے اس کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے صحیح قول کے موافق آیت کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ لوح محفوظ میں پہلے سے یہ لکھ چکا تھا کہ اس امت کے

۱؎ صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۱ باب بیان کون النہی عن المنکر الخ ۲؎ جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۴۱ کتاب التفسیر و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۲۵-

تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٦٧﴾

تم چاہتے ہو جنس دنیا کی اور اللہ چاہتا ہے آخرت اور اللہ زور آور ہے حکمت والا۔

لَّوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٦٨﴾

اگر نہ ہوتی ایک بات کہ لکھ چکا اللہ آگے تو تم کو پہنچتا اس لینے میں بڑا عذاب۔

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٩﴾

سو کھاؤ جو غنیمت لاؤ حلال ستھری اور ڈرتے رہو اللہ سے اللہ ہے بخشنے والا مہربان

ع ۵ / ۹

ہاتھ بہت سامال لگے گا اور یہ ان کے واسطے حلال ہوگا بخلاف اگلی امتوں کے کہ مال غنیمت ان پر حرام تھا اگر علم الٰہی کے موافق لوح محفوظ میں یہ بات لکھی ہوئی نہ ہوتی تو فدیہ کا مشورہ دینے والوں پر عذاب نازل ہوجاتا اس عتاب کو سن کر مسلمانوں نے فدیہ لینے سے ہاتھ روک لیا اور جی میں ڈرے تو اللہ پاک نے لوح محفوظ کے لکھے کے موافق پھر یہ فرمایا کہ جو مال تمہیں غنیمت میں حاصل ہوا ہے وہ بالکل پاک حلال ہے اسے اچھی طرح کھاؤ پیو اسی آیت سے اس امت کے واسطے غنیمت کے مال کا حلال ہونا سمجھا گیا ہے اس آیت کی تفسیر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمائی ہے کہ پانچ چیزیں مجھ کو عطا ہوئیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں عطا ہوئیں ان پانچ میں ایک غنیمت ہے جو میرے لئے حلال کی گئی اور کسی امت کے لئے پہلے مجھ سے حلال نہ تھی یہ حدیث صحیحین میں جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے[1] اور کئی جگہ اس سے پہلے گذر چکی ہے پھر اللہ پاک نے ارشاد فرمایا کہ آئندہ خدا سے ڈرتے رہو پھر کوئی ایسی بات نہ ہونے پائے کہ حکم الٰہی کے نازل ہونے سے پہلے کوئی کام کر بیٹھو اور جو باتیں گذر چکیں وہ گذر چکیں اللہ غفور رحیم ہے اس سے مغفرت کی امید رکھو ترمذی نسائی وغیرہ کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی ایک حدیث اوپر گذر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب صحابہ کا ارادہ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے کا مضبوط ہوگیا تو حضرت جبرئیل آئے اور انہوں نے اللہ تعالے کا یہ پیغام سنایا کہ اگران ستر قیدیوں سے فدیہ لیا جائے گا تو اسلام کی پہلی لڑائی میں یہ فدیہ اللہ کی مرضی کے موافق نہیں ہے اس لئے اس فدیہ کا معاوضہ یہ ہوگا کہ آئندہ کی لڑائی میں لشکر اسلام کے ستر آدمی شہید ہوں گے[2]۔ تنگ دستی کے سبب سے صحابہ کا ارادہ فدیہ کے لینے پر جم گیا تھا اس واسطے انہوں نے اس شرط کو منظور کیا ان آیتوں میں خفگی کے طور پر صحابہ کو یہ جو فرمایا کہ تم دنیا کے مال و متاع کو چاہتے ہو اور اللہ آخرت کو چاہتا ہے اس خفگی کی تفسیر اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے حضرت علیؓ کی اس حدیث کو ترمذی نے حسن[3] اور حاکم نے صحیح کہا ہے[4] حضرت علیؓ کی حدیث میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے جس پیغام الٰہی کا ذکر ہے تیرہ مہینے کے بعد احد کی لڑائی میں اس کا ظہور ہوا کہ اس لڑائی میں ستر آدمی لشکر اسلام کے شہید ہوئے چنانچہ اس کی تفصیل سورہ آل عمران میں گذر چکی ہے۔

[1] مشکوٰۃ ص ۵۱۲ باب فضائل سید المرسلین الخ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۲۶ سو بعد میں کہا ہے ہذا حدیث غریب جدًا [3] جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۹۰ باب ماجاء فی قتل الاساری والفداء [4] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۲۵ میں حاکم نے جس سند کو صحیح کہا ہے وہ روایت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے اور خود اپنی مستدرک ج ۲ ص ۳۲۹ کتاب التفسیر اور تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۲۶ میں جن روایتوں کو صحیح الاسناد کہا ہے وہ عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہیں حضرت علیؓ سے نہیں واللہ اعلم (ع ۔ ر)

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّمَن فِي أَيْدِيكُم مِّنَ الْأَسْرَىٰ إِن يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ

اے نبی کہہ دے ان کو جو تمہارے ہاتھ میں ہیں قیدی اگر جانے گا اللہ تمہارے دل میں

خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أُخِذَ مِنكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۷۰﴾

کچھ نیکی تو دے گا بہتر اس سے جو تم سے چھن گیا اور تم کو بخشے گا اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان۔

وَإِن يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِن قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ

اور اگر چاہیں گے تجھ سے دغا کرنی سو دغا کر چکے ہیں اللہ سے پہلے پھر اس نے پکڑا دیا

۷۰-۷۱۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں یہ فرماتے ہیں کہ جب عباس بن عبدالمطلب اور حضرت عباسؓ کے دونوں بھتیجے عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن الحارث بدر کی لڑائی میں قید ہو کر آئے تو حضرت عباسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں تو مسلمان تھا زبردستی لوگ مجھے لے آئے تھے آپ نے فرمایا کہ اگر یہ بات سچ ہے تو اللہ آپ کو بدلا دے گا آپ اپنا اور اپنے ساتھیوں کا فدیہ دیں تو چھوڑ دیئے جائیں انہوں نے کہا ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میرے پاس اتنا کہاں ہے آپ نے فرمایا کہ وہ مال کہاں گیا جو آپ مکہ سے چلتے وقت ام الفضل کو دفن کرنے کو دے آئے تھے اور یہ کہا تھا کہ خدانخواستہ اگر کوئی حادثہ مجھ پر گذر گیا تو یہ مال تمہارا اور بچوں کا ہے حضرت عباسؓ نے کہا کہ ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ بچے اللہ کے رسول ہیں اور کلمہ پڑھا اور کہا کہ یہ بات وہ ہے جس کو سوائے میرے اور ام الفضل کے تیسرا کوئی نہیں جانتا میں نے اندھیری رات میں وہ مال اس کو سپرد کیا تھا ام الفضل حضرت عباسؓ کی بی بی کی کنیت ہے اس کے بعد حضرت عباسؓ نے یہ بھی کہا کہ مجھے اب تک تو آپ کی نبوت میں شک تھا مگر اس وقت کی باتوں سے سارا شک جاتا رہا پھر حضرت عباسؓ نے یہ کہا کہ جو مال میرا لوٹا گیا ہے وہ اس فدیہ میں سے آپ مجرا دیں آپ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا وہ مال تو اللہ پاک نے ہمیں غنیمت میں دیا ہے غرضکہ حضرت عباسؓ نے فدیہ اپنا اور اپنے ہمراہیوں کا دیا اس وقت اللہ پاک نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ خدا تمہارے دلوں کی باتوں کو اچھی طرح جانتا ہے اللہ پاک اس سے بھی زیادہ دیگا جتنے مال کا نقصان ہوا ہے اور آخرت میں بخشش بھی کرے گا حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ اللہ پاک نے اسلام لانے کے بعد اپنا وعدہ مجھ سے پورا کیا اس وقت میرے پاس بیس غلام ہیں جن کے ہاتھ میں میرا سارا کاروبار ہے اور آخرت میں امید رکھتا ہوں کہ خدا مجھے بخشے گا [۱] مستدرک حاکم میں حضرت عائشہؓ کی ایک صحیح حدیث اسی مضمون کی ہے اس سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے معتبر سند سے مستدرک حاکم میں ابو موسےؓ اشعریؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین کا مال آیا جو اسی ہزار کا تھا آپ نے فرمایا کہ مسجد میں اس کو پھیلا دیا جاوے پھر آپ نماز کی طرف متوجہ ہو گئے بعد فراغت نماز کے ہر شخص کو اس میں سے دیا جس کو دیکھا اس کو دیا کسی کو چھوڑا نہیں اتنے میں حضرت عباسؓ آئے اور کہا مجھے بھی اس میں سے کچھ دو میں نے ایک وقت اپنا اور اپنے بھتیجوں کا فدیہ دیا تھا آپ نے فرمایا لے لو انہوں نے ملین بھر کر وہ مال لینا شروع کیا اور اپنی چادر میں اس کو باندھ کر اٹھانے لگے تو نہیں اٹھا اس پر کہنے لگے حضرت کسی کو حکم دو کہ وہ لے چلے آپ نے کہا کہ نہیں پھر انہوں نے کہا کہ تو آپ ہی اٹھا دو آپ نے فرمایا نہیں آخر انہوں نے کچھ اس میں سے گرا کر اور باقی کاندھے پر رکھ کر چلے گئے [۲]

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۲۷ [۲] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۳۱ ذکر فداء العباس یوم بدر۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ

اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑا اور لڑے اپنے مال اور جان

وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ

سے اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی وہ ایک دوسرے کے رفیق

حضرت ان کی طرف دیکھ کر تعجب کر رہے تھے جب وہ نظروں سے پوشیدہ ہوگئے تو حضرت بھی وہاں سے اٹھے اس وقت ایک درہم بھی باقی نہیں رہا تھا سب مال ختم ہو چکا تھا[1] پھر اللہ جل شانہ نے یہ فرمایا کہ اگر یہ لوگ خیانت کرینگے تو پہلے بھی خیانت کر چکے ہیں مگر اسکا نتیجہ بھی دیکھ لیا کہ خدا نے کس طرح ان کو مسلمانوں کے قبضہ میں کر دیا گرفتار ہو کر آئے مطلب یہ ہے کہ ابو طالب کی زندگی میں بنی ہاشم پہلے اس بات کا ارادہ کر چکے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرابت کے لحاظ سے ہمیشہ مدد دیں گے مگر اپنے قول پر قائم نہیں رہے عہد شکنی کی اور کافروں سے جا ملے اور ان کے ساتھ لڑائی کو آئے اسی کو فرمایا کہ وعدہ توڑ ڈالا تو کیا ہوا آخر گرفتار ہوئے ایسا ہی اگر پھر عہد شکنی کریں گے تو خدا ان پر قادر ہے تو اس سے بچکر کہاں جاؤ گے قتادہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح جب مرتد ہو کر مشرکوں سے مل گیا تو یہ آیت اتری[2] یہ عبداللہ بن سعد وہی ہے جو مسلمان ہو کر کچھ دنوں کاتب وحی رہا اور بعد اس کے اسلام سے پھر گیا اور مدینہ سے مکہ میں جا کر مشرکین مکہ سے مل گیا فتح مکہ کے وقت آٹھ مرد اور چھ عورتوں کے مار ڈالنے کا حکم جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا ان میں عبداللہ بن سعد کا نام بھی تھا لیکن یہ عبداللہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دودھ کا بھائی تھا۔ اسلئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی سفارش کی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سفارش منظور فرما کر عبداللہ کا اسلام قبول فرمالیا آیت کے لفظ عام ہیں اس واسطے حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ عبداللہ بن سعد کی طرح جو کوئی اللہ اور اللہ کے رسول سے بدعہدی کریگا وہ بدعہدی کے جرم میں پکڑا جائے گا جس طرح ان بدر کے قیدیوں نے ابو طالب کے زمانہ کے عہد کو توڑا اور اس کی سزا میں پکڑے گئے ان آٹھ مرد اور چھ عورتوں کے قصہ کی جو حدیثیں نسائی ابوداؤد وغیرہ میں ہیں یہ حدیثیں اور اہل مکہ نے صلح حدیبیہ کے برخلاف جو بدعہدی کی جس کی سزا میں مکہ پر چڑھائی ہوئی یہ سب حدیثیں بدعہدی کی پکڑ اور سزا کی تفسیر ہیں حضرت علیؓ۔ عباسؓ۔ عقیلؓ۔ جعفرؓ۔ اور حارثؓ کی اولاد کو بنی ہاشم کہتے ہیں۔

۷۲۔ مدینہ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جتنے مسلمان تھے وہ دو فرقے تھے ایک وہ لوگ تھے جو مکہ کے باشندہ تھے مگر کفار کی تکلیف و ایذارسانی سے اپنا وطن چھوڑ کر محض خدا کے واسطے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ میں چلے آئے تھے اور یہاں بود و باش اختیار کی تھی یہ لوگ مہاجرین کہلاتے ہیں اور ایک وہ لوگ تھے جو خاص مدینہ کے رہنے والے تھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے اور آپ کے ہجرت سے پہلے انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ اگر آپ مدینہ میں آن کر وہاں رہنا اختیار کریں گے تو ہر طرح سے آپ کی خبر گیری ہم کریں گے جان سے مال سے دریغ نہ کریں گے اگر کفار آپ پر حملہ کریں گے اور لڑائی پر آمادہ ہوں گے تو ہم لوگ سینہ سپر کرنے کو تیار ہیں یہ لوگ انصار کہلاتے ہیں ہجرت کے بعد انہوں نے اپنے وعدہ کے موافق اپنے بھائی مہاجرین کو اپنے گھروں میں رکھا جن کی بیویاں نہ تھیں انکا نکاح کر دیا انہیں دونو گروہ مہاجرین و انصار کی

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۳۰ مجیٔ مال من البحرین واعطاء النبی منہ العباس [2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۲۸۔

بَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ

ہیں اور جو ایمان لائے اور گھر نہیں چھوڑا تم کو ان کی رفاقت سے کچھ کام نہیں جب تک گھر نہ

يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ

چھوڑ آویں اور اگر تم سے مدد چاہیں دین میں تو تم کو لازم ہے مدد کرنی مگر مقابلہ میں ایسوں کے

وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٧٢﴾

جن میں اور تم میں عہد ہے اور اللہ جو کرتے ہو وہ دیکھتا ہے

شان میں یہ آیت اتری اور فرمایا کہ جو لوگ اپنا گھر چھوڑ چھوڑ کر آئے اور اپنی جان و مال سے خدا کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ان مہاجرین کی ہر طرح سے مدد کی اور رہنے کو جگہ دی لڑائی میں ان کے ساتھ شریک ہو کر لڑے یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں ایک پر ایک کا حق ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مہاجرین اور انصار کے درمیان میں بھائی بندی کرادی تھی ایک دوسرے کا وارث بن گیا تھا اور کنبے رشتہ سے بھی بڑھ کر ان کے تعلق بڑھ گئے تھے ایک دوسرے کا ترکہ پاتا تھا پھر جب یہ آگے کی آیت اتری وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ تو یہ حکم بدل گیا یہ روایت صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے[1] ہے پھر اللہ پاک نے تیسری قسم کے لوگوں کا حال بیان فرمایا جو مسلمان ہو گئے تھے مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ نہ آئے مکہ میں ہی رہنا پسند کیا ان کے حق میں فرمایا کہ جو لوگ ایمان لا چکے ہیں اور تمہارے ساتھ ہجرت کر کے نہیں آئے وہ لوگ ان مہاجرین اور انصار کے وارث نہیں ہو سکتے ہیں اور نہ ان کو مال غنیمت میں سے کچھ حصہ مل سکتا ہاں اگر یہ لوگ کسی لڑائی میں تمہارے ساتھ شریک ہوں تو بیشک انکا بھی حق غنیمت میں ہو سکتا ہے صحیح مسلم میں یزید بن خصیب[2] اسلمی کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان لوگوں کے ان کے گھروں سے مدینہ کے گھروں کی طرف بلاؤ اور جتلاؤ کہ اگر وہ مدینہ آجائیں گے تو غنیمت کے مال میں جس طرح مہاجرین کا حصہ ہے انکا بھی ہوگا اور اگر نہ آئیں اور اپنے گھروں میں رہنا پسند کریں تو یہ خوب جان لیویں کہ اس وقت تک غنیمت اور فے میں انکا کوئی حصہ نہ ہوگا جبتک یہ مدینہ کے مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد نہ کریں پھر اللہ جل شانہ نے انہیں مسلمانوں کے متعلق فرمایا کہ جو ہجرت کر کے نہیں آئے اگر یہ لوگ کفار سے دین کے واسطے لڑیں اور تم سے مدد چاہیں تو تم پر واجب ہے کہ ان کی مدد کرو کیونکہ آخر یہ لوگ بھی تمہارے بھائی ہیں اور اگر یہ لوگ ایسی کسی قوم سے جہاد کریں جس سے اور تم سے عہد و پیمان ہو گیا ہے تو ان کی مدد کی خاطر سے اپنے قول و قرار کو نہ توڑو اللہ تمہارے سارے عمل دیکھتا ہے کہ کون حد شرع پر قائم رہتا ہے اور کون نہیں رہتا مہاجرین جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں آئے تو رشتہ کنبے کے لوگوں کے مکہ میں رہ جانے کے سبب سے پریشان رہتے تھے ان لوگوں کی اس پریشانی کے رفع ہو جانے کی غرض سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان میں اور انصار میں بھائی بندی کرادی تھی اس بھائی بندی کا ذکر صحیح بخاری[3] وغیرہ کے متفرق روایتوں میں ہے صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے بعد مہاجرین کے رشتے کنبے کے لوگ جب مدینہ میں آگئے تو پھر اس بھائی بندی کی

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۵۹ کتاب التفسیر و ج ۲ ص ۹۹۹ باب ذوی الارحام [2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۲۹ [3] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۳۲ باب اخاء النبی صلے اللہ علیہ وسلم بین المہاجرین والانصار

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ

اور جو لوگ کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور اگر تم یوں نہ کرو گے تو دھوم مچے گی ملک میں

وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ﴿٧٣﴾

اور بڑی خرابی ہو گی

ضرورت باقی نہ رہی مہاجرین میں کچھ اوپر اسی صحابہ ایسے تھے جنہوں نے دو دفعہ ہجرت کی ایک دفعہ مکہ سے حبشے کو گئے اور پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی صحابہ کا مدینہ کو ہجرت کر کے جانا سنا تو حبشہ سے مدینہ آئے حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے ان حبشہ کے جانے والے صحابہ کو بہت آرام سے رکھا تھا یہی بات مشرکین مکہ کو شاق گذری تھی جس پر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ ایذا پہنچانے کا ارادہ کیا ابوطالب کو مشرکین مکہ کے اس ارادہ کی جب خبر پہنچی تو ابوطالب نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کو جمع کر کے ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کا عہد لیا اور اسی عہد کا یہ ذکر تھا کہ ابوطالب کی زندگی میں بنی ہاشم نے قرابت کے لحاظ سے ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدد دینے کا عہد کیا تھا اور پھر یہ لوگ اس عہد پر قائم نہیں رہے مشرکین مکہ کے ساتھ بدر کی لڑائی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کو آئے۔ انصار کے معنے مددگاروں کے ہیں اہل مدینہ کا نام انصار جو قرار پایا اس کا تفصیلی قصہ تو سورہ حشر میں آویگا مگر حاصل اس قصہ کا یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے مدینہ کے کچھ لوگ موسم حج میں مکہ کو آئے اور قرآن شریف کی آیتیں سن کر ان کے دل نرم ہوئے جس سے انہوں نے منیٰ کی گھاٹیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی اور اس بیعت کے وقت انہوں نے جب یہ سنا کہ مشرکین مکہ آپ کو طرح طرح کی تکلیف دیتے ہیں اور کلام الٰہی لوگوں کو نہیں سنانے دیتے تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ وعدہ کیا کہ اگر آپ مدینہ میں چلے رہیں تو یہ لوگ آپ کی ہر طرح سے مدد کریں گے اسی دن سے ان لوگوں کا لقب انصار قرار پایا چنانچہ معتبر سند سے مستدرک حاکم میں حضرت علیؓ کی ایک حدیث ہے جس میں اس کا ذکر تفصیل سے ہے یہ اوپر گذر چکا ہے کہ بدر کی لڑائی اسلام کی پہلی لڑائی ہے اس لئے اس لڑائی کے زمانہ تک جو مہاجرین اور انصار تھے ان کو مہاجرین اور انصار اولین کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مہاجرین ہجرت میں انصار دین کی مدد میں اور لوگوں سے مقدم ہیں مہاجرین اور انصار کی تعریف میں بہت سی صحیح حدیثیں آئی ہیں[۱]۔

۷۳۔ اللہ پاک مسلمانوں کے درمیان میں باہمی میل جول کرنے کا ذکر فرما کر کفار کے ساتھ قطع تعلق کرنے کا حکم فرماتا ہے اس لئے یہ ارشاد کیا کہ کفار آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں اور سب کے سب ایک ہیں اگر تم بھی آپس میں اتفاق نہ پیدا کرو گے اور ایک نہ بن جاؤ گے اور کفار سے تعلق نہ قطع کرو گے تو بڑا فتنہ و فساد دنیا میں پھیل جاویگا تم میں کمزوری آجاوے گی ایک سے ایک جدا ہو جاؤ گے اور کفار کا زور بڑھ جاوے گا حاکم[۲] نے اسامہ بن زیدؓ سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ دو ملت کے لوگ ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے نہ مسلمان کافر نہ کافر مسلمان کا[۳] اسی مضمون کی حدیث اسامہ بن زیدؓ سے صحیح بخاری و مسلم میں بھی ہے یہ حدیث آیت کی گویا تفسیر ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہے اور نہ کافر مسلمان کا اسامہ بن زیدؓ کی جس حدیث کا ذکر اوپر گذرا یہ حدیث سوا

[۱] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۱۵ باب مناقب المہاجرین و ج ۱ ص ۵۳۳ باب مناقب الانصار [۲] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۳۰ [۳] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۱۴ باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ یوم الفتح۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا

اور جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑ آئے اور لڑے اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۚ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾ وَالَّذِيْنَ

کی وہی ہیں مسلمان ٹھیک ان کو بخشش ہے اور روزی عزت کی اور جو ایمان

اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ۚ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ

لائے پیچھے اور گھر چھوڑ آئے اور لڑے تمہارے ساتھ ہو کر سو وہ تمہارے میں ہیں اور ناتے والے

بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾ ع

آپس میں حق دار زیادہ ہیں ایک دوسرے کے اللہ کے حکم میں تحقیق اللہ ہر چیز سے خبردار ہے

ع ۱۰/۶

صحیح بخاری و مسلم کے صحاح کی باقی کتابوں میں بھی ہے اگرچہ صاحب منتقی نے یہ لکھا ہے کہ اسامہ بن زید کی حدیث صحیح مسلم اور نسائی میں نہیں ہے اور صاحب جامع الاصول نے لکھا ہے کہ یہ حدیث نسائی میں نہیں ہے لیکن یہ سہو نظری ہے اسامہ بن زید کی یہ حدیث ان دونوں کتابوں میں موجود ہے۔[1]

۷۴-۷۵- اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار اور ہجرت نہ کرنے والے مسلمان ان سب کا ذکر فرما کر ان آیتوں میں فرمایا جو لوگ ہجرت کر کے اور اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ میں چلے آئے اور جو لوگ ان مہاجرین کے ہر طرح مددگار بنے بیشک و شبہ وہ کامل مومن ہیں ان کا عقبےٰ کا انجام بیان کیا کہ ان کے واسطے آخرت میں بخشش ہے کیونکہ ان لوگوں نے اپنی جان اور مال سے کسی طرح دریغ نہ کیا ہر طرح سے خدا کے دین میں کوشش کی کفار سے لڑے بھڑے غرض دنیا و آخرت دونوں میں ان کے لئے بہبودی ہے دنیا میں غنیمت ان کے واسطے حلال ہے اور آخرت میں جو نعمتیں ان کو ملیں گی وہ بے مشقت ہوں گی پھر اللہ پاک نے ان لوگوں کو بھی جو بعد میں ہجرت کر کے آئے انہیں مہاجرین اور انصار کے حکم میں داخل کیا کہ یہ لوگ پہلے اگرچہ مہاجرین کے ساتھ نہیں آئے مگر بعد میں تو آئے اپنے گھر بار چھوڑ دیے مال چھوڑا کنبہ رشتہ چھوڑا محض خدا کے واسطے آئے ہیں اس لئے ان کے واسطے بھی مغفرت ہے جس طرح غنیمت میں اگلے لوگوں کا حصہ ہے اسی طرح ان پچھلے مہاجرین کا بھی حصہ ہے پھر اللہ پاک نے قرابت کا ذکر فرمایا کہ حق لوگوں کے درمیان میں ناتا رشتہ نہیں ہے ہجرت کی وجہ سے جو بھائی بندی ہوتی ہے اس سے اولیٰ قرابت کا رشتہ ہے کیونکہ یہی باتیں لوح محفوظ کے موافق قرآن مجید میں ہیں پھر فرمایا کہ اللہ پاک ہر شے کا جاننے والا ہے اس لئے جتنے احکام اس نے لوح محفوظ کے موافق قرآن مجید میں نازل فرمائے ہیں ان میں سے کوئی بے فائدہ نہیں ہے ایک آیت میں کسی خاص سبب سے کوئی حکم ہوا اور پھر اس سبب کے نہ پائے جانے سے دوسرا کوئی حکم نازل ہو جاوے تو اکثر سلف اس کو ناسخ منسوخ نہیں قرار دیتے جس طرح مثلاً ابتدائے اسلام میں جب تک مسلمانوں کے پاس لڑائی کا سامان نہیں تھا تو مخالف لوگوں کے ایذا دینے کی حالت پر مسلمانوں کو درگذر کا حکم تھا پھر جب مسلمانوں کے پاس لڑائی کا سامان ہو گیا تو لڑائی کا حکم نازل ہوا جس کا مطلب یہ ہے کہ پھر جب مسلمان ابتدائے اسلام کی حالت میں ہوں تو وہی درگذر کا پہلا حکم قائم ہو جاوے گا اسی طرح جب تک مہاجرین کے رشتہ دار مکہ سے مدینہ میں نہیں

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳ کتاب الفرائض [2] نیل الاوطار ج ۶ ص ۱۹۳-

ایاتہا (۱۲۹) (۹) سورۃ التوبۃ مدنیۃ (۱۱۳) رکوعاتہا (۱۶)

آئے تھے تو مہاجرین کے دینی بھائی انصار مہاجرین کے وارث قرار دئے گئے تھے پھر جب مہاجرین کے رشتہ دار مدینہ میں آ گئے تو آیت اولوالارحام نازل ہو کر اس کے موافق رشتہ داروں کی وراثت قائم ہو گئی لیکن اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی پہلی حالت کے موافق جب کبھی کوئی مسلمان لاوارث فوت ہوا تو اس کے مسلمان بھائی اس کے مال کے حقدار قرار دئے گئے اور بیت المال میں وہ مال داخل ہو کر اس کے دینی بھائیوں کی ضرورتوں میں صرف ہوا چنانچہ معتبر سند سے مسند امام احمد ابوداؤد وغیرہ میں مقدام بن معدی کربؓ کی جو روایت[1] ہے اس میں اس کا ذکر ہے ان ہی وجوہات سے علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اتقان[2] میں اور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے الفوز الکبیر[3] میں آیت اُولُوالْاَرْحَامِ سے کسی پہلے حکم کو منسوخ نہیں ٹھہرایا سورہ نساء کی آیت ولکل جعلنا موالی (۴: ۳۳) کی تفسیر میں بھی یہ ناسخ منسوخ کا تذکرہ گذر چکا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق یہ سورت مدنی ہے براء بن عازبؓ کی روایت سے بخاری کہتے ہیں یہ سب سے پچھلی سورت ہے[4] جو پوری اتری ہے سورہ براءہ کے نام کے علاوہ اس کو سورہ توبہ بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں مومنوں کی توبہ کا ذکر ہے اس سورت کے اور بھی نام ہیں جو بڑی تفسیروں میں ہیں اس سورت کی ابتدا میں جو بسم اللہ نہیں ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے مالک بن انسؓ کہتے ہیں کہ یہ سورۃ توبہ سورہ بقر کے برابر تھی جب اول سورت ساقط ہو گئی تو اس کے ساتھ بسم اللہ بھی ساقط ہو گئی اور بعضے یہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کے وقت میں جب قرآن شریف لکھے گئے تو صحابہ میں اختلاف ہوا بعضے سورہ انفال اور سورہ توبہ کو ایک سورت شمار کرنے لگے اور کوئی کہتا تھا کہ دو سورتیں علیحدہ علیحدہ ہیں اس لئے دونوں فریق کی رضامندی کے لئے سورہ توبہ کی ابتدا میں بسم اللہ کی جگہ چھوڑ دی گئی اور جو لوگ ان دونوں سورتوں کو ایک سورت شمار کرتے ہیں ان کا بیان یہ ہے کہ سورہ انفال اور سورہ توبہ دونوں میں جہاد کا ذکر ہے اور دونوں مشرکین کی لڑائی کے باب میں نازل ہوئی ہیں اس واسطے گویا یہ ایک ہیں۔ کل آیتیں دونوں سورتوں کی ملا کر دو سو پانچ ہیں اور یہ دونوں سورتیں قرآن مجید کی لمبی سورتوں میں ساتویں سورتیں ہیں مستدرک حاکم میں حضرت عثمانؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ دونوں ایک سورت ہیں یا دو اور آپ کی وفات ہو گئی اس لئے میں نے ان دونوں کے درمیان میں بسم اللہ نہیں لکھی[5] ترمذی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس کو حسن کہا ہے[6] بخاری میں براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اس سورہ میں بسم اللہ نہیں لکھی[7] اور آنحضرت نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ یہ سورہ علیحدہ ہے یا انفال کا ٹکڑا ہے اس سورہ کی ابتدا جب ہوئی جب غزوۂ تبوک سے واپس آئے اور حج کا زمانہ تھا جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی کہ مشرکین اپنی عادت کے موافق ننگے بدن ہو کر طواف کریں گے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پسند نہ آئی اور آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر کر کے روانہ فرمایا کہ مشرکوں کو جا کر روکیں اور حج کے مناسک شرعی پر انہیں قائم کریں اور مشرکوں کو یہ بات بھی جتلا دیں کہ آئندہ پھر وہ لوگ حج کرنے نہ پائیں گے اور لوگوں

---

[1] سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۴۰۳ باب فی میراث ذوی الارحام [2] الاتقان ج ۲ ص ۲۳ [3] الفوز الکبیر ص ۲۰ طبع اول المکتبۃ السلفیہ لاہور
[4] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۷۱ تفسیر سورہ براءۃ و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۳۱ [5] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۳۱ [6] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۳۴ تفسیر سورہ براءۃ [7] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۳۱۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱

جواب ہے اللہ کی طرف اور اس کے رسول سے ان مشرکوں کو جن سے تم کو عہد تھا

فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ

سو پھر لو اس ملک میں چار مہینے اور جان لو کہ تم نہ تھکا سکو گے اللہ کو

وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ۝۲

اور یہ کہ اللہ رسوا کرتا ہے منکروں کو

میں اس طرح سے پکار دیں براءة من الله ورسوله الخ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے چلے جانے کے بعد آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ یہ حکم جاکر ان لوگوں کو پہنچا دو[۱] اور اسی بنا پر بعضے سلف کا قول ہے کہ جب عرب اور دوسرے کسی قوم کے درمیان میں عہد و پیمان ہوتا تھا اور پھر وہ اسے توڑنے کے لئے خط لکھتے تھے تو بسم اللہ نہیں لکھتے تھے یہ ان کی عادت تھی اسی واسطے جب یہ سورت ان کے درمیان کے مقررہ عہد کے توڑنے کے لئے اتری اور حضرت نے علی رضی اللہ عنہ کو مشرکین کے پاس اس سورت کو پڑھ کر سنانے کو کہا تو موافق اس عادت کے بسم اللہ نہیں لکھی کیونکہ بسم اللہ امان ہے اور سورت برات میں حکم قتال کا ہے۔

۱-۲۔ تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق تفسیر آیت کی یہ ہے کہ اللہ پاک نے ان لوگوں کے ساتھ چار مہینے کی مدت مقرر کر دی تھی جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کیا تھا مثلاً جیسے قبیلہ خزاعہ و مدلج اور جن لوگوں سے کچھ عہد نہیں تھا ان کے واسطے پچاس رات کی حد باندھی اور اللہ نے رسول کو یہ حکم دیا کہ جن کفار سے تمہارا قول و قرار نہیں ہے ان سے دسویں ذی الحجہ سے لے کر آخر محرم تک لڑو اور جب محرم کا مہینہ ختم ہو جاوے تو ان سے لڑو پھر اگر وہ مسلمان ہو جاویں تو بہتر ہے ورنہ ان کو قتل کرو اور جن کفار سے عہد و پیمان ہو چکا تھا ان کے واسطے یہ حکم دیا کہ چار مہینے دسویں ذی الحجہ سے ربیع الآخر کی دسویں تاریخ تک نہ لڑو اور جب یہ مدت ختم ہو جاوے تو پھر ان سے جہاد کرو یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں[۲] سورہ بقر میں گذر چکا ہے کہ جمہور کے قول کے موافق حج ۶ ہجری میں فرض ہوا ہے لیکن فتح مکہ سے پہلے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سبب سے حج نہیں کیا کہ کعبہ اور صفا مروہ میں بت رکھے ہوئے تھے ۸ھ میں مکہ کی فتح ہوئی اور حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ۹ ہجری میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور ان کے پیچھے حضرت علیؓ کو دس آیتیں سورہ برات کی دے کر روانہ فرمایا کہ مشرکوں کو جا کر یہ آیتیں سنا دو اور یہ بھی جتا دو کہ ۱۰ ہجری سے کوئی مشرک یا ننگا شخص طواف نہ کرنے پاویگا[۳] پھر اس سال آپ نے حج کیا جس کو حجۃ الوداع کہتے ہیں اسی حکم میں یہ بھی تھا کہ دسویں ذی الحجہ سے دسویں ربیع الآخر تک تمہیں مہلت دی گئی ہے پھر کوئی عذر تمہارا نہیں سنا جائیگا اگر ایمان لائے تو خیر ورنہ آمادہ جنگ ہو جاؤ یہ حکم حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سب کو سنا دیا اور اعلان جنگ دے دیا یہی قول اکثر مفسرین کا ہے اور اس تقرر مدت سے غرض یہ تھی کہ یہ لوگ خوب اچھی طرح سے جان لیں کہ اس مدت کے بعد یا لڑنا ہے یا مسلمان ہونا ہے پھر اس بات کو سوچ سمجھ کر شاید وہ مسلمان ہو جائیں معتبر سند سے صحیح ابن حبان میں ابو سعید خدریؓ

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۳۲ [۲] ایضاً [۳] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۳۴۔

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ

اور منادینا ہے اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول سے لوگوں کو دن بڑے حج کے کہ اللہ الگ ہے

مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ

مشرکوں سے اور اس کا رسول سو اگر تم توبہ کرو تو تمہارے لئے بھلا ہے اور اگر نہ مانو

کی حدیث ہے جس میں یہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ سفر حج سے مدینہ کو واپس آئے تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ کیا حضرت مجھ سے اس کام میں کچھ کوتاہی ہونے کا اندیشہ تھا جو آپ نے اس کام کے لئے حضرت علیؓ کو میرے پیچھے روانہ فرمایا۔ اس کے جواب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے روانہ کرنے کے بعد جبرئیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم پہنچایا کہ اس صلح کے عہد کو توڑنے کے پیغام کو یا تو میں خود مکہ جا کر مشرکین کو پہنچا دوں اور اگر میں خود نہ جاؤں تو کوئی میرا خاص رشتہ دار اس کام کو کرے اس لئے میں نے تمہارے پیچھے حضرت علیؓ کو روانہ کیا اس میں اور کوئی بات اندیشہ کی نہیں ہے[1] اس حدیث سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اور پھر ان کے پیچھے حضرت علیؓ کو اس سفر میں کیوں اور کس واسطے بھیجا صلح حدیبیہ کے وقت مشرکین مکہ سے جس طرح صلح ہوئی تھی اسی طرح اطراف مکہ میں جو قبیلے رہتے تھے ان سے بھی صلح ہوئی تھی اب فتح کے سبب سے مشرکین مکہ کی صلح حدیبیہ تو خود ٹوٹ گئی اور باقی قبیلوں کی صلح سورت براءۃ کی دس آیتیں سنا کر توڑ دی گئی دس آیتوں کی قید مسند امام احمد کی حضرت علیؓ کی روایت میں ہے[2] اس حدیث کی سند میں ایک راوی محمد بن جابر سحیمی کو اگرچہ بعضے علماء نے ضعیف کہا ہے[3] لیکن باقی علماء نے محمد بن جابر کو ثقہ قرار دیا ہے۔

۳۔ اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ چار مہینے کی مدت دے کر کفار سے یہ کہہ دو کہ ایسے دن یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ حج اکبر کا دن ہے یہ بھی فرمایا کہ چار مہینے کے بعد خدا اور اس کا رسول صلح سے بری ہے تم اپنا سوچ سمجھ لو اگر تم کفر سے تائب ہو گئے تو تمہارے واسطے بہتری ہے اور اگر نہیں تو یاد رکھو تم خدا کو نہیں تھکا سکتے ہو جہاں جاؤ گے پکڑے آؤ گے کہیں بھاگ نہیں سکتے دنیا میں قتل و غارت کے سوا آخرت میں بھی تم پر دردناک عذاب ہوگا حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اور کفار مکہ اور چند فرقے کے لوگوں سے ۶ہجری میں صلح ہوئی تھی جو حدیبیہ کی صلح مشہور ہے اس کا ذکر انا فتحنا میں ہے پھر جب مکہ فتح ہو گیا تو یہ حکم ہوا کہ کسی مشرک اور کافر سے صلح نہ رکھو اور نہ عہد و پیمان کرو اور عرفات سے پھر کر قربانی کے مقام میں جب یہ سب جمع ہوں تو یہ حکم قربانی والے دن پکار دو اور صلح کے جواب میں چار مہینے کی مہلت اس لئے دے دو کہ اس عرصہ میں وہ لوگ ایمان قبول کریں تو بہتر ہے اور نہیں تو اپنا اپنا گھر چھوڑ کر چلے جائیں اور اگر یہ بھی نہ کریں تو لڑائی کا انتظام کریں اور جنگ کے واسطے آمادہ ہو جائیں پھر گھڑی بھر کی فرصت نہ دو بعض مفسرین نے یوم الحج الاکبر کی تفسیر میں یہ بیان کیا ہے کہ حج اکبر کے دن سے مراد عرفہ کا دن ہے مگر اکثر مفسرین کا یہ قول ہے کہ اس سے دسویں ذی الحجہ مقصود ہے جس روز منیٰ میں آن کر سب لوگ قربانی کرتے ہیں بخاری و مسلم میں

---

[1] تفسیر الدر المنثور ج ۳ ص ۲۰۹۔۲۱۰ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۳۳ [3] تہذیب ترجمہ محمد بن جابر لیکن علمائے فن کی اکثریت تضعیف کی طرف ہے اس لئے وہی راجح ہے (ع۔ سا)

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ اِلَّا

تو جان لو کہ تم نہ تھکا سکو گے اللہ کو اور خوشخبری دے منکروں کو دکھ والی مار کی مگر

الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـــًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا

جن مشرکوں سے تم کو عہد تھا پھر کچھ قصور نہ کیا تمہارے ساتھ اور مدد نہ کی تمہارے مقابلے

عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝

میں کسی کی سو پورے کرو ان سے عہد ان کے وعدے تک اللہ کو خوش آتے ہیں احتیاط والے

ابوہریرہؓ کی ایک حدیث ہے کہ اس حج میں جس میں یہ حکم سنایا گیا مجھے بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھیجا تھا وہ قربانی کا دن تھا ہم لوگ منیٰ میں یوں پکارتے پھرتے تھے کہ اس سال کے بعد پھر کوئی مشرک حج کرنے نہ پائے گا اور نہ ننگے بدن کسی مشرک کو طواف کرنا ملے گا[1] اس حدیث سے پچھلے قول کی پوری تائید ہوتی ہے۔ مجاہد کا قول یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ کے سبب سے اس حج میں یہ ایک بڑی بات ہوئی کہ عرفات سے منیٰ میں واپس آنے کے بعد دسویں ذی الحجہ سے آئندہ کیلئے مشرکوں کا طواف بند اور حرم مشرکوں کی ناپاکی سے پاک صاف ہو گیا اسی واسطے اس حج کو بڑا حج فرمایا طبرانی میں معتبر سند سے سمرۃ بن جندبؓ کی اس مضمون کی ایک حدیث[2] ہے جس سے مجاہد کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ اس حج میں دوسری یہ بات بھی ہوئی جس کا ذکر اوسط طبرانی میں عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی صحیح روایت[3] سے ہے کہ مشرکین مکہ اپنی ضرورتوں سے سال کے مہینوں میں کچھ رد و بدل جو کر لیا کرتے تھے وہ رد و بدل اس سال میں نہیں ہوا بلکہ اس سال کا حج عین وقت پر ادا کیا گیا سال کے مہینوں کی رد و بدل کی تفصیل اس سورہ میں آگے آوے گی۔

۴۔ اوپر کی آیتوں میں صلح کا عہد توڑنے کا حکم دے کر اور چار مہینے کی مہلت کا ارشاد فرما کر اس آیت میں استثناء کے طور پر یہ فرمایا کہ جنہوں نے تم سے صلح کا عہد کیا اور صلح کے عہد کی کسی شرط کو نہیں توڑا ان کے عہد کو پورا کرو اگرچہ وہ چار مہینے سے زیادہ تک کا عہد ہو کیونکہ اللہ پاک کو احتیاط بہت پسند ہے یہ لوگ اپنی زبان کا پاس رکھتے ہیں اور بے موقعہ عہد و پیمان نہیں توڑتے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ بعضے قبیلے مثلاً خزاعہ وغیرہ ایسے بھی تھے جو حدیبیہ کی صلح کے عہد پر قائم رہے ان کو مستثنےٰ فرما کر یہ فرمایا کہ اوپر کا حکم فقط ان لوگوں کے حق میں ہے جن سے یا تو کچھ عہد نہیں ہے یا عہد تو ہے لیکن وہ عہد کے پابند نہیں رہے جیسے مثلاً بنی بکر کہ انہوں نے عہد توڑا یا جیسے مشرکین مکہ کہ انہوں نے عہد کے برخلاف بنی بکر کو بدد دی غرض جو لوگ عہد کے پابند ہیں ان کی صلح کے لئے چار مہینے کی مدت نہیں ہے بلکہ ان کے عہد کی پوری مدت ختم کی جاوے حدیبیہ کی صلح دس برس تک کی تھی اس صلح میں قبیلہ خزاعہ مسلمانوں کی امان میں تھا اور قبیلہ بنی بکر مشرکین مکہ کی امان میں اس صلح کے دو برس کے بعد قبیلہ بنی بکر نے یہ بدعہدی کی کہ قبیلہ خزاعہ سے لڑائی شروع کر دی اور مشرکین مکہ نے یہ بدعہدی کی کہ قبیلہ بنی بکر کو اندرونی مدد دی انہی بدعہدیوں کی بنا پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی چڑھائی کا قصد کیا اور مکہ فتح ہو گیا اب بدعہدی کی سزا میں اوپر کی آیتوں کے موافق بنی بکر کو فقط چار مہینے کی مدت

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۷۱ باب قولہ واذان من اللہ ورسولہ الخ وتفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۳۲ [2] تفسیر الدر المنثور ج ۳ ص ۲۱۱ [3]

مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۹ کتاب التفسیر لیکن بروایت عبداللہ بن عمرؓ۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَ

پھر جب گذر جاویں مہینے پناہ کے تو مارو مشرکوں کو جہاں پاؤ اور

خُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَ

پکڑو اور گھیرو اور بیٹھو ہر جگہ ان کی تاک پر پھر اگر وہ توبہ کریں

اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اور کھڑی رکھیں نماز اور دیا کریں زکوٰۃ تو چھوڑ دو ان کی راہ اللہ ہے بخشنا مہربان

ملے گی اور قبیلہ خزاعہ کو اس استثنار کے حکم سے صلح حدیبیہ کی باقی کی مدت مل سکتی ہے ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں مجاہد کے قول کے موافق آیت کی بھی یہی تفسیر لکھی ہے جو بیان کی گئی۔ صحیح بخاری و مسلم میں انس بن مالک رضؓ سے اور صحیح مسلم میں ابو سعید خدریؓ سے جو روایتیں ہیں[1] اس میں بدعہدی کی بڑی مذمت ہے۔ ان حدیثوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت اور حدیثوں کو ملا کر یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ شریعت الٰہی میں بدعہدی بڑی مذمت کے لائق ہے اس لئے اللہ تعالےٰ نے آیت میں عہد پر قائم رہنے والے مشرکوں کے ساتھ بھی عہد کے نباہنے کا حکم مسلمانوں کو فرمایا ہے۔

۵۔ اس آیت میں اللہ پاک نے حکم دیا کہ جب دسویں ذی الحجہ سے دسویں ربیع الآخر تک چار مہینے گذر جاویں تو خوب دل کھول کر مشرکوں سے لڑو اور جہاں کہیں پاؤ ان کو قتل کرو ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو اللہ پاک نے ہر جگہ قتل کا حکم اس آیت میں دیا ہے مگر بعض جگہ ان کو قتل کرنا منع ہے جیسا کہ اللہ پاک سورہ بقرہ میں فرماتا ہے ولا تقاتلوھم عند المسجد الحرام (۲-۱۹۱) اس آیت کے موافق بیت الحرام میں خونریزی منع ہے اس آیت کی تفسیر میں صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث بھی گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حرم کی حد کے اندر قیامت تک لڑائی حرام ہے[2] فتح مکہ کے دن فقط تھوڑی دیر کے لئے اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کو حرم کے اندر لڑائی کی اجازت دی تھی پھر فرمایا کہ ہر جگہ ان کی تاک میں رہو اور ان کو گرفتار کرو اور ان کا محاصرہ کر لو کہ نکلنے نہ پائیں پھر گرفتار کرنے پر خواہ ان کو مار دو یا قید رکھو تمہیں اختیار ہے اور اگر یہ مسلمان ہو جائیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دیں تو ان کو چھوڑ دو کیونکہ حکم شرع ظاہر پر ہے دل کی بات خدا جانتا ہے اسی آیت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ بات نکالی ہے کہ جو شخص زکوٰۃ نہ دے اس سے جنگ کرنا چاہئے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری و صحیح مسلم میں روایت ہے کہ ہمیں حکم ہوا ہے کہ ہم لوگوں سے اس وقت تک لڑیں جب تک یہ لوگ کلمہ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ زبان سے نہ کہیں اور نماز نہ پڑھیں اور زکوٰۃ نہ دیں[3] حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب سے یہ آیت اتری کسی مشرک اور کافر کے لئے کوئی عہد و پیمان نہ رہا جو کچھ قول قرار پہلے ان سے ہوا تھا وہ سب ٹوٹ گیا اور پہلی کل شرطیں جاتی رہیں اور اللہ نے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ جن لوگوں سے پہلے قول قرار ہو چکا ہے اگر وہ لوگ ایمان نہ لاویں تو ان پر تلواریں نکالو اگر اسلام قبول کریں تو بہتر ورنہ ان کو قتل کرو صحیح بخاری وغیرہ میں جو روایتیں ہیں ان میں ہے کہ مکہ کے گرد و نواح میں جو مشرک قبیلے رہتے تھے انہوں نے

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۵۲ باب اثم الغادر للبر والفاجر و صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۳ باب تحریم الغدر۔ [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۵۲ باب اثم الغادر للبر والفاجر و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۲۷۔ [3] صحیح بخاری ج ۱ ص ۸ باب فان تابوا و اقاموا الصلوٰۃ الخ و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۳۶

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ

اور اگر کوئی مشرک تجھ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے جب تک وہ سن لے کلام اللہ کے

ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝

پھر پہنچا دے اس کو جہاں وہ نڈر ہو یہ اس واسطے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے

یہ بات ٹھہرا رکھی تھی کہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنی قوم قریش پر غالب آجاویں اور مکہ فتح ہوجاوے تو پھر دائرہ اسلام میں داخل ہوجانا چاہیئے اسی واسطے اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں اسلام کی ترغیب دلائی تاکہ انہیں یاد آجاوے کہ جو بات انہوں نے ٹھہرا رکھی تھی وہ پوری ہوگئی مکہ فتح ہوگیا مکہ کے سب بت ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہوگئے اب دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بغیر کوئی صورت بہبودی کی نہیں ہے۔

٦۔ اس آیت میں اللہ پاک نے یہ ارشاد فرمایا کہ جن مشرکوں سے تمہیں لڑنے کا حکم دیا ہے اگر ان میں کا کوئی شخص امان چاہے تو اس کو امان دو تاکہ وہ اللہ کا کلام سن لیوے اور دین کی حجت اس پر تمام ہوجائے پھر اس کو اس کے گھر تک امن امان سے پہنچا دو جب وہ امن کی جگہ پہنچ جائے تو تمہیں اختیار ہے اس سے لڑائی لڑو کیونکہ اپنے گھر پہنچ جانے کے بعد وہ تمہاری امان سے نکل گیا اور وہ اپنی پچھلی حالت پر آگیا اب اس سے لڑنا تمہارے واسطے مباح ہے یہ امان اس لئے مشروع ہے کہ یہ لوگ خدا کے دین کو پہچان لیں اور اسلام کا چرچا تمام لوگوں میں پھیل جائے مجاہد اس آیت کی تفسیر میں یہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص تمہارے پاس اس غرض سے آیا ہے کہ تمہاری بات سنے اور جو کلام تم پر خدا نے اتارا ہے اس کو معلوم کرے تو وہ امان میں ہے اور جب تک امان میں ہے کہ وہ اپنے گھر صحیح و سلامت پہنچ جائے اسی واسطے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو امان دیتے تھے جو ہدایت کے لئے آتا تھا یا کسی کا کوئی پیغام لاتا تھا چنانچہ جنگ حدیبیہ کے دن ایک جماعت قاصدوں کی قریش کی طرف سے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے اس میں عروہ بن مسعود اور سہیل بن عمرو وغیرہ تھے یہ لوگ صلح کے اس معاملہ کے واسطے جو ان کے اور رسول خدا کے درمیان میں تھا امن سے اس کی بات چیت کے لئے آتے جاتے تھے صحیح بخاری وغیرہ میں صلح حدیبیہ کی جو روایتیں ہیں ان میں اس کا ذکر تفصیل سے[2] ہے۔ معتبر سند سے مسند امام احمد ابو داؤد و نسائی اور مستدرک حاکم میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مسیلمہ کذاب نے دو شخصوں کو قاصد بنا کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تھا جب ان دونوں شخصوں نے مسیلمہ کذاب کو اللہ کا رسول کہا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر قاصدوں کا مار ڈالنا شریعت الٰہی میں جائز ہوتا تو میں تم دونوں کے مار ڈالنے کا حکم دیتا[3]۔ اس سے معلوم ہوا کہ قاصد کے منہ سے اگر کوئی کفر کا کلمہ بھی نکل جائے تو بھی اس کے امن و امان میں خلل نہیں پڑتا ان حدیثوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت اور حدیثوں کو ملا کر یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ شریعت میں جس طرح کلام الٰہی سننے کو آنے والے شخص کے لئے امن و امان کا حکم ہے اسی طرح قاصد کے لئے بھی امن و امان کا حکم ہے۔

[1] مشکوٰۃ باب الامام فصل ثالث بروایت عمرو بن سلمہ رضؓ [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۷۸ – ۳۸۱ باب الشروط فی الجہاد الخ

[3] سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۴۰۰ باب فی الرسل۔

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ
کیونکر ہووے مشرکوں کو عہد اللہ پاس اور اس کے رسول پاس مگر جن سے تم

عَاهَدْتُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ
نے عہد کیا مسجد حرام کے نزدیک سو جب تک تم سے سیدھے رہیں تم ان سے سیدھے رہو

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ⑦
اللہ کو خوش آتے ہیں احتیاط والے

۷۔ اس آیت میں اللہ پاک نے یہ فرمایا کہ کیونکر ان مشرکوں کا عہد قائم رہ سکتا ہے ان کی حالت تو یہ ہے کہ خدا اور اس کے رسول کے یہ لوگ منکر ہیں پھر فرمایا کہ جو لوگ اپنے عہد پر قائم رہیں ان کے ساتھ تم بھی ویسا ہی کرو کہ اپنے عہد پر قائم رہو کیونکہ خدا کو احتیاط کرنے والے لوگ بہت پسند ہیں خدا ان کو دوست رکھتا ہے جو اپنے قول پر قائم رہیں اس واسطے کہ یہ صفت متقی لوگوں کی ہے وہ لوگ جنہوں نے عہد کو نباہا بنی خزاعہ ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن سے حدیبیہ کے دن حرم پاک کے نزدیک عہد ہوا تھا اور یہ عہد دس برس کا تھا انہیں کے متعلق یہ حکم ہوا کہ ان سے عہد پورا کرو جب تک یہ لوگ اپنے قول و قرار پر قائم ہیں یہ صلح ۶ھ ہجری میں ہوئی اس صلح کے دو برس کے بعد جب بنو بکر نے خزاعہ پر چڑھائی کی اور قریش نے انکا ساتھ دیکر ان لوگوں کو حرم میں قتل کیا تو ناچار ۸ھ ہجری میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں سے لڑنا پڑا کہ ان لوگوں کے اپنا عہد توڑ ڈالا تھا اس جنگ میں حرم کے اندر لڑائی جائز ہوگئی تھی آخر مکہ فتح ہوگیا تو قریب دو ہزار کے آدمی ایمان لائے اور باقی لوگ بھاگ گئے ان کے باب میں یہ حکم ہوا کہ چار مہینہ تک ان کو امان دو پھر اس میعاد کے ختم ہونے پر ان سے جنگ کرو باقی لوگوں میں صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابوجہل وغیرہ تھے خدا نے ان کے دلوں میں بھی اسلام کی ہدایت ڈالی اور یہ لوگ مسلمان ہوگئے اس صلح حدیبیہ کی ابتدا یوں ہوئی کہ ۶ھ ہجری میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو کے قریب صحابہ کی جماعت کے ساتھ ذی قعدہ کے مہینے میں عمرہ کے قصد سے مکہ کا ارادہ کیا اور مشرکین مکہ نے راستہ میں ایک مقام پر جس کا نام حدیبیہ ہے آپ کو روکا اور آخر صلح ہوئی جس کا تفصیلی قصہ سورہ انا فتحنا میں آویگا اس صلح میں تحریری صلح نامہ جو لکھا گیا تھا اس کے موافق قبیلہ خزاعہ مسلمانوں کی حمایت اور امان میں رہا اور قبیلہ بنی بکر مشرکین مکہ کی حمایت اور امان میں۔ ان دونوں قبیلوں میں قدیمی عداوت چلی آتی تھی اس لئے صلح کے دو برس کے بعد بنی بکر نے خزاعہ پر یہاں تک زیادتی کی کہ حرم کی حد کے اندر بھی بنی خزاعہ کے کچھ آدمیوں کو قتل کیا یہ بدعہدی تو قبیلہ بنی بکر کی ہوئی مشرکین مکہ نے یہ بدعہدی کی کہ بنی بکر کو ہتھیاروں کی بھی مدد دی اور خفیہ طور پر لڑائی میں بھی انکا ساتھ دیا اس بدعہدی کی خبر سن کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دس ہزار صحابہ کی جماعت کے ساتھ مکہ پر چڑھائی کی اور مکہ فتح ہوگیا۔ سورہ انا فتحنا میں اس صلح حدیبیہ کو اللہ تعالےٰ نے فتح جو فرمایا اسکا مطلب یہی ہے کہ یہ صلح آخر کو فتح مکہ کا سبب قرار پائی اور اس صلح کے سبب سے لشکر اسلام میں یہ ترقی ہوئی کہ دو برس میں لشکر اسلام کی تعداد چودہ سو سے دس ہزار تک پہنچ گئی حاصل کلام یہ ہے کہ اس آیت میں مشرکین مکہ اور قبیلہ بنی بکر کو بدعہد فرمایا اور قبیلہ خزاعہ کو عہد پر قائم رہنے والے لوگوں میں شمار فرمایا اور حدیبیہ کے صلح نامہ کو عہد فرمایا۔ حدیبیہ کی صلح کو صاف طور پر حرم کی حد کے

كَيْفَ وَإِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً ۚ يُرْضُونَكُم

کیونکر صلح رہے اور اگر وہ تم پر ہاتھ پا دیں نہ لحاظ کریں تمہاری خویشی کا اور نہ عہد کا تم کو راضی کر

بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ وَأَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٨﴾ اشْتَرَوْا بِآيَاتِ اللَّهِ

دیتے ہیں اپنی منہ کی بات سے اور ان کے دل نہیں مانتے اور بہت ان میں بے حکم ہیں بیچے انہوں نے حکم اللہ کے

ثَمَنًا قَلِيلًا فَصَدُّوا عَن سَبِيلِهِ ۚ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٩﴾

تھوڑی قیمت پر پھر روکا اس کی راہ سے برے کام ہیں جو وہ لوگ کر رہے ہیں

اندر کا عہد جو نہیں فرمایا اس سے یہ معلوم ہوا کہ حدیبیہ حد حرم کے باہر ہے۔ حدیث کی کتابوں میں صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کی بابت میں جو بہت سی صحیح روایتیں ہیں وہ گویا آیت کی تفسیر ہیں۔

۸۔ اوپر مشرکوں کی ظاہری بدعہدی کا ذکر فرما کر اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے مشرکوں کے دل کی باتوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبردار کیا کہ کیوں کر ان لوگوں سے صلح قائم رکھ سکو گے ان کی حالت تو یہ ہے کہ فقط منہ سے قول و قرار کرتے ہیں اور ان کے دل میں تو یہ ہے کہ اگر مسلمانوں پر انکا قابو پڑ جائے تو ایک کو بھی زندہ نہ رکھیں نہ قرابت کا لحاظ کریں اور نہ اپنے عہد کا یہ لوگ بڑے ہی بے حکم ہیں ان کے دل کب مانتے ہیں جو یہ اپنے قول پر قائم رہیں گے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً کی تفسیر میں یہ بیان کیا ہے کہ اس سے مراد قرابت اور عہد ہے اوپر گذر چکا ہے کہ صلح حدیبیہ کے عہد پر بعضے مشرک قبیلے قائم تھے اس لئے سب صلح والوں کو بے حکم نہیں فرمایا۔ صحیح بخاری اور مسلم میں ابوہریرہؓ کی حدیث[1] ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسے شخص سے زیادہ برا کوئی آدمی نہیں جس کو دو زبان کا پاس نہ ہو ایک ہی بات کو کسی سے ایک طرح پر کہہ دیوے اور کسی سے دوسری طرح پر۔ معتبر سند سے مسند امام احمد ابوداؤد نسائی اور صحیح ابن حبان میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پروردہ ابورافع[2] سے روایت ہے جس میں ابورافع کہتے ہیں کہ اسلام لانے سے پہلے مجھ کو اہل مکہ نے قاصد بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تھا مدینہ میں آن کر میرا دل اسلام کی طرف اور مدینہ میں رہ جانے کی طرف مائل ہو گیا لیکن صلح حدیبیہ میں شرط ہوئی تھی کہ صلح کے زمانہ تک جو کوئی مکہ سے مدینہ کو آوے گا اس کو واپس کر دیا جاویگا اس شرط کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا مدینہ میں رہ جانا پسند نہیں کیا اور فرمایا کہ اللہ کے رسول سے بدعہدی نہیں ہو سکتی۔ آیت میں زبان کا پاس نہ رکھنے اور بدعہدی کی جو مذمت ہے یہ حدیثیں گویا اس کی تفسیر ہیں۔

۹ - ۱۱۔ ان آیتوں میں فرمایا کہ ان لوگوں نے عہد کے پورا کرنے کے احکام الٰہی کو بہت ہی تھوڑی قیمت پر فروخت کر ڈالا یہ اس واسطے فرمایا کہ جن لوگوں نے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عہد و پیمان کیا تھا کہ کچھ مدت تک آپ لڑائی موقوف کریں اور ہم کو مہلت دیں ان لوگوں کو ابوسفیان نے کچھ لالچ دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ عہد توڑ ڈالا اسی طرح طائف کے باشندوں نے بھی مال سے ان بدعہدوں کی مدد کی تھی۔ اس لئے فرمایا کہ یہ لوگ آپ تو عہد توڑتے ہی ہیں مگر دوسروں کو بھی راہ حق سے روکتے ہیں کہ دین اسلام قبول نہ کرو پھر فرمایا کہ یہ کام انکا بہت ہی برا ہے اپنے قرابت کے لوگوں کا بھی خیال نہیں کرتے ہیں کہ مسلمانوں

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۹۵ باب ما قیل فی ذی الوجہین [2] سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۷۹ باب فی الامام یستجن بہ فی العہود

لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ﴿۱۰﴾ فَاِنْ

نہ لحاظ کریں کسی مسلمان کے حق میں خویشی کا نہ عہد کا اور وہی ہیں زیادتی پر سو اگر

تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ

توبہ کریں اور کھڑی رکھیں نماز اور دیتے رہیں زکوٰۃ تو تمہارے بھائی ہیں حکم شرع میں اور ہم کھولتے

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا

ہیں پتے جاننے والے لوگوں کے واسطے اور اگر توڑیں اپنی قسمیں عہد کے پیچھے اور عیب دیویں

فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿۱۲﴾

تمہارے دین میں تو لڑو کفر کے سرداروں سے ان کی قسمیں کچھ نہیں شاید وہ باز آویں ۔

میں ان کے کنبے کے آدمی بھی ہیں آخر کچھ تو قرابت کا پاس انہیں کرنا چاہئے تھا پھر فرمایا کہ یہ لوگ اپنے قول پر کیونکر قائم رہتے یہ لوگ تو حد سے تجاوز کرنے والے لوگ ہیں نہ ان کی زبان کا ٹھیک ہے نہ اُن کے فعل کا ٹھیک ہے پھر فرمایا کہ اگر یہ لوگ شرک وکفر سے باز آکر اسلام میں داخل ہو جائیں تو پھر یہ لوگ تمہارے دینی بھائی ہو جائیں گے اور ہر قسم کے نفع و نقصان میں تمہارا انکا ساتھ ہو جاویگا اور یہ باتیں جو تفصیل کر کے اللہ نے بتلائی ہیں یہ علم والوں کے لئے ہیں کیونکہ جو جاہل مطلق ہیں انہیں سمجھ ہی کیا ہے کہ کسی بات کو سمجھیں بوجھیں قرابت کا پاس نہ رکھنے والوں کی مذمت میں بہت سی صحیح حدیثیں آئی ہیں وہ حدیثیں اور بدعہدی کی مذمت کی صحیح حدیثیں یہ سب حدیثیں ان آیتوں کی گویا تفسیر ہیں۔

۱۲۔ اس آیت میں اللہ جل شانہ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ یہ مشرک لوگ اگر اپنا عہد توڑ دیں اور تمہارے سچے دین میں نقص نکالیں اور عیب لگائیں تو ان کے سرداروں کو چن چن کر مارو اور قتل کرو کہ یہ سب فساد ان ہی کی وجہ سے ہے کیونکہ بچارے غریب لوگ کیا سر اٹھاویں گے جب تک انہیں بڑے بڑے لوگ کچھ مدد نہ دیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ابوسفیان وغیرہ قریش کے رئیسوں کے باب میں اتری ہے کیونکہ یہ لوگ اپنی قوم میں منتخب لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے اور اپنے اپنے قبیلہ کے سردار مانے جاتے تھے اور انہیں لوگوں نے صلح کر کے پھر اپنے عہد کو توڑا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکالا پھر فرمایا کہ ان لوگوں کا قول و قرار قسما قسمی کچھ معتبر نہیں ہے ورنہ یہ لوگ اس طرح کی بدعہدی کبھی نہ کرتے آخر کو یہ فرمایا کہ ان مشرکوں میں سے جو لوگ اپنا عہد توڑ دیں اور دین میں عیب نکالیں ان سے لڑنے کو اس واسطے حکم دیا گیا ہے کہ شاید اس جنگ کی وجہ سے یہ لوگ اپنی حرکت سے باز آئیں اور پھر کبھی نہ عہد توڑیں اور نہ دین میں عیب نکالیں اللہ سچا ہے اللہ کا کلام سچا ہے مکہ کی چڑھائی سے پہلے مثلاً خالد بن ولید کی مخالفت کا یہ حال تھا کہ عسفان کی لڑائی کے وقت نماز کی حالت میں مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ جو ان خالد بن ولید نے کیا تھا اس کا قصہ سورت نساء میں گذر چکا ہے اب صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے مابین کی مدت میں خالد بن ولید دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور لشکر اسلام میں اللہ کے رسول نے اللہ کی تلوار انکا لقب قرار دیا چنانچہ صحیح بخاری کی انس بن مالکؓ کی روایت[1] میں جو

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۳۰ باب مناقب خالد بن الولید۔

أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوٓا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم

کیوں نہ لڑو ایسے لوگوں سے کہ توڑیں اپنی قسمیں اور فکر میں رہیں کہ رسول کو نکال دیویں اور انہوں

بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم

نے پہلے چھیڑ کی تم سے کیا ان سے ڈرتے ہو سو اللہ کا ڈر چاہیے تم کو زیادہ اگر تم ایمان

مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۳﴾ قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ

رکھتے ہو لڑو ان سے تا عذاب کرے اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں اور رسوا کرے اور تم کو ان پر غالب

قصہ تفصیل سے ہے یا مثلاً مکہ کی چڑھائی سے پہلے ابوسفیان کی مخالفت کا یہ حال تھا کہ انہوں نے مشرکین مکہ کو طرح طرح کا لالچ دیکر صلح حدیبیہ میں خلل ڈالا اور مکہ کی چڑھائی کے وقت اسلام قبول کیا اور حنین کی لڑائی کے وقت اللہ کے رسول کی جو کچھ رفاقت کی صحیح بخاری وغیرہ کی روایتوں[1] کے حوالہ سے اس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ صحیح حدیثوں میں اس طرح کے بہت سے قصے ہیں جو آیت کے ٹکڑے لعلہم ینتہون کی پیشین گوئی کی گویا تفسیر ہیں۔

۱۳- سنہ ۶ھ میں جو صلح حدیبیہ ہوئی اسی صلح میں آنحضرت سے اور قریش سے یہ معاہدہ تھا کہ دس برس تک لڑائی موقوف رکھنی چاہئے اور اس دس برس کے امن میں خزاعہ قبیلہ حضرت کی امان میں تھا اور بنو بکر قبیلہ قریش کے امن میں تھا بنو بکر قبیلہ نے خزاعہ پر چڑھائی کی اور قریش نے خلاف معاہدہ بنو بکر کو مدد دی اس بدعہدی کے ذکر میں اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور مسلمانوں کو ترغیب لانے کے لئے اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں قریش کی دوسری شرارت نبی وقت کو مکہ سے نکال دینے کی جو ذکر فرمائی ہے صحابی کے قول کے موافق اس قصہ کا حال یہ ہے کہ حدیبیہ کی صلح کے وقت مشرکین مکہ نے اپنے دل میں یہ بات ٹھان لی تھی کہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ عمرہ کی نیت سے مکہ میں داخل ہوں تو ان کو زبردستی مکہ سے نکال دیویں قبیلہ خزاعہ کے لوگ اس مشورہ میں شریک نہیں ہوتے اور صلح کے زمانہ میں انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی حمایت اپنے حق میں بہتر خیال کی اس عداوت کے سبب سے مشرکین مکہ نے قبیلہ بنی بکر کو خزاعہ سے لڑنے پر آمادہ کیا اور خود قبیلہ بنی بکر کی مدد کی اسی کو مشرکین مکہ کی پہلی چھیڑ فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ ایسے بدعہد لوگوں سے لڑنے میں کسی ایماندار شخص کو کچھ تامل اور ڈر نہ چاہئے کیونکہ ایماندار لوگوں کے دل میں سوا اللہ کے ڈر کے اور کوئی ڈر نہ ہونا چاہئے کس لئے کہ جس شخص کے دل میں اللہ کا ڈر ہوتا ہے اس کو عقبےٰ کے سب مشکل کام آسان ہو جاتے ہیں۔ معتبر سند سے ترمذی میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے دل میں اللہ کا خوف ہوگا اس کو عقبےٰ کی بہبودی کا راستہ آسان ہو جاویگا۔ آیت میں ایماندار لوگوں کو اللہ سے ڈرنے کا جو ارشاد ہے اس کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے۔

۱۴-۱۵- اوپر ذکر تھا کہ ان مشرکوں نے اپنا عہد توڑا اور یہ بھی ارادہ کیا کہ رسول خدا کو مکہ سے نکال دینا چاہئے اور پھر باوجود ان باتوں کے چھیڑ انہیں کی طرف سے شروع ہوئی کہ بنو بکر سے اور بنو خزاعہ سے جب لڑائی ہوئی تو بنی بکر کی مدد کو یہ لوگ آمادہ ہو گئے اور خود

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۱۷ باب قول اللہ تعالیٰ ویوم حنین اذ اعجبتکم الآیۃ [2] مشکوٰۃ ص ۴۵۷ باب البکاء والخوف فصل دوسری۔

عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۴﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ

کرے اور ٹھنڈے کرے دل کتنے مسلمان لوگوں کے اور نکالے ان کے دل کی جلن

وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۵﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تُتْرَكُوا

اور اللہ توبہ دے گا جس کو چاہے گا اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا کیا جانتے ہو کہ چھوٹ جاؤ گے

وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِن دُونِ اللَّهِ

اور ابھی معلوم نہیں کئے اللہ نے تم میں سے جو لوگ لڑے ہیں اور نہیں پکڑا انہوں نے سوائے اللہ کے

بھی بنی خزاعہ کو قتل کرنے لگے تو اب ان سے لڑنا بلاشک ضرور ہے اور اگرچہ اللہ ان کے نیست و نابود کرنے کو کافی ہے لیکن علم الٰہی میں یہ بات ٹھہر چکی ہے کہ تم ان سے لڑو اور اللہ اپنی مدد سے تمہیں ان پر غالب کرے جس سے مسلمانوں کے خیر خواہ بنی خزاعہ کا بدلہ لینے سے مسلمانوں کے دل کی بھڑاس نکلے اور ان کے دل ذرا ٹھنڈے ہوں پھر اللہ پاک نے پیشین گوئی کے طور پر فرمایا کہ ان کفار میں سے بعضے بعضے اپنے کفر سے توبہ بھی کریں گے وہ لوگ خدا کے علم میں ہیں وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت کا راستہ دکھلاتا ہے اور جس کی چاہتا ہے توبہ قبول کرتا ہے وہ بڑا جاننے والا ہے اگلی پچھلی سب باتوں کی خبر ہے اور بڑا ہی حکمت والا ہے جتنی باتیں اس کی ہوتی ہیں کوئی حکمت سے خالی نہیں ہوتی چنانچہ یہ سب باتیں پوری ہوئی ہیں بنی خزاعہ کا پورا بدلہ مشرکین سے لیا گیا مشرکین مکہ کو بے انتہا ذلت ہوئی مکہ فتح ہوا اور مشرکین کے سرداروں میں سے بڑے بڑے لوگ ایمان بھی لائے ابوسفیان بن حرب اور عکرمہ بن ابوجہل و سہیل بن عمرو جو چیدہ سردار اپنے اپنے قبیلے کے تھے آخر کو مسلمان ہو گئے وللہ الحمد معتبر سند سے مسند امام احمد میں انس بن مالکؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مظلوم شخص اگرچہ کافر بھی ہو تو اس کی بددعا کا اثر ظالم کو نظر آ جاتا ہے[1]۔ یہ حدیث قبیلہ بنی خزاعہ کی حالت کی گویا تفسیر ہے کیونکہ اہل مکہ بنی خزاعہ کے ساتھ ظلم و زیادتی سے پیش آئے اللہ تعالےٰ نے بنی خزاعہ کی بددعا کے اثر سے تمام ملک الٹ پلٹ کر دیا۔

۱۶۔ اوپر کی آیتوں میں بدعہد لوگوں سے لڑنے کی ترغیب دے کر اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو مخاطب ٹھہرا کر فرمایا کہ کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ دین کی لڑائی سے تمہاری آزمائش نہ ہوگی یوں ہی چھوڑ دئیے جاؤ گے مطلب یہ ہے کہ جہاد اسی واسطے فرض کیا گیا ہے کہ خدا مسلمانوں کا امتحان لے اور جانچ لے کہ کون اس کے حکم کا مطیع ہے اور کون اس کی نافرمانی کرتا ہے حاصل یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کو نیک و بد سب کا حال معلوم ہے لیکن اس دنیا عالم اسباب میں ابھی تک ہر ایک مسلمان کے ظاہر باطن کا پورا پورا حال نہیں کھلا ہے اس جہاد کی غرض یہی ہے کہ اصل حال معلوم ہو جائے کہ کون مشرکوں کی طرفداری کرتا ہے اور کون ان کا پاس نہیں کرتا اس حاصل مطلب کو آیت کے آخر میں یوں فرمایا کہ اللہ کو تمہارے کل عملوں کی خبر ہے وہ منافق اور مومن کو خوب جانتا ہے مگر اللہ تعالےٰ نے سزا و جزا کا دارومدار اپنے علم ازلی پر نہیں رکھا ہے اس لئے اس نے اس جہاد کا حکم دیا ہے تاکہ ہر ایک شخص کے اصلی حال سے لوگوں کو واقفیت ہو جاوے صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث گذر چکی ہے کہ دنیا میں جو کچھ نیک و بد ہو رہا ہے اپنے علم ازلی کے نتیجہ کے طور پر دنیا کے پیدا کرنے سے

[1] مجمع الزوائد ج۱۰ ص ۱۵۲ باب فی دعاء المظلوم لاحجبہ لیظہر الغیب۔

وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ مَا كَانَ

اور اس کے رسول کے اور مسلمانوں کے کسی کو بھیدی اور اللہ کو سب خبر ہے تمہارے کام کی مشرکوں

لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ

کا کام نہیں کہ آباد کریں اللہ کی مسجدیں اور مانتے جاویں اپنے اوپر کفر کو

اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّمَا يَعْمُرُ

وہ لوگ خراب گئے ان کے عمل اور آگ میں رہیں گے وہ ہمیشہ وہی آباد کرے

مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ

مسجدیں اللہ کی جو یقین لایا اللہ پر اور پچھلے دن پر اور کھڑی کی نماز اور دی زکوٰۃ

پچاس ہزار برس پہلے وہ سب اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے[۱] صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ اور ترمذی وغیرہ میں انس بن مالکؓ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو نیک کاموں کی آڑ سے اور دوزخ کو بُرے کاموں کی آڑ سے گھیر رکھا ہے[۲] جس کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیائے عالم اسباب میں اللہ تعالیٰ نے نیک کاموں کو جنت میں جانے کا اور بُرے کاموں کو دوزخ میں جانے کا سبب ٹھہرایا ہے صحیح بخاری وغیرہ کے حوالہ سے سورہ ممتحنہ میں حضرت علیؓ کی حدیث[۳] آوے گی کہ مکہ کی چڑھائی کے ارادہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راز کے طور پر مشرکین مکہ سے پوشیدہ رکھا تھا لیکن ایک بدری صحابی حاطب بن ابی بلتعہ نے مشرکین مکہ سے دوستی قائم رکھنے کے لئے ایک خط مشرکین مکہ کے نام لکھا جو راستہ میں پکڑا گیا ان حدیثوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ اللہ کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں ہے مگر اس نے اپنے علم کے موافق اس دنیا عالم اسباب کے اندر جنت اور دوزخ میں جانے کے جو سبب ٹھہرا لئے ہیں جب تک ان سببوں کے ظہور کی پوری پوری جانچ نہ ہو جائے تو نیک و بد کا امتحان نہیں ہو سکتا مثلاً بدر کی لڑائی نہ ہوتی تو بدری صحابہ نے جو کوشش اس لڑائی میں کی اس کا امتحان نہ ہو سکتا تھا اور نہ وہ کوشش لوگوں کے نزدیک ان کے قطعی جنتی ہونے کا سبب قرار پا سکتی تھی اسی طرح مکہ کی چڑھائی نہ ہوتی تو حاطب بن ابی بلتعہ نے جو مشرکوں کی طرفداری کی اس کا امتحان کس طرح ہوتا اور ایسے موقعوں پر قرآن شریف کی آیتوں کا نازل کیا جانا جو علم الٰہی میں قرار پا چکا تھا اس کا موقعہ کیونکر پیش آتا۔

۱۷-۲۲- صحیح مسلم ابوداؤد و صحیح ابن حبان تفسیر ابن ابی حاتم میں جو شان نزول ان آیتوں کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ بدر کی لڑائی میں قریش کے ستر آدمی جو گرفتار ہوئے جن میں حضرت عباسؓ بھی تھے تو مسلمانوں نے ان ستر آدمیوں کے روبرو بت پرستی اور شرک کی مذمت بیان کی یہ مذمت سن کر حضرت عباسؓ نے کہا کہ ہم بھی مکہ میں اچھے کاموں میں لگے ہوئے تھے مسجد حرام کو آباد رکھتے تھے حاجیوں کو پانی پلاتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں[۴] اور فرما دیا کہ بغیر خالص اسلام کے

[۱] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۵ باب حجاج آدم و موسیٰ علیہما السلام [۲] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۸ کتاب الجنۃ و جامع ترمذی ج ۲ ص ۸۰ باب ماجاء فی حفت الجنۃ بالمکارہ الخ

[۳] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۱۲ باب غزوۃ الفتح و مابعث حاطب الخ [۴] تفسیر الدر المنثور ج ۳ ص ۲۱۸ و لباب النقول ص ۱۱۸

وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰىٓ أُولٰٓئِكَ أَنْ يَّكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾ أَجَعَلْتُمْ

اور نہ ڈرا سوائے اللہ کے کسی سے سو امیدوار ہیں وہ لوگ کہ ہو دیں ہدایت والوں میں کیا تم نے

سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

ٹھہرایا حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو جانا برابر اس کے جو یقین لایا اللہ پر اور پچھلے

الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

دن پر اور لڑا اللہ کی راہ میں نہیں برابر اللہ کے پاس اور اللہ راہ نہیں دیتا

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

بے انصاف لوگوں کو جو یقین لائے اور گھر چھوڑ آئے اور لڑے اللہ کی راہ میں

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾

اپنے مال اور جان سے ان کو بڑا درجہ ہے اللہ کے پاس اور وہی مراد کو پہنچے

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿۲۱﴾

خوشخبری دیتا ہے ان کو پروردگار ان کا اپنی طرف سے مہربانی کی اور رضامندی کی اور باغوں کی جن میں ان کو آرام ہے ہمیشہ

بے اچھے کام اللہ کے نزدیک کچھ قبول نہیں اس سے معلوم ہوا بغیر صفائی عقیدہ کے کوئی ظاہری عمل قبول نہیں ہوتا۔ مسند امام احمد صحیح مسلم[1] اور ابن ماجہ میں ابوہریرہؓ اور بریدہؓ کی روایتیں ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ ایک صحابی کا اونٹ جاتا رہا تھا اور وہ صحابی اپنے اونٹ کو ڈھونڈنے کے طور پر اپنے اونٹ کو آواز دے رہے تھے اللہ کے رسول نے ان کو منع کیا اور فرمایا کہ مسجدیں ایسے کاموں کے لئے نہیں بنی ہیں بلکہ مسجدیں تو خالص اللہ کی عبادت کے لئے بنی ہیں اور صحابہ کو مخاطب کر کے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ آئندہ جو شخص اس طرح مسجد میں اونٹ کو آواز دیتا ہوا اور بلاتا ہوا نظر آوے تو اس کے حق میں یہ بددعا کرنی چاہئے کہ اس کا کھویا ہوا اونٹ کبھی نہ ملے۔ ان حدیثوں کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ شریعت الٰہی کے موافق تو مسجد میں کھوئے ہوئے اونٹ کا بھی پکارنا منع ہے یہ بت پرست لوگ مسجد حرام میں طواف کے وقت اللہ کے نام کے ساتھ بتوں کو پکارتے ایسے لوگوں سے اللہ کی مسجدیں کیا آباد ہو سکتی ہیں اللہ کی مسجدیں تو ایسے لوگوں سے آباد ہو سکتی ہیں جو خالص دل سے اللہ کی ہر طرح کی عبادت کرتے ہیں اور یہ بت پرست لوگ حاجیوں کے پانی پلانے اور مسجد حرام میں آنے جانے کو اللہ کی وحدانیت اور حشر پر ایمان لانے کے اور دین کی لڑائی کے برابر جو سمجھتے ہیں یہ ان کی بے انصافی ہے کیونکہ ہر عبادت کرنے والے کو ضرور ہے کہ پہلے صحیح طور پر اپنے معبود کو پہچان لیوے بت پرستی کے سبب سے ان لوگوں میں جب یہ بات نہیں ہے تو اللہ کے نزدیک نہ یہ لوگ اللہ کے پہچاننے والوں کے برابر ہو سکتے ہیں نہ ان کی کوئی عبادت خدا شناس لوگوں کی عبادت کے برابر ہو سکتی ہے اس لئے اللہ کی بارگاہ میں تو انہی لوگوں کے نیک کاموں کے بڑے بڑے اجر ہیں جو اللہ کو معبود حقیقی جانتے ہیں اور خالص دل سے اسی کی ہر طرح کی عبادت کرتے ہیں جن کی عبادت میں شرک یا دنیا کے دکھاوے کا

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۱۰ باب النہی عن نشد الضالۃ فی المسجد الخ

خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗۤ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ﴿۲۲﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا

رہا کریں ان میں مدام بیشک اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے اے ایمان والو

لَا تَتَّخِذُوۡۤا اٰبَآءَکُمۡ وَ اِخۡوَانَکُمۡ اَوۡلِیَآءَ اِنِ اسۡتَحَبُّوا الۡکُفۡرَ عَلَی الۡاِیۡمَانِ ؕ

نہ پکڑو اپنے باپوں کو اور بھائیوں کو رفیق اگر وہ عزیز رکھیں کفر کو ایمان سے

وَ مَنۡ یَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡکُمۡ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۲۳﴾

اور جو تم میں ان کی رفاقت کریں سو وہی لوگ ہیں گنہگار

کچھ لگاؤ ہے ان کی عبادت رائگاں ہے مسند امام احمد اور صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ کی روایت سے حدیث قدسی ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس شخص نے کسی نیک عمل میں سوا اللہ کے کسی دوسرے کو شریک کیا اللہ کی بارگاہ میں ایسے عمل کا ہرگز کچھ اجر نہیں ہے[1] کیونکہ شرک اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے ان آیتوں میں شرک کے سبب سے نیک عملوں کے رائگاں اور خراب ہو جانے کا جو ذکر ہے یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے۔

۲۳۔ اس آیت کی شان نزول میں مفسروں نے اختلاف کیا ہے مجاہد کہتے ہیں کہ اس آیت کو اوپر کی آیتوں سے لگاؤ ہے عباسؓ اور طلحہؓ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی کہ جب یہ دونوں مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے سے رک گئے تو فرمایا کہ تم لوگ جب ایمان لا چکے تھے تو تم کو اپنے باپ بھائی کے سبب سے ہجرت کو نہ چھوڑنا چاہئے تھا کیونکہ وہ رشتہ دار تو ایسے ہیں جو کفر پر جمے ہوئے ہیں اور ایمان کے مقابلہ میں کفر کو اچھا جانتے ہیں اس لئے جو کوئی ان کی رفاقت کریگا تو وہ ظالم ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول یہ ہے کہ اس آیت کی شان نزول یوں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنیکا حکم دیا تو ان کے بال بچوں نے قسمیں دلائیں اور کہنے لگے کہ کیا ہم کو اکیلا چھوڑے جاتے ہو اسلئے انکے دل میں بھی الفت پیدا ہو گئی اور وہ لوگ مکہ میں رہ گئے اس پر یہ آیت اتری تفسیر مقاتل میں ہے کہ وہ نو شخص جو مرتد ہو کر مدینہ سے مکہ چلے گئے تھے ان کے حق میں یہ آیت اتری جس میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو منع کیا کہ ان سے تعلق نہ رکھو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے حوالہ سے جو شان نزول اوپر بیان کی گئی یہ قول حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا تفسیر خازن وغیرہ میں ہے[2] اور اسی شان نزول کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی معتبر سند سے ترمذی میں بھی ہے[3] مگر اس روایت میں اس آیت کے نزول کا ذکر نہیں ہے بلکہ اس میں سورہ تغابن کی آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ مِنۡ اَزۡوَاجِکُمۡ وَ اَوۡلَادِکُمۡ عَدُوًّا لَّکُمۡ فَاحۡذَرُوۡهُمۡ کا ذکر ہے۔ رفع اس اختلاف کا یہ ہے کہ جن علماء نے ہجرت سے رک جانے والے لوگوں کی شان میں آیت کا نازل ہونا بیان کیا ہے اسکا مقصود یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی شان میں بھی آیت کا مضمون صادق آسکتا ہے ورنہ یہ تو اوپر گذر چکا ہے کہ مکہ ۸ھ میں فتح ہوا اور فتح مکہ کے سال بھر کے بعد ۹ھ میں یہ ساری سورت نازل ہوئی اور اس سال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ کو مکہ بھیجا کہ وہ اس سورت کی دس آیتیں مشرکین مکہ کو سنا دیویں پھر فتح مکہ کے بعد ہجرت کی تاکید میں کوئی آیت کیونکر نازل ہو سکتی ہے کیونکہ صحیح بخاری وغیرہ کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں یہ صاف آ چکا ہے کہ فتح مکہ کے بعد مکہ سے ہجرت کرنے کی

[1] مشکوٰۃ باب الریا فصل اول [2] مختلف اقوال و روایات کے لئے دیکھئے تفسیر فتح البیان ج ۲ ص ۲۲۵ [3] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۶۵ تفسیر سورہ تغابن۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَ

تو کہہ کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور برادری اور

اَمْوَالُ ِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا

مال جو کمائے ہیں اور سودا گرے جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور حویلیاں جو پسند رکھتے ہو

ضرورت باقی نہیں رہتی حاصل کلام یہ ہے کہ اس آیت کی شان نزول عام ہے اور اس میں سب ایمانداروں کو حکم ہے کہ وہ اپنے مخالف شریعت رشتہ داروں سے ایسی رفاقت نہ رکھیں جس سے ان ایمانداروں کے دین میں فتور پڑے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعری کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے برے رفیق کی مثال کھال دھونکنے والے شخص کی فرمائی ہے[1] صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوسعید خدری کی حدیث بھی ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مخالف شریعت بات سے دلی نفرت کا رکھنا یہ آدمی کے ضعیف ایمان کا ایک درجہ ہے[2] ان حدیثوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ضعیف الایمان شخص کو بھی مخالف شریعت رشتہ داروں سے دلی نفرت کا رکھنا اور ان کی رفاقت سے بچنا ضرور ہے ورنہ کھال دھونکنے والے شخص کے رفیق پر ایک نہ ایک دن جس طرح آگ کی چنگاری اڑ کر آن پڑنے کا خوف ہے اسی طرح مخالف رشتہ داروں کی رفاقت سے ہر ایماندار آدمی کے دین کو ایک نہ ایک دن کچھ نہ کچھ ضرر پہنچنے کا خوف ہے ایسی رفاقت کے نباہنے والوں کو ظالم اس لئے فرمایا کہ انہوں نے اپنی جان پر ظلم کیا جو مخالف شریعت رشتہ داروں کی رفاقت سے اپنے آپ کو گنہگار بنایا۔

۲۴۔ اللہ پاک نے اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم ایمان لانے کے بعد قرابتداروں ترقی مال و تجارت اور اچھے اچھے مکانوں کے آباد رکھنے کی الفت میں ایسے گرفتار ہو گئے کہ ان چیزوں سے زیادہ خدا اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے کو عزیز نہ جانو گے تو ایسی حالت میں تمہارا ایمان پورا نہیں ہو سکتا اور اگر انہی چیزوں کی محبت میں پڑے رہو گے تو پھر خدا کے عذاب کے منتظر رہو مسند امام احمد اور بخاری میں عبداللہ بن ہشامؓ کی ایک روایت ہے کہ ایک روز ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے حضرت عمرؓ نے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ دنیا میں ہر شے سے مجھے زیادہ عزیز ہیں مگر جان سے زیادہ عزیز نہیں ہیں آپ نے فرمایا کوئی کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ سمجھے یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اب آپ جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں[3] اکثر حدیثیں اس مضمون کی ہیں کہ جب تک حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی اپنے ماں باپ بھائی بال بچے مال دولت اور اپنی جان سے زیادہ عزیز نہ رکھے گا تو وہ ایمان میں کامل نہیں ہو سکتا پھر اللہ پاک نے اس آیت کو اس پر ختم کیا کہ جو لوگ خدا کے حکم کی تعمیل اور اس کے امر و نہی کی بجا آوری سے باہر ہیں ان کو اللہ پاک ہدایت کا راستہ نہیں دکھاتا سورہ آل عمران میں گذر چکا ہے کہ اللہ کی محبت اس کے احکام کے ماننے سے ظاہر ہوتی ہے اور وہ احکام

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۸۲ باب فی العطار و بیع المسک [2] صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۱ باب کون النہی عن المنکر الخ [3] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۴۲ ۔ ۳۴۳

أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ

تم کو عزیز ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور لڑنے سے اس کی راہ میں تو راہ دیکھو جب تک بھیجے

اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿٢٤﴾ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ

اللہ حکم اپنا اور اللہ راہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو مدد کر چکا ہے تم کو اللہ بہت

بغیر وسیلہ رسول کے معلوم نہیں ہو سکتے اس لئے اللہ کے رسول کی فرمانبرداری کو دنیا کی سب چیزوں سے زیادہ عزیز جاننا یہی اللہ کے حکم پر ایمان لانا ہے اور اسی کو محبت الٰہی کہتے ہیں عبداللہ بن ہشام کی حدیث جو اوپر گذری اس کا مطلب یہی ہے جو بیان کیا گیا۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث سورۃ آل عمران میں گذر چکی ہے[1] جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اطاعت عین اطاعت الٰہی ہے اور میری نافرمانی عین اللہ کی نافرمانی اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ احکام الٰہی اللہ کے رسول کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں اس واسطے اللہ کے رسول کی اطاعت عین اللہ کی اطاعت ہے آخر آیت میں فرمایا جن لوگوں میں یہ اطاعت کا مادہ نہیں ہے وہ نافرمان لوگ ہیں اور ایسے نافرمان لوگوں کو زبردستی راہ راست پر لانا انتظام الٰہی کے برخلاف ہے اس لئے ایسے لوگوں کو نافرمانی کی سزا کا منتظر رہنا چاہئے۔ صحیح بخاری و مسلم میں زینب بنت جحشؓ کی حدیث ہے[2] جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس بستی میں عام طور پر گنہگاری پھیل جاویگی تو ایسی بستی پر عذاب الٰہی نازل ہوگا ترمذی اور ابوداؤد کے حوالہ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صحیح حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے[3] جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی بستی کے بڑے لوگوں میں نافرمانی اور گنہگاری زیادہ پھیل جاوے گی اور اس بستی کے اچھے لوگ اُن نافرمان لوگوں کو نصیحت کا کرنا بھی چھوڑ دیں گے تو ایسی بستی پر کچھ نہ کچھ عذاب الٰہی ضرور نازل ہوگا۔ یہ حدیثیں آیت کے ٹکڑے فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ کی گویا تفسیر ہے۔

۲۵۔ فتح مکہ کے بعد قریب دو ہفتہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں مقام کیا اسی اثنا میں آپکو خبر پہنچی کہ حنین کے میدان میں ہوازن اور ثقیف قبیلے کے چار ہزار آدمی اپنے اونٹ اور بکریاں لے کر مسلمانوں کی لڑائی کی نیت سے جمع ہوئے ہیں آپنے یہ سنتے ہی مسکرا کر فرمایا کہ کل انشاء اللہ تعالیٰ وہ سب اونٹ اور بکریاں مسلمانوں کا مال غنیمت ہو جاویگا مدینہ سے جب فتح مکہ کی نیت سے آپ نکلے تھے تو آپ کے ساتھ دس ہزار کا لشکر تھا یہی لشکر آپنے اپنے ساتھ لیا اور حنین کی چڑھائی کا ارادہ کیا اب فتح مکہ کے وقت دو ہزار کے قریب جو لوگ مسلمان ہوئے تھے وہ بھی ساتھ ہو گئے اسی واسطے مفسرین میں اختلاف ہے بعضے حنین کے وقت دس ہزار کا لشکر بتلاتے ہیں اور بعضے زیادہ لیکن اصل میں کچھ اختلاف نہیں ہے مدینہ کا آیا ہوا لشکر جنہوں نے معتبر رکھا انہوں نے دس ہزار کی تعداد قائم رکھی اور جنہوں نے مکہ کے لوگوں کو بھی گنتی میں لے لیا انہوں نے تعداد بڑھادی بعضے صحابہ کی زبان سے یہ کلمہ بھی نکل گیا تھا کہ آج ہمارا لشکر بہت ہے اس لئے ہم کسی سے اب مغلوب نہ ہوں گے اس لئے اول میں مسلمانوں کی فتح ہو کر جب مسلمان لوٹ کی طرف متوجہ ہوئے تو دشمنوں نے موقعہ پا کر ایسے تیر برسائے کہ مسلمانوں کے

[1] تفسیر ہذا جلد اول ص ۲۳۳ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۶ باب یاجوج وماجوج [3] جامع ترمذی ج ۲ ص ۹۳ باب ماجاء فی نزول العذاب اذا لم یغیر المنکر۔

فِىْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا

میدانوں میں اور دن حنین کے اور جب اترائے تم اپنی بہتایت پر پھر وہ کچھ کام نہ

وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ

آئے تمہارے اور تنگ ہو گئی تم پر زمین ساتھ اپنی فراخی کے پھر ہٹے تم پیٹھ دے کر پھر اتاری

پیر اکھڑ گئے اتنے میں آنحضرت نے حضرت عباسؓ سے جو بہت بلند آواز تھے لوگوں کو آواز دلوائی اور پکڑ دیا اور پھر صف بندی کر کے مقابلہ کیا اور بدر کی طرح خاک کی ایک مٹھی دشمنوں کی طرف پھینکی اور اللہ تعالیٰ سے فتح کی دعا کی آسمان سے کچھ فرشتے بھی تسکین کے لئے آئے اور اللہ نے فتح دی۔ دشمنوں کے تیر برسانے اور مسلمانوں کے پیر اکھڑ جانے کا ذکر تو صحیح بخاری و مسلم میں براء بن العازبؓ کی روایت سے[1] ہے اور خاک کی مٹھی کے دشمنوں پر پھینکنے کا ذکر مسند امام احمد اور صحیح مسلم میں سلمۃ بن الاکوعؓ کی روایت سے[2] ہے۔ اس لڑائی میں چھ ہزار لونڈی غلام چوبیس[3] ہزار اونٹ اور چالیس ہزار بکریاں یہ لوٹ مسلمانوں کے ہاتھ لگی تھوڑے روز کے بعد ہوازن قبیلہ کے لوگ اسلام لائے اور اپنا مال انہوں نے آنحضرت سے واپس مانگا آپ نے انکے اہل و عیال کی واپسی کا حکم تو دیا مگر مال مسلمانوں ہی کے پاس رہا اگرچہ بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ حنین کی لڑائی میں بھی فرشتے لڑے ہیں لیکن صحیح قول یہی ہے کہ سوا بدر کی لڑائی کے اور کسی لڑائی میں فرشتے نہیں لڑے اسی حنین کی لڑائی کے ذیل میں پھر اوطاس اور طائف کی لڑائی بھی ہوئی ہے لیکن اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فقط حنین کی لڑائی کا ہی ذکر فرمایا ہے۔ حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ مثلاً بدر کی لڑائی بنی قریظہ کی لڑائی مکہ کی چڑھائی ایسی لڑائی کے بہت سے میدانوں میں اللہ تعالیٰ نے لشکر اسلام کی طرح طرح سے مدد کی ہے اس حنین کی لڑائی میں اگرچہ سب شکست کے آثار مسلمانوں کے لشکر میں پھیل چکے تھے بارہ ہزار آدمیوں کا لشکر تھا اور پھر بھی اس طرح ان کے پیر اکھڑ گئے تھے کہ دشمنوں کے تیروں کی بھرمار سے بچنے کیلئے اتنا بڑا میدان جنگ ان کو تنگ نظر آتا تھا ایسی صورت میں یہ اللہ ہی کی مدد تھی جو بگڑی ہوئی لڑائی ایک دم میں پھر بن گئی اور جھٹ پٹ فتح کے آثار نمودار ہو گئے اس میں مسلمانوں کو یہ ہدایت ہے کہ اس عالم اسباب میں اسباب سے کام تو لینا چاہیے مگر اصل بھروسا اللہ پر رکھنا چاہیے کہ وہی اسباب میں تاثیر کا پیدا کرنے والا ہے اسباب ظاہری میں اگر کچھ ذاتی تاثیر ہوتی تو بدر کی کچھ اوپر تین سو آدمیوں کی فتح اور اس لڑائی میں بارہ ہزار آدمیوں کے لشکر کی شکست کا کوئی موقع نہ تھا معتبر روایتوں میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے رزق کا سبب اپنے برچھے کو ٹھہرایا ہے[4] جس کا مطلب یہ ہے کہ ہتھیاروں کے سبب سے فتح ہو کر غنیمت کا مال ہاتھ آتا ہے جس سے رزق ملتا ہے اسی طرح معتبر روایتوں میں یہ بھی ہے کہ دشمن کے مقابلہ سے پہلے آپ اللہ تعالیٰ سے فتح کی دعا مانگا کرتے تھے ان سب روایتوں کو ملانے سے ظاہری اسباب کے کام میں لانے کا اور اصل بھروسا اللہ کی ذات پر رکھنے کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آ سکتا ہے۔

۲۶۔ اوپر کی آیت میں اللہ پاک نے جنگ حنین کا یہ قصہ بیان فرمایا تھا کہ مسلمانوں کو اس روز اپنی فوج کی زیادتی پر یہ خیال ہوا تھا کہ اب ہم کسی سے مغلوب نہ ہوں گے کیونکہ اس وقت کل مسلمان قریب بارہ ہزار کے تھے فتح مکہ کے بعد کل لوگ مکہ اور مدینہ

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۱۷ باب قول اللہ تعالیٰ ویوم حنین اذ اعجبتکم الخ و صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۰ باب غزوۃ حنین [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۱ باب غزوۃ حنین [3] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۴۴ [4] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۰۸ باب ما قیل فی الرماح الخ

اللّٰہُ سَکِیۡنَتَہٗ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ وَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ اَنۡزَلَ جُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡہَا وَ
اللہ نے اپنی طرف سے تسکین اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر اور اتاریں فوجیں جو تم نے نہیں دیکھیں اور
عَذَّبَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ؕ وَ ذٰلِکَ جَزَآءُ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ یَتُوۡبُ اللّٰہُ مِنۡۢ
مار دی کافروں کو اور یہی سزا ہے منکروں کی پھر توبہ دے گا اللہ اس کے بعد
بَعۡدِ ذٰلِکَ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۲۷﴾
جس کو چاہے اور اللہ بخشتا ہے مہربان

کے مسلمان جب جمع ہوئے تو سب نے مل کر یہ سوچا کہ اب ہم خوب لڑیں گے اب ہم پر کوئی غالب نہیں ہو سکتا حضرت کو ان کا یہ کہنا برا معلوم ہوا تھا غرض حنین کی لڑائی میں جب ہوازن اور ثقیف کے لشکر سے مسلمانوں کا مقابلہ ہوا تو کچھ ایسا خوف دشمنوں کا ان کے دل میں سمایا کہ پیچھے ہٹ گئے مفسرین کا بیان ہے کہ ایک سو تینتیس ۱۳۳ مہاجر اور ستر انصار کے سوا اس میدان میں کوئی بھی ثابت قدم نہ رہا صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے رہ گئے آپ قدم آگے ہی کو بڑھتے چلے گئے اور مسلمانوں کو پکارا کہ اے خدا اور رسول کے انصار میری طرف آؤ میں خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں اور حضرت عباسؓ کو جو آپ کی خچر کی طرف رکاب تھامے ہوئے تھے فرمایا کہ لوگوں کو پکارو حضرت عباسؓ کو یہ کام اس لئے سونپا گیا کہ حضرت عباسؓ بلند آواز تھے ان کی آواز آٹھ آٹھ میل تک جاتی تھی بہرحال لوگ رفتہ رفتہ جمع ہوتے گئے اور اللہ پاک نے انکے دل میں اطمینان پیدا کر دیا پھر تو یہ لوگ جم کر لڑے اور خدا نے آسمان سے فرشتے بھی بھیجے جن کے سبب سے کفار کے دل میں رعب پیدا ہوا اور کچھ کافر قتل ہوئے اور کچھ بھاگ گئے فرشتوں کی تعداد میں مفسرین کا اختلاف ہے بعضے کہتے ہیں پانچ ہزار تھے اور بعضوں کا قول ہے کہ آٹھ ہزار تھے مگر آیت یا کسی صحیح حدیث سے یہ بات نہیں معلوم ہوئی کہ وہ کتنے تھے ہاں صحیح طور پر اتنی بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ فرشتوں نے اس لڑائی یا اور کسی جنگ میں سوائے جنگ بدر کی لڑائی کا کام نہیں دیا اللہ تعالٰے نے انکو اسی واسطے بھیجا تھا کہ مسلمانوں کے دل قوی ہو جائیں اور کفار کے دل میں رعب پیدا ہو پھر اللہ پاک نے آیت میں یہ فرمایا کہ مسلمانوں کو تسکین عطا کر کے اور فرشتوں کی کمک بھیج کر کفار پر یہ عذاب نازل کیا کہ خوب اچھی طرح قتل ہوئے بہت سامال انکا مسلمانوں کے قبضے میں آیا اتنی غنیمت ہاتھ لگی کہ مسلمان مالدار ہو گئے کیونکہ اس قافلہ میں بارہ ہزار صرف اونٹ تھے اور بکریوں کی تو کچھ گنتی ہی نہیں ان کے علاوہ اور بہت سامال تھا لوگ گرفتار بھی بہت ہوئے عورت اور بچے ملا کر چھ ہزار آدمی قید ہوئے پھر باقی لوگ ہوازن کے مسلمان ہو کر مکہ کے قریب جعرانہ مقام میں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ نے انہیں اختیار دیا کہ خواہ اپنے قیدیوں کو لے جاؤ خواہ مال لے لو ان لوگوں نے اپنے قیدیوں کو لینا پسند کیا آپ نے ان کے قیدیوں کو انہیں دے دیا اور مال غنیمت غازیوں کو تقسیم کر دیا اور مکہ کے نو مسلم لوگوں کو تالیف قلوب کے لئے اس میں سے زیادہ مال دیا اس غنیمت میں سے ایک ایک شخص کو سو سو اونٹ ملے تھے سورہ بقر میں گذر چکا ہے کہ تابوت سکینہ کے ساتھ جو فرشتے رہتے تھے ان کی برکت سے بنی اسرائیل کے دلوں میں ایک تسکین پیدا ہو جاتی تھی یہاں مسلمانوں کے دلوں میں اللہ تعالٰی نے جدا تسکین پیدا کر دی اور علاوہ اس تسکین کے دوسری تسکین کے لئے آسمان سے فرشتے

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّمَا ٱلْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا۟ ٱلْمَسْجِدَ ٱلْحَرَامَ

اے ایمان والو مشرک جو ہیں پلید ہیں سو نزدیک نہ آویں مسجد حرام کے

بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا ج

اس برس کے بعد

بھی بھیجے ہوئے مسلمانوں کے لشکر میں اس تسکین سے پہلے ایک صورت شکست کی پیدا ہوگئی تھی اس لئے اس دوہری تسکین کا یہ انتظام فرمایا گیا جس سے مسلمانوں کے دل خوب مضبوط ہوگئے اور وہ دوبارہ خوب جم کر لڑے اس دوبارہ کی لڑائی میں مخالفوں کے بہت سے آدمی مارے گئے ان کے بال بچے قید ہوگئے اور ان کا مال لوٹ لیا گیا جس کا ذکر اوپر گذرا غرض اس سب کو مخالفوں کے کفر کی سزا فرمایا یہ پوری سزا تو انہیں کے حق میں ہوئی جن کا حالت کفر پر قتل ہونا علم الٰہی میں قرار پاچکا تھا اور جن کے نصیب میں کفر و شرک سے توبہ کا کرنا لکھا تھا ان کی جانیں بھی بچ گئیں اور انہوں نے توبہ بھی کی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے ان کی توبہ قبول بھی کی اور ان کے بال بچے بھی انکو واپس مل گئے صحیح مسلم[1] کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی توبہ کے قبول کرنے میں گنہ گاروں کے حال پر اس قدر مہربان ہے کہ اگر دنیا کی یہ مخلوق گناہ نہ کرتی تو اللہ تعالیٰ گناہ کرنے والی اور مخلوق پیدا کرتا اور پھر گناہوں کے بعد ان کو توبہ کی توفیق دیکر ان کی توبہ قبول کرتا آیت کے آخر ٹکڑے میں گنہ گاروں کی توبہ قبول ہونے کا جو ذکر ہے یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے۔

۲۸۔ اللہ پاک نے مشرکوں کے حق میں یہ حکم فرمایا کہ یہ لوگ ناپاک ہیں اس لئے سنہ ۹ ہجری کے بعد پھر یہ لوگ حرم شریف میں داخل نہ ہونے پائیں کیونکہ کفر و شرک جو انکے دلوں میں ہے وہ نجاست سے بھی بڑھ کر ہے اسلئے یہ لوگ پلید ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ مشرکوں کا بدن ناپاک ہے لیکن اس قول کی سند ضعیف ہے اسلئے قتادہ یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ اپنی پاکی اور صفائی کی احتیاط نہیں کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں سے نہیں بچتے ہیں اس لئے وہ لوگ نجاست کے ساتھ موصوف ہیں خود انکا جسم ناپاک نہیں ہے جمہور مفسرین کا قول قتادہ کے قول موافق ہے معتبر سند سے مسند امام احمد اور ابوداؤد[2] میں جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کی لڑائیوں میں مشرک لوگوں کے برتن جو کبھی مل جاتے تھے تو ان برتنوں میں کھانے پینے کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم منع نہیں کرتے تھے اس روایت سے جمہور کے اس قول کی پوری تائید ہوتی ہے کہ آیت میں مشرکوں کی نجاست سے مطلب اعتقادی نجاست ہے ظاہری نجاست نہیں ہے کیونکہ ظاہری نجاست اگر آیت میں مقصود ہوتی تو ان برتنوں میں مشرکوں کے ہاتھوں کی رطوبت کے جذب ہوجانے کے بعد پھر وہ برتن مسلمانوں کے برتنے کے قابل کیونکر رہ سکتے تھے۔ سوائے مسجد حرام کے اور مسجدوں میں مشرکوں کو آنے دینا منع ہے یا نہیں آیت میں اس کا کچھ حکم نہیں ہے اسی واسطے اس میں علماء کا اختلاف ہے جس کی تفصیل بڑی کتابوں میں ہے۔ صحیح بخاری وغیرہ میں ابوہریرہؓ کی روایت ہے جس میں یہ ہے کہ اسلام لانے سے پہلے ایک شخص ثمامہ بن اثال کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھا گیا[3] اس روایت سے ان علماء کے قول کی بڑی تائید ہوتی ہے جن کے نزدیک سوائے

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۵۵ باب سقوط الذنوب بالاستغفار والتوبۃ [2] ابوداؤد ج ۲ ص ۵۳۶ باب استعمال آنیۃ اہل الکتاب [3] صحیح بخاری ج ۱ ص ۶۶ باب الاغتسال اذا اسلم وربط الاسیر الخ

وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ إِن شَاءَ إِنَّ
اور اگر تم ڈرتے ہو فقر سے تو آگے غنی کرے گا تم کو اللہ اپنے فضل سے اگر چاہے
اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۲۸﴾
اللہ ہے سب جانتا حکمت والا

مسجد حرام کے اور مسجدوں میں مشرکوں کا آنا منع نہیں ہے۔

تفسیر ابوالشیخ ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور سعید بن جبیر وغیرہ سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جب ۹ھ میں آنحضرت نے موسم حج کے وقت حضرت علیؓ کو مکہ بھیج کر عام حکم سورہ برات کا سنوا دیا کہ آئندہ سال سے کوئی مشرک حج کو نہ آسکے اور مکہ میں انہی لوگوں کے سبب سے تجارت ہو کر اور کھانے پینے کا سامان آن کر اہل مکہ کی گذر چلتی تھی اب جب انکا حرم کا آنا بند ہو گیا تو ان کا مکہ کا سفر بھی باقی نہ رہا کیونکہ رسم جاہلیت کے موافق حج کے ارادہ سے یہ لوگ موسم حج پر مکہ کو آیا کرتے تھے اس لئے ان لوگوں کے مکہ میں نہ آنے سے مکہ کے لوگوں کو بڑا تردد ہوا کہ اب کھانے پینے کی گذر کیونکر چلے گی ۸ھ میں فتح مکہ ہو کر اکثر اہل مکہ مسلمان ہو چکے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی تسکین اور انکا تردد رفع کرنے کی غرض سے یہ آیت نازل فرمائی اور پھر جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا تھا بہت جلد اسکا سبب بھی یہ پیدا کر دیا کہ اہل یمن جو مسلمان ہو گئے تھے وہ ہر طرح کا تجارت کا سامان مکہ میں لانے لگے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو آنحضرت نے یہ حکم سنانے کی غرض سے بھیجا کہ آئندہ سال سے کوئی مشرک حج نہ کر سکے گا پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تو لوگوں کو مسائل حج سکھانے کا کام سپرد رکھا اور مشرکوں کی ممانعت حج کا حکم اور عہد کا ذکر جو اس سورہ میں ہے یہ حکم سنانے کی غرض سے خاص طور پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پیچھے حضرت علیؓ کو بھیجا اس سے بعضے لوگوں نے حضرت علیؓ کی فضیلت جو حضرت ابوبکر صدیقؓ پر نکالی ہے وہ غلط ہے کیونکہ یہ اوپر گذر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس بات کی صراحت فرمادی تھی کہ حضرت علیؓ کو آپ نے صرف اس غرض سے بھیجا تھا کہ عرب کے دستور کے موافق آپ کے ایک رشتہ دار کے ذریعہ سے عہد کا حکم مشرکوں کو پہنچ جاوے کس لئے کہ عرب کے لوگ عہد کے پیام میں رشتہ دار کا ذریعہ ہونا ضروری خیال کرتے ہیں۔ صحیح ابن حبان اور ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں جابر بن عبداللہ کی روایتیں ہیں جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص کی گذران کے ایک سہارے کچھ فتور پڑ جاوے تو اس شخص کو اس سے گھبرانا نہیں چاہئے اللہ تعالیٰ گذران کا کوئی دوسرا سہارا ضرور پیدا کر دیگا کیونکہ ہر شخص کا رزق اللہ کے ذمہ ہے اس لئے ہر شخص کا عمر بھر کا مقررہ رزق کا ایک ایک دانہ جب تک پورا نہیں ہو جاتا تو گذران کا سہارا بند ہو کر کوئی شخص نہیں مر سکتا۔ مکہ کی تجارت کا ایک ذریعہ بند ہو کر دوسرا ذریعہ جو قائم ہو گیا اس حدیث سے اسکا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے اور یہ بھی ہر شخص کی سمجھ میں آسکتا ہے کہ گذران کے ایک سہارے پر آدمی کا رزق منحصر نہیں ہے ایک سہارا اگر بند ہو جاویگا تو اللہ کی قدرت سے ضرور کوئی دوسرا سہارا پیدا ہو جاویگا جابر بن عبداللہ کی اس حدیث کو حاکم نے صحیح کہا ہے اور ابن حبان کی سند بھی معتبر ہے۔

لے تفسیر ابن جریر ج ۱۰ ص ۷۰ و تفسیر الدر المنثور ج ۳ ص ۲۲۷ ؎ الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۵ الترغیب فی الاقتصاد فی طلب الرزق ؎ الترغیب ص ۵

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ

لڑو ان لوگوں سے جو یقین نہیں کرتے اللہ پر اور نہ پچھلے دن پر نہ حرام جانیں جو حرام کیا اللہ

اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ

نے اور اس کے رسول نے اور نہ قبول کریں دین سچا وہ جو کتاب والے ہیں

۲۹- اوپر کی آیت میں مشرکوں کو حرم میں آنے سے منع فرما کر مسلمانوں کو اس بات کی تسلی دی تھی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آسودہ حال کر دیگا مشرکوں کے مکہ میں نہ آنیکا کوئی غم نہ کیا جاوے اس کے بعد اب یہ فرمایا کہ مشرکوں سے اس واسطے لڑو کہ یہ لوگ بت پرست اور قیامت کے منکر ہیں اور اہل کتاب کے حق میں یہ فرمایا کہ یہ لوگ مومن نہیں ہیں کیونکہ یہود نے عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ٹھہرایا اور نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں خدا یا خدا کا بیٹا ہونے کا گمان کیا مجاہد اس آیت کی شان نزول یہ بتلاتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت اتری ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ روم کا حکم ہوا تھا اور اسی بنا پر آپ نے غزوہ تبوک کا قصد کیا تھا اور کلبی یہ بیان کرتے ہیں یہ آیت بنی قریظہ اور بنی نضیر کے حق میں اتری ہے[1] اور آپ نے ان سے صلح کی تھی اور جزیہ مقرر کیا تھا سب سے پہلے یہی جزیہ مسلمانوں کے ہاتھ لگا تھا پھر فرمایا اگرچہ یہ لوگ اس بات کے بظاہر قائل ہیں کہ وقوع جنت ہے مگر حقیقت میں ان کا ایمان اس لئے نہیں ہے کہتے ہیں کہ جنت میں کھانا پینا کچھ نہ ہوگا تو پھر اس اعتقاد کا آدمی کیونکر مومن ہو سکتا ہے علاوہ اس کے خدا نے جن چیزوں کو حرام بتایا ہے یہ لوگ اس کو حرام نہیں سمجھتے سور کا گوشت شراب اور توریت و انجیل کا تحریف کرنا انکے نزدیک کوئی بڑی بات نہیں ہے پھر فرمایا کہ یہ اہل کتاب دین اسلام کو اختیار نہیں کرتے ہیں حالانکہ یہ دین سارے پچھلے دینوں کا ناسخ ہے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کل پہلے کے دین منسوخ ہو گئے اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں یہی قول جمہور مفسرین کا ہے باقی رہے پارسی لوگ وہ بھی اہل کتاب کے حکم میں شامل ہیں عبدالرحمن بن عوفؓ کی حدیث مسند امام احمد صحیح بخاری ابوداؤد ترمذی اور مسند شافعی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان لوگوں کے ساتھ وہی طریقہ برتو جو طریقہ اہل کتاب کے ساتھ برتنا چاہئے[2] پھر اللہ پاک نے ان لوگوں سے دین کی لڑائی کی حد جزیہ کو ٹھہرایا اور فرمایا کہ جب تک یہ لوگ جزیہ نہ دیں ان سے لڑے جاؤ جزیہ اس مال کا نام ہے جو ہر سال مشرک لوگوں سے صلح کی شرط کے طور پر واجب الادا ٹھہر جاتا ہے جزیہ کے ہاتھ سے دینے کے معنے یہ ہیں کہ بزور ان سے وصول کیا جائے یا وہ خود ہاتھوں پر رکھ کر پیش کریں مطلب یہ ہے کہ یہاں تک لڑو کہ یہ لوگ جزیہ دینے پر بخوشی رضامند ہو جائیں اور ہمیشہ بلا جبر ادا کریں عبدالرحمن بن عوفؓ کی جس حدیث کا ذکر اوپر گزرا اس کی بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ پارسی لوگوں کی بستیاں فتح ہو جانے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ کہا کرتے تھے کہ ان لوگوں سے کس شرط پر صلح قائم رکھی جاوے مجھ کو کوئی حکم اس باب میں معلوم نہیں ہوتا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ سن کر عبدالرحمن بن عوفؓ نے یہ شہادت ادا کی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہجر بستی کے پارسیوں سے جزیہ لیا ہے[3] عبدالرحمن بن عوف کی اس شہادت پر پارسیوں سے جزیہ لینے کا فیصلہ تو ہو گیا مگر یہ خدشہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے بعد بھی باقی رہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر بستی کے پارسیوں سے جزیہ لیا اور امت کے لوگوں کو یہ حکم دیا کہ پارسیوں کے

[1] دونوں شان نزول کے لئے دیکھئے فتح البیان ج ۲ ص ۲۳۲ [2] فتح الباری ج ۳ ص ۱۷ و تفسیر الدر المنثور ج ۳ ص ۲۲۹ و تفسیر فتح البیان ج ۲ ص ۲۳۴ [3] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۴۷ باب الجزیۃ والموادعۃ الخ و جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۹۲ باب فی اخذ الجزیۃ من المجوس۔

حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ

جب تک دیویں جزیہ سب ایک ہاتھ سے اور وہ بے قدر ہوں اور یہود نے کہا

عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ

عزیر بیٹا اللہ کا اور نصاریٰ نے کہا مسیح بیٹا اللہ کا یہ باتیں کہتے ہیں اپنے

ساتھ آئندہ اہل کتاب کا سا برتاؤ رکھا جاوے لیکن اس سے صاف طور پر یہ بات نہیں کھلی کہ پارسی لوگ اہل کتاب ہیں یا نہیں معتبر سند سے تفسیر عبد بن حمید میں عبد الرحمن بن ابزیٰ صحابی کی روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ پارسیوں کے اہل کتاب ہونے یا نہ ہونے کے خدشہ کو رفع کرنے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن صحابہ کو جمع کیا اور اس مسئلہ میں گفتگو شروع ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے فرمایا پارسی لوگ اہل کتاب تھے لیکن ان کے ایک بادشاہ نے اپنی بیٹی سے بدفعلی کی اس کے وبال میں ان کی آسمانی کتاب اٹھ گئی[۱] معتبر سند سے حضرت علیؓ کی یہ روایت تفسیر عبد الرزاق اور مسند امام شافعیؒ میں بھی یہ ہے لیکن اس میں بجائے بیٹی کے بہن سے بدفعلی کے کرنے کا ذکر ہے[۲] حضرت علیؓ کی روایت کی یہ شان نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے یہ مسئلہ نہ سنا ہو اور خود بخود اپنی رائے سے صحابہ کے مجمع میں یہ اپنا قول پیش کر دیا ہو اس لئے حضرت علیؓ کی اس روایت کو حدیث نبوی جان کر اس مجمع میں کے کسی صحابی نے پھر پارسیوں کی اہل کتاب ہونے پر کچھ اعتراض نہیں کیا ہجر یمن کی بستیوں میں ایک بستی بحرین کے قریب ہے صحیح بخاری و مسلم میں عمرو بن عوفؓ کی روایت ہے جس میں یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو جزیہ کی رقم لانے کے لئے بحرین بھیجا تھا[۳] اس سے بھی پارسیوں سے جزیہ کا لینا ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس وقت بحرین کے باشندے بھی اکثر پارسی لوگ تھے جمہور کے نزدیک کم سے کم مقدار جزیہ کی ہر بالغ مرد سے فی سال ایک اشرفی ہے یہ اشرفی اس وقت دس درہم کی تھی اس سے زیادہ تفصیل جزیہ کی مقدار کی بڑی کتابوں میں ہے تورات کی نبوت اشعیا کے باب میں اور دوسرے باب سفر اول میں اسی طرح انجیل لوقا کے سولویں باب میں جنت کے کھانے پینے کا اور دوزخ کے عذاب جسمانی کا ایسا ہی ذکر ہے جس طرح قرآن شریف میں ان باتوں کا ذکر آیا ہے اہل کتاب عقلی جھگڑوں سے آسمانی کتابوں کی ان باتوں کو نہیں مانتے اسی واسطے فرمایا کہ اس طرح کی عقلی باتوں کے پابند شخص کو آسمانی کتابوں کا پابند نہیں قرار دیا جا سکتا اس تفسیر میں یہ بات کئی جگہ بیان کر دی گئی ہے کہ لڑائی کا حکم اسی وقت مسلمانوں کے حق میں واجب العمل ہے کہ جب مسلمانوں کے پاس لڑائی کا پورا پورا سامان پایا جائے ورنہ ضعف اسلام اور بے سروسامانی کی حالت میں درگذر کی ان آیتوں میں عمل کرنا جو لڑائی کے حکم سے پہلے مسلمانوں کی بے سروسامانی کے وقت نازل ہوئی ہیں۔

۳۰۔ تفسیر سدی اور تفسیر کلبی میں ہے کہ جب بنی اسرائیل پر بخت نصر بابلی کا غلبہ ہوا اور اس لڑائی میں علماء بنی اسرائیل کچھ قتل ہوگئے اور کچھ قید کر لئے گئے صرف حضرت عزیرؑ باقی رہ گئے ان کی عمر کچھ زیادہ نہ تھی اس لئے ان کو کسی نے نہ مارا نہ قید کیا علماء بنی اسرائیل کا یہ حال دیکھ کر عزیر علیہ السلام روئے اور یہ کہنے لگے کہ افسوس بنی اسرائیل میں کوئی عالم باقی نہ رہا اب علم جاتا رہے گا اور اس قدر روئے کہ ان کی پلکیں گر گئیں ایک روز ان کا گزر عیدگاہ پر ہوا وہاں ایک عورت قبر پر ایک قبر کے پاس رو رو کر یہ کہہ رہی تھی کہ اے

[۱] فتح الباری ج ۳ ص ۱۷۰ [۲] تفسیر الدر المنثور ج ۳ ص ۲۲۹ [۳] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۴۷ باب الجزیۃ والموادعۃ الخ۔

بِأَفْوَاهِهِمْ ۖ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ ۚ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ

منہ سے ۔ ریس کرنے لگے ۔ اگلے منکروں کی بات کی ۔ مار ڈالے ان کو اللہ

میرے کھانا کھلانے والے اے میرے کمائی کرنے والے حضرت عزیرؑ نے اس عورت سے کہا کہ اے عورت تو یہ بتلا اس مرنے والے سے پہلے تجھے کون روٹی کپڑا دیتا تھا اس نے کہا اللہ یہ سن کر حضرت عزیرؑ نے کہا کہ پھر تجھ کو افسوس کس بات کا ہے خدا تو ہمیشہ ہی زندہ رہے گا وہ کبھی مرنے والا نہیں ہے تو کیوں روتی ہے اس عورت نے کہا کہ اے عزیر بنی اسرائیل کے علماء سے پہلے لوگوں کو کون علم سکھلاتا تھا حضرت عزیرؑ نے کہا کہ اللہ پھر اس عورت نے کہا کہ تم کس لئے ان کے مرنے سے روتے ہو اور غم کھاتے ہو اللہ اپنی مخلوق کو کسی نہ کسی طرح پھر علم سکھاویگا اس سے عزیر علیہ السلام نے جان لیا کہ یہ مجھے نصیحت کی گئی ہے پھر انہیں حکم ہوا تم نہر پر جاؤ وہاں غسل کر کے دو رکعت نماز پڑھو پھر ایک بوڑھے آدمی سے تمہاری ملاقات ہو گی وہ جو کچھ تم کو کھلاوے تم کھا لینا یہ بموجب حکم کے وہاں گئے اور نہا دھو کر دو رکعت نماز سے جب فارغ ہوئے اور بوڑھے آدمی سے ملے اس نے کہا کہ اپنا منہ کھولو انہوں نے جب منہ کھولا تو اس بڈھے نے ایک چیز مثل انگارے کے دھکتی ہوئی انکے منہ میں ڈال دی اور تین مرتبہ ایسا ہی کیا عزیر علیہ السلام جب وہاں سے واپس ہوئے تو تورات ان کو یاد ہو گئی انہوں نے بنی اسرائیل سے آکر کہا کہ میں تمہارے پاس تورات لایا ہوں وہ کہنے لگے کہ عزیر تم جھوٹے آدمی نہ تھے یہ کب سے جھوٹ بولنا اختیار کر لیا عزیر علیہ السلام نے یہ بات سن کر ساری تورات لکھ دی جب باقی بنی اسرائیل دشمن کے پھندے سے چھٹے تو اس بات کا تذکرہ ہوا ان لوگوں نے تورات کے نسخے جو پہاڑوں میں پوشیدہ رکھے تھے انکو نکال کر عزیر علیہ السلام کی لکھی ہوئی تورات سے مقابلہ کیا تو بالکل صحیح پایا اس وقت جاہلوں نے یہ بات کہی کہ عزیرؑ نے جو یہ تورات لکھ دی اس لئے کہ یہ خدا کے بیٹے ہیں[1] ورنہ اور کسی میں یہ طاقت کب تھی غرضکہ یہ بات بہت مشہور ہو گئی اور اکثر یہود ان کو خدا کا بیٹا کہنے لگے اسی طرح نصاریٰ نے جب دیکھا کہ مسیح مردوں کو جلاتے ہیں اور کوئی باپ ان کا نہیں ہے تو بعضے ان کو خدا کا بیٹا کہنے لگے اور بعضے اللہ مسیح اور مریم ان تینوں کو ملا کر خدا کہنے لگے اس لئے فرمایا کہ ان کی یہ باتیں صرف زبانی ہیں کوئی دلیل ان کے قول کی آسمانی کتابوں میں نہیں ہے جو کچھ ان کی زبان پر آیا وہ کہہ دیا جس طرح اگلے لوگوں نے کفر کیا تھا اسی طرح یہ یہود و نصاریٰ بھی کفر کرنے لگے اور بعض مفسرین نے یضاهئون قول الذين كفروا من قبل کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ نصاریٰ اسی طرح عیسے علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنے لگے جس طرح ان سے پہلے یہود نے عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہا تھا بہر حال خدا نے خفگی سے یہ فرمایا کہ خدا انہیں غارت کرے یہ کیونکر ایسی باتیں کہتے ہیں اور کس طرح راہ حق سے بھٹکتے پھرتے ہیں آسمانی کتابوں میں بہت سی دلیلیں اللہ کی وحدانیت کی ان کے پیش نظر ہیں اور بہت سی حجت اس بات پر قائم ہو چکی کہ خدا اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں نہ اس کی بی بی ہے نہ اس کا بیٹا یہ باتیں تو مخلوق کے ساتھ مخصوص ہیں خالق جل شانہ ان باتوں سے بالکل پاک ہے ذلك قولهم بافواههم اس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ یہود عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ عیسے علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا جو کہتے ہیں یہ ان کی ایک ایسی ایجادی بات ہے جس کو اپنی کتابوں سے یہ لوگ ہرگز ثابت نہیں کر سکتے اللہ سچا ہے اللہ کا کلام سچا ہے کیونکہ اصلی تورات اور انجیل میں اگرچہ اہل کتاب نے کچھ ردوبدل کر لیا ہے لیکن اس ردوبدل کے بعد بھی قرآن شریف کی پوری صداقت موجودہ تورات اور انجیل سے نکل سکتی ہے تورات سے تو یہ صداقت یوں نکل سکتی ہے کہ مثلاً

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۴۱۔

أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٣٠﴾ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ

کہاں سے پھرے جاتے ہیں ٹھہرائے ہیں اپنے عالم اور درویشوں کو خدا اللہ کو چھوڑ کر

سفر اول کے ساتویں باب اور آٹھویں باب میں جب اختلاف پایا گیا تو علماء یہود نے اپنی کتابوں میں اس بات کا صاف اقرار کر لیا کہ ان دونوں بابوں میں سے ایک باب میں عزیر علیہ السلام سے ضرور غلطی ہوئی ہے اب اس اقرار کے ساتھ انہیں یہ اقرار بھی لازم ہے کہ عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے نہ تھے کیونکہ ایسی غلطی اللہ کے بیٹے کی شان سے بہت بعید ہے انجیل سے یہ صداقت یوں نکل سکتی ہے کہ انجیل یوحنا کے ۱۷ باب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یا اللہ تو میرا معبود ہے اور میں تیرا رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس قول کے بعد جو عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتا ہے گویا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جھٹلانے کے درپے ہے اور ایسے عیسائی کے جھٹلانے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول کافی ہے حاصل کلام یہ ہے کہ شریعت موسوی اور شریعت عیسوی کی اسی طرح کی غلطیوں کو قرآن شریف میں جگہ جگہ جتلایا گیا ہے اس پر بھی اہل کتاب میں سے جو لوگ اپنی پچھلی غلطیوں پر اڑے رہیں گے عقبے میں ان کی نجات مشکل ہے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل کتاب میں سے جو شخص شریعت محمدی کی پیروی نہ کریگا اس کی نجات ممکن نہیں[1] ہے آیت میں اہل کتاب کی جو حالت بیان کی گئی ہے اس کے انجام کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اہل کتاب میں شرک کا مرض جو پھیل گیا ہے سوائے شریعت محمدی کی پیروی کے اور کوئی علاج اس مرض کا دنیا میں نہیں ہے اور جب تک دنیا میں یہ علاج نہ ہو تو عقبے کی بہبودی مشکل ہے

۳۱۔ اس آیت کی تفسیر عدی بن حاتم طائیؓ کی حدیث سے اچھی طرح ظاہر ہوتی ہے اس حدیث کو امام احمد اور ترمذی وغیرہ نے چند طریقوں سے روایت کیا ہے اگرچہ ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا[2] ہے لیکن اس حدیث کی کئی سندیں ہیں جس کے سبب سے ایک سند کو دوسری سند سے قوت ہو جاتی ہے ترمذی کی سند میں حسین بن یزید کوفی اور عفیف بن اعین ان دو راویوں میں اگرچہ بعضے علماء کو کلام ہے لیکن ابن حبان نے ان دونوں کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے اس صورت میں یہ حدیث معتبر ہے۔ عدی بن حاتمؓ اپنی قوم کے سردار تھے جب یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ یہی آیت پڑھ رہے ہیں عدی نے کہا کہ نصرانی احبار و رہبان کو تو نہیں پوجتے ہیں آپ نے فرمایا کیا احبار و رہبان نے اپنی عقل سے خدا کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام نہیں کیا اور حرام چیزوں کو حلال نہیں کیا اور نصاریٰ نے اس کو قبول نہیں کیا اور ان کی پیروی نہیں کی یہی عالم اور درویشوں کی عبادت ہوئی غرض آنحضرت نے عدی کو اسلام کی رغبت دلائی اور عدیؓ نے اسلام قبول کیا اور کلمہ حق کی شہادت دی جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی روایت[3] ہے کہ اہل کتاب نے حلال حرام میں عالم اور درویشوں کی پیروی کی اور جس کو ان کے عالموں نے حلال بتلایا ہے اسے حلال جانا اور جس کو حرام کہہ دیا اسے حرام سمجھ لیا پھر اللہ جل شانہ نے درویشوں اور عالموں کا ذکر کرکے بعد عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا کہ ان کو بھی لوگوں نے اپنا رب ٹھہرالیا کہ ان کو بھی اللہ کہنے لگے حالانکہ یہ مریم علیہا السلام کے شکم مبارک سے پیدا ہوئے اور جس طرح اور آدمی کھاتے پیتے چلتے پھرتے

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۶ باب وجوب الایمان برسالة نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم [2] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۳۶ تفسیر سورة التوبة و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۴۸ [3] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۴۹۔

وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ

اور مسیح مریم کے بیٹے کو اور حکم یہی ہوا تھا کہ بندگی کریں ایک صاحب کی کسی کی

اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾

بندگی نہیں اس کے سوا وہ پاک ہے ان کے شریک بتلانے سے

ہیں وہی حال انکا ہے جس سے یہ صاف طور پر انسان معلوم ہوتے ہیں مگر پھر بھی یہ لوگ مسیح ابن مریم کو خدا ماننے لگے پھر فرمایا کہ انکو اور کسی بات کا حکم ہی نہیں دیا گیا تھا بلکہ آسمانی کتابوں میں ان کو یہی بتلایا گیا تھا کہ نرے اللہ ہی کی عبادت کرو اور اللہ کی ذات کا کوئی شریک نہیں ہے وہ تو اکیلا ہے اور شرک سے بالکل بری ہے۔ احبار یہود کے علماء کو کہتے ہیں اور رھبان نصاریٰ کے پادریوں کو اسلامی اور عیسائی قدیمی تاریخوں میں لکھا ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے بعد جب پولس یہودی اور عیسائیوں کی لڑائی ہوئی اور اس لڑائی میں یہودیوں کا غلبہ ہوا تو نصاریٰ کے پادریوں نے اس وقت ترک دنیا کر کے جنگلوں کا رہنا اختیار کر لیا تھا اس واسطے انکا لقب درویش مشہور ہو گیا یہود اور نصاریٰ کے علماء نے بعضے حکم تورات اور انجیل کے برخلاف دے رکھے تھے جن حکموں کے سبب سے تورات اور انجیل پر عمل کرنا بند ہو گیا تھا۔ اسی واسطے فرمایا کہ جب ان لوگوں نے اللہ کے حکموں کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور پادریوں کے حکموں کو مانا تو وہی عالم اور پادری گویا ان کے خدا ہیں۔ تورات میں بدکار مرد اور عورت کے سنگسار کرنیکا حکم ہے لیکن یہود کے علماء نے تورات کے برخلاف ایسے مرد اور عورت کا منہ کالا کرنے اور کچھ کوڑے مارنے کا فتویٰ دے رکھا تھا جس پر یہود لوگ عمل کرتے تھے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرؓ اور ابوہریرہؓ کی روایتوں میں جس طرح ختنہ کرنیکا حکم ہے[1] اسی طرح تورات کے سفر احبار کے اٹھارویں باب میں بھی ختنہ کرنیکا حکم ہے اس حکم کی تعمیل میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے اپنا ختنہ جو کرایا اس کا عیسائیوں کو اقرار ہے مگر حضرت عیسےٰ اور حواریوں کے زمانہ کے بعد بعضے عیسائی علماء کی عقلی وجوہات کی بنا پر اس حکم کی تعمیل عیسائیوں میں باقی نہیں رہی۔ ان بعضے عیسائی علماء سے مقصود وہی پولس یہودی اور اس کے ساتھی ہیں یہ قصہ ایک جگہ اس تفسیر میں بیان کر دیا گیا ہے[2] کہ پولس پہلے یہودی تھا اور پھر فریب سے عیسائی ہوا اور شریعت عیسوی کے بہت سے احکام میں اس پولس کے سبب سے خرابی پڑ گئی۔ اس آیت میں یہ جو ذکر ہے کہ بعضے عیسائی لوگ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو خدا کہتے ہیں پولس کے وقت کی بعض تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں میں یہ مسئلہ بھی اسی پولس نے پھیلایا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کے علماء نے اکثر ایسے فتوے دئے جس سے تورات اور انجیل کے احکام متروک العمل ہو گئے اسی کا ذکر اس آیت میں ہے صحیح بخاری کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک حدیث سورۃ النساء میں گذر چکی ہے جس میں عبداللہ بن حذافہؓ کا قصہ ہے وہ حدیث اس آیت کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حاکموں اور علماء کی اطاعت شریعت کی حد تک جائز ہے شریعت کی حد کے باہر نہیں انجیل یوحنا کی سترھویں باب کے حوالہ سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا قول گذر چکا ہے جس میں انہوں نے اللہ کو اپنا معبود اور اپنے آپ کو اللہ کا رسول کہا ہے جو عیسائی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہیں انکے قائل کرنے کے لئے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا یہی قول کافی ہے۔

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳۱ باب الختان الخ [2] تفسیر ہذا جلد اول ص ۳۳۶

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِـُٔوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ

چاہتے ہیں کہ بجھا دیں روشنی اللہ کی اپنے منہ سے اور اللہ نہ رہے بن پورے کئے اپنی روشنی

وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ

پڑے برا مانیں منکر اسی نے بھیجا اپنا رسول ہدایت لے کر اور دین

۳۲ ، ۳۳ ۔ اللہ پاک نے اس آیت میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین مکہ کی ایک اور حالت بیان فرمائی کہ یہ سب مل کر خدا کا دین جو نہایت سچا ہے اور اس کی روشنی آفتاب سے بھی کہیں زیادہ ہے اس کو اپنی ان ایجادی باتوں سے اس طرح بجھانا چاہتے ہیں جس طرح کوئی پھونک سے چراغ کو بجھانا چاہے پھر فرمایا کہ ان کی ان باتوں سے کیا ہوتا ہے اللہ تو اپنے دین کو پھیلا کر رہے گا یہ لوگ اگر برا مانیں تو برا مانا کریں پھر اللہ پاک نے فرمایا کہ اللہ نے اپنے رسول برحق خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کو دین حق دے کر بھیجا ہے تاکہ اس دین کو تمام روئے زمین کے دینوں پر غالب کر کے ظاہر کر دے اس پر یہ مشرک برا مانیں تو مانا کریں۔ اللہ سچا ہے اور اس کا وعدہ سچا ہے اہل اسلام اور ان کے سردار جب تک شریعت الٰہی کے پابند رہے ان کے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ نے دن بدن اسلام کی روشنی کو بڑھایا مثلاً خلفائے عباسیہ میں سے ہارون رشید کے زمانہ تک اتنی شریعت کی پابندی باقی تھی کہ ہارون رشید نے جب بشر مریسی کا یہ حال سنا کہ یہ شخص قرآن شریف کے کلام ازلی ہونے کا قائل نہیں ہے تو فوراً بر سر دربار ہارون رشید نے بشر کے قتل کا ارادہ ظاہر کیا اس پابندی شریعت کی برکت بھی یہ تھی کہ جب نقفور بادشاہ روم نے صلح کے توڑنے کا خط ہارون رشید کے نام لکھا تو ہارون رشید نے فوراً نقفور پر چڑھائی کی جس میں ہارون رشید کو بہت بڑی کامیابی حاصل ہوئی اب تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ہارون رشید کی اولاد میں پابندی شریعت کا یہ حال ہو گیا کہ مامون رشید اس بشر مریسی کا معتقد ہو گیا اور اس وقت کے مشہور علماء کو اپنا ہم عقیدہ کرنا چاہا اور اس باب میں علماء کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں امام احمدؒ جیسے امام الوقت کو اسی جھگڑے میں قید کر دیا اس مامون رشید کے زمانہ میں یونانی فلسفہ کا علم اہل اسلام میں آیا اور اس فلسفہ کے سبب سے قرآن شریف کے کلام ازلی نہ ہونے کا مسئلہ اہل قبلہ میں پھیلا غرض پہلا ضعف تو لشکر بغداد میں مامون اور اس کے بھائی کی خونخوار لڑائی سے پیدا ہوا اس کے بعد علویوں کی کثرت سے بغداد پر حملے رہے اس کے بعد ابو شجاع دیلمی کے خاندان کا غلبہ بغداد اور نواح بغداد پر ۳۳۴ھ میں ایسا ہوا کہ یہ دیلمی لوگ عماد الدولہ وغیرہ بادشاہ بن گئے اور بغداد کی خلافت برائے نام رہ گئی لیکن خلفاء عباسیہ کے شرعی مسائل میں دخل دینے کا نقطہ ہی قدر نتیجہ نہیں ہوا جو بیان کیا گیا بلکہ دیلمی بادشاہت کے بعد بغداد سلجوقی خوارزمی وغیرہ بادشاہوں کا زیر دست اور برائے نام خلافت کا مستقر رہا اور سب سے آخری نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بغداد جہاں سے خلفاء عباسیہ کے بڑے بڑے لشکر دور دور چڑھائیاں کر کے جاتے تھے خلیفہ معتصم باللہ عباسی کے زمانہ میں موید الدین علقمی شیعہ وزیر کی سازش سے ۶۵۶ھ میں ہلاکو خاں تاتاری نے اسی بغداد پر چڑھائی کی جس چڑھائی سے بغداد کی خلافت کا ایسا خاتمہ ہو گیا کہ چالیس دن کے قریب تک تاتاریوں نے بغداد میں قتل عام جاری رکھا جس میں خلیفہ ان کے رشتہ دار غرض سب ملا کر لاکھ بغدادیوں سے زیادہ قتل ہوئے اور کسی بغدادی میں تاتاریوں کے ہاتھ پکڑنے تک کا حوصلہ باقی نہ رہا یہ ہلاکو خاں تولے خاں کا بیٹا اور چنگیز خاں کا پوتا ہے چنگیز خاں امیر تیمور کا رشتہ کا نانا ہوتا ہے یہ شیعہ وزیر عباسیوں کی خلافت کو مٹا کر علویوں میں خلافت کا قائم ہو جانا

الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون ﴿٣٣﴾ یایھا الذین

سچا تا اس کو اوپر کرے ہر دین سے پڑے برا مانیں مشرک اے ایمان

امنوا ان کثیرا من الاحبار والرھبان لیاکلون اموال الناس

والو بہت عالم اور درویش اہل کتاب کے کھاتے ہیں مال لوگوں کے

چاہتا تھا اور اسی ارادہ کے پورا کرنے کی غرض سے اس نے تاتاریوں سے سازش کی تھی لیکن اسکا یہ ارادہ پورا نہیں ہوا کیونکہ ہلاکو خان نے اس کے اس ارادے کو پسند نہیں کیا سازش کے سبب سے اگرچہ یہ شیعہ وزیر بغداد کے حادثہ میں بچ گیا لیکن اس حادثہ کے بعد ہلاکو خاں نے اس کو بڑی بے عزتی سے رکھا بغداد کی خلافت مٹ جانے کے بعد پھر عباسیوں کی خلافت کچھ دنوں مصر میں قائم ہوئی لیکن نہایت کمزور۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی نظر انسان کے تن بدن اور صورت شکل پر نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی نظر تو ہمیشہ انسان کے دل پر لگی رہتی ہے[1] کہ انسان نے جو کام کیا وہ دل کے کس ارادہ اور نیت سے کیا اس حدیث کو آیت کے پہلے ٹکڑے کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت کے پہلے ٹکڑے اور حدیث کو ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ اہل اسلام اور ان کے سرداروں نے جب تک خالص دل او نیک نیتی سے اسلام کی روشنی کے بڑھانے کا دل میں ارادہ رکھا اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے موافق ان ارادوں میں انہیں کامیاب کیا اور پھر جب انکے دلی اعتقاد اور نیک نیتی میں فرق آگیا تو وہ کامیابی باقی نہیں رہی اور آخر کو ان کی سلطنت میں زوال آگیا آیت کے ٹکڑے اور حدیث کے مطلب کے ساتھ خلفائے عباسیہ کی حالت کو بھی مثال کے طور پر ملالیا جاوے تو آیت کے ٹکڑے کا یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ اسلام کے آخری زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے وعدہ کا ظہور کم کیوں ہو گیا صحیح بخاری اور مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھلی شریعتوں کی مثال ادھورے مکان کی بیان کر کے پھر فرمایا ہے کہ ان شریعتوں میں جب شریعت محمدی مل گئی تو وہ مکان پورا ہو گیا[2]۔ مطلب یہ ہے کہ پچھلی شریعتوں کے غیر منسوخ احکام اور شریعت محمدی کے احکام مل جانے سے ایک پوری عمارت کی طرح یہ آخری شریعت ایسی پوری ہو گئی جس میں اب قیامت تک کسی تکمیل کی ضرورت نہیں آیت کے آخری ٹکڑے میں اور شریعتوں پر اسلام کے غالب رہنے کا جو ذکر ہے یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے اسی مطلب کو پورا کرنے کیلئے مسند امام احمد وغیرہ کے حوالہ سے جابرؓ کی صحیح حدیث جو ایک جگہ گذر چکی ہے[3] اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس آخری زمانہ میں موسیٰ علیہ السلام اگر زندہ ہوتے تو ان پر بھی اس شریعت کی پیروی لازم ہوتی۔

۳۴-۳۵- یہ اور ایک مذمت اہل کتاب کے عالموں کی بیان کی گئی ہے کہ اکثر علمائے یہود اور علمائے نصاریٰ بیچ میں جھوٹ ملا کر لوگوں کے مال کھا لیتے ہیں اور لوگوں کو راہ حق سے روکتے ہیں ناحق سے مقصد ان کی وہ کتابیں ہیں جو انہوں نے لکھ رکھی ہیں خدا نے نہیں اتاریں انہیں کتابوں کے حوالہ سے لوگوں کی مرضی کے موافق فتوے دیتے تھے اور ان فتووں کے بدلہ میں لوگوں سے مال لے کر کھاتے تھے اور ان ایجادی فتووں کے سبب سے عام لوگوں کو تورات اور انجیل کے حکم سے روکتے تھے مثلاً یہود کے علما نے جس طرح سنگساری کے حکم اور علمائے نصاریٰ نے ختنہ کے حکم سے عام لوگوں کو روکا جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے اب آگے یہ جو فرمایا

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱۷ باب تحریم ظلم المسلم الخ [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰۱ باب خاتم النبیین [3] تفسیر ہذا جلد اول حاشیہ ص ۱۴۴۔

بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ ۗ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ

ناحق اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور جو لوگ گاڑ رکھتے ہیں سونا

وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٤﴾

اور روپا اور خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں سو ان کو خوشخبری سنا دکھ والی مار کی

يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَ

جس دن آگ دہکا دیں گے اس پر دوزخ کی پھر داغیں گے اسی سے ان کے ماتھے اور کروٹیں اور

ظُهُورُهُمْ ۖ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ﴿٣٥﴾

پیٹھیں یہ ہے جو تم گاڑتے تھے اپنے واسطے اب چکھو مزہ اپنے گاڑنے کا

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ

مہینوں کی گنتی اللہ کے پاس بارہ مہینے ہیں اللہ کے حکم میں جس دن پیدا کئے

کہ جو لوگ "سونے چاندی کو گاڑتے ہیں" اس کی تفسیر میں صحابہ کا اختلاف ہے لیکن اکثر سلف کا قول یہی ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا نہ کی جاوے آیت میں اسی مال کا ذکر ہے مسند امام احمد اور صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ کی اس مضمون کی ایک حدیث[1] ہے جس سے اس قول کی پوری تائید ہوتی ہے پھر اللہ پاک نے یہ فرمایا کہ ان سارے لوگوں کو آخرت کے دن کے دردناک عذاب کی یہ خبر سنا دو کہ اس مال کو دوزخ کی آگ میں تپایا جاوے گا اور اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھ داغے جائیں گے اور کہا جائیگا لو اب مال جمع کرنے کا مزہ چکھو مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کا جسم آگے پیچھے دونوں کروٹیں گویا چاروں طرف سے داغا جاویگا۔ ابوہریرہؓ کی جس حدیث کا ذکر اوپر گزرا اس میں یہ بھی ہے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار برس کا ہے اس تمام دن میں جنتیوں کے جنت اور دوزخیوں کے دوزخ میں جانے کا فیصلہ ہونے تک زکوٰۃ کے ادا نہ کرنے والے لوگ اس قسم کے داغے جانے کی سزا میں گرفتار رہیں گے جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں جا چکیں گے تو پھر ان زکوٰۃ نہ دینے والے لوگوں کا فیصلہ ان کے باقی کے عملوں کے موافق جدا ہوگا یہ حدیث آیت کے آخری ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے کیونکہ آیت کے ٹکڑے میں جس عذاب کا ذکر ہے حدیث سے اس عذاب کی مدت معلوم ہو جاتی ہے آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ علمائے اہل کتاب اپنے مال کی زکوٰۃ بھی نہیں دیتے تھے اسی واسطے ان کے ذکر میں یہ زکوٰۃ کے نہ دینے کے عذاب کا تذکرہ فرمایا ہے۔

۳۶۔ اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ مشرکین مکہ ایام جاہلیت میں ادب کے مہینوں کی کچھ خصوصیت باقی نہیں رکھتے تھے بلکہ لڑائی کے زمانہ میں اگر محرم کا مہینہ آتا تھا تو بے دھڑک اس جنگ کو کرتے رہتے تھے اور اس کے عوض میں مثلاً صفر کے مہینہ کو محرم قرار دے لیتے تھے اسی کو نسئی بھی کہتے ہیں جس کا ذکر آگے آویگا غرضکہ اسی امر کا اللہ پاک نے ذکر فرمایا کہ خدا کے نزدیک مہینے گنتی میں بارہ ہیں محرم صفر ربیع الاول ربیع الثانی جمادی الاول جمادی الثانی رجب شعبان رمضان شوال ذی قعدہ ذی الحجہ ان مہینوں کو قمری مہینہ کہتے ہیں کیونکہ ان کا حساب چاند کی گردش سے واقع ہوتا ہے ان بارہ مہینوں کے دن سال میں تین سو پچپن (۳۵۵) ہوتے ہیں اور یہی حق اہل عرب کے

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۵۲ نیز دیکھئے مشکوٰۃ ص ۱۵۵ کتاب الزکوٰۃ فصل اول۔

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڏ فَلَا تَظْلِمُوْا

آسمان و زمین ان میں چار ہیں ادب کے یہی ہے سیدھا دین سو ان میں ظلم نہ

فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَاۗفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَاۗفَّةً ۭ وَ

کرو اپنے اوپر اور لڑو مشرکوں سے ہر حال جیسے وہ لڑتے ہیں تم سے ہر حال اور

یہاں مروج چلے آتے ہیں اور مسلمانوں کے نماز روزہ حج وغیرہ کے معاملات انہیں کے حساب سے ہوتے ہیں اور شمسی سال جس کا شمار آفتاب کی گردش سے ہے تین سو پینسٹھ دن کا ہوتا ہے اس واسطے قمری سال شمسی سال سے ہر برس دس روز کم میں تمام ہو جاتا ہے اور ہر سال میں اسی دس روز کی کمی سے قمری مہینے مختلف موسموں میں واقع ہوا کرتے ہیں اور رمضان اور بقرہ عید بلکہ کل مہینے کسی سال جاڑے میں اور کبھی گرمی میں اور کبھی برسات میں ہوتے ہیں اور اسی طرح خدا کی کتاب لوح محفوظ میں یہی حساب واقع ہے اور جبکہ خدا تعالٰے نے آسمان و زمین ساری مخلوقات کو پیدا کیا اسی وقت سے یوں ہی حساب چلا آتا ہے پھر یہ حکم فرمایا کہ ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے ادب کے ہیں ذیقعدہ ذی الحجہ محرم لگاتار اور ایک مہینہ سال کے درمیان میں رجب کا ملت ابراہیمی کے موافق ان چار مہینے کی اہل عرب نہایت ہی حرمت و عظمت کیا کرتے تھے اللہ پاک نے اس حرمت کو برقرار رکھا بلکہ اور بھی تاکید کردی کہ ان مہینوں میں گناہ کا بدلہ بھی زیادہ ہے جس طرح نیکی کا ثواب بھی ان مہینوں میں زیادہ کر دیا جاتا ہے پھر فرمایا کہ یہی دین ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام و اسمعیلؑ کا دین ہے جس کو بطور وراثت کے اہل عرب نے پایا ہے صحیح بخاری و مسلم میں ابی بکرۃؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا کہ خبردار ہو جاؤ زمانہ پھر اپنی اسی اصلی شکل پر آگیا ہے ہر ایک سال بارہ مہینہ کا ہوتا ہے ان میں چار مہینے ادب کے ہیں تین تو لگاتار ہیں ذیقعدہ ذی الحجہ محرم اور ایک رجب[1] حاصل اس حدیث کا یہ ہے کہ یہ بارہ مہینے اپنی اصلی حالت پر آگئے اور حج اسی ذی الحجہ میں ہوا کریگا اور جاہلیت کے زمانہ میں جو کفار نے نسئ کو جائز کر رکھا تھا وہ سب جاتا رہا چنانچہ آپ کا یہ حجۃ الوداع بھی ذی الحجہ میں واقع ہوا تھا پھر اللہ پاک نے فرمایا کہ ان ادب کے مہینوں میں لڑائی کی ابتدا کر کے اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو کیونکہ ان مہینوں میں معصیت کے کرنے پر سخت عتاب ہوگا حضرت عبداللہ بن عباسؓ فلا تظلموا فیہن انفسکم کی تفسیر میں یہ فرماتے ہیں کہ ان بارہ مہینوں میں سے کسی مہینہ میں اپنے نفس پر ظلم نہ کرو اس سے مقصود یہ ہے کہ انسان کبھی بھی اپنی مدت العمر میں فساد پر پیش قدمی نہ کرے مگر جمہور علماء نے اول معنے کو اختیار کیا ہے مطلب یہ ہے کہ یوں تو ہمیشہ اللہ پاک نے معصیت سے منع فرمایا ہے مگر ان چار مہینوں میں تاکید کے ساتھ منع فرمایا کہ کسی طرح کا ظلم نہ کرو۔ پھر یہ حکم فرمایا کہ جس طرح کفار تم سے قتال کرتے ہیں تم بھی ان سے قتال کرو اور یہ جان رکھو کہ خدا پرہیز گاروں کے ساتھ ہے انہیں کی مدد و نصرت کرتا ہے سورہ بقر میں گذر چکا ہے کہ صلح حدیبیہ کے موافق ہجرت کے ساتویں سال ذیقعدہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے قصد سے مکہ کا ارادہ کیا تو صحابہ کرام کے دل میں یہ خدشہ پیدا ہوا تھا کہ سال حدیبیہ کی طرح اس سال بھی اگر مشرکین مکہ نے عمرہ میں مزاحمت کی تو ذی قعدہ ادب کے مہینے میں لڑنا پڑیگا لیکن اللہ تعالٰے نے آیت اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ (۲:۱۹۴) نازل فرما کر یہ خدشہ یوں رفع فرما دیا کہ حدیبیہ کے سال جب مشرکین مکہ نے ذیقعدہ کے ادب کا

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۲ باب حجۃ الوداع و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۵۳۔

اَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۶﴾ اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْكُفْرِ یُضَلُّ

جانو کہ اللہ ساتھ ہے ڈر والوں کے یہ جو مہینہ ہٹا دینا ہے سو بڑھائی بات ہے کفر کے عہد میں

بِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ یُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا

گمراہی میں پڑتے ہیں اس سے کافر حلال گنتے ہیں اس کو ایک برس اور ادب کا گنتے ہیں ایک برس کہ پوری کر لیں گنتی

کچھ پاس نہیں کیا تو بدلہ کے طور پر تم کو بھی ذیقعدہ میں لڑائی کی اجازت ہے سورہ بقر کی آیت گویا اس آیت کی تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان چار مہینے میں لڑائی کی ابتدا سے تو ہر ایماندار کو پرہیز لازم ہے ہاں مخالف لوگ اگر ان مہینوں میں لڑائی چھیڑ بیٹھیں تو بدلہ کے طور پر لڑنے کا مضائقہ نہیں مسند امام احمد ترمذی ابوداؤد اور نسائی میں عمرو بن عبسہ کی صحیح حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صلح کی مدت کے اندر لڑائی جائز نہیں[۱] ہے فتح مکہ کے ذکر میں یہ اوپر گذر چکا ہے کہ مشرکین مکہ نے جب صلح حدیبیہ کی شرط کا پاس نہیں رکھا تو آپ نے مدت صلح کے اندر مکہ پر چڑھائی کی ان حدیثوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح صلح کا پاس لحاظ نہ رکھنے سے صلح کی مدت کے اندر لڑائی جائز ہے اسی طرح جب مخالف لوگ ان چار مہینے کی عزت وحرمت کا لحاظ نہ رکھیں تو ایسے مخالف لوگوں سے بھی ان چار مہینے کے اندر لڑائی جائز ہے۔

۳۷۔ اس آیت میں اللہ پاک نے مشرکین عرب کی یہ ایک اور گمراہی بیان فرمائی کہ اگرچہ ان لوگوں نے ان چار مہینوں کی توقیر ملت ابراہیمی سے بطور وراثت کے پائی تھی مگر اکثر عرب کے معاش اور زندگی کا دارومدار لوٹ مار پر تھا اور غارتگری سے جو کچھ حاصل ہوتا تھا اس پر گذر اوقات کیا کرتے تھے اس لئے متصل تین مہینے تک ان لوگوں کو لوٹ مار سے باز رہنا شاق گذرا اس واسطے ان مہینوں میں بھی یہ لوگ ان باتوں سے باز نہ آتے تھے اور ان مہینوں میں لوٹ مار کو انہوں نے اپنے اوپر حلال کر لیا تھا اور انکے عوض دوسرے مہینوں کو ان مہینوں کا قائم مقام کر کے چار مہینے کی گنتی پوری کر دیا کرتے تھے نسئی کے معنے تاخیر کے ہیں یہاں مطلب یہ ہے کہ مثلاً محرم کی گنتی میں تاخیر کر کے صفر کو محرم قرار دے دیا کرتے تھے یہ نسئی قبیلہ بنی کنانہ کے لوگوں نے نکالی تھی ان میں کا ایک شخص اس باب میں بہت مشہور تھا جس کا نام قلمس حذیفہ بن عبد فقیم بن عدی بن عامر تھا اہل عرب جب حج سے فارغ ہو کر اس کے پاس جمع ہوتے تھے تو یہ خطبہ پڑھتا تھا رجب اور ذی قعدہ اور ذی الحجہ کو حرام کر دیتا تھا اور ایک سال محرم کو حلال کرتا اور اس کے عوض صفر کو حرام مقرر کر دیتا تھا دوسرے سال محرم کو حرام اور صفر کو حلال کرتا تھا تاکہ چار مہینے کی گنتی پوری ہو جائے اسی کو اللہ پاک نے فرمایا کہ یہ نسئی گناہ پر گناہ ہے اور کفر میں ایک بڑی زیادتی ہے جس کے سبب سے کفار گمراہ ہو رہے ہیں اپنی خوشی سے کسی سال ایک مہینہ کو حرام کر لیتے ہیں اصل میں شیطان نے انکی نظروں میں اس کام کو اچھا کر کے دکھایا ہے مگر خداوند جل شانہ ایسے کفار کو کبھی ہدایت پر نہیں لاتا معتبر سند سے مسند بزار اور مستدرک حاکم میں ابو درداء سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حلال وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا اسی طرح حرام وہ چیز ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا[۲] مطلب یہ ہے کہ شریعت الٰہی میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی دوسرے کو کسی چیز کے حرام یا حلال ٹھہرانے کا حق نہیں ہے صحیح بخاری ومسلم کے حوالہ سے ابی بکرہؓ کی حدیث اوپر کی آیت کی تفسیر میں گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمانہ اپنی اسی اصلی شکل پر آگیا کہ سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے جس بارہ مہینے میں خاص چار مہینے ادب کے ہیں کہ ان میں لڑائی منع ہے یہ حدیث آیت کی

[۱] جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۹۱ باب ما جاء فی الغدر [۲] نیل الاوطار ج ۸ ص ۱۱۱۔

حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ۭ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْۗءُ اَعْمَالِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

جو اللہ نے رکھی ادب کی پھر حلال کرتے ہیں جو منع کیا اللہ نے بھلے دکھاتے ہیں ان کو ان کے برے کام اور اللہ راہ نہیں دیتا

الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا

منکر قوم کو اے ایمان والو کیا ہوا ہے تم کو جب کہیئے کوچ کرو

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ۭ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ

اللہ کی راہ میں ڈہے جاتے ہو زمین پر کیا ریجھے دنیا کی زندگی پر آخرت

گویا تفسیر ہیں جس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ جب شریعت الٰہی میں سوائے اللہ تعالےٰ کے کسی دوسرے کو حرام حلال ٹھہرانے کا حق نہیں ہے تو عرب کے مشرکوں نے بیٹھے کے مٹا دینے کی جو رسم ٹھہر رکھی تھی جس سے خلاف مرضی لڑائی کی ممانعت کے مہینوں میں یہ لوگ لڑائی ٹھان لیتے تھے اور سوائے ذی الحجہ کے اور مہینوں میں حج کو ڈال کر لوگوں کے حج کو بے موسم کر دیتے تھے مکہ میں اسلام پھیل جانے کے بعد اب وہ جاہلیت کی رسم قائم نہیں رہ سکتی بلکہ اسلام کے بعد تو مہینوں کی وہی گنتی قائم رہے گی جو زمین و آسمان کے پیدا کرنے کے وقت اللہ تعالےٰ نے قرار دی ہے کیونکہ لڑائی کی ممانعت کے اس طرح کے چار مہینے شریعت الٰہی میں نہیں ہیں کہ بارہ مہینے میں جونسے چار مہینے یہ لوگ چاہیں مقرر کر لیں بلکہ وہ خاص چار مہینے ہیں جن کو زمین و آسمان کے پیدا کرنے کے وقت اللہ تعالےٰ نے اپنی خاص حکمت سے انہیں پر مقرر ٹھہرایا ہے ان لوگوں کو اللہ کی حکمت کا حال تو معلوم نہیں پھر ان لوگوں نے شیطان کے بہکانے سے یہ حیلہ جو نکال رکھا ہے کہ جس سال چاہتے ہیں صفر کو محرم کی جگہ گن لیتے ہیں اور محرم کو صفر کی جگہ یہ حیلہ ان لوگوں کا اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ احکام الٰہی کے منکر ہیں اور ایسے منکر لوگوں کو زبردستی راہ راست پر لانا انتظام الٰہی کے برخلاف ہے۔

۳۸-۳۹- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ رجب ۹ہجری میں غزوہ تبوک کا ارادہ کیا تبوک شام کی طرف ایک جگہ ہے جو دمشق کے راستہ پر مدینہ سے چودہ منزل پر واقع ہے اس وقت گرمی بڑی سخت پڑ رہی تھی اور موسم بھی ایسا تھا کہ درخت پھلوں سے لدے پڑے تھے آپ نے بڑے سفر کا یہ ارادہ کیا تھا اس لئے پہلے سے لوگوں کو طیار ہونے کو کہا اکثر لوگ آپ کے ساتھ ہو گئے اور تھوڑے سے اپنے گھروں میں رہ گئے آپ کے ساتھ نہیں گئے انہیں لوگوں کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا کہ اے ایماندار و تم اللہ اور رسول پر ایمان لا کر پھر اللہ کے رسول کے حکم سے سرتابی اور دین کی لڑائی میں شریک ہونے سے سستی کرتے ہو اور حیلے بہانے کر کے فقط ان خیالات سے گھروں میں بیٹھ رہے ہو کہ گرمی سخت ہے اور دور دراز کا سفر ہے اور مدینہ میں درخت بار دار ہو رہے ہیں جن کی خبر گیری ضرور ہے پھر فرمایا کہ کیا تم لوگ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو بہتر جانتے ہو کیا تم نہیں جانتے کہ دنیا فانی ہے اس کی نعمتیں ہمیشہ باقی نہیں رہیں گی تو پھر یہ دنیا کیونکر آخرت کے مقابل ہو سکتی ہے آخرت کی نعمتیں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی ہیں اس واسطے دنیا کا مال متاع عقبےٰ کی نعمتوں کے آگے محض حقیر و بے حقیقت ہے اس آیت میں اللہ پاک نے صاف طور پر دین کی لڑائی کو ان لوگوں کے حق میں ہر وقت میں واجب ٹھہرایا جن کو اللہ کے رسول نے لڑائی پر چلنے کا حکم دیا تھا اسی واسطے اس کے بعد یہی فرمایا کہ اگر تم کسی دین کی لڑائی میں پیچھے رہ جاؤ گے اور شریک نہ ہو گے تو تم پر سخت سخت عذاب آنے لگیں گے آخرت میں بھی عذاب کئے جاؤ گے اور دنیا میں بھی طرح طرح کی مصیبتیں اٹھاؤ گے قحط پڑنے لگے گا بارش نہیں ہو گی بھوک و پیاس کے

الاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ

چھوڑ کر سو کچھ نہیں دنیا کا برتنا آخرت کے حساب میں مگر تھوڑا اگر نہ نکلو گے تم کو دے

عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى

کا دکھ کی مار اور بدل لا دے گا اور لوگ تمہارے سوا اور کچھ نہ بگاڑو گے اس کا اور اللہ سب

مارے تمہاری جانیں تلف ہونے لگیں گی حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس غزوہ میں عرب کے تھوڑے سے آدمی حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تھے اللہ پاک نے ان سے پانی کو روک لیا کال کا سامنا ہو گیا یہی عذاب تھا جس کا ذکر اس آیت میں فرمایا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ روایت ابو داؤد وغیرہ میں[1] ہے اگرچہ ابو داؤد اور منذری نے اس حدیث کی سند پر سکوت اختیار کیا ہے لیکن اس حدیث کی سند میں ایک راوی نجدہ بن نفیع ہے جس کو بعضے علماء نے نامعلوم الحال لکھا ہے اس واسطے آیت میں جس عذاب کا ذکر ہے اس کی خصوصیت کسی خاص عذاب کے ساتھ نہیں کی جا سکتی۔ پھر عذاب کے بعد دوسری بات بیان فرمائی کہ اللہ تم لوگوں کا محتاج نہیں ہے اسے تو بہت بڑی قدرت حاصل ہے اگر تم اللہ کے رسول کا ساتھ نہ دو گے تو تمہاری جگہ وہ دوسری قوموں سے کام لے گا اور وہ لوگ اللہ کے رسول کا ساتھ دیں گے اور خدا اور رسول کو تم کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے ہو کیونکہ اللہ کو ہر طرح کی قدرت حاصل ہے تم نہیں اور سہی اور نہیں اور سہی غرضکہ وہ اپنے رسول سے مدد کا وعدہ کر چکا ہے اس کو ضرور پورا کر کے رہے گا۔ اگرچہ صحیح بخاری میں اس تبوک کی لڑائی کا باب[2] حجۃ الوداع کے بعد ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس کو کاتب کا سہو ٹھہرا کر یہ کہا ہے کہ سب کے نزدیک تبوک کی لڑائی حجۃ الوداع کے پہلے ۹ھ کے ماہ رجب میں[3] ہے اس لڑائی میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اپنا جانشین مقرر کر کے مدینہ میں چھوڑا تھا جس کا ذکر آگے آتا ہے یہ حضرت علیؓ کا قصہ صحیح بخاری میں سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت سے[4] ہے اس لڑائی میں دو سو اونٹوں کی اور بعضی روایتوں میں تین سو اونٹوں اور ہزار اشرفی نقدی کی مدد حضرت عثمانؓ نے لشکر اسلام کو دی ہے جس کی معتبر روایتیں مسند امام احمد ترمذی اور مستدرک حاکم میں ہیں[5] جس سبب سے[6] یہ لڑائی پیش آئی اس کی تفصیل طبرانی کی عمران بن حصینؓ کی روایت سے[7] آگے آتی ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے مستورد بن شداد حجازی کوفی کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عقبٰے کی نعمتوں کی مثال ایک دریائی اور دنیا کی نعمتوں کی مثال ایک قطرہ کی فرمائی[8] ہے آیت میں عقبٰے کی نعمتوں کے مقابلہ میں دنیا کی نعمتوں کو تھوڑا جو فرمایا ہے اس کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ابو داؤد میں جو روایت ہے کہ آیت الا تنفروا یعذبکم عذابا الیما اس سورت کی آیندہ کی آیت وما کان المومنون لینفروا کافۃ سے منسوخ ہے[9] اس روایت کی سند میں ایک راوی علی بن الحسین بن واقد کے ثقہ ہونے میں بعضے علماء کو کلام ہے اس واسطے حافظ ابو جعفر ابن جریر نے اپنی تفسیر[10] میں اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں[11] یہی فیصلہ کیا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ یہ آیت خاص

[1] ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳۹ باب فی نسخ نفیر العامۃ بالخاصۃ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۳ باب غزوۃ تبوک الخ [3] فتح الباری ج ۴ ص ۸۸ [4] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۲۶ مناقب علیؓ ابن ابی طالب الخ [5] جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۱۱ مناقب عثمان بن عفان [6] مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۹۱ باب غزوۃ تبوک ومشکوٰۃ ص ۵۶۱ باب مناقب عثمان [7] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۵۸ [8] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۴ باب فناء الدنیا و بیان الحشر الخ [9] ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳۹ باب فی نسخ نفیر العامۃ بالخاصۃ [10] تفسیر ابن جریر ج ۱۰ ص ۱۳۵ طبع جدید [11] فتح الباری ج ۳ ص ۱۰۱ شرح باب وجوب النفیر وما یجب من الجہاد الخ

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۹﴾ إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ

چیز پر قادر ہے اگر تم نہ مدد کرو گے رسول کی تو اس کی مدد کی ہے اللہ نے جس وقت اس کو نکالا کافروں

كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ

نے دو جان سے جب دونوں تھے غار میں جب کہنے لگا اپنے رفیق کو تو غم نہ کھا

ان لوگوں کے حق میں ہے جن کو اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے تبوک کی لڑائی پر چلنے کا حکم دیا تھا اور پھر بھی وہ لوگ سستی کر کے نہیں گئے اور آئندہ کی آیت عام صحابہ کے حق میں ہے آیت کے ٹکڑے یایھا الذین امنوا اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض سے حافظ ابو جعفر ابن جریرؒ اور حافظ ابن حجرؒ کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے کیونکہ آیت کے اس ٹکڑے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ خفگی انہیں لوگوں پر ہے جن کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑائی میں چلنے کا حکم دیا تھا اور پھر بھی وہ لوگ سستی کر کے اس لڑائی میں نہیں گئے ویستبدل قوما غیرکم کی تفسیر بعضے سلف نے اہل فارس کو ٹھہرایا ہے اور بعضوں نے اہل یمن کو لیکن آگے کی آیت میں فرشتوں کی مدد کا ذکر ہے اس لئے سلف میں سے جو مفسرین آیت کی تفسیر کسی خاص قوم کو نہیں ٹھہراتے ان کا قول قوی معلوم ہوتا ہے۔

۴۰۔ جب تبوک کی لڑائی کے وقت موسم گرمی کی سختی اور سفر کی درازی کے سبب سے بعضے اہل مدینہ نے آنحضرت کے ساتھ سفر کو ٹال دیا تو اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اس آیت میں ہجرت کے وقت کا ذکر فرما کر لوگوں کو یہ تنبیہ کر دی کہ اگر تم لوگ نبی وقت کی مدد میں کوتاہی کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کا محتاج نہیں جس طرح اس نے اپنے نبی کی مدد ہجرت کے وقت کی ہے اب بھی وہ مدد کرے گا ہجرت کا قصہ ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایتوں سے صحیح بخاری میں بصراحت مذکور[1] ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے آنحضرتؐ نے یہ خواب دیکھا تھا کہ دو پہاڑوں کے بیچ میں کنکریلی زمین ہے اور اس سرزمین پر کھجوریں بہت ہیں وہاں ہجرت کا حکم ہوا ہے آنحضرتؐ کا یہ خواب سن کر کچھ لوگ مدینہ کو اور کچھ حبشہ کو چلے گئے جب حضرت ابو بکر صدیقؓ کو کفار نے بہت تنگ کیا اور انہوں نے اپنے گھر کے صحن میں ایک چبوترہ مسجد کی طرح جو بنا لیا تھا اس پر نماز پڑھنے اور تلاوت قرآن سے ان کو منع کیا تو انہوں نے بھی مدینہ کا قصد کیا لیکن آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا تھوڑے دنوں تامل کرو شاید مجھ کو بھی ہجرت کا حکم ہو جائے ایک روز خلاف عادت ٹھیک دوپہر کو آنحضرت حضرت ابو بکر صدیقؓ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھ کو مدینہ کی ہجرت کا حکم ہو گیا حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کہا مجھ کو بھی ساتھ لے چلئے آپ نے فرمایا اچھا حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کہا میرے پاس دو اونٹنیاں ہیں ایک آپ لے لیجئے آپ نے فرمایا ہاں وہ اونٹنی قیمت سے میں لیلوں گا پھر حضرت ابو بکرؓ اور آنحضرتؐ جبل ثور کے غار میں تین راتیں رہے حضرت ابو بکرؓ کا ایک غلام عامر بن فہیرہؓ اسی جنگل میں بکریاں چرایا کرتا تھا اور اندھیرے کو وقت کچھ بکریوں کا دودھ لا کر آنحضرتؐ اور ابو بکر صدیقؓ کو پلا جاتا تھا پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مدینہ تک ایک شخص کو راہبر مقرر کیا وہ دونوں اونٹنیاں لے کر چوتھے روز غار پر آیا آنحضرتؐ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ اونٹنیوں پر سوار ہوئے اور عامر بن فہیرہؓ اور وہ راہبر پیدل ساتھ ہوئے اور مدینہ کو دریا کے کنارہ کے راستہ سے روانہ ہوئے جس رات کو آنحضرتؐ پہلے پہل مکہ سے نکل کر غار میں رہے اس صبح کو کفار مکہ نے آپ کی تلاش میں آپکا پیچھا بھی کیا یہاں تک

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۵۱۔۔۔ ۵۵۵ باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ

اللّٰہَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ وَاَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا

اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر اللہ نے اتاری اپنی طرف سے تسکین اس پر اور مدد کو بھیجیں اس کے وہ فوجیں کہ تم نے

وَجَعَلَ کَلِمَۃَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا السُّفْلٰی وَکَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا وَاللّٰہُ

نہیں دیکھیں اور نیچے ڈالی بات کافروں کی اور اللہ کی بات ہمیشہ اوپر ہے اور اللہ

کہ جب غار کے قریب یہ لوگ آئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ان کفار کے قدم غار میں سے نظر آئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بڑا اندیشہ ہوا لیکن آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تسکین کی اور فرمایا کہ اندیشہ کی کوئی بات نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے اسی کا ذکر اللہ تعالیٰ نے آیت میں فرمایا ہے اسی واسطے علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صحابیت کا منکر قرآن کا منکر اور کافر ہے[1] اور صحابہ کے صحابی ہونے کا منکر بدعتی ہے حضرت عمرؓ کی روبرو جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ذکر کیا کرتا تو حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ ان کی ایک غار کی رات پر اور زکوٰۃ کے منکرین سے جو انہوں نے جہاد کیا ہے اس دن پر غرض ان دونوں میں سے ایک پر عمرؓ کی ساری عمر کی عبادت تصدق ہے غار سے روانہ ہونے کے بعد کفار مکہ نے آنحضرتؐ یا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مارنے یا پکڑ کے لانے والے کا انعام سو سو اونٹ قرار دئے تھے اس لالچ سے ایک شخص سراقہ بن جعشم نے گھوڑے پر چڑھ کر آپ کا پیچھا کیا اور جب آپ کے قریب پہنچا تو اسکا آدھا گھوڑا زمین میں دھنس گیا جب اس نے پکار کر آنحضرتؐ سے امان مانگی تو اسکا گھوڑا نکلا وہ خالی شرمندہ ہو کر واپس آیا مدینہ پہنچکر پہلے آپ بنی عمرو بن عوف میں دس روز کے قریب رہے اور مسجد قبا بنائی اور پھر مدینہ کے اندر اونٹنی پر تشریف لے گئے مسجد نبوی جہاں ہے یہاں آن کر وہ اونٹنی بیٹھ گئی آپ نے فرمایا ان شاء اللہ تعالیٰ یہی مقام کی جگہ ہے پھر وہ جگہ خرید کر وہاں مسجد نبوی بنائی اس قصہ میں بجائے غار ثور کے غار حرا کا نام جو بعضی روایتوں میں آیا ہے وہ کسی راوی کی غلطی سے ہے کیونکہ صحیح بخاری کی حضرت عائشہؓ کی روایت میں صاف غار ثور کا نام موجود ہے[2] تفسیر ابن مردویہ وغیرہ میں معتبر سند سے جو روایتیں ہیں ان میں ہے کہ حضرت عائشہؓ جب کسی کو اس قصہ میں غار حرا کا نام لیتے ہوئے سنا کرتی تھیں تو اس کو جھٹلایا کرتی تھیں کہ اس قصہ میں غار ثور کا نام صحیح ہے[2] اس سے معلوم ہوا کہ یہ غلطی تابعیوں کے زمانہ سے شروع ہوئی ہے صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی روایت ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ جب مشرکین مکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں ثور پہاڑ پر چڑھے تو میں نے مشرکوں کے قدم غار میں سے دیکھ لئے تو مجھ کو بڑا اندیشہ ہوا جب میں نے اپنا یہ اندیشہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپ نے میری تسکین کی اور فرمایا کچھ اندیشہ کی بات نہیں اللہ ہماری مدد کو موجود ہے[3] یہ حدیث اذیقول لصاحبہ لاتحزن ان اللہ معنا کی گویا تفسیر ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ادھر تو اللہ کے رسول نے ابوبکر صدیقؓ کی تسکین کی اور ادھر اللہ تعالیٰ نے ابوبکر صدیقؓ کے دل میں ایک طرح کی تسکین پیدا کر دی جس سے ان کی پریشانی جاتی رہی محمد بن شہاب زہریؒ سب علماء کے نزدیک ایک جلیل القدر ثقہ تابعی ہیں صحاح کی سب کتابوں میں ان کی روایتیں ہیں انہی زہریؒ کا قول ہے کہ غار ثور کے منہ پر کبوتروں نے انڈے دئے تھے اور مکڑی نے جالا پور دیا تھا جس سے مشرکین مکہ کے دل میں یہ خیال بالکل باقی نہیں رہا تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس غار کے اندر ہیں ابن شہاب زہریؒ کے اس قول کی تائید

[1] یعنی سابقہ روایت [2] تفسیر الدر المنثور ج ۳ ص ۲۴۱ [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۷۲ باب قولہ ثانی اثنین الخ

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٤٠﴾ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ

زبردست ہے حکمت والا ۔ نکلو ہلکے اور بوجھل اور لڑو اپنے مال اور جان سے

انس بن مالکؓ اور زید بن ارقمؓ صحابیوں کے قول سے بھی ہوتی ہے کیونکہ مختصر طور پر ان صحابیوں کے قول بھی ابن شہاب کے موافق ہیں وایدہ بجنود لم تروھا کی تفسیر میں اکثر سلف نے لکھا ہے کہ جب تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس غار میں تھے اس وقت تک اللہ تعالے نے اس غار کے گرد اگرد فرشتے تعینات کر دیئے تھے ان فرشتوں کی تعیناتی کے سبب سے ایک تو مشرکوں کے دلوں پر ایسا رعب چھا گیا تھا کہ اس غار کے اندر جھانک کر کسی نے نہیں دیکھا دوسرے اگر کوئی مشرک دور سے بھی غار کی طرف دیکھتا تھا تو وہ فرشتے اس مشرک کی آنکھوں کے سامنے اپنے پروں کی آڑ کر دیتے تھے جس سے غار کے اندر تک کسی مشرک کی نگاہ نہیں پہنچ سکتی تھی سلف کے اس قول میں غار میں رعب کے پیدا ہو جانے کا جو ذکر ہے اس کی تائید تو اصحاب کہف کے قصہ سے ہوتی ہے کہ اس غار میں بھی اللہ تعالے نے ایسا رعب پیدا کر دیا ہے کہ اس غار کو جھانک کر کوئی شخص نہیں دیکھ سکتا چنانچہ یہ اصحاب کہف کا قصہ سورہ کہف میں تفصیل سے آویگا فرشتوں کے پروں کے آڑ کر دینے کی تائید اسماؓ بنت ابی بکر صدیقؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے جو معتبر سند سے حلیہ ابو نعیم میں ہے حاصل اس روایت کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں ثور پہاڑ پر جو مشرک چڑھے تھے ان میں کا ایک شخص غار کے منہ کے سامنے پیشاب کو بیٹھ گیا تھا اس کی یہ حالت دیکھ کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے فرمایا ان مشرکوں کی آنکھوں کے سامنے فرشتوں نے اپنے پروں کی آڑ کر دی ہے جس سے ان لوگوں کی نگاہ غار کے اندر تک نہیں پہنچتی ورنہ اس طرح بے پردہ یہ شخص ہمارے روبرو پیشاب کو نہ بیٹھ جاتا[1] وجعل کلمۃ الذین کفروا السفلے وکلمۃ اللہ ھی العلیا کی تفسیر حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے صحیح قول کے موافق یہ ہے کہ اپنی زبردست حکمت سے اللہ تعالے نے دن بدن شرک کو گھٹایا اور توحید کو بڑھایا ۔ صحیح بخاری میں عبد اللہ بن مسعودؓ سے اور صحیح مسلم میں ابو ہریرہؓ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ فتح مکہ کے دن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مشرکین مکہ کے بتوں کو لکڑیاں مار مار کر گراتے جاتے تھے اور جاء الحق وزھق الباطل فرماتے جاتے تھے[2] جس کا مطلب یہ ہے کہ اب مکہ میں توحید پھیلی اور شرک یہاں سے گیا آیت میں شرک کے گھٹنے اور توحید کے بڑھنے کا جو ذکر ہے یہ حدیثیں گویا اس کی تفسیر ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ توحید کے غلبہ نے مشرکوں کو یہاں تک بے بس کر دیا کہ انہوں نے اپنے جھوٹے معبودوں کی ذلت اپنی آنکھوں سے دیکھی اور ان کی کچھ حمایت نہ کر سکے ۔

۴۱ ۔ اس آیت میں اللہ پاک نے جہاد میں جانے کا حکم فرمایا کہ تم کسی حال میں ہو خواہ تم پر جہاد ہلکا ہو خواہ بھاری ہو تم اپنی جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو مفسرین کے قول خفافا وثقالا کی تفسیر میں بہت مختلف ہیں لیکن صحیح تفسیر وہی ہے جو تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے صحیح قول کے حوالہ سے ہے کہ جن لوگوں کو اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم لڑائی پر جانے کا حکم دیں ان لوگوں کا دل خواہ چاہے یا نہ چاہے لیکن ان کو اللہ کے رسول کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیے[3] اور ہر سمجھ دار کو

---

[1] تفسیر الدر المنثور ج ۳ ص ۲۴۰ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۸۶ باب قولہ وقل جاء الحق وزھق الباطل الخ ۔

[3] تفسیر الدر المنثور ج ۳ ص ۲۴۶ ۔

فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

اللہ کی راہ میں یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم کو سمجھ ہے

یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ کے رسول کی فرمانبرداری میں اس کی بہتری ہے کیونکہ اس طرح کے لوگ اگر شہید ہو گئے تو جنت میں جاویں گے اور اگر صحیح و سلامت رہے تو عقبےٰ میں اللہ انہیں اجر دیگا اور دنیا میں مال غنیمت جدا حاصل ہوگا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح بخاری و مسلم میں ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص محض خدا اور رسول کی فرمانبرداری کے طور پر دین کی لڑائی میں شریک ہوتا ہے اس کا خدا ضامن ہو جاتا ہے اگر وہ واپس آیا تو اجر و غنیمت لے کر پھر آیا شہید ہوا تو جنت میں داخل ہوگا[1] یہ حدیث ذالکم خیر لکم ان کنتم تعلمون کی گویا تفسیر ہے جس سے دین دنیا کی بہتری کا حال اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے جو علماء اس بات کے قائل ہیں کہ جہاد تو خود فرض کفایہ ہے لیکن اللہ کے رسول یا اللہ کے رسول کے قائم مقام جن لوگوں کو لڑائی پر جانے کا حکم دیں تو ان لوگوں کے ذمہ لڑائی پر جانا فرض عین ہو جاتا ہے۔ ان آیتوں کی ترتیب سے ان علماء کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے کیونکہ پہلے اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں پر خفگی فرمائی جو حکم کے بعد بھی لڑائی پر نہیں گئے اور پھر اس آیت میں لڑائی پر جانے کی تائید فرمائی اس ترتیب سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں پر اوپر کی آیت میں خفگی فرمائی تھی اس آیت میں یہ تاکید بھی ان ہی لوگوں کو فرمائی ہے صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ اب ہجرت تو باقی نہیں رہی ہاں خالص نیت سے دین کی لڑائی باقی ہے اس لئے جن لوگوں کو دین کی لڑائی کا حکم دیا جاوے انہیں اس حکم کی تعمیل ضرور ہے[2] حاصل اس حدیث کا یہ ہے کہ جس طرح فتح مکہ سے پہلے ہجرت کا سفر فرض تھا اسی طرح فتح مکہ کے بعد دین کی لڑائی کے لئے سفر کرنا ان لوگوں پر فرض ہے جن کو دین کی لڑائی پر جانے کا حکم دیا جاوے ہجرت سے پہلے سفر ہجرت کے فرض عین ہونے میں سب علماء متفق ہیں اس واسطے اس صحیح حدیث کے موافق یہی مسئلہ صحیح قرار پاتا ہے کہ جن لوگوں کو اللہ کے رسول دین کی لڑائی پر جانے کا حکم دیتے تھے ان کے حق میں لڑائی پر جانا فرض عین تھا اور باقی لوگوں کے حق میں فرض کفایہ معتبر سند سے ابوداؤد اور صحیح ابن حبان میں ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یمن سے ایک شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے جہاد میں جانے کی اجازت چاہی آپ نے اس شخص سے پوچھا کہ یمن میں تیرا کوئی رشتہ دار ہے اس شخص نے جواب دیا یمن میں میرے ماں باپ ہیں یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ پہلے اپنے ماں باپ سے جہاد میں جانے کی اجازت حاصل کر لے پھر جہاد میں جانے کا قصد کیجیو[3] اس حدیث سے اکثر علماء نے یہ بات نکالی ہے کہ ماں باپ کی خدمت فرض عین ہے اور جہاد فرض کفایہ ہے اسی واسطے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بغیر اجازت ماں باپ کے جہاد پر جانے کی اجازت اس شخص کو نہیں دی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ان آیتوں کی ترتیب اور صحیح حدیثوں کے موافق انہیں علماء کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ جہاد خود تو فرض کفایہ ہے لیکن شرعی سردار جن لوگوں کو جہاد کا حکم دے ان پر فرض عین ہو جاتا ہے اس صحیح قول کے موافق آیت کی صحیح تفسیر وہی ہے جو اوپر بیان کی گئی فرض عین وہ ہے جس کا ادا کرنا

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۹۱ باب افضل الناس مومن مجاہد الخ و ج ۱ ص ۴۴۰ باب قول النبی صلے اللہ علیہ وسلم احلت لکم الغنائم الخ [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۳۳ باب لا ہجرۃ بعد الفتح [3] ابوداؤد ج ۱ ص ۳۴۲ باب فی الرجل یغزو وابواہ کارھان۔

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ

اگر کچھ مال ہوتا نزدیک اور سفر ہلکا تو تیرے ساتھ چلتے لیکن دور نظر آئے ان کو

الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُونَ

طرف اور اب قسمیں کھاویں گے اللہ کی کہ ہم مقدور رکھتے تو نکلتے تمہارے ساتھ وبال میں ڈالتے

أَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكٰذِبُونَ ﴿۴۲﴾ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ أَذِنْتَ

ہیں اپنی جان اور اللہ جانتا ہے وہ جھوٹے ہیں اللہ بخشے تجھ کو کیوں رخصت دی

ع ۶ ۱۲

ہر مسلمان کے ذمہ لازم ہے مثلاً جیسے پنجگانہ نماز فرض کفایہ وہ ہے جس کو بعضے مسلمان بھی ادا کر لیویں تو سب مسلمانوں کے ذمہ سے اس کا بوجھ اتر جاوے جیسے مثلاً جنازہ کی نماز۔

۴۲۔ اوپر ان مسلمانوں کا ذکر تھا جو فقط سستی سے لڑائی میں نہیں گئے اس آیت میں ان منافقوں کا حال ہے جو منافق اپنے نفاق کے سبب سے جھوٹے عذر کر کے غزوہ تبوک میں شریک نہ ہوئے اور گھروں میں بیٹھ رہے ان کے حق میں فرمایا کہ یہ لوگ اس خیال سے رہ گئے کہ دور دراز کا سفر ملک شام کی طرف کرنا پڑے گا اور وہاں غنیمت کا مال خدا جانے ملے یا نہ ملے غرض کہیں نزدیک جانا ہوتا اور غنیمت بھی آسانی سے دستیاب ہوتی تو یہ لوگ تمہارے ساتھ جاتے مگر لمبے سفر کو انہوں نے مشقت خیال کیا پھر یہ فرمایا کہ جب تم مدینہ کو واپس جاؤ گے تو قسمیں کھا کھا کر یہ لوگ عذر بیان کریں گے کہ ہمارے پاس راہ خرچ نہیں تھا اس واسطے ہم جہاد میں نہیں شریک ہوئے پھر فرمایا کہ یہ لوگ جھوٹ بول بول کر اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنا چاہتے ہیں کیونکہ خدا خوب جانتا ہے کہ یہ لوگ اپنے قول میں جھوٹے ہیں انہیں جہاد میں شریک ہونے سے کوئی امر مانع نہ تھا ان کے پاس بہت کچھ تھا مگر جھوٹ بول کر پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں۔

شقہ وہ سفر ہے جس میں مشقت زیادہ ہو گرمی کے موسم میں یہ دور کا سفر بڑی مشقت کا سفر تھا اس لئے اس کو شقہ فرمایا شاہ صاحب نے شقہ کا ترجمہ طرف کے لفظ سے جو کیا ہے اس سے مقصود سفر کا آخری سرا اور کنارہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس مشقت کے سفر کا آخری کنارہ ان لوگوں کو دور معلوم ہوا صحیح بخاری اور مسلم میں عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جھوٹ بولنا منافق کی نشانی ہے[1] انہی عبداللہؓ سے صحیح بخاری میں روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی قسم کھانے کو کبیرہ گناہ فرمایا ہے[2] یہ حدیثیں یھلکون انفسھم کی گویا تفسیر ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ ایک تو ان لوگوں نے اپنے عذروں سے جھوٹ بول کر اپنی منافقانہ عادت ظاہر کی اور پھر جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے آپ کو کبیرہ گناہ میں مبتلا کیا اس طرح سے گناہ پر گناہ کر کے ان لوگوں نے اپنی جان کو عقبیٰ کی ہلاکت میں پھنسایا۔

۴۳۔ جس طرح بدر کے قیدیوں سے وحی کے نازل ہونے سے پہلے آنحضرت نے فدیہ لیا اور اس پر اللہ تعالیٰ کی خفگی کا حکم آیا اسی طرح تبوک کی لڑائی کے وقت جن منافقوں نے بناوٹ کے عذر آنحضرت کے روبرو پیش کئے اور آپ نے ان لوگوں کو مدینہ میں رہ جانے کی پروانگی دے دی اس پر خفگی کا حکم نازل ہوا مگر یہ خفگی کا حکم ایسا پیار کا ہے کہ جس میں خفگی سے پہلے معافی کا ذکر ہے

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰ باب علامة المنافق [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۸۷ باب الیمین الغموس الخ۔

لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾

تو نے ان کو جب تک معلوم ہوتی تجھ پر جنہوں نے سچ کہا اور جانتا تو جھوٹوں کو

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا

نہیں رخصت مانگتے تجھ سے جو لوگ یقین رکھتے ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر اس سے کہ لڑیں

خفگی کا حاصل یہ ہے کہ پروانگی میں اس قدر جلدی نہ کرنی تھی بلکہ فرا عذروں کی دریافت کرنی تھی تاکہ معلوم ہو جاتا کہ کس کس کے عذر سچے ہیں اور کس کس کے بناوٹی بعضے مفسرین نے اس آیت کو سورت نور کی آیت فاذن لمن شئت منہم (۲۴: ۶۲) سے منسوخ کہا ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ دونوں آیتوں میں کوئی آیت منسوخ نہیں ہے کیونکہ دونوں آیتوں میں سچے عذر والوں کو پروانگی دینے کا حکم ہے فرق اسی قدر ہے کہ اس آیت میں مجمل حکم ہے اور سورہ نور میں صاف ہے اس صورت میں ایک آیت دوسری آیت کا بیان ہے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے یہ جو عذر کیا تھا کہ ان کے پاس راہ خرچ نہیں تھا اس عذر کی ذرا بھی دریافت کی جاتی تو ان کے اس عذر کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جاتا کیونکہ ان لوگوں کے پاس سواری راہ خرچ سب کچھ تھا فقط منافقانہ عادت کے سبب سے انہوں نے جھوٹے عذر پیش کئے اور اگرچہ ان جھوٹے عذروں کے سبب سے یہ لوگ دنیا میں گرمی کے موسم کے سفر سے بچ گئے لیکن جھوٹ اور جھوٹی قسموں کے سبب سے عقبٰے میں انہوں نے اس آگ میں اپنا ٹھکانا بنایا جس کے مقابلہ میں دنیا کی گرمی کے موسم کی گرمی تو درکنار دنیا کی آگ بھی اس آگ کے آگے کوئی چیز نہیں ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کی آگ سے دوزخ کی آگ میں انہتر درجے حرارت زیادہ ہے[1] یہ حدیث تو دوزخ کی آگ کے حال کی ہے اور ان لوگوں کے اس آگ کے قابل عمل کرنے کا حال آیت کے ٹکڑے یھلکون انفسھم سے اور عبداللہ بن عمرو بن العاص کی اوپر کی روایتوں سے اچھی طرح معلوم ہو سکتا ہے۔

۴۴-۴۵- جب منافقوں نے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں نہ شریک ہونے اور گھروں میں بیٹھ رہنے کی اجازت چاہی اور آپ نے انہیں اجازت دی جس کا ذکر اوپر گذرا تو اب اس کے بعد یہ بات بیان فرمائی کہ جو لوگ ایمان دار ہیں خدا پر اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں وہ کبھی گھر میں بیٹھ رہنے کی اجازت نہیں چاہتے ہیں انہیں تو یہی بات پسند ہے کہ جس طرح ممکن ہو جان سے مال سے جہاد میں شریک ہوں بلکہ اگر انہیں بیٹھ رہنے کا حکم بھی دیا جائے تو ان پر شاق گذرتا ہے چنانچہ صحیح بخاری کے حوالہ سے سعد بن ابی وقاصؓ کی حدیث اوپر گذر چکی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی لڑائی پر جاتے وقت یہ حکم فرمایا تھا کہ تم مدینہ میں رہو ان پر یہ حکم نہایت گراں گذرا اور راضی نہ ہوتے تھے جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ بات کہی کہ کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ مجھ سے تمہیں وہ خصوصیت ہو جو حضرت ہارون علیہ السلام کو موسٰے علیہ السلام کے ساتھ تھی کہ ہارونؑ موسٰےؑ کے نائب اور قائم مقام تھے غرضکہ یہ بات سن کر حضرت علیؓ کے مدینہ کے رہ جانے پر رضامند ہوئے پھر اللہ پاک نے مومنوں کا حال بیان فرما کر یہ ذکر کیا کہ خدا سب کو

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۶۲ باب صفۃ النار الخ ۱۲ یعنی زیر آیت نمبر ۳۸

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالْمُتَّقِیْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا یَسْتَاْذِنُكَ الَّذِیْنَ

اپنے مال اور جان سے اور اللہ خوب جانتا ہے ڈرنے والوں کو رخصت وہی مانگتے ہیں تجھ سے جو

لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِیْ رَیْبِهِمْ

نہیں یقین کرتے اللہ پر اور پچھلے دن پر اور شک میں پڑے ہیں دل ان کے سو وہ اپنے

یَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ

شک ہی میں بھٹکتے ہیں اور اگر چاہتے نکلنا تو تیار کرتے کچھ اسباب اس کا لیکن خوش نہ آیا اللہ

جانتا ہے کون کون ان میں متقی ہیں اور پھر یہ فرمایا کہ جو لوگ خدا پر پورا ایمان نہیں رکھتے اور نہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں وہی لوگ بیٹھ رہنے کو پسند کرتے ہیں اور گھروں میں رہ جانے کی اجازت بھی چاہتے ہیں کیونکہ ان کے دلوں میں دین کی طرف سے شک ہے اور یہ لوگ ہمیشہ شک کی حالت میں متردد ہیں معتبر سند سے مسند امام احمد صحیح ابن حبان وغیرہ میں ابوامامہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے آدمی کے ایماندار ہونے کی نشانی پوچھی تھی جس کے جواب میں آپ نے فرمایا جس شخص کا دل نیک کام سے خوش ہو اور برے کام سے غمگین ہو تو ایسا شخص ایماندار ہے۔ حاصل مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ ایماندار لوگوں کے دل میں عقبےٰ کے ثواب اور عذاب کا پورا یقین ہوتا ہے اس لئے نیک کام کا ثواب یاد کرکے انکا دل خوش ہوتا ہے اور برے کام کا عذاب یاد کرکے اُن کے دل میں ایک طرح کا غم پیدا ہو جاتا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جن لوگوں کے دل میں عقبےٰ کے ثواب کا پورا یقین نہیں ہے ان کی حالت اس کے برخلاف ہے یہ حدیث ان آیتوں کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جن لوگوں کے دل میں عقبےٰ کے ثواب کا پورا یقین ہے وہ اپنے دین کی لڑائی چھوڑ کر گھر میں بیٹھ رہنے کی خواہش کبھی نہ کریں گے بلکہ ان کی خواہش اور خوشی تو ہمیشہ ایسے نیک کاموں میں لگے رہنے کی ہوگی ہاں جن لوگوں کے دل میں یہ یقین پورا نہیں ہے وہ محنت مشقت کے نیک کاموں کی جرأت نہیں کر سکتے۔

۴۶-۴۷۔ اس آیت میں بھی اللہ پاک نے منافقوں کا حال بیان فرمایا کہ ان لوگوں کا ارادہ پہلے ہی سے اس لڑائی میں شریک ہونے کا بالکل نہ تھا اگر یہ لوگ لڑائی میں شریک ہونا چاہتے تو ضرور سامان جنگ کرتے جس طرح اور لوگوں نے اس کی تیاری کی تھی پھر یہ فرمایا کہ اللہ کو بھی انکا شریک ہونا پسند نہیں تھا اسی واسطے اس نے ان کے دلوں میں نامردی پیدا کردی اور یہ عذر و حیلہ کرکے رہ گئے اور جس طرح عورتیں بچے بیمار اور معذور گھروں میں رہ جاتے ہیں انہیں بھی رہ جانا پڑا یہ خدا کی بہت بڑی مصلحت تھی کیونکہ اگر یہ لوگ بھی لڑائی میں جاتے تو بجائے مدد کے فتنہ و فساد برپا کرتے مسلمانوں کو خوف دلاتے اور ایسی ایسی باتیں کرتے جس سے مومنوں کے جی چھوٹ جاتے کیونکہ تم میں وہ لوگ بھی ہیں جو تمہاری باتیں سن سنکر ان منافقوں کو اس کی خبر دیتے رہتے ہیں جاسوسی کرتے ہیں۔ واللہ علیم بالظالمین۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لشکر اسلام میں جو لوگ ان منافقوں کے دوست ہیں جس دوستی کے سبب سے وہ لشکر اسلام کی باتیں جاسوسی کے طور پر ان منافقوں کو پہنچاتے ہیں وہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑتے بلکہ وہ اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں کہ اس جاسوسی اور منافقوں کی سزا بھگتیں گے کیونکہ اللہ کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں ہے اس کو

؎۱ مشکوٰۃ ص ۱۶ کتاب الایمان و مجمع الزوائد ج ۱ ص ۸۶ باب من سرتہ حسنتہ فہو مومن۔

انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ

کو ان کا اٹھنا سو بوجھل کر دیا ان کو اور حکم ہوا کہ بیٹھو ساتھ بیٹھنے والوں کے اگر نکلتے تم میں

مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَا۟اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ

کچھ نہ بڑھاتے تمہارا مگر خرابی اور گھوڑے دوڑاتے تمہارے اندر بگاڑ کرنے والے کی تلاش میں اور تم میں

سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ

بعضے جاسوس ہیں ان کے اور اللہ خوب جانتا ہے بے انصافوں کو کرتے رہے تلاش بگاڑ کی

ان جاسوسوں کا اور ان کے دوست منافقوں کا سب کا حال خوب معلوم ہے وہ اپنے علم کے موافق وقت مقررہ پر انکے عملوں کی پرسش کرے گا قتادہ کے قول کے موافق اگرچہ بعضے مفسروں نے وفیکم سمٰعون لھم کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ مسلمانوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ان منافقوں کی باتیں سنتے اور مانتے ہیں لیکن حافظ ابو جعفر ابن جریر نے اپنی تفسیر میں قتادہ کے اس قول کو ضعیف ٹھیرایا ہے[1] اس واسطے مجاہد کے صحیح قول کے موافق آیت کی وہی تفسیر صحیح معلوم ہوتی ہے جو اوپر بیان کی گئی کیونکہ اس تفسیر کے مقدمہ میں یہ بات بیان کر دی گئی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس کے شاگردوں میں جہاں اختلاف ہو وہاں مجاہد کا قول زیادہ معتبر قرار پاتا ہے کعب بن مالک بھی ان لوگوں میں ہیں جو تبوک کے سفر میں شریک نہیں ہوئے ان کا قصہ تفصیل سے آگے آویگا صحیح بخاری میں کعب بن مالک کے بیٹے عبداللہ کی روایت سے جو ان کعب بن مالک کا قصہ ہے اس میں یہ ہے کہ کعب بن مالک ہر روز اس سفر کی تیاری کا ارادہ کرتے تھے لیکن پھر سستی سے وہ ارادہ ادھورا رہ جاتا تھا[2] سورہ آل عمران میں گزر چکا ہے کہ عبداللہ بن ابی منافقوں کا سردار احد کی لڑائی کے میدان میں سے لشکر اسلام کے تین سو آدمیوں کو بہکا کر مدینہ کو واپس لے آیا تھا اذا جاءک المنافقون میں آویگا کہ اسی عبداللہ بن ابی نے بنی مصطلق کی لڑائی کے وقت اپنے قبیلہ کے انصار کو یہ بہکایا تھا کہ اس لڑائی سے واپس جانے کے بعد مہاجرین کو مدینہ سے نکال دیا جاوے۔ آیت میں یہ جو ذکر ہے کہ اگر ان منافقوں کے دل میں اس سفر کا ارادہ ہوتا تو یہ لوگ سفر کی تیاری کا ارادہ پہلے سے کرتے اس کی تفسیر کعب بن مالک کے قصہ سے یوں ہو سکتی ہے کہ کعب بن مالک اگرچہ سستی کر کے اس سفر میں نہیں گئے لیکن ان منافقوں کی طرح اس سفر کے ارادہ سے وہ غافل نہیں تھے یہ منافق لوگ اس ارادے سے بھی غافل تھے جس سے معلوم ہوا کہ ان کا ارادہ پہلے ہی سے اس سفر کا نہیں تھا اسی طرح آیت میں یہ جو ذکر ہے کہ اگر یہ منافق لوگ اس لڑائی میں جاتے تو طرح طرح کے فساد برپا کرتے احد اور بنی مصطلق کا قصہ اس فساد کے برپا کرنے کی تفسیر ہے۔

۴۸۔ اس آیت میں بھی انہیں منافقوں کا حال بیان فرمایا کہ کچھ اسی لڑائی پر موقوف نہیں ہے یہ لوگ پہلے ہی سے فتنہ و فساد برپا کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ خدا کا دین دب جائے پھر فرمایا کہ ان کی کوئی تدبیر بکار آمد نہیں ہوئی آخر اسی کا بول بالا رہا اور یہ ناخوش ہی ہوتے رہے حاصل مطلب یہ ہے کہ جب حضرت صلے اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں آئے تھے تو مدینہ کے یہود و منافق جنگ پر آمادہ ہوئے تھے پھر جب بدر کی لڑائی میں آپ کو بہت بڑی فتح ہوئی

[1] تفسیر ابن جریر ج ۱۰ ص ۱۴۴۔ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۴ ۶۳۳ حدیث کعب بن مالک الخ

قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾

آگے سے اور الٹتے رہے ہیں تیرے کام جب تک آ پہنچا سچا وعدہ اور غالب ہوا حکم اللہ کا اور وہ ناخوش ہی رہے ہیں

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۭ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۭ وَاِنَّ

اور بعضے ان میں کہتے ہیں مجھ کو رخصت دے اور گمراہی میں نہ ڈال سنتا ہے وہ تو گمراہی میں پڑے ہیں اور

تو ابن ابی اور اس کے ساتھیوں نے کہا کہ اب کیا کرنا چاہئے انکا دین سچا معلوم ہوتا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ظاہری طور پر اسلام میں داخل ہو جاؤ غرضکہ یہ لوگ دل میں کینہ رکھ کر ظاہری مسلمان ہو گئے اور جب مسلمانوں کو لڑائیوں میں فتح ہوتی گئی انکا غصہ اور نفاق بڑھتا گیا اور دین حق کی ترقی ان کو بُری معلوم ہوتی گئی اسی کو اللہ پاک نے فرمایا کہ حتی جاء الحق وظہر امر اللہ وہم کارھون اس آیت میں یہ جو فرمایا کہ یہ منافق لوگ اس تبوک کی لڑائی سے پہلے بھی فتنہ وفساد اور لشکر اسلام کے انتظام میں بگاڑ ڈالنے کی تلاش میں لگے رہے ہیں اس کی تفسیر بنی مصطلق کی لڑائی کے وہی عبداللہ بن ابی منافقوں کے سردار کے قصہ میں ہے جس کا ذکر اوپر گذرا علاوہ ان قصوں کے سورہ حشر کی وہ آیتیں بھی اس آیت کی تفسیر ہیں جن آیتوں میں یہ ذکر آوے گا کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر اور بنی قریظہ پر ہاتھ ڈالنا چاہا تو ان مدینہ کے منافقوں نے ان یہود کے دونوں قبیلوں سے خفیہ طور پر یہ کہلا بھیجا تھا کہ جلا وطنی میں اور مسلمانوں سے تمہاری لڑائی اگر ٹھن گئی تو اس لڑائی میں غرض ہر طرح ہم تمہارے ساتھ ہیں لیکن آخر پھر انہوں نے اپنی وہی منافقانہ بدعہدی برتی کہ وقت پر ان دونوں قبیلوں میں سے ایک کا بھی کچھ ساتھ نہ دیا اور ان دونوں قبیلوں پر مسلمانوں کا جو غلبہ ہوا اس سے یہ منافق دل میں اگرچہ ناخوش ہوئے لیکن ان کی ناخوشی سے کیا ہوتا ہے اللہ کو جو منظور تھا آخر اس کا ظہور ہوا کہ ان دونوں قبیلوں میں سے بنی نضیر کا اخراج ہوا اور بنی قریظہ کا قتل۔

۴۹۔ طبرانی ابو نعیم ابن مردویہ مغازی محمد بن اسحاق اور ابن ابی حاتم میں جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اسکا حاصل یہ ہے کہ منافقین مدینہ میں ایک شخص قبیلہ بنی سلمہ کا سردار جد بن قیس تھا جس کی کنیت ابو وہب تھی تبوک کی لڑائی پر جانے اور نصرانیوں سے لڑنے کا جب آنحضرت نے اس سے ذکر کیا تو اس نے کہا کہ سب لوگوں کو معلوم ہے کہ میں عورتوں سے زیادہ رغبت رکھتا ہوں شام کے ملک میں جا کر میں نصرانیوں کی عورتوں کو دیکھوں گا تو خواہ مخواہ فتنہ میں پڑ جاؤں گا اس لئے مجھ کو تو مدینہ میں ہی چھوڑ جائیے اس پر اللہ تعالے نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرما دیا کہ بڑا فتنہ نفاق کا ہے جس میں یہ لوگ پڑے ہوئے ہیں اس فتنہ کے سبب سے یہ ایسے جھوٹے عذر کرتے ہیں اور دنیا میں تو یہ لوگ اپنی ان دغابازی کی باتوں کو ہوشیاری اور دور اندیشی جان کر عمر بھر اسی حالت کو یہاں تک اچھا جانتے کہ عقبے میں بھی اپنی اس دغابازی سے کام لینا چاہیں گے لیکن اللہ کو ہر ایک کے دل کا حال معلوم ہے اس کے سامنے ان کی دغابازی کچھ نہ چل سکے گی اور آخر ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم کے ساتویں طبقے میں ہو گا صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق شخص کی مثال ایسی ہے جس طرح ریوڑ میں کی بہکی ہوئی بکری وہ ریوڑ بکریوں کے دیکھ کر کبھی ایک ریوڑ میں جاتی ہے

[1] تفسیر الدر المنثور ج ۳ ص ۲۴۷ سے ۲۴۸ -

جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ

دوزخ گھیر رہی ہے منکروں کو اگر تجھ کو پہنچے کچھ خوبی وہ بری لگی ان کو اور اگر

تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ

پہنچے سختی کہیں ہم نے سنبھال لیا تھا اپنا کام آگے ہی اور پھر کر جاویں

فَرِحُوْنَ ﴿۵۰﴾ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى

خوشیاں کرتے تو کہہ ہم کو نہ پہنچے گا مگر وہی جو لکھ دیا اللہ نے ہم کو وہی ہے صاحب ہمارا اور اللہ

اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ

ہی پر چاہیے بھروسا کریں مسلمان تو کہہ تم کیا چیتو گے ہمارے حق میں مگر دو خوبی میں سے ایک

کبھی دوسرے میں[1] مطلب ہے کہ اپنی جان اپنا مال بچانے کی غرض سے منافق لوگ جب مسلمانوں میں آتے ہیں تو انکی سی کہنے لگتے ہیں اور جب منافقوں میں جاتے ہیں تو ان کی سی کہنے لگتے ہیں غرض دونوں طرف زبانی دغابازی سے کام لیتے ہیں حقیقت میں دل سے یہ لوگ کسی طرف بھی نہیں ہیں بنی نضیر اور بنی قریظہ سے کہہ دیا کہ ہم ہر طرح سے تمہارے ساتھ ہیں اور وقت پر صاف الگ ہو گئے مسلمانوں کا ساتھ دینے پر ہمیشہ قسمیں کھاتے رہے اور احد کی لڑائی میں عین وقت پر تین سو آدمیوں کا لشکر اسلام سے جدا کر دیا صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہ اور انس بن مالک رضی کی روایتیں بھی گذر چکی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ منافق لوگ قیامت کے دن اپنے ظاہری اسلام کا حال اللہ تعالےٰ کے روبرو ظاہر کر کے اپنی نجات کی توقع رکھیں گے جس سے اللہ تعالیٰ ان کے منہ پر مہر لگا دیگا اور ان کے اعضا کو ان کی اصل حالت کی گواہی کے ادا کرنے کا حکم فرما دیگا اور اعضا کی گواہی ان کی دغابازی کی حالت پر گذر جانے کے بعد یہ لوگ آخر دوزخی قرار پا دیئے[2] گے یہ حدیثیں منافقوں کی دنیا اور عقبےٰ کی دغابازی اور اس دغابازی کے نتیجہ کی گویا تفسیر ہیں اسی واسطے فرمایا کہ یہ لوگ عورتوں کے سبب سے گمراہی میں پڑ جانے کا کیا جھوٹا عذر کرتے ہیں ان کے پیچھے تو دنیا اور عقبےٰ میں ایسی گمراہی لگی ہوئی ہے کہ جس کے سبب سے ہر وقت دوزخ کو چاروں طرف سے گویا انہوں نے اپنے سر پر کھڑا کر رکھا ہے۔

۵۰-۵۲- تفسیر ابن ابی حاتم میں جابر بن عبداللہ رضی کی روایت سے جو شان نزول ان آیتوں کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ عبداللہ بن ابی وغیرہ منافقین لڑائی کے وقت بناوٹی عذر کر کے جس لڑائی میں شریک نہیں ہوتے تھے اور گھروں میں بیٹھ رہتے تھے اگر اس لڑائی میں مسلمانوں کی فتح ہوتی اور مال غنیمت کا ہاتھ آتا تو دو طرح سے ان منافقین پر یہ امر شاق گذرتا تھا ایک تو یہ کہ انکے دل میں مسلمانوں کی طرف سے عداوت تھی اس واسطے مسلمانوں کی بہبودی ان کے دل کو اچھی نہیں معلوم ہوتی تھی دوسرے ان کو یہ افسوس ہوتا تھا کہ ہم کیوں نہ گئے جو ہمارے ہاتھ بھی مال لگتا اور اگر مسلمانوں کو کسی لڑائی میں کچھ ضرر پہنچتا تو یہ منافقین اپنی دور اندیشی اور عقلمندی پر نازاں ہو کر کہتے کہ ہم تو ضرر سے بچنے کے لئے پہلے سے ہی عذر کر کے نہیں گئے اللہ تعالےٰ نے ان کے دونوں منصوبوں کے جواب میں یہ آیتیں نازل فرمائیں[3] اور پہلے منصوبہ کا جواب یہ دیا کہ یہ منافق مسلمانوں کی بہبودی پر یوں ہی جلتے رہیں گے اور اللہ دن بدن مسلمانوں کو بہبودی دیتا رہے گا اور قریب ہے کہ اللہ کے عذاب آسمانی سے یا مسلمانوں کے ہی

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۰ کتاب صفات المنافقین واحکامہم [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۰۹ کتاب الزہد [3] تفسیر الدر المنثور ج ۳ ص ۲۴۸ - ۲۴۹-

وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖۤ اَوْ

اور ہم امیدوار ہیں تمہارے حق میں کہ ڈالے تم پر اللہ کچھ عذاب اپنے پاس سے یا

بِاَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا

ہمارے ہاتھوں سے سو منتظر رہو ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں تو کہہ مال خرچ کرو خوشی سے یا ناخوشی سے

لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ

ہرگز قبول نہ ہوگا تم سے تحقیق تم ہوئے ہو لوگ بے حکم اور موقوف نہیں ہوا قبول ہونا

تسلط سے یہ منافق نیست و نابود ہو جاویں گے چنانچہ ویسا ہی ہوا کہ تھوڑے دنوں میں منافقوں کا نام مدینہ میں باقی نہ رہا دوسرے منصوبہ کا جواب یہ فرمایا کہ مشیت الٰہی میں جس کو جو ضرر پہنچنا ہوتا ہے وہ گھر بیٹھے بھی پہنچتا ہے مشیت الٰہی کے آگے دور اندیشی کچھ کام نہیں آتی یہ ان لوگوں کی خام خیالی ہے جو دور اندیشی کو مشیت الٰہی سے بچنے کا سبب قرار دیتے ہیں اور مسلمانوں کو تسکین فرمائی اور مسلمانوں سے فرمایا کہ تم کو کچھ ضرر نہیں مارے گئے تو شہید ہوئے اور اگر زندہ واپس آئے تو دنیا کا مال غنیمت اور عقبےٰ کا اجر کمایا صحیح بخاری اور مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرؓ اور صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہ اور انس بن مالکؓ کی حدیثیں[۱] جو اوپر کی آیت کی تفسیر میں گذر چکی وہی حدیثیں منافقوں کے دنیا اور عقبےٰ کے انجام کی تفسیر ہیں اور صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ[۲] سے ابوہریرہؓ کی حدیث جو اوپر گذر چکی جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کے اعتقاد سے دین کی لڑائی میں شریک ہوتا ہے اس کی دین و دنیا کی بہبودی کا اللہ تعالےٰ ضامن ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث مسلمانوں کے دنیا و عقبےٰ کے انجام کی تفسیر ہے اسی واسطے فرمایا کہ ہر ایک گروہ کو اپنے اپنے انجام کا انتظار کرنا چاہئے هل تربصون بنا کا ترجمہ شاہ صاحب نے تم کیا جیتو گے ہمارے حق میں جو کیا ہے یہاں جیتنے کا مطلب انتظار کرنے کا ہے۔ وہم فرحون اس کا مطلب یہ ہے کہ بازار یا کسی محفل میں یہ لوگ مسلمانوں کی شکست یا کسی اور مصیبت کی خبر سن پاتے ہیں تو اپنے اپنے گھروں کو گویا بڑی خوش وقتی کی خبر سن کر پلٹتے ہیں۔

۵۳۔۵۴ تفسیر ابن جریر[۳] میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے جو شان نزول ان آیتوں کی بیان کی گئی ہے اسکا حاصل یہ ہے کہ قبیلہ بنی سلمہ کے سردار جد بن قیس منافق نے تبوک کی لڑائی میں جانے سے جب یہ عذر پیش کیا کہ وہاں جا کر میں خوبصورت عورتوں کے فتنہ میں پڑ جاؤں گا اس عذر کے ساتھ اس نے دنیا سازی کے طور پر یہ بھی کہا تھا کہ اس لڑائی میں کچھ روپے کی ضرورت ہو تو میں مدد دے سکتا ہوں اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور فرمایا کہ جب ان لوگوں کا عقیدہ ہی درست نہیں ہے تو ان کی کوئی عبادت مالی یا بدنی مقبول نہیں اس واسطے ان کا مدد خرچ ہرگز قبول نہیں کیا جا سکتا طبرانی کے حوالہ سے معتبر سند کی انس بن مالکؓ کی روایت ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سر بمہر اعمال نامے جب اللہ تعالےٰ کے روبرو کھولے جائیں گے تو ان میں سے بعض عمل اللہ تعالےٰ کے حکم سے بیکار ٹھہرائے جاویں گے اس پر فرشتے عرض کریں گے یا اللہ ان عملوں میں کیا خرابی ہے اللہ تعالےٰ فرماوے گا یہ عمل خالص دل سے نہیں کئے گئے اس لئے

[۱] یعنی سابقہ آیت کے تحت [۲] مشکوٰۃ ص ۳۲۹ کتاب الجہاد فصل اول [۳] تفسیر ابن جریر ج ۱۰ ص ۱۵۲۔

مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا

ان کے خرچ کا مگر اسی پر کہ وہ منکر ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے اور نہیں آتے نماز کو مگر

وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ

جی ہارے اور خرچ نہیں کرتے مگر برے دل سے سو تو تعجب نہ کر ان کے مال

بیکار ہیں[1] منافقوں کے عملوں کے علاوہ اگر آدمی منافق نہ ہو لیکن اس کے نیک عملوں میں ریاکاری کا میل ہو تو تھوڑی ریاکاری سے بھی جو عمل کیا جاوے حدیث میں اس کو شرک فرمایا ہے چنانچہ بیہقی اور مستدرک حاکم کی معاذ بن جبلؓ کی روایت میں اس کا ذکر ہے اور حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[2] غرض یہ حدیثیں ان آیتوں کی تفسیر ہیں جس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں روپیہ کی پروا نہیں نیت کی پروا ہے خالص نیت سے تنکا پہاڑ کے برابر ہے اور بغیر خالص نیت کے پہاڑ تنکے سے بھی کم ہے حاصل کلام یہ ہے کہ منافقوں کے دل میں دین کی باتوں کی طرف سے شک و شبہ رہتا ہے اور ریاکاروں کے دل میں دنیا کے دکھاوے کا خیال رہتا ہے اور بدعتیوں کا عمل شریعت کے موافق نہیں ہوتا اس واسطے ایسے عمل بارگاہ الٰہی میں مقبول نہیں بارگاہ الٰہی میں تو وہی عمل مقبول ہے جو خوش اعتقادی کے ساتھ خالص نیت سے شریعت کے موافق ہو۔

۵۵۔ اوپر ذکر تھا کہ جد بن قیس نے اپنی مالداری کے گھمنڈ پر یہ کہا تھا کہ اگر اس لڑائی میں کچھ خرچ کی ضرورت ہو تو میں دے سکتا ہوں اس لئے اس آیت میں فرمایا کہ یہ لوگ اگر کثرت سے مال اولاد رکھتے ہیں تو اے رسول اللہ کے تم اسے دیکھ کر تعجب نہ کرو یہ بھی خدا کی طرف سے ایک ڈھیل ہے کہ اللہ پاک انہیں چیزوں کے ذریعہ سے دنیا ہی میں ان پر عذاب کریگا زکوٰۃ کو یہ لوگ جرمانہ خیال کریں گے انکو کبھی کچھ مالی نقصان پہنچے گا تو اس کے سبب سے انہیں نہایت غم اور صدمہ ہوگا کیونکہ یہ مال ان لوگوں نے بہت جانفشانی اور مشقت سے جمع کیا ہے اس لئے جب اس مال میں کچھ نقصان کی صورت انہیں نظر آوے گی تو اس نقصان کی مصیبت پر ان لوگوں سے صبر تحمل اس سبب سے نہ ہو سکے گا کہ عقبےٰ میں صبر پر اجر کے ملنے کا انہیں پورا یقین نہیں ہے اس لئے اس مال کے ضائع ہو جانے سے ان پر ایسا صدمہ ہوگا کہ گویا ان پر عذاب ٹوٹ پڑا یہی حال انکا جانی نقصان کی صورت میں ہے کیونکہ عقبےٰ کی سزا و جزا پر ان لوگوں کا اعتقاد نہیں اس واسطے ان کے دلوں میں اسلام کی یا اسلام کے احکام کی تو کچھ عظمت نہیں فقط مسلمانوں کے ہاتھ سے جان و مال بچانے کے لئے دغابازی کے طور پر ظاہری اسلام انہوں نے اختیار کیا ہے اور اسی دغابازی کو یہ لوگ اچھا جانتے ہیں اس واسطے مرتے دم تک یہ اسی حالت میں رہیں گے۔ صحیح مسلم اور ترمذی میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایماندار شخص کی مثال کھیتی کے چھوٹے چھوٹے درختوں کی اور منافق کی مثال صنوبر کے درخت کی فرما کر یہ فرمایا ہے کہ جس طرح روزمرہ کی معمولی ہوا کھیتی کے چھوٹے چھوٹے درختوں کو الٹ پلٹ کرتی رہتی ہے اسی طرح ایماندار شخص پر دنیا میں بارہا طرح طرح کی مصیبتیں آتی رہتی ہیں اور جس طرح صنوبر کے درخت کو معمولی ہوا سے کچھ صدمہ نہیں پہنچتا اسی طرح منافق شخص بھی روزمرہ کی آفتوں سے اکثر محفوظ اور اپنی مال و اولاد میں خوش حال رہتا ہے

[1] الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۲۱۔ الترہیب من الریاء الخ [2] مستدرک حاکم ج ۴ ص ۳۲۸ خصائل لولیا ماسر و مشکوٰۃ ص ۴۵۵ باب الریاء والسمعۃ۔

وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ

اور اولاد سے یہی چاہتا ہے اللہ کہ ان کو عذاب کرے ان چیزوں سے دنیا کے جیتے اور نکلے

اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ وَمَا هُمْ

ان کی جان جب تک وہ کافر رہے ہیں اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی وہ بیشک تم میں ہیں اور وہ تم میں نہیں

لیکن کھوکھلا ہو جانے کے بعد جیسے صنوبر کا درخت ایک دفعہ ہی آندھی میں اکھڑ کر گر پڑتا ہے اسی طرح منافق شخص پر بھی آخر کو کوئی سخت آفت آجاتی ہے[1] اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ اس حدیث سے ایماندار اور منافقوں کی تفصیلی حالت معلوم ہو جاتی ہے۔ اس مضمون کی ایک حدیث صحیح مسلم میں کعب بن مالکؓ کی روایت[2] سے بھی ہے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے صہیبؓ رومی کی ایک حدیث گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مصیبت کے وقت صبر کا کرنا پکے ایمان دار آدمی کا کام ہے[3]۔ اس حدیث کو بھی آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جانی یا مالی مصیبت کے وقت منافقوں سے صبر نہیں ہو سکتا بلکہ بے صبری کے سبب سے وہ لوگ مصیبت میں گھبرا جاتے ہیں اور اس مصیبت کو ایک وبال اور عذاب گنتے ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ان صحیح حدیثوں سے آیت کی تفسیر ہو جانے کے بعد مفسروں کا وہ اختلاف رفع ہو جاتا ہے جو ایک مدت سے اس باب میں چلا آتا تھا کہ منافقوں کے حق میں مال و اولاد کو دنیاوی عذاب آیت میں کس مطلب سے فرمایا۔

۵۶-۵۷۔ اللہ پاک نے یہاں سے منافقوں کی ایک اور دغابازی کی حالت کی تفصیل شروع فرمائی کہ یہ لوگ قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تم میں سے ہیں تمہارے دین پر ہیں اور خدا و رسول کے ہر طرح سے فرمانبردار ہیں لیکن یہ غلط بات ہے ان کی قسمیں محض جھوٹی ہیں یہ ہرگز تمہارے گروہ میں سے نہیں ہیں انہیں دین اسلام سے کیا واسطہ خدا و رسول کے حکم کی پیروی سے انہیں کیا سروکار یہ تو خوف کے مارے اسلام کا اظہار کرتے ہیں جانتے ہیں کہ جس طرح مشرکوں کو مسلمان قتل و غارت کرتے ہیں ان کی بی بی بچوں کو پکڑ لیتے ہیں ان کے مال غنیمت میں لوٹ لیتے ہیں اسی طرح کہیں ہم سے بھی نہ پیش آئیں غرضکہ اسی سبب سے یہ لوگ جھوٹے اسلام کا دعوےٰ کرتے ہیں حقیقت میں یہ مسلمان نہیں ہیں اگر انہیں کوئی بچاؤ کی صورت نظر آئے مثلاً کوئی قلعہ مل جائے جس میں پناہ لیں یا کوئی غار یا گڑھا یا اور کوئی چھپنے کی جگہ مل جائے تو یہ لوگ اس طرح بھاگیں کہ پھر کبھی کسی مسلمان سے واسطہ نہ رکھیں انہیں اسلام کے ساتھ دلی بغض ہے اسلام کی ترقی یہ دیکھنا نہیں چاہتے انہیں تو اسلام کی ترقی سے بجائے خوشی کے ہمیشہ رنج پہنچتا رہتا ہے یہ جو مسلمانوں کے ساتھ ملتے جلتے ہیں نہایت ناخوشی سے ملتے ہیں محبت اور شوق سے نہیں ملتے ہیں اپنی جانوں کے خوف سے ظاہری میل جول رکھتے ہیں ورنہ انہیں کب گوارا ہے کہ یہ اسلام کی ترقی دیکھیں۔ معتبر سند سے ترمذی مستدرک حاکم وغیرہ میں زید بن ارقمؓ کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بنی مصطلق کی لڑائی کے وقت جب عبداللہ بن ابی نے یہ بات کہی کہ اس لڑائی کے سفر سے مدینہ کو واپس جانے کے بعد مہاجرین کو مدینہ سے نکال دیا جاویگا۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کو بلا کر اس بات کی صداقت کا حال دریافت کیا عبداللہ بن ابی نے

---

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۵ باب مثل المؤمن کالزرع الخ۔ [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۵۔
[3] صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۱۳ کتاب الزہد باب فی احادیث متفرقہ۔

مِّنكُمْ وَلَٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ ﴿٥٦﴾ لَوْ يَجِدُونَ مَلْجَأً أَوْ مَغَارَاتٍ أَوْ مُدَّخَلًا

د لیکن وہ لوگ ڈرتے ہیں اگر پاویں کہیں بچاؤ یا کوئی گڑھی یا سر گھسانے کی جگہ

لَّوَلَّوْا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُونَ ﴿٥٧﴾ وَمِنْهُم مَّن يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ

تو الٹے بھاگ جاویں اسی طرف بھاگیں وڈرتے اور بعضے ان میں ہیں کہ تجھ کو طعن دیتے ہیں زکوٰۃ بانٹنے میں سو اگر

بہت سی قسمیں کھائیں اور اس بات کے کہنے سے صاف انکار کیا اس کی ان قسموں کو جھوٹا ٹھہرانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے سورہ منافقون[1] کی آیتیں نازل فرمائیں[2] اس آیت میں منافقوں کی جھوٹی قسموں کا جو ذکر ہے یہ قصہ گویا اس کی تفسیر ہے سورہ حشر میں اللہ تعالیٰ نے ایمان دار انصار کی یہ نشانی بیان فرمائی ہے کہ ان کے دلوں میں مہاجرین کی پوری الفت اور محبت ہے سورہ حشر کی ان آیتوں اور بنی مصطلق کی لڑائی کے وقت کے قصہ کو ملانے سے اس آیت کی تفسیر کا یہ حاصل قرار پاتا ہے کہ یہ منافق جھوٹی قسمیں کھا کر زبردستی اپنے آپ کو مسلمانوں کے گروہ میں شریک کرتے ہیں ورنہ حقیقت میں یہ لوگ مہاجر اور انصار مسلمانوں کے دونوں گروہ کے مخالف ہیں مہاجرین سے تو انہیں یہاں تک مخالفت ہے کہ ان کا مدینہ میں رہنا انہیں شاق گزرتا ہے رہے ایماندار انصار ان کی نشانی مہاجرین کیساتھ محبت کا برتاؤ ہے نہ مخالفت کا اس صورت میں یہ منافق مسلمانوں کی ساری جماعت سے خارج اور الگ ہیں۔

۵۸-۵۹- اس آیت کی شان نزول کا قصہ ہے جس کا ذکر صحیحین میں حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کچھ مال لوگوں کو تقسیم فرماتے تھے کہ بنی تمیم کے قبیلہ میں کے ایک شخص نے جس کا نام حرقوص ہے اور ذوالخویصرہ کے لقب سے وہ شخص مشہور ہے آنحضرت ﷺ سے کہا تقسیم میں ذرا انصاف فرمائیے آپ نے فرمایا میں ہی ناانصافی کروں گا تو پھر انصاف کون کرے گا حضرت عمرؓ نے عرض کیا حضرت ارشاد ہو تو ابھی میں اس شخص کی گردن مار دوں آپ نے فرمایا جانے دو اس کی نسل میں سے واجب القتل لوگ پیدا ہوں گے چنانچہ پھر ویسا ہی ہوا اسی قبیلہ اور اسی شخص کی نسل میں خارجی لوگ پیدا ہوئے اگرچہ بعضے مفسروں نے اور شان نزول بھی اس آیت کی بیان کی ہے مگر ان کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے قصوں پر بھی اس آیت کا مضمون صادق آتا ہے ورنہ صحیح شان نزول کا یہی قصہ ہے جو صحیحین کی روایت میں موجود ہے۔

اگرچہ ان خارجی لوگوں کے حالات میں علماء نے بڑی بڑی کتابیں تالیف کی ہیں لیکن اس فرقہ کے قصہ کا حاصل اسی قدر ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے دوسرے روز جب لوگوں نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی تو اس زمانہ میں حضرت عائشہؓ حج کے ارادہ سے مکہ کو گئی ہوئی تھیں ان کے مکہ سے واپسی کے وقت راستہ میں کچھ لوگوں نے حضرت عائشہؓ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ لگانے پر مجبور کیا جائے اور حضرت علیؓ اگر اس سے انکار کریں تو ان سے لڑنا چاہئے حضرت عائشہؓ کے یہ بہکانے والے لوگ اپنا ارادہ پورا کرنے کے لئے حضرت عائشہؓ کو بصرہ لے گئے اور بصرہ میں حضرت عائشہؓ کے ساتھ بہت سے لوگ ہو گئے حضرت علیؓ نے جب یہ خبر سنی تو وہ بھی بصرہ کے ارادہ سے فوج لے کر روانہ ہوئے اور ۳۶ھ ہجری میں حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کی بڑی لڑائی ہوئی جو جمل کی لڑائی کے نام سے مشہور ہے اگرچہ یہ لڑائی بصرہ کے قریب ہوئی ہے لیکن جمل عربی میں اونٹ کو کہتے ہیں اور اس لڑائی میں حضرت عائشہؓ پردہ دار شغدف میں اونٹ پر سوار تھیں اس لئے یہ لڑائی

[1] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۶۴-۱۶۵ التفسیر سورہ المنافقین [2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۶۳ و تفسیر الدر المنثور ج ۳ ص ۲۵۰۔

أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِن لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ﴿٥٨﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ

ان کو ملے اس میں سے تو راضی ہوں اور اگر ان کو نہ ملے تب ہی وہ ناخوش ہو جاویں اور کیا خوب تھا اگر

رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِن

وہ راضی ہوتے جو دیا ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے اور کہتے بس ہے ہم کو اللہ دے رہے گا ہم کو اللہ اپنے

فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ ﴿٥٩﴾

فضل سے اور اس کا رسول ہم کو اللہ ہی چاہیے

اس نام سے مشہور ہوگی اس لڑائی میں حضرت علیؓ غالب رہے حضرت علیؓ کے غلبہ اور حضرت عائشہؓ کی شکست کا حال سن کر پھر یہی حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کے پتہ لگانے کا جھگڑا معاویہؓ نے حضرت علیؓ سے شروع کیا اور اس جھگڑے کے سلسلہ میں آخر حضرت علیؓ اور معاویہؓ کی بہت بڑی لڑائی ۳۷ھ ہجری میں ہوئی جو صفین کی لڑائی کے نام سے مشہور ہے صفین ملک شام اور عراق کے مابین میں ایک جگہ ہے ایک مینہ کے قریب یہ لڑائی رہی اگرچہ اس لڑائی میں غلبہ حضرت علیؓ کی جانب تھا لیکن عمرو بن العاصؓ کی صلاح سے پنچایت پر صلح قرار پائی حضرت علیؓ کی طرف ابو موسےٰ اشعریؓ اور معاویہؓ کی طرف سے عمرو بن العاصؓ پنچ مقرر ہوئے اس پنچایت کی صلح سے ناراض ہو کر جو آٹھ ہزار آدمیوں کے قریب کا ایک گروہ حضرت علیؓ سے منحرف اور انکے لشکر سے جدا ہو گیا اسی فرقہ کو خارجی کہتے ہیں اس فرقہ کا سرغنہ عبداللہ بن الکوا تھا پہلے تو حضرت علیؓ نے اس فرقہ کی فہمائش کے لئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو حرورا مقام پر بھیجا یہ حرورا وہ جگہ ہے جہاں ان لوگوں نے سکونت اختیار کی تھی اس سبب سے یہ فرقہ حروریہ کہلاتا ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی فہمائش سے یہ لوگ چند روز کے لئے راہ راست پر آ گئے اور پھر ان لوگوں نے مسلمانوں کا قتل اور زنی اور طرح طرح کے فساد برپا کئے جن کے سبب سے حضرت علیؓ نے ان پر چڑھائی کی اور نہروان مقام پر اس فرقہ کی اور حضرت علیؓ کی لڑائی ہوئی اس لڑائی میں خارجی فرقہ کے لوگ یہاں تک قتل ہوئے کہ صرف دس بارہ آدمی ان میں سے بچ گئے ذوالخویصرہ بھی اس لڑائی میں مارا گیا یہ وہی شخص ہے جس نے حنین کے مال کی تقسیم کے وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پر اعتراض کیا تھا نہروان کی لڑائی میں سے دس بارہ خارجی جو بچ گئے تھے عبدالرحمٰن بن ملجم بھی ان میں ہی تھا جس نے موقع پاکر حضرت علیؓ کو شہید کیا حضرت علیؓ کی موجودگی تک تو یہ خارجی فرقہ دبا رہا پھر حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد ان لوگوں کا ایک جتھا ہو گیا اور کئی دفعہ ان لوگوں نے سر اٹھایا خلفائے بنی امیہ میں سے عبدالملک بن مروان اور خلفائے عباسیہ میں سے محمد بن منصور مہدی کے زمانہ میں انکی لڑائیاں مشہور ہیں حضرت عثمانؓ کو اور علاوہ حضرت عثمان کے جمل اور صفین کی لڑائی میں جتنے صحابہ شریک تھے ان سب کو یہ خارجی دائرہ اسلام سے خارج گنتے ہیں اور سوا اس کے اور بہت سی باتیں اس فرقہ کی طریقہ اسلام کے برخلاف ہیں اسی واسطے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس فرقہ کو واجب القتل فرمایا اس سے زیادہ حال ان لوگوں کا بڑی کتابوں میں ہے آخر کو فرمایا کہ جو لوگ تقسیم مال پر اعتراض کرتے ہیں اگر وہ اللہ اور اللہ کے رسول کی تقسیم پر رضامند ہو کر آیندہ کی بہبودی کا بھروسہ اللہ پر کریں تو ان کے حق میں بہتر ہے جس مال کی تقسیم پر اعتراض کئے جانے کا ذکر آیت میں ہے اس مال کو بعضے علماء تو زکوۃ کا مال کہتے ہیں اور بعضے حنین کی لڑائی کا غنیمت کا مال کہتے ہیں سبب اس اختلاف کا یہ ہے کہ صحیح بخاریؒ کی ابو سعید خدریؓ کی بعض روایتوں میں

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۲۳ باب بعث علی بن ابی طالب وخالد بن الولید الی الیمن الخ۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡعٰمِلِيۡنَ عَلَيۡهَا وَالۡمُؤَلَّفَةِ

زکوۃ جو ہے سو حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور اس کام پر جانے والوں کا اور جن کا دل پرچانا ہے

یہ ہے کہ یمن سے کچھ زکوۃ کا مال آیا تھا اس کی تقسیم پر یہ اعتراض کیا گیا تھا اور صحیح بخاری کی عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں یہ ہے کہ حنین کی غنیمت کے مال کی تقسیم کے وقت ایک شخص نے اعتراض کیا تھا لیکن عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں یہ ذکر نہیں ہے کہ وہ شخص وہی ذوالخویصرہ حرقوص تھا جس کی نسل سے خارجیوں کا سلسلہ چلے گا بلکہ بعض روایتوں میں اس حنین کے قصہ والے شخص کا نام معتب بن قشیر بتلایا گیا ہے[۲] اس اختلاف کے رفع کرنے کی غرض سے اگر ان دونوں قصوں کے مجموعہ کو آیت کی شان نزول قرار دیا جاوے تو پھر کچھ اختلاف باقی نہیں رہتا۔

۶۰۔ زیاد بن حارث حضرتؐ کے پاس بیعت کی غرض سے گئے تھے اس وقت ایک شخص نے آکر کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقے میں سے مجھے بھی کچھ دیجئے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے صدقات میں کسی نبی کا حکم پسند نہیں کیا ہے بلکہ اس نے آپ ہی آٹھ قسم کے مصرف صدقہ کے بتلائے ہیں اگر تم ان آٹھوں میں سے ایک بھی ہو تو صدقہ کے مستحق ہو گے ورنہ نہیں[۳] علماء کا اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ جو آٹھ قسم کے آدمی اللہ پاک نے بیان کئے ہیں ان میں ہر ایک کو صدقہ تقسیم کیا جائے یا جو ان میں سے میسر آئے اسے دے دیا جائے زیاد بن حارثؓ کی اوپر کی حدیث کے موافق امام شافعیؒ اور ایک جماعت اس کے قائل ہیں کہ ان آٹھوں پر صدقہ تقسیم کرنا چاہئے یہ زیاد بن حارثؓ کی حدیث ابوداؤد میں ہے اور اس کی سند میں ایک راوی عبدالرحمن بن زیاد بن انعم افریقی کو اکثر علماء نے ضعیف قرار دیا ہے اسی واسطے امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ اور بعض سلف کا قول ہے کہ ہر ایک کو ان آٹھوں میں سے دینا ضرور نہیں ہے اگر ایک کو بھی دے دیا جائے تو جائز ہے[۴] کیونکہ اللہ پاک نے صدقہ کا مصرف بیان کرنے کے مقصد سے یہ آٹھ شخص بیان فرمائے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ خواہ ان سب کو خواہ ان میں کے کسی ایک کو دے دو بہرحال اللہ پاک نے پہلے فقیر کو بیان کیا کہ صدقہ لینے کے زیادہ تر مستحق یہ ہیں کیونکہ اوروں کی نسبت یہ زیادہ محتاج ہیں۔ فقیر وہ ہے جو اتنا اپنی کمائی سے نہ حاصل کر سکتا ہو جو اس کے روزانہ اخراجات کو کافی ہو مثلاً اس کا خرچ دس روپیہ کا ہو اور وہ دو یا تین روپیہ کماتا ہو اس کے بعد مسکین کا ذکر فرمایا مسکین کے باب میں ابوہریرہؓ کی حدیث صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ مسکین وہ نہیں ہے جو ایک یا دو لقمہ کی خاطر در بدر پھرتا ہو بلکہ مسکین وہ ہے جو اپنی ضرورت کے موافق روزی نہیں حاصل کر سکتا اور کوئی اسے محتاج سمجھ کر دیتا بھی نہیں اور نہ وہ خود بھیک مانگتا ہے[۵] اس سے معلوم ہوا کہ فقیر وہ ہے جو محتاج بھی ہو اور ضرورت کے وقت مانگتا بھی ہو چنانچہ معتبر سند سے طبرانی کبیر میں حبشی بن جنادہؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بغیر فقر و فاقہ کے کسی شخص کو مانگنا جائز نہیں[۶] اس سے معلوم ہوا کہ فقر و فاقہ کے وقت فقیر مانگتا بھی ہے اس کے بعد ان لوگوں کا ذکر کیا کہ جو صدقہ

---

[۱] ج ۲ ص ۶۲۱ باب غزوۃ الطائف [۲] تفصیل کے لئے دیکھئے فتح الباری ج ۴ ص ۵۸ و ۶۴۔ لیکن ابو سعید خدریؓ کی روایت (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰۹ باب علامات النبوۃ فی الاسلام) میں ذوالخویصرہ کا نام آگیا ہے۔ (ع، ر) [۳] سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۲۳۰ باب من یعطی من الصدقۃ [۴] ابن کثیر ج ۲ ص ۳۶۴ و تفسیر فتح البیان ج ۲ ص ۲۶۵ [۵] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۰ باب قول اللہ تعالیٰ لایسئلون الناس الحافا و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۶۴ [۶] مجمع الزوائد ج ۳ ص ۹۶ باب جاء فی السوال و الترغیب ج ۱ ص ۲۸۴ الترغیب من المسئلۃ و تحریمھا الخ

قُلُوۡبُهُمۡ وَفِي الرِّقَابِ وَالۡغٰرِمِيۡنَ وَفِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ ؕ فَرِيۡضَةً

اور گردن چھڑانے میں اور جو تاوان بھریں اللہ کی راہ میں اور راہ کے مسافر کو ٹھہرا دیا ہے

اور کہا اور کہا کر لاتے ہوں فرمایا کہ صدقہ میں سے انہیں بھی کچھ دینا چاہیئے مگر یہ بات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقربا کے لئے جائز نہیں تھی چنانچہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ عبدالمطلب بن ربیعہؓ اور فضل بن عباسؓ نے حضرت کے پاس جاکر کہا کہ ہمیں صدقہ اوگھانے پر مقرر کر دیجئے آپ نے فرمایا کہ صدقہ محمدؐ اور آل محمدؐ کے لئے حلال نہیں ہے[۱] یہ تو لوگوں کا میل کچیل ہے۔ پھر اللہ پاک نے چوتھا مصرف بیان فرمایا کہ بعض لوگوں کا دل پرچانے کے لئے صدقہ میں سے ان کو بھی دیا جائے یہ لوگ دو تین طرح کے ہیں بعض وہ ہیں جو مسلمان نہیں ہیں انہیں اس خیال سے دیا جاتا ہے کہ اسلام قبول کر لیں جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ کو جنگ حنین کی غنیمت میں سے کچھ مال دیا تھا یہ اس وقت بحالت شرک اس لڑائی میں شریک تھے مسلم ترمذی وغیرہ نے انہیں صفوان بن امیہؓ کی حدیث بیان کی ہے جس میں یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حنین کے دن مجھے اس قدر دیا کہ آپ میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب بن گئے حالانکہ میں آپ کو سب سے برا جانتا تھا[۲] اور پھر بعد اس کے ہمیشہ مجھے دیتے رہے اور بعضے تازہ مسلمانوں کو اس لئے دیا جاتا ہے کہ ان کا اسلام قائم رہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ حنین میں تازہ مسلمانوں کے ایک گروہ کو سو اونٹ دے دیئے تھے[۳] پھر پانچویں مصرف میں اللہ پاک نے اس غلام کا ذکر کیا جس کے آقا نے اُسے یہ بات کہہ دی ہے کہ اگر تو مجھے اتنا روپیہ دیویگا تو تو آزاد ہے اور حضرت عبداللہؓ بن عباس کا قول رقاب کی تفسیر میں یہ ہے کہ خواہ کسی لونڈی غلام کے آزاد کرانے میں کچھ مدد دیوے خواہ اس قیمت سے اور لونڈی غلام لے کر آزاد کرے کیونکہ لونڈی یا غلام آزاد کرنے کے متعلق بہت سی حدیثیں[۴] وارد ہیں اللہ پاک آزاد کرنے والوں کو ہر ہر عضو کو ہر ہر عضو کے بدلے میں دوزخ سے آزاد کرتا ہے امام احمد ابوہریرہؓ کی حدیث بیان فرماتے ہیں کہ تین شخصوں کا حق اللہ جل شانہ پر ہے کہ اس کی مدد کرے ایک تو غازی جو خدا کی راہ میں جہاد کو نکلا ہے دوسرا قرض دار جس کا ارادہ قرض ادا کرنے کا بھی ہو اور تیسرا وہ غلام جس کے آقا نے کچھ روپیہ لے کر اسے آزاد کرنے کا وعدہ کیا ہو یا وہ شخص جس کا ارادہ پارسائی کے خیال سے نکاح کرنے کا ہو[۵] اس حدیث کو نسائی ابن ماجہ ابن حبان اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے[۶] جس کے سبب سے بعضے طریق کو بعضوں سے قوت ہو جاتی ہے بیہقی براء ابن عازبؓ کی روایت سے ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر پوچھا کہ مجھے وہ کام بتلایئے جس کے سبب سے جنت میں داخل ہوں آپ نے فرمایا کہ غلام آزاد کر اور گردن چھڑا اس نے کہا کیا یہ دونوں ایک نہیں ہیں آپ نے فرمایا غلام کا آزاد کرنا یہ ہے کہ تو آپ خرید کر آزاد کرے اور گردن چھوڑانا یہ ہے کہ اس کی قیمت میں مدد کر[۷] براء ابن عازبؓ کی یہ حدیث مسند امام احمد اور صحیح ابن حبان میں بھی ہے[۸] جس سے ایک سند کو دوسری سے تقویت ہو جاتی ہے چھٹا مصرف صدقہ کا یہ ہے کہ ایسے قرضداروں کو دیا جاوے جن کے ذمہ کسی کا دینا ہے اور اس کے مال نے کمی کی ہو

[۱] تفسیر ابن کثیر ص ۳۶۵ ج ۲ [۲،۳] تفسیر ابن کثیر ص ۳۶۵ ج ۲ [۴] مشکوٰۃ ص ۲۹۳۔۲۹۴ کتاب العتق والترغیب والترھیب ص ۲۶ ج ۲ الترغیب فی العتق وتحریرہا [۵] تفسیر ابن کثیر ص ۳۶۵ ج ۲ [۶] الترغیب والترھیب ص ۲۰۰ ج ۲ الترغیب فی الجہاد فی سبیل اللہ تعالیٰ الخ [۷] مشکوٰۃ ص ۲۹۳۔۲۹۴ کتاب العتق [۸] تفسیر ابن کثیر ص ۳۶۵ ج ۲ بحوالہ مسند امام احمدؒ الترغیب والترھیب ص ۲۷ ج ۲ الترغیب فی العتق بحوالہ مسند امام احمدؒ صحیح ابن حبان [۹] تفسیر ابن کثیر ص ۳۶۵ ج ۲

مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ۞

اللہ کا اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا

اب وہ ادا کرنے سے مجبور ہیں مسلم، قبیصہ بن مخارق ہلالی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں جس میں قبیصہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے کچھ لوگوں کا دینا تھا میں حضرت کے پاس سوال کی نیت سے آیا آپ نے فرمایا کہ ٹھہر جا صدقہ آئے تو تجھے دوں پھر یہ فرمایا کہ اے قبیصہ رضی اللہ عنہ سوال کرنا سوائے تین شخصوں کے کسی کو حلال نہیں ایک وہ شخص ہے جس پر قرض کا بوجھ ہو اس کو سوال کرنا حلال ہے اگر وہ اتنا پالے جس سے اس کا قرضہ کا بوجھ اتر جائے گا تو رک جائے اور دوسرا وہ شخص ہے جس کو کوئی ایسی آفت پہنچی جس میں اس کا سارا مال برباد ہو گیا اس کو سوال کرنا حلال ہے یہانتک کہ وہ زندگی بسر کرنے کے لائق پا ئے تیسرا وہ شخص ہے جس پر فاقہ گزرا ہو جب تین عقلمند آدمی اس کے فاقہ کی گواہی دیں تو اس کو بھی سوال کرنا حلال ہے یہانتک کہ وہ بقدر بسر اوقات کے پالے اور اس کے سوا اور کسی کو سوال کرنا سخت حرام[1] ہے پھر اللہ پاک نے ساتواں مصرف صدقہ کا بیان فرمایا کہ فی سبیل اللہ خرچ کیا جائے مراد اس سے جہاد ہے اور بعضے علماء کے نزدیک حج بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے پھر اللہ پاک نے آٹھواں مصرف بیان کیا کہ ایسے مسافر کو دیا جائے جو کسی شہر میں گیا ہو اور اس کے پاس اتنا باقی نہ رہا ہو جو سفر میں خرچ کرے یا گھر واپس آئے اس لئے اس کو بقدر کفایت صدقہ میں سے دینا مناسب ہے، تاکہ اس کے زاد راہ کو کافی ہو اور گھر واپس آسکے، خواہ اس کے گھر پر کتنا ہی مال ہو مگر سفر میں اس کی موجودہ تنگدستی کا خیال کیا جائے گا۔ اور اسی طرح اس مسافر کو بھی صدقہ اور زکوٰۃ میں سے دینا چاہیئے جو سفر کا ارادہ رکھتا ہو مگر مفلسی کے سبب سے مجبور ہو ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غنی آدمی کو صدقہ لینا حلال نہیں ہے مگر پانچ شخصوں کو ایک وہ شخص جو صدقہ وصول کرنے پر مقرر ہو دوسرا وہ شخص جس نے اپنے مال سے کسی دوسرے شخص کے صدقہ کی چیز کو خریدا ہو اور تیسرا قرضدار چوتھا خدا کی راہ میں جہاد کرنے والا وہ مسکین جس کو صدقہ میں سے کچھ ملا ہو اگر کسی مالدار کو تحفہ کے طور پر کچھ دے تو وہ غنی شخص کے لئے جائز[2] ہے ابو سعید رضی اللہ عنہ خدری کی یہ روایت مسند امام احمد موطا اور مستدرک حاکم میں بھی ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا[3] ہے بہر حال یہ احکام صدقہ کے اللہ پاک نے فرض کئے ہیں اور اللہ کا علم اور اس کی حکمت بہت وسیع ہے وہ اپنے بندوں کی مصلحت کو اچھی طرح جانتا ہے اسلامی حکومت کے باقی نہ رہنے سے زکوٰۃ کے اگھانے والوں کا خرچ غلام لونڈی کے آزاد کرنے کا خرچ دین کی لڑائی کا خرچ ان اخراجات میں سے تو اب کوئی خرچ باقی نہیں رہا ہاں کوئی نومسلم شخص تنگدست ہو تو اس کو کچھ دے کر اس کا دل پرچا دیا جاوے صحیح مسلم کی روایت کے حوالہ سے اوپر یہ جو گزرا کہ صدقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ اور آپ کی آل کے لئے حلال نہیں ہے ہدایہ میں اس قول کو مذہب حنفی کی ظاہر روایت کا قول ٹھہرا کر صدقہ کے معنے زکوٰۃ کے لئے ہیں اور نفلی صدقہ کو آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں جائز قرار دیا ہے لیکن صاحب فتح القدیر نے صاحب ہدایہ کے اس قول سے اختلاف کیا ہے اور فرضی نفلی سب طرح کے صدقہ کو آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ناجائز ٹھہرایا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک فقط ہاشم بن عبد مناف کی اولاد آل محمد ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ اور ایک روایت میں امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک بنی مطلب بھی آل محمد میں شامل

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۳۶۵ ج ۲ [2] ابوداؤد ص ۲۳۱ ج ۱ باب من یجوز له اخذ الصدقة وهو غنی و تفسیر ابن کثیر ص ۳۶۶ ج ۲ [3] مستدرک حاکم ص ۴۰۷-۴۰۸ ج ۱ مقدار الغنی الذی یحرم السوال و تفسیر ابن کثیر ص ۳۶۶ ج ۲۔

وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ

اور بعضے ان میں بدگوئی کرتے ہیں نبی کی اور کہتے ہیں یہ شخص کان ہے تو کہہ کان ہے تمہارے بھلے

يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَ

کو یقین لاتا ہے اللہ پر اور یقین کرتا ہے بات مسلمانوں کی اور مہر ہے ایمان والوں کے حق میں تم میں سے اور

الَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦١﴾

جو لوگ بدگوئی کرتے ہیں اللہ کے رسول کی ان کو دکھ کی مار ہے۔

ہیں دلیلیں ہر ایک مذہب کی بڑی کتابوں میں ہیں[1] بعضے آریہ لوگوں نے لکھا ہے کہ اہل اسلام کے طریقہ خیرات سے آریہ مذہب کا طریقہ خیرات بہتر ہے علمائے اسلام نے اس کا جو جواب دیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آریہ مذہب کے طریقہ خیرات میں خیرات کا بڑا حصہ آگ میں جلا دیا جاتا ہے جو کسی جاندار کے کام نہیں آتا پھر ایسے بدتر اور بیکار طریقہ خیرات کو بہتر جاننا کسی عقلمند کا کام نہیں ہے۔

۶۱۔ اس آیت میں بھی منافقوں کی یہ فضیحت بیان کی گئی ہے کہ بعضے منافق ایسے جو اللہ کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں اور طرح طرح کی طعن تشنیع کی باتیں کرتے ہیں دلی نفاق کی راہ سے آپ کا نام کان رکھ چھوڑا ہے جس سے ان منافقوں کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان شخص ان منافقوں کی کچھ باتیں آکر حضرتؐ سے بیان کر دیتا ہے تو اسے سچ جان لیتے ہیں اور جب یہ لوگ آپ کے سامنے حاضر ہو کر قسمیں کھا کر اس کے خلاف بیان کرتے ہیں تو انہیں سچا جانتے ہیں اللہ پاک نے اس کا یہ جواب دیا کہ انہیں تم کان کہتے ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ انہیں سچ اور جھوٹ کی تمیز نہیں ہے یہ تو جھوٹے اور سچے کو خوب پہچانتے ہیں مگر تمہاری طرف سے جو تغافل کرتے ہیں یہ محض تمہاری پردہ پوشی کے خیال سے کرتے ہیں یہ بات نہیں ہے کہ سچ اور جھوٹ میں فرق نہیں کرتے ہیں جو لوگ ایماندار ہیں اور ایمان کہہ کر بات کہتے ہیں ان کی باتوں کو قبول کرتے ہیں اور جو منافق ہیں ان کی باتوں کو اگرچہ دل سے نہیں مانتے لیکن یہ اللہ کے رسول اہل نفاق کے حق میں رحمت ہیں کہ زبان سے کچھ کہہ کر منافقوں کا پردہ فاش نہیں ہونے دیتے پھر فرمایا کہ منافق جو ایسی ایسی باتیں کر کے اللہ کے رسول کو ایذا پہنچاتے رہتے ہیں انہیں سخت دردناک عذاب پہنچے گا حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس آیت کی شان نزول میں[2] یہ بیان فرماتے ہیں کہ بنتل بن حارث حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر بیٹھتا تھا اور آپ کی باتیں سن کر منافقوں سے جا کر بیان کر دیا کرتا تھا اور اسی نے یہ بات کہی تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو نرے کان ہی کان ہیں اس کہنے سے ان لوگوں کا مطلب یہ تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کانوں کے ایسے کچے ہیں کہ جو کوئی ان سے کچھ کہہ دیتا ہے وہ مان لیتے ہیں اور تصدیق کر لیتے ہیں[3] صحیح بخاری میں عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حنین کے غنیمت کے مال کی تقسیم کے وقت جب منافقوں میں کے ایک شخص معتب بن قشیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پر اعتراض کیا تو آپ نے یہی فرمایا اللہ موسیٰ علیہ السلام پر رحمت کرے کہ انہوں نے امت کے لوگوں کے ہاتھ سے اس سے زیادہ ایذا اٹھائی ہے شروع آیت میں جو ذکر تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم منافقوں کی طعن تشنیع کی باتیں سن کر یہاں تک درگزر فرماتے تھے کہ منافقوں نے آپ کا نام کان رکھ دیا تھا یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے

[1] نیل الاوطار متعلقہ مباحث ۱۲ [2] تفسیر الدر المنثور ص ۲۵۳ ج ۳ [3] صحیح بخاری ص ۴۴۶ ج ۱ باب ما کان النبی صلے اللہ علیہ وسلم یعطی المؤلفۃ قلوبہم الخ و ص ۴۸۳ ج ۱ کتاب الانبیاء

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَن يُرْضُوهُ إِن كَانُوا

قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی تمہارے آگے کہ تم کو راضی کریں اور اللہ کو اور اس کے رسول کو بہت ضرور ہے راضی کرنا اگر وہ

مُؤْمِنِينَ ﴿٦٢﴾ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَن يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ

ایمان رکھتے ہیں کیا وہ جان نہیں چکے کہ جو کوئی مقابلہ کرے اللہ اور اس کے رسول سے تو اس کو ہے دوزخ

جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ذَٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ﴿٦٣﴾

کی آگ پڑا رہے اس میں یہی ہے بڑی رسوائی

جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کے رسول اپنی ایذا کے موقع پر پچھلے انبیاء کی ایذا کا حال یاد کیا کرتے تھے جس سے اپنی ایذا پر درگزر کا کرنا آپ کو ایک معمولی بات معلوم ہوتی تھی صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے نعمان بن بشیرؓ کی حدیث[1] ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن جس دوزخی شخص پر ہلکا عذاب ہوگا وہ یہ ہے کہ اس شخص کے پیروں میں آگ کی جوتیاں پہنا دی جاویں گی جس سے اس کا دماغ کھول جاوے گا آخر آیت میں منافقوں کے عذاب کو دردناک جو فرمایا اس حدیث کو اس کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت اور حدیث کو ملا کر یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ جب اس دن ہلکے عذاب والوں پر یہ آفت گزریگی جس کا ذکر حدیث میں ہے تو دردناک عذاب والوں کی آفت کا پھر کیا ٹھکانا ہے۔

۶۲-۶۳ اس آیت میں اللہ پاک نے منافقوں کے پوشیدہ راز کو کھول دیا کہ یہ لوگ خلوتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں پر طعن کی باتیں کرتے ہیں اور جب وہ خبر حضرت کو پہنچ جاتی ہے تو سامنے ہو کر خدا کی قسمیں کھا کر کہنے لگتے ہیں کہ یہ بات ہم نے نہیں کہی ہے اور اس جھوٹی قسم سے ان کا منشا یہ ہوتا ہے کہ حضرت اور مومنین ان سے راضی رہیں اس لئے فرمایا کہ اگر یہ لوگ خدا سے ڈر کر اور ایمان لاکر باتیں کرتے اور نفاق چھوڑ دیتے تو بیشک خدا اور اس کا رسول ان سے راضی ہوتا کیا انہیں یہ نہیں معلوم ہے کہ جو خدا اور رسول کی مخالفت کرتا ہے اس کا ٹھکانا ہمیشہ ہمیشہ کو دوزخ میں ہے جو سخت رسوائی کی بات ہے تفسیر سدی اور تفسیر ابن ابی حاتم میں جو قتادہ کا قول ہے اس میں قتادہ اس آیت کی شان نزول میں یہ کہتے ہیں کہ ایک منافق نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ محمدؐ کے ساتھی لوگ یوں تو صاحب عقل اور بہت شریف ہیں لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کہتے ہیں اگر یہ اس کو سچ جانتے ہیں تو یہ لوگ گدھے سے بھی بدتر ہیں بعض روایتوں میں یوں ہے کہ اس منافق جلاس بن سوید نے یہ کہا تھا کہ محمدؐ جو کہتے ہیں اگر وہ سچ ہے تو ہم لوگ کیا گدھے ہیں جو ہماری سمجھ میں وہ حق بات نہیں آتی عامر بن قیس نے یہ بات سنی اور کہا کہ واللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کہتے ہیں حق کہتے ہیں اور تو گدھے سے بھی بدتر ہے یہ خبر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچ گئی آپ نے اس منافق کو بلا کر پوچھا تو نے یہ بات کس لئے کہی تھی وہ قسمیں کھانے لگا کہ میں نے ہرگز یہ بات نہیں کہی ہے مسلمان نے کہا یا اللہ تو سچے کو سچا اور جھوٹے کو جھوٹا کر دے اس پر یہ آیت اتری[2] عربی زبان کا یہ محاورہ ہے کہ ایک بات کو سن کر کوئی شخص بھول جاوے تو ایسے موقع پر الم یعلم کہہ کر اس کو وہ بات یاد دلائی جاتی ہے اس آیت سے پہلے بہت سی آیتیں منافقوں کے عذاب عقبیٰ کے باب میں نازل ہو چکی تھیں اس لئے الم یعلموا فرما کر انہیں وہ عذاب کی آیتیں یاد دلائیں صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی یہ حدیث ایک جگہ

[1] صحیح بخاری ص ۹۷۱ ج ۲ باب صفة الجنة والنار [2] تفسیر الدر المنثور ص ۲۵۳ ج ۳ ولباب النقول ص ۱۱۹۔

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلِ

ڈرا کرتے ہیں منافق کہ نازل نہ ہو ان پر کوئی سورت کہ جتا دے ان کو جو ان کے دل میں ہے تو کہہ

اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ۝ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا

ٹھٹھے کرتے رہو اللہ کھولنے والا ہے جس چیز کا تم کو ڈر ہے اور جو تو ان سے پوچھے تو کہیں ہم تو

گزر چکی ہے کہ اپنی دغابازی کی عادت کے موافق قیامت کے دن جب منافق لوگ اپنے عملوں سے انکار کریں گے تو ان کے ہاتھ پیر ان کے عملوں کی گواہی دے کر انہیں رسوا کریں گے آیت میں منافقوں کی رسوائی کا جو ذکر ہے اس حدیث کو اس کی تفسیر میں بڑا دخل ہے ۶۴۔ اس آیت کے دو معنے مفسروں نے بیان کئے ہیں ایک تو یہ کہ منافق سورت نازل ہونے سے ڈرتے ہیں اور آپس میں کہتے پھرتے ہیں کہ کہیں اللہ پاک ہمارا راز فاش نہ کرے کوئی سورت ہماری فضیحت میں اتار دے اور پھر باوجود اس ڈر کے اپنی مسخراپن کی باتوں سے باز نہیں آتے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ منافقوں کو اس آیت میں اللہ پاک نے خطاب کر کے بیان فرمایا خدا سے ڈرو وہ کوئی سورت اتار کر تمہارا بھید نہ کھول دے تمہارے دلوں میں جو بات ہے اس کی اطلاع مومنوں کو کردے پھر فرمایا اللہ بغیر اطلاع دیئے نہ رہے گا وہ ضرور تمہارے راز مسلمانوں پر کھول دیگا تم سے جہاں تک ممکن ہو دین کی باتوں میں مسخراپن کئے جاؤ خدا تمہاری ان باتوں کو ضرور ظاہر کر کے رہے گا جس کا تمہیں ڈر لگا ہوا ہے خواہ خدا کوئی سورت نازل کر کے بتا دیگا یا بذریعہ جبرئیل کے اپنے رسول کو خبر کر دیگا اور وہ مومنوں سے اس کو کہدیں کے آیت کے دو معنے جو اوپر بیان کئے گئے ان میں پہلے معنے مجاہد کے قول کے موافق ہیں اور حافظ ابو جعفر ابن جریر نے اپنی تفسیر میں انہی معنوں کو قوی ٹھہرایا ہے[۱] صحیح بخاری کے حوالہ سے جابرؓ بن عبد اللہ کی حدیث گزر چکی ہے جس میں عبد اللہ بن ابی منافقوں کے سردار کا یہ قصہ ہے کہ اس نے بنی مصطلق کی لڑائی کے وقت اپنے ساتھیوں سے یہ کہا تھا کہ اس لڑائی سے واپسی کے بعد مہاجرین کو مدینہ سے نکال دیا جاوے گا۔ اور پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن ابی کو بلا کر اس قصہ کی صداقت چاہی تو اس نے قسمیں کھا کر اس بات کے کہنے سے انکار کیا آخر اللہ تعالیٰ نے سورہ منافقون کی آیتیں نازل فرما کر عبد اللہ بن ابی کو جھوٹا ٹھہرایا جس سے وہ بہت رسوا ہوا اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت اور حدیث کو ملا کر یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ ان منافقوں سے جہاں تک ہو سکے یہ دین کی باتوں میں مسخراپن کئے جاویں اور اس مسخراپن کو چھپاویں یہ یاد رکھیں کہ ان کا وہ مسخراپن چھپنے والا نہیں اللہ ان کے اس آپس کی بھید کو کھول کر ان کو اس طرح رسوا کریگا جس طرح بنی مصطلق کی لڑائی کے وقت اس نے ان کے سردار عبد اللہ بن ابی کو رسوا کیا۔

۶۵-۶۶ تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور قتادہ سے جو شان نزول ان آیات کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت کے زمانہ میں ایک جماعت منافقین کی تھی کبھی تو وہ آنحضرت کی شان میں خفیہ طور پر بدگوئی کرتے تھے اور کبھی قرآن شریف کی شان میں کچھ کہتے تھے اور جب ان سے دریافت کیا جاتا تو صاف مکر جاتے اور کہتے تھے کہ ہم تو اور آپس کی باتیں کر رہے تھے ان کا حال ظاہر ہو جانے کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں تفسیر ابن مردویہ تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور قتادہ کی جو روایتیں ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ منافق لوگ تبوک کے سفر میں

[۱] صحیح مسلم ص ۹۰ ج ۲ کتاب الاقصد [۲] تفسیر ابن جریر ص ۱۱۱ ج ۱۰ [۳] صحیح بخاری ص ۷۲۹ ج ۲ تفسیر سورہ منافقون [۴] تفسیر الدر المنثور ص ۲۵۴ ج ۳

كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ﴿٦٥﴾

بول چال کرتے تھے اور کھیل تو کہہ کیا اللہ سے اور اس کے کلام سے اور اس کے رسول سے ٹھٹھے کرتے تھے

لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ إِن نَّعْفُ عَن طَائِفَةٍ

بہانے مت بناؤ تم کافر ہو گئے ایمان لا کر اگر ہم معاف کریں گے تم میں بعضوں

مِّنكُمْ نُعَذِّبْ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿٦٦﴾

کو تو البتہ مار بھی دیں گے بعضوں کو اس پر کہ وہ گنہگار تھے

لشکر اسلام کے ساتھ تھے اور انہوں نے اپنی عادت کے موافق لشکر اسلام میں کمزوری پھیلانے اور دین اسلام میں رخنہ ڈالنے کی بہت سی باتیں خفیہ طور پر آپس میں کیں کوئی کہتا تھا جن لوگوں سے ہم لڑنے کو جا رہے ہیں انداز سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ ہم کو قید کر کے اور ہاتھ پیر رسیوں سے باندھ کر ڈال دیویں گے کوئی کہتا تھا کہ اگرچہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ کبھی نہ کبھی روم کے ملک پر اہل اسلام کا قبضہ ہو جاویگا مگر ہم کو تو اس کا یقین نہیں آتا کوئی کہتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد قرآن کو لوگوں کی ہدایت کے لئے کافی بتلاتے ہیں لیکن ہم کو تو قرآن اللہ کا کلام نہیں معلوم ہوتا ان لوگوں کی ان باتوں پر اللہ تعالےٰ نے قسم کھا کر فرمایا کہ اے رسول اللہ کے اگر تم ان باتوں کا حال منافقوں سے دریافت کرو گے تو یہ لوگ صاف کہہ دیں گے کہ مسافر لوگ رستہ کٹ جانے کی غرض سے جس طرح راستہ میں دل لگی کی باتیں کرتے ہیں ہم تو اس طرح آپس میں دل لگی کی باتیں کر رہے تھے لیکن ان لوگوں کا یہ عذر بالکل غلط ہے دل لگی کے لئے دنیا کی اور سینکڑوں باتیں تھیں کیا یہی لشکر اسلام میں کمزوری پھیلانے اور دین اسلام میں رخنہ ڈالنے کی باتیں ان کے دل لگی کے لئے دنیا میں تھیں یہ لوگ ظاہری اسلام جو جتلاتے تھے ان باتوں کے منہ سے نکالنے کے سبب سے اب وہ بات بھی جاتی رہی کیونکہ ان باتوں کے منہ سے نکالنے سے یہ لوگ ظاہر و باطن سب طرح کافر ہو گئے۔ اب آخر کو فرمایا کہ علم الٰہی کے موافق جو لوگ ان میں کے خالص دل سے توبہ کر لیں گے تو ان کے پچھلے گناہ اللہ تعالیٰ معاف کر دیگا اور جو لوگ اس منافقانہ حالت پر مر جاویں گے وہ اپنے ظاہری اسلام سے پہلے اور ظاہری اسلام سے پچھلے سب اعمالوں کی سزا بھگتیں گے صحیح مسلم میں عمرو بن العاصؓ کی روایت[1] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام لانے سے ہر شخص کے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں صحیح مسلم کے حوالہ سے[2] عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص خالص دل سے دائرہ اسلام میں داخل ہو کر ظاہر و باطن سب طرح سے اسلامی احکام کا پابند ہوگا اسلام لانے کے سبب سے ایسے شخص کے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاویں گے اور جو شخص دل میں کھوٹ رکھ کر ظاہری اسلام قبول کریگا اس کو اگلے پچھلے سب گناہوں کا وبال عقبیٰ میں بھگتنا پڑے گا صحیح مسلم کے حوالہ سے ابو ہریرہؓ کی حدیث بھی ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی نظر انسان کی ظاہری حالت پر نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی نظر تو ہمیشہ انسان کے دل پر لگی رہتی ہے[3] کہ نیک کام کرتے وقت انسان کے دل میں کسی طرح کی کھوٹ

[1] صحیح مسلم ص ۷۶ ج ۱ باب کون الاسلام یہدم ما قبلہ الخ [2] صحیح مسلم ص ۷۵ ج ۱ باب ھل یؤخذ باعمال الجاھلیۃ [3] صحیح مسلم ص ۳۱۷ ج ۲ باب تحریم المسلم وخذلہ واحتقارہ الخ۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

منافق مرد اور عورتیں سب کی ایک چال ہے سکھادیں بات بری اور چھڑا دیں بھلے

الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۭ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (۶۷)

کام سے اور بند رکھیں اپنی مٹھی بھول گئے ہیں اللہ کو سو وہ بھول گیا ان کو تحقیق منافق وہی ہے بے حکم

تو نہیں ہے ان حدیثوں کو ان دونوں آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیتوں اور حدیثوں کے ملانے سے یہ مطلب ٹھہرتا ہے کہ آیتوں میں جن منافقوں کا ذکر ہے ان میں سے جتنے شخصوں نے منافق پن کو چھوڑ کر خالص دل سے ظاہر و باطن ہر طرح اسلام کی پابندی اختیار کی ان کو توبہ اور آئندہ کے خالص اسلام نے فائدہ پہنچایا اور ان میں کے جو لوگ دل میں کھوٹ رکھتے ہیں اور ظاہر میں اپنے آپ کو مسلمان جتلاتے تھے اللہ تعالیٰ کی نظر ان کے دل پر ہی پڑی اس لئے جہاد میں ان کا لشکر اسلام کے ساتھ رہنا اور اوپرے دل سے ارکان اسلام کا بجا لانا ان لوگوں کے کچھ کام نہ آیا عمرو بن العاصؓ کی روایت کو عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے ملایا جاوے تو یہ مطلب بھی اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ بغیر خالص دل کے اسلام لانے کے پچھلے گناہ معاف نہیں ہوتے۔

۶۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تین سو منافق تھے اور ایک سو ستر منافق عورتیں تھیں اللہ پاک نے ان کا حال بیان فرمایا کہ ان کے عمل ایک کے ایک سے مشابہ ہیں کہ یہ لوگ منکر کا حکم کرتے ہیں اور اس کو بجا لاتے ہیں منکر اس کام کو کہتے ہیں۔ جو شرعاً ناجائز ہو امر معروف سے باز رہتے ہیں معروف اس کام کو کہتے ہیں جو شرعاً پسندیدہ ہے مطلب یہ ہے کہ ان کے کام مومنوں کے برخلاف ہیں مومن بری باتوں سے بچتے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں اور یہ لوگ برے کام کرتے ہیں اور اچھے کاموں سے باز رہتے ہیں پھر فرمایا کہ اپنے ہاتھوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے انہوں نے روک رکھا ہے نہ صدقہ دیتے ہیں نہ جہاد میں خرچ کرتے ہیں اور نہ دوسرے نیک کاموں میں اپنا مال اٹھانا گوارا کرتے ہیں ان لوگوں نے خدا کو اپنے دل سے فراموش کر دیا ہے خدا بھی انہیں بھول جائیگا جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کی نظر رحمت سے دور رہیں گے یہ لوگ فاسق ہیں راہ حق کو چھوڑ کر گمراہی کے راستہ میں پڑے ہوئے ہیں ان کا فسق و فجور کامل ہے جو اپنے حال پر جے ہوئے ہیں معتبر سند سے ابو امامہؓ کی روایت مسند امام احمدؒ وغیرہ کے حوالہ سے ایک جگہ گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے ایماندار آدمی کی نشانی پوچھی تھی جس کے جواب میں آپ نے فرمایا نیک کام کرکے جس آدمی کا دل خوش ہو اور برا کام کرکے وہ پچھتاوے ایسا آدمی ایماندار ہے[۵] اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیت اور حدیث کو ملا کر یہ مطلب ٹھہرتا ہے کہ ایماندار شخص کے دل میں عقبیٰ کے ثواب اور عذاب کا پورا یقین ہوتا ہے اس لئے نیک کام کرکے اس کے ثواب کی امید سے اس کا دل خوش ہوتا ہے اور برا کام کرکے عذاب کا خوف اس کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے اس لئے برا کام کرنے کا اسے پچھتاوا ہوتا ہے۔ منافق شخص کے دل میں عقبیٰ کے ثواب اور عذاب کا پورا یقین نہیں ہوتا اس لئے اچھا کام کرنے اور برے کام سے بچنے کی اسے خود بھی توفیق نہیں ہوتی اور دوسروں کو بھی وہ اپنے رنگ میں ملانا چاہتا ہے غلبہ اسلام کے زمانہ میں منافق وہ لوگ کہلاتے تھے جو مسلمانوں کے ہاتھ سے اپنی جان اور اپنا مال بچانے کی غرض سے ظاہر میں تو اسلام قبول کر لیتے تھے مگر ان کے دل میں کفر کا اعتقاد جما رہتا تھا اگرچہ دل کا حال سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو معلوم نہیں

[۵] مشکوٰۃ ص ۱۶ کتاب الایمان۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ هِيَ

وعدہ دیا اللہ نے منافق مرد اور عورتوں کو اور منکروں کو دوزخ کی آگ پڑے رہیں اس میں وہی بس

حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۶۸﴾ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا

ہے ان کو اور اللہ نے ان کو پھٹکارا اور ان کو ہے عذاب برقرار　جس طرح تم سے اگلے زیادہ تھے

اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ

زور میں تم سے اور بہت رکھتے مال اور اولاد پھر برت گئے اپنا حصہ پھر تم نے برت لیا

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک یہ بات تھی کہ اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی کے اپنے رسول کو ایسے لوگوں کے دل کا حال جتلا دیا کرتا تھا اب وحی کا زمانہ باقی نہ رہنے کے سبب سے کسی کے دل کا حال تو معلوم نہیں ہو سکتا ہاں ظاہری عملوں میں جو شخص مثلاً نماز میں سستی کریگا یا جھوٹ بولے گا یا لڑائی جھگڑے کے وقت گالی منہ سے نکالے گا یا امانت میں خیانت اس سے ظہور میں آویگی تو ایسے شخص کو یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ شخص عملی منافق ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کے ظاہری عمل تو منافقوں کے سے ہیں لیکن اس کے دلی اعتقاد کا حال اللہ کو معلوم ہے صحیح بخاری میں حذیفہؓ بن الیمان کی جو یہ روایت ہے کہ منافق پنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک تھا[1] اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک اعتقادی منافقوں کا حال بذریعہ وحی کے معلوم ہو جاتا تھا وحی کے زمانہ کے بعد یہ دلی حال کسی کو معلوم نہیں ان حذیفہؓ کو منافقوں کا حال خوب تفصیل سے معلوم تھا یہاں تک کہ یہ اسبات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھید کی حدیثوں کا خزانہ مشہور تھے اعتقادی منافق اور عملی منافق میں یہ فرق ہے کہ اعتقادی منافق کافر ہے اور عملی منافق کبیرہ گناہ کا گنہگار ہے۔

۶۸۔ اللہ پاک نے منافق مرد اور عورتوں کا حال بیان فرما کر اب یہ فرمایا کہ یہ وعدہ اللہ نے کر لیا ہے کہ منافق مرد اور عورتوں اور کفار کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ڈالے گا اور فرمایا کہ بس اُن کے اُن افعال کی عوض میں یہی آگ کافی ہوگی اور پھر فرمایا کہ خدا نے ان پر لعنت بھی بھیجی ان پر کبھی کسی قسم کی اس کی رحمت نہ ہوگی اور اسی لئے پھر یہ فرمایا کہ ان پر ایسا عذاب نہیں کیا جائے گا جو کبھی منقطع ہوگا بلکہ وہ عذاب ان پر ہوگا جو ہمیشہ کے لئے قائم رہیگا سورہ نساء میں گزر چکا[2] ہے کہ دوزخ کی آگ سے جب دوزخیوں کی ایک کھال جل جاویگی تو فوراً اس کی جگہ نئی کھال پیدا ہو جاوے گی سورۃ الحج میں آوے گا کہ جب دوزخی لوگ عذاب سے گھبرا کر دوزخ سے نکلنا چاہیں گے تو فرشتے انہیں ڈھکیل کر پھر دوزخ کے اندر ڈال دیوینگے یہ آیتیں عذاب مقیم کی گویا تفسیر ہیں۔

۶۹۔۷۰۔ اوپر کی آیتوں میں بہت دور سے آنحضرت کے وقت کے جن منافقوں کا ذکر آرہا ہے اب ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے دو طرح کے پہلے لوگوں کا حال ان منافقوں کو یاد دلایا اول تو مبہم طور پر یہ فرمایا کہ ان منافقوں کا حال رسول اور کلام الٰہی سے ٹھٹھا کرنے اور نافرمانی میں پہلے لوگوں کا سا ہے اور باوجود اس کے کہ پہلے لوگ جسمانی قوت اور درازی عمر اور کثرت مال واولاد میں ان سے بڑھ کر تھے لیکن سوا چند روزہ شرارت کر لینے کے نہ دنیا میں ان کو کچھ ثمرہ ملا کس واسطے کہ اللہ کے رسول آخر کو غالب رہے اور رسولوں کے مخالف لوگ عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر پامال اور ہلاک ہو گئے اور عقبیٰ میں جو کچھ ایسے لوگوں کا انجام ہوگا وہ

[1] صحیح بخاری ص ۱۰۵۴ ج ۲ کتاب الفتن و مشکوٰۃ ص ۱۷ باب الکبائر و علامات النفاق [2] تفسیر ہذا ص ۳۲۳ جلد اول +

بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِي
اپنا حصہ جیسے برت گئے تم سے اگلے اپنا حصہ اور تم نے قدم ڈالے ہیں جیسے انہوں نے

خَاضُوا أُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَئِكَ هُمُ
قدم ڈالے تھے وہ لوگ مٹ گئے ان کے کئے دنیا میں اور آخرت میں اور وہی لوگ پڑے

الْخَاسِرُونَ ﴿۶۹﴾ أَلَمْ يَأْتِهِمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ
ہیں زیاں میں کیا پہنچا نہیں ان کو احوال اگلوں کا قوم نوح کا اور عاد کا اور ثمود کا

سب کی آنکھوں کے سامنے آجا دیگا علاوہ اس کے عقبیٰ کے انجام کا نمونہ دنیا میں بھی بعضے موقعوں پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو دکھا دیا مثلاً ایسے لوگوں کے جنازہ کی نماز سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو منع فرما دیا جس کا ذکر آگے آتا ہے یا مثلاً بعضے منافقوں کی موت کے وقت سخت آندھی چلی جس کا ذکر صحیح مسلم میں جابرؓ بن عبداللہ کی حدیث میں ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس مبہم خوف کے بعد قوم نوحؑ قوم ہودؑ قوم صالحؑ قوم ابراہیمؑ قوم لوطؑ قوم شعیبؑ کا ذکر صراحت سے اس لئے فرمایا کہ ملک شام عراق یمن ایسی ہی بستیوں میں یہ آفت زدہ قومیں رہتی تھیں جہاں آنحضرت کے زمانہ کے منافقوں کا گزر تجارت کی غرض سے اکثر ہوتا رہتا تھا چنانچہ تبوک کی لڑائی کے جاتے وقت راستہ میں منافقوں نے چند شرارتیں آنحضرت اور قرآن شریف کی بدگوئی کی جو کی تھیں اس وقت ان لوگوں کا گزر قوم صالحؑ کے وطن میں تھا غرض اس روزمرہ گزر کے سبب سے یہ منافق رات دن سنتے رہتے تھے کہ خدا اور رسول کے مخالف لوگوں کا انجام یہ ہے کہ کسی کو طوفان نے آن گھیرا اور کسی کو آندھی نے کسی پر پتھر برسے اور کوئی باوجود بادشاہی قوت رکھنے کے مچھر کا لقمہ بن گیا یہ جو کچھ رات دن سنتے رہتے تھے وہی پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو سنا کر اچھی طرح ان کے کان کھول دیئے کہ اگر اپنی شرارت اور نافرمانی سے باز نہ آویں گے تو ان پر بھی کوئی بلا اللہ کی طرف سے آنے والی ہے پھر مسلمانوں کا ذکر آئندہ کی آیت میں اس صراحت سے فرمایا کہ منافقوں کی بری عادت کے مقابلہ میں مسلمانوں کی ایک اچھی عادت ذکر فرمائی مثلاً منافقوں کی عادت ذکر فرمائی کہ شریعت میں جو باتیں ناروا ہیں ان کو پھیلاتے ہیں اور آپس میں اسی کے چرچے رکھتے ہیں اور جن باتوں کا شریعت میں حکم ہے ان کو خود بھی نہیں کرتے اور اور لوگوں کو بھی ان باتوں سے روکتے ہیں اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی یہ عادت ذکر فرمائی کہ جن باتوں کا شریعت میں حکم ہے ان کو وہ خود بھی کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی ان کے کرنے کی حرص اور رغبت دلاتے ہیں اور شریعت کی ناروا باتوں سے خود بھی بچتے ہیں اور اور لوگوں کے بھی بچانے کی کوشش کرتے ہیں اسی طرح منافقوں کی یہ بری عادت ذکر فرمائی کہ وہ صدقہ خیرات سے اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی عادت ذکر فرمائی کہ وہ زکوٰۃ اور صدقہ خیرات میں فراخ دست ہیں پھر اسی طرح دونوں فرقوں کا آخرت کا مقابلہ جتلانے کو فرمایا کہ منافقوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے جہنم کا ٹھکانا ٹھہرا رکھا ہے اور مسلمانوں کے لئے جنت کا ٹھکانا ٹھہرا رکھا ہے یہ مقابلہ کے طور پر دونوں فرقوں کی عادتیں اللہ تعالیٰ نے اس لئے ذکر فرمائیں کہ دونوں فرقوں کو ہدایت ہو منافق اپنے ناشائستہ عادتوں سے شرما کر ان عادتوں کو آئندہ ترک کریں اور مسلمانوں کی عادتوں کو سیکھیں اور اختیار کریں اور مسلمان اپنی جگہ ہوشیار اور خبردار ہو جائیں اور ان میں کوئی چھوٹی بڑی منافقوں کی عادت ہو تو اس کو فوراً چھوڑ کر سیدھے اور پکے مسلمان بن جائیں کیونکہ صحیح حدیثوں میں جہاں منافقوں کی عادت کا ذکر ہے وہاں اس کی بھی صراحت

وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

اور قوم ابراہیم کا اور مدین والوں کا اور الٹی بستیوں کا پہنچے ان پاس ان کے رسول

بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾

صاف حکم لے کر پھر اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ اپنے اوپر ظلم کرتے تھے

ہے کہ جس شخص میں یہ سب عادتیں ہیں وہ پورا منافق ہے اور جس میں ایک دو عادتیں ہیں وہ پورا مسلمان نہیں ادھورا منافق ہے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم کی عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت[1] میں اس کا ذکر صراحت سے ہے اور بعض حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آخر زمانہ میں لوگوں کا حال بہت بدل جاوے گا اور منافقوں کی عادتیں لوگوں میں بہت پھیل جاویں گی یہاں تک کہ دنیا میں ایسی بے دینی اور خرابی پھیل جاوے گی کہ ہزار میں ایک دیندار گھر ہوگا تو اس کو اپنا دین سنبھالنا ایسا مشکل ہوگا جس طرح مٹھی میں آگ کا انگارہ پکڑنا مشکل ہے۔ یہ حدیث انس رضی اللہ عنہ بن مالک کی روایت سے ترمذی میں ہے اگرچہ ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا[2] ہے لیکن ناقابل اعتراض سند سے اس مضمون کی دوسری حدیث ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ خشنی کی روایت سے ابوداؤد و ترمذی اور ابن ماجہ میں[3] ہے جس سے اس انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو تقویت ہو جاتی ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسے اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے رفیق کی مثال مشک کی اور برے رفیق کی مثال لوہار کے کھال دھونکنے والے شخص کی فرمائی[4] ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح مشک کے پاس بیٹھنے والے شخص کو خوشبو کا فائدہ پہنچتا ہے اسی طرح اچھے رفیق کی رفاقت سے ہر شخص کو کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچنے کی امید ہے اور جس طرح کھال دھونکنے والے شخص کے پاس بیٹھنے سے چنگاری اڑ کر پڑ جانے اور کپڑوں کے جل جانے کا اندیشہ ہے اسی طرح برے رفیق کی رفاقت سے دین کی خرابی کا اندیشہ ہے ان سب حدیثوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آیت میں منافقوں کی جن عادتوں کا ذکر ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے موافق اس آخری زمانہ میں جب وہ عادتیں کثرت سے لوگوں میں پھیل گئی ہیں تو گویا کھال دھونکنے والے شخص جیسے رفیق کثرت سے پیدا ہو گئے ہیں جن کی رفاقت سے ہر دیندار شخص کو پرہیز لازم ہے کیونکہ ایسے لوگوں کی رفاقت سے جس دیندار شخص میں منافقوں کی سی کوئی عادت پیدا ہو گئی تو صحیح حدیث کے موافق وہ ادھورا منافق ہے اور جس دیندار شخص میں یہ سب عادتیں پیدا ہو گئیں وہ پورا منافق ہے جھوٹ بولنا وعدہ خلافی کا کرنا امانت میں خیانت کا کرنا لڑائی جھگڑے کے وقت گالی کا منہ سے نکالنا یہی علامتیں اور عادتیں منافق لوگوں کی ہیں اور اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کے موافق اس آخری زمانے میں یہ عادتیں ایسی عام ہیں کہ دیندار شخص کو ان عادتوں سے بچنا ایسا ہی مشکل ہے جس طرح آگ کے انگارہ کو مٹھی میں لینا مشکل ہے جن لوگوں میں تھوڑی یا بہت یہ عادتیں ہیں ان کو اُن کے چھوڑ دینے کی اور جو اللہ

[1] مشکوٰۃ ص ۱۷ باب الکبائر و علامات النفاق [2] جامع ترمذی ص ۵۰ ج ۲ کتاب الفتن [3] ابوداؤد ص ۵۹۷ ج ۲ باب الامر والنہی وابن ماجہ ص ۲۹۹ باب قولہ تعالیٰ یا ایہا الذین آمنوا علیکم الخ و جامع ترمذی ص ۱۳۱ ج ۲ کتاب التفسیر [4] صحیح مسلم ص ۳۳۰ ج ۲ باب استحباب مجالسۃ الصالحین الخ

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

اور ایمان والے مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں سکھاتے ہیں نیک بات

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ

اور منع کرتے ہیں بری سے اور کھڑی رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور حکم میں چلتے ہیں

کے بندے اب تک ان عادتوں سے بچے ہوئے ہیں ان کو ہمیشہ ان سے بچنے کی اللہ تعالیٰ توفیق دیوے آمین یارب العالمین آخر کو ہر ایک طرح کے گنہگار کو جتلا دینے کے لئے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عادت ظلم وزیادتی کی نہیں ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوذرؓ کی روایت کی حدیث قدسی ایک جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ظلم کو اپنی ذات پاک پر حرام کر لیا ہے[۱] یہ حدیث آیت کے آخری ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے۔

۷۱۔ اللہ پاک نے منافقوں کے بُرے اوصاف بیان کر کے اُن کے مقابلہ میں یہ ایماندار لوگوں کے اوصاف بیان فرمائے مختصر طور پر اس مقابلہ کا فائدہ اوپر کی آیت کی تفسیر میں بیان کر دیا گیا ہے ایمانداروں کے اوصاف میں سے پہلا وصف یہ بیان کیا کہ مومن آپس میں ایک دوسرے کے مددگار غمخوار رنج وغم میں ساتھ دینے والے ہیں جب ایک مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو دوسرا بے چین ہو جاتا ہے جس طرح دیوار کی حالت ہوتی ہے کہ ایک اینٹ کو دوسری اینٹ سے مضبوطی اور قیام ہوتا ہے اسی طرح سب مومن باہم ملے جلے ہیں ایک کو ایک سے تقویت ہے صحیح بخاری ومسلم میں نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومنوں کی آپس کی غمخواری اور مددگاری کی مثال ایسی ہے جیسے اعضا آدمی کے آپس میں ایک دوسرے کے غمخوار اور مددگار ہیں کہ جب ایک عضو کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو دوسرے عضو کو بھی اس کا اثر پہنچتا ہے مثلاً ایک انگلی دُکھے تو سر سے پیر تک بخار کی حرارت ہو جاتی ہے[۲] دوسری تعریف مومنوں کی یہ بیان فرمائی کہ جس طرح منافق بُری باتوں کو اختیار کرتے ہیں اور اچھے کاموں سے باز رہتے ہیں اس کے برخلاف جو نیک خصلت ہے کہ اچھی باتوں کو اختیار کیا جائے اور بری باتوں سے پرہیز کیا جائے وہ وصف مومنوں کے اندر پایا جاتا ہے کہ یہ لوگ ناجائز باتوں سے بچتے ہیں اور حکم شرع کے موافق جو کرنے کی باتیں ہیں ان کو چستی سے بجا لاتے ہیں اور دوسروں کو بھی اسی کی نصیحت کرتے رہتے ہیں پھر یہ تعریف بیان کی کہ نماز وزکوٰۃ کے پابند ہیں نماز بھی پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ بھی دیتے ہیں بدنی اور مالی ہر طرح کی عبادت کیا کرتے ہیں پھر فرمایا کہ یہ اوصاف ان لوگوں میں اس لئے ہیں کہ یہ لوگ ہر ایک امر میں خدا اور رسول کے محکوم بندے ہیں ہر وقت اس کے فرمانبردار خدا اور رسول کا جو کچھ انہیں حکم ہوگا اس کی بجا آوری میں کسی قسم کی کوتاہی ان سے نہ ہوگی پھر فرمایا کہ یہ لوگ جن میں یہ صفتیں پائی جاتی ہیں اللہ ان پر اپنی خاص رحمت نازل کریگا وہ بڑا ہی حکمت والا ہے اس کا کوئی کام انصاف اور حکمت سے خالی نہیں زبردست وہ ایسا ہے کہ جو کچھ وہ کرنا چاہے اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ دو آدمیوں میں ایک سی عادت کا ہونا اور بات ہے اور دو آدمیوں کا ایک سی عادت پر ہو کر آپس میں غمخواری کا برتاؤ رکھنا اور بات ہے اور پھر دو آدمی جس دین پر ہوں اس دین کے موافق باتوں میں دو آدمیوں کا ایک سی عادت پر ہونا اور بات ہے علاوہ اس دین کی مخالف باتوں میں ایک سی عادت پر ہونا اور بات ہے اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی شان میں

[۱] صحیح مسلم ص ۳۱۹ ج ۲ باب تحریم الظلم [۲] صحیح مسلم ص ۳۲۱ ج ۲ باب تراحم المومنین الخ۔

اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ ؕ اُولٰٓئِکَ سَیَرْحَمُھُمُ اللّٰہُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ﴿۷۱﴾

اللہ اور اس کے رسول کے وہ لوگ ان پر رحم کرے گا اللہ البتہ اللہ زبردست ہے حکمت والا

بعضھم من بعض جو فرمایا اس کا مطلب یہی ہے کہ اپنی جان اپنا مال بچانے کے لئے اگرچہ یہ لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں لیکن اسلام کی مخالفت میں یہ سب کمر بستہ اور ایک سی عادت کے ہیں اور مخالف اسلام لوگوں کا جتھا قائم رکھنا اللہ کو منظور نہیں ہے اس لئے ان میں آپس کی غمخواری نہیں ہے پھر ایماندار لوگوں کا حال فرمایا کہ اللہ اور رسول کے حکم پر چلتے ہیں یہ سب ایک سی عادت کے ہیں اور ایسے لوگوں کے جتھے کو قائم رکھنا اللہ کو منظور ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان میں آپس کی غمخواری پیدا کر دی ہے اُس کی ان حکمتوں کو وہی خوب جانتا ہے صحیح بخاری اور مسلم کے حوالہ سے زینب رضؓ بنت جحش رضؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عالم لوگوں کے وعظ نصیحت کو چھوڑ دینے سے جس بستی کے عام لوگوں میں گناہوں کی کثرت ہو جاوے گی تو ایسی بستی کے تمام لوگوں پر کوئی عذاب آجاوے گا[۱] صحیح بخاری اور مسلم میں اسامہ بن زیدؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن بعضے عالم لوگوں کو طرح طرح کے عذاب میں گرفتار دیکھ کر عام دوزخی لوگ ان عالموں سے پوچھیں گے کہ تم تو ہمیں گناہوں سے بچنے کی نصیحت کیا کرتے تھے پھر تم کیونکر اس عذاب میں گرفتار ہو گئے وہ عالم لوگ جواب دیویں گے کہ ہم خود اس نصیحت کے موافق عمل نہیں کرتے تھے اس واسطے ہم پر یہ بلا آگئی[۲] آیت میں ایماندار لوگوں کی آپس کی نصیحت کا جو ذکر ہے یہ حدیثیں گویا اس کی تفسیر ہیں جس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ ایماندار عالموں کی نشانی یہ ہے کہ وہ عام لوگوں کو شریعت کی پابندی کی نصیحت کرتے رہیں اور خود بھی اس کے موافق عمل کریں عام لوگوں کی ایمانداری کی نشانی یہ ہے کہ وہ عالموں کی نصیحت کے پابند ہوں جس بستی کے عالموں اور عام لوگوں میں سے یہ باتیں اٹھ جاویں گی تو ان سب پر کوئی عذاب الٰہی دنیا میں بھی نازل ہو جاوے گا اور عقبیٰ میں بھی اُن کا ٹھکانا دوزخ ٹھہریگا۔ اہل سنت کے اعتقاد کے موافق اگرچہ کبیرہ گناہوں کے وہ گنہگار آخر کو دوزخ سے نکل کر جنت میں جاویں گے جن کے اعتقاد میں شرک نہ ہوگا لیکن آگ میں جلنے کا عذاب تو وہ بلا ہے جس کی گھڑی دو گھڑی کی برداشت بھی انسان سے نہیں ہو سکتی پھر آگ بھی وہ آگ جو دنیا کی آگ سے انہتر درجہ زیادہ تیز ہے اور عذاب بھی عذاب جو برسوں رہنے والا ہے اللہ تعالیٰ ہر ایک مسلمان کو اس بلا سے بچاوے بعضے آریہ لوگوں نے اسلام کے طریقہ نماز پر طرح طرح سے اعتراض کئے ہیں اہل اسلام نے اس کے جواب میں اہل اسلام کی نماز اور آریہ فرقہ کی سندھیا کا مقابلہ کر کے ان باتوں کو تفصیل سے لکھا ہے کہ اسلام کی نماز میں اللہ کی وحدانیت اور اسی کی خالص بندگی ہے اور سندھیا میں اندر وشنو وغیرہ دیوتاؤں کی پوجا ہے نہ اس میں اللہ کی وحدانیت ہے نہ اس کی خالص بندگی ہے سندھیا کے سوا کوئی طریقہ نماز کا فرقہ آریہ کے مذہب میں نہیں ہے اور اس سندھیا کا وہ حال ہے جو اوپر بیان کیا گیا پھر معلوم نہیں ایسے فرقہ کے لوگوں کو خالص وحدانیت الٰہی کے طریقہ عبادت پر اعتراض کرنے کا حق کونسے وید نے دیا ہے اگر سندھیا کی حقانیت کے خیال سے یہ اعتراض کیا گیا ہے تو سندھیا کی حقانیت تو خود وید سے ہی نہیں نکلتی کیونکہ سندھیا کا پتہ و نشان کہیں کسی وید میں نہیں ہے چاروں وید اس کے ذکر سے خالی ہیں پھر ایسے بے پتہ طریقہ کی حقانیت کا خیال ہی کیا ضرور ہے۔

[۱] صحیح بخاری ص ۴۹۴، ۱۰۴۶ ج ۲ کتاب الفتن [۲] صحیح بخاری ص ۴۶۲ ج ۱ باب صفۃ النار و ص ۱۰۵۲ ج ۲ کتاب الفتن۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

وعدہ دیا اللہ نے ایمان والے مردوں اور عورتوں کو باغ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں رہا کریں

فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ

ان میں اور مکان ستھرے رہنے کے باغوں میں اور رضامندی اللہ کی سب سے بڑی یہی

۷۲۔ اللہ پاک نے مومنوں کے اوصاف بیان کر کے جو عقبیٰ میں ان کے واسطے جو جزائے خیر مقرر کی ہے اس کا ذکر فرمایا کہ ہم نے مومنوں سے اس بات کا وعدہ کر لیا ہے کہ انہیں آخرت میں جنت کے اندر داخل کریں گے وہ مومن خواہ مرد ہوں خواہ عورت ہوں اور جنت بھی ایسی ہوگی جس میں نہریں جاری ہیں اور بہت اچھے اچھے مکان اس میں بنے ہوئے ہیں اگرچہ دوزخ کے عذاب اور جنت کی نعمتوں کی تفصیل میں بہت سی صحیح حدیثیں آئی ہیں لیکن صحیح بخاری و مسلم میں انس رضی اللہ عنہ بن مالک کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ کے عذاب کی جو تفصیل مجھکو معلوم ہے اگر وہ تفصیل لوگوں کو معلوم ہو جاوے تو وہ روتے روتے تھک جاویں اور ان کا ہنسی کی بات پر ہنسنا بالکل کم ہو جاوے[1] اسی طرح صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث قدسی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے جنت میں وہ وہ نعمتیں پیدا کی ہیں کہ جو نہ کسی نے آنکھوں سے دیکھیں نہ کانوں سے سنیں نہ ان کا خیال کسی کے دل میں آسکتا ہے[2]۔ ان صحیح حدیثوں کے موافق یہ کہا جا سکتا ہے کہ دوزخ کے عذاب اور جنت کی نعمتوں کی پوری تفصیل انسان کی طاقت سے باہر ہے جنت میں ایک بہت بلند مقام ہے اور عرش سے بہت نزدیک اس کا نام وسیلہ ہے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مسکن ہے امام احمد ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث بیان فرماتے ہیں کہ حضرت نے یوں فرمایا ہے کہ جب تم مجھ پر درود بھیجو تو میرے واسطے خدا سے وسیلہ مانگو پوچھا کہ یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم وسیلہ کیا چیز ہے آپ نے فرمایا وسیلہ جنت میں ایک اعلیٰ درجہ ہے جس کو سوائے ایک شخص کے اور کوئی نہیں پانے گا مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں[3] مسلم نے بھی اس حدیث کو عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت سے[4] یوں بیان کیا ہے کہ جب مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنو تو جس طرح وہ کہتا ہے تم بھی کہو پھر مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ پاک اس پر دس بار درود بھیجتا ہے پھر میرے واسطے وسیلے کی دعا مانگو اور وسیلہ جنت میں ایک مقام ہے وہ کسی بندے کے لائق نہیں ہے سوائے ایک شخص کے میں امید کرتا ہوں کہ وہ میں ہوں پھر فرمایا کہ جو شخص میرے واسطے اللہ سے وسیلہ کا سوال کرتا ہے۔ اس کو قیامت کے دن میری شفاعت نصیب ہوگی[5] عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ابوداؤد ترمذی اور نسائی میں[6] بھی ہے پھر اللہ پاک نے جنت کا حال بیان کر کے یہ فرمایا کہ یہ تو کچھ بھی نہیں ہے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ میں مومنوں سے راضی ہونگا صحیح بخاری مسلم اور مؤطا میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ جل شانہ جنت والوں سے کہے گا کہ کیا تم راضی اور خوش ہوئے وہ کہیں گے اے رب ہمارے ہم کو کیا ہوا ہے کہ ہم راضی نہ ہوں ہمیں تو وہ چیزیں تو نے دی ہیں جو کسی مخلوق کو نہیں دیں

[1] صحیح بخاری ص ۶۶۵ ج ۲ باب قولہ لا تسئلوا عن اشیاء الخ و ص ۹۶۰ ج ۲ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا الخ [2] صحیح بخاری ص ۴۶۰ ج ۱ باب ما جاء فی صفۃ الجنۃ الخ [3] تفسیر ابن کثیر ص ۳۷۰ ج ۲ [4] صحیح مسلم ص ۱۶۶ ج ۱ باب استحباب القول مثل قول المؤذن الخ و تفسیر ابن کثیر ص ۳۷۰ ج ۲ [5] جامع ترمذی ص ۲۰۲ ج ۲ باب ما جاء فی فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ابوداؤد ص ۷۰ جلد ۱ باب ما یقول اذا سمع المؤذن۔

هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۷۲﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ

ہے مراد ملنی بڑی اے نبی لڑائی کر کافروں سے اور منافقوں سے اور تندخوئی کر ان پر

وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۷۳﴾ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا ۚ وَلَقَدْ

اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بری جگہ پہنچے قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی ہم نے نہیں کہا اور

قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا ۚ وَمَا

کہا ہے لفظ کفر کا اور منکر ہو گئے ہیں مسلمان ہو کر اور فکر کیا تھا جو نہ ملا اور یہ سب

اللہ پاک فرمائے گا کہ کیا اس سے بھی بہتر تمہیں نہ دوں وہ کہیں گے اے رب وہ کیا چیز ہے جو اس سے بھی بہتر ہے اللہ پاک فرمائے گا کہ میں تم پر اپنی خوشنودی نازل کرونگا اور پھر میں تم پر کبھی خفا نہ ہونگا۔[1] یہ حدیث ورضوان من اللہ اکبر کی گویا تفسیر ہے کیونکہ آقا کی رضامندی غلام کے حق میں بڑی چیز ہے۔

۷۳۔۷۴۔ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کا حال اور ان کا عقبیٰ کا انجام پھر مومنوں کے اوصاف اور آخرت میں ان کے واسطے درجات عالیہ جو ہونگے ان کا بیان فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا کہ کفار اور منافقوں سے جہاد کرو اور یہ حکم ہوا کہ اپنی عادت کے خلاف ان سے سختی سے برتاؤ کرو آپ کا شیوہ اور آپ کی پیدائش اگرچہ نرمی پر ہوئی اور آپ میں بردباری کی خصلت کامل طور پر تھی لیکن آیت میں گویا حکم ہے کہ اس عادت کو صرف مومنوں ہی کے ساتھ برتنا چاہیے کفار اور منافقوں کے ساتھ تو سختی ہی کرنی زیبا ہے پھر فرمایا کہ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے علمائے سلف و خلف کے منافقوں سے تلوار کے ساتھ جہاد کرنے میں مختلف قول ہیں لیکن علی بن ابی طلحہ کی روایت سے امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا صحیح قول ہے کہ اس آیت میں اللہ پاک نے کافروں سے تلوار کے ساتھ لڑنے کا حکم دیا ہے اور منافقوں سے زبان کے ساتھ کہ ان سے نرمی کا برتاؤ چھوڑ دیا جائے۔[2] صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہؓ بن عمر سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ظاہر میں اسلام قبول کر لیا اس کی جان اور اس کے مال کی حفاظت شریعت میں ضروری ہے اور اس کے دل کے حال کا محاسبہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ ہے۔[3] اس حدیث سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس قول کی پوری تائید ہوتی ہے کہ شریعت میں منافق لوگوں کے ساتھ تلوار کی لڑائی کا حکم نہیں ہے فقط زبانی وعظ نصیحت کا حکم ہے پھر اللہ پاک نے منافقوں کے اطوار بیان کئے کہ اسی بات کو یہ زبان سے کہتے ہیں اور پھر انکار کر جاتے ہیں اور جھوٹی قسمیں کھانے لگتے ہیں چنانچہ کفر کے کلمے زبان سے نکالے اور جب اللہ کے رسول کو اس بات کی خبر پہنچی تو بالکل انکار کر دیا اس آیت کی شان نزول کے مفسروں نے کئی سبب ذکر کئے ہیں ایک تو یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک میں دو مہینہ تک قیام کیا اور مدینہ میں بیٹھ رہنے والوں کو برا سمجھتے رہے تو اس وقت جلاس بن سوید نے کہا کہ آنحضرت جو کچھ ہمارے ان بھائیوں کے حق میں کہتے ہیں جو مدینہ میں رہ گئے اگر سچ کہتے ہیں تو ہم لوگ گدھوں سے بھی بدتر ہیں یہ سن کر قیس بن عامر نے جو انصاری تھے جواب دیا کہ خدا کی قسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچ کہتے ہیں اور تم گدھے سے بھی بدتر ہو یہ بات حضرت کو معلوم ہوئی وہاں یہ دونوں حاضر ہوئے جلاس نے انکار کیا اور قسم کھائی کہ میں نے یہ بات نہیں کہی ہے قیس نے اپنے ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ اے

[1] مشکوٰۃ ص ۴۹۷ باب صفۃ الجنۃ و اھلھا و تفسیر الدر المنثور ص ۲۵۸ ج ۳۔ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۳۷۰ ج ۲۔ [3] تفسیر ابن جریر ص ۱۸۴ ج ۱۰۔ [4] صحیح مسلم ص ۳۷ ج ۱ باب الامر بقتال الناس حتے یقولوا لا الہ الا اللہ الخ

نقموا الا ان اغنٰهم الله ورسوله من فضله فان يتوبوا يك خيرا

کرتے ہیں بدلا اس کا کہ دولتمند کر دیا ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے سو اگر توبہ کریں تو بھلا ہے ان کے

لهم وان يتولوا يعذبهم الله عذابا اليما في الدنيا والاخرة

حق میں اور اگر نہ مانیں گے تو مار دے گا ان کو اللہ دکھ کی مار دنیا اور آخرت میں

وما لهم في الارض من ولي ولا نصير ﴿۷۴﴾

اور نہیں ان کا روئے زمین میں کوئی حمایتی نہ مددگار

اللہ تو سچے کی سچائی اور جھوٹے کے جھوٹ کو ظاہر کرے اور اس پر یہ آیت نازل ہوئی جلاس نے اپنے جی میں خیال کیا کہ میں نے بات بیشک کہی اور اللہ پاک نے اس آیت میں توبہ کرنے کو بھی فرمایا ہے اس لئے مناسب ہے کہ میں توبہ کرلوں چنانچہ سچے دل سے اور بہت ہی اچھی توبہ کرلی دوسری شان نزول اس کی یوں بیان کی گئی ہے کہ عبداللہ بن ابی نے جب کہا تھا کہ مدینہ چل کر مہاجرین کو مدینہ سے نکال دیا جاوے گا جس کا ذکر سورہ منافقین میں آویگا تو زید بن ارقمؓ نے یہ بات سن کر آنحضرت کو خبر کر دی اور حضرت عمرؓ عبداللہ بن ابی کے قتل کرنے پر آمادہ ہوئے اور عبداللہ بن ابی نے قسم کھائی اور کہا کہ میں نے یہ بات نہیں کہی تیسری شان نزول قتادہ نے اس کی یوں بیان کی ہے کہ دو شخص قبیلہ جہینہ اور غفار کے آپس میں لڑے جہینی غفاری پر غالب ہوا تو عبداللہ بن ابی نے قبیلہ اوس سے کہا کہ تم اپنے بھائی کی مدد نہیں کرتے اور قسم کھا کر کہا کہ ہماری اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وہی مثل ہے جس طرح کسی نے کہا ہے سمن کلبک یاکلک جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے کتے کو اس لئے کھلایا پلایا کہ آخر اس کے کتے نے اسی کو کاٹ کھایا ایک شخص نے دوڑ کر یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہی آپ نے عبداللہ بن ابی سے پوچھا اس نے قسم کھائی کہ میں نے یہ نہیں کہا اس پر یہ آیت اتری[1] لیکن اصل بات یہ ہے کہ منافقوں کی بہت سی اس طرح کی باتیں جمع ہو کر اس مجموعہ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اوپر گزر چکا ہے کہ اس تبوک کے سفر میں ان منافقوں نے ایسی باتیں منہ سے نکالی تھیں جن سے نبوت اور قرآن کا انکار نکلتا تھا اس لئے ان باتوں کو کلمہ کفر فرما کر یہ فرمایا کہ ایسے لفظوں کے منہ سے نکالنے کے سبب سے ان لوگوں کا وہ ظاہری اسلام بھی باقی نہیں رہا۔ وھموا بما لم ینالوا کا یہ مطلب ہے کہ ان باتوں کے ان منافقوں نے جو ارادے اپنے دل میں کئے تھے ان میں سے ان کا کوئی ارادہ بھی پورا نہیں ہوا نہ مہاجرین کو یہ لوگ مدینہ سے نکال سکے نہ لشکر اسلام میں کمزوری پھیلا سکے اب آگے فرمایا کہ آزمائش کے طور پر اللہ تعالیٰ نے کچھ خوش حالی تو پہلے سے دے رکھی ہے اور اللہ کے رسول کے مدینہ میں آجانے کے سبب سے بعضے خون بہا کے معاملوں میں کچھ روپیہ پیسے کے خوشحالی کے علاوہ ان کو مل گیا ہے اس واسطے اپنی مالداری کے نشہ میں یہ لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں اگر آئندہ انہوں نے ان باتوں سے توبہ کرلی تو ان کے حق میں بہتر ہے ورنہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ کا عذاب ان کو بھگتنا پڑیگا۔ دنیا کا عذاب تو مثلاً اب ان کے حق میں موجود ہے کہ ان کی فضیحتی کی ہمیشہ آیتیں نازل ہوتی رہتی ہیں جس سے ان کی ہر وقت کی ذلت ہے اور عذاب آخرت کا یہ حال ہے کہ جس تھوڑے سے مال کے نشہ میں انہوں نے وہ آخرت کا عذاب مول لیا ہے اس مال کی تو کچھ حقیقت نہیں قیامت کے دن تمام دنیا کا مال بھی معاوضہ میں دے کر اگر یہ لوگ نجات چاہیں گے تو اس عذاب سے ان کی نجات [illegible]

[1] یہ تینوں شان نزول تفسیر ابن کثیر ص ۳۷۳-۳۷۴ ج ۲ میں درج ہیں۔

وَمِنْهُم مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِن فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ

اور بعضے ان میں سے وہ ہیں کہ عہد کیا تھا اللہ سے اگر دیوے ہم کو اپنے فضل سے تو ہم خیرات کریں اور ہو رہیں

مِنَ الصّٰلِحِينَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّآ اٰتٰهُم مِّن فَضْلِهٖ بَخِلُوا بِهٖ وَتَوَلَّوا وَّهُم

نیکی والوں میں پھر جب دیا ان کو اپنے فضل سے اس میں بخل کیا اور پھر گئے

مُّعْرِضُونَ ﴿٧٦﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ

ٹلا کر پھر اس کا اثر رکھا نفاق ان کے دل میں جس دن تک اس سے ملیں گے اس بدلے

ممکن نہ ہوگی اور سختی پاس عذاب کی اس قدر ہوگی کہ دوزخ کے پہلے ہی جھونکے میں دنیا کے مال و متاع کا نشہ ان کو یاد تک نہ رہیگا صحیح بخاری و مسلم میں انس بن مالک سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن کم سے کم عذاب کا دوزخی آرزو کریگا کہ اگر اس کے پاس تمام دنیا کی دولت ہوتی اور وہ معاوضہ میں دے کر اس عذاب سے نجات پاسکتا تو وہ اس دولت کو بے دھڑک دیدیتا لیکن اس دن اس کی یہ آرزو کچھ کام نہ آویگی[1] دوسری روایت انس بن مالک کی صحیح مسلم میں ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بڑے بڑے مالدار دوزخیوں نے دنیا میں جو راحتیں اٹھائیں دوزخ کے پہلے ہی جھونکے میں ان راحتوں کو یہ لوگ بھول جاویں گے[2] ان آیتوں میں آخرت کے عذاب کی سختی کا جو ذکر ہے یہ حدیثیں گویا اس کی تفسیر ہیں آخر کو فرمایا دنیا کی آفتوں کے وقت ان کے رشتہ دار و دوست آشنا مدد کر سکتے ہیں آخرت میں ایسے لوگوں کی کوئی مدد نہیں کر سکتا ہے۔

۷۵-۷۸۔ اللہ پاک نے ان آیتوں میں فرمایا کہ بعضے منافق ایسے بھی ہیں جو قول و قرار کر کے پھر جاتے ہیں اپنا عہد و پیمان پورا نہیں کرتے ہیں ان کے دلوں میں مرتے دم تک منافق اپنے کا اثر رہے گا مطلب یہ ہے کہ مرتے دم تک ایسے لوگوں کو توبہ کی توفیق نہ ہوگی طبرانی ابن ابی حاتم اور ابن جریر میں ابوامامہ اور عبداللہ بن عباس کی روایت سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص ثعلبہ بن حاطب انصاری تھا اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ میرے واسطے دعا کریں کہ میں مالدار ہو جاؤں آپ نے فرمایا کہ تھوڑا مال جس کا شکر بندے سے ادا ہو سکے وہی بہتر ہے اور اگر خدا نے زیادہ دولت دی کہ انسان غفلت میں پڑھ گیا تو وہ کسی طرح بھی اچھی دولت نہیں ہے مگر ثعلبہ نے دوبارہ آنحضرت سے کہا کہ اگر مجھے مال مل جائے گا تو میں بہت خیرات کروں گا اور غفلت میں نہ پڑوں گا آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی اس کی بکریوں میں یہاں تک برکت ہوئی کہ مدینہ کے جنگل کی زمین ان بکریوں کے چرنے کو کافی نہیں ہوتی تھی آخر وہ مدینہ سے نکل کر کسی گاؤں میں چلا گیا اور وہیں رہنے لگا اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے محروم ہو گیا بلکہ جمعہ میں بھی حاضر ہونے سے عاجز ہو گیا حضرت نے لوگوں سے پوچھا کہ ثعلبہ کا کیا حال ہے لوگوں نے بیان کیا کہ وہ خراب ہو گیا مال و دولت کی محبت میں پڑ گیا بہر حال جب زکوۃ دینے کا وقت آیا تو اس نے نہیں دی اور کہنے لگا کہ یہ مال دینا تو گویا چٹی کا دینا ہے غرضکہ ایسی ویسی باتیں کر کے ٹال دیا تھوڑے دنوں بعد حضرت کے پاس زکوۃ لے کر آیا آپ نے قبول نہ کی اور آنحضرت کے بعد حضرت ابوبکر و حضرت عمر کی خلافت میں بھی اس کا مال زکوۃ میں نہ لیا گیا

[1] صحیح مسلم ص ۳۷۴ ج ۲ باب فی الکفار۔ [2] صحیح مسلم ص ۳۷۴ ج ۲ باب فی الکفار۔

أَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾ أَلَمْ يَعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ

کہ خلاف کیا اللہ سے جو وعدہ دیا اور اس پر کہ بولتے تھے جھوٹ ۔ جان نہیں چکے کہ اللہ

يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَأَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ

جانتا ہے ان کا بھید اور مشورہ اور یہ کہ اللہ جاننے والا ہے ہر چھپے کا ۔ وہ جو طعن کرتے

الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ إِلَّا

ہیں دل کھول کر خیرات کرنے والے مسلمانوں کو اور ان پر جو نہیں رکھتے مگر اپنی

یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں اس کا انتقال ہو گیا[۱] ابو امامہؓ سے جو شان نزول کی روایت ہے اس کی سند میں ایک راوی علی بن یزید الیمانی ضعیف ہے لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کی سند میں یہ راوی نہیں ہے اس واسطے یہ شان نزول صحیح ہے پھر اللہ پاک نے یہ فرمایا کہ نفاق جو ان کے دلوں میں جگہ پکڑ گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ وعدہ کر کے قائم نہ رہے وعدہ کے خلاف کیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ منافق کی تین علامتیں ہیں جب باتیں کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے اس حدیث کو ابوہریرہؓ کی روایت سے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے[۲] پھر اللہ پاک نے فرمایا یہ منافق اپنے دلوں میں یہ سمجھے ہونگے کہ اللہ ان کے دلوں کی دغا بازی کو نہیں جانتا وہ تو ظاہر اور چھپی باتوں کو یکساں جانتا ہے وہ بڑا ہی غیب دان ہے اس کے نزدیک کوئی بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی اور جب سب باتوں کو کھلم کھلا وہ جانتا ہے تو وہ ہر ایک عمل مخفی پر بندوں کو جزا سزا بھی دیگا۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی نظر انسان کی ظاہری حالت پر نہیں ہے بلکہ اللہ کی نظر تو ہمیشہ انسان کے دل پر ہے کہ اس کا دلی اعتقاد کیا ہے[۳]۔ معتبر سند سے طبرانی اور مسند بزار میں انسؓ بن مالک کی روایت[۴] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن جب لوگوں کے اعمال نامے اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہوں گے تو بعضے نیک عمل اگرچہ فرشتوں کو پورے اور لائق ثواب نظر آویں گے لیکن اللہ تعالیٰ فرمادے گا کہ یہ عمل خالص نیت سے نہیں کئے گئے اس واسطے ان کو اعمال ناموں میں سے نکال ڈالا جاوے[۵]۔ آیت میں منافقوں کے خفیہ مشوروں اور دل کے بھیدوں کا یہ جو ذکر ہے کہ وہ سب اللہ کو معلوم ہیں یہ حدیثیں گویا اس کی تفسیر ہیں جس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو انسان کے دل تک کا حال معلوم ہے اور اسی دل کے ارادہ اور نیت پر اس نے جزا اور سزا کا مدار رکھا ہے۔

۷۹ــــ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جب صدقہ کا حکم آیا تو اچھے اپنے مقدور کے موافق مسلمان لوگ آنحضرت کے پاس صدقہ تقسیم کرنے کی غرض سے لاتے تھے منافق لوگ اس صدقہ کا ٹھٹھا اڑاتے تھے جو مسلمان زیادہ صدقہ لاتا اس کو کہتے یہ دکھاوے کے لئے لایا ہے اور جو کم مقدور مسلمان کمتی صدقہ لاتا اس کو کہتے کہ اللہ کو ایسے کمتی صدقہ اور خیرات کی پروا نہیں ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[۶] معتبر

[۱] تفسیر ابن جریر ص ۱۸۹ ج ۱۰ و تفسیر ابن کثیر ص ۳۷۰ ج ۲ و تفسیر الدر المنثور ص ۲۶۰ - ۲۶۱ ج ۳ [۲] مشکوٰۃ ص ۱۷ باب الکبائر و علامات النفاق [۳] صحیح مسلم ص ۳۱۷ ج ۲ باب تحریم ظلم المسلم الخ [۴] الترغیب والترہیب ص ۲۱ ج ۱ الترہیب من الریاء الخ [۵] صحیح بخاری ص ۶۷۳ ج ۲ باب قولہ الذین یلمزون المطوعین الخ۔

جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾

محنت کا پھر ان پر ٹھٹھے کرتے ہیں اللہ نے ان سے ٹھٹھا کیا ہے اور ان کو دکھ کی مار ہے

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً

تو ان کے حق میں بخشش مانگ یا نہ مانگ اگر ان کے واسطے ستر بار بخشش مانگے

سند سے مسند بزار میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آیت میں جس دن کی خیرات کا ذکر ہے اس دن عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے دو ہزار روپیہ خیرات کئے[1] اور دوسرے کسی صحابی نے دس سیر کے قریب کھجوریں خیرات کیں اس پر منافقوں نے آپس میں ٹھٹھے کے طور پر یہ چرچا کیا جس کا ذکر اوپر گزرا۔ عبداللہ بن مسعود کی حدیث کے ساتھ ابوہریرہ کی اس حدیث کو ملایا جاوے تو اس خیرات کے قصہ کی پوری تفسیر ہو جاتی ہے آخر آیت میں دوزخ کے دکھ کا جو ذکر ہے اس کی تفسیر انسؓ بن مالک کی وہ دونوں روایتیں ہیں جو عذابًا الیمًا فی الدنیا والاخرۃ کی تفسیر کے طور پر قریب میں گزر یں[2]۔

۸۰۔ اس آیت میں اللہ پاک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبری کہ ان منافق لوگوں کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے اور ایسے لوگوں کی مغفرت نہ ہونے کا اللہ کا وعدہ ہے اس لئے یہ لوگ ہرگز اس لائق نہیں ہیں کہ ان کے واسطے استغفار کی دعا کی جاوے کیونکہ اگر ستر بار بھی ان کے واسطے آپ استغفار کریں گے تو بھی خدا ان کو نہیں بخشے گا کس واسطے کہ استغفار تو گنہگار اور خطاوار کے حق میں فائدہ مند ہے نہ جو سرے سے خدا اور رسول کے ساتھ کفر کر کے بغیر توبہ کے مر گئے اس لئے ان میں کے جو لوگ اس حال میں مر گئے نہ تو ان کی مغفرت ہو سکتی ہے اور نہ ان میں کے زندہ لوگوں کو توبہ پر مجبور کیا جاویگا اس لئے اللہ تعالیٰ کے علم کے موافق جیسے جی یہ لوگ اپنی اسی گمراہی میں پڑے رہیں گے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس آیت کے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے حق میں استغفار کرنے کا اور نہ کرنے کا اختیار دیا ہے تو آپ نے فرمایا میں ستر بار سے زیادہ ان کے واسطے استغفار کروں گا شاید خدا انہیں بخشدے اس پر اللہ پاک نے غصہ ہو کر فرمایا کہ تمہارا استغفار کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کے خاتمہ کا حال معلوم ہے اس لئے ان کی مغفرت نہ ہوگی یہ غصہ کی آیت سورہ منافقوں میں آویگی ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ شعبی سے یوں روایت کی ہے کہ جب عبداللہ بن ابی مرنے کے قریب ہوا تو اس کا بیٹا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ میرا باپ قریب المرگ ہے آپ چل کر اس کے واسطے استغفار کریں اور نماز پڑھیں آپ نے اس سے پوچھا کہ تیرا کیا نام ہے اس نے کہا کہ حباب بن عبداللہ آپ نے فرمایا کہ حباب نام شیطان کا ہے تیرا نام عبداللہ بن عبداللہ ہے اور پھر آپ اس کے ہمراہ ہوئے اور اپنا کرتا اسے پہنا دیا اور آپ نے اس کے واسطے مغفرت کی دعا کی اس وقت یہ آیت نازل ہوئی آپ نے سمجھا کہ ستر بار سے زیادہ دفعہ مغفرت کی دعا کی جاویگی تو شاید اللہ تعالیٰ استغفار قبول کرلیگا اس پر یہ حکم ہوا کہ چاہے جتنی بار استغفار کرو اللہ ایسے لوگوں کو ہرگز نہیں بخشے گا[3] یہ عامر بن شراحیل شعبی کوفہ کے قاضی اور امام ابوحنیفہؒ کے استادوں میں ہیں۔ یہ بڑے ثقہ اور جلیل القدر تابعی ہیں حدیث کی سب کتابوں میں ان سے روایتیں ہیں اکثر روایتیں ان کی حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن عباس اور ابوہریرہؓ سے ہوا کرتی ہیں ان کی حضرت علیؓ سے جو روایت

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۳۷۵-۳۷۶ ج ۲ و تفسیر الدر المنثور ص ۲۶۲ ج ۳ [2] یعنی زیر آیت (۹: ۷۴) [3] تفسیر ابن جریر ص ۱۹۹ ج ۱۰

فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی
تو بھی ہرگز نہ بخشے ان کو اللہ یہ اس پر کہ وہ منکر ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اللہ راہ نہیں

الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ
دیتا بے حکم لوگوں کو خوش ہوتے پچھاڑی والے بیٹھ رہ کر خلاف رسول

ع ۸ ۱۶

ہوا کرتی ہے اس کو بعضے علماء مرسل کہتے ہیں لیکن ساتھ ہی اس کے علماء نے یہ بھی فیصلہ کر دیا ہے کہ شعبی کی مرسل روایتیں صحیح ہوتی ہیں[۱] بغیر ذکر صحابی کے کوئی تابعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے تو اس کو مرسل کہتے ہیں حاصل کلام یہ ہے کہ حافظ ابوجعفر ابن جریر کی یہ مرسل روایت علماء کے فیصلہ کے موافق صحیح اور حدیث نبوی ہے مجاہد نے بھی یوں ہی مرسل طور پر اس روایت کو بیان کیا ہے۔ صحیح بخاری میں ابوہریرہؓ اور سھل بن سعدؓ سے جو روایتیں ہیں ان میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمر بھر آدمی خواہ کیسے ہی عمل کرے لیکن جس حالت پر آدمی کا خاتمہ ہوتا[۲] ہے شریعت میں وہی حالت معتبر ہے خاتمہ کا حال سوا اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو معلوم نہیں تھا اس لئے صحابہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ خاتمہ بخیر ہونے کی آخر نشانی کیا ہے آپ نے جواب دیا کہ اللہ تعالےٰ کو اپنے علم ازلی کے موافق جس شخص کا خاتمہ بخیر کرنا ہوتا ہے تو وہ ایسے شخص کو آخر عمر میں نیک کاموں کا شوق عطا فرما دیتا ہے اور اسی حالت پر وہ شخص دنیا سے اٹھ جاتا ہے جس سے اس کا خاتمہ بخیر ہو جاتا ہے خاتمہ بخیر ہونے کی نشانی کی یہ حدیث انسؓ بن مالک کی روایت سے ترمذی میں ہے اور ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا[۳] ہے ان حدیثوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ شریعت میں خاتمہ کی حالت معتبر ہے اور جن منافق لوگوں کا حال آیت میں ہے علم الٰہی کے موافق آخر عمر میں وہ اپنے عقیدوں سے باز آنے والے اور خالص نیت سے نیک عملوں میں لگنے والے نہیں تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے وہ شوق بھی ان کے دل میں نہیں پیدا کیا اور عمر بھر جس حالت پر یہ لوگ تھے آخر اسی حالت پر دنیا سے اٹھ گئے اب اللہ تعالیٰ کا یہ تو وعدہ ہے کہ جس طرح سوئی کے ناکے میں ہو کر اونٹ نہیں نکل سکتا اسی طرح ایسے لوگ جنت میں نہیں جا سکتے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان لوگوں کے خاتمہ کا حال جتلا کر ایسے لوگوں کے حق میں مغفرت کی دعا کرنے سے منع فرمایا یہ سوئی کے ناکے اور اونٹ کی مثال سورہ اعراف میں گزر چکی ہے دعاء مغفرت کے ساتھ اس آیت میں ستر دفعہ کی قید ہے اور سورہ منافقون میں دعائے مغفرت کے کرنے اور نہ کرنے کو یکساں فرمایا ہے جس سے مطلب یہ ہے کہ ستر دفعہ کی قید گنتی کی حد کے لئے نہیں ہے بلکہ فقط کثرت کے جتلانے کے لیے ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ بے گنتی دعائے مغفرت بھی ایسے لوگوں کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔

۸۱-۸۲- اللہ پاک نے اس آیت میں ان منافقوں کے مذمت بیان کی جو غزوہ تبوک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد میں نہیں شریک ہوئے اور حضرت کا ساتھ نہیں دیا اپنے گھروں میں بیٹھ رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جانے پر خوشی ظاہر کی اور لڑنے سے جی چرایا اور اپنے مال و دولت کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کیا اور خدا کی راہ میں اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھنا

[۱] تہذیب ص ۷۰ ج ۵ [۲] صحیح بخاری ص ۷۶۱ و ۹۷۸ ج ۲ باب الاعمال بالخواتیم الخ و ص ۹۷۷ ج ۲ باب العمل بالخواتیم [۳] جامع ترمذی ص ۳۷ ج ۲ باب ما جاء ان اللہ کتب کتابا لاہل الجنۃ واہل النار۔

اللّٰہِ وَکَرِھُوْٓا اَنْ یُّجَاھِدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَقَالُوْا

اللہ سے اور برا لگا کہ لڑیں اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں اور بولے

لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَھَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ کَانُوْا یَفْقَھُوْنَ ﴿۸۱﴾

مت کوچ کرو گرمی میں تو کہہ دوزخ کی آگ اور سخت گرم ہے اگر ان کو سمجھ ہوتی

بُرا سمجھا حالانکہ خدا کے نزدیک بڑے بڑے مرتبے اس شخص کے ہیں جو جان و مال سے جہاد میں شریک ہو ان منافقوں نے خود تو جی چرایا تو چرایا مگر اوروں کو بھی منع کرتے تھے کہ ایسی گرمی میں کہاں جہاد میں لڑنے کو جاؤ گے جیسا کہ خود اللہ پاک نے آگے بیان فرمایا۔ صحیح مسلم میں سفیان بن عبداللہ ثقفی کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سفیان بن عبداللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دن کہا کہ حضرت مجھ کو دین کے باب میں کوئی ایسی کامل بات تبلا دیجئے کہ میں اس کا پابند رہوں اور پھر مجھ کو کسی اور بات کے پوچھنے کی ضرورت باقی نہ رہے آپ نے جواب دیا کہ شرع کے احکام کو دل سے ماننا چاہیئے اور پھر ان پر ثابت قدمی سے قائم رہنا چاہیئے[1] صحیح مسلم میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شخص کے ساتھ ایک فرشتہ رہتا ہے جو اس شخص کو نیک کاموں کی رغبت دلاتا رہتا ہے اور ایک شیطان رہتا ہے جو اس شخص کو برے کاموں میں پھنسانے کی کوشش کرتا ہے[2] ان حدیثوں کو آیت کے اس ٹکڑے کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ منافق لوگ شرع کے احکام کو دل سے نہیں مانتے اس لئے ان احکام کی پابندی ان پر شاق گزرتی ہے اسی واسطے دین کی لڑائی کا کوئی پاس کا سفر ہو اور اس میں کچھ مال ہاتھ آجانے کی امید بھی ہو تو ایسے موقع پر یہ لوگ اوپرے دل سے لشکر اسلام کا ساتھ دیتے ہیں یہ تبوک کا سفر دور کا سفر ایک سخت موسم میں تھا اس لئے جھوٹے عذر کر کے اس سفر سے بچ گئے اور ان کے ساتھ کے شیاطینوں نے ان کو یہ بہکا دیا کہ ایسے سخت موسم میں طرح طرح کے عذروں سے سفر کو ٹال دیا تو گویا ان لوگوں نے یہ بڑی ہوشیاری کی اس بہکاوے کی ہوشیاری پر فخر کر کے لشکر اسلام کی واپسی تک یہ لوگ خوشیاں مناتے تھے انہی خوشیوں کا ذکر آیت میں ہے۔ فی سبیل اللہ کے معنے فی دین اللہ جس کا مطلب یہ ہے کہ دین الٰہی کے احکام کی عظمت ان لوگوں کے دل میں نہیں ہے اس لئے ان احکام کی پابندی میں یہ لوگ اپنی جان اور اپنے مال کو خطرہ میں نہیں ڈالنا چاہتے بیہقی اور تفسیر ابن جریر میں کئی طریقہ سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کی لڑائی کے لئے مدینہ سے سفر کرنے کا حکم دیا تو وہ موسم نہایت گرمی کی شدت کا تھا بعضے منافقوں نے مسلمانوں سے مشورہ کے طور پر اور آپس میں یہ چرچا کیا کہ ایسے گرم موسم میں سفر مناسب نہیں ہے اور خود بھی مصنوعی عذر کر کے مدینہ میں رہ گئے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[3] حاصل معنی آیت کے یہ ہیں کہ جھوٹے عذر کر کے یہ لوگ دنیا کی تھوڑی سی گرمی سے اگر بچ گئے تو یہ جگہ کچھ خوش ہونے اور ہنسنے کی نہیں ہے بلکہ نہایت رونے کی جگہ ہے کہ اس میں انہوں نے اللہ کے رسول کے حکم کی مخالفت کی جس مخالفت کی سزا میں ان کو دوزخ کی آگ کی گرمی برداشت کرنی اور سہنی پڑیگی جس کے آگے دنیا کی گرمی کی کچھ بھی حقیقت نہیں ہے۔ صحیح بخاری مسلم اور ترمذی میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے[4] کہ دنیا میں جو آگ لوگوں کے کام آتی ہے بہ نسبت دوزخ کی آگ کے

[1] صحیح مسلم ص ۴۸ ج ۱ باب جامع اوصاف الاسلام [2] مشکوٰۃ ص ۱۸ باب فی الوسوسۃ [3] تفسیر ابن جریر ص ۲۰۱ ج ۱۰

فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاِنْ رَّجَعَكَ

سو ہنس لیویں تھوڑا اور روویں بہت سا بدلا اس کا جو کماتے تھے سو اگر پھیر لے جاوے

اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا

تجھ کو اللہ کسی فرقہ کی طرف ان میں پھر یہ رخصت چاہیں تجھ سے نکلنے کو تو تو کہہ تم ہرگز نہ نکلو گے میرے ساتھ کبھی

وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا

اور نہ لڑو گے میرے ساتھ کسی دشمن سے تم کو پسند آیا بیٹھ رہنا پہلی بار سو بیٹھے رہو

انہتر[۶۹] درجہ حرارت اس کی گھٹا دی گئی[۱] ہے مسند امام احمد بن حنبل ابن ماجہ اور بیہقی میں انس بن مالکؓ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ تین ہزار برس تک دوزخ کی آگ دھونکائی گئی ہے اس لئے دھونکاتے دھونکاتے اس کا رنگ کالا ہو گیا ہے ستر درجہ حرارت کم کر کے دو دفعہ دریا میں ٹھنڈی کی جا کر وہ آگ دنیا میں نہ اتاری جاتی تو دنیا میں نہ وہ آگ ٹھہر سکتی نہ اس سے کوئی فائدہ اٹھ سکتا تھا[۲]۔ اس حدیث کی سند کے ایک راوی یزید بن ابان رقاشی کو اگرچہ بعضے علماء نے ضعیف کہا ہے لیکن ابن معینؒ اور ابن عدی نے اس کو ثقہ کہا[۳] ہے اسی واسطے حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا[۴] ہے۔ معتبر سند سے مستدرک حاکم میں عبداللہ بن قیسؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ کے عذاب کی تکلیف سے دوزخی لوگ یہاں تک روئیں گے کہ ان کے آنسوؤں میں اگر کشتی چلائی جاوے تو چل سکے اور جب ان کے اصل آنسو سوکھ جاویں گے تو یہ لوگ خون کے آنسوؤں سے روئیں گے[۵] دنیا کی دھوپ کی ذرا سی تیزی اور دنیا کی ناپائدار ہستی ان دونوں کے مقابلہ کے طور پر دوزخ کی آگ کی تیزی اور دوزخ کے مدتوں تک کے رونے سے اللہ تعالیٰ نے جو لوگوں کو ڈرایا ہے یہ حدیثیں سمجھدار آدمی کے حق میں اس ڈر کی گویا تفسیر ہے۔

۸۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر ہی میں تھے تو اللہ پاک نے یہ حکم دیا کہ جب آپ مدینہ میں واپس ہو کر پہنچیں اور پھر کبھی دوبارہ کسی جہاد میں جانے کا اتفاق ہوا اور وہ بارہ منافق جو مدینہ میں ہیں اور اس تبوک کے سفر میں شریک نہ ہوئے گھروں میں بیٹھے رہے اگر یہ لوگ آئندہ کہنے لگیں کہ اس مرتبہ ہم چلیں گے تو ان سے کہہ دو کہ تم نے تو پہلی مرتبہ گھروں میں بیٹھ رہنا پسند کیا اب تم کبھی ہمارے ساتھ جہاد میں نہیں جا سکتے ہو اور نہ کسی دشمن سے لڑائی کر سکتے ہو تم تو بس انہیں معذور لوگوں کے ساتھ بیٹھے رہو جو جہاد میں شریک ہونے سے مجبور ہیں بیمار ہیں یا کوئی اور عذر رکھتے ہیں مفسروں نے الی طائفۃ کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ اللہ پاک نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ جب آپ ان میں سے جو مدینہ میں رہ گئے ہیں ایک گروہ سے ملو اور پھر وہ لوگ جہاد میں جانے کو راضی ہوں تو ان سے کہو کہ تمہارا چلنا اب ضرور نہیں ہے یہ اس لئے فرمایا کہ جو غزوہ تبوک میں نہیں گئے تھے وہ سب کے سب منافق نہیں تھے بلکہ ان لوگوں میں سے بعضے مومن بھی تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد سے واپس آ کر بعضوں کے عذر کو قبول بھی کیا اور بعضوں

[۱] صحیح بخاری ص ۴۶۲ ج ۱ باب صفۃ النار الخ و تفسیر ابن کثیر ص ۳۷۷ ج ۲ [۲] ابن ماجہ ص ۳۳۰ باب صفۃ النار [۳] تہذیب التہذیب ص ۳۱۰ ج ۱۱ [۴] مستدرک حاکم ص ۵۹۳ ج ۴ باب ما من مسلمین یموت لہما الخ مستدرک حاکم اور ابن ماجہ کی روایتیں مختصر ہیں اور ان دونوں کی سند میں یزید بن ابان رقاشی کا ذکر موجود نہیں (ع ۔ ز) [۵] مستدرک حاکم ص ۶۰۵ ج ۴ صفۃ بکاء اہل النار۔

مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى

ساتھ پچھاڑی والوں کے اور نماز نہ پڑھ ان میں کسی پر جو مر جاوے کبھی اور نہ کھڑا ہو اس کی

قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾

قبر پر وہ منکر ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے اور مرے ہیں بے حکم

کو کچھ دنوں کی مہلت ملی اور پھر خدا نے ان کی توبہ قبول کی جس کا ذکر آگے آوے گا اس لئے فرمایا کہ وہ منافق تھوڑے سے لوگ ہیں اور ایک چھوٹا سا گروہ ہے انہیں سے بات کہو کہ تم اب جہاد میں نہیں شریک ہو سکتے تفسیر ابن ابی حاتم میں قتادہ کا قول ہے کہ یہ منافق صرف بارہ شخص تھے جن کے حق میں آیت نازل ہوئی[۱] ہے صحیح بخاری میں انس[رض] بن مالک[۲] اور صحیح مسلم میں جابر[رض] بن عبداللہ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ تبوک کے سفر سے واپسی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ بعضے لوگوں نے گھر بیٹھے ہی ثواب پایا جو اور لوگوں نے سفر کر کے پایا صحابہ نے پوچھا کہ حضرت یہ کیونکر آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ مجبوری کے سبب سے مدینہ میں رہ گئے ورنہ وہ ضرور اس سفر میں شریک ہوتے[۳] ان حدیثوں سے اس قول کی پوری تائید ہوتی ہے کہ جو لوگ تبوک کے سفر میں شریک نہیں ہوئے وہ سب منافق نہیں تھے اور یہی حدیثیں الی طائفۃ کا لفظ فرمانے کی گویا تفسیر ہیں۔

۸۴۔ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت عمر[رض] اور عبداللہ بن عمر[رض] کی روایتوں سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ قبیلہ خزرج کا سردار منافقوں کا سرگروہ عبداللہ بن ابی کے بیٹے نے آنحضرت سے درخواست کی کہ آپ عبداللہ بن ابی کے جنازہ کی نماز بھی پڑھیں اور اپنے جسم مبارک کا ایک کرتہ بھی دیں جس میں عبداللہ بن ابی کو لپیٹ کر دفن کیا جاوے عبداللہ بن ابی کے بیٹے عبداللہ کی دلداری آنحضرت کو زیادہ منظور تھی کیونکہ یہ بدری صحابی اور آنحضرت کے بڑے فرمانبردار اور پکے مسلمان تھے اور بدر کے قیدیوں میں حضرت عباس[رض] آئے تھے تو ان کے پاس کپڑا نہ تھا اس وقت عبداللہ بن ابی نے اپنا کرتہ حضرت عباس[رض] کو دیا تھا ان وجوہات سے آنحضرت نے اپنا کرتہ بھی عبداللہ بن ابی کے کفنانے کو دیا اور جنازہ کی بھی نماز پڑھی پھر نماز پڑھنے کے تھوڑی دیر کے بعد حضرت جبرئیل آئے اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جب آنحضرت نے عبداللہ بن ابی کے جنازہ پر نماز پڑھنے کا قصد کیا تھا تو حضرت عمر[رض] نے آنحضرت کی چادر کا پلو پکڑ کر یہ کہا تھا کہ حضرت اس منافق کے جنازہ پر آپ کیوں نماز پڑھتے ہیں لیکن اس وقت تک کوئی صریح ممانعت اس طرح کے منافق لوگوں کے جنازہ پر نماز پڑھنے کی کسی آیت میں نہیں آئی تھی اور آیت استغفر لھم اولا تستغفر لھم میں ایک اختیار کی صورت پائی جاتی تھی کہ کسی منافق کے جنازہ پر چاہیں تو آنحضرت استغفار کر بھی سکتے ہیں اور ابو طالب کی وفات کے وقت آیت ما کان للنبی والذین امنوا ان یستغفروا للمشرکین (۱۱۳:۹) جو نازل ہوئی تھی اس میں خاص مشرکوں کا حکم تھا منافقوں کا کوئی حکم نہ تھا اس سبب سے آنحضرت نے حضرت عمر[رض] کا کہنا نہ مانا اور عبداللہ بن ابی کے جنازہ کی نماز پڑھی اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جب صریح ممانعت آگئی تو پھر آپ نے کسی منافق کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی چنانچہ ترمذی میں عبداللہ بن عمر[رض] اور عبداللہ بن عباس[رض] کی روایتوں میں اس کی تصریح ہے اور ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[۴]۔ غرض اس قصہ کے متعلق جو مطلب بیان کیا گیا ہے وہ صحیح روایتوں کا

---

[۱] تفسیر الدر المنثور ص ۲۶۵ ج ۳ [۲] صحیح بخاری ص ۶۳۷ ج ۲ باب نزول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحجر و صحیح مسلم ص ۱۴۱ ج ۲ باب ثواب من حبسہ عن الغزو مرض او عذر آخر [۳] صحیح بخاری ص ۶۷۳ - ۶۷۴ ج ۲ کتاب التفسیر [۴] جامع ترمذی ص ۱۳۶ ج ۲ کتاب التفسیر

وَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ وَاَوۡلَادُهُمۡ‌ؕ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّعَذِّبَهُمۡ

اور تعجب نہ کر ان کے مال اور اولاد سے یہی چاہتا ہے اللہ کہ عذاب کرے ان کو

بِهَا فِى الدُّنۡيَا وَتَزۡهَقَ اَنۡفُسُهُمۡ وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۸۵﴾

چیزوں سے دنیا میں اور نکلے ان کی جان جب تک کافر ہی رہیں

مضمون ہے اس کے سوا بعضے علماء نے صحیحین کی روایت کو جو ضعیف کہہ دیا ہے یا بعضوں نے عبداللہ بن ابی کے کامل ایمان کو تسلیم کرلیا ہے یہ کچھ قابل اعتبار باتیں نہیں ہیں کیونکہ صحیحین کی روایت کو ضعیف ٹھہرانا جس طرح ایک بے ٹھکانے کی بات ہے اسی طرح طبقات صحابہ میں جب عبداللہ بن ابی کا نام صحابہ کے ذیل میں جمہور علماء سلف نے نہیں لکھا تو ایک دو متاخر عالموں کے کہنے سے عبداللہ بن ابی کامل الایمان صحابی کیونکر قرار پاسکتا ہے صحیح بخاری و مسلم کی جابر بن عبداللہؓ کی روایت میں یہ جو ذکر ہے کہ عبداللہ بن ابی کے دفن کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قبر پر آئے اور اس کو قبر میں سے نکلوا کر اس کے جسم پر جگہ جگہ اپنے منہ کا لعاب لگایا اور پھر اپنا کرتہ اس کی لاش کو پہنایا۔ اس روایت میں اور اوپر کی روایتوں میں کچھ اختلاف نہیں ہے کیونکہ اصل قصہ یوں ہے کہ پہلے عبداللہ بن ابی کے بیٹے کی خاطر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کرتہ بھی عبداللہ بن ابی کے کفنانے کے لئے دے دیا تھا اور اس کے جنازہ کی نماز بھی پڑھ لی تھی اس کے بعد عبداللہ بن ابی کے بیٹے کی زیادہ خاطر داری کے خیال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منہ کا لعاب بھی عبداللہ بن ابی کی لاش کو لگانا چاہا اور اسی ارادہ سے اس کی قبر پر جاکر اس کی لاش کو قبر سے نکلوایا اور آپ کا کرتہ جو لاش کو پہنا دیا گیا تھا اسے اتروا کر اپنا لعاب مبارک جگہ جگہ لاش پر ملا اور پھر وہی کرتہ لاش کو اپنے ہاتھ سے پہنا کر دفن کرادیا فاسق کے معنے بے حکم کے ہیں اور کافر کے معنے دین کے منکر کے منافقوں میں یہ دونوں باتیں ہوتی ہیں کیونکہ ان کے دل میں دین کا انکار ہوتا ہے اور ظاہر میں مثلاً جھوٹ بولنے امانت میں خیانت کرنے سے یہ لوگ بے حکم بھی ہوتے ہیں اس لئے آیت میں دونوں لفظ فرمائے۔

۸۵۔ اس آیت کی تفسیر بعینہٖ اس سے پہلے گزر چکی ہے یہ دوبارہ تاکید کے ساتھ اللہ پاک نے حکم دیا کہ کفار کے مال و اولاد کو دیکھ کر تعجب نہ کرو خدا ان لوگوں کو انہیں چیزوں کے ساتھ عذاب کرے گا ان کے مال انہیں کے واسطے وبال جان ہو جائیں گے ان کی اولاد انہیں کے لئے موجب ہلاکت ہوگی اور یہ لوگ مرتے دم تک کافر کے کافر ہی رہیں گے کبھی ایمان نہیں لائیں گے بعضے مفسروں نے اس آیت اور اس سے پہلے کی آیت میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ دونوں آیتیں دو قوم کے حق میں نازل ہوئیں مال کی زیادتی نے ثعلبہ بن حاطب کی دینداری میں جو کچھ فتور ڈالا اس کا ذکر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی صحیح روایت سے اوپر گزر چکا ہے۔ اسی طرح ترمذی اور مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی صحیح روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہجرت کے وقت کچھ صحابہ اپنے بی بی بچوں کے روکنے ٹوکنے کے سبب سے بہت دنوں تک ہجرت نہ کرسکے اور بہت سے دینی باتوں سے محروم رہے ان حدیثوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مال و اولاد جب پکے مسلمانوں کے دین میں فتور ڈالنے والی چیزیں ہیں تو کچے مسلمان منافقوں

ؔ صحیح بخاری ص ۱۹۰ ج ۱ باب الکفن فی القمیص الخ وتفسیر ابن کثیر ص ۳۷۹ ج ۲ ؔ یعنی زیر آیات نمبر ۷۵۔ ۷۸ ؔ جامع ترمذی ص ۱۶۵ ج ۲ تفسیر سورہ تغابن۔

وَإِذَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ أَنْ ءَامِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَجَٰهِدُوا۟ مَعَ رَسُولِهِ ٱسْتَـْٔذَنَكَ

اور جب نازل ہوتی ہے کوئی سورت کہ یقین لاؤ اللہ پر اور لڑائی کرو اس کے رسول کے ساتھ ہو کر رخصت مانگتے ہیں

أُو۟لُوا۟ ٱلطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوا۟ ذَرْنَا نَكُن مَّعَ ٱلْقَٰعِدِينَ ﴿٨٦﴾ رَضُوا۟ بِأَن يَكُونُوا۟

مقدور والے ان کے اور کہتے ہیں ہم کو چھوڑ دے رہ جاویں ساتھ بیٹھنے والوں کے خوش آیا انہیں کہ رہ جاویں

مَعَ ٱلْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ﴿٨٧﴾

ساتھ پچھلی عورتوں کے اور مہر ہو گئی ان کے دل پر سو ان کو بوجھ نہیں

کے حق میں مال اولاد بلاشک ایک عذاب ہے اولاد کا مرجانا مال میں کسی طرح کا نقصان اٹھانا مال کی حفاظت اولاد کی پرورش بے دینی کے سبب سے یہ سب باتیں ان کے لئے ایسی عذاب ہیں جن سے مرتے دم تک ان کو فرصت نہیں آخر اسی حالت میں یہ لوگ ایک دن مرجاتے ہیں اور مال اور اولاد کے چھوڑ جانے کا غم اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اسی واسطے فرمایا ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مال و اولاد کی زیادتی کیا دی ہے کہ گویا ان کو ایک عذاب میں پھنسا دیا ہے۔

۸۶-۸۷- اللہ پاک نے ان آیتوں میں ان لوگوں کی مذمت بیان فرمائی جنہیں جہاد میں شریک ہونے کی ہر طرح کی قدرت حاصل تھی اور پھر بھی انہوں نے اس دینی کام سے پہلوتہی کی اس لئے فرمایا کہ جو لوگ غنی و مالدار ہیں وہ بھی تو اجازت چاہتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی اکثر سورتوں میں یہ حکم نازل فرمایا ہے کہ خالص دل سے احکام الٰہی پر ایمان لاؤ اور جہاد میں شریک ہو کر لڑو مگر وہ اسبات کو بہت پسند کرتے ہیں کہ عورتوں کی طرح گھر میں بیٹھے رہیں انہیں اسبات کی مطلق پروا نہیں کہ گھروں میں بیٹھنا عورتوں کا کام ہے اور مردوں کا شیوہ دشمن کے مقابلہ میں جوانمردی کے جوہر کے دکھلانے کا ہے سورہ احزاب میں انہیں لوگوں کے حق میں یوں فرمایا ہے کہ جب لڑائی کا موقع آتا ہے تو سب سے پہلے یہ لوگ نامرد بن جاتے ہیں اور جب لڑائی کا خوف جاتا رہتا ہے تو ان کی زبان خوب چلنے لگتی ہے اور سب سے زیادہ باتیں بنانے لگتے ہیں پھر فرمایا کہ ایسی ہی باتوں سے ان کے دلوں پر زنگ کی مہر لگادی گئی ہے اس لئے یہ دین کے کاموں سے جی چراتے ہیں ان کو اپنے نفع و نقصان کا کچھ خیال نہیں ہے بالکل ناسمجھ ہیں گویا عقل ہی نہیں رکھتے ہیں صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عمرؓ اور ابوہریرہؓ سے روایتیں[1] ہیں جن میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند باتوں کے سوال کئے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں کے جواب دئے ہیں ان روایتوں کے موافق قیامت کے دن کی جزا و سزا پر خالص دل سے ایمان لانا ایمانداری کی نشانی ہے مسند امام احمد وغیرہ کے حوالہ سے ابوامامہؓ کی معتبر روایت[2] ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایماندار شخص کی یہ نشانی بتلائی ہے کہ نیک کام سے اس کا دل خوش ہوتا ہے اور برے کام سے اس کو ایک طرح کا رنج ہوتا ہے ترمذی نسائی مستدرک حاکم وغیرہ کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی صحیح روایت ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بغیر توبہ کے برے کاموں میں لگے رہنے سے آدمی کے دل پر زنگ لگ کر اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے[3] ترمذی اور بیہقی میں ابوہریرہ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن نیک عمل کرنے والے کو اس بات

[1] صحیح بخاری ص ۱۲ ج ۱ باب سوال جبرئیل الخ و صحیح مسلم ص ۲۷ ج ۱ کتاب الایمان [2] مشکوٰۃ ص ۱۶ کتاب الایمان [3] جامع ترمذی ص ۱۶۸-۱۶۹ ج ۲ تفسیر سورہ ویل للمطففین۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَ

لیکن رسول اور جو ایمان لائے ہیں ساتھ اس کے لڑے ہیں اپنے مال اور جان سے اور

اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۸۸ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ

انہی کو ہیں خوبیاں اور وہی پہنچے مراد کو تیار رکھے ہیں اللہ نے ان

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۸۹ۧ

کے واسطے باغ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں رہا کریں ان میں یہی ہے بڑی مراد ملنی

پر پچتاویں گے کہ انہوں نے نیک عمل اور زیادہ کیوں نہیں لئے اور برے عمل کرنے والے اس بات پر پچتاویں گے کہ وہ برے عملوں سے باز کیوں نہیں آئے اس حدیث کی سند میں ایک راوی یحییٰ بن عبداللہ بن موہب ہے جس کو بعضے علماء نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن ابوالحسن یحییٰ بن القطان نے یحییٰ بن عبداللہ کو ثقہ کہا ہے یہ یحییٰ بن القطان مصر کے مشہور علماء میں ہیں اور راویوں کے ثقہ و ضعیف قرار دینے میں ان کے قول کا بڑا اعتبار ہے ان حدیثوں کو آیت کی تفسیر میں دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ قرآن کی اکثر آیتوں میں ان لوگوں کو عقبیٰ کی جزا اور سزا پر خالص دل سے ایمان اور یقین لانے کا حکم دیا گیا لیکن یہ اب تک اپنے اس نفاق پیچے سے باز نہیں آئے کہ دل میں کچھ اور زبان پر کچھ اس لئے بغیر سزا و جزا کے یقین لانے کے نہ ان کے دل میں نیک کام کا شوق ہے نہ برے کام کا خوف اس واسطے بے دھڑک برے کام کرنے سے ان کے دلوں پر زنگ کی مہر لگ گئی ہے جس کے سبب سے قرآن کی نصیحت ان کے دلوں پر کچھ اثر نہیں کرتی اور عقبیٰ کا بھلا برا ان کی سمجھ میں نہیں آتا لیکن اپنی اس حالت پر یہ لوگ ایسے وقت پچتاویں گے جس وقت کا پچتانا ان کے کچھ کام نہ آویگا

۸۸۔۸۹۔ اللہ پاک نے منافقوں کی مذمت بیان کر کے یہ بات بیان فرمائی کہ یہ لوگ جو جہاد میں نہیں شریک ہوئے ہیں اس سے کوئی ضرر خدا کے دین کو نہیں پہنچتا ہے ان لوگوں سے جو بہتر اور اچھے لوگ ہیں رسول اور مومنین وہ لوگ سچے دل سے اور خالص نیت سے خدا کی راہ میں جان اور مال سے حاضر ہیں اور آئے دن جہاد کرتے رہتے ہیں اور جیسا کہ حق جہاد کا ہے پورا پورا ادا کرتے ہیں پھر یہ ذکر کیا کہ یہ مومنین جو اس طرح خدا کی راہ میں سرگرمی سے لڑ رہے ہیں تو ان کی محنت رائگاں نہیں جائے گی اس کے عوض میں دنیا اور آخرت دونوں جگہ انہیں بہتری ہوگی اور بڑی فلاحیت اٹھائیں گے کیا یہ کم دنیا میں فلاحیت ہے کہ جہاد میں شریک ہونے پر مال غنیمت کے مستحق ہوتے ہیں اور عقبیٰ میں خدا تعالیٰ نے ان کے لئے جنت بنا رکھی ہے جس میں نہریں جاری ہیں اور پھر یہ لوگ اس میں جانے کے بعد کبھی نکلیں گے نہیں ہمیشہ ہمیشہ کو وہیں رہیں گے طرح طرح کی نعمتیں ان کے واسطے جنت میں موجود ہیں فوز عظیم نہیں تو کیا ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ اور اللہ کے رسول کی فرمانبرداری کے طور پر دین کی لڑائی میں شریک ہوتا ہے اس بات پر اللہ تعالیٰ اس کا ضامن ہو جاتا ہے کہ اگر وہ اپنے گھر کو واپس آیا تو اجر اور مال غنیمت لے کر آویگا اور اگر شہید ہوا تو جنت میں داخل ہوگا[1] صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی حدیث بھی ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی جنتی کو اگر ساری دنیا کے مل جانے کا لالچ دیا جا کر دنیا میں آنے کو کہا جاوے گا تو جنت کی نعمتوں کو چھوڑ کر کوئی جنتی دنیا میں آنے کو راضی نہ ہوگا مگر شہادت

[1] صحیح بخاری ص ۳۹۱ ج ۱ باب افضل الناس مومن مجاہد بنفسہ و مالہ الخ

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا

اور آئے بہانہ کرنے گنوار تا رخصت ملے ان کو اور بیٹھ رہے جو جھوٹے ہوئے

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۹۰ لَيْسَ

اللہ سے اور رسول سے پہنچے گی ان کو جو منکر ہوئے ان میں دکھ کی مار ضعیفوں

عَلَى الضُّعَفَاۗءِ وَلَا عَلَي الْمَرْضٰى وَلَا عَلَي الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا

پر تکلیف نہیں اور نہ مریضوں پر اور نہ ان کو جن کو پیدا نہیں جو

کے اجر میں شہیدوں کو جنت کے عالی مقام جو ملیں گے انہیں دیکھ کر شہید یہ تمنا کریں گے کہ وہ پھر دنیا میں آویں اور دس دفعہ اللہ کی راہ میں پھر شہید ہوں یہ حدیثیں واولئک لھم الخیرات واولئک ھم المفلحون کی گویا تفسیر ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ضامن ہونے کا یہ ظہور ہوا کہ ان لوگوں میں سے جو زندہ رہے انہوں نے اور ان کی اولاد نے بادشاہت پائی اور جو شہید ہو گئے ان کو وہ عالی درجے ملے کہ جن کو دیکھ کر انہیں پھر دنیا میں آنے اور شہید ہونے کی آرزو پیدا ہوئی۔

۹۰۔ اللہ پاک نے اس آیت میں ان دو گروہ کا ذکر فرمایا جنہوں نے جھوٹا عذر کر کے جہاد میں شراکت نہیں کی اور جنہوں نے عذر بھی نہیں بیان کیا خدا اور رسول کے عذروں کو جھوٹا جان کر گھروں میں بیٹھ رہے فرمایا کہ ان دونوں گروہ کو سخت عذاب پہنچے گا مفسروں کا اس بات میں اختلاف ہے کہ وہ کون لوگ تھے جنہوں نے عذر کیا تھا بعضوں نے یہ کہا ہے کہ یہ لوگ قبیلہ اسد اور غطفان کے لوگ تھے انہوں نے یہ عذر کیا تھا کہ ہمارے اہل و عیال ہیں جن کے واسطے ہم کو بڑی محنت و مشقت کرنی پڑتی ہے آپ ہمیں گھر میں رہ جانے کی اجازت دیدیں اور بعضوں نے یہ بیان کیا ہے کہ عامر بن طفیل کے یہ لوگ تھے انہوں نے آکر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کہی تھی کہ ہم آپ کے ساتھ اگر چل کر لڑائی میں شریک ہوں تو ہمارے بی بی بچے اور مویشی اکیلے رہ جائیں گے قبیلہ طی کے گنوار اگر ہمارے پیچھے انہیں برباد کر دیں گے اور سب مال لوٹ کر لے جائیں گے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے کہہ دیا کہ خیر خدا نے تمہاری ضرورت میرے واسطے نہیں رکھی ہے اور بعضوں نے یہ کہا ہے کہ قبیلہ غفار کے چند آدمیوں نے عذر بیان کیا تھا اللہ پاک نے اس عذر کو قبول نہیں کیا۔ صحیح قول یہی ہے کہ اطراف مدینہ میں جو چند قبیلے رہتے تھے ان میں سے بعضے لوگ جھوٹے عذر کر کے اور بعضے بغیر کسی عذر کے پیش کرنے کے اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ رہے اور اس سفر میں انہوں نے لشکر اسلام کا ساتھ چھوڑ دیا مال اور اولاد کے دین میں فتور ڈالنے کی روایتیں جو اوپر گزر چکی ہیں وہی روایتیں اس آیت کی بھی گویا تفسیر ہیں ان میں سے بعضے لوگوں کو منکر دین اور لائق عذاب اس لئے فرمایا کہ بعضے ان میں کے پھر بعد اس کے خالص دل سے پکے مسلمان ہو گئے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے جو روایتیں ہیں ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف فرمائی ہے۔

۹۱۔ تفسیر ابن ابی حاتم اور مغازی محمد بن اسحاق میں زید بن ثابتؓ کی روایت سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ قوی تندرست مالدار لوگ جو غزوہ تبوک میں نہیں گئے تھے جب اوپر کی آیتوں میں ایسے لوگوں پر اللہ کی

لہ صحیح بخاری ص ۹۵ ج ۱ باب تمنی المجاہد ان یرجع الی الدنیا۔ ٢ یعنی زیر آیت نمبر ۸۵۔

يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ

خرچ کریں جب دل سے صاف ہوں اللہ اور رسول کے ساتھ نہیں نیکی والوں پر الزام کی

سَبِيْلٍ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾

راہ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

خفگی کی آیتیں نازل ہوئیں تو ناتوان بوڑھے اور بیمار اور ایسے مفلس صحابہ جن کے پاس اتنا خرچ نہیں تھا کہ سواری اور خرچ راہ کا بندوبست کر کے آنحضرت کے ساتھ جاتے وہ بہت ہراساں ہوئے کہ شاید ہم لوگ بھی اسی خفگی میں داخل ہیں ان کی تسکین کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[1] حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ ایسے صاحب عذر جو لڑائی پر نہیں گئے تو ان پر سرزنش اس سبب سے نہیں ہے کہ عذر نے ایسے لوگوں کو معذور کر رکھا ہے اور اس معذوری کے سبب سے ان پر لڑائی میں جانا فرض نہیں ہے اصل سرزنش تو ان لوگوں پر ہے جنہوں نے بغیر کسی معذوری کے جھوٹے عذروں سے نبی وقت کا ساتھ چھوڑ دیا صحیح بخاری کے حوالہ سے انس بن مالکؓ کی اور صحیح مسلم کے حوالہ سے جابرؓ بن عبداللہ کی روایتیں اوپر گزر چکی ہیں[2] جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت سے ہمارے ساتھی مدینہ میں ایسے ہیں کہ ہر کام میں گویا ہمارے ساتھ ہیں جو رستہ ہم نے طے کیا وہ گویا انہوں نے بھی طے کیا کیونکہ عذر کے سبب سے ہمارے ساتھ نہیں آسکے ایسے دین کے عام کام میں عذر کے سبب سے جو شخص شریک نہ ہو سکے اس سے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں غیر حاضری کی سرزنش اٹھالی ہے مگر ساتھ ہی اس کے ایک شرط بھی لگادی ہے کہ اس طرح کا معذور آدمی گھر بیٹھے کوئی بات فساد کی ایسی نہ نکالے جس سے معلوم ہو کہ وہ دین کا خیرخواہ نہیں ہے مثلاً جو مسلمان سفر میں گئے ہوئے ہیں ان کے حق میں کوئی بدخبر اڑا کر ان کے رشتہ داروں کو پریشان کر دینا یا مخالفین دین سے کسی سازش کا کرنا۔ محسنین وہ لوگ ہیں جو ہر طرح کی بدنی اور مالی عبادت اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر ادا کرتے ہیں چنانچہ صحیح مسلم کے حوالہ سے حضرت عمرؓ کی حدیث جو ایک جگہ گزر چکی ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کے معنے اسی طرح کی حسن عبادت کے بتلائے ہیں[3] یہ وہی حدیث ہے جس میں جبرئیل علیہ السلام نے سائل بن کر چند مسئلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے ہیں اور آپ نے ان مسئلوں کے جواب دئیے ہیں ان لوگوں کو محسنین جو فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ لشکر اسلام کی غیر حاضری اور سفر تبوک کے زمانہ میں ان لوگوں نے آیت کی شرط کے برخلاف کوئی بات نہیں کی اسی واسطے یہ لوگ گھر بیٹھے اس اجر کے مستحق ہوئے جس کا ذکر اوپر کی حدیثوں میں گزرا اوپر گزر چکا ہے کہ یوں تو جہاد فرض کفایہ ہے۔ فرض کفایہ اس فرض کو کہتے ہیں کہ قوم کے تھوڑے سے لوگ بھی اس کو ادا کر لیویں تو سب قوم سے اس کا بوجھ ٹل جاتا ہے لیکن ساتھ ہی اس کے یہ بھی گزر چکا کہ جن لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی لڑائی پر جانے کا حکم دیا تو نماز روزہ کی طرح ان پر فرض عین تھا کہ وہ لوگ ضرور آپ کے حکم کی تعمیل کریں یہ بات اس سبب سے تھی کہ اس زمانہ کے سب مسلمان بیعت کے ذریعہ سے یہ معاہدہ کر چکے تھے کہ وہ ہر حال میں اسلام کی مدد کریں گے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرؓ کی یہ حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ عہد شکنی منافق کی نشانی ہے[4]

---

[1] تفسیر الدر المنثور ص ۲۶۷ ج ۳ و تفسیر ابن کثیر ص ۳۸۱ ج ۲ [2] یعنی زیر آیت نمبر ۸۳ [3] صحیح مسلم ص ۲۷ ج ۱ کتاب الایمان [4] مشکوٰۃ ص ۱۷ باب الکبائر و علامات النفاق۔

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ

اور نہ ان پر کہ جب تیرے پاس آئے تو ان کو سواری دے تو نے کہا نہیں پاتا ہوں وہ چیز کہ اس پر تم کو سوار کر دوں

تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۝۹۲

الٹے پھرے اور ان کی آنکھوں سے بہتے ہیں آنسو اس غم سے کہ نہیں پاتے جو خرچ کریں

اسی واسطے بلا عذر قوی کے جو لوگ گھر بیٹھ رہے اس سورت کی آیتوں میں ان پر خفگی نازل ہوئی کیونکہ صحیح بخاری میں کعب بن مالک کے قصہ کی جو حدیث[۱] ہے اس میں یہ ذکر صاف ہے کہ سوا سچے صاحب عذر لوگوں کے اور سب مسلمانوں کو اس سفر میں ساتھ چلنے کا حکم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا جس سے نماز روزہ کی طرح ان پر اس لڑائی میں جانا فرض عین تھا حاصل کلام یہ ہے کہ اس مقام پر بعضے مفسروں کو یہ شبہ جو پیدا ہوا ہے کہ جہاد جب فرض کفایہ ہے تو صرف بعضے لوگوں کے تبوک کے سفر میں شریک نہ ہونے سے ان لوگوں پر اس قدر عتاب الٰہی کیوں ہوا اوپر جو آیت کی تفسیر بیان کی گئی اس کے بعد اب وہ شبہ باقی نہیں رہتا۔

۹۲۔ صحیح بخاری میں ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت سے جو اس آیت کی شان نزول اور تفسیر بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ابو موسے اشعریؓ اپنے قبیلہ کے لوگوں کے ساتھ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ سے لڑائی پر جانے کے لئے سواری عطا فرمانے کی خواہش پیش کی اس وقت آپ کچھ غصہ میں تھے اس غصہ کی حالت میں آپ نے سواری کے دینے سے اللہ کی قسم کھا کر انکار کیا اس لئے ابو موسے اشعریؓ اور ان کے ساتھی مایوس ہو کر چلے آئے تھے اتنے میں آپ کے پاس کچھ اونٹ مال غنیمت کے کہیں سے آ گئے اور آپ نے ان لوگوں کو پھر بلایا اور چھ اونٹ ان کو دئے پہلے یہ لوگ اونٹ لے کر چلے پھر ان کو خیال آیا کہ آنحضرت کو آپ کی قسم یاد دلانی چاہیئے ایسا نہ ہو کہ آپ نے قسم کی حالت کو بھول کر ہم کو یہ اونٹ دئے ہوں اس خیال سے یہ لوگ راستہ میں سے پلٹے اور آپ کو قسم کی حالت یاد دلائی تو آپ نے فرمایا جاؤ تمہیں اللہ نے سواری دی میں جب قسم کھاتا ہوں اور جس کام پر وہ قسم ہو اس سے بہتر کوئی کام مجھ کو نظر آتا ہے تو قسم کا کفارہ دے کر اس بہتر کام کو میں کر لیتا ہوں اس آیت کی تفسیر اور شان نزول اس حدیث کو اس سبب سے کہا گیا کہ یہ آیت تو بلا خلاف جنگ تبوک کے واقعہ کے بیان میں ہے اور اس حدیث کو بھی امام بخاری علیہ الرحمتہ نے غزوہ تبوک میں روایت کیا ہے اور اس حدیث میں یہ صراحت بھی ہے کہ ان اشعری لوگوں کا آنحضرت سے سواری مانگنے کو آنا جنگ تبوک کے وقت تھا اس لئے آیت اور حدیث کا قصہ ایک ہی قصہ ہے امام بخاری نے جنگ تبوک میں تو ابو موسے اشعریؓ کی اس حدیث کو مختصر طور پر روایت کیا ہے لیکن قسم کے کفارہ کے اور بابوں میں اسی حدیث کو مفصل طور پر روایت کیا[۲] ہے اس لئے ان سب روایتوں کے دیکھنے سے آیت کی تفسیر اچھی طرح سمجھ میں آ جاتی ہے اسی واسطے ان سب روایتوں کا حاصل ایک جگہ کیا گیا کہ آیت کی تفسیر میں بیان کر دیا گیا ہے۔

[۱] صحیح بخاری ص ۶۳۳ ج ۲ باب حدیث کعب بن مالک۔

[۲] صحیح بخاری ص ۶۳۳ ج ۲ باب غزوۃ تبوک و ص ۹۸۱ و ۹۹۵ ج ۲ کتاب الایمان والنذور۔

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ ۚ رَضُوا

راہ الزام کی ان پر ہے جو رخصت مانگتے ہیں تجھ سے اور مالدار ہیں اور خوش

بِأَن يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٩٣﴾

لگا انہیں کہ رہ جاویں پچھلی عورتوں کے ساتھ اور مُہر کی اللہ نے ان کے دل پر سو وہ نہیں جانتے

۹۳-۹۶ اوپر کی آیتوں میں ان لوگوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا جو اپاہج بڈھے یا مفلس ہونے کے سبب سے لڑائی پر نہیں گئے اور ان لوگوں کو معذور ٹھہرا کر یہ فرمایا تھا کہ یہ لوگ سرزنش کے قابل نہیں ہیں ان آیتوں میں فرمایا کہ اصلی سرزنش کے قابل وہ لوگ ہیں جو باوجود دولتمند ہونے اور ہٹے کٹے ہونے کے اللہ کے رسول کا ساتھ چھوڑ کر بیٹھ رہے اور آگے کی آیتوں میں دور تک ان لوگوں کا ذکر ہے جس ذکر میں ان لوگوں کی تین قسمیں ہیں ایک تو وہ جنہوں نے آنحضرتؐ سے جھوٹے عذر کئے ان کی نسبت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی نہیں اور اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب رکھا ہے دوسرا وہ گروہ ہے جنہوں نے اپنے قصور پر خود قائل ہو کر اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ دیا تھا جن کی توبہ جلدی قبول ہو گئی تیسرا گروہ ان تین آدمیوں کا ہے جنہوں نے آنحضرتؐ کے مدینہ میں واپس آنے کے بعد آنحضرتؐ کے روبرو اپنے قصور کا سچا اقرار کیا اور کوئی جھوٹا عذر نہیں گھڑا ان کی توبہ پونے دو مہینے کے بعد قبول ہوئی ان آیتوں میں پہلی قسم کے لوگوں کا ذکر ہے باقی کے دو قسم کے لوگوں کا ذکر آگے آ[1] دیگا حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ ان لوگوں کو عقبیٰ کے عذاب و ثواب کا یقین نہیں ہے اس لئے رات دن بید دھڑک یہ لوگ طرح طرح کے گناہوں میں گرفتار رہتے ہیں اور کثرت گناہوں سے ان کے دل پر ایسا زنگ چھا گیا ہے کہ اس زنگ کے سبب سے ان کا دل ناپاک ہو گیا ہے جس سے جہاد کی خوبی کی یا اور کسی نیک بات کے سمجھنے کی صلاحیت ان کے دل میں نہیں رہی ہے پھر فرمایا اے رسول اللہ کے تم اور تمہارے ساتھ کے مسلمان جب مدینہ میں جاؤ گے تو یہ لوگ طرح طرح کے عذر کریں گے اس پر ان لوگوں کو یہ جواب دے دیا جاوے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل کا حال ہم کو بتلا دیا ہے اس لئے اب تو ہم تمہارے عذروں کی صداقت نہیں کر سکتے ہاں تمہاری آئندہ کی حالت پر اللہ اور اس کے رسول کی نظر ہے کہ آئندہ تم اسلام کے ساتھ کیا برتاؤ رکھتے ہو اور اسلام کے ساتھ جیسا برتاؤ آئندہ تم لوگ رکھو گے ویسا ہی برتاؤ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ برتے گا کیونکہ سزا و جزا کے لئے ایک دن سب کو اس غیب داں کے روبرو حاضر ہونا ضروری ہے پھر فرمایا تمہاری واپسی کے وقت قسمیں کھا کھا کر اس لئے یہ لوگ عذر کریں گے کہ تم ان کو کوئی ظاہری سرزنش نہ کرو اب ان لوگوں کے دل جب بداعتقادی کے سبب سے ایسے ناپاک ہیں کہ کوئی نصیحت ان کو پاک نہیں کر سکتی تو تم بھی ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو کیونکہ علم الٰہی میں جو لوگ دوزخی ٹھہر چکے ہیں ان کے دل پر کسی سرزنش کا کچھ اثر نہیں ہو سکتا پھر فرمایا تم کو ان کی بداعتقادی اور دل کی گندگی کا حال معلوم نہیں اس لئے اگر بالفرض اپنی جھوٹی قسموں پر یہ لوگ تم کو کچھ رضامندی کر لیں تو کر لیں مگر اللہ کو تو ان کے دلوں کا حال ذرا ذرا معلوم ہے اس واسطے جب تک منافق پنے کی گندگی سے یہ لوگ اپنے دلوں کو پاک نہ کریں گے اس وقت تک ایسے بے حکم لوگوں سے اللہ راضی ہو سکتا ہے نہ بارگاہ الٰہی میں تمہاری رضامندی ان کے کچھ کام آ سکتی ہے معتبر سند سے ابوہریرہؓ کی ایک حدیث ترمذی نسائی ابن ماجہ وغیرہ کے حوالہ سے اوپر گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بغیر توبہ کے گناہوں کی کثرت سے آدمی کے دل پر زنگ لگ جاتا ہے جو اس کے تمام دل کو گھیر لیتا ہے اسی طرح صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث بھی گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی نظر انسان کی ظاہری حالت پر نہیں ہے

[1] یعنے زیر آیت نمبر ۱۰۶

يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ ۚ قُل لَّا تَعْتَذِرُوا لَن نُّؤْمِنَ

بہانے لاویں گے تمہارے پاس جب پھر کر جاؤ گے ان کی طرف تو کہہ بہانے مت بناؤ ہم ہرگز یقین

لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ ۚ وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ

نہ کریں گے تمہارا ہم کو بتا چکا ہے اللہ تمہارے احوال اور ابھی دیکھے گا اللہ تمہارے کام اور اس کا رسول

ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩٤﴾

پھر جاؤ گے طرف اس جاننے والے چھپے اور کھلے کے سو وہ بتا دے گا تم کو جو کر رہے تھے

سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ فَأَعْرِضُوا

اب قسمیں کھاویں گے اللہ کی تمہارے پاس جب پھر کر جاؤ گے ان کی طرف تا ان سے درگزر کرو سو درگزر کرو

عَنْهُمْ ۖ إِنَّهُمْ رِجْسٌ ۖ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٩٥﴾

ان سے وہ لوگ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے بدلا ان کی کمائی کا

يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۖ فَإِن تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ

قسمیں کھاویں گے تمہارے پاس کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ سو اگر تم راضی ہو گئے ان سے تو اللہ راضی نہیں

الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٩٦﴾ الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَأَجْدَرُ أَلَّا يَعْلَمُوا

بے حکم لوگوں سے وہ گنوار سخت منکر ہیں اور منافق اور اسی لائق کہ نہ سیکھیں

بلکہ اللہ تعالیٰ کی نظر تو ہمیشہ انسان کے دل پر لگی رہتی ہے[1] کہ انسان ہر ایک کام دل کے کس ارادہ اور نیت سے کرتا ہے آیتوں اور حدیثوں کے ملانے سے آیتوں کی وہی تفسیر قرار پاتی ہے جو اوپر بیان کی گئی کہ ان لوگوں کے دل میں عقبیٰ کے عذاب کا خوف نہیں ہے اس لئے ہر وقت یہ لوگ گناہوں میں گرفتار رہتے ہیں جس کے سبب سے ان کے دلوں پر زنگ کی مہر لگ گئی ہے اور آدمی کے دل کا حال سوا اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں اس واسطے مسلمان لوگ ان منافقوں کے اوپری دل کے عذروں اور ان کی جھوٹی قسموں سے دھوکا کھا سکتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی نظر تو ان منافقوں کے دل پر لگی ہوئی ہے اور اس کو ان کے ہر ایک دلی ارادہ کا حال معلوم ہے اس لئے جبتک ان لوگوں کے دل سے یہ منافق پن کی گندگی نہ جاوے گی اور یہ لوگ صاف دل سے پورے مسلمان بن کر اپنے ظاہر و باطن کو یکساں نہ کریں گے اس وقت تک ان کا اوپری دل کا کوئی عذر اور کوئی عمل نہ بارگاہ الٰہی میں مقبول ہو سکتا ہے نہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی انہیں حاصل ہو سکتی ہے۔

۹۷۔ گنواروں کی طبیعت اور سمجھ جیسی ہوتی ہے وہ تو ظاہر ہی ہے کہ ہٹ دھرمی گویا ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے عقل سے انہیں کوئی سروکار نہیں نہ علم سے کوئی واسطہ دل بھی ان کے ایسے ہی سخت ہوتے ہیں کفر و نفاق بھی ان میں بہ نسبت شہر والوں کے کہیں بڑھا ہوا ہوتا ہے اس لئے وہ اسی لائق ہیں کہ قرآن اور دین اسلام کے احکام کو نہ جانیں کیونکہ ذاتی سخت مزاجی کے علاوہ ان کو دین اسلام کی باتیں بھی بیابان کی سکونت کے سبب سے کم معلوم ہوا کرتی ہیں مسند امام احمد ابوداؤد اور ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے[2] کہ جنگل کے رہنے والے گنوار جفاکار ہوتے ہیں[3] اور یہی سبب ہے کہ گنواروں میں سے کوئی پیغمبر نہیں ہوا اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اپنا رسول شہروں میں پیدا کیا کیونکہ

[1] صحیح مسلم ص ۳۱۷ ج ۲ باب تحریم ظلم المسلم الخ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۳۸۳ ج ۲ [3] تفسیر الدر المنثور ص ۲۶۹ ج ۳

حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ

قاعدے جو نازل کئے اللہ نے اپنے رسول پر اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا اور بعضے گنوار وہ ہیں

مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ

کہ ٹھیراتے ہیں اپنا خرچ کرنا چٹی اور تاکتے ہیں تم پر زمانہ کی گردشیں انہیں پر پڑی گردش

السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

بری اور اللہ سب سنتا ہے جانتا اور بعضے گنوار وہ ہیں کہ ایمان لائے اللہ پر اور پچھلے

الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا

دن پر اور ٹھیراتے ہیں اپنا خرچ کرنا نزدیک ہونا اللہ سے اور دعا لیں رسول کی سنتا ہے

قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾ ع

اور وہ ان کے حق میں نزدیکی کا سبب ہے داخل کرنے پر ہے ان کو اللہ اپنی مہر میں بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

وہ علیم حکیم ہے وہ جانتا ہے کہ علم اور ایمان کس کو زیبا ہے جہالت اور کفر و نفاق کس کا حصہ ہے عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث کو ترمذی نے حسن غریب کہا ہے[۱] لیکن طبرانی میں عبداللہ بن مسعودؓ کی اسی مضمون کی حدیث ہے اس کی سند معتبر ہے۔

۹۸۔ اس آیت میں فرمایا دوسری قسم کے گنوار وہ ہیں کہ خدا کی راہ میں خرچ تو کرتے ہیں مگر ناخوشی سے اور اُن کو ہر وقت یہ خیال لگا ہوتا ہے کہ زمانہ ایک طور پر نہیں رہتا ممکن ہے کہ گردش زمانہ سے مشرکین غالب آجائیں یا کوئی اور حادثہ درپیش ہو اس لئے فرمایا کہ بُرے وقت اگر آئیں گے تو انہیں پر آئیں گے رسول یا مومنین پر کیوں آنے لگے اصل میں بنو اسد اور غطفان کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے کیونکہ یہ لوگ خرچ تو کرتے تھے مگر ان کے دل میں یہی دغدغہ لگا رہتا تھا جس کا ذکر اوپر گزرا صحیح مسلم کی ابوہریرہؓ کی حدیث گزر چکی ہے کہ ہر نیک عمل کے وقت اللہ تعالیٰ انسان کے دل کو دیکھتا ہے[۲] کہ کس دل سے یہ نیک عمل کیا گیا ہے یہ حدیث آیت کی گویا تفسیر ہے حاصل یہ ہے کہ ان لوگوں کے نیک عمل خالص دل سے نہیں تھے اس لئے[۳] بارگاہ الٰہی میں قبول نہیں ہوئے۔

۹۹۔ پھر فرمایا کہ تیسری قسم کے وہ گنوار ہیں جو خدا پر اور قیامت کے دن پر سچے دل سے ایمان لا چکے ہیں اور خدا کی راہ میں اس امید پر خرچ کرتے ہیں کہ خدا سے نزدیکی ہو اور رسول ان کے مغفرت چاہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی راہ میں خرچ کرنے والے اور صدقہ دینے والوں کے لئے دعا فرمایا کرتے تھے عبدالرحمن بن معقل کہتے ہیں ہم مقرن کے دس بیٹے تھے یہ آیت ہماری شان میں اتری ہے[۴] مجاہد نے بھی آیت کی یہی شان نزول بیان کی ہے[۵] عبدالرحمن بن معقلؓ کہتے ہیں عبدالرحمن بن معقلؓ ثقہ تابعی ہیں بعضے علماء نے ان کو صحابہ میں جو شمار کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے، کلبی کا قول ہے کہ اسلم و غفار و جہینہ و مزینہ یہ لوگ اسی امید میں خرچ کرتے تھے کہ خدا سے نزدیکی ہو اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے واسطے دعا فرمائیں اس واسطے یہ آیت انہیں کی شان میں اتری ہے بنی مقرن قبیلہ مزینہ میں ہیں اس واسطے مجاہد اور کلبی کے قول میں کچھ اختلاف نہیں ہے صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی نیک کمائی میں سے جو کوئی شخص ذرا سی چیز بھی صدقہ

---

[۱] تفسیر ابن کثیر ص ۳۸۳ ج ۲ [۲] صحیح مسلم ص ۳۱۷ ج ۲ باب تحریم ظلم المسلم الخ [۳] تفسیر ابن جریر ص ۶ ج ۱۱ [۴] تفسیر ابن جریر ص ۵ ج ۱۱ و تفسیر الدر المنثور ص ۲۶۹ ج ۳ و تفسیر فتح البیان ص ۹۵ ج ۲ [۵] تفسیر فتح البیان ص ۹۵ ج ۲

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ
اور جو لوگ قدیم ہیں پہلے وطن چھوڑنے والے اور مدد کرنے والے اور جو ان کے پیچھے آئے نیکی سے

رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ
اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے اور رکھے ہیں ان کے واسطے باغ نیچے بہتی نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٠٠﴾ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ
رہا کریں اس میں ہمیشہ یہی ہے مراد پانا بڑا اور بعضے تمہارے گرد کے گنوار

خیرات میں دیوے تو اللہ تعالیٰ اس چیز کے اجر کو خاص اپنے سیدھے ہاتھ لیتا ہے اور اس ذراسی چیز کے اجر کو ایک پہاڑ کے برابر کر دیتا ہے[1] اگرچہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ سیدھے ہیں لیکن نیک کمائی اور نیک نیتی کے صدقہ خیرات کی شان بڑھانے کے لئے سیدھے ہاتھ کا لفظ حدیث میں فرمایا صدقہ خیرات کے سبب سے قربت الٰہی کا ذکر جو آیت میں ہے یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے۔

١٠٠۔ گنواروں کے بعد اللہ جل شانہ شہر والوں کا ذکر فرماتا ہے اس مقام پر مفسرین کا اختلاف ہے کہ سابقین سے کون لوگ مراد ہیں لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگردوں میں جہاں مجاہد کا قول نہ ہو تو سعید بن المسیب کے قول کے موافق رفع اختلاف کیا جاتا ہے سعید بن مسیب کے قول کے موافق مہاجرین اور انصار میں سابقین وہ صحابہ ہیں جو بیت المقدس اور بیت اللہ دونوں قبلوں کی نمازوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھے عطا بن ابی رباح کا قول ہے کہ جو صحابہ بدر کی لڑائی سے پہلے اسلام لائے اور اس لڑائی میں شریک ہوئے اُن ہی کو سابقون فرمایا ہے[2] یہی قول شاہ صاحب نے اپنے فائدہ میں لیا ہے دو قبلوں کی نماز اور بدر کی لڑائی یہ دونوں باتیں ایک ہی سال ۲ھ ہجری کے ہیں اس واسطے سعید بن المسیب اور عطا بن ابی رباح کے قول میں کچھ اختلاف نہیں ہے لیکن سعید بن المسیب عطا بن ابی رباح سے زیادہ ثقہ ہیں اس لئے اس تفسیر میں ان ہی کا قول لیا گیا حاصل کلام یہ ہے کہ اس قول کی بنا پر والذین اتبعوھم باحسان سے باقی کے صحابہ مقصود ہونگے اور حاصل معنے یہ ہونگے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے راضی ہے اور یہ لوگ خدا سے راضی ہیں ان کے لئے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے اور خدا کا وعدہ جھوٹا نہیں ہے یہ لوگ قطعی جنتی ہیں جن کے دل میں ان کی طرف سے بغض ہے یا جو ان میں سے کسی ایک کو بھی بُرا سمجھتا ہے اس کا ایمان باقی نہیں رہا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی نسبت رضامندی کی خبر دیتا ہے کہ میں ان لوگوں سے راضی ہو چکا اور ان لوگوں کے لئے جنت مقرر کر چکا حاصل یہ ٹھہرا کہ اس آیت میں فقط صحابہ کا ذکر ہے تابعین کا ذکر نہیں صحابہ کے ساتھ تابعین کا ذکر سورہ حشر میں آویگا صحیح بخاری و مسلم میں ابو سعید خدری کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ کے حق میں کوئی شخص کسی طرح کی کوئی بری بات منہ سے نہ نکالے میرے اصحاب کا بڑا درجہ ہے ان کا تھوڑا نیک عمل اوروں کے تودہ کے تودہ عملوں سے بہتر ہے[3] یہ حدیث آیت کی گویا تفسیر ہے جس سے صحابہ کی شان اور ان کی بدگوئی سے زبان کو روکنے کی تاکید معلوم ہوتی ہے۔

١٠١۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن خطبہ پڑھتے پڑھتے چار پانچ آدمیوں کو فرمایا کہ تم منافق ہو نکل جاؤ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آرہے تھے ان لوگوں کو مسجد سے آتے ہوئے دیکھ کر سمجھے کہ نماز ہو چکی اور چھپ

[1] صحیح بخاری ص ١٨٩ ج ١ باب الصدقۃ من کسب طیب الخ۔ [2] تفسیر ابن جریر ص ٧ ج ١١ و تفسیر الدر المنثور ص ٢٧١ ج ٣ و تفسیر ابن کثیر ص ٣٨٣ ج ٢۔ [3] تفسیر معالم التنزیل ص ٢٨٨ ج ٢

[4] مشکوٰۃ ص ٥٥٣ باب مناقب الصحابہ۔

مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ ۛؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ
منافق ہیں اور بعضے مدینہ والے اڑ رہے ہیں نفاق پر تو ان کو نہیں جانتا

نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَیْنِ ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِیْمٍ ۚ﴿۱۰۱﴾
ہم کو معلوم ہیں ان کو ہم عذاب کریں گے دوبار پھر پھیرے جاویں گے وہ بڑے عذاب میں

گئے ان لوگوں نے بھی حضرت عمرؓ کو دیکھ لیا تھا وہ یہ سمجھ کر چھپ گئے کہ ان پر ہمارا حال ظاہر ہو گیا۔ جب حضرت عمرؓ مسجد میں پہنچے تو دیکھا کہ ابھی جماعت نہیں ہوئی ہے ایک شخص نے بڑھ کر کہا کہ آج تو منافق بہت ذلیل ہوئے خدا نے ان کو مسجد سے نکلوا دیا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ایک عذاب تو یہی ہے کہ مسلمانوں کی مسجد سے یہ لوگ نکالے گئے بھری محفل میں رسوائی ہوئی اور دوسرا عذاب قبر کا عذاب ہے پھر آخرت میں عذاب عظیم[۱] ہے۔ مجاہدؒ نے بیان کیا ہے کہ قحط سے بھوکے رہنا دنیا کا عذاب[۲] ہے بعضے مفسروں نے لکھا ہے کہ مدینہ میں اور مدینہ کے اطراف میں جہینہ مزینہ اشجع غفار اسلم رہتے تھے انہیں میں سے وہ لوگ ہیں جہینہ مزینہ وغیرہ کی اگرچہ اوپر تعریف گزر چکی ہے لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ ان قبیلوں میں ہر طرح کے لوگ ہوں اس سبب سے ان دونوں روایتوں میں کچھ اختلاف نہیں ہے بعض مفسروں نے ان لوگوں کے نام بھی ذکر کئے ہیں اور بعضوں نے نام نہیں بیان کئے کیونکہ اللہ پاک نے اپنے رسول کو خود ارشاد فرمایا ہے کہ تم نہیں جانتے ہم ان کو جانتے ہیں پھر اور کوئی ان کے نام کیونکر جان سکتا ہے حاصل مطلب یہ ہے کہ نواح مدینہ میں قبیلہ جہینہ و مزینہ وغیرہ کے کچھ لوگ اور خاص مدینہ میں عبداللہ بن ابی کی جماعت یہ منافق لوگ ہیں یہ لوگ جانتے ہیں کہ ان کا حال کسی کو معلوم نہیں مگر اللہ کو ان کا حال خوب معلوم ہے اسی واسطے اس نے دنیا میں ان کو رسوا کیا ابھی عذاب عقبیٰ باقی ہے صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث[۳] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس طرح بکریوں کے دو ریوڑوں میں سے ایک ریوڑ کی بکری ریوڑ سے پیچھے رہ کر اپنے ریوڑ کو ٹٹولتی پھرتی ہے کبھی اس ریوڑ کی طرف جاتی ہے کبھی اس ریوڑ کی یہی حال منافقوں کے اعتقاد کا ہے کہ ظاہر میں مسلمانوں کے گروہ کے ساتھی معلوم ہوتے ہیں اور حقیقت میں مخالف اسلام جماعت کے حامی ہیں۔ یہ حدیث منافقوں کے اعتقاد کی تفسیر ہے رہے ان کے عمل وہ صحیح حدیثوں کے موافق یہ ہیں کہ اذان سننے کے بعد جماعت کی پروا نہیں کرتے دکھاوے کے لئے نماز پڑھتے ہیں تو وقت کو ٹال کر بے وقت جلدی کے مارے ایسی کہ جس میں پورا رکوع ہے نہ سجدہ اور اسی طرح دین کا جو کام کرتے ہیں اپنے جان و مال کو مسلمانوں کے حملہ سے بچانے کے لئے اوپری دل سے کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور عقبیٰ کے ثواب کی نیت سے کچھ بھی نہیں کرتے کیونکہ عقبیٰ کے ثواب کا پورا یقین ان کے دل میں نہیں ہے۔ سوا ان باتوں کے وعدہ خلافی امانت میں خیانت جھوٹ بولنا لڑائی جھگڑے کے وقت گالیاں بکنا وغیرہ منافقوں کی یہ بھی نشانیاں ہیں جن کا ذکر تفصیل سے اس تفسیر میں کئی جگہ آچکا ہے حاصل یہ ہے کہ جب تک اسلام کا غلبہ تھا اس وقت تک جان و مال کے خوف سے اس طرح کے اعتقادی نفاق کی لوگوں کو ضرورت تھی کہ ظاہر میں مسلمان بنے رہیں اور باطن میں اسلام کے مخالف اب ضعف اسلام کے سبب سے وہ بات تو باقی نہیں رہی کھلم کھلا جس کا جی چاہا ہے یہودی ہو جاوے جس کا جی چاہا ہے نصرانی آریہ وغیرہ کوئی کسی کا پرسان حال نہیں ہے لیکن ضعف ایمان کے سبب سے عملی نفاق کی باتیں اب بھی باقی ہیں اور جوں جوں نبوت کا زمانہ دور ہوتا جاوے گا دن بدن یہ باتیں بڑھتی جاویں گی اس ضعف اسلام کے زمانہ

[۱] تفسیر ابن کثیر ص ۳۸۴ ج ۲ [۲] تفسیر ابن کثیر ص ۳۸۵ ج ۲ [۳] صحیح مسلم ص ۳۷۰ ج ۲ کتاب صفات المنافقین الخ۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭعَسَى

اور بعضے اوروں نے مان لیا اپنا گناہ ملایا ایک کام نیک اور دوسرا بد شاید

اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٠٢﴾ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ

اللہ معاف کرے ان کو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے لے ان کے مال میں سے

میں ہر مسلمان کو چاہئیے کہ اپنے ایمان کی قوت اور ضعف کا حال جانچنے کے لئے ابی امامہؓ کی اس حدیث کے موافق اپنے دل کا حال ہمیشہ دریافت کیا کرے جو حدیث اس تفسیر میں ایک جگہ گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حضرت ایماندار آدمی کی کیا نشانی ہے آپ نے جواب دیا کہ نیک کام کر کے جب تیرا دل اندر سے خوش ہو اور برا کام کر کے تیرے دل میں ایک ندامت پیدا ہو تو جان لیجیو کہ تیرے دل میں نور ایمانی کی جھلک[1] ہے۔ اب مثلاً ایک شخص کی نماز کو اتفاق سے ایک دن دیر ہو گئی اور اس پر اس کو ایک طرح کی ندامت ہوئی تو ایسے شخص کو جان لینا چاہیئے کہ اس کے دل میں نور ایمان کی کچھ جھلک ہے اور جس شخص کا حال اس کے برخلاف ہے اس کا نور ایمان بلاشک دھندلا اور اس کے دل پر نفاق عملی کا اندھیرا چھایا ہوا ہے جب تک چند روزہ زندگانی ہے ایسے شخص کو اپنی اس نادم ہونے کا اور آئندہ اس کو چھوڑ دینے کا اچھا موقع حاصل ہے ورنہ پھر آنکھ بند ہوتے ہی یہ موقع کہاں اور ایسا شخص کہاں۔ معتبر سند سے مسند امام احمد میں محمد بن ابی عمیرہؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ دنیا میں تمام عمر چستی سے نیک کاموں میں لگے رہیں گے قیامت کے دن ان کو یہ پچھتاوا ہوگا کہ انہوں نے نیک عمل اور زیادہ کیوں نہیں کئے جو اجر میں اور زیادتی ہوتی[2] نیک عملوں میں سستی کرنے والے لوگوں کو چاہئے کہ وہ اس حدیث کا مضمون خوب دل میں رکھ کر اپنا اس دن کا پچھتاوا یاد کریں جس دن کا پچھتاوا انکے کچھ کام نہ آویگا ابی امامہؓ کی اس حدیث کی سند پر اگرچہ بعضے علماء نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی مطلب بن عبداللہ ہے جس میں کچھ کلام ہے لیکن یہ حدیث طبرانی کبیر اور اوسط میں بھی ہے جس کی سند میں مطلب بن عبداللہ نہیں ہے اس لئے ایک سند کو دوسری سند سے تقویت حاصل ہو کر یہ حدیث معتبر سند کی حدیثوں میں داخل ہو سکتی ہے[3]۔

۱۰۲۔۱۰۴۔ تفسیر ابن جریر ابن ابی حاتم ابن مردویہ اور ابوالشیخ میں جو شان نزول ان آیتوں کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جس گروہ صحابہ نے اپنے قصور کا اقرار کر کے آنحضرتؐ کے تبوک کے سفر سے مدینہ واپس آنے سے پہلے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھ دیا پہلا ٹکڑا آیت کا اس شان میں ہے اور پھر جب ان لوگوں کی توبہ قبول ہو گئی اور انہوں نے آنحضرت کی خدمت میں اپنا مال لا کر عرض کیا کہ حضرت جس مال کی محبت نے ہم کو آپ کے ساتھ سفر میں جانے سے روکا تھا وہ مال یہ حاضر ہے اس کو آپ خیرات کر دیجئے اور آپ نے بدوں حکم الٰہی اس مال کے لینے سے انکار کیا تھا دوسرا ٹکڑا آیت کا اس مال کے حکم میں ہے اور جن لوگوں کی توبہ پچاس دن کے بعد قبول ہوئی تیسرا آیت کا ٹکڑا انکی شان میں نازل ہوا ہے[4] علماء سلف نے اس آیت کے حکم سے یہ بات بھی نکالی ہے کہ کوئی گنہگار شخص جب اپنے گناہوں سے توبہ کرے تو اس کو کچھ صدقہ دینا بھی مستحب ہے اگرچہ بعضے مفسروں نے اس صدقہ سے مراد زکوٰۃ لی ہے لیکن اکثر مفسرین کا قول یہی ہے کہ اس آیت

[1] مشکوٰۃ ص ۱۶ کتاب الایمان [2] الترغیب والترہیب ص ۲۹۷ ج ۲ فصل فی ذکر الحساب وغیرہ [3] تنقیح الرواۃ ص ۱۷ ج ۱ کتاب الایمان [4] تفسیر ابن جریر ص ۱۲۔۱۷ ج ۱۱ و تفسیر الدر المنثور ص ۲۷۲۔۲۷۴ ج ۳

صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ

زکوٰۃ کہ ان کو پاک کرے اس سے اور تربیت اور دعا دے ان کو البتہ تیری دعا ان کے لئے آسودگی

وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٠٣﴾ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ

ہے اور اللہ سب سنتا ہے جانتا کیا جان نہیں چکے کہ اللہ اب قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں سے

وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٠٤﴾ وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى

اور لیتا ہے زکوٰتیں اور اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا ہے مہربان ہے اور کہہ کہ عمل کئے جاؤ پھر آگے دیکھے

میں صدقہ سے مراد کفارہ کے طور پر نفلی صدقہ ہے اور خاص اس قصہ میں صحیحین کی کعب بن مالکؓ کی جو حدیث[1] ہے اس سے اس آخری قول کی بڑی تائید ہوتی ہے کیونکہ اس[2] حدیث میں کعب بن مالکؓ کہتے ہیں کہ جب میری توبہ قبول ہوئی تو میں نے آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ میری توبہ کا جزو یہ بھی ہے کہ میں اپنا مال صدقہ میں دوں آپ نے فرمایا کسی قدر اپنا مال رہنے دو کہ تمہارے کام آویگا اس پر انہوں نے عرض کیا کہ خیبر کی لڑائی میں جو مجھ کو حصہ ملا ہے وہ میں رہنے دیتا ہوں اس سے معلوم ہوا کہ کعب بن مالکؓ نے اپنا سارا مال نفلی صدقہ کے طور پر دینے کا ذکر کیا اور اس پر آنحضرتؐ نے انکو کسی قدر مال رہنے دینے کی نصیحت کی زکوٰۃ کا ذکر ہوتا تو زکوٰۃ کی مقدار جس قدر مقرر ہے اسی قدر مقرر ہے اسی قدر مال کے دینے کا ذکر آتا سارے مال کے ذکر کی اور آنحضرتؐ کی نصیحت پر حصہ خیبر کے حصہ کے رہنے دینے کی کیا ضرورت تھی صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ کی حدیث[3] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص گناہ کر کے فوراً توبہ استغفار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جبکہ میرے بندے کے دل میں اس قدر یقین ہے کہ گناہوں پر گرفت کرنے والا اور گناہوں کو معاف کرنے والا سوا اللہ کے اور کوئی نہیں ہے تو میں نے بھی اپنے بندے کی توبہ قبول کی اور اس کے گناہوں کو معاف کر دیا۔ آیت کے ٹکڑے الم یعلموا ان اللہ ھو یقبل التوبۃ عن عبادہ کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے آیت ومن الاعراب من یومن باللہ کی تفسیر میں صدقہ خیرات کے سبب سے قربت الٰہی حاصل ہونے کی ابوہریرہؓ کی حدیث صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے اوپر گذر چکی ہے وہ حدیث ویاخذ الصدقات کی گویا تفسیر ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے ایک اور حدیث ابوہریرہؓ کی اس تفسیر میں ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو گناہوں کے معاف کرنے کی صفت اس قدر پیاری ہے کہ دنیا کے موجودہ لوگ اگر گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ اور گنہ گار مخلوقات کو زمین پر پیدا کرتا اور توبہ و استغفار کرنے سے ان کے گناہ معاف کر دیتا یہ حدیث وان اللہ ھو التواب الرحیم کی گویا تفسیر ہے۔

۱۰۵۔ جہاد میں جن لوگوں سے سستی ہوئی تھی اور وہ اپنے عیش و آرام میں پڑے رہے انہوں نے اپنے قصور کا اقرار کیا تھا ان کی نسبت یہ حکم ہوا کہ اے رسول اللہ کے تم ان سے کہدو کہ عمل کئے جاؤ ابھی تو بہتیرے جہاد ہوں گے اس وقت خدا اور خدا کا رسول اور مومنین سب تمہارے کام اور مستعدی دیکھ لیں گے۔ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس آیت میں برے کاموں سے خوف اور اچھے عمل کا شوق دلایا گیا ہے کیونکہ جس کو یہ معلوم ہوگا کہ میرے عمل اللہ سے پوشیدہ نہیں ہیں تو گناہوں سے بچے گا اور نیکی کی کوشش کرے گا۔ جب حضرت صلے اللہ علیہ وسلم موجود تھے تو آنکھوں سے لوگوں کے عمل دیکھتے اور کانوں سے سنتے تھے اب آپ کی

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۴ باب حدیث کعب بن مالکؓ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۱۱۷ باب قول اللہ یریدون ان یبدلوا کلام اللہ الخ و الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۲۰ الترغیب فی التوبۃ المبادرۃ الخ [3] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۵۵ باب سقوط الذنوب بالاستغفار والتوبۃ

اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

گا اللہ کام تمہارے اور رسول اس کا اور مسلمان اور جلد پھیرے جاؤ گے اس چھپے اور کھلے

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۰۵

کے واقف کے پاس پھر وہ جتادے گا تم کو جو کچھ تم کر رہے تھے

امت کے عمل آپ کے اور مومنوں کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں چنانچہ معتبر سند سے ابن ماجہ میں ابو درداؓ کی روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو جمعہ کے دن درود زیادہ پڑھا کرو کہ تمہارے درود میرے روبرو پیش ہوتے ہیں[1] اسی طرح ابو داؤد طیالسی میں جابرؓ بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ زندوں کے عمل ان کے کنبے اور رشتہ دار مردوں کے سامنے پیش ہوتے ہیں اگر اچھے عمل ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں اگر برے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں یا اللہ ان کے دل میں یہ بات ڈال دے کہ یہ تیری اطاعت کو سمجھیں[2] مسند امام احمد میں اس مضمون کی ایک روایت انس بن مالکؓ کی بھی ہے[3] لیکن اس کی سند میں ایک راوی کا نام مبہم طور پر ہے اور ابو طیالسی کی سند میں ایک راوی صلت بن دینار متروک ہے اس سبب سے یہ روایتیں ضعف سے خالی نہیں ہیں اس لئے رشتہ دار وفات یافتہ کے سامنے زندہ رشتہ داروں کے عملوں کے پیش ہونے کا مسئلہ تردد طلب ہے لیکن اس باب میں کچھ آثار صحابہ کے ہیں۔ صحیح مسلم کی ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث اس تفسیر میں ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شخص کے دن کے عمل رات سے پہلے اور رات کے عمل دن سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ملاحظہ میں ملائکہ بھیج دیتے ہیں[4] یہ حدیث فسیری اللہ عملکم کی گویا تفسیر ہے بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب تم کسی کو اچھے عمل کرتے دیکھو تو کہو اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسولہ والمومنون[5]۔ عالم الغیب والشہادۃ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب دان ہے نہ اس کو یادداشت کے لئے فرشتوں سے لوگوں کے اعمال نامے لکھوانے کی ضرورت ہے نہ صبح شام ان اعمال ناموں کے ملاحظہ فرمانے اور ملاحظہ کے بعد ان کو حفاظت سے سربمہر رکھوانے کی ضرورت ہے بات فقط اتنی ہی ہے کہ بنظر انصاف اللہ تعالیٰ نے سزا وجزا کا مدار اپنے علم غیب پر نہیں رکھا ہے بلکہ سزا وجزا کا دارومدار ظاہری حالت پر رکھا ہے اس واسطے یہ سب انتظام ظہور میں آیا ہے فینبئکم بما کنتم تعملون اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے سزا وجزا کا مدار اپنے علم غیب پر نہیں رکھا تو ظاہری حالت کے موافق قیامت کے دن یہی انتظام ہوگا کہ ہر شخص کا نامہ اعمال اس کو دیا جا کر عمر بھر جو کچھ دنیا میں اس نے کیا ہے وہ سب اس کو جتا دیا جاوے گا اس جتلانے کے وقت بعضے لوگ ایسے ہوں گے کہ اعمال نامہ میں اپنے گناہوں کو پڑھ کر ان گناہوں کا اقرار کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے سچ بولنے پر ان سے خوش ہو کر ان کے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ صحیح بخاری ومسلم کی عبد اللہ بن عمرؓ کی حدیث[6] ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں اس معافی کا ذکر ہے بعضے لوگ ایسے ہوں گے جو اعمال نامہ میں کھلے ہوئے گناہوں کا انکار کریں گے ان کا انجام یہ ہوگا کہ ان کے منہ پر سکوت کی مہر لگائی جا کر ان کے ہاتھ پیروں کو گناہوں کی گواہی دینے کا حکم ہوگا وہ سب گناہوں کی گواہی دیویں گے اور اس گواہی پر ان لوگوں کے مخالف آخری فیصلہ ہو جاوے گا۔ سورت یٰسین میں اس کا ذکر تفصیل سے آوے گا اور اس باب میں صحیح مسلم کے حوالہ سے انس بن مالکؓ کی حدیث[7] بھی ایک جگہ گذر چکی ہے۔

---

[1] ابن ماجہ ص ۱۱۹ باب ذکر وفاتہ ودفنہ صلے اللہ علیہ وسلم [2] و [3] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۸۷ [4] صحیح مسلم ج ۱ ص ۹۹ باب معنی قول اللہ عزوجل ولقد رآہ نزلۃ اخریٰ الخ [5] مشکوٰۃ ص ۴۸۵ باب الحساب الخ فصل اول [6] [7] صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۰۹ کتاب الزہد۔

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

اور بعضے لوگ ہیں کہ ان کا کام ڈھیل میں ہے حکم پر اللہ کے یا ان کو عذاب کرے یا ان کو معاف کرے اور اللہ سب

حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًۢا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

جانتا ہے حکمت والا اور جنہوں نے بنائی ایک مسجد ضد پر اور کفر پر اور پھوٹ ڈالنے کو مسلمانوں میں

وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ

اور تھانگ اس شخص کی جو لڑ رہا ہے اللہ سے اور اس کے رسول سے آگے کا اور قسمیں کھاویں گے کہ ہم نے تو بھلائی

۱۰۶- اوپر بیان ہو چکا ہے کہ منافق اپنے نفاق پر اڑے رہے جہاد میں نہیں شامل ہوئے ان پر دنیا میں بھی عذاب نازل ہوا اور آخرت میں بھی ہوگا ایک وہ لوگ بھی تھے جو آرام کے واسطے لڑائی سے پیچھے رہ گئے تھے انہوں نے اپنے قصور کا اقرار کیا اور حضرت سے عذر چاہا آپ نے قبول فرمایا اللہ نے معاف کر دیا اس آیت میں جس کا ذکر ہے یہ وہ لوگ ہیں جو جہاد میں نہیں شامل ہوئے تھے ان کو کوئی عذر نہ سوجھا جو حیلہ کرتے اس لئے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان کے بارے میں چپ ہو رہے اللہ تعالے نے یہ آیت اتاری کہ انکا کام ڈھیل میں ہے پچاس روز کے بعد اللہ تعالیٰ کے علم اور حکمت کے موافق جو کچھ ٹھہرا ہے وہ ظہور میں آجاویگا اس عرصہ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سارے مسلمانوں نے ان سے بولنا چھوڑ دیا ان کی عورتیں بھی ان سے علیحدہ ہو گئیں بہت ہی پریشان اور حیران ہوئے پھر معافی کی آیت اتری لقد تاب اللہ علی النبی جو آگے آئے گی حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں یہ تین شخص ہیں جنہوں نے معافی چاہنے اور توبہ کرنے میں دیر لگائی تھی مرارہ بن ربیع کعب بن مالک، ہلال بن امیہ۔ تبوک کی لڑائی میں جو لوگ نہیں گئے تھے وہ سب منافق نہیں تھے بلکہ بعضوں کی سستی تھی یا آرام کا خیال تھا جو رہ گئے تھے ان میں سے بعضوں نے جلدی توبہ کی اور اپنے آپ کو مسجد کے ستون سے باندھا اس لئے ان کی توبہ جلدی قبول ہوئی اور ان تین شخصوں نے توبہ کرنے میں دیر لگائی اور اپنے کو ستون سے نہیں باندھا اس لئے انکی توبہ قبول ہونے میں دیر ہوئی۔ صحیح بخاری ومسلم میں کعب بن مالکؓ کی حدیث[1] ہے اس میں یہ قصہ تفصیل سے ہے اس حدیث میں ان تینوں شخصوں کا نام بھی ہے۔

۱۰۷-۱۱۰ معتبر سند سے تفسیر ابن جریر ابن ابی حاتم ابن مردویہ میں امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق جو شان نزول ان آیتوں کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ قبیلہ خزرج میں ایک شخص ابوعامر تھا جو زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گیا تھا اور تورات اور انجیل اس نے خوب پڑھی تھی اور قبیلہ کے لوگ اس کی عزت کرتے تھے جب آنحضرت مدینہ میں تشریف لائے اور قبیلہ خزرج کے لوگ بہت سے مسلمان ہوئے تو یہ ابوعامر اسلام نہ لایا اور آنحضرت سے ایک طرح کی عداوت رکھنے لگا اور مکہ کو چلا گیا احد کی لڑائی کے زمانہ میں اہل مکہ کو بہکا کر مسلمانوں پر چڑھا کر لایا اور چند گڑھے اس نے لڑائی کی صفوں کے بیچ میں کھود دیئے تھے جن میں سے ایک گڑھے میں گر کر آنحضرت کے چوٹ لگ گئی تھی ہرقل بادشاہ روم کے پاس اس ابوعامر نے جا کر مدد کی خواہش کی اور اس بادشاہ نے مدد کا وعدہ بھی کیا تھا اسی وعدہ کے بھروسہ پر اس نے اپنے قبیلہ کے چند منافقوں کو خط لکھا تھا کہ تم اپنی جگہ ہتھیار اور سامان سے تیار رہو میں چند روز میں روم سے فوج لے کر آتا ہوں اور میرے لئے کوئی ٹھکانا ایسا بنا رکھو جہاں میں آن کر اتر سکوں اسی ارادہ سے چند منافقوں نے مسجد نبوی اور مسجد قبا کے توڑ پر یہ مسجد بنائی اور جب آنحضرت تبوک کی لڑائی کو تشریف لے جا رہے تھے اس وقت ان منافقوں نے آنحضرت سے ایک دفعہ اس نئی مسجد میں چلنے اور نماز پڑھنے کی خواہش کی

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۴ باب حدیث کعب بن مالکؓ۔

إِلَّا الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١٠٧﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ أَبَدًا ۭ لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ

ہی چاہی تھی اور اللہ گواہ ہے کہ وہ جھوٹے ہیں تو نہ کھڑا ہو اس میں کبھی جس مسجد کی بنیاد

عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۭ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ

دھری پرہیزگاری پر پہلے دن سے وہ لائق ہے کہ تو کھڑا ہو اس میں اس میں وہ مرد ہیں جن کو خوشی

أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿١٠٨﴾ أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى

ہے پاک رہنے کی اور اللہ چاہتا ہے ستھرائی والوں کو بھلا جس نے بنیاد دھری اپنی عمارت کی

تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَمْ مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ

پرہیزگاری پر اللہ سے اور رضامندی پر وہ بہتر یا جس نے نیو رکھی اپنی عمارت کے کنارے پر ایک کھائی کے جو ڈھیتا

آپ نے فرمایا اب تو سفر درپیش ہے انشاء اللہ سفر سے واپس آنے کے بعد میں اس مسجد میں آؤنگا واپسی کے وقت راستہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور اس مسجد کا فریب ظاہر فرما دیا اس پر آپ نے وہ مسجد ڈھوائی اب وہاں کوڑا پڑتا ہے اکثر سلف نے لکھا ہے کہ اس مسجد کو ڈھانے کے بعد اس کے بنیاد کے گڑھوں میں پہلے دھواں نکلتا تھا اس مسجد کی مذمت کے ساتھ جس مسجد کی اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی ہے وہ مسجد قبا ہے اور مسجد نبوی بدرجہ اولیٰ اس تعریف میں شامل ہے کیونکہ یہ دونوں مسجدیں آنحضرت نے بنوائی ہیں اور نیک نیتی سے بنائی گئی ہیں اور قیامت تک جو مسجدیں نیک نیتی اور جماعت کے قائم کرنے کی غرض سے بنائی جاویں وہ اس تعریف کے حکم میں داخل ہیں اس طرح جماعت میں پھوٹ ڈالنے اور کسی فساد کی نیت سے جو مسجدیں بنائی جاویں وہ مذمت کے حکم میں داخل ہیں اس مسجد ضرار میں کئی باتیں خرابی کی تھیں مثلاً سب سے بڑی خرابی تو یہ تھی کہ دین الٰہی کے دشمن ابو عامر کا ٹھکانا جمانے کیلئے منافقوں نے یہ مسجد بنائی تھی جس کے تیار ہو جانے کے بعد ان منافقوں کو ابو عامر کے آنیکا اور اس مسجد میں جم جانیکا انتظار تھا اس مطلب کو اللہ تعالیٰ نے ان لفظوں میں ادا فرمایا ہے وارصاداً لمن حارب اللہ ورسولہ من قبل اسی سبب سے اس مسجد کا نام مسجد ضرار فرمایا جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ ان منافقوں نے ابو عامر کو بلا کر اس مسجد میں جمانے اور مسلمانوں کو طرح طرح کا ضرر پہنچانے اور کفر و نفاق کو طرح طرح کی تقویت دینے کی نیت سے یہ مسجد بنائی تھی اس مسجد کے بننے سے پہلے قبیلہ خزرج کے اکثر مسلمان مسجد قبا میں نماز پڑھتے تھے اس مسجد ضرار کے بنانے سے منافقوں کا یہ مقصد بھی ضد کے طور پر تھا کہ مسجد قبا کی جماعت میں پھوٹ پڑ جاوے اس مطلب کو اللہ تعالیٰ نے ان لفظوں میں فرمایا ہے وتفریقاً بین المؤمنین۔ باوجود ان خرابیوں کے دل میں رکھنے کے ان منافقوں نے قسمیں کھا کر اللہ کے رسول کو یہ دھوکا دیا تھا کہ بیماروں اور اندھیری رات میں نماز پڑھ لینے کی آسائش کے لئے یہ مسجد بنائی گئی ہے اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو جھٹلایا اور ان کی نیت میں جتنی خرابیاں تھیں وہ سب ان آیتوں میں اپنے رسول کو جتلا کر اس مسجد میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا اور مسجد قبا میں نماز پڑھنے کی رغبت دلائی حاصل یہ ہے کہ اس مسجد میں بہت سی خرابیاں تھیں اس لئے یہ مسجد جلا کر ڈھا دی گئی اب بھی اگر کوئی نئی مسجد نام نمود کے لئے ایسی بنائی جاوے جس سے پہلے کی مسجد کی جماعت میں کمی اور پھوٹ پڑ جاوے تو اس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قرب قیامت کے ضعف اسلام کی نشانیوں میں شمار فرما کر اس طرح کی مسجد کی مذمت فرمائی ہے چنانچہ مسند امام احمد ابوداؤد و نسائی صحیح ابن خزیمہ وغیرہ میں انس بن مالکؓ کی روایت[2] سے اس میں اس کا ذکر صراحت سے ہے حافظ

[1] تفسیر ابن جریر ج ۱۱ ص ۲۴ و تفسیر الدر المنثور ج ۳ ص ۲۷۶ [2] ابوداؤد ج ۱ ص ۶۵ باب فی بناء المساجد و سنن نسائی ج ۱ ص ۷۹ المباہاۃ فی المساجد۔

هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾

ہے پھر اس کو لے کر ڈھے پڑا دوزخ کی آگ میں اور اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو

لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ۗ

ہمیشہ رہے گا اس عمارت سے جو بنائی تھی شبہ ان کے دل میں مگر جب ٹکڑے ہو جاویں ان کے دل

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١١٠﴾ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ

اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے ان کی جان اور مال

ع ١١ ۔ ١٣ ۔ ٢

ابن خزیمہ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے[1] اور بغیر سند کے اس روایت کو امام بخاری نے بھی نقل کیا ہے[2] مسند امام احمد ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ابو موسیٰ اشعری کی روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جتنی دور کی مسافت طے کر کے دور کی مسجد میں نمازی شخص نماز پڑھیگا اسی قدر اس کو ثواب زیادہ ہوگا[3] اس حدیث کی سند میں ایک راوی عبدالرحمن بن مہران کو اگرچہ بعضے علماء نے نامعلوم الحال بتلایا ہے لیکن ابن حبان نے اس عبدالرحمن کو ثقہ لوگوں میں شمار کیا ہے[4] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس آخری زمانہ میں پاس پاس مسجدیں جو بن گئی ہیں اُن کے بنانے میں نام نمود کا خیال نہ بھی ہو تو ان مسجدوں میں اتنی خرابی ضرور ہے کہ لوگ دور کی مسجدوں میں نماز کو نہیں جاتے اور اس حدیث میں جس ثواب کا ذکر ہے ان پاس کی مسجدوں کی بدولت اس ثواب سے محروم رہتے ہیں مسجد قبا کے ذکر میں اہل قبا کی ستھرائی کی تعریف جو ان آیتوں میں ہے امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی مسند بزار کی روایت[5] کے موافق اس کی تفسیر یہ ہے کہ یہ لوگ جب جائے ضرور کو جاتے تھے تو ڈھیلوں سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے بھی استنجا کرتے تھے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اس حدیث کی سند میں ایک راوی محمد بن عبدالعزیز کو بعضے علماء نے ضعیف کہا ہے اس لئے اکثر علمائے سلف کا اس پر تو اتفاق ہے کہ ڈھیلوں سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے استنجا کرنا افضل اور اولیٰ ہے ہاں اس کے ضروری ہونے میں سلف کا اختلاف ہے جس کی تفصیل بڑی کتابوں میں ہے[6] شفا کے معنے کنارہ کے ہیں جرف وہ جگہ ہے جس کی جڑ پانی سے کٹ کر کمزور ہو جاتی ہے ھار وہ عمارت جو گرنے کے قریب ہو حاصل یہ ہے کہ مسجد ضرار آباد رہنے والی نہیں ایک دن گرے گی اور اپنی بدنیت بنانے والوں کو جہنم میں گرا دے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے ظالم منافقوں کو مجبور کر کے راہ راست پر لانا نہیں چاہتا اس لئے جیتے جی یہ لوگ شک و نفاق کی حالت میں رہیں گے مگر مرنے کے بعد ان پر وہ آفت آنے والی ہے جس سے ان کے دل پھٹ کر ٹکڑے اڑ جاویں گے آخر کو فرمایا اللہ کو ان کے سب کام معلوم ہیں اور اس نے بڑی حکمت اور انصاف سے قیامت کے دن ہر ایک کام کی سزا جزا ٹھہرائی ہے۔

١١١۔ منیٰ کی گھاٹی کی بیعت کے وقت جب حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے لوگ بیعت کر رہے تھے تو عبداللہ بن رواحہؓ نے کہا کہ آپ اپنے اور خدا کی طرف سے کچھ شرط مقرر کر لیں آپ نے فرمایا خدا کی طرف سے شرط یہ ہے کہ اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ

[1] تنقیح الرواۃ ج ۱ ص ۱۳۸ [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۶۲ باب بنیان المسجد الخ [3] ابوداؤد ج ۱ ص ۸۲ باب ماجاء فی فضل المشی الخ و ابن ماجہ ص ۵۷ باب الابعد فالابعد من المسجد اعظم اجرا لیکن یہ روایتیں ابوہریرہؓ سے ہیں۔ ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت صحیح بخاری ج ۱ ص ۹۰ باب فضل صلوۃ الفجر فی جماعۃ میں ہے (ع۔ ح۔ ر) [4] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۸۲ [5] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۹۰ و نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۲۳ باب الاستنجاء بالماء [6] نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۲۲ باب الاستنجاء بالماء و فتح الباری ج ۱ ص ۱۲۶ باب الاستنجاء بالماء

بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ
اس قیمت پر کہ ان کے لئے بہشت ہے لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پھر مارتے ہیں اور مرتے ہیں وعدہ ہو چکا

حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ
اس کے ذمہ پر سچا توریت اور انجیل اور قرآن میں اور کون ہے قول کا پورا اللہ سے

فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (١١١)
زیادہ سو خوشیاں کرو اس معاملت پر جو تم نے کی ہے اس سے اور یہی ہے بڑی مراد ملنی

التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ
توبہ کرنے والے بندگی کرنے والے شکر کرنے والے بے تعلق رہنے والے رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے

اور میرے لئے یہ شرط ہے کہ جن چیزوں سے تم اپنی جان اور مال کو بچاتے ہو اس سے مجھے بھی بچاؤ عبداللہ بن رواحہ نے کہا پھر کیا ملیگا آپ نے فرمایا کہ جنت۔ اسی وقت یہ آیت اتری اور یہ ارشاد ہوا کہ خدا کی راہ میں جہاد کر نیوالے خواہ قتل ہو جائیں یا کافروں کو قتل کریں ہر حالت میں ان کیلئے جنت ہے بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جو شخص فقط جہاد کی خاطر اپنے گھر سے نکلا تو خدا اسکا کفیل ہو گیا اگر اس نے وفات پائی تو جنت میں داخل ہو گا اگر صحیح سلامت رہا تو مال غنیمت لے کر گھر آئیگا تورات، انجیل، قرآن مجید ان سب کتابوں میں یہی حکم ہے جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت مسجد میں تھے جب یہ آیت اتری ہے لوگ اللہ اکبر کہنے لگے ایک شخص انصار میں سے چادر اوڑھے ہوئے کھڑا کہنے لگا یا حضرت کیا یہ آیت نازل ہوئی ہے آپ نے فرمایا ہاں اس مرد نے کہا یہ سودا تو نفع کا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن رواحہؓ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کی وہ بیعت عقبہ کے وقت تھی اور آیت ہجرت کے بعد مدینہ میں نازل ہوئی یہی قول صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ بیعت عقبہ کی صحیح روایتوں میں آیت کے نازل ہونے کا ذکر نہیں ہے یہ بیعت عقبہ ہجرت سے پہلے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے منی کی گھاٹی میں موسم حج کیوقت انصار سے کی تھی عقبہ گھاٹی کو کہتے ہیں منی کے پہاڑ کی گھاٹی میں چونکہ یہ بیعت ہوئی تھی اس لئے اس بیعت کا نام بیعت عقبہ مشہور ہو گیا سورت حشر میں اس بیعت کا قصہ تفصیل سے آویگا۔ تبوک کی لڑائی میں جو لوگ سستی سے پیچھے رہ گئے تھے ان کو اولاہنا دینے کے لئے اس آیت ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو دین کی لڑائی میں چست اور جان و مال سے حاضر تھے تورات میں جو جہاد کا جو حکم ہے وہی شریعت عیسوی میں قائم ہے اس لئے جہاد کے مسئلہ میں تورات، انجیل، قرآن تینوں کا نام فرمایا پھر اللہ تعالے نے فرمایا کہ خدا کی راہ میں دشمنوں کو یہ قتل کرتے ہیں آپ بھی قتل ہوتے ہیں اس لئے یہ جنت کے حق دار ہو گئے۔

۱۱۲۔ یہ نو صفتیں بیان کی گئی ہیں جس میں یہ صفتیں ہوں گی اس کے واسطے خدا جنت مقرر کر چکا اور فرمایا کہ مومنوں کو اس کی خوشی سنا دو کیونکہ مومن وہی ہے جس میں یہ سب خوبیاں ہوں سائحون اصل میں تو اس شخص کو کہتے ہیں جو دنیا سے بے تعلق ہو کر پہاڑوں اور جنگلوں میں خدا کی عبادت کرتا ہو مگر یہاں روزے دار مراد ہیں کیونکہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں سیاحت کا

ل تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۹۱ ۔ ۲ صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۹۱ باب افضل الناس مومن مجاہد الخ و تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۹۱۔

۳ تفسیر الدر المنثور ج ۳ ص ۲۸۰ و تفسیر فتح البیان ج ۴ ص ۳۰۸۔

الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ
حکم کرنے والے نیک بات کو اور منع کرنے والے بری بات سے اور تھامنے والے حدیں باندھی ہوئی اللہ کی

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا
اور خوشخبری سنا ایمان والوں کو نہیں پہنچتا نبی کو اور مسلمانوں کو کہ بخشش مانگیں

لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ
مشرکوں کی اور اگرچہ ہوں ناتے والے جب کھل چکا ان پر کہ وہ ہیں دوزخ

لفظ آیا ہے اس سے روزہ رکھنا مراد ہے حضرت عائشہؓ حضرت ابوہریرہؓ اور اکثر صحابہ بھی یہی بیان کرتے ہیں[۱] مگر بعضوں نے جہاد کے معنے بھی بیان کئے ہیں چنانچہ ابوداؤد میں ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے سیاحت کی اجازت چاہی آپ نے فرمایا کہ میری امت کی سیاحت خدا کی راہ میں جہاد کرنا ہے[۲] اور بعضے سائحون ان کو بھی کہتے ہیں جو علم دین سیکھنے کو گھر سے نکلے ہوں اور ابن زید نے ہجرت کرنے والوں کو بھی کہا ہے[۳] لیکن طبرانی میں عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں سائحون کے معنے روزہ داروں کے ہیں وہ روایت صحیح ہے[۴]۔

۱۱۳-۱۱۴۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں یہ فیصلہ سورہ قصص کی تفسیر میں کر دیا ہے کہ چند سببوں کا مجموعہ مرکب مل کر اس آیت کی شان نزول صحیح ہے[۵]۔ اول سبب ابوطالب کی وفات ہے جس کی روایت صحیحین میں ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ابوطالب کی وفات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کے پاس گئے اور ابوطالب سے کہا کہ اے چچا اس وقت بھی تم کلمہ منہ سے کہہ لوگے تو مجھ کو اللہ کی بارگاہ میں تمہاری شفاعت کا موقع ملے گا لیکن اس وقت ابوجہل ابن امیہ بھی وہاں موجود تھے انہوں نے ابوطالب کو بہکایا اور کہا گیا آخری وقت اے ابوطالب تم عبدالمطلب کے طریقہ سے پھرتے ہو اس لئے آخر وقت پر ابوطالب نے یہی کہا کہ میں عبدالمطلب کے طریقہ پر دنیا کو چھوڑتا ہوں اس پر آنحضرت نے فرمایا خیر جب تک اللہ تعالےٰ مجھ کو منع نہ فرمائیگا میں اپنے چچا ابوطالب کے لئے مغفرت کی دعا کرتا رہونگا[۶] دوسرا سبب وہ ہے جس کی روایت معتبر سند سے مستدرک حاکم دلائل النبوۃ بیہقی مسند امام احمد بن حنبل تفسیر ابن ابی حاتم ابن مردویہ اور طبرانی میں چند صحابہ سے روایتیں ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ جنگ تبوک کے بعد قبرستان مکہ میں عمرہ کے وقت آنحضرت ایک قبر پر بہت دیر تک دعا کرتے رہے آپ کو روتا ہوا دیکھ کر آپ کے ساتھ جو اس وقت قریب ہزار صحابہ کے تھے وہ بھی سب روئے پھر آپ نے فرمایا یہ قبر آمنہ میری ماں کی ہے میں نے اللہ سے اپنی ماں کی مغفرت کی دعا کا اذن چاہا تھا مگر اس آیت سے اس کی ممانعت ہوگئی[۷] تیسرا سبب وہ ہے جس کی روایت معتبر سند سے نسائی مستدرک حاکم ترمذی اور مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت علیؓ سے ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص صحابی اپنی مشرک ماں باپ کے لئے مغفرت کی دعا کیا کرتا تھا حضرت علیؓ نے اس کا ذکر آنحضرت سے کیا اس پر یہ ممانعت کا حکم اترا[۸] غرض حافظ ابن حجرؒ کے فیصلہ سے

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۹۲ [۲] ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳۶ باب النہی عن السیاحۃ وتفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۹۲ [۳] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۹۲ وتفسیر الدر المنثور ج ۳ ص ۲۸۲ [۴] مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۴ تفسیر سورہ براءۃ وتفسیر الدر المنثور ج ۳ ص ۲۸۱ [۵] فتح الباری ج ۴ ص ۲۹۲ [۶] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۸۵ باب قولہ ماکان للنبی الخ وج ۲ ص ۷۰۳ باب قولہ انک لا تہدی الخ [۷] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۹۲ [۸] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۳۶ کتاب التفسیر وتفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۹۳ وتفسیر الدر المنثور ج ۳ ص ۲۸۲۔

الْجَحِیْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ

والے بخشش مانگنا ابراہیم کا اپنے باپ کے واسطے سو نہ تھا مگر وعدہ کے سبب

اِیَّاهُۚ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُؕ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ ﴿۱۱۴﴾

کہ وعدہ کر چکا تھا اس سے پھر جب اس پر کھلا کہ وہ دشمن ہے اللہ کا اس سے بیزار ہوا ابراہیم بڑا نرم دل ہے تحمل والا

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى یُبَیِّنَ لَهُمْ مَّا یَتَّقُوْنَؕ

اور اللہ ایسا نہیں کہ گمراہ کرے کسی قوم کو جب ان کو راہ پر لا چکا جب تک کھول نہ دے ان پر جس سے ان کو بچنا

اب ان میں سے کوئی اعتراض باقی نہیں رہا جو بعضے مفسروں نے ایک سبب کو شان نزول ٹھہرا کر طرح طرح کے اعتراض کئے ہیں بعضے مفسروں نے حضرت کے والدین اور ابوطالب کے اسلام کی روایتیں جو بیان کی ہیں وہ سب روایتیں ضعیف ہیں کوئی روایت ان میں بھروسہ کے قابل نہیں ہے۔ حضرت علیؓ کی روایت جو اوپر گذری اس میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت علیؓ نے اس شخص کو منع کیا جو اپنے مشرک ماں باپ کے حق میں مغفرت کی دعا کیا کرتا تھا تو اس شخص نے حضرت علیؓ کو جواب دیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے مشرک باپ کے حق میں مغفرت کی دعا کیا کرتے تھے اس لئے میں بھی اپنے مشرک ماں باپ کے حق میں مغفرت کی دعا کیا کرتا ہوں اس بات کا جواب اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں یہ دیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے مغفرت کی دعا کرنے کا وعدہ کیا تھا اس وعدہ کو ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت تک پورا کیا جب تک ان کو آزر کا حالت شرک پر مرنا معلوم نہیں ہوا تھا پھر جب ابراہیم علیہ السلام کو آزر کا حالت شرک پر مر جانا معلوم ہو گیا تو انہوں نے وہ دعا چھوڑ دی۔ سورہ مریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس وعدہ کا ذکر تفصیل سے آویگا اور یہ بھی ذکر آویگا کہ آزر نے تو ابراہیم علیہ السلام کو پتھروں سے کچل کر مار ڈالنے کی دھمکی دی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے جواب میں اپنے باپ آزر سے مغفرت کی دعا کا وعدہ فرمایا غرض اس اصل قصہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سختی کے برتاؤ پر بھی اپنے باپ آزر کو نرمی کا جواب دیا اسی واسطے ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نرم دل اور تحمل والا فرمایا۔

۱۱۵-۱۱۶ جب اس سے پہلے کی آیت اتری اور لوگوں کو منع کیا گیا کہ مشرکوں کیلئے مغفرت نہ چاہو خواہ وہ تمہارے رشتہ کنبہ والے ہی کیوں نہ ہوں تو جو لوگ مغفرت چاہتے تھے ان کے دل میں خوف ہوا کہ کبھی ہم پر عذاب نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور فرمایا کہ اللہ بے انصاف نہیں ہے جب کسی قوم کو ہدایت کر چکا تو اب گمراہ نہیں کریگا جب تک انہیں یہ نہ بتلادے کہ کن کن باتوں سے بچنا چاہئے مجاہد کے قول کے موافق آیتوں کی تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ جن لوگوں نے ممانعت کے حکم کے نازل ہونے سے پہلے اپنے مشرک ماں باپ یا اور مشرک رشتہ داروں کے حق میں مغفرت کی دعا کی تھی ان کے انجان ہونے کے عذر کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں قبول فرمایا۔ اور یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جب ایک امر کی ممانعت شرعی تم کو معلوم نہیں تھی اور اس لاعلمی کی حالت میں تم اس کو کر بیٹھے اور اب تمہارے دل میں اس کا پچھتاوا ہے کہ ایسا کام ہم نے کیوں کیا تو اس تمہارے دلی پچھتاوے کا حال اللہ کو خوب معلوم ہے کیونکہ کوئی ظاہری باطنی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے اس لئے تم کو تسلی دی جاتی ہے کہ انجان آدمی اللہ تعالیٰ کے نزدیک گنہگار نہیں قرار پاتا بلکہ

۱؎ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۹۵ و تفسیر الدر المنثور ج ۳ ص ۲۸۶۔

إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۱۵﴾ إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

اللہ سب چیز سے واقف ہے — اللہ جو ہے اسی کی سلطنت ہے آسمان اور زمین میں

يُحْيِي وَيُمِيتُ ۚ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۱۱۶﴾ لَّقَد تَّابَ

جلاتا ہے اور مارتا ہے — اور تم کو کوئی نہیں اللہ کے سوا حمایتی — نہ مددگار — اللہ مہربان

اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ

ہوا نبی پر — اور مہاجرین — اور انصار پر جو ساتھ رہے نبی کے — مشکل کی گھڑی

بے راہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے کہ مناہی کے بعد اس کام کو کرے جس سے اس کو منع کیا گیا ہے جو لوگ اپنے مشرک ماں باپ یا مشرک رشتہ داروں کے حق میں مغفرت کی دعا کرتے تھے اگرچہ بعضے سلف کے قول کے موافق آیت کے باقی ٹکڑے کی تفسیر یہ ہے کہ اس ممانعت کے حکم سے پہلے ان میں سے بعضے لوگ جو فوت ہو گئے تھے اور ان کے زندہ رشتہ داروں کو اپنے ان مرے ہوئے رشتہ داروں کے عذاب میں گرفتار ہو جانے کا اندیشہ تھا ان کے حق میں یہ فرمایا ہے کہ آسمان و زمین کی بادشاہت اور ہر ایک کی زیست کے زمانہ کا اور مرنے کے بعد کا سب انتظام اللہ کے ہاتھ ہے انجانی سے جو کوئی کچھ کرے اس کا اور شرع الٰہی کی مناہی کو ٹال کر جو کوئی کچھ کرے اس کا ان سب کا اللہ تعالیٰ خود انصاف سے فیصلہ کریگا اس میں اندیشہ کا کسی کو کچھ موقع نہیں لیکن قرآن شریف کے اوپر کے مضمون سے لگتی ہوئی تفسیر آیت کے اس ٹکڑے کی یہ ہے کہ آسمان و زمین کی بادشاہت اللہ کی ہے جس بادشاہت میں ہر ایک کا مارنا اور جلانا بھی داخل ہے اب اس نے اپنے علم ازلی کے موافق جن لوگوں کو شرک کی حالت میں دنیا سے اٹھا لیا ہے ان کے حق میں کسی کی دعائے مغفرت کچھ کارگر نہیں ہو سکتی کیونکہ اس نے اپنی بادشاہت میں یہ حکم دے رکھا ہے کہ کسی طرح مشرک کی مغفرت نہیں ہے آخر کو فرمایا کہ شرع الٰہی کے احکام کی پابندی ہر شخص کو ضرور ہے کیونکہ ان احکام کی نافرمانی کے وبال میں اگر اللہ تعالیٰ نے پکڑ لیا تو سوا اللہ کی ذات کے ایسا کوئی حامی مددگار نہیں ہے کہ بغیر مرضی الٰہی کے اس گرفت سے کسی کو چھڑا سکے صحیح بخاری وغیرہ میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کی عمر ساٹھ برس کو پہنچ جاوے وہ اللہ تعالیٰ کے روبرو شرع کی باتوں کی انجانی کا عذر نہیں پیش کر سکتا[1] اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں طرح طرح کے جدید احکام نازل ہوتے رہتے تھے اس لئے اس وقت انجانی کی صورت وہ تھی جو اس آیت میں ہے اب شریعت کے کامل ہو جانے کے بعد چھوٹی عمر میں کوئی شخص مر جاوے تو اس کو احکام شرع کی انجانی کے عذر کا موقع ملے تو ملے جس شخص کی عمر ساٹھ برس کو پہنچ گئی اور اس نے احکام شرع کے سیکھنے کا پورا موقعہ پا لیا اس واسطے اگر ایسا شخص احکام شرع سے انجان رہا تو یہ انجانی اس کی غفلت سے ہے اس کا انجانی کا عذر مقبول نہ ہوگا۔

۱۱۷۔ یہ آیت تبوک کی لڑائی میں اتری ہے قتادہ کا قول ہے کہ تبوک کی لڑائی میں جب ملک شام کی طرف لوگ چلے تو سخت گرمی پڑ رہی تھی لو کی وہ لپٹ آتی تھی کہ الامان۔ رسد کی کمی تھی پانی نہ ملتا تھا لوگوں کے حال تباہ ہو رہے تھے ایک کھجور دو آدمی کھا کھا گذر کرتے تھے لشکر والے باری باری سے ایک کھجور کو چوستے اور دو دو گھونٹ پانی پیتے اور پھر چوستے اور پھر پانی پیتے[2] حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں میں نے حضرت عمر بن خطابؓ سے غزوہ تبوک کی سختی کا حال دریافت کیا وہ کہنے لگے ہم رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۵۰ باب من بلغ ستین سنۃ الخ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۹۶ و تفسیر الدر المنثور ج ۳ ص ۲۸۶

الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ

میں بعد اس کے کہ قریب ہوئے کہ دل پھر جاویں بعض کے ان میں سے پھر مہربان ہوا ان پر

تبوک کی لڑائی کو چلے گرمی کا زمانہ تھا رستے میں پیاس لگی پانی کا کہیں کوسوں نشان نہ تھا لوگ اونٹوں کی مینگنیاں نچوڑ نچوڑ کر پانی نکالتے اور پیتے تھے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت سے کہا کہ آپ خدا سے دعا فرمائیں آپ کی دعا مقبول ہے آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا ہاتھ کا اٹھانا تھا کہ مینہ برسا اور خوب ہی برسا لوگوں نے اپنے اپنے برتن پانی سے بھرلئے بعد ایک لمحہ کے لئے مینہ تھم گیا لشکر کے باہر دیکھا گیا تو کہیں زمین تر نہ ملی اور نہ کوئی نشانی بارش کی معلوم ہوئی یہ آپ کا معجزہ تھا کہ مینہ فقط مسلمانوں ہی کے لشکر میں برسا[1]۔ اس لڑائی میں آپ کے ساتھ مہاجرین اور انصار سب ملا کر ستر ہزار آدمی تھے قریب تھا کہ اس سختی اور مشقت اور بھوک پیاس کے مارے ان لوگوں کے جی چھوٹنے لگیں اس عالم الغیب نے فوراً آیت بھیجی کسی سے کچھ قصور ہونے بھی نہیں پایا اور ان کی توبہ قبول فرمائی تاکہ ان کے جی خوش ہو جائیں۔ مدینہ منورہ اور دمشق کے مابین مدینہ سے چودہ منزل تبوک ایک جگہ ہے ناقابل اعتراض سند سے طبرانی میں عمران بن حصینؓ کی ایک حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عرب کے کچھ قبائل جو نصرانی ہو گئے تھے انہوں نے ملک شام سے ہرقل قیصر روم کو ایک خط اس مضمون کا لکھا کہ مدینہ میں جو شخص نبی آخر الزمان ہونے کا دعویٰ کرتے تھے قحط کے سبب سے آجکل ان کی اور ان کے ساتھیوں کی حالت بہت ابتر ہے اس لئے ایسے وقت میں ان لوگوں پر فوج کشی کا اچھا موقعہ ہے اس خط کو پڑھ کر ہرقل نے چالیس ہزار فوج ساتھ کر کے اپنے ایک امیر قباد کو ملک شام کی طرف روانہ کیا[2]۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ خبر سنی تو ۹ہجری میں ملک شام کے ارادہ سے یہ سفر کیا اور تبوک پہنچ کر دس روز کے قریب وہاں مقام کیا مگر وہاں کوئی مقابلہ میں نہ آیا بلکہ شام کے ملک کے رہنے والے بعضے نصاریٰ کے ایلچی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اسی مقام تبوک پر صلح ہو گئی اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک سے آگے کا قصد نہیں کیا اور مدینہ کو واپس چلے آئے اہل مغازی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس مقام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کے نام ایک خط بھی لکھا صحیح بخاری وغیرہ میں جو روایتیں ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تبوک کے سفر کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اپنا خلیفہ قرار دے کر مدینہ میں چھوڑا اور حضرت علیؓ نے اس پر جب یہ کہا کہ حضرت مجھ کو عورتوں بچوں میں آپ کیوں چھوڑتے ہیں تو آپ نے حضرت علیؓ کو یہ جواب دیا کہ علیؓ کیا تم کو یہ بات پسند نہیں کہ تم ہر حال میں میرے ایسے مددگار ہو جیسے ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے ہر حال میں مددگار رہتے تھے مگر اتنی بات ضرور ہے کہ ہارون علیہ السلام نبی تھے اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے[3] یہ اوپر گزر چکا ہے کہ اس سفر کی سختی کے سبب سے لوگ تنگ آ گئے تھے اس سختی کے وقت بعضے صحابہ کے دل میں یہ خیالات بھی گزرتے تھے کہ جس طرح کچھ اور لوگ اس سفر میں شریک نہیں ہوئے مدینہ میں رہ گئے اسی طرح ہم بھی مدینہ میں رہ جاتے تو اچھا تھا چنانچہ اس مطلب کو کاد یزیغ قلوب فریق منھم کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ نے ادا فرمایا ہے مگر پھر ان صحابہ نے اس سختی پر صبر کیا اور ان خیالات کو اپنے دل میں زیادہ جمنے نہیں دیا اور سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ چھوڑا اس واسطے تاکید کے طور پر دو دفعہ ان خیالات سے درگزر فرمانے کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا اور اس درگزر میں اپنے رسول کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تاکہ ان صحابہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ رسول کا ساتھ دینے کے سبب سے اس درگزر میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۹۶ [2] فتح الباری ج ۴ جز ۱۸ ص ۸۸ ۔ ۹۹ و مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۹۱ باب غزوۃ تبوک وقال وفیہ العباس بن الفضل وھو ضعیف [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۳ باب غزوۃ تبوک۔

إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتَّىٰ إِذَا

وہ ان پر مہربان ہے رحم کرنے والا ۔ اور ان تین شخص پر جن کو پیچھے رکھا تھا یہانتک کہ جب

ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ وَظَنُّوا

تنگ ہوئی ان پر زمین ساتھ اس کے کہ کشادہ ہے اور تنگ ہوئی ان پر اپنی جان اور اٹکلے

ایساہی مہربان ہے جو مہربانی اس کو اپنے رسول کیساتھ ہے حاصل مطلب یہ ہے کہ توبہ کے معنے شرع میں یہ ہیں کہ گناہوں کو شرعی ممانعت کے سبب سے برا جان کر آیندہ کیلئے اُن سے باز رہنا اور پچھلے گناہوں پر نادم ہونا اور توبہ کے قبول ہونے کے یہ معنے ہیں اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنیوالے شخص کو ان گناہوں کے عذاب سے بچا دیا اب اللہ کے رسول تو گناہوں سے معصوم ہیں لیکن باوجود اس کے عقبےٰ میں درجہ بڑھنے کے لئے ہر روز آپ ستر دفعہ سے زیادہ توبہ استغفار کیا کرتے تھے چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ کی صحیح حدیثوں[1] میں اس کا ذکر ہے اس لئے اللہ تعالےٰ نے توبہ کے قبول کرنے کے ذکر میں اپنے رسول کو اس بات کے سمجھانے کے لئے شریک کیا کہ جن صحابہ کی توبہ قبول ہونے کا یہ ذکر ہے اس توبہ کے قبول ہونے میں فقط اتنی بات نہیں ہے کہ ان کے دلی خیالات کے مؤاخذہ سے درگزر کی گئی بلکہ ایسے سختی کے وقت میں اللہ کے رسول کا ساتھ دینے کے سبب سے دلی خیالات کے ترک مؤاخذہ کے علاوہ ان لوگوں کا عقبےٰ کا اجر بھی بڑھایا گیا ہے تاکہ جو لوگ اللہ کے رسول کا ساتھ چھوڑ کر مدینہ میں رہ گئے تھے اور آخر کو ان کی توبہ بھی قبول ہوئی اس توبہ کی قبولیت اور اللہ کے رسول کا ساتھ دینے والوں کی توبہ کی قبولیت میں یہ فرق پیدا ہو جائے کہ وہ قبولیت فقط درگزر کی ہے اور یہ قبولیت درگزر کے علاوہ عقبےٰ کا درجہ بڑھانے کی بھی ہے اس توبہ کے ساتھ رؤف رحیم اور اس توبہ کے ساتھ التواب الرحیم کے الفاظ اس مطلب کے ادا کرنے کے لئے فرمائے ہیں۔

۱۱۸-۱۱۹- یہ وہی تین شخص ہیں مرارہ بن ربیع کعب بن مالک ہلال بن امیہ جن کی توبہ قبول کرنے میں پچاس روز کی مہلت دی گئی تھی جن کا بیان اوپر گذر چکا[2] ہے جب وہ مدت پوری ہو گئی اور ان کے دل بہت ہی پریشان ہوئے زندگی سے تنگ آ گئے دنیا ان کی آنکھوں میں اندھیر ہو گئی اور یہ بھی سمجھ لیا کہ پناہ بھی خدا ہی دے گا تو ان کے سچ بولنے پر خدا نے یہ آیت اتاری اور معاف فرمایا اس کا تفصیلی ذکر صحیح بخاری و مسلم میں خود کعب بن مالکؓ کی روایت سے ہے وہ کہتے ہیں کہ میں سوائے تبوک اور بدر کی لڑائی کے ہر ایک لڑائی میں شریک ہوا ہوں اور غزوہ تبوک میں میں نہیں شامل ہوا حالانکہ اس وقت میں بہت آسودہ حال تھا حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ جب کسی جنگ کا ارادہ کرتے تھے تو یک بیک نہیں کہہ دیتے تھے آپ نے ایک یہ بڑا سفر جنگلوں کے راستے سے اختیار کیا تھا اس لئے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا کہ میرا ارادہ تبوک کا ہے تم دشمنوں کے مقابلہ کو تیار ہو جاؤ سارا لشکر تیار ہو گیا میں بھی سامان کرنے کو تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم لشکر سمیت کوچ کر گئے میں نے سوچا کہ ان کو آگے چلنے دو دو ایک روز میں میں بھی جا ملوں گا غرضکہ میں تو آج کل کرتا رہا اور وہاں سارا لشکر منزل مقصود کو پہنچ گیا پھر بھی میرا ارادہ بار بار یہی ہوتا تھا کہ میں بھی چلا جاؤں مگر مقدر میں نہ تھا میں نہیں گیا۔ مجھے بڑا رنج ہوتا تھا جب میں مدینہ میں باہر نکلا کرتا تھا کیونکہ اس وقت سوائے ان شخصوں کے جو جہاد میں شریک ہونے سے عذر رکھتے تھے یا جو لوگ منافق تھے اور کسی کو میں مدینہ میں نہیں پاتا تھا۔

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳۳ باب استغفار النبی صلے اللہ علیہ وسلم فی الیوم واللیلۃ۔
[2] یعنی زیر آیت نمبر ۱۰۶۔

اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ

کہ کوئی پناہ نہیں اللہ سے مگر اسی کی طرف پھر مہربان ہوا ان پر کہ وہ پھر آویں اللہ ہی

التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

ہے مہربان رحم والا

حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تبوک پہنچ کر لوگوں سے پوچھا کہ کعب رضی اللہ عنہ کیوں نہیں آیا بنی سلمہ میں ایک شخص تھے انہوں نے کہا کہ وہ آجکل آجکل کا ارادہ کرتے کرتے رہ گئے جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم لڑائی سے فارغ ہو کر واپس آئے تو میں اپنے جی میں بیش بندی کے طور پر عذر و حیلے سوچنے لگا کہ کیا بہانہ کروں جس سے حضرت کی خفگی مجھ پر نہ ہو بلکہ اس معاملہ میں اپنے گھر کے اور لوگوں سے بھی مشورہ لیا مگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئی آخری منصوبہ دل میں ٹھان لیا کہ چاہے کچھ بھی ہو سچ سچ کہہ دونگا اگر نجات ہوگی تو اسی سے ہوگی۔ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب سفر سے واپس آتے تھے تو پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھ کر تھوڑی دیر وہاں بیٹھتے تھے اس مرتبہ بھی جب آپ مدینہ واپس آئے تو دستور کے موافق مسجد میں بیٹھے جو لوگ اس لڑائی میں نہیں شریک ہوئے تھے وہ قریب قریب اسّی آدمی کے تھے وہ لوگ آن کر عذر کرنے لگے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا اور ان کے واسطے مغفرت کی دعا کی جب میری باری آئی تو میں نے سلام کیا آپ مسکرائے اور غصہ میں فرمایا آجا میں سامنے بیٹھ گیا فرمانے لگے تو کیوں رہ گیا تھا کیا تو نے سواری نہیں خریدی تھی میں نے کہا اے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم اگر میں اور کسی کے سامنے اس وقت ہوتا تو جھوٹ بول کر عذر و حیلہ کر لیتا مگر آپ کے سامنے جھوٹ بھی بولونگا تو کچھ بس نہ چلے گی کیونکہ اصل حال اللہ پاک آپ پر ظاہر کر دیگا اور اگر سچ بولونگا اور آپ خفا بھی ہوں تو یہ امید ہے کہ خدا کے ہاں انجام بخیر ہوگا۔ واللہ مجھے کوئی عذر نہ تھا اور میں بہ نسبت پہلے کے اس وقت بہت خوش حال تھا آپ نے فرمایا تو نے سچ کہا اچھا جا خدا تیرے بارے میں کوئی حکم دیگا۔ میں چلا آیا لوگ مجھ سے کہنے لگے یہ تو نے کیا کیا ویسا ہی عذر تو بھی کر لیتا جیسا اوروں نے کیا تھا حضرت کی مغفرت کی دعا تیرے حق میں کافی ہوتی میں نے ان لوگوں سے پوچھا میرے بعد اور کون کون آیا تھا کہا کہ وہی دو شخص مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ آئے تھے انہوں نے بھی تمہاری طرح کہا حضرت نے ان سے بھی وہی کہا جو تم سے کہا تھا۔ پھر حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو منع کر دیا کہ کوئی آدمی ہم تینوں آدمیوں سے بات نہ کرے غرضکہ ہم سے سارے لوگ پھر گئے زمین بھی بدل گئی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ زمین ہی نہیں ہے پچاس روز اسی حال میں گذرے اور بیچارے وہ دونوں بھی اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے رویا کرتے میں نماز کے لئے مسجد میں جاتا کرتا تھا تو حضرت صلے اللہ علیہ وسلم میری طرف سے منہ پھیر لیا کرتے تھے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ جو میرے چچا کے بیٹے بھائی تھے میں ان کو بھی سلام کرتا تھا تو وہ جواب نہیں دیتے تھے جب چالیس راتیں گذر گئیں تو آنحضرت صلعم نے پیغام بھیجا کہ اپنی بیوی کو الگ کر دے میں نے اس کو میکے چلے جانے کو کہہ دیا ہلال بن امیہ ایک ضعیف آدمی تھے ان کی بیوی نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر کہا کوئی خادم نہیں ہے انہیں بہت تکلیف ہوگی آپ نے ان کی بی بی کو میاں کی خدمت کی اجازت دے دی اور فرمایا کہ اس کے پاس نہ جایا کرنا جب پچاس راتیں پوری ہو چکیں تو میں صبح کی نماز اپنی چھت کے اوپر پڑھ رہا تھا یہ آواز میرے کانوں میں آئی "خوش ہو جا اے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ" پھر تو میں سجدہ میں گر پڑا اور سمجھا کہ میری توبہ قبول ہوگئی صبح کو لوگ میرے پاس اور ان دونوں کے پاس بھی خوشی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ مَا كَانَ

اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور رہو ساتھ سچوں کے نہ چاہیے

لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ

مدینہ والوں کو اور جو ان کے گرد گنوار ہیں کہ رہ جاویں رسول اللہ

اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّ

کے ساتھ سے اور نہ یہ کہ اپنی جان کو چاہیں زیادہ اس کی جان سے یہ اس واسطے کہ نہیں پہنچتی ان کو پیاس اور

سنانے کو آنے لگے میں حضرت کے پاس چلا تو راستہ میں جو ملتا تھا مبارک باد دیتا تھا جب میں مسجد میں آیا تو طلحہ بن عبداللہؓ نے مجھ سے مصافحہ کر کے مبارک باد دی پھر میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا آپ نے خدا کی طرف سے یہ خوشی سنائی کہ اس نے تمہاری توبہ قبول کر لی میں نے عرض کیا کہ میں اسی خوشی میں اپنا سارا مال خدا کی راہ میں دے دیتا ہوں آپ نے فرمایا نہیں کچھ اپنے پاس بھی رہنے دے میں نے اس وقت سے یہ جی میں ٹھان لیا کہ اب ہمیشہ سچ بولا کروں گا[1] یہ حدیث آیت کی گویا تفسیر ہے عکرمہ کے قول کے موافق وعلی الثلاثۃ الذین خلفوا کی تفسیر یہ ہے کہ یہ تین شخص وہی ہیں جو اپنی توبہ کے قبول ہونے میں سب سے پیچھے رکھے گئے[2] یہ عکرمہ امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پروردہ ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بڑی محنت سے ان کو قرآن کی تفسیر سکھائی ہے اس واسطے تفسیر کے باب میں ان کے قول کا بڑا اعتبار ہے عکرمہ کی یہ تفسیر ان تینوں شخصوں کے حال کے مناسب بھی ہے کیونکہ اس سفر میں تو اسی آدمی کے قریب پیچھے رہ کر اپنے گھروں میں بیٹھ رہے تھے ان تینوں شخصوں کے ساتھ اس کی کچھ خصوصیت نہیں بلکہ ان شخصوں کے ساتھ خصوصیت ہے تو اس بات کی ہے کہ یہ تینوں شخص توبہ کے قبول ہونے میں سب سے پیچھے ہیں شریعت میں جن باتوں کے بجالانے کا حکم ہے یا جن باتوں کی مناہی ہے منافق لوگوں میں ان دونوں باتوں کی پابندی پوری نہیں تھی اس لئے ایمان دار لوگوں کو فرمایا کہ تم متقی بن جاؤ اور منافقوں کی عادت اختیار کرنے سے اللہ سے ڈرو تاکہ تمہارا حشر سچے ایمان داروں کے ساتھ ہو۔ سورۃ النساء کی آیت ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبین والصدیقین والشھداء والصالحین (۴:۶۹) اس آیت کی پوری تفسیر ہے صحاح میں صحابہ کی ایک جماعت کی حدیث المرء مع من احب مشہور ہے[3] یہ حدیث بھی اس آیت کی گویا تفسیر ہے مطلب اس حدیث کا وہی ہے جو سورۃ النساء کی آیت کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔

۱۲۰-اس آیت کو بھی اگلی آیتوں سے تعلق ہے بعض لوگ جو خاص مدینہ میں رہتے تھے یا مدینہ کے باہر گاؤں میں بستے تھے ان میں سے جو لوگ تبوک کی لڑائی میں نہیں شریک ہوئے تھے ان کے حق میں خفگی کے طور پر یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا کہ ان کو یہ بات لائق نہیں تھی کہ اپنی جان کو رسول کی جان سے زیادہ عزیز رکھتے ان کی تو بھوک پیاس ساری مشقتیں خدا کی راہ میں ایک ایک قدم اٹھانا دشمنوں کو ڈرانا دھمکانا ان پر فتح پانی یہ سب نیکی میں شمار کئے جاتے گھر میں بیٹھ کر انہوں نے اپنا ہی نقصان کیا۔ حاصل یہ ہے کہ اس آیت میں یہ بات تاکید کے ساتھ جتلائی گئی ہے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب لڑائی کو نکلیں تو تم لوگ بھی ان کا ساتھ دو اور گھروں

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۴-۶۳۶ باب حدیث کعب بن مالک و صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۶۰-۳۶۳ باب حدیث توبۃ کعب بن مالک وصاحبیہ۔
[2] تفسیر ابن جریر ج ۱۱ ص ۵۶ [3] مشکوۃ ص ۴۲۶ باب الحب فی اللہ ومن اللہ۔

لَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا یَّغِیْظُ الْكُفَّارَ

نہ محنت اور نہ بھوک اللہ کی راہ میں اور نہ پاؤں پھیرے ہیں کہیں جس سے خفا ہوں کافر

وَلَا یَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّیْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا

اور نہ چھینتے ہیں دشمن سے کچھ چیز مگر لکھا جاتا ہے اس پر ان کو نیک عمل تحقیق اللہ

یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا یُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِیْرَةً وَّلَا كَبِیْرَةً وَّلَا

نہیں کھوتا حق نیکی والوں کا اور نہ خرچ کرتے ہیں خرچ کرنا چھوٹا یا بڑا اور نہ

یَقْطَعُوْنَ وَادِیًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

گذرتے ہیں کوئی میدان مگر لکھتے ہیں ان کے واسطے کہ بدلا دے ان کو اللہ بہتر کام کا جو کرتے تھے

میں بیٹھ رہنا حرام کر دیا گیا ہے۔ ایک جگہ اس تفسیر میں گذر چکا ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی جماعت میں سے کچھ لوگ بھی اس فرض کو ادا کر لیویں تو باقی کے لوگوں کے ذمہ سے یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے لیکن تبوک کے سفر کے وقت بہت بڑے مقابلہ کا ارادہ تھا اور جن لوگوں کو کچھ عذر نہ تھا ان سب کو اللہ کے رسول نے خاص طور پر اس سفر میں چلنے کا حکم دیا تھا اس لئے جو لوگ بلا عذر اس سفر میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے اور انہوں نے اللہ کے رسول کے حکم کی حکم عدولی کی اللہ تعالے نے اس آیت میں ایسے لوگوں کو آیندہ کے لئے تنبیہ فرما کر عقبیٰ کا اجر ان کو یاد دلایا ہے تاکہ آیندہ وہ اس طرح کی پہلوتہی نہ کریں اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت آگے کی آیت سے منسوخ نہیں ہے بلکہ خاص ضرورت کے وقت اس آیت کا حکم ہے اور عام حالت میں آگے کی آیت کا حکم ہے مسند امام احمد نسائی اور ابوداؤد میں انس بن مالکؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرک کے رفع کرنے کیلئے ہر ایماندار شخص کو مال سے ہاتھ پاؤں سے زبان سے جس طرح کا موقعہ ہو اُس طرح کا جہاد کرنا چاہیئے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب مسلمانوں میں ہاتھ پاؤں سے لڑنے کی طاقت ضعیف اسلام کے سبب سے نہ ہو تو زبان سے وعظ نصیحت کر کے شرک کو رفع کیا جاوے۔ انس بن مالکؓ کی اس حدیث کو نسائی نے صحیح کہا ہے۔

۱۲۱۔ اوپر کی آیت کی تاکید میں یہ پھر فرمایا کہ غازیوں کے ہر ایک چھوٹے بڑے خرچ جو صرف اللہ ہی کے واسطے کئے جائیں یہاں تک کہ ایک کھجور بھی خلوص کے ساتھ خدا کی راہ میں کھلانا۔ چلنا۔ پھرنا۔ جنگل اور بیابانوں کو طے کرنا سب ان کے نامہ اعمال میں لکھے جاتے ہیں اور اچھے سے اچھا اس کا بدلہ ان کو دیا جاویگا۔ مسند امام احمد میں عبداللہ بن امام احمد اس آیت کے متعلق عبدالرحمٰن بن خبابؓ سلمی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے لشکر تبوک کے لئے خطبہ پڑھ کر لوگوں سے لشکر کی تنگ حال اشخاص کی مدد کرنے کو جب فرمایا تو حضرت امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ تعالے عنہ نے کہا میں نے سو اونٹ معہ ساز و سامان کے دئے پھر آپ نے ترغیب دلائی پھر حضرت عثمانؓ نے سو اونٹ دینے کو فرمایا پھر آپ نے کہا پھر سو اونٹ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دئے اور ایک ہزار اشرفیاں حضرت کی گود میں لاکر ڈال دیں کہ اس سے اس لشکر کا سامان درست کر دیا جائے عبدالرحمٰن بن خباب کی یہ حدیث ترمذی اور

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ

اور ایسے تو نہیں مسلمان کہ سارے کوچ میں نکلیں سو کیوں نہ نکلے ہر فرقے میں سے ان کے ایک

طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ

حصہ تا سمجھ پیدا کریں دین میں اور تا خبر پہنچا دیں اپنی قوم کو جب پھر آویں ان کی طرف شاید

يَحْذَرُونَ ﴿۱۲۲﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ

وہ بچتے رہیں اے ایمان والو لڑتے جاؤ اپنے نزدیک کے کافروں سے

وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۱۲۳﴾

اور چاہیے ان پر معلوم ہو تمہارے بیچ میں سختی اور جانو کہ اللہ ساتھ ہے ڈر والوں کے

ع ۴ ۱۵ لربع

مستدرک حاکم میں بھی[۱] ہے اور عمران بن حصین کی ایک حدیث طبرانی کے حوالہ سے اوپر گذر چکی[۲] ہے اس میں بھی یہ مضمون ہے غرض اس حدیث کی روایت کے چند طریق ہیں جس کے سبب سے ایک سند کو دوسری سند سے تقویت حاصل ہو جاتی ہے یہ عبدالرحمن بن خباب صحابی ہیں انہوں نے آخر کو بصرہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

۱۲۲- یہاں مفسروں کا اختلاف ہے اکثر یہ کہتے ہیں کہ جب جہاد کے لئے خدا نے تاکید فرمائی اور گھروں میں بیٹھ رہنا منع فرمایا تو کل مسلمانوں نے یہ صلاح کر لی کہ اب جب کبھی کوئی لڑائی ہوگی تو سب کے سب شریک ہوا کریں گے چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس آئے اور ایک لڑائی پر لشکر بھیجا جاتا تو سارے مسلمان جانے پر تیار ہو گئے اللہ تعالےٰ نے یہ آیت اتاری اور فرمایا کہ سب نہ جاؤ کچھ لوگ دین کی باتیں سیکھنے کو رہ جاؤ اور جو نیا حکم قرآن کا اتارا جائے یا شریعت میں کوئی نئی بات بتلائی جائے اس کو سیکھو اور جب تمہارے دوسرے بھائی جہاد سے واپس آدیں تو انہیں بتلاؤ بعضے کہتے ہیں کہ یہ آیت ہی الگ ہے جہاد کی آیتوں سے اس کو لگاؤ نہیں ہے جس طرح جہاد میں گھر سے نکلنے کی تاکید ہے اسی طرح علم دین سیکھنے کی تاکید کی گئی ہے اور فرمایا ہے کہ دین کی باتیں سیکھ کر آؤ اور اپنی قوم کو ہدایت کرو اور ڈراؤ تاکہ وہ برائیوں سے بچیں پہلی تفسیر امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس کے قول[۳] کے موافق ہے اس لئے اسی کو ترجیح ہے۔

۱۲۳- اس آیت میں خدا کا یہ حکم ہوا ہے کہ پہلے ان کافروں سے جہاد شروع کرو جو تمہارے آس پاس کے رہنے والے ہیں پھر ان سے لڑو جو ان سے قریب ہوں اسی لئے حضرت پہلے اپنے ہی قبیلہ کے مشرک اور کافروں سے لڑے پھر عرب کے اور کافر اور مشرکوں سے پھر اس کے بعد اور ملکوں میں جا کر جہاد کیا اور یہ بھی فرمایا کہ جوانمردی کے ساتھ لڑو۔ اوپر گزر چکا ہے کہ اب ضعف اسلام کے زمانہ میں جہاد کی ایک قسم زبانی وعظ و نصیحت کی باقی رہ گئی ہے اس لئے علمائے اسلام کو چاہیے کہ پہلے اپنی سکونت کی بستی میں وعظ و نصیحت کرکے لوگوں کو راستہ پر لاویں پھر باہر کا قصد کریں تاکہ اس آیت کی ہدایت کا عمل ہاتھ سے نہ جاوے آخر آیت میں فرمایا کہ شریعت کے امرونہی کو مان کر دین الٰہی کی ترقی کی نیت سے جو لڑائی لڑی جاوے گی تو اللہ ایسے متقی لڑنے والوں کے ساتھ اور ان کا مددگار ہے جسکا مطلب ہے کہ کسی اور غرض سے لڑائی

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۔۔ لم وجامع ترمذی ج ۲ ص ۲۱۱ باب مناقب عثمان و مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۰۲ تجہیز عثمان جیش العسرۃ عن عبدالرحمن بن سمرو۔ [۲] یعنی زیر آیت نمبر ۱۱۱ [۳] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۔۔ ۱ ۴۰۱ م

وَإِذَا مَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُم مَّن يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِۦٓ إِيمَٰنًا ۚ

اور جب نازل ہوئی ایک سورت تو بعضے ان میں کہتے ہیں کس کو تم میں زیادہ کیا اس سورت نے ایمان

فَأَمَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ فَزَادَتْهُمْ إِيمَٰنًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۱۲۴﴾ وَأَمَّا ٱلَّذِينَ

سو جو لوگ یقین رکھتے ہیں ان کو زیادہ کیا ایمان اور وہ خوش وقتی کرتے ہیں اور جن کے

لڑی جائے گی تو بنا اس کو دین کی لڑائی قرار دیا جاویگا اس میں اللہ کی مدد کی امید ہو سکتی ہے۔ صحاح کی چھیوں کتابوں میں ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عقبےٰ کے اجر کی وہی لڑائی ہے جس میں دین الٰہی کی ترقی کی نیت ہو اس کے سوا کسی اور لڑائی میں عقبےٰ کے اجر کی امید نہیں کی جاسکتی[1] یہ حدیث آیت کے آخری ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کمزوری کے حال میں مسلمانوں کو اپنی بہادری دکھانے کے لئے کسی ایسے قوی مخالف سے لڑنا جس سے بجائے دین کی ترقی کے الٹی دین کی اور توہین ہو ایسی لڑائی کو بھی دین کی لڑائی نہیں کہا جاسکتا۔

۱۲۴-۱۲۵- ان آیتوں میں بھی منافقوں کی فضیحت بیان کی گئی ہے کہ جب کوئی سورت اترتی تھی تو مومنوں سے دل لگی کرتے تھے کہ ہو سورت اترنے سے کس کس کا ایمان بڑھا۔ اصل میں وہ چاہتے تھے کہ یہ لوگ بھی ہماری طرح دین اسلام سے پھر جائیں مگر جو لوگ سچے مومن تھے وہ سورت اترنے سے بہت خوش ہوتے تھے کیونکہ ان کو دنیا کے اندر بھی فائدہ پہنچتا تھا اور آخرت میں بھی ثواب کے حقدار ہوتے تھے اور منافق اپنے وہ عیب سن کر جو اس سورہ میں بیان کئے جاتے تھے ان کے چھپانے کی کوشش کرتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مومن تو نہال نہال ہو جاتے ہیں اور انکا ایمان بھی پکا ہو جاتا ہے ہاں جن کے دلوں میں شرک اور نفاق کی بیماری ہے ان کی خباثت اور بڑھتی جاتی ہے اسی واسطے آدمی کو چاہئے جب کوئی اس کا عیب ظاہر کرے تو برا نہ مانے بلکہ اس کو چھوڑنے کی کوشش کرے کیونکہ نیک بخت وہی ہے جو عیب کی باتوں کو چھوڑ دے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق قرآن شریف کی نئی سورت یا نئی آیت سے ایمان کے بڑھنے کا یہ مطلب ہے[2] کہ مثلاً جب ہجرت سے پہلے فقط نماز ہی فرض تھی تو ہر ایماندار کے دل میں نماز کے رکن اسلام ہونیکا یقین تھا اور زبان سے بھی ہر ایماندار شخص کو نماز کے رکن اسلام ہونیکا اقرار تھا پھر ہجرت کے بعد جب مثلاً رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم نازل ہوا تو اس کو بھی رکن اسلام جاننے اور اقرار کرنے میں ان کی پہلے کی حالت میں گویا ایک ترقی ہو گئی بلکہ پہلے مثلاً ایک چیز کا یقین اور اقرار تھا تو اب دو چیزوں کا ہو گیا۔ جو علماء ایمان کے گھٹنے بڑھنے کے قائل نہیں ہیں ان کا اعتراض اس موقعہ پر یہ ہے کہ دلی یقین میں کمی تسلیم کی جاوے گی تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ دلی یقین پورا نہیں ہے بلکہ اس میں ایک شک کی حالت ہے پھر اس طرح کے شک کی حالت والے شخص کو ایماندار کیونکر کہا جاسکتا ہے جو علماء ایمان کے گھٹنے بڑھنے کے قائل ہیں وہ اس اعتراض کا یہ جواب دیتے ہیں کہ بغیر تفصیل کے مجمل طور پر اس بات کا یقین جس شخص کے دل میں ہے کہ اللہ کے رسول پر جو احکام نازل ہوئے وہ بلاشک و شبہ احکام الٰہی ہیں اس قدر اجمالی یقین اس شخص کے ایماندار ہونے کے لئے کافی ہے کیونکہ اس کے اس مجمل طور کے یقین میں کوئی شک و شبہ شریک نہیں ہے اس لئے اس مجمل طور کے یقین کو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ دلی یقین پورا نہیں ہے ہاں مثلاً جب ہجرت سے پہلے رمضان کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے تو اس مجمل طور کے یقین میں روزوں کے اسلام

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۹۴ باب من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ہی العلیا و صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳۹ کتاب الجہاد و جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۹۸ باب ما جاء من یقاتل ریاء و للدنیا و ترغیب ترہیب ج ۱ ص ۳۴۲

[2] تفسیر ابن جریر ج ۱۱ ص ۴۷۔

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ (۱۲۵)

دل میں آزار ہے سو ان کو بڑھائی گندگی پر گندگی اور وہ مرے جب تک کافر رہے۔

ہونے کا یقین تفصیلی طور پر نہیں تھا جب ہجرت کے بعد رمضان کے روزے فرض ہوگئے تو اس اجمالی یقین میں ایک تفصیلی حالت بڑھ گئی تفصیلی معلومات کے بڑھ جانے سے علم میں ترقی کا ہو جانا ایک ایسا ظاہری مسئلہ ہے کہ جس میں زیادہ بحث کی گنجائش نہیں ہے کس لئے کہ مثلاً طب کے علم کا ایک ناتجربہ کار طالب علم اجمالی طور پر یہ تو طالب علمی کے زمانہ سے جانتا ہے کہ گرم مرض کا علاج ٹھنڈی دواؤں سے ہوتا ہے لیکن تفصیلی طور پر ابھی اس کو یہ معلوم نہیں کہ کونسی ٹھنڈی دوا مرض کے کس موقع پر کس مقدار میں برتی جاتی ہے مدت کے تجربہ کے بعد جب اس طالب علم کو یہ سب باتیں تفصیل سے معلوم ہوگئیں تو اس کا کون انکار کر سکتا ہے کہ بہ نسبت پہلے کے اب اس کے علم طب میں ترقی ہوگئی۔ ایمان کے گھٹنے بڑھنے کی ایک صورت تو یہ تھی جس کا ذکر اوپر گزرا دوسری صورت یہ ہے کہ دلی یقین کا حال تو سوا اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں اس واسطے اکثر علماء نیک عملوں کو دلی یقین کے پورے اور ادھورے ہونے کی نشانی ٹھہراتے ہیں اور نیک عملوں میں زیادہ مصروف رہنے والے شخص کو کامل الایمان اور کم مصروف رہنے والے کو ناقص الایمان کہتے ہیں غرض یہ ایمان کے گھٹنے بڑھنے کا مسئلہ بڑا طول طویل ایک مسئلہ ہے جس کی تفصیلی بحث بڑی کتابوں میں ہے[1]۔ ہر نیک کام کا اجر دس سے لے کر سات سو تک ہے اس لئے جو نئی سورت یا آیت نازل ہوتی تھی صحابہ اس پر عمل کرنے کو زیادتی اجر کا ذریعہ سمجھ کر جدید احکام کے نزول پر خوشوقتی ظاہر کیا کرتے تھے۔ منافقوں کا حال اس کے برعکس تھا ایک آیت پر اکہرا شک تو تھا اور دوسری نئی آیت پر وہ دوہرا ہو گیا اس لئے فرمایا کہ مرتے دم تک ان کی روز بروز کی گندگی بڑھتی جاوے گی صحیح بخاری و مسلم کی ابوسعید خدریؓ کی حدیث اس تفسیر میں ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے احکام وحی کی مثال مینہ اور امت کے اچھے بُرے لوگوں کی مثال اچھی بُری زمین کی فرمائی ہے[2] جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح اچھی بری زمین میں مینہ تو ایک سا ہی برستا ہے لیکن اچھی زمین میں اس کا نتیجہ اور اثر مفید ہوتا ہے۔ اور بری زمین میں نامفید اسی طرح اللہ کے رسول کی معرفت وحی آسمانی کے نصیحتی احکام تو اچھے بُرے سب لوگوں کو اس وقت ایک سان پہنچے اور سلسلہ بسلسلہ قیامت تک پہنچیں گے مگر اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں جو لوگ نیک قرار پا چکے تھے ان پر ان احکام کا اثر مرتے دم تک نیک ہوا اور جو بد قرار پا چکے تھے ان پر ان احکام کا اثر برعکس یہ حدیث اس آیت کی گویا تفسیر ہے۔ بخار کھانسی وغیرہ جس طرح جسمانی مرض کہلاتے ہیں۔ نفاق ریاکاری اسی طرح دلی امراض ہیں اسی واسطے نفاق کو دل کا مرض فرمایا صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ لوگوں کے جسموں اور صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ اللہ تعالیٰ تو لوگوں کے دلوں کو دیکھتا ہے[3] کہ قلبی امراض سے ان کے دل کہاں تک پاک و صاف ہیں صحیح بخاری و مسلم میں نعمان بن بشیرؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرمایا آدمی کے جسم میں دل ایک ایسی چیز ہے کہ اگر وہ اچھی حالت میں ہے تو آدمی کا سارا جسم اچھی حالت میں ہے[4] نعمان بن بشیرؓ کی یہ حدیث ابوہریرہؓ کی حدیث کی گویا تفسیر ہے دونوں حدیثوں کو ملانے سے حاصل مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نظر خاص آدمی کے دل کی حالت پر ہے اگر امراض قلبی سے اسکا دل پاک ہے

[1] مثلاً صحیح بخاری میں ایمان کی زیادتی کمی کا باب مع شرح فتح الباری۔ [2] صحیح بخاری ص ۱۸ باب فضل من علم و علم [3] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱۷ باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ الخ [4] مشکوٰۃ ص ۲۴۱ باب الکسب و طلب الحلال۔

أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا

یہ نہیں دیکھتے کہ وہ آتے ہیں آزمانے میں ہر برس ایک بار یا دو بار پھر توبہ نہیں کرتے اور نہ

هُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٢٦﴾ وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ هَلْ

نصیحت پکڑتے ہیں اور جب نازل ہوتی ایک سورت دیکھنے لگے ایک دوسرے کی طرف کہ کوئی

يَرَاكُم مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ انصَرَفُوا ۚ صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُم بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ﴿١٢٧﴾

دیکھتا بھی ہے تم کو پھر چلے گئے پھیر دیئے ہیں اللہ نے دل ان کے اس واسطے کہ وہ لوگ ہیں کہ سمجھ نہیں رکھتے

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم

آیا ہے تم پاس رسول تم میں کا بھاری ہوتی ہے اس پر جو تم تکلیف پاؤ تلاش رکھتا ہے تمہاری

تو ہاتھ پاؤں زبان سب اعضا کی عبادت اس کی مقبول ہے نہیں تو نہیں یہ حدیثیں بھی گویا آیت کی تفسیر ہیں۔

۱۲۶-۱۲۷- اللہ پاک تعجب کے ساتھ منافقوں کا حال بیان فرماتا ہے کہ ہر سال ایک دو دفعہ ان کی آزمائش ہوتی ہے قحط بھی پڑتا ہے بیماریوں کی مصیبت جھیلتے ہیں مگر یہ اپنے نفاق میں ایسے ڈھیٹھ ہیں کہ نہ توبہ کرتے ہیں نہ آیندہ خوف کرتے ہیں اور جب کوئی سورت اترتی ہے تو اس میں اپنے عیب کو سن کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگتا ہے کہ کسی نے ہماری طرف دیکھا نہیں اور وہاں سے دب کر سرک جاتے ہیں اور مذمت کی آیت یا سورت کو پورے طور پر نہیں سنتے ابن ماجہ میں ابن عمرؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کم تولنے کے وبال سے اکثر قحط پڑا کرتا ہے[1] اس حدیث کی سند میں اگرچہ ایک راوی خالد بن یزید بن عبدالرحمن ضعیف ہے لیکن مستدرک حاکم اور بیہقی میں بعض حدیثیں[2] اس مضمون کی ہیں جن سے اس حدیث کی سند کو تقویت حاصل ہو جاتی ہے اس حدیث سے آیت کی یہ تفسیر ہو سکتی ہے کہ جس طرح منافقوں کے نفاق کے سبب سے قحط اور بلا آتی ہے اسی طرح کم تولنے سے خالص مسلمانوں پر بھی یہ بلا آتی ہے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث اوپر گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے منافقوں کا حال اس بکری کے مانند فرمایا ہے[3] جو اپنے ریوڑ کو بھول کر اِدھر اُدھر بھٹکتی پھرتی ہے یہ حدیث منافقوں کے ناسمجھ ہونے کی گویا تفسیر ہے کہ یہ لوگ اپنی نافہمی کے سبب سے نہ مسلمانوں کے گروہ میں ہیں نہ منکرین اسلام لوگوں کے گروہ میں مجاہد کے قول کے موافق فتنہ کے معنے یہاں قحط بیماری اور اسی طرح کی آفتوں کے ہیں[4]۔

۱۲۸- یہ اللہ پاک اپنے بندوں پر اپنا احسان جتلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر ایسا رسول بھیجا جو تمہاری طرح وہ بھی آدمی ہے تمہاری زبان بولتا ہے سمجھتا ہے تمہاری تکلیف اور محنت گوارا نہیں کرتا وہ دل سے چاہتا ہے کہ تم سب کے سب سچے دل سے مسلمان ہو جاؤ۔ اس آیت کے متعلق حضرت ابن عباسؓ نے جو کچھ فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ عرب کے کل قبیلوں سے حضرت کا رشتہ ملتا ہے اسی لئے اللہ جل شانہ نے فرمایا ایسا رسول آیا جو تم میں سے ہے بلکہ عرب کے سارے قبیلوں سے آپ حسب نسب میں اچھے ہیں کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام زیادہ عزت والے تھے ان کی اولاد میں بنی کنانہ کو مرتبہ حاصل ہوا بنی کنانہ میں قریش زیادہ عزت والے تھے اور قریش میں بنی ہاشم نے زیادہ مرتبہ پایا بنی ہاشم میں حضرت عبدالمطلب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دادا کو زیادہ عزت حاصل

[1] الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۴۳ الترہیب من بخس الکیل والوزن [3] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۰ کتاب صفات المنافقین۔
[2] ایضاً

[4] تفسیر ابن جریر ج ۱۱ ص ۷۳-۷۴۔

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ

ایمان والوں پر شفقت رکھتا مہربان پھر اگر وہ پھر جاویں تو تو کہہ بس ہے مجھ کو اللہ کسی کی بندگی

اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾

نہیں سوائے اس کے اسی پر میں نے بھروسا کیا اور وہی ہے صاحب بڑے تخت کا

ع ۱۶ / ۵

ہوئی اور حضرت عبدالمطلب کے خاندان میں حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ ناقابل اعتراض سند سے امام احمد حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے یوں روایت کرتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک روز میں سوتا تھا دو فرشتے میرے پاس آئے ایک سرہانے اور ایک پائنتی بیٹھ گیا پائنتی کے فرشتے نے سرہانے کے فرشتے سے یوں کہا کہ ان کی اور ان کی امت کی کہاوت ایسی ہے جیسے چند مسافر مفلس ہو کر کسی جگہ بیٹھ گئے ہوں ان کے پاس اتنا خرچ نہ ہو کہ وہ اپنے گھر کو پلٹ آویں یا آگے کو رخ کریں اتنے میں ایک بزرگ آدمی آکر ان سے کہے کہ میں تمہیں اچھے اچھے باغ اور عمدہ عمدہ مکان میں لے چلونگا اگر تم چلنے پر راضی ہو تو میری تابعداری اختیار کرو وہ لوگ تابعداری کا اقرار کرلیں اور وہ بزرگ مرد ان کو لے کر وہیں پہنچے جہاں کا وعدہ کیا تھا وہ لوگ تھوڑے دنوں میں عیش میں رہ کر اور کھا پی کر خوب موٹے تازے ہو جائیں پھر وہ بزرگ اُن سے کہے کہ دیکھو میں نے تم سے جس جگہ کا وعدہ کیا تھا وہاں پہنچا دیا اب اس سے آگے اور بھی اچھے اچھے باغ اور مکان میں تابعداری کی شرط کر کے تو میرے ساتھ چلے چلو بعضے تو ان میں سے اس شرط پر راضی ہو جائیں اور بعضے کہیں کہ ہم کو تو یہی جگہ پسند ہے اب یہاں سے کہاں جائیں ۔حاصل مطلب یہ ہے کہ اللہ کے رسول کے طفیل سے مسلمانوں میں ایک مدت تک دنیا کی بڑی خوشحالی رہی اب اس خوشحالی میں بعضے اللہ کے بندوں نے تو دنیا کی خوشحالی کے علاوہ عقبیٰ کی خوشحالی بھی حاصل کی اور بعضے لوگ دنیا کی خوش حالی پر اس قدر گرویدہ ہوئے کہ انہوں نے اپنی عقبیٰ کی دائمی خوش حالی میں فتور ڈال دیا۔

۱۲۹- اس آیت اور اس کے اوپر کی آیت کے متعلق ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ قرآن میں سب آیتوں سے پیچھے یہ دونوں آیتیں اتری ہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے زمانہ میں جس وقت قرآن مجید لکھا گیا جارہا تھا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر اس کے ساتھ اور ایک آیت بھی ہوتی یعنی تین آیتیں ہوتیں تو میں ان کو علیحدہ ایک سورت کر دیتا بہر حال یہ سورۂ توبہ بڑی مبارک سورہ ہے معتبر سند سے ابوداؤد میں حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ جو شخص ہر روز صبح و شام حسبی اللہ لا الٰہ الا ھو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم سات مرتبہ پڑھ لیا کرے تو خدا اس کی ساری مشکلیں آسان کریگا اگرچہ ابودرداءؓ کی یہ روایت موقوف ہے لیکن اس طرح کی موقوف روایتیں حدیث نبوی کے حکم میں ہوا کرتی ہیں کیونکہ صحابہ اپنی طرف سے ایسا مضمون بیان نہیں کر سکتے۔ صحابہ جن روایتوں کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچاتے ایسی روایتوں کا سلسلہ صحابہ تک موقوف رہ جاتا ہے اس لئے ایسی روایتوں کو موقوف کہتے ہیں ۔

تمّت

لہ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۰۴۔ ۲؎ تفسیر ابن جریر ج ۱۱ ص ۵۸۔ ۳؎ تفسیر ابن کثیر ص ۴۰۵ ج ۲۔

ماخذ و مراجع

عدد مسلسل	کتاب	اجزاء	مؤلف	سنِ وفات	مطبوعہ	سنِ طباعت
۱	تفسیر ابن جریر	۳۰	امام محمد بن جریر الطبریؒ	۳۱۰ھ	مصطفی البابی مصر	۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۴ء
۲	تفسیر فتح البیان جلد سوم	۱۰	سید علامہ نواب محمد صدیق حسن خانؒ	۱۳۰۷ھ	بولاق	
۳	موطاؒ	۲	امام مالک بن انس مدنیؒ	۱۷۹ھ	مجتبائی دہلی	۱۳۰۷ھ
۴	السنن الکبریٰ بیہقی	۱۰	حافظ ابوبکر احمد بن الحسین البیہقیؒ	۴۵۸ھ	دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن	۱۳۵۵ھ
۵	تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ (نصف اول)	۲	علامہ سید احمد حسن دہلویؒ	۱۳۳۸ھ	انصاری دہلی	۱۳۲۵ھ
۶	منتقی الاخبار	۱	مجد الدین عبد السلام ابن تیمیہؒ	۶۵۲ھ	مکتبہ تجاریہ مصر	۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء
۷	فیض القدیر شرح جامع صغیر	۶	علامہ محمد عبد الرؤف المنادی الشافعیؒ	۱۰۳۱ھ	مصطفیٰ محمد مصر	۱۳۵۶ھ
۸	کتاب الاموال	۱	حافظ ابو عبید القاسم بن سلامؒ	۲۲۴ھ	〃	۱۳۵۳ھ
۹	کتاب الآثار	۱	امام محمد بن حسن شیبانیؒ	۱۸۷ھ	مطبع اسلامی لاہور	۱۹۱۱ء
۱۰	حجۃ اللہ البالغہ	۲	شاہ ولی اللہ دہلویؒ	۱۱۷۶ھ	منیریہ مصر	۱۳۵۲ھ
۱۱	المغنی	۱۲	موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامۃ المقدسی	۶۲۰ھ	المنار مصر	۱۳۴۸ھ
۱۲	عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ	۴	مولانا عبد الحی لکھنویؒ	۱۳۰۴ھ	لاہور	۱۳۳۲ھ
۱۳	غیث الغمام حاشیہ امام الکلام	۱	〃 〃 〃	〃	علوی لکھنؤ	۱۳۰۲ھ

سلہ جلد اول کے آخر میں مراجع کی فہرست دے دی گئی تھی۔ یہ ان کے علاوہ ہے (ع۔س)

اشاریۂ روایات[1]

(الف)

[1] اشاریہ عام طور پر ان ناموں کا ہے جن سے احادیث مروی ہیں۔ متصل ہو یا مرسل۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سوائے دوسروں کے اقوال سے تعرض نہیں کیا گیا (ع۔د)

اوزمینٹ پروسیس توحید پارک لاہور

بسم الله الرحمن الرحيم
قل أعوذ برب الفلق من شر ما خلق ومن شر
غاسق إذا وقب ومن شر النفاثات
في العقد ومن شر حاسد إذا حسد

بسم الله الرحمن الرحيم
قل أعوذ برب الناس ملك الناس اله
الناس من شر الوسواس الخناس الذي
يوسوس في صدور الناس من الجنة والنا

وَقف فِی سبیل اللہ
ہدیہ منجانب:
بلال گروپ آف انڈسٹریز
لاہور۔کراچی
۱۰۔ سی فیلڈ روڈ۔ کراچی —— ۸۸۔ اے مین گلبرگ۔ لاہور
Tel: 5716134-6
Fax: 5711530
Tel: 512529
513311